جنوری ۲۰۰۰ء

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

# اہل پاکستان کی دینی ذمہ داریاں
# اور ان کی ادائیگی کے لوازم

ڈاکٹر اسرار احمد

اِن شاء اللہ العزیز ـــــــــــ سال 2000ء سے

# قرآن کالج فار گرلز

433۔ کے' ماڈل ٹاؤن توسیعی سکیم۔ لاہور

میں ہائی سکول کلاسز' یعنی

## چھٹی' ساتویں اور آٹھویں کلاس کا آغاز بھی کر دیا جائے گا

سنجیدہ علمی ماحول میں اپنی بچیوں کو معیاری تعلیم دلوانے کے ساتھ ساتھ انہیں دینی اقدار اور اسلامی آداب سے روشناس کرانے کے خواہش مند والدین اس موقع سے فائدہ اٹھائیں

ـــــــــــ **نوٹ** : ـــــــــــ

مذکورہ بالا کلاسز میں باضابطہ داخلوں کا آغاز فروری 2000ء میں ہو گا

☆

زیرِ انتظام : مرکزی انجمن خُدّام القُرآن لاہور

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون : 03۔5869501

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

| | |
|---|---|
| جلد : | ۴۹ |
| شمارہ : | ۱ |
| شوال المکرم | ۱۴۲۰ھ |
| جنوری | ۲۰۰۰ء |
| فی شمارہ | ۱۰/- |
| سالانہ زرِ تعاون | ۱۰۰/- |




سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ ' کینیڈا ' آسٹریلیا ' نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب ' کویت ' بحرین ' قطر ' عرب امارات بھارت ' بنگلہ دیش ' افریقہ ' ایشیا ' یورپ ' جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران ' ترکی ' اومان ' مسقط ' عراق ' الجزائر ' مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیلِ زر : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور


مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔ کے ' ماڈل ٹاؤن ' لاہور 54700 ۔ فون : 03-02-5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔ گڑھی شاہو ' علامہ اقبال روڈ ' لاہور ' فون 6305110

پبلشر : ناظم مکتبہ مرکزی انجمن ' طابع : رشید احمد چوہدری مطبع . مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

# مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## عرضِ احوال

اللہ تعالیٰ کی رحمتوں' برکتوں اور مغفرتوں کے حامل ماہِ رمضان کا دوسرا عشرہ بھی اب تیزی سے ختم ہو رہا ہے اور اس ماہ مبارک کا تیسرا عشرہ' جسے جہنم سے رُستگاری کا عشرہ قرار دیا گیا ہے' شروع ہوا چاہتا ہے۔ یقیناً خوش بخت ہیں وہ لوگ جو اس ماہِ سعادت کے لیل و نہار سے مستفیض ہو رہے ہیں اور صیام و قیام کے دوگونہ پروگرام کے فیوض و برکات سے اپنی جھولیاں بھر رہے ہیں۔ اور جو مسلمان اس ماہِ مبارک میں بھی تہی دامن رہ جائے وہ یقیناً بدنصیب ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک!

یہاں قرآن اکیڈمی لاہور میں ماہِ رمضان کی راتوں کی کیفیت ہی عجیب ہوتی ہے۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ نے ۱۹۸۴ء کے رمضان میں نماز تراویح کے ساتھ ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن کریم کے جس روح پرور پروگرام کا آغاز فرمایا تھا وہ بحمد اللہ کسی تعطل کے بغیر جاری و ساری ہے اور ہر سال رمضان المبارک کی راتوں میں جامع القرآن قران اکیڈمی میں ایک جشن کا سا سماں نظر آتا ہے۔ دور و نزدیک سے جمع ہونے والے طالبان قرآن کا ذوق و شوق دیدنی ہوتا ہے' جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس سال یہاں دورۂ ترجمہ قرآن کی سعادت خود محترم ڈاکٹر صاحب حاصل کر رہے ہیں۔ لاہور میں کئی دیگر مقامات کے علاوہ کراچی اور ملک کے دوسرے شہروں میں بھی دورۂ ترجمۂ قرآن کا متعدد مقامات پر اہتمام کیا گیا ہے۔ مدیر میثاق حافظ عاکف سعید صاحب اس بار امریکہ کے شہر شکاگو میں دورۂ ترجمۂ قرآن کروا رہے ہیں۔

☆ ☆ ☆

ان دنوں رمضان المبارک اور ماہِ دسمبر شانہ بشانہ گزر رہے ہیں۔ ملک خداداد پاکستان کے اعتبار سے ان دونوں مہینوں کی اہمیت مسلم ہے' کہ پاکستان ۲۷ رمضان المبارک کو وجود میں آیا تھا ـــــ اور اپنی منزل کی سمت میں پیش قدمی نہ کر سکنے کے نتیجے میں اپنے قیام کے چوبیس برس بعد ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو دولخت ہو گیا۔ سقوط مشرقی پاکستان کے حادثہ فاجعہ کے حوالے سے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی طرف سے مندرجہ ذیل پریس ریلیز قومی اخبارات میں اشاعت کیلئے جاری کیا گیا:

> "مملکت خداداد پاکستان کا اپنے قیام کے صرف چوبیس برس بعد ہی سقوطِ ڈھاکہ جیسے سانحہ سے دوچار ہو جانا اگر اُس وقت تک کی ہماری سیاسی و ملی زندگی کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اُس کے بعد ہم نے اصلاح کیلئے کوئی کوشش کی ہے تاکہ

آئندہ اس قسم کے حادثات سے بچا جا سکے؟ اس کا جواب ہے ' ہرگز نہیں! بلکہ اُس وقت تک اخلاق و کردار کے حوالے سے پستی کی طرف ہمارے سفر کا صرف آغاز ہوا تھا جب کہ اب ' اِلاّ ما شاء اللہ ' ہم تمام حدیں پھلانگ کر پستی کے گہرے غاروں میں گر چکے ہیں۔ ملک کے اندر دہشت ناک اور گھناؤنے جرائم کا جو سلسلہ ایک عرصہ سے جاری تھا اس پر مستزاد ایک سو بچوں کے قتل کا حالیہ انکشاف انسانیت کے منہ پر زبردست طمانچے کی حیثیت رکھتا ہے۔ روایتی امن و امان کا مسئلہ بھی کسی طور سے قابل رشک نہیں۔ آئے روز کے بم دھماکے قیمتی جانوں کے ضیاع کا باعث ہیں۔ چوری ' ڈاکے اور بر سرِ عام قتل کی وارداتیں روزہ مرہ کا معمول بن چکی ہیں۔ عوام کے جان و مال ' عزت و آبرو کوئی شے محفوظ نہیں۔ کاروباری اور سماجی زندگی میں جھوٹ ' دھوکے ' فریب اور مکاری کا دور دورہ ہے۔ اکثر یہ کہا اور سمجھا جاتا ہے کہ ساری خرابی ہماری قیادت اور اونچے طبقے میں ہے حالانکہ یہ محض خوش فہمی ہے۔ جھوٹ ' بدعہدی اور خیانت پورے معاشرے میں رچی بسی ہے۔ جن لوگوں کے اندر کچھ بھی نیکی اور خدا خوفی کا جذبہ ہوتا ہے انہیں سب سے پہلے اپنی فکر ہوتی ہے اور وہ اپنی خامیاں اور کوتاہیاں دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں چونکہ ہر ایک چور ہے اس لئے وہ دوسروں کو چور چور کہے جا رہا ہے۔

اس وقت بظاہر ہمارا سب سے خوفناک اور سنگین ترین مسئلہ اقتصادی اور مالیاتی بحران کا ہے ' چنانچہ جنرل پرویز مشرف کی حکومت کی تمام تر توجہ اسی مسئلے پر مرکوز نظر آتی ہے۔ اس مسئلے کی سنگینی کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ عوام اگر بھوکے مریں گے تو ان کیلئے اچھائی اور برائی کی تمیز کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ لہٰذا ہمیں بیک وقت فوری اور دور رس دونوں عوامل کو مدنظر رکھ کر ایک توازن کے ساتھ آگے بڑھنا ہو گا۔ میرے نزدیک موجودہ حکومت کو اِس وقت خواہی نخواہی ایک منفرد اور قابل رشک حیثیت حاصل ہو چکی ہے جسے اگر حالات کا جبر کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ لہٰذا اسے معمول کی کارروائیوں پر وقت اور قوت صرف کرنے کی بجائے ملک اور قوم کو اصل راہ پر لانے کیلئے بنیادی کردار ادا کرنا چاہئے۔ لوٹی ہوئی دولت کی واپسی ' مجرموں کو فوری اور سخت سزا ' کرپشن ' سود ' جوئے ' فحاشی ' عریانی کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ زرعی اصلاحات ' زراعت کو فروغ دینا اور دستور کی سطح پر قرآن و سنت کی مکمل اور غیر مشروط بالادستی ایسے امور ہیں جن پر شاید ہی کسی کو اختلاف ہو۔ البتہ ان کی خاطر خواہ انجام دہی کیلئے متعلقہ شعبہ میں ماہرین تو درکار ہوں گے ہی ' اصل ضرورت عزم و ارادہ اور مادی اسباب و ذرائع سے زیادہ اللہ پر یقین اور توکل کی ہے "۔

## ظروف و احوال

### "سود سے متعلق سپریم کورٹ کا فیصلہ درست سمت میں ایک صحیح اقدام ہے"

### "CTBT پر دستخط اور ایٹمی ٹیکنالوجی سے دستبرداری ملک و ملت سے غداری کے مترادف ہے"

**مسجد دارالسلام باغ جناح میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد**
**کے ۲۴ ستمبر ۹۹ء کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز**

پاکستانی قوم کو سپریم کورٹ کے سود سے متعلق فیصلے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے تو دوسری طرف موجودہ پاکستانی حکومت کی سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے میں رضامندی ظاہر کرنے پر اللہ سے پناہ طلب کرنی چاہئے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سی ٹی بی ٹی کے معاملے میں حکومت نے امریکہ سے کوئی سمجھوتہ کر لیا ہے جو ملک و ملت سے غداری کے مترادف ہے۔ اگرچہ سود کے مسئلے میں سپریم کورٹ کے شریعت بنچ کا فیصلہ درست سمت میں ایک صحیح اقدام ہے اور حکومت نے اس فیصلے پر نظرثانی کی اپیل دائر نہ کرنے کا عزم بھی ظاہر کیا ہے لیکن ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے' کیونکہ نواز شریف حکومت نے بھی ۱۹۹۲ء میں فیڈرل شریعت کورٹ کے سود کے خلاف سنائے جانے والے تاریخی فیصلہ پر متضاد طرز عمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ مزید برآں اس فیصلے کی تنفیذ کے پیچیدہ مراحل ابھی باقی ہیں' جس کیلئے بڑے پیمانے پر قوانین میں تبدیلی کرنی ہوگی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کونسا قانون ساز ادارہ یا اسمبلی قوانین میں تبدیلی کرے گی جبکہ آئین خود معطل ہے۔

نواز' مشرف محاذ آرائی کے نتیجے میں حالات بڑی تیزی سے خالص مارشل لاء کی طرف بڑھتے نظر آ رہے ہیں' جس کے نتیجے میں مالیاتی قوانین میں تبدیلی کا معاملہ کھٹائی میں پڑتا دکھائی دیتا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ حکومت پہلے سے موجود سود کی متبادل سکیموں میں سے کسی ایک سکیم کو جلد از جلد نافذ کر دے تاکہ سود کی لعنت سے کسی حد تک چھٹکارا پایا جا سکے گا۔ اسلامی فقہ کے دور ملوکیت میں مرتب ہونے کی وجہ سے اسلامی قوانین میں غیر حاضر زمینداری' بیع مؤجل اور بیع مرابحہ کی صورت میں سود کی آمیزش موجود ہے' للہٰذا سود سے کامل نجات اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کامل اسلامی انقلاب برپا نہ کیا جائے۔

امیر تنظیم اسلامی نے حکومتی حلقوں کے اس بیان کی شدید مذمت کی جس میں کہا گیا ہے کہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط سے کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو پھر امریکہ اور صیہونی ادارے اس پر دستخط کرانے کیلئے بے قرار کیوں ہیں؟ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کر کے ہم اللہ کی ناشکری اور دشمن کے مقابلے میں استطاعت بھر جنگی سامان فراہم کرنے کے واضح حکم خداوندی کی نافرمانی کے مرتکب ہوں گے۔ اِس وقت سب سے بڑا طاغوت یہودی نیو ورلڈ آرڈر اور اس کا آلۂ کار عالمی مالیاتی استعمار ہے جو کسی بھی مسلم ملک کو اپنے پیروں پر کھڑا ہوتے اور ایٹمی صلاحیت حاصل کرتے نہیں دیکھ سکتا۔ لہٰذا عالمی مالیاتی استعمار کے چنگل سے نکلنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ ہم طاغوت کے خلاف بغاوت کر دیں اور نیو ورلڈ آرڈر کے اسلام دشمن مقاصد پورے کرنے کے بجائے اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ کیونکہ از روئے قرآن طاغوت کے انکار کے بغیر ہمارا ایمان معتبر نہیں ہو سکتا۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنا' اسامہ اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری کے سلسلے میں امریکہ کی مدد کرنا اور طالبان حکومت کو تسلیم کرنے کے بعد ریورس گیئر لگانا اسلام کے کاز سے بہت بڑی غداری ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ اگرچہ میری رائے یہی ہے کہ ۱۲/اکتوبر کا اقدام سابقہ حکومت کے غلط فیصلوں کے نتیجے میں جوابی کاروائی کے طور پر کیا گیا۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ۱۲/اکتوبر کے واقعہ میں امریکہ کا کوئی ہاتھ ہو تاکہ ایٹمی ٹیکنالوجی سے دستبرداری کے سب سے بڑے مخالف ادارے یعنی فوج کے ذریعے ہی یہ کام کروایا جا سکے۔ اس خیال کی وجہ یہ ہے کہ نیو کلیئر انرجی سے متعلق معاملات کی نگرانی کرنے والی مشینیں امریکی سفارت خانے میں پہنچائی جا چکی ہیں۔

جماعت اسلامی اور دیگر دینی جماعتوں کو احتساب کی رٹ لگانے کی بجائے وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے سی ٹی بی ٹی پر دستخط کے خلاف زوردار صدائے احتجاج بلند کرنی چاہئے۔ اور ہرچہ بادا باد کے مصداق ڈٹ کر میدان میں آ جانا چاہئے۔

احادیث نبویؐ میں موجود واضح پیشین گوئیوں کے مطابق دنیا بڑی تیزی سے ایک خوفناک جنگ کی طرف بڑھ رہی ہے جسے آرمیگاڈان یا الملحمة العظمٰی کا نام دیا گیا ہے' جو یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان لڑی جائے گی۔ اس جنگ میں پاکستان اور افغانستان کا ایک خاص رول ہے۔ ہمیں ان بشارتوں کا مصداق بننے کیلئے یہاں شریعت اسلامی کا نفاذ اور ایٹمی صلاحیت کی حفاظت کی خاطر نیو ورلڈ آرڈر کے تقاضے پورا کرنے سے انکار کرنا ہو گا۔

# اہلِ پاکستان کی دینی ذمہ داریاں اور ان کی ادائیگی کے لوازم

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

کے چار خطاباتِ جمعہ (۲۹/۱۰ اکتوبر تا ۲۶ نومبر ۹۹ء) سے ماخوذ

مرتّب : فرقان دانش خان

۱۲/ اکتوبر کے فوجی اقدام کے بعد ملکی صورتحال ایک سسپنس اور حالت منتظرہ کی کیفیت میں ہے۔ عجیب صورتِ حال یہ ہے کہ دستور ہے بھی اور نہیں بھی۔ جنرل پرویز مشرف نے اقتدار سنبھالنے کے بعد اپنی پہلی تقریر میں جو سات نکاتی پروگرام پیش کیا تھا اس سے کسی کو کیا اختلاف ہو گا۔ لیکن اب کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس پروگرام پر عمل درآمد نظر نہ آنے کے باعث عوام میں ایک بے چینی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ تاہم ان سب مسائل کے علی الرغم ایک تشویش ناک بات یہ ہے کہ موجودہ حکومت کے بعض اقدامات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ سیکولرزم کی طرف بڑھ رہی ہے' جو ملک کے لئے نقصان دہ ہی نہیں اس کے استحکام اور وجود کی بقاء کے لئے سم قاتل ہے۔ کیونکہ اس بات میں کسی کو کوئی شک نہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا۔ علامہ اقبال کے اس شعر کا اطلاق دنیا کے اور کسی مسلمان ملک یا قوم پر ہو یا نہ ہو' پاکستان پر ضرور ہوتا ہے ۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

دوسری مسلم اقوام کے دنیا میں ابھرنے اور قائم رہنے کی اور بہت سی بنیادیں ہو سکتی ہیں۔ جیسے کمال اتاترک نے نسل اور زبان کی بنیاد پر ترک نیشنلزم کا نعرہ لگا کر پوری قوم کو کھڑا کر دیا تھا۔ اسی طرح لسانی بنیاد پر عرب نیشنلزم اُبھرا تھا اور اس نے بھی اپنی طاقت کا مظاہرہ اس طور سے کیا تھا کہ جمال عبدالناصر نے انگریزوں کو بحیرۂ روم میں اٹھا کر پھینک دیا تھا' لیکن پاکستان

کا معاملہ بالکل جدا ہے۔ نہ یہاں کوئی ایک نسل ہے نہ کوئی ایک زبان ہے۔ کسی نسلی یا لسانی بنیاد پر یہ ایک قوم بنتی ہی نہیں' البتہ نظری طور پر وطن کو معبود بنا کر پاکستانی قومیت کی بنیاد رکھی جا سکتی تھی' لیکن مسلمان کی سرشت میں زمین کی وہ اہمیت سرے سے نہیں ہے' اس کا مزاج آفاقیت کا حامل ہے۔ بقول اقبال ؎

"مسلم ہیں ہم' وطن ہے سارا جہاں ہمارا!"

نیز برِّعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں میں سوائے مذہب کے کوئی شے مشترک تھی ہی نہیں۔ بنگالی مسلمان کی زبان' ان کا کلچر' کھانے پینے کا انداز' ان کا لباس دوسرے مسلمانوں بالخصوص سرحد اور بلوچستان کے مسلمانوں سے بالکل جدا تھا۔ لہٰذا اسلام کو بنیاد بنائے بغیر جس کا مظہر یہ نعرہ تھا کہ "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ" کوئی امکان نہیں تھا کہ پاکستان وجود میں آجاتا۔ گویا پاکستان کا قیام' اس کا پس منظر اور تاریخ تو اسلام کے ساتھ وابستہ ہے ہی' اس کے استحکام اور وجود کے برقرار رہنے کی بنیاد بھی اسلام کے سوا کوئی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد جب اس کی اصل اساس یعنی اسلام سے ہم نے دُوری اختیار کی تو وہ ایک قوم بھی تحلیل ہو کر رہ گئی اور اب صوبائیت' لسانیت اور مسلکوں کی بنیاد پر صرف تفرقہ بازی باقی رہ گئی ہے۔ لہٰذا یہاں کوئی ایسی شے نہیں جو اس ملک کو مستحکم کر سکے' سوائے اسلام کے۔ اور اگر کسی کو دیانت داری سے اس ملک کا استحکام مطلوب ہے تو اسے جان لینا چاہئے کہ اسلام کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ گویا ؏ "کافر نتوانی شد' ناچار مسلماں شو!" کے مصداق ہمارے لئے ممکن نہیں کہ ہم اسلام کو چھوڑ کر قائم رہ سکیں۔

مزید برآں مستقبل میں عالمی خلافت ارضی کے قیام میں اس ملک کا جو کردار ہے' جس کے واضح اشارات صحیح احادیث میں ملتے ہیں' اس ضمن میں بھی ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ یہاں اسلامی نظام قائم کیا جائے۔

اب جبکہ پاکستان میں نفاذِ اسلام کے ضمن میں ریاستی سطح پر کسی مثبت اقدام کی توقع باقی نہیں رہی تو اب یہ ساری ذمہ داری ہم پر ہے' اس ملک کے بسنے والوں پر ہے' عوام پر ہے کہ وہ اقامت دین کیلئے کوشش کریں۔ کیونکہ یہ ایک اصول ہے کہ اگر ملک میں نظم و ضبط قائم ہو' فوج سرحدوں پر حفاظت کر رہی ہو' پولیس امن و امان کے قیام کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہی ہو' تو آپ پاؤں پھیلا کر سو سکتے ہیں۔ لیکن اگر خدانخواستہ chaos ہو جائے اور آپ کی حفاظت کی یہ صورت برقرار نہ رہے تو ظاہر بات ہے کہ ہر شخص کو اپنے گھر کا پہرا خود دینا ہو گا۔ اسی طرح اب اگر ریاستی سطح پر کوئی توقع فی الحال نظر نہیں آ رہی ہے تو اب یہ

ساری ذمہ داری افراد پر آگئی ہے۔ بقول اقبال ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

اگرچہ ہمارا ہمیشہ سے موقف یہ رہا ہے کہ یہ کام منہاجِ محمدیؐ پر عمل کرتے ہوئے صرف انقلابی جدوجہد کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے' لیکن ہم نے خود ماضی میں حکومتی سطح پر کوشش کی ہے کہ دستوری ترامیم کے ذریعے نفاذِ اسلام کی طرف پیش رفت ہو سکے' جس میں ہمیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ لیکن اب جو صورتِ حال بنی ہے اس میں تو حکومت سے بھی کوئی توقع نہیں رہی۔ چنانچہ موجودہ صورتِ حال میں دینی حوالے سے ہماری کیا ذمہ داریاں ہیں' ان پر گفتگو سے پہلے کچھ باتیں تمہید اً عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اس ضمن میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہر انسان پر گوناگوں ذمہ داریوں کا بوجھ ہے اور ہر انسان ان ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ سورۃ البلد میں تین آیتوں میں قسم کھائی گئی ﴿ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝ ﴾ یہ تین آیات قسموں پر مشتمل ہیں: "میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی' اور اے نبی! آپؐ اس میں آباد ہیں (لوگ آپؐ پر ظلم و ستم ڈھا رہے ہیں) اور قسم کھاتا ہوں والد اور مولود کی۔" یعنی یہ جو سلسلہ ہے بقائے نسل انسانی کا' کتنا بوجھ ہے جو انسان اٹھاتا ہے۔ اولاد کی پرورش اور ان کا پیٹ پالنا کوئی آسان کام تو نہیں ہے۔ ان تین چیزوں کو سامنے رکھ کر فرمایا: ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝ ﴾ "ہم نے انسان کو مشقت ہی میں پیدا کیا"۔ محض جسمانی مشقت اور محنت ہی نہیں' اس سے آگے بڑھ کر انسان کو قدم قدم پر دکھ' رنج اور صدمات سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ مشقت اور محنت تو حیوانات بھی کرتے ہیں' لیکن حیوانات میں وہ احساسات نہیں جو انسان کے پاس ہیں۔ انسان کے جو احساسات اپنے عزیز و اقارب اور اولاد کے بارے میں ہوتے ہیں وہ حیوانات میں نہیں ہوتے۔ مثلاً بلی اپنے بچوں کو اُس وقت تک تو سنبھالتی ہے جب تک وہ خود کھانے پینے کے قابل نہ ہو جائیں' لیکن اس کے بعد کون ماں اور کون بیٹا یا بیٹی؟ جبکہ انسان ساری عمر اولاد کے لئے بے چین اور متفکر رہتا ہے۔ پھر یہ کہ بعض اوقات یہی اولاد بڑی ہو کر اپنے والدین کے لئے دکھ کا باعث بنتی ہے۔ لہٰذا مصائب اور رنج انسان کی زندگی کا حصہ ہیں۔ جیسا کہ غالب نے کہا ہے ؎

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں!

گویا یہ غم انسان کا مقدر ہے' موت سے پہلے اس سے نجات کی کوئی توقع نہیں۔ سورۃ الانشقاق میں اس سے اگلی بات آئی ہے :

﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ○ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ○ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ○ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ○ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ○ يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ○ ﴾

"جب یہ آسمان پھٹ جائے گا اور وہ (آسمان) اپنے رب کا حکم سنے گا اور حکم بجا لائے گا' کیونکہ وہ اسی کا سزاوار ہے' اور جب زمین کھینچی جائے گی اور جو کچھ اس کے اندر ہو گا اسے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی اور وہ بھی اسی لائق ہے کہ اپنے مالک کا حکم مان لے اور اس کو ایسا ہی کرنا چاہئے (قیامت کا یہ نقشہ کھینچ کر فرمایا جا رہا ہے کہ) اے انسان تجھے مشقت پر مشقت جھیل کر بالآخر اپنے رب کے حضور میں بھی حاضر ہونا ہے"۔

حیوانات کے لئے تو یہ مرحلہ نہیں آئے گا۔ انسان کا المیہ تو یہ ہے کہ دُنیا کے یہ سارے بوجھ بھی اٹھائے' صدمات بھی جھیلے' مشقتوں کو برداشت کرے اور پھر ایک دن اسے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے اعمال کا جواب بھی دینا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے :

"ابنِ آدم کے قدم (بروزِ قیامت) بارگاہِ خداوندی سے اُس وقت تک ہل نہیں سکیں گے جب تک اُس سے پانچ چیزوں کا حساب نہ لے لیا جائے : اپنی عمر کہاں لگائی؟ خاص طور پر جوانی کہاں کھپائی؟ مال کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا تھا؟

اور جو علم حاصل کیا تھا اس پر عمل کتنا کیا تھا؟"

گویا انسان پر یہ دوہری مشقت کا معاملہ ہے کہ اسے آخرت میں بھی جواب دینا ہے۔ اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ بڑے کیف کے عالم میں کہا کرتے تھے "کاش میں گھاس کا ایک تنکا ہوتا جو آگ میں ڈال کر جلا دیا جاتا اور اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوتی' کاش میں درختوں پر چہچہاتی ہوئی چڑیا ہوتا جس کا کوئی محاسبہ نہیں ہو گا"۔ دراصل یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کے احساس کی شدت کا مظہر تھا۔ اس احساس سے ہر انسان کو لرزاں و ترساں رہنا چاہئے۔

## انسان پر عائد ذمہ داریوں کی دو اقسام

انسان پر دُنیا میں جو دُنیوی اور دینی ذمہ داریوں کے بوجھ ہیں ان کا تجزیہ کریں تو انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

وہ ذمہ داریاں جن کا داعیہ اور تقاضا ہمارے اندر موجود ہے۔ ان کے لئے کسی یاددہانی' وعظ اور تلقین کی ضرورت نہیں۔ مثلاً پیٹ کھانے کو مانگتا ہے' اس کے لئے ہر شخص محنت کرتا ہے۔ آپ کہیں یہ وعظ نہیں سنیں گے کہ معاش کی ضروریات کے لئے ہر کوئی ضرور جدوجہد کرے۔ اسی طرح ہر شخص کو چھت کی ضرورت ہوتی ہے' ہر انسان اس کے لئے کوشش کرتا ہے کہ سر چھپانے کو اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ ضرور بنائے' خواہ وہ کٹیا ہو' چھونپڑی ہو یا محل ہو۔ اسی طرح مَرد و زن میں جنسی جذبہ موجود ہے' انسان شادی بھی کرتا ہے۔ اس کے لئے بھی کسی وعظ اور ترغیب و تشویق کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح تین تقاضے یا ذمہ داریاں ایسی ہیں کہ جن کے لئے کوئی بنیاد ہمارے نفس میں موجود نہیں' بلکہ ان کا تعلق ہماری سوچ' ہمارے نظریات' افکار اور عقائد سے ہے۔ ان میں سب سے پہلی ذمہ داری ملک کے حوالے سے ہے جس میں آپ رہتے ہیں' جو آپ کا وطن ہے۔ خواہ وہ جدید نظریۂ وطنیت کے مطابق اس طور سے آپ کا معبود نہیں بھی ہے' تب بھی اس کی آزادی کی حفاظت کی ذمہ داری اس کے رہنے والوں پر ہے۔ چنانچہ اس ملک میں بسنے والے افراد کے اندر یہ مادہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنی توانائیوں' قوتوں' اوقات اور صلاحیتوں کا کچھ حصہ اپنے وطن کے لئے مختص کر دیں۔ اگر یہ ہو گا تو وطن سربلند ہو گا' آزاد و برقرار رہے گا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کشتی کے سواروں کا کشتی سے تعلق ہوتا ہے کہ اگر یہ کشتی تیرے گی تو وہ بھی تیرتے رہیں گے اور بحفاظت رہیں گے' اور اگر یہ کشتی ڈوبتی ہے تو وہ بھی ڈوبیں گے۔

دوسرا تقاضا قوم کے حوالے سے ہے۔ اگرچہ آج کی دُنیا میں وطن اور قوم ایک ہی پلڑے میں رکھ دیئے گئے ہیں' لیکن ہم مسلمانوں کے اعتبار سے وطن علیحدہ شے ہے اور قوم الگ شے ہے۔ ہماری قومیت ہمارے وطن کے حوالے سے نہیں ہے' ہماری قومیت تو عالمگیر ملّتِ اسلامیہ پر مشتمل ہے۔ ہم مسلم قوم کے افراد ہیں۔ ہر مسلمان جو کہیں بھی بستا ہو مسلمان قوم کا حصہ ہے۔ اگر ہم اپنی قوم کے لئے اپنی صلاحیتوں' قوتوں اور اوقات کا ایک حصہ وقف نہیں کرتے تو یہ امت یا قوم ذلیل و رسوا ہو جائے گی اور یہ قوم آج نہیں تو کل ڈوبے گی۔

تیسری شے دین ہے' جسے عام طور پر لوگ مذہب کہتے ہیں۔ دین و مذہب کے حوالے سے بھی ہر انسان پر کچھ ذمہ داری کا بوجھ آتا ہے۔ کوئی مذہب اسی وقت سربلند ہو گا جب اس مذہب کے ماننے والے اس کے لئے قربانی دینے کو تیار ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آج جب ہم نے اسلام کے لئے قربانیاں دینا چھوڑ دی ہیں تو اسلام کا وہ دبدبہ اور وقار نہیں رہا ہے جو ماضی میں تھا۔

ہم مسلمانانِ پاکستان مؤخر الذکر تینوں داعیات کے اعتبار سے دُنیا کی خوش قسمت ترین قوم تھے' کیونکہ ہمارے لئے یہ تینوں تقاضے سمٹ کر ایک ہو گئے تھے۔ ہمارے وطن کی بنیاد اسلام کے سوا کوئی نہیں۔ ہماری قومیت بھی اسلام سے وابستہ ہے اور ہمارا دین یا مذہب بھی اسلام ہے۔ اگر ہم اسلام کے ساتھ وفاداری کرتے' اس کے تقاضوں کو ادا کرتے' اسے حقیقی معنوں میں قائم و نافذ کرتے تو ایک تیر سے تین شکار والا معاملہ ہوتا' ہمارا وطن بھی مضبوط ہوتا' قوم یعنی ملت اسلامیہ کو بھی سربلندی ملتی اور دین کا غلبہ بھی ہوتا۔ لیکن اس خوش قسمتی کو ہم نے اپنی کوتاہی سے بدقسمتی میں تبدیل کر لیا ہے۔ اس لئے کہ اگر یہاں دین نہیں آئے گا تو جان لیجئے کہ وطنیت کی بنیاد پر یہ ملک اکٹھا نہیں رہ سکتا' مضبوط نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم اسلام سے مخلص ہو جاتے تو آج یہ صورتِ حال نہ ہوتی کہ ملک دو لخت ہو چکا ہے۔ پھر یہ کہ یہاں آزاد بلوچستان' سندھو دیش اور پختونستان کے نام سے علیحدگی کی تحریکیں چل رہی ہیں۔ اب تو عالمی پریس یہاں تک کہہ رہا ہے کہ "Can Pakistan be saved?" کیا پاکستان کو (اب بھی) بچایا جا سکتا ہے؟ گویا ہماری بربادی کی پیشین گوئیاں کی جا رہی ہیں۔ لیکن اگر ہم اب بھی اپنی ذمہ داریاں' جو دین کے حوالے سے ہم پر عائد ہوتی ہیں' پورا کریں تو سربلند ہو سکتے ہیں۔

آیئے دیکھتے ہیں وہ ذمہ داریاں کیا ہیں؟

## ہماری دینی ذمہ داریاں

ہماری وہ دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں جو موجودہ صورتِ حال میں نفاذِ اسلام کی طرف پیش رفت کے ضمن میں ریاستی و حکومتی سطح پر موجودہ حکمرانوں سے توقع ختم ہونے کے بعد ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ اتفاق سے ہماری دینی ذمہ داریاں یا فرائض دینی بھی تین ہی ہیں :

## ① عبادتِ رب

ہماری پہلی ذمہ داری ہے عبادت' یعنی اللہ کی بندگی کرنا۔ چنانچہ قرآن مجید نے سورۃ البقرۃ کے تیسرے رکوع کا آغاز ہی نوعِ انسانی سے اس مطالبے سے کیا ہے :

﴿ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝ ﴾

"اے آدم کی اولاد! اپنے رب کی بندگی کرو' جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تم سے پہلے دُنیا میں جتنے لوگ گزرے انہیں بھی پیدا کیا' تاکہ تم بچ سکو۔"

اللہ کی بندگی اختیار کرو گے تو دُنیا میں افراط و تفریط کے دھکوں سے بچ جاؤ گے' جبکہ آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچو گے اور جنّت میں داخل کر دیئے جاؤ گے۔ سورۃ الذاریات میں تو عبادتِ رب ہی کو انسان کی تخلیق کا مقصد قرار دیا گیا ہے : ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۝ ﴾ "میں نے انسانوں اور جنّوں کو اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔"

عبادتِ رب کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ بھی عبادات ہیں' لیکن اصل عبادت یہ ہے کہ پوری زندگی میں اللہ کی بندگی اختیار کی جائے' ہماری ہر حرکت اللہ کی مرضی کے مطابق ہو' کہیں اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ ہو' کسی بھی ہستی یا ادارے کی ایسی اطاعت نہ کی جائے جس سے اللہ کی معصیت لازم آتی ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا ((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِىْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ)) "مخلوق میں سے کسی کی اطاعت نہیں کی جائے گی اگر خالق کی معصیت کا اندیشہ ہو۔"

عبادت کے مفہوم کی وضاحت کے لئے قرآن و سُنّت میں دوسری اصطلاحات بھی استعمال ہوئی ہیں۔ ان میں ایک لفظ ہے "اسلام" جس کا مطلب ہے گردن نہادن' سرِ تسلیم خم کر دینا' یا سپر انداختن۔ انگریزی میں اس کی درست تعبیر یوں ہو گی "to surrender" یعنی جو حکم بھی ملے اسے بلاچون وچرا قبول کر لو۔ اس رویئے کا نام اسلام ہے۔

دوسری اصطلاح اطاعت ہے۔ یہ "طوع" سے بنا ہے' جس کا معنی ہے دلی آمادگی۔ گویا دلی آمادگی سے حکم ماننا اطاعت ہے۔ اطاعت میں اللہ کے ساتھ اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بھی شامل ہے۔ ازروئے الفاظِ قرآنی : ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ "اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی"۔

اس ضمن میں تیسرا لفظ ہے تقویٰ۔ یعنی اللہ کی بندگی اور اطاعت کا ایسا احساس دل میں بیدار ہو جائے کہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی پر طبیعت آمادہ ہی نہ ہو۔ کوئی بھی قدم اٹھانے

سے پہلے انسان سوچے کہ اس سے میرا رب ناراض تو نہیں ہو جائے گا؟ یہ تقویٰ ہے۔

بندگی کے لئے چوتھی ہمہ گیر اور جامع ترین اصطلاح "عبادت" ہے۔ یعنی اللہ کی غلامی۔ شیخ سعدیؒ نے اس مفہوم کی بڑی عمدہ ترجمانی کی ہے ؎

زندگی آمد برائے بندگی

زندگی بے بندگی شرمندگی!

لیکن محض بندگی یا غلامی "عبادت" نہیں ہے جب تک کہ اس میں پرستش شامل نہ ہو۔ پرستش میں محبّت کا جذبہ شامل ہوتا ہے۔ چنانچہ عبادت کا مفہوم ہو گا اللہ کی بندگی اور اس کی پرستش۔ امام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ عبادت کی تعریف یوں کرتے ہیں "اَلْعِبَادَةُ تَجْمَعُ اَصْلَیْنِ : غَایَةَ الْحُبِّ مَعَ غَایَةِ الذُّلِّ وَالْخُضُوْعِ" یعنی حد درجے میں اللہ کے سامنے خود کو بچھا دینے اور حد درجے اللہ کی محبت سے عبادت کا صحیح مفہوم واضح ہوتا ہے۔

عبادت کے اعتبار سے اگر ہم جائزہ لیں تو ہمارے سامنے دو قسم کے احکام آتے ہیں۔ ایک وہ احکام ہیں جن پر ہم ہر جگہ بلا روک ٹوک عمل کر سکتے ہیں' مثلاً نماز پڑھنے پر کہیں پابندی نہیں ہے۔ روزہ رکھنے' عمرہ و حج کرنے اور زکوٰۃ دینے سے کوئی نہیں روکتا۔ اسی طرح شراب پینے پر کہیں بھی کوئی مجبور نہیں کرتا۔ سود حرام ہے' ایک درجے تک ہم اس کے براہ راست لین دین سے بھی بچ سکتے ہیں۔ پردہ بھی کر سکتے ہیں' ٹھیک ہے لوگوں کی باتیں سننی پڑیں گی' لیکن کر تو سکتے ہیں۔ اس قسم کے احکام جن پر ہم ذاتی طور پر عمل کر سکتے ہیں' اگر نہیں کریں گے تو خود مجرم ہوں گے۔

البتہ کچھ احکام ایسے ہیں جن پر ہم انفرادی طور پر عمل نہیں کر سکتے۔ مثلاً قرآن کا حکم ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ ڈالو' مگر وہ ہم نہیں کاٹ سکتے جب تک کہ پورا نظام نہ بدلے۔ زنا کی حد بھی ہم نافذ نہیں کر سکتے۔ اس اعتبار سے ہماری بندگی نامکمل ہے۔ کیونکہ شریعت کے اس حصے پر ہم عمل نہیں کر سکتے۔ اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسلام کے نظام کو قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ جب تک یہ نظام قائم نہ ہو اُس وقت تک یہ ضروری ہے کہ جس حصے پر میں عمل کر سکتا ہوں (خواہ کوئی دقت آ جائے' مشکل آ جائے' لوگ ناراض ہو جائیں) اس پر ضرور عمل کروں۔ بہرحال ہمارے فرائض کی پہلی سطح یہ ہے کہ خود اللہ کے بندے بنیں۔ یہی ہماری غایتِ تخلیق ہے۔ تمام انبیاء نے اسی کی دعوت دی ﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ "کہ اللہ کی بندگی اختیار کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔" یہی قرآن کی دعوت ہے۔ یہی حضرت محمد ﷺ کی دعوت تھی۔

## (۲) شہادت علی الناس

ہمارے دوسرے فرض اور دوسری ذمہ داری کا تعلق رسالتِ محمدیؐ سے ہے' کیونکہ حضور ﷺ کو تمام نوعِ انسانی کے لئے مبعوث فرمایا گیا تھا۔ لیکن ظاہربات ہے کہ تمام نوعِ انسانی تک تبلیغ آپؐ نے خود تو نہیں کی تھی۔ اُس زمانے میں بھی ایران اور مصر میں دعوت و تبلیغ کا جو کام ہوا ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعے ہوا ہے۔ ملائیشیا اور انڈونیشیا میں بھی مسلمان تاجروں کے ذریعے اسلام پہنچا تھا۔ لہٰذا حضور ﷺ کے فریضۂ رسالت کے ضمن میں قیامت تک آنے والے انسانوں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری کا بوجھ عملاً اب اُمّت کے کاندھوں پر ہے۔

گویا رسالتِ محمدیؐ سے ہمارے تعلق کے دو حصّے ہوئے' ایک حصّہ تو یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ اس کے رسول کی اطاعت بھی ہو' مثلاً اللہ کا حکم ہے کہ نماز پڑھو۔ اب کیسے پڑھیں؟ کیونکہ قرآن میں تو نماز پڑھنے کا طریقہ نہیں بتایا گیا۔ چنانچہ نماز کا طریقہ حضور ﷺ نے بتایا کہ نماز ایسے پڑھی جائے۔ یہ نہیں کہ جیسے جی میں آیا دھیان لگا کر بیٹھ گئے اور نماز ہو گئی۔ اسی طرح روزہ کے احکامات محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے دیئے ہیں۔ زکوٰۃ کا جو نصاب اور شرح آپؐ نے مقرر کی ہے ہمیں اس کی اطاعت کرنی ہو گی۔ لیکن دوسرا رخ یہ ہے کہ ہم آنحضور ﷺ کے اُمّتی ہونے کی حیثیت سے آپؐ کے ان فرائضِ رسالت کی ادائیگی پر جو تمام عالمِ انسانیت کے ضمن میں آپ ﷺ پر عائد ہوتے ہیں' اللہ کی طرف سے مامور ہیں۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی اُمّت (بہترین امت) بنایا' تاکہ تم گواہ ہو جاؤ پوری نوعِ انسانی پر اور رسول گواہ ہو جائیں تم پر"۔

ہم درمیانی اُمّت کس معنی میں ہیں؟ دیکھئے اللہ اور رسول کے درمیان واسطہ جبرائیل علیہ السلام تھے' جبکہ جبرئیل اور صحابہؓ کے درمیان حضرت محمد ﷺ تھے۔ اسی طرح حضرت محمد ﷺ اور پوری انسانیت کے درمیان ہم یعنی اُمّتِ محمد واسطہ ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے اللہ سے پیغام لیا اور محمد ﷺ کو پہنچایا۔ حضرت محمد ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پیغام لیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو پہنچا دیا۔ اب یہ امت کی ذمہ داری ہے کہ تمام نوعِ انسانی تک اللہ کا پیغام پہنچائے۔ یہ ذمہ داری بہت بھاری ہے۔ اگر ہم نے یہ ذمہ داری ادا نہ کی تو نوعِ انسانی اللہ کی عدالت میں

ہمارے خلاف استغاثہ کرے گی کہ اے اللہ! تیرے دین کو پہنچانا ان کے ذمہ تھا' انہوں نے نہیں پہنچایا' بلکہ انہوں نے اپنے عمل سے ہمیں تیرے دین سے متنفر کیا' ان کو دیکھ کر ہم تیرے دین کی طرف مائل نہیں ہو سکتے تھے۔ جیسا کہ جارج برنارڈ شا نے کہا تھا کہ "جب میں قرآن پڑھتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہو سکتی' لیکن جب مسلمانوں کو دیکھتا ہوں تو ان سے زیادہ ذلیل قوم دُنیا میں کسی کو نہیں پاتا۔" حقیقتاً یہ صورتحال انتہائی افسوسناک ہے کہ دُنیا میں کرپٹ ترین ممالک مسلمان ہیں۔ بہرحال یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے قول و عمل سے اللہ کا دین لوگوں تک پہنچائیں۔

اس ذمہ داری کی ادائیگی کے ضمن میں بھی بہت سی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً تبلیغ' یعنی دوسروں کے پاس خود چل کر جانا اور دین کا پیغام پہنچانا۔ ایک دوسرا لفظ ہے دعوت' کہ کسی کو کھینچ کر اللہ کے راستے میں لے آنا۔ یہ تبلیغ اور دعوت ایک ہی عمل کے دو حصے ہیں۔ یہ وہ دوسرا کام ہے جو ہم میں سے ہر شخص کو کرنا ہے۔

اگرچہ بحیثیتِ مجموعی یہ پوری امت کی ذمہ داری ہے' لیکن پوری امت سوئی ہوئی ہو تو پھر کیا کریں گے! کیونکہ اگر کوئی بھی نہیں کرے گا تو پوری امت گنہگار ہو گی۔ اور آج اس امت پر ذلت و مسکنت کا جو عذاب آیا ہوا ہے وہ اسی ذمہ داری کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ کشمیر میں جو ہو رہا ہے کہ بھارت کی زیادتی کے باوجود ہم اسے الٹی میٹم نہیں دے سکتے کہ وہاں سے نکلو' ورنہ پھر تخت یا تختہ ہو گا۔ اسی طرح چیچنیا میں روس کی جارحیت کے خلاف کسی مسلمان ملک نے آواز تک اٹھانا گوارا نہیں کیا۔ یہ ذلت اور مسکنت کا عذاب نہیں تو اور کیا ہے؟ لہٰذا اگر پوری امت سوئی ہوئی ہو تو قرآن نے اس کا راستہ بھی بتا دیا ہے :

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

یعنی اگر کبھی ایسا وقت آ جائے تو کچھ لوگ تو بیدار ہو جائیں' پھر وہ دوسروں کو جگائیں' اور مل جل کر بڑی امت میں ایک چھوٹی امت بن جائیں۔ اُن کا کام یہ ہو کہ وہ خیر کی دعوت دیں' نیکی کا حکم دیں اور بدی سے روکیں' یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

## (۳) اقامتِ دین

اب آیئے تیسری ذمہ داری کی طرف۔ وہ یہ ہے کہ اس دین اسلام کو قائم کرو' اس قرآن کے نظام کو نافذ کرو۔ ظالمانہ' استحصالی نظام جس میں عدل و قسط نہیں ہے' اس کو بیخ

بُن سے اکھاڑ کر اللہ کا دیا ہوا نظام قائم کرو۔ اگر یہ نظام قائم نہیں ہے تو تمہاری عبادات بھی قبول نہیں ہیں' کیونکہ یہ تینوں فرائض ایک تکون کے اضلاع کی مانند لازم و ملزوم ہیں۔ تکون کے تین سرے ہوتے ہیں۔ یوں سمجھئے اس کے قاعدہ کے ایک سرے پر تو لا اِلٰہ اِلاّ اللہ ہے' دو سرے پر محمد رسول اللہ ہے۔ "لا اِلٰہ اِلاّ اللہ" کا تقاضا ہے بندگی رب' یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت' تقویٰ یا عبادت۔ جبکہ "محمدؐ رسول اللہ" کا تقاضا ہے تبلیغ' دعوت' امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور شہادت علی الناس' یعنی لوگوں پر ایک حجت قائم کر دینا تاکہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں تو کسی نے اللہ کا پیغام پہنچایا ہی نہیں۔ تکون کے تیسرے سرے پر فریضہ اقامتِ دین ہے۔ تکون کے نچلے دونوں سرے اس تیسرے نقطے یا سرے پر آ کر مل جاتے ہیں۔ گویا اس کا مطلب ہوا کہ عبادت بھی اُسی وقت مکمل ہو گی جب سارے احکامِ شریعت نافذ ہو جائیں' ساری حدود و تعزیرات پر عملدر آمد ہو۔ اسی طرح شہادت علی النّاس کا فریضہ بھی اُس وقت تک نامکمل ہے جب تک ہم اس دین کو قائم کر کے نہ دکھادیں جس کی دعوت دے رہے ہیں۔ کیونکہ دین کا نظام قائم ہو گا تو لوگ اس کی حقانیت کو تسلیم کریں گے' ورنہ سب کتابی باتیں ہوں گی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ دین کا قائم کر دینا میرے ہاتھ میں نہیں ہے' لیکن اس نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد میں اپنا تن من دھن کھپا دینا تو میرے اختیار میں ہے۔ لہٰذا کوئی شخص اپنی امکانی حد تک کوشش کر رہا ہو کہ اللہ کا دین قائم ہو جائے تو گویا باطل نظام کے تحت زندگی گزارنے کا جو گناہ ہے' یہ اس کا کفارہ ہو جائے گا۔

یہی وہ ذمہ داری ہے جو اہلِ پاکستان کے حصے میں آئی ہے کہ ہم یہاں دُنیا کو اسلام کا ایک عملی نمونہ قائم کر کے دکھا سکتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے اپنے ۱۹۳۰ء کے خطبہ الٰہ آباد میں کہا تھا کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد ریاست کا قائم ہونا تقدیرِ مبرم ہے۔ اگر ایسا ہوا تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ اصل اسلام' یعنی دورِ خلافتِ راشدہ کے اسلام کا ایک نمونہ دُنیا کے سامنے پیش کر سکیں گے اور عرب امپیریلزم کے دور میں اسلام کے چہرے پر جو پردے پڑ گئے تھے انہیں اٹھا سکیں گے۔ یہی بات قائداعظم محمد علی جناح نے کہی تھی کہ ہم پاکستان اسی لئے چاہتے ہیں کہ عہد حاضر میں اسلام کے اصولِ حریت و اخوت و مساوات کی ایک عملی مثال دُنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ ہم جب تک یہ نہیں کرتے' دُنیا کی حجت ہم پر قائم ہے کہ ہم نے ان تک دین نہیں پہنچایا۔

ہر شخص کو ان تینوں فرائض کا گہرا شعور ہونا چاہئے۔ ہمارے ہاں فرائض دینی کے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ صرف نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ فرائض ہیں۔ لیکن مذکورہ بالا

تینوں فرائض یعنی عبادتِ رب' شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کے بارے میں لوگوں کو کوئی نہیں بتاتا۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمیں ان فرائض کی ادائیگی کا پختہ احساس ہو' کیونکہ اگر یہ خاکہ ہمارے ذہن میں ہوگا تو ہمارے سامنے صحیح تصور آئے گا کہ ہمارا دین ہم سے کیا چاہتا ہے۔

## ہماری دینی ذمّہ داریوں کی ادائیگی کے شرائط و لوازم

ان فرائض کی ادائیگی کے ضمن میں کچھ شرائط یا لوازم بھی ہیں۔ جس طرح نماز کی ادائیگی کے لئے وضو شرطِ لازم ہے اور وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی' اسی طرح مذکورہ بالا فرائض کی ادائیگی کے لئے بھی تین لوازم یا شرائط ہیں۔

### ① یقین قلبی

پہلا لازمہ یہ ہے کہ قلبی یقین والا ایمان پیدا کیا جائے' صرف زبانی اقرار والا ایمان نہ ہو۔ اگر ایمان کا معاملہ زبانی کلامی ہو تو ان فرائض کو ادا نہیں کیا جا سکتا۔ دراصل ایمان کے دو درجے ہوتے ہیں۔ ایک کو قانونی ایمان کہہ لیں جبکہ دوسرے کو حقیقی ایمان کہا جاتا ہے۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۳۶ میں ایمان کے دو درجات کی طرف اشارہ ملتا ہے :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ﴾

"اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر' اور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور اُن کتب پر بھی جو اس نے پہلے نازل فرمائیں۔"

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اہل ایمان کو مخاطب کر کے انہیں کہا جا رہا ہے کہ ایمان لاؤ۔ اس کا کیا مطلب ہے' سوائے اس کے کہ ایمان کے دو مراتب ہیں۔ چنانچہ یہاں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے کا اقرار کرنے والوں سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ دل کی گہرائیوں سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں' اور یقین قلبی کے حصول کی کوشش کریں۔ سورۃ الحجرات میں اس کی مزید وضاحت کر دی گئی کہ پہلے درجے کے "اقرار باللّسان" والے قانونی ایمان کا نام اسلام ہے' اور حقیقی ایمان کا تعلق دل کے یقین کے ساتھ ہے۔ فرمایا :

﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا

يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾ (آیت ۱۴)

"یہ بدو کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ اے نبیؐ ان سے کہہ دیجئے! تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو' ہاں' تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں' جبکہ ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔"

اس بات کو سمجھئے کہ اسلام اور ایمان کا یہ فرق کیوں ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس لئے کہ اسلام کی بنیاد پر دُنیا کا سارا نظام چلتا ہے اور دل کے یقین کو چیک کرنے کا کوئی آلہ اس دُنیا میں نہیں ہے۔ چنانچہ ہمارے تمام دُنیوی معاملات' ہمارا قانونی و معاشرتی نظام اسلام کی بنیاد پر چلتا ہے۔ نکاح' گواہی' وراثت کی تقسیم' نماز جنازہ اور مسلمانوں کے قبرستان میں تدفین وغیرہ کے لئے ہم کسی کو صرف کلمہ شہادت کے اقرار پر ہی مسلمان قرار دیں گے۔ البتہ اللہ کے ہاں تمام معاملات حقیقی ایمان کی بنیاد پر طے ہوں گے۔ اگر دل میں یقین ہے تو نجات حاصل ہو سکے گی۔ یقین تھوڑا بھی ہو سکتا ہے اور یہ بے انتہا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ یقین بروزِ قیامت پل صراط پر نور کی شکل میں ظاہر ہو گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ کسی کے ایمان کی روشنی اتنی محدود ہو گی کہ صرف قدموں کے آگے پڑ رہی ہو گی۔ اگرچہ اُس سخت ترین مقام کے لئے یہ بھی بہت بڑا سہارا ثابت ہو گی۔ جبکہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کے ایمان کی روشنی اتنی دور تک پھیلے گی جتنا مدینہ سے صنعا (یمن) کی مسافت ہے۔ تاہم قیامت کے دن بنیادی requirement یہ ہو گی کہ کسی کے پاس یقین قلبی والا ایمان ہے یا نہیں۔ اگر ایمان تھوڑا ہو گا تو پھر اعمال کا وزن کیا جائے گا اور ان کی بنیاد پر کامیابی و ناکامی کا فیصلہ ہو گا۔ لیکن کسی کے پاس ایمان ہی نہ ہوا تو اعمال کے تلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو گا۔

اس حوالے سے دینی فرائض کی ادائیگی کے لئے ایمان کی حیثیت جڑ اور بنیاد کی سی ہے۔ اگر دینی فرائض یعنی عبادتِ رب' شہادت علی الناس اور اقامت دین کو تین منزلہ عمارت سے تشبیہہ دی جائے تو جیسے ایک عمارت کی پختگی میں "بنیاد" اہم ترین کردار ادا کرتی ہے اور جتنی بلند عمارت تعمیر کرنا ہو اسی تناسب سے بنیاد بھی اتنی ہی گہری رکھنی ہوتی ہے' بعینہٖ ان تینوں فرائض کی ادائیگی کے لئے سب سے پہلے ایمانِ حقیقی کی گہرائی کا حاصل ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر ان فرائض کی ادائیگی ممکن نہیں۔ ورنہ یہی ہو گا کہ جیسے ہمارے ہاں زبان سے عشقِ رسولؐ کا دعویٰ تو ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کا اتباع نہیں' اسی طرح زبان سے ہم کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے' لیکن قرآن کی حرام کردہ چیزوں میں ملوث ہیں۔ اگر کوئی اللہ کے احکام نہیں مانتا تو ایمان کہاں ہوا؟ البتہ ایسا شخص کلمہ شہادت کے اقرار کی

وجہ سے دُنیا میں مسلمان مانا جائے گا۔ اس لحاظ سے ایک شرابی' زانی' ڈاکو شخص بھی مسلمان ہو سکتا ہے' وہ جب مرے گا تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی' لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ بدقسمتی سے اس دور میں ہم پر جو دینی اعتبار سے زوال آیا ہے اس کا ایک سبب یہی ہے کہ ہم نے قانونی مسلمان اور حقیقی مؤمن کو ایک شے سمجھ لیا ہے کہ جب مسلمان ہیں تو مؤمن ہیں ہی۔ ماضی میں احیائے اسلام کی خاطر اٹھنے والی بڑی بڑی تحریکیں اسی مغالطے کی بنیاد پر ناکامی سے ہمکنار ہوئیں۔ ان کی ناکامی کا سبب یہی تھا کہ کارکنوں کے دلوں میں حقیقی ایمان ابھی راسخ نہیں ہوا تھا۔ چونکہ بنیاد کمزور تھی' جڑ مضبوط نہیں تھی' لہٰذا وہ تحریکیں کس طرح کامیاب ہوتیں؟

اب یہ ایمان حاصل کیسے ہو گا؟ یہ ایمان قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ بقول ظفر علی خان مرحوم ؎

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

ہمارے سامنے یہ میدان کھلا ہے کہ ہم قرآن سمجھیں' قرآن پڑھیں' عربی سیکھیں اور قرآن کو حرزِ جان بنائیں۔ تبھی وہ ایمان حاصل ہو سکتا ہے جو مطلوب ہے اور جس کی بنیاد پر آخرت میں نجات ممکن ہو گی۔

## ② جہاد فی سبیل اللہ

فرائض دینی کی ادائیگی کے لئے دوسرا لازمہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اسے یوں سمجھئے کہ جیسے کسی تین منزلہ عمارت پر چڑھنے کے لئے محنت کرنا ہوتی ہے' سیڑھیاں چڑھنا پڑتی ہیں۔ دین کے لئے اسی محنت و مشقت کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ بدقسمتی سے اس اصطلاح کا مفہوم ہمارے ذہنوں میں خلط ملط ہو چکا ہے۔ ہم نے جہاد کے معنی جنگ یا قتال کر دیئے ہیں۔ چونکہ قتال تو ہر وقت نہیں ہوتا' لہٰذا جہاد کو قتال کا ہم معنی سمجھنے کا نقصان یہ ہوا کہ جہاد کو بھی فرض کفایہ سمجھ لیا گیا' حالانکہ جہاد فرضِ عین ہے جبکہ قتال فرضِ کفایہ ہے۔ جہاد' جہد سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں کوشش کرنا۔ جبکہ قتال کا مطلب ہے ایک دوسرے کو قتل کرنے کی کوشش کرنا۔ جہاد تو قدم قدم پر ہوتا ہے' ہمیں بار بار اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنا پڑتا ہے۔ جب آپ دین پر چلتے ہیں تو معاشرہ رکاوٹ بنتا ہے۔ معاشرہ سے جو کشاکش چلتی ہے یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ البتہ جہاد فی سبیل اللہ میں جب باطل نظام سے ٹکرانے کا مرحلہ آتا ہے تو اس مرحلے کو قرآن نے قتال فی سبیل اللہ کا نام دیا ہے۔ گویا جہاد کی بلند ترین

منزل قتال فی سبیل اللہ ہے لیکن جہاد کو قتال کے مترادف کے طور پر استعمال کرنا ایک سنگین غلطی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہاد کی اصطلاح پوری دنیا میں بدنام ہوئی اور جہاد ہمارے دین کے تصورات سے خارج ہو چکا ہے۔

سورۃ الحجرات کی اگلی آیت میں ایمانِ حقیقی کی تعریف یوں کی گئی :

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾

"مؤمن تو صرف وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر (اور یہ ایمان ان کے دل کا یقین بن گیا) پھر اس میں انہیں کوئی شک نہیں رہا۔ اور انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ صرف یہ لوگ (دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔"

گویا کہ جہاد نہیں تو ایمان نہیں۔ چنانچہ ایمان اور جہاد ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں۔

## (۳) التزامِ جماعت

تیسری شرط لازم جماعت کا التزام ہے۔ کیونکہ جہاد نہیں ہو سکتا جب تک کہ جماعت نہ ہو۔ اکیلا آدمی باطل کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ باطل نظام سے ٹکر لینے کے لئے ایک طاقتور، مضبوط اور منظم جماعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس جماعت کی صفات کیا ہوں؟ وہ جماعت کیسے قائم ہو؟

جماعت کے التزام کا جو اہتمام ہمارے دین میں ہے اس کا ہلکا سا تصور اس سے قائم کریں کہ نماز جیسی اہم عبادت کو باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حالانکہ عبادت بڑا انفرادی سا فعل ہے۔ اللہ کے ساتھ لو لگانے کیلئے تنہائی درکار ہوتی ہے۔ کسی وقت بندے کا جی چاہتا ہے کہ طویل سجدہ کرے، جبکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ کو امام کے ساتھ اپنی نماز مکمل کرنا ہے۔ رمضان کے روزے میں بھی ایک اجتماعیت ہے کہ سب مسلمان ایک ساتھ روزے رکھتے ہیں۔ حج کی اجتماعیت تو ساری دنیا پر مبرہن ہے۔ اس سے دین اسلام میں جماعت کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے ہاں عبادات کیلئے بھی جماعت کا اہتمام ہے۔ عام حالات میں بھی اسلام جماعتی زندگی پر زور دیتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا "اگر تم میں سے تین آدمی سفر پر نکلیں تو ان پر لازم ہے کہ ایک کو امیر بنائیں"۔ گویا امیر کے تعین

کے بغیر جو سفر کیا جائے گا وہ غیر مسنون ہو گا۔ امیر کو مشورہ تو دیا جا سکتا ہے' لیکن فیصلہ اس کا ہو گا۔ اور جب تک وہ شریعت کے دائرے میں رہ کر کوئی حکم دیتا ہے' آپ کو اس کی اطاعت کرنا ہو گی۔ اگر اس فرمانِ نبویؐ پر عمل نہیں ہو گا تو یہ ہمارے مشاہدے میں ہے کہ سفر کے دوران لوگ چھوٹے چھوٹے معاملات پر جھگڑتے ہیں۔ اگر امیر ہو گا تو غالب امکان ہے کہ صورت پیش نہیں آئے گی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ہمارے دین کا یہ مزاج ہے کہ یہاں عبادات ہی نہیں معاملات میں بھی اجتماعیت اختیار کرنے کی تاکید ہے۔

قرآن میں سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۲ میں تقویٰ کے تاکیدی حکم کے بعد اگلی آیت میں اجتماعیت کی تلقین کی گئی ہے۔ فرمایا :

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ... ﴾

"اے ایمان والو' اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے' اور دیکھنا تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر فرماں برداری کی حالت میں۔ اور سب مل جل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں مبتلا نہ ہو . . ."

دیکھئے یہاں اجتماعیت پر کس قدر زور دیا گیا ہے۔ سورۂ آل عمران ہی کی آیت نمبر ۱۰۵ میں فرمان خداوندی ہے :

﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ ﴾

"دیکھو' ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے تفرقہ کیا (فرقوں میں بٹ گئے) اور اختلافات میں مبتلا ہو گئے' اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح تعلیمات آ چکی تھیں۔ اور (جو لوگ تفرقہ میں پڑیں گے) ان کیلئے بہت بڑا عذاب ہے"۔

سورۃ الانفال جو کہ غزوۂ بدر کے فوراً بعد نازل ہوئی' اُس میں یہ اہم اصولی ہدایت دی گئی کہ :

﴿ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا ﴾ (آیت ۴۶)

"اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اور آپس میں جھگڑو مت' ورنہ تم ڈھیلے پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی . . ."

یعنی اگر تم نے اپنی اجتماعیت میں کمزوری دکھائی تو تمہارے دشمن پر سے تمہارا رعب اور دبدبہ

ختم ہو جائے گا۔ اس کا مشاہدہ غزوۂ اُحد میں کروا دیا گیا' جب پچاس تیر اندازوں پر جو کمانڈر حضور ﷺ نے مقرر کئے تھے' ان کا کہنا نہیں مانا گیا تو فتح شکست میں بدل گئی۔ چنانچہ سورۂ آل عمران آیت ۱۵۲ میں کم و بیش یہی الفاظ دہرائے گئے ہیں :

﴿ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ ﴾

"اللہ نے تو تم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا (اللہ کی مدد آ گئی تھی اور تمہیں فتح مل گئی تھی) جب تم انہیں کاٹ رہے تھے اللہ کے حکم سے' یہاں تک کہ جب تم ڈھیلے ہوئے (یعنی تم نے اپنے ڈسپلن کو ڈھیلا کیا) اور تم نے آپس میں جھگڑا کیا (اپنے امیر کی بات نہیں مانی) اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ تمہیں وہ چیز نظر آ گئی جو تمہیں پسند ہے (یعنی فتح)"۔

گویا صرف ڈسپلن کی خلاف ورزی پر غزوۂ اُحد میں اللہ کی آئی ہوئی مدد واپس چلی گئی اور چند مسلمانوں کی اس کوتاہی پر مسلمانوں کو یہ سزا ملی کہ فتح شکست میں بدل گئی اور ستر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ یہ سب اجتماعیت میں کمزوری دکھانے کے بعد ہوا۔

سورۃ التغابن میں ان سب باتوں کا لب لباب یوں بیان کر دیا گیا :

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا .. ﴾ (آیت ۱۶)

"حتی الامکان اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور (دیکھو' حکم) سنو اور مانو۔"

یہاں اللہ اور رسول کی اطاعت کرو کے الفاظ نہیں آئے' بلکہ ایک عمومی بات کی گئی ہے کہ سنو اور اطاعت کرو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اطاعت کا ایک چینل اور کڑیاں ہیں۔ جماعت میں ایک مرکزی امیر ہوتا ہے۔ پھر اس کے نیچے ذیلی امراء ہوں گے۔ اگر کہیں کوئی مہم بھیجی جائے گی تو اس کا ایک الگ امیر یا کمانڈر ہو گا۔ لہٰذا اطاعت کا یہ معاملہ سلسلہ بہ سلسلہ چلتا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا : "جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی"۔ مزید فرمایا : "جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"۔

اب آیئے التزام جماعت کے واضح حکم کی طرف جو ایک حدیث میں موجود ہے جسے مسند احمد بن حنبل اور جامع ترمذی میں نقل کیا گیا ہے۔ حضرت حارث الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

(( اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ [ اَللّٰهُ اَمَرَنِیْ بِهِنَّ ] بِالْجَمَاعَةِ ' وَالسَّمْعِ ' وَالطَّاعَةِ ' وَالْهِجْرَةِ ' وَالْجِهَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ))

"(مسلمانو!) میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دے رہا ہوں۔ (ایک روایت میں یہ اضافی الفاظ بھی ہیں کہ اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے) (۱) جماعت کا' (۲) سننے اور (۳) ماننے کا' اور (۴) ہجرت اور (۵) جہاد فی سبیل اللہ کا"۔

یعنی جماعت کے بغیر نہ رہو۔ امیر کا حکم سنو' اور اس کی اطاعت کرو۔ اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کو اپنے اوپر لازم کرلو۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہ حدیث ہمارے ذہنوں سے غائب ہو چکی ہے۔ اس حدیث کا تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۲ء میں اپنے جریدے الہلال میں کیا' لیکن اس کا حوالہ نہیں دیا تھا۔ پھر ۱۹۴۶ء میں مولانا مودودیؒ نے "شہادتِ حق" کے موضوع پر اپنی تقریر میں یہ حدیث بیان کی' مگر حوالہ وہاں بھی نہیں دیا گیا۔ جب میں ۶۷۔۱۹۶۶ء میں مستقل طور پر لاہور منتقل ہوا تو میں نے یہاں کے ایک بڑے عالم دین سے اس حدیث کا حوالہ مانگا تو فرمانے لگے کہ الفاظ نامانوس سے ہیں' یاد نہیں پڑتا کہ کبھی نگاہ سے گزرے ہوں۔ حالانکہ یہ حدیث مشکوٰۃ میں موجود ہے اور مشکوٰۃ کو ہمارے ہاں دینی مدرسوں میں تعلیم حدیث کے بنیادی قاعدہ کا درجہ حاصل ہے۔ لیکن یہ حدیث علماء کی نظروں سے بالعموم محو ہے۔ اس حدیث کے بالمقابل ایک اور حدیث بہت معروف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا :

(( بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ ' وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءِ الزَّكٰوةِ ' وَحَجِّ الْبَیْتِ ' وَصَوْمِ رَمَضَانَ )) (متفق علیہ)

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے : (۱) کلمہ شہادت' (۲) نماز قائم کرنا' (۳) زکوٰۃ کی ادائیگی (۴) بیت اللہ کا حج' اور (۵) رمضان کے روزے"۔

یہ بھی حدیثِ رسول ﷺ ہے اور وہ بھی حدیث رسول ﷺ ہے۔ مؤخر الذکر حدیث رسول ﷺ ہر مسلمان کے علم میں ہے۔ ایک عام آدمی بھی جانتا ہے کہ اسلام کے پانچ ارکان ہیں' لیکن دوسری حدیث کی طرف بڑے بڑے علماء کا دھیان بھی نہیں ہے۔ حالانکہ حضور

ﷺ نے التزامِ جماعت والی حدیث میں پانچ چیزوں پر عمل کا حکم انتہائی تاکید کے ساتھ دیا ہے، جبکہ ارکانِ اسلام والی حدیث میں پانچ بنیادی باتوں کا ذکر جملہ خبریہ کے طور پر مذکور ہے، اور اس میں کسی حکم کی بات نہیں آئی ہے۔ پھر ایک حدیث ذہنوں میں اتنی تازہ اور دوسری اجنبی اور نامانوس کیوں ہے؟ اس ذہول کی وجہ یہ ہے حضور ﷺ نے اول الذکر حدیث میں جن پانچ چیزوں کا حکم دیا ہے ان کا تعلق اقامتِ دین سے ہے۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اقامت دین کا کام ہی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔

حضور ﷺ کے زمانے میں اور پھر بعد میں جب تک خلافتِ راشدہ موجود رہی، دین اور ریاست یکجا تھے۔ مسلمانوں کے دینی قائد اور سیاسی رہنما کون تھے! یہی ابوبکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ معاملہ نہیں تھا کہ اہلِ سیاست اور ہوں جبکہ اہلِ علم و رجالِ دین کوئی اور۔ خلافتِ راشدہ کے بعد یہ ہوا کہ دین و دُنیا کی تقسیم ہو گئی۔ یعنی ریاست و سیاست کے معاملات کو دین سے جدا کر دیا گیا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ رجال دین بھی دو حصّوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک کو کہا گیا کہ یہ علمائے ظاہر ہیں۔ دوسرے طبقے کو علمائے باطن کہا گیا۔ یوں سیاست و حکومت کی قیادت تو الگ ہوئی ہی تھی خود دین میں بھی روحانی قیادت صوفیاء کے پاس آ گئی اور علمی قیادت علماء تک محدود ہو گئی۔ اس طرح مسلمانوں کی قیادت کا معاملہ تثلیث میں بدل گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دینی تصورات سکڑتے چلے گئے۔ تاہم جب تک مسلمانوں کی حکومت رہی علماء کی بھی اہمیت رہی۔ کیونکہ نظام جیسا تیسا بھی تھا شریعت پر قائم تھا۔ لہٰذا قاضی، مفتی اور مساجد کے خطیبوں کے لئے علماء ہی کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ہمارے ہاں دینی تعلیم کا یہ سارا نظام، جسے ہم درسِ نظامی کہتے ہیں، یہ درحقیقت مسلم حکومتوں کی سول سروس کی تیاری کا کام دیتا تھا۔ پھر جب ہم پر مغربی یلغار ہوئی اور اقتدار غیروں کے ہاتھ میں چلا گیا تو اب اس کی بھی ضرورت نہ رہی۔ اب علماء کے ہاتھ میں صرف نماز، روزے کے مسائل رہ گئے یا مسجد کی امامت رہ گئی۔ چنانچہ اب دینی تصورات صرف انہی مسائل تک محدود ہو گئے۔ دین کا بطورِ نظام ایک جامع تصور عوام و خواص سب کی نظروں سے غائب ہوتا چلا گیا اور آخر کار ہماری دینی قیادت کا معاملہ وہ ہوا جسے اقبال نے کہا تھا ؂

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام!

مختصراً یہ کہ ہوتے ہوتے دین کا تصور ان چیزوں تک محدود ہو گیا جو کفر کے نظام میں بھی چلتی رہیں، مثلاً انگریز نے نماز سے نہیں روکا، روزہ رکھنے پر کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ آج بھی

امریکہ میں ان چیزوں سے کوئی نہیں روکتا۔ دین کا مذہب والا حصہ غیر مسلموں کی حکومتوں میں ماضی میں بھی چلتا رہا' آج بھی قابل عمل ہے۔ لیکن دین کا غلبہ' اور دین کو پورے نظامِ زندگی کی حیثیت سے قائم کرنے کی جدوجہد آج ہمارے ذہنوں سے خارج ہو گئی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے : Out of sight out of mind یعنی جب ایک شے صدیوں تک مشاہدے میں نہیں رہی تو اس کی اہمیت بھی مد نظر نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم وہ حدیثیں پڑھ رہے ہیں' لیکن ان کی طرف توجہ نہیں ہے' لہٰذا آج ان احادیث کے الفاظ نامانوس محسوس ہوتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جو چیز نظروں کے سامنے نہ رہے ذہن میں بھی نہیں رہتی۔ اور اگر ذہن میں موجود نہ ہو تو نگاہ کے سامنے آنے پر بھی اس طرف توجہ نہیں ہو پاتی' کیونکہ ذہن میں اس کے لئے کوئی خانہ موجود ہی نہیں ہوتا۔ اکبر الٰہ آبادی نے کیا خوب کہا تھا ۔

صوم ہے ایمان سے' ایمان رخصت صوم گم
قوم ہے قرآن سے' قرآن غائب قوم گم

اسی شعر کے مصداق مذہب والا حصہ سامنے رہنے کے باعث ارکانِ اسلام سے تو ہم واقف ہیں' لیکن ارکانِ اقامت دین ہمارے تصورات سے خارج ہو چکے ہیں۔ بہرحال حدیث کی رو سے "ارکانِ اقامتِ دین" میں التزامِ جماعت پہلا رکن ہے۔ کئی اور احادیث میں بھی جماعت کے التزام کے بارے میں تاکید آئی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا : ((عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَةِ)) "لازم ہے تم پر کہ جماعت کی شکل میں رہو"۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا : ((یَدُاللّٰهِ عَلَی الْجَمَاعَةِ)) "اللہ کی تائید اور نصرت جماعت کے ساتھ ہے"۔ اس ضمن میں ایک بہت عمدہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ آپؓ نے فرمایا : "لَاۤ اِسْلَامَ اِلاَّ بِالْجَمَاعَةِ وَلَا جَمَاعَةَ اِلاَّ بِالْاِمَارَةِ وَلَا اِمَارَةَ اِلاَّ بِالطَّاعَةِ)) "جماعت کے بغیر اسلام ہے ہی نہیں۔ اور جماعت کا کوئی تصور نہیں جب تک اس کا کوئی امیر نہ ہو۔ اور امیر ہونے کا کوئی فائدہ نہیں اگر اس کی اطاعت نہ کی جائے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ایک دوسرے قول میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "امیر کا کوئی فائدہ نہیں اگر اس کا حکم سنا نہ جائے' اور سننا بیکار ہے اگر اطاعت نہ ہو"۔

اب زیر بحث حدیث کے دو آخری ارکان یعنی جہاد اور ہجرت کی طرف آیئے۔ جہاد اور ہجرت دونوں کی ایک ابتدائی منزل ہے اور دونوں کی ایک انتہا بھی ہے۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا "اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ بتایئے سب سے افضل جہاد کونسا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "افضل جہاد یہ ہے کہ اپنے نفس سے جہاد کرو اور اسے اللہ کا مطیع بناؤ۔" جبکہ جہاد کی

باند ترین منزل قتال فی سبیل اللہ ہے۔ یعنی اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لئے دشمنوں سے جنگ کی جائے۔ اسی طرح ہجرت کے بارے میں پوچھا گیا کہ "اے اللہ کے رسول ﷺ! افضل ترین ہجرت کون سی ہے؟" آپؐ نے فرمایا "چھوڑ دو ہر اُس شے کو جو تمہارے رب کو پسند نہیں ہے"۔ اس ابتدائی منزل میں جہاد اور ہجرت کا مقصد ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت کا خوگر بننا اور ہر اُس شے کو ترک کر دینا جو اللہ کو ناپسند ہے۔ جہاد اور ہجرت کی چوٹی کی منزلیں بھی ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ جہاد کی چوٹی کی منزل قتال فی سبیل اللہ ہے اور سیرت نبویؐ میں قتال فی سبیل اللہ کے مرحلے میں ہجرت فرض کر دی گئی تھی۔ کیونکہ اس مرحلے میں اقامت دین کے لئے باطل کے خلاف جنگ کرنا ہوتی ہے' لہٰذا تمام اہل ایمان پر لازم ہوتا ہے کہ وہ ایک مرکز پر آ جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ کے مسلمانوں پر مدینہ کی طرف ہجرت فرض کر دی گئی تھی۔ اگر مسلمان منتشر رہتے تو قریش جیسی بڑی طاقت سے قتال کرنا اور انہیں شکست دینا آسان نہ ہوتا۔ بہرحال جہاد و قتال اور ہجرت کی یہ منازل طے کرنا جماعت کے بغیر ممکن نہیں۔

## جماعت سازی کی مسنون بنیاد : بیعت

اب ایک اہم سوال یہ ہے کہ یہ جماعت کس بنیاد پر قائم ہو۔ ہم آج جماعت بنانے کی جس بنیاد سے واقف ہیں وہ یہ ہے کہ دستور مرتب کیا جاتا ہے کہ ہمارے یہ مقاصد ہیں' یہ ہمارے قواعد و ضوابط ہیں۔ اس دستور میں طے ہوتا ہے کہ جماعت کی رکنیت کا طریقہ کار کیا ہو گا' جماعت اور شوریٰ کیسے منتخب ہوں گے' امیر اور شوریٰ کے اختیارات کی حدود کیا ہوں گی وغیرہ۔ جماعت سازی کا یہ سارا فلسفہ مغرب سے آیا ہے۔ یہ طریقہ اسلام کی تیرہ سو سالہ تاریخ میں پہلے کہیں نہیں ملتا۔ چونکہ مسلمانوں پر چودھویں صدی ہجری کا ایک بڑا حصہ مغربی امپیریلزم کے زیر اثر گزرا ہے' اس لئے اس صدی میں ہمارے ہاں بھی جماعت سازی کا یہ تصور در آیا ہے۔ اسلام میں جماعت سازی کی جو منصوص' مسنون اور ماثور بنیاد ملتی ہے وہ "بیعت" ہے۔ بیعتِ شخصی کی بنیاد پر ہی ماضی میں امّتِ مسلمہ ایک جماعت کی شکل میں بندھی رہی ہے۔ اور اس بنیاد پر تمام تحریکیں اٹھی ہیں۔ اس کے مطابق جماعت سازی کا طریقہ یہ ہو گا کہ دینی تحریک اٹھانے والا کوئی شخص اللہ کے راستے میں خود کو پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں دین کے تقاضے پر یہ کام کرنے نکلا ہوں' کون ہے اللہ کی راہ میں میرا ساتھ دینے والا ﴿ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ﴾ جو لوگ اس کے ساتھ آ کر جڑیں گے وہ اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے کہ ہم آپ کے ساتھی ہیں۔ آپ کو ہم مشورہ دیں گے' لیکن فیصلہ آپ کے

ہاتھ میں ہوگا۔ آپ شریعت کے اندر جو حکم دیں گے ہم مانیں گے۔ بس جماعت بن گئی، کسی لمبے چوڑے دستوری خاکے کی ضرورت ہی نہیں۔ بیعت کا ذکر تو قرآن میں بھی موجود ہے۔ سورۃ الفتح میں دو آیتیں موجود ہیں۔ سورۂ ممتحنہ میں خواتین کی بیعت کا ذکر ہے۔ سیرت میں دیکھئے بیعت عقبہ اولیٰ، بیعت عقبہ ثانیہ اور بیعت رضوان کے علاوہ بھی بہت سے مقامات پر بیعت کا ذکر ملتا ہے۔ اگرچہ دستور کی بنیاد پر جماعت سازی حرام نہیں ہے، میرے نزدیک وہ مباحات میں داخل ہے، اس کی بنیاد پر بھی اگر کوئی جماعت بنالی جائے تو تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔ لیکن سرے سے جماعت ہی نہ ہو، ہر شخص انفرادی زندگی بسر کر رہا ہو، یہ درست نہیں ہے۔ افسوسناک صورت یہ ہے کہ ہمارا یہ قومی مزاج بن گیا ہے کہ کوئی کسی کی بات سننے اور ماننے کو تیار نہیں۔ ہر شخص اپنی جگہ پر، اپنے گھمنڈ میں مبتلا ہے کہ بس میری رائے اور میرا خیال برتر ہے، میں اسی کے مطابق چلوں گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت اُمّتِ مسلمہ منتشر ہے۔ کوئی ایک امام نہیں۔ پچاس ساٹھ مسلمان ممالک ہیں، لیکن کوئی مرکزیت نہیں۔ اسی بناء پر آج جس اسلام دشمن طاقت کا جی چاہتا ہے وہ کسی مسلمان ملک کو مشق ستم بنالیتا ہے، کوئی دوسرا مسلمان ملک اس کی مدد کیلئے پہنچتا ہے نہ اس کے حق میں آواز بلند کرتا ہے۔ ان سب مسائل کا حل یہی ہے ایک جماعت بنا کر اقامتِ دین کی جدوجہد کی جائے، جس کا آخری ہدف اُمّتِ مسلمہ کو ایک اجتماعیت میں پرونا بالفاظِ دیگر عالمی نظام خلافت کا قیام ہو۔ خود علامہ اقبال نے اپنی آخری زندگی میں اس بات کی کوشش فرمائی تھی کہ ایک جماعت قائم کی جائے، لیکن بدقسمتی سے علامہ اقبال کی زندگی کے آخری دنوں کا یہ رخ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ رہا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ جو میرے نزدیک چودھویں صدی ہجری کے مجدد اعظم ہیں، انہوں نے کہا تھا کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کام کا آغاز کیا جائے، لیکن لوگوں نے ان کی بات نہیں مانی۔ تاہم حیرت ہوتی ہے کہ ہم نے اس اہم واقعہ کو بھی کتابوں سے نکال دیا گیا۔ اسی طرح زندگی کے آخری دور میں (۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۶ء تک) علامہ اقبال کی جو سوچ رہی ہے، اور وہ جس کام کیلئے تگ و دو اور غور و فکر کرتے رہے، وہ یہ تھا کہ بیعت کی بنیاد پر ایک جماعت بنائی جائے۔ بدقسمتی سے اس جدوجہد کا بھی کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اگرچہ علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے ساتھ کام کیا ہے، لیکن وہ جانتے تھے کہ محض ایک قومی جماعت کی بنیاد پر ایک اسلامی ریاست وجود میں نہیں آ سکتی۔ قومی جماعت کی بنیاد پر ایک قومی ریاست ہی وجود میں آئے گی۔ اسلامی ریاست کیلئے تو اسلامی جماعت بنانا پڑے گی اور اس اسلامی جماعت میں وہی شخص شامل ہو گا جو اسلامی احکامات پر خود

بھی عمل پیرا ہو۔ جبکہ قومی تحریک میں تو بے عمل مسلمان بھی' خواہ وہ زانی یا شرابی ہو' شامل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مسلم لیگ کا یہی نعرہ تھا کہ مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ۔ لہٰذا ایک قومی تحریک کے نتیجے میں ایک قومی ریاست وجود میں آ گئی' لیکن باون برس گزرنے کے بعد بھی پاکستان اسلامی ریاست نہیں بن سکا ہے۔ تاہم علامہ اقبال کی کوششوں سے ۱۹۳۶ء میں جمعیت شبان المسلمین کے نام سے ایک اسلامی جماعت کے قیام کا نقشہ مکمل ہو گیا تھا اور علامہ اقبال ہی سے بیعت ہونا تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ چوہدری محمد حسین نامی ایک شخص' جو انگریزوں نے ان کے سر پر مسلط کیا تھا' اس کی وجہ سے یہ ساری سکیم ناکام ہو گئی۔

بیعت کی تاکید میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی ایک حدیث مروی ہے :

(( مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً ))

"جو مسلمان مرا اس حال میں کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہیں تھا اس کی موت جاہلیت کی موت ہے"۔

التزامِ جماعت کی اس قدر اہمیت کی کیا وجہ ہے؟ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اگر اسلام کا سیاسی اور ریاستی نظام قائم ہو تو جو خلیفۂ وقت ہے اس کے ہاتھ پر بیعت ہو گی۔ اگر اسلامی حکومت موجود نہیں تو یہ نظام خود بخود تو وجود میں نہیں آ جائے گا۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی محنتوں اور قربانی ہی سے یہ نظام اُس وقت قائم ہوا تھا' اب بھی اس کام کے لئے محنت اور قربانی درکار ہو گی۔ چنانچہ آج وقت کا اہم ترین اور سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ جو جماعت نظامِ خلافت کے قیام کے لئے جدوجہد کر رہی ہو اس میں شامل ہوا جائے۔ اگر اس جماعت میں دستوری طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے تو بھی درست' اور اگر وہ جماعت بیعت کی بنیاد پر قائم کی گئی ہو تو اس کے امیر کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔

---

# ملکِ عزیز کے استحکام کی خاطر اربابِ اقتدار کو چند مشورے

## متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کی مجلس شوریٰ کے اجلاس کا پریس ریلیز

لاہور' ۱۲دسمبر ۹۹ء۔ ملک کی چار دینی جماعتوں تحریک اسلامی' تنظیم اسلامی' تنظیم الاخوان اور مرکزی جمعیت اہل حدیث پر مشتمل متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کی مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں دیگر امور کے علاوہ موجودہ ملکی حالات پر غور و فکر اور تبادلۂ خیال ہوا۔ متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کی جانب سے جاری کردہ متفقہ نکات پر مشتمل قرارداد میں کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ فوج نے بالکل غیر متوقع ہنگامی صورتحال میں ملک کا کنٹرول سنبھالا تھا' البتہ چونکہ اس اقدام کے جواز یا عدم جواز کا معاملہ عدالت میں زیر سماعت ہے اس لئے اس پر مزید کوئی تبصرہ مناسب نہ ہو گا۔ تاہم ملک کے چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف نے پاکستان کے عوام سے اپنے پہلے خطاب میں جو سات نکاتی ایجنڈا پیش کیا تھا اور جس کی تائید ملک کے اکثر و بیشتر حلقوں کی جانب سے کی گئی تھی اس پر عمل درآمد کا معاملہ قابل تشویش حد تک سست اور نتائج کے اعتبار سے ناقابل اطمینان ہے۔ مزید برآں حکومت نے اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں جو اضافہ کیا ہے محاذ اس پر شدید اظہار افسوس کرتا ہے۔ یہ حکومت کے اس دعوے کی عملی تردید ہے کہ وہ غریبوں کی خیر خواہ ہے اور عوام پر ظلم کا خاتمہ چاہتی ہے۔

متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کے اجلاس شوریٰ میں اس بات پر بھی تشویش کا اظہار کیا گیا ہے کہ موجودہ حکومت اجتماعی معاملات میں دین و مذہب کے عمل دخل سے غیر ضروری حد تک اغماض برتنے کی مرتکب ہو رہی ہے۔ چنانچہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں مندرج متفقہ اسلامی آئینی دفعات کو نظرانداز کیا جا رہا ہے۔ یہ طرز عمل انتہائی ناقابل اطمینان ہے۔ چنانچہ اجلاس اس بات کا پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ آئین میں مندرج تمام اسلامی دفعات کے مؤثر ہونے کا فی الفور اعلان کیا جائے۔ خصوصاً قادیانیت کے حوالے سے آئین کی تمام دفعات پر عمل درآمد کیا جانا چاہئے۔

اجلاس ملک کے مقتدر طبقات کو اس جانب توجہ دلانا ضروری خیال کرتا ہے کہ ملک عزیز پاکستان کا ایک خصوصی پس منظر ہے۔ یہ ملک اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا۔ لہٰذا جب تک ملک میں اجتماعی سطح پر اسلام کا نفاذ نہیں ہو گا' استحکام نہیں آئے گا۔ اسلام کے اجتماعی سطح پر نفاذ کے ضمن میں مندرجہ ذیل اقدام ناگزیر ہیں :

i) جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کا خاتمہ۔

ii) سود اور جوئے کا فوری خاتمہ۔ اس کی موجودگی میں ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ حالت جنگ میں ہیں جس سے نکلنا از بس ضروری ہے۔

iii) قوانین شریعت کے نفاذ کیلئے ضروری ہو گا کہ وفاقی شرعی عدالت کے حدود کار پر عائد جملہ پابندیاں ختم کر دی جائیں۔

ان اقدامات کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے شامل حال ہو گی۔

افغانستان کی طالبان حکومت کے ساتھ بھی مکمل یکجہتی کا اظہار کیا جائے اور اسکے خلاف کسی امریکی سازش کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔ افغانستان سے ملحقہ سرحد کھولنے کے علاوہ انکے منجمد فنڈز کو واگزار کیا جائے اور موجودہ مشکل حالات میں انکی بھرپور معاونت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے معجزانہ انداز میں پاکستان کو ایک ایٹمی قوت بنایا ہے۔ ہمیں اس قوت کی مکمل حفاظت کرنا ہے۔ لہٰذا کسی بھی صورت میں سی ٹی بی ٹی پر دستخط نہ کئے جائیں۔

# فرد کا عروج و زوال

## مطالباتِ دین کے آئینے میں

محمد رشید عمر

۱) انسانی زندگی میں کون سے مواقع آتے ہیں جب وہ گناہوں سے بالکل پاک اور صاف ہو جاتا ہے؟

۲) اللہ کی نظر میں انسانی اعمال کے عروج و زوال کی ترتیب کیا ہے؟

۳) بندۂ مؤمن کے لئے اللہ تعالیٰ نے کون سے مراتب رکھے ہیں جن کو وہ بتدریج ترقی کرتے ہوئے حاصل کر سکتا ہے؟

۴) اجر و ثواب کا تعلق (مقدار کے حساب سے) کس بات سے ہے؟

۵) کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ نیک اعمال کا اجر و ثواب مل رہا ہے؟

۶) اللہ کی رحمت ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے' اس کا مطلب کیا ہے؟

یہ چند سوالات ہیں جو دین پر عمل پیرا ہر انسان کے ذہن میں آتے ہیں۔ وہ جاننا چاہتا ہے کہ وہ اللہ کے حضور کیا مقام حاصل کر سکتا ہے۔ کئی حضرات اللہ کے ہاں مقبولیت اور اجر و ثواب کے سبز باغ بنا لیتے ہیں۔ کئی حضرات بہت کچھ کر کے بھی سمجھتے ہیں کہ کچھ نہیں کیا۔ اگرچہ اصل فیصلہ انسان کی خلوص نیت پر ہے' اور ریا کاری و خود نمائی کی ذرا سی خواہش بھی سب کئے کرائے پر پانی پھیر سکتی ہے' لیکن پھر بھی ذہنی الجھن کو دور کرنے کے لئے ایک چارٹ کی مدد سے ان سوالوں کے جواب واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سے بہت سے حجابات دور ہو جائیں گے اور انسان بہتر طور پر محاسبہ کر کے اپنے مقام کا تعین کر سکے گا کہ وہ اعمال کے اعتبار سے کس مقام پر کھڑا ہے۔

تین مواقع ایسے ہیں جب انسان کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

ا) جب انسان کفر سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہوتا ہے۔

ب) جب انسان اللہ اور اس کے رسول کی خاطر گھربار چھوڑ کر ہجرت کرتا ہے۔
ج) حج مبرور کے بعد انسان گناہوں سے اس طرح پاک و صاف ہو جاتا ہے جیسے آج ہی ماں نے اس کو جنا ہو۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مَیں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' مَیں نے کہا : اے اللہ کے رسول ! اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھایئے تاکہ میں بیعت کروں۔ آپ ﷺ نے اپنا داہنا ہاتھ بڑھایا' میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ فرمایا "اے عمرو! کیا معاملہ ہے"۔ میں نے کہا : میں ایک شرط طے کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا : "تو کیا شرط طے کرنا چاہتا ہے؟" میں نے کہا : شرط یہ ہے کہ مجھ کو بخش دیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا :

(( اَمَا عَلِمْتَ يَا عَمْرو اَنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ ' وَاَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا' وَاَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ )) (رواہ مسلم)

"اے عمرو! کیا تجھے علم نہیں کہ اسلام ان گناہوں کو دور کر دیتا ہے جو اُس سے پہلے ہوتے ہیں' اور ہجرت ان گناہوں کو دور کر دیتی ہے جو اُس سے پہلے ہوتے ہیں' اور حج ان گناہوں کو دور کر دیتا ہے جو اُس سے پہلے ہوتے ہیں۔"

مندرجہ بالا مواقع پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ گناہ سے نیکی کے اعتبار سے انسان زیرو لیول پر آجاتا ہے۔ اس کے آگے مطالباتِ دین ہیں جن پر اس کو عمل پیرا ہونا ہے۔ اللہ کی نظر میں عروج و زوال کا دارومدار ان مطالبات کے جواب میں انسان کے طرزِ عمل پر منحصر ہے۔ سنت رسول ﷺ کے مطابق عروج کے اعمال کی ترتیب اس طرح ہے کہ ایمان لانے کے بعد حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی اس پر فرض ہو جاتی ہے۔ اس میں عبادات کا پروگرام اور اس کے ساتھ والدین' اقرباء' محتاجوں اور مساکین کے حقوق ہیں۔ پھر اس کے سامنے معاشرے کو خراب کرنے والے نظریات و افکار کی تطہیر کا کام ہے' دعوت و تبلیغ کا میدان ہے۔ بھلائی کا حکم دینے اور برائی کے خاتمے کا کام ہے۔ اس سے اوپر کی منزل ظلم کا خاتمہ کر کے عدل و انصاف کا بالفعل قیام ہے۔ اس کے لئے تربیت' تنظیم اور جہادِ مسلسل کی ضرورت ہے۔ اگر تو انسان نے ہر مطالبہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا تو اللہ کے منعم علیہ بندوں میں اس کا شمار ہوگا' جن کے مراتب اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں بیان فرمائے ہیں :

ابوبکر صدیق
رضی اللہ عنہ
بے حد و حساب
700
30
10
0 لیول
سرفروشوں کی جماعت
باطل نظام کے ساتھ تصادم
عدل وانصاف کا قیام
دعوت و تبلیغ (ذرائع ابلاغ
کا استعمال - مدارس - قرآنی
خانقاہیں - رسائل و جرائد)
امر بالمعروف و نہی عن المنکر
(تنظیم سازی - تربیت)
والدین
اقربا
محتاجوں اور
مساکین کے
حقوق
حج
زکوٰۃ
روزہ
نماز
لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ
توبہ
سستی
بہانے
جھوٹی قسمیں
اپنی رائے پر اصرار
مخالفت کھلی دشمنی
عبداللہ بن ابی
قارون و ہامان کا ساتھ

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ﴾ (النساء : ۶۹)

"اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہا مان لے گا' تو ایسے اشخاص ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے' یعنی انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین' اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔"

انبیاء کا درجہ حاصل کرنا تو ممکن نہیں ہے' البتہ اللہ تعالیٰ نے ان کی معیت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اسی طرح جو حضرات سابقون الاولون میں صدیقین' شہداء اور صالحین کے مراتب پر فائز ہو چکے ہیں' وہ درجات تو اب نہیں مل سکتے' لیکن ان کے گروہ میں شمار ہونے کے دروازے قیامت تک کے لئے کھلے ہیں۔ تو زیرو لیول سے اوپر مطالبات کو تسلیم کرتے ہوئے زندگی گزاریں تو ان مراتب عالیہ کے دروازے اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کھول دے گا۔ اس کے برعکس اگر ایمان لانے کے بعد مطالبۂ دین ہمارے سامنے آیا' ہم نے سر تسلیم خم کر دینے کی بجائے معاملہ کو التواء میں ڈال دیا' جواب طلبی پر بہانہ کر دیا تو درجات کی ترقی کی بجائے زوال کی طرف سفر شروع ہو جائے گا۔ اگر بروقت متنبہ ہو گئے' توبہ کی اور اہل ایمان کے ساتھ شامل ہو گئے تو خیر' پردہ بھی رہ گیا اور معاملہ آگے کی طرف بھی بڑھ گیا۔ لیکن اگر شیطانیت کا غلبہ زیادہ ہو گیا تو اگلا مرحلہ اپنے بھرم کو قائم رکھنے کے لئے جھوٹی قسموں کا ہو گا' جو انسان کو پہلے سے زیادہ خطرناک صورتِ حال سے دوچار کر دے گا۔ اگر یہاں سے نہ سنبھلے تو اپنی رائے پر اصرار اور آگے بڑھنے والوں کی مخالفت جیسی کیفیات ظاہر ہوں گی۔ رائے کے تسلیم نہ ہونے پر ناراضگی پیدا ہو گی کہ ہماری تو کوئی وقعت ہی نہیں' یہ تو اپنی مرضی کرنے والے لوگ ہیں۔ اس کی آخری شکل اعلانیہ مخالفت کی صورت میں سامنے آئے گی کہ یہ لوگ مخلص نہیں ہیں' ان میں یہ اور یہ خامیاں ہیں' یہ لوگ دوسرے کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ یہ سارا عمل زیرو لیول سے منفی کی طرف' یعنی پستی کی طرف چلتا جائے گا۔ جس طرح زیرو لیول سے اوپر کے اعمال کو اختیار کرنا انسان کو صدیقین' شہداء اور صالحین کے زمرے میں پہنچا دیتا ہے' اسی طرح زیرو لیول سے نیچے کی طرف سفر کی انتہا رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبَیّ' ہامان اور

قارون کے ساتھ ہوگی۔

خلوص پر مبنی اعمالِ صالحہ کے بدلے اللہ کی طرف سے اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کی مقدار کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ قرآن کے ایک حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ ایک فرض نماز باجماعت ادا کرنے کا ثواب ستائیس سے تیس گنا ملتا ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے تو اس کی مثال قرآن پاک میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جیسے ایک دانے سے سات بالیاں اگیں اور ہر بالی کے خوشے میں سو دانے ہوں' یعنی ایک کے بدلے سات سو گنا ملتا ہے۔ جس کے لئے اللہ چاہتا ہے مزید بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور صبر کرنے والوں کو بے حد و حساب اجر دیا جاتا ہے۔ اصل میں صبر و ایثار ہی وہ پیمانہ ہے جس پر اجر و ثواب کی مقدار کا تعین ہوتا ہے۔ خیر یا حق پر جس قدر عمل ہوگا اور صبر اور ہمت کا معاملہ جس قدر ہوگا اسی قدر اجر و ثواب زیادہ ملے گا۔ زیرو لیول سے اوپر کے اعمال پر نظر ڈالئے تو واضح ہو جائے گا کہ تیسری منزل وہ منزل ہے جہاں آکر انسانی ہمت اور استقامت کا امتحان ہو جاتا ہے۔ اس منزل تک صبر و ثبات میں سرخرو ہونے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے لامحدود اجر کا وعدہ فرمایا ہے :

﴿ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۝ ﴾ (الزمر ۱۰)

"یقیناً صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے شمار ہی ملے گا۔"

مطالباتِ دین کے اس پروگرام پر عمل کرنے والے کسی کارکن کے لئے صبر و وفا کی ساری منزلیں پہلے ہی مرحلہ پر بھی پوری ہو سکتی ہیں' جیسے مکی دور میں صرف کلمہ پڑھنے پر ہی آلِ یاسر رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا گیا۔

یہ اجر و ثواب کسی بینک کی statement نہیں کہ ہر ماہ اس کو معلوم ہو جائے کہ تمہارے اکاؤنٹ میں اتنے لاکھ یا اتنے ملین نیکیاں جمع ہو گئی ہیں۔ اس اجر و ثواب کا پتہ اس صورت میں چلتا ہے جب انسان کو نیکی کے بعد نیکی کی توفیق ملتی ہو' ہر عمل خیر کے بعد دل کو خوشی حاصل ہوتی ہو' اللہ کی راہ میں خرچ کر کے دل میں تنگی نہیں' بلکہ خوشی اور نشاط آ جائے' اللہ کے ساتھ تعلق میں حلاوت اور طراوت آ جائے' خیر کے کاموں میں انسانوں کے اندر ایک تڑپ اور انتظار کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ اس لحاظ سے جس قدر آمادگی ہوگی اور اعمالِ خیر کی توفیق میسر آ رہی ہوگی اسی قدر اجر و ثواب کی بارش اللہ کی

طرف سے زیادہ ہو رہی ہوگی۔ قرآن پاک نے ایسے اہل ایمان کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴾

(الاحزاب ۲۳)

"ان مومنین میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے جس بات کا عہد اللہ سے کیا تھا اس میں سچے ثابت ہوئے۔ پھر بعض تو ان میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض ان میں مشتاق ہیں' اور انہوں نے (عہد میں) ذرا تغیر و تبدل نہیں کیا۔"

﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ ﴾

(الانعام ۱۲۵)

"پس (یہ حقیقت ہے کہ) جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے..."

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

(( ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ : مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا' وَمَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ' وَمَنْ يَكْرَهُ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ )) (متفق علیہ' عن انس ؓ)

"تین چیزیں جس میں ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت کو پالے گا: جس شخص کو اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) باقی سب سے بڑھ کر محبوب ہو' جو کسی دوسرے شخص کو صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر دوست رکھتا ہو۔ اور جو شخص کفر میں لوٹ جانے کو اس طرح برا سمجھے' جبکہ اللہ نے اسے اس سے نکال لیا ہے' جس طرح آگ میں ڈالا جانا برا سمجھتا ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ . اِمَامٌ عَادِلٌ' وَشَابٌّ

نَشَأَ فِی عِبَادَةِ اللّٰہِ' وَرَجُلٌ قَلْبُہٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْہُ حَتّٰی یَعُوْدَ اِلَیْہِ' وَرَجُلاَنِ تَحَابَّا فِی اللّٰہِ اجْتَمَعَا عَلَیْہِ وَتَفَرَّقَا عَلَیْہِ۔ ))

(متفق علیہ)

"سات اشخاص وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اُس دن اپنے سایہ میں رکھے گا جس دن اس کے (عطا کردہ) سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا: عدل کرنے والا امام' وہ جوان آدمی کہ اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں صرف کرے' وہ شخص کہ اس کا دل مسجد کے ساتھ لٹکا رہتا ہے جب اس سے باہر جاتا ہے' یہاں تک کہ اس کی طرف لوٹ آئے' اور وہ دو آدمی جو ایک دوسرے سے محض اللہ کی خاطر محبت رکھتے ہیں' وہ اسی بنیاد پر اکٹھے ہوتے ہیں اور اسی بنا پر الگ ہوتے ہیں.... الخ۔"

اللہ کی رحمت ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کا ظہور تمام انسانوں کے لئے ہے' کافر و مسلمان کی کوئی تفریق نہیں ہے' جیسے دنیاوی نعمتیں' وسائل حیات' ہدایت کے سرچشمے اور ان سے مستفید ہونے کے مواقع تمام انسانوں کیلئے برابر کھلے ہیں۔ البتہ ایک رحمت ہے جس کیلئے ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾ (الاعراف . ۱۵۶'۱۵۷)

"اور میری رحمت تمام اشیاء کو محیط ہے' اور اسے میں اُن لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو نافرمانی سے پرہیز کرتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ جو لوگ ایسے رسول نبی امی (محمد ﷺ) کا اتباع کرتے ہیں جس کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں' بُری باتوں سے منع کرتے ہیں' پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال

بتلاتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام فرماتے ہیں' اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس (نبی موصوف) پر ایمان لاتے ہیں' ان کی عزت و توقیر کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کی اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

﴿ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا ۢ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (الانعام : ۵۷)

"اور جب یہ لوگ آپؐ کے پاس آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں' تو انہیں سلام کہئے (اور کہئے) کہ تمہارے رب نے اپنے اوپر (تمہارے لئے) رحمت واجب کرلی ہے' کہ جو شخص تم میں کوئی جہالت سے برا کام کر بیٹھے' پھر وہ اس کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح رکھے تو اللہ کی یہ شان ہے کہ بڑا مغفرت والا اور رحمت والا ہے۔"

یہ رحمت خاص اللہ نے اپنے ان بندوں کے لئے واجب کر رکھی ہے جو زیرولیول سے اوپر سہ منزلہ عمارت میں اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ ایسے خوش بختوں کو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی ﷺ کی زبانی سلام بھیجتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ اگر کبائر سے بچیں گے تو ان کے صغیرہ گناہوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ڈھانپ لے گا۔ مطالباتِ دین کی اس سہ منزلہ عمارت سے باہر رہتے ہوئے اللہ کی رحمت کی اُمید لگانا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ ﴾ (الانفطار : ٦)

"اے انسان! کس چیز نے تجھے اپنے ربِّ کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا؟"

# 'جامع القرآن' کون؟

## حضرت ابو بکر صدیقؓ یا حضرت عثمانؓ

—— عبدالرشید عراقی ——

جامع القرآن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ؟ واعظین حضرات اپنے خطبوں میں ان ہر دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کو "جامع القرآن" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو بعض خطیب یہ ہم قافیہ عبارت پڑھ جاتے ہیں کہ "جامع آیات القرآن 'کامل الحیاء والایمان' سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ "۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ جامع القرآن دراصل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ؟

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ملک میں چند لوگ مرتد ہو گئے اور مسیلمہ کذّاب نے نہ صرف ارتداد کا ارتکاب کیا بلکہ نئے نبی ہونے کا اعلان کر دیا۔ وہ چونکہ ایک طاقتور قبیلے کا سردار تھا اس لئے بہت سے لوگ اس کے ہمنوا ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی۔ یہ جنگ اتنی شدید تھی کہ اس میں حفاظِ قرآن کی ایک بڑی تعداد شہادت سے سرفراز ہوئی۔ یہ جنگ یمامہ کے مقام پر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو فتح نصیب کی اور مسیلمہ کذاب اپنے بہت سے ساتھیوں سمیت واصل جہنم ہوا۔ لیکن اس جنگ میں فتح نصیب ہونے کے ساتھ مسلمانوں کو یہ صدمہ بھی پہنچا کہ اس میں ۳۹ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حفاظ قرآن تھے 'شہید ہوئے۔ اور بقول ڈاکٹر حمید اللہ اس جنگ میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد جو شہادت سے سرفراز ہوئے چھ ہزار تھی۔ (۱)

### حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اظہارِ تشویش :

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر حکومت نے تحفظ قرآن مجید پر توجہ نہ کی اور حفاظ قرآن آئندہ جنگوں میں شہید ہوتے رہے یا طبعی موت اس دنیا سے رخصت ہوتے رہے تو پھر قرآن مجید کے لئے بھی وہی دشواری پیش آ سکتی ہے جو پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی کتابوں کے سلسلے میں پیش آئی تھی۔ اس لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یمامہ کی جنگ میں بہت سے حفاظِ قرآن شہادت سے سرفراز ہوئے ہیں' اس لئے اگر آپ نے قرآن مجید کو جمع کرنے کا بندوبست نہ کیا تو اندیشہ ہے کہ قرآن مجید کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا۔

## حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جواب :

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو خدشات ظاہر کئے اس کے جواب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ میں کیسے کروں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ خیر کا کام ہے' اس لئے ہونا چاہئے۔ کئی دن تک بحث کا سلسلہ چلتا رہا۔ آخر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ کسی تیسرے کو حکم بنالیا جائے اور وہ جو فیصلہ کردے اس پر عمل کیا جائے۔

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ :

"حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کاتب وحی تھے۔ (۲)

## حضرت زید بن ثابت کا فیصلہ :

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فوری جواب تو وہی تھا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تھا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ ہم کیسے کریں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ کام ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ : واقعی حرج تو مجھے بھی نظر نہیں آتا۔ اور اگر کریں تو اس سے کوئی امر مانع نظر نہیں آتا۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ آپ ہی اس کام کا بیڑا اٹھائیں۔ (۳)

## حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ میدانِ عمل میں :

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ میں یہ کام سرانجام دوں۔ مجھے یہ کام اتنا مشکل معلوم ہوا کہ اگر وہ مجھے کسی ایک پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ ہٹا دینے کا حکم دیتے تو وہ اس حکم سے زیادہ گراں نہ ہوتا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کے سلسلہ میں چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل

ایک کمیٹی بنائی۔ اس کمیٹی کے ارکان یہ تھے: ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، ابو زید رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ (۴) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس کمیٹی کا صدر بنایا گیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ اس کمیٹی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ (۵)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اعلانِ عام کر دیا کہ جس کسی کے پاس قرآن مجید کی کوئی آیت لکھی ہوئی ہے وہ اس کمیٹی کے حوالے کر دے۔ چنانچہ کمیٹی کے ارکان نے بڑی تگ و دو کے بعد قرآن مجید جمع کر لیا۔ لیکن سورۂ توبہ کی دو آیات نہ ملیں۔ وہ اتفاق سے ایک ایسے صحابی سے ملیں جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ان کے کسی کام سے خوش ہو کر فرمایا تھا کہ آج سے تمہاری شہادت دو شہادتوں کے مساوی سمجھی جائے گی۔ اور یہ تھے حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ جن سے سورۂ توبہ کی یہ دو آیات ملیں:

﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ○ ﴾ (التوبة. ۱۲۸، ۱۲۹)

## قرآن مجید کی تدوین:

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مقرر کردہ کمیٹی نے قرآن مجید کی تدوین مکمل کر لی تو مؤرخین نے لکھا ہے کہ مکمل نسخہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ قرآن مجید کی تدوین ۱۱ھ کے اواخر میں ہوئی۔ یہ نسخہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات تک ان کے پاس رہا۔ ان کے انتقال کے بعد یہ نسخہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہا۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو یہ نسخہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلا گیا۔

## حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہدِ خلافت:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت اور وجاہت کی بناء پر یہ مناسب نہیں سمجھا کہ وہ نسخہ ان سے لے لیں۔ خاص طور پر اس لئے بھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود حافظِ قرآن تھے، اس لئے یہ نسخہ حاصل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ لیکن

حضرت عثمان کے دور میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ ان کو ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ نسخہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کریں اور اس سے استفادہ کیا جائے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں آرمینیا سے جنگ کرنے کے لئے ایک فوج بھیجی گئی تو اُس وقت فوج میں ایک حادثہ پیش آیا۔ وہ حادثہ یہ تھا کہ امام اور مقتدیوں میں بعض آیتوں کی قراءت کے بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ اس جھگڑے نے اس قدر طول کھینچا کہ قریب تھا کہ تلواریں نکل آتیں' مگر فوج کے کمانڈر انچیف کے حسنِ تدبّر سے معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ جب فوج واپس مدینہ منورہ آئی تو فوج کے کمانڈر انچیف حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اپنے گھر جانے سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب تمام واقعہ سنا تو فوراً فیصلہ کیا کہ اس کی اصلاح ہونی چاہئے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فوراً اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا تیار شدہ نسخہ' جو آپ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ ہے' وہ مجھے مستعار دیجئے' استفادہ کرنے کے بعد آپ کو واپس کر دوں گا۔ چنانچہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ نسخہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔

## حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کارنامہ :

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے جو رپورٹ دی تھی ان کے سامنے رکھی اور آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کی اصلاح بہت ضروری ہے۔ ارباب شوریٰ نے متفقہ طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی۔ کمیٹی کے ارکان یہ تھے : حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ' حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ۔ کمیٹی کے صدر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انصاری تھے۔ باقی تینوں ارکان نامورانِ قریش تھے۔

## مصحفِ عثمانی :

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کمیٹی کے ارکان سے یہ بھی فرمایا کہ قرآن مجید کا نزول زبانِ

قریش پر ہوا ہے۔ اسی لئے تینوں ارکان کو جہاں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اختلاف ہو وہ اپنی قراءت کو ترجیح دیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ :

"حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے چند مددگاروں کے تعاون سے دوبارہ اس پرانے نسخے کو سامنے رکھ کر نقل کرنا شروع کیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی مسئلے میں اختلاف ہو تو مسئلہ میرے پاس بھیجو' میں خود اس کا فیصلہ کروں گا"۔ (۶)

چنانچہ جب یہ ایڈیشن تیار ہو گیا تو حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور اس کا نام "مصحفِ عثمانی" رکھا گیا۔ حضرت عثمانؓ نے پہلا نسخہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو واپس بھیج دیا۔

## حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دوسرا کارنامہ :

جب مصحفِ عثمانی تیار ہو گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی سات نقلیں کرائیں۔ نقلیں تیار ہو گئیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں علمی دیانت داری کا جو معیار تھا اس کے تحت انہوں نے حکم دیا کہ ان ساتوں نسخوں کو ایک ایک کر کے مسجد نبوی میں ایک شخص بآواز بلند شروع سے آخر تک پڑھے' تا کہ کسی شخص کو بھی یہ شبہ نہ رہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید میں کہیں تبدیلی کی ہے۔ جب یہ سارے نسخے اس طرح پڑھے گئے' اور سب کو اطمینان ہو گیا کہ یہ نسخے صحیح ہیں' تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ عظیم الشان کارنامہ ہے کہ انہوں نے پوری اُمتِ اسلامیہ کو ایک قراءت پر جمع کر دیا۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ :

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک بڑی منقبت اور ایک عظیم نیکی یہ ہے کہ آپؓ نے لوگوں کو ایک قراءت پر جمع کر دیا"۔ (۷)

## سات نسخوں کی تیاری :

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سلطنت بہت وسیع تھی۔ آپ کی وسعت سلطنت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ۲۷ھ میں' یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ۱۵ سال بعد اسلامی فوج ایک طرف اسپین میں اور دوسری طرف چین میں داخل ہو گئی تھی۔ یورپ' ایشیا اور افریقہ کے ان سب براعظموں میں اسلامی سلطنت پھیل گئی تھی۔ اس کے بڑے بڑے صوبوں میں قرآن مجید کے یہ نسخے بھیجے گئے۔ اور اس کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صوبوں کے

گورنروں کو یہ حکم بھی بھیجا کہ آئندہ اس سرکاری نسخے سے نقلیں تیار کی جائیں' اگر کسی کے پاس اس نسخہ کے خلاف کوئی دوسرا نسخہ ہے تو اس کو تلف کردیا جائے۔

## جامع القرآن :

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جامع القرآن کہا جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ انہوں نے قرآن مجید کو جمع کیا۔ اس کی تاویل مؤرخین نے یہ کی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو ایک قراءت پر جمع کیا اور قراءت کا جو اختلاف لوگوں میں پایا جاتا تھا اس سے ان کو بچانے کے لئے انہوں نے مکّہ معظمہ کی قراءت کو نافذ کیا۔ حافظ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ :

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نفس قرآن کو لوحین کے درمیان جمع کرنے کا جو کام کیا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا ارادہ نہیں کیا' بلکہ ان کا منشاء صرف یہ تھا کہ جو قراء تیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور معروف ہیں ان پر مسلمانوں کو جمع کردیں اور ان کے علاوہ جو دوسری قراء تیں ہیں ان کو ضائع کردیں۔"[(۸)]

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کے منتشر اجزاء جو بکھرے ہوئے تھے' ان کو ایک جگہ بین اللّوحین جمع کیا اور اختلاف قراءت سے تعرض نہیں کیا۔ برخلاف اس کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف ابی بکر پر اعتماد کرکے اور اس کو بنیاد بنا کا قراء تیں متعین کردیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس عظیم الشان کارنامہ کی اہمیت اور عظمت اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ :

"یہی جمع قرآن در مصاحف ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ ﴾ منطبق ہوتا ہے اور جس کی بشارت ﴿ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْاٰنَهُ ﴾ میں موجود ہے"۔[(۹)]

جب تک دنیا میں قرآن مجید اور کلمہ گو موجود ہیں اُمّتِ مسلمہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے احسان کو فراموش نہیں کرسکتی۔

## حواشی

(۱) خطباتِ بہاولپور' ص ۱۴' مطبوعہ ادارۂ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد

(۲) خطباتِ بہاولپور' ص ۱۴

(باقی صفحہ ۶۰ پر)

# مسلمان کا طرزِ حیات (۳)

علامہ ابو بکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم: مولانا عطاء اللہ ساجد

**کتاب العقائد**

تیسرا باب

## اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر ایمان

ایک مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اولین و آخرین کا معبود برحق ہے' اور اس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ اس کی دلیل میں مندرجہ ذیل نقلی و عقلی دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و ہدایت ہی کافی دلیل ہے' کیونکہ راہِ راست پر وہی چل سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نصیب ہو جائے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت سے محروم رکھے اسے کوئی راہِ راست پر نہیں لا سکتا۔

### نقلی دلائل

(۱) خود اللہ تعالیٰ' اُس کے فرشتے اور صحیح علم کے حاملین اس بات کے گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی سچا معبود ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾ (آل عمران ۱۸)

"اللہ گواہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں' اور فرشتے اور علماء بھی (گواہ ہیں)' وہ انصاف کرنے والا حاکم ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

(۲) اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی بہت سی آیات میں یہ بات بتائی ہے ـــــ مثلاً

ارشاد ہے:

﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ ﴾

(البقرة : ۲۵۵)

"اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں' وہ زندہ ہے اور قائم رکھنے والا ہے' اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند"۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ ﴾

(البقرة : ۱۶۳)

"اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ رحم کرنے والا مہربان ہے"۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿ اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ... ﴾ (طٰهٰ : ۱۴)

"یقیناً میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی معبود نہیں' پس تم میری عبادت کرنا"۔

اور ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں مخاطب فرمایا:

﴿ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ... ﴾ (محمد : ۱۹)

"پس جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"۔

علاوہ ازیں خود اپنے متعلق یوں ارشاد فرمایا:

﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ ...

(الحشر : ۲۲'۲۳)

"وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے' وہ رحم کرنے والا مہربان ہے' وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے' پاک ذات..."

(۳) اللہ کے تمام رسولوں علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کے معبود حقیقی ہونے کی خبر دی ہے۔ انہوں نے اپنی اپنی امت کو اِسی بات کا اعتراف کرنے کی دعوت دی ہے' اور سب کو چھوڑ کر اسی کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ ﴾ (الاعراف : ۵۹)

"اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔"

اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام' حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی اپنی قوم سے یہی فرمایا :

﴿ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ ﴾ (الاعراف : ۶۵'۷۳'۸۵)

"اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔"

جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا :

﴿ اَغَيۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِيۡكُمۡ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ ﴾

(الاعراف : ۱۴۰)

"کیا میں تمہیں اللہ کے سوا کوئی اور معبود ڈھونڈ کر دوں؟ حالانکہ اس نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔"

یہ بات آپ علیہ السلام نے اُس وقت فرمائی تھی جب بنی اسرائیل نے آپؑ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ان کو پوجا پاٹ کے لیے کوئی بُت بنا دیں۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اس طرح اللہ کی تسبیح و تقدیس فرمائی :

﴿ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ ۖ اِنِّىۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ ﴾

(الانبیاء : ۸۷)

"تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تُو پاک ہے' یقیناً میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔"

اور جناب نبی اکرم ﷺ نماز میں تشہد کے دوران یہ الفاظ فرمایا کرتے تھے :

((اَشۡهَدُ اَنۡ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ))

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کا کوئی شریک نہیں۔"

## عقلی دلائل

① اللہ تعالیٰ کی ربوبیت بلا اختلاف ثابت ہے۔ اور اس کا لازمی تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اِلٰہ اور معبود ہو۔ وہ رب جو زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے' جو نعمتیں دیتا اور روک لیتا ہے' جو نفع و نقصان کا مالک ہے' وہی اس بات کا مستحق ہو سکتا ہے کہ مخلوقات

اُسی کی عبادت کریں' اُسی کی اطاعت کریں' اُسی سے محبت رکھیں' اسی کی عظمت اور تقدیس کو پیش نظر رکھیں' اُسی سے امید رکھیں اور اسی سے خوف کھائیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اللہ کی مربوب ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا' اسے رزق دیا' اس کی ضرورتیں پوری کیں اور اس کے حالات میں جس طرح چاہا تصرف فرمایا۔ تو اس قسم کی مخلوق جو اس کی محتاج ہے' اسے کس طرح معبود بنایا جاسکتا ہے؟ جب یہ ثابت ہوگیا کہ مخلوق میں سے کوئی فرد معبود بننے کا اہل نہیں تو اِس سے ثابت ہو گیا کہ خالق کائنات ہی معبودِ برحق اور الٰہ حق ہے۔

(۳) کمالِ مطلق کی صفات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں' مثلاً وہ قوی وقدیر ہے' علی وکبیر ہے' سمیع وبصیر ہے' رؤوف ورحیم ہے اور لطیف وخبیر ہے۔ ان صفات کا تقاضا ہے کہ بندوں کے دلوں میں اس کی محبت اور عظمت کا احساس جاگزیں ہو جائے' اور ان کے جسمانی اعضاء اطاعت گزاری اور فرماں برداری کے ذریعے اس کی الوہیت کا اقرار کریں۔

**کتاب العقائد**

چوتھا باب

# اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر ایمان

ایک مسلمان کے عقیدے میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی اور صفاتِ مقدسہ پر ایمان رکھے۔ ان صفات میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے' نہ تاویل کے ذریعے ان کا انکار کرے نہ مخلوق کی صفات سے ان کو تشبیہہ دے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ان تمام صفات کو تسلیم کرے جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیان فرمائی ہیں یا اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو ان تمام نقائص سے پاک سمجھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے۔

اس کے نقلی اور عقلی دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

## نقلی دلائل

① اللہ عزّوجلّ نے ہمیں اپنی بہت سی صفات اور اسمائے حسنیٰ سے مطلع فرمایا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے :

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الاعراف : ۱۸۰)

"اور اللہ ہی کے لیے ہیں بہترین نام' لہٰذا اسے ان ناموں سے پکارو' اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں کے بارے میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔ جلد ہی انہیں ان کے اعمال کا بدلہ مل جائے گا۔"

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ ﴾ (بنی اسرائیل : ۱۱۰)

"کہہ دیجئے : اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو' جس نام سے بھی پکارو تو یہ بہترین نام اسی کے ہیں۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی مختلف صفات بیان کی ہیں' مثلاً وہ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ یعنی سننے والا اور دیکھنے والا ہے' عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ علم و حکمت والا ہے' قَوِيٌّ عَزِيْزٌ قوت والا اور غالب ہے' لَطِيْفٌ خبيرٌ باریک بین اور خبردار ہے' شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ قدردان اور حلم والا ہے' غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ گناہوں کو معاف کردینے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور عرش پر مستوی ہوا' اس نے آدم علیہ السلام کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا' وہ نیکوکاروں سے محبت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے تشریف لانے اور نازل ہونے کا ذکر قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ یہ تمام ذاتی اور فعلی صفاتِ خداوندی اللہ تعالیٰ نے ہمیں خود بتائی ہیں اور اس کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمائی ہیں۔

② جناب رسول اللہ ﷺ نے اللہ عزوجل کی بہت سی صفات بیان فرمائی ہیں جو صریح احادیث میں موجود ہیں۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((يَضْحَكُ اللّٰهُ اِلٰى رَجُلَيْنِ يَقْتُلُ اَحَدُهُمَا الْاٰخَرَ ' كِلَاهُمَا يَدْخُلُ

الْجَنَّةَ)) (۱)

"اللہ تعالیٰ دو آدمیوں کو دیکھ کر ہنستا ہے کہ ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے' پھر دونوں جنت میں داخل ہو جاتے ہیں"۔ (۲)

دوسری حدیث میں ہے :

((لاَ تَزَالُ جَهَنَّمُ يُلْقٰى فِيْهَا وَهِيَ تَقُوْلُ . هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ' حَتّٰى يَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ فِيْهَا رِجْلَهُ- وَفِيْ رِوَايَةٍ قَدَمَهُ- فَيَنْزَوِيْ بَعْضُهَا اِلٰى بَعْضٍ' فَتَقُوْلُ : قَطْ قَطْ)) (۳)

"جہنم میں انسان ڈالے جاتے رہیں گے اور جہنم کہتی رہے گی : هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ؟ (کیا اور بھی ہیں؟) حتیٰ کہ ربّ العزت اس میں اپنا قدم مبارک رکھے گا تو وہ سمٹ جائے گی اور کہے گی : بس 'بس"۔

اس کے علاوہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

((يَنْزِلُ رَبُّنَا اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ فَيَقُوْلُ : مَنْ يَدْعُوْنِيْ فَاَسْتَجِيْبَ لَهُ؟ مَنْ يَّسْاَلُنِيْ فَاُعْطِيَهُ؟ مَنْ يَّسْتَغْفِرُنِيْ فَاَغْفِرَ لَهُ؟)) (۴)

"ہر رات' جب رات کا تیسرا حصّہ باقی رہ جاتا ہے تو ہمارا رب آسمانِ دنیا پر اترتا ہے اور کہتا ہے : کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اس کی دُعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے عطا فرماؤں؟ کون ہے جو مجھ سے بخشش مانگے تو میں اسے بخش دوں؟"

نیز فرمایا :

((لَلّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ مِنْ اَحَدِكُمْ بِرَاحِلَتِهٖ)) (۵)

"اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جسے صحرا میں اپنی گم کردہ اونٹنی کھانے پینے اور سازو سامان سمیت مل جائے۔"

ایک صحابیؓ نے ایک لونڈی کو آزاد کرنا چاہا تو جناب رسول اللہ ﷺ نے اس لونڈی سے دریافت فرمایا : "اللہ کہاں ہے؟" اُس نے کہا : "آسمان میں"۔ حضور علیہ السلام نے سوال کیا : "میں کون ہوں؟" اس نے کہا : "آپ اللہ کے رسول ہیں"۔ تو آنحضرت

ﷺ نے اس شخص سے کہا: ((أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ)) "اس لونڈی کو آزاد کردو' یہ مؤمن ہے"۔ (۶)

علاوہ ازیں ارشادِ نبوی ہے:

((يَقْبِضُ اللّٰهُ الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَطْوِى السَّمَاءَ بِيَمِيْنِهٖ' ثُمَّ يَقُوْلُ: أَنَا الْمَلِكُ' أَيْنَ مُلُوْكُ الْأَرْضِ؟)) (۷)

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو پکڑے گا اور آسمان کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے لے گا' پھر فرمائے گا: "میں بادشاہ ہوں۔ کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟"

(۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' تابعین کرام رحمہم اللہ اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی صفات کو تسلیم کرتے تھے۔ نہ ان کی تاویل کرتے تھے نہ تردید' نہ ان کے ظاہری معنی کا انکار کرتے تھے۔ کسی ایک صحابیؓ سے بھی ثابت نہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی تاویل کی ہو' یا انکار کیا ہو' یا کہا ہو کہ اس کا ظاہری معنی مُراد نہیں' بلکہ وہ ان پر ایمان رکھتے تھے اور انہیں ظاہری معنی پر محمول فرماتے تھے۔ اور وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کسی مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ سے قرآن مجید کی اس آیت کا مطلب پوچھا گیا: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طٰهٰ . ۵) "رحمٰن عرش پر مستوی ہوا" تو جناب امامؒ نے فرمایا کہ: "استوا کا مطلب تو واضح ہے' لیکن اس کی کیفیت معلوم نہیں' اور یہ سوال کرنا بدعت ہے۔"

امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: "میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں' جو کچھ اللہ کی مُراد ہے اس کے مطابق۔ مَیں رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتا ہوں' اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آیا ہے اس پر بھی ایمان رکھتا ہوں' اور جو کچھ جناب رسول اللہ ﷺ سے ہمیں پہنچا ہے اس کو بھی مانتا ہوں' اس ارشاد سے جناب رسول اللہ ﷺ کا جو منشا تھا' اس کے مطابق مانتا ہوں"۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اس قسم کی احادیث کے متعلق سوال ہوتا جن میں اللہ تعالیٰ کے نزول فرمانے' زیارت ہونے' تعجب کرنے' ہنسنے' ناراض ہونے' خوش ہونے' محبت کرنے اور ناپسند کرنے کا ذکر ہے' تو آپؒ فرماتے: "ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں' ان کی تصدیق کرتے ہیں' لیکن کیفیت اور معنی کا تعین نہیں کرتے"۔ یعنی ہم مانتے

ہیں کہ اللہ تعالیٰ نازل ہوتے ہیں (رات کے آخری حصہ میں پہلے آسمان پر اور قیامت کو زمین پر نازل ہوں گے) اور اللہ تعالیٰ کی زیارت بھی ہوگی' اور ذاتِ باری تعالیٰ عرش پر اپنی مخلوق سے منفصل ہے' لیکن ہم نزول یا زیارت کی کیفیت نہیں جانتے نہ اس کے حقیقی معنی و مفہوم سے باخبر ہیں' بلکہ ہم اس کا علم اللہ کے پاس ہی سمجھتے ہیں جس نے یہ آیات اپنے نبی پر نازل کیں۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرتے' نہ اللہ اور اس کے رسول' کے بیان کردہ اوصاف سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف بیان کرتے ہیں' اور ان اوصاف کی حقیقت و کیفیت بھی نہیں جانتے۔ بس یہ جانتے ہیں کہ کوئی چیز اللہ کی مثل نہیں' اور وہ سمیع و بصیر ہے۔

## عقلی دلائل

① اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی صفات بیان فرمائی ہیں اور بہت سے ناموں سے اپنا ذکر فرمایا ہے۔ اور ہمیں ان اسماء و صفات سے اسے موصوف کرنے سے منع نہیں کیا' نہ ہمیں تاویل کے ذریعے ظاہری معنی چھوڑ کر دوسرے معنی مُراد لینے کا حکم دیا ہے۔ یہ کتنا عقل کے خلاف ہے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو مانیں گے تو ہم اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دینے والے بن جائیں گے' اس لیے ضروری ہے کہ ہم ان کے ظاہری معنی مُراد نہ لیں' بلکہ تاویل کریں' اگرچہ اس تاویل کے نتیجے میں ہم اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا انکار ہی کر بیٹھیں اور اس کے مبارک ناموں کے متعلق کج روی کا شکار ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ تو ہمیں اس طرح تنبیہہ فرما رہے ہیں :

﴿ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الاعراف : ۱۸۰)

"ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اللہ کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں' انہیں عنقریب ان کے اعمال کا بدلہ مل جائے گا۔"

② حقیقت یہ ہے کہ جو شخص تشبیہہ کے خوف سے اللہ کی کسی صفت کا انکار کرتا ہے وہ خود پہلے اللہ کی صفت کو مخلوق کی صفت سے تشبیہہ دینے کا ارتکاب کرتا ہے' پھر اس تشبیہہ سے بچنے کے لیے انکار و تعطیل کا سہارا لیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے جو صفات اپنے لیے بیان فرمائی ہیں ایسا شخص ان کا انکار کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ تشبیہہ اور

تعطیل دونوں غلطیوں کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

جب صورتِ حال یہ ہے تو پھر زیادہ معقول رویہ یہی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو تسلیم کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی ہیں' یا اس کے مقدس رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہیں' اور اس کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مقدسہ حادث مخلوقات کی صفات سے کوئی مشابہت نہیں رکھتیں' جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کسی مخلوق سے مشابہت نہیں رکھتی۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان اور اللہ عزّوجلّ کو ان صفات سے متّصف تسلیم کرنے سے مخلوق کی صفات سے تشبیہہ لازم نہیں آتی' کیونکہ عقل کے نزدیک ناممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسی صفات سے متصف ہو جو مخلوقات کی صفات جیسی نہیں' بلکہ محض نام میں اشتراک رکھتی ہیں۔ یعنی خالق کی صفات اس کے ساتھ خاص ہیں اور مخلوق کی صفات مخلوق کے ساتھ۔ ایک مسلمان جب اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مقدسہ پر ایمان کا اظہار کرتا ہے اور اُسے ان صفات سے متصف قرار دیتا ہے تو اُس کے تصور میں ہرگز یہ خیال نہیں ہوتا کہ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کسی بھی لحاظ سے اور کسی بھی مفہوم میں مخلوق کے ہاتھ سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات' صفات اور افعال میں مخلوقات سے الگ اور ممتاز ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ ﴾ (الاخلاص : ۱-۴)

"(اے پیغمبرؐ !) کہہ دیجئے : اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنم دیا ہے اور نہ اسے کسی نے جنم دیا ہے' اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔"

نیز ارشاد ہے :

﴿ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ ﴾ (الشوریٰ : ۱۱)

"اس کی مثل کوئی چیز نہیں' اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔"

پانچواں باب

# ملائکہ پر ایمان

مسلمان فرشتوں کے وجود پر ایمان رکھتے ہیں۔ فرشتے اللہ کی ایک اشرف مخلوق اور اس کے معزز بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسان کو مٹی سے اور جنوں کو آگ سے پیدا کیا ہے' اسی طرح اس نے فرشتوں کو نور سے پیدا کیا ہے اور ان کو مختلف کام سونپے ہیں' جن کو وہ پوری تندہی سے انجام دیتے ہیں۔ بعض فرشتے انسانوں کی حفاظت پر مامور ہیں' بعض انسانوں کے اعمال کا ریکارڈ تیار کرتے ہیں' بعض کے فرائض جنت اور اس کی نعمتوں سے متعلق ہیں اور بعض کے فرائض کا تعلق جہنم اور اس کے عذابوں سے ہے۔ اس کے علاوہ ایسے فرشتے بھی ہیں جو دن رات اللہ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی سستی یا تھکن کا شکار نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتوں کو دوسروں سے افضل بنایا ہے' جن میں ملائکہ مقربین' مثلاً جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام وغیرہ شامل ہیں۔

ہم یہ عقیدہ اس لیے رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں ہدایت دی ہے اور ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے نقلی اور عقلی دلائل بھی اس عقیدے کی تائید کرتے ہیں۔

## نقلی دلائل

(۱) اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرشتوں پر ایمان رکھنے کا حکم دیا ہے اور ان کے بارے میں بتایا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا۝ ﴾ (النساء: ۱۳۶)

"اور جو شخص اللہ' اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور یوم آخرت کا انکار کرے تو گویا وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔"

نیز ارشاد خداوندی ہے:

﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ○ ﴾ (البقرۃ: ۹۸)

"جو کوئی اللہ کا دشمن ہے اور اس کے فرشتوں اور رسولوں کا اور جبریل و میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ بھی ایسے کافروں کا دشمن ہے۔"

علاوہ ازیں ارشاد ہے :

﴿ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾

(النساء: ۱۷۲)

"مسیح (علیہ السلام) کو اس بات سے ہرگز کوئی عار نہیں کہ وہ اللہ کا بندہ بن کر رہے اور نہ مقرب فرشتوں کو (کوئی عار) ہے"

اور قیامت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

﴿ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ○ ﴾ (الحاقۃ: ۱۷)

"اور اُس دن تیرے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اپنے اوپر اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔"

علاوہ ازیں خدائے بزرگ و برتر کا فرمان ہے :

﴿ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ ﴾ (المدثر: ۳۱)

"اور ہم نے جہنم (کے انتظامات) پر مقرر افراد کو فرشتے بنایا ہے..."

نیز خداوند قدوس کا ارشاد ہے :

﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ○ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ . . . ﴾ (الرعد: ۲۳،۲۴)

"اور فرشتے ہر دروازے سے اُن (جنتیوں) کے پاس آ رہے ہوں گے، کہیں گے : تم پر سلامتی ہو، کیونکہ تم نے صبر و استقامت کو اختیار کیا ہے۔"

اس کے علاوہ ارشاد ہے :

﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○ ﴾ (البقرۃ: ۳۰)

"اور (یاد کرو) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا: کیا تو اُس میں مقرر کرے گا اُس کو جو اس (زمین) میں فساد پھیلائے اور خوں ریزی کرے؟ جبکہ ہم تیری حمد و تسبیح اور تقدیس کرتے ہیں۔ فرمایا: میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔"

(۲) جناب رسول اللہ ﷺ نے بہت سی احادیث میں فرشتوں کی موجودگی کی خبر دی ہے 'مثلاً جب حضور ﷺ نماز تہجد کے لیے اُٹھتے تھے تو یہ دُعا پڑھتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَاِسْرَافِيلَ' فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ' عَالِمَ الغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ' اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ' اِهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ' اِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ)) (۱)

"اے اللہ! اے جبرائیل و میکائیل و اسرافیل کے مالک! اے آسمانوں اور زمین کے خالق! اے پوشیدہ اور ظاہر سے باخبر! تُو اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ حق کی جس بات میں تیرے حکم سے اختلاف کیا گیا ہے اس میں میری رہنمائی فرما۔ تُو جسے چاہتا ہے راہِ راست کی ہدایت دے دیتا ہے۔"

اس کے علاوہ حدیث میں آیا ہے:

((اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا اَنْ تَئِطَّ' مَا فِيهَا مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَعَلَيْهِ مَلَكٌ سَاجِدٌ)) (۲)

"آسمان چرچراتا ہے 'اور اسے حق ہے کہ وہ چرچرائے' اس میں چار انگلیوں کی جگہ بھی خالی نہیں جہاں کوئی فرشتہ سربسجود نہ ہو۔"

نیز ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اِنَّ الْبَيْتَ الْمَعْمُوْرَ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ' ثُمَّ لَا يَعُوْدُوْنَ)) (۳)

"بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں' پھر وہ دوبارہ داخل نہیں ہوتے۔"

اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ كَانَ عَلَى كُلِّ بَابٍ مِنْ اَبْوَابِ الْمَسْجِدِ مَلاَئِكَةٌ يَكْتُبُوْنَ' الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ' فَاِذَا جَلَسَ الْاِمَامُ طَوَوْا الصُّحُفَ وَجَاءُوْا يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ)) (۴)

"جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو مسجد کے ہر دروازے پر فرشتے سب سے پہلے آنے والوں اور ان کے بعد آنے والوں کے نام لکھنے لگتے ہیں۔ جب امام (خطبہ سے پہلے منبر پر) بیٹھتا ہے تو وہ اپنے صحیفے لپیٹ کر ذکر (یعنی خطبہ) سننے کے لیے آجاتے ہیں"۔

وحی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ اَحْيَانًا رَجُلاً فَيُكَلِّمُنِيْ فَاَعِيْ مَا يَقُوْلُ)) (۵)

"... بعض اوقات فرشتہ انسانی صورت میں میرے سامنے آتا ہے اور مجھ سے باتیں کرتا ہے' تو جو کچھ وہ کہتا ہے میں یاد کرلیتا ہوں"۔

ایک حدیث میں ارشاد ہوا:

((يَتَعَاقَبُ فِيْكُمْ مَلاَئِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلاَئِكَةٌ بِالنَّهَارِ)) (۶)

"تمہارے پاس کچھ فرشتے دن کو اور کچھ رات کو اپنی اپنی باری پر آتے ہیں"۔

اس کے علاوہ ارشاد ہے:

((خَلَقَ الْمَلاَئِكَةَ مِنْ نُوْرٍ' وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَارٍ' وَخَلَقَ آدَمَ مِمَّا وَصَفَ لَكُمْ)) (۷)

"اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نور سے پیدا کیا اور جنوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ اور آدم کو اُس چیز سے جو اس نے تمہیں بتائی ہے"۔

(۳) غزوۂ بدر کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد نے فرشتوں کو دیکھا' اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجتماعی طور پر کئی بار حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا ہے' کیونکہ آپ علیہ السلام بعض اوقات حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپؑ کو دیکھتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث بہت مشہور ہے' جس میں حضرت جبریل علیہ السلام نے انسانی صورت میں آنحضرت ﷺ کی

خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کچھ مسائل دریافت کیے تھے۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا: "کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ مسائل دریافت کرنے والے صاحب کون تھے؟" صحابہ نے عرض کیا: "اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں"۔ تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ جبریل علیہ السلام تھے' تمہیں تمہارے دین کی باتیں سکھانے آئے تھے"۔ (۸)

(۴) ہر زمانے اور ہر علاقے میں رسولوں پر ایمان رکھنے والے اربوں مؤمن فرشتوں کے وجود کو تسلیم کرتے آئے ہیں' اور رسولوں نے فرشتوں کے متعلق جو کچھ بتایا' یہ مؤمنین اسے حق تسلیم کرتے ہیں۔

## عقلی دلائل

(۱) عقل فرشتوں کے وجود کا انکار نہیں کرتی' نہ اسے محال تصور کرتی ہے' کیونکہ عقل کے نزدیک وہ چیز محال ہوتی ہے جس سے اجتماعِ ضدین لازم آتا ہو' مثلاً کسی چیز کا ایک ہی وقت میں موجود بھی ہونا اور معدوم بھی۔ اسی طرح اجتماعِ نقیضین بھی عقل کے نزدیک محال ہے' مثلاً کسی مقام پر روشنی اور تاریکی کا بیک وقت پایا جانا۔ فرشتوں پر ایمان سے اس قسم کا کوئی محال لازم نہیں آتا۔

(۲) تمام اہل عقل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ کسی چیز کا اثر اس کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اس قانون کو پیش نظر رکھیں تو بہت سے اثرات فرشتوں کی موجوگی کو ثابت کرتے ہیں' مثلاً:

ا۔ انبیائے کرام پر وحی کا نزول۔ کیونکہ ان پر وحی اکثر وحی پر مقررہ فرشتہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے نازل ہوتی رہی ہے۔ اور یہ ایسا واضح اثر ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا' اور اس سے فرشتوں کا وجود ثابت ہوتا ہے۔

ب۔ مخلوقات کی روح قبض کرکے انہیں فوت کرنا۔ یہ ایک واضح اثر ہے جس سے ملک الموت اور ان کے ساتھ آنے والے فرشتوں کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ . . ﴾ (السجدہ : ۱۱)

"(اے نبی ؐ!) فرما دیجئے: تمہیں موت کا فرشتہ فوت کرتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا

ہے۔۔۔۔۔"

ج۔ جنّوں اور شیطانوں کی شرارتوں سے انسانوں کی حفاظت۔ انسان ان کے درمیان زندگی گزارتا ہے' وہ اسے دیکھتے ہیں اور انسان انھیں نہیں دیکھ سکتا' وہ انسان کو تکلیف دے سکتے ہیں اور انسان انھیں تنگ نہیں کر سکتا' بلکہ ان سے اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے باوجود وہ زندگی بھر ان کی شرارتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی حفاظت کرنے والے اور شیطانوں سے اس کو بچانے والے فرشتے موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾

(الرّعد ۱۱)

"اس کے پہرے والے ہیں' اُس (بندہ) کے آگے سے اور پیچھے سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں اللہ کے حکم سے۔"

(۳) اگر انسان اپنی نظر کی کمزوری کی وجہ سے کسی چیز کو نہ دیکھ سکے' یا انسان میں کسی چیز کو دیکھنے کی کامل استعداد نہ ہو تو اس سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ وہ چیز فی الواقع موجود ہی نہیں۔ بہت سی مادی اشیاء ایسی ہیں جو خالی آنکھ سے نظر نہیں آتیں اور جدید آلات کی ایجاد سے قبل انسان اُن سے واقف نہیں تھا' لیکن اب خوردبین کے ذریعے ہم انھیں بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔

## حواشی

چوتھا باب:

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجهاد' باب الكافر يقتل المسلم ثم يسلم فيسدد بعد ويقتل۔
صحیح مسلم' کتاب الامارة' باب بيان الرجلين يقتل احدهما الآخر يدخلان الجنة

(۲) مقتول شہید ہو کر جنت میں چلا جاتا ہے اور قاتل کو اسلام لانے کی توفیق ملتی ہے اور جب وہ فوت یا شہید ہو جاتا ہے تو جنت میں جاتا ہے۔

(۳) صحیح البخاری کتاب الایمان' باب قول اللّٰه تعالیٰ ان اللّٰه هو الرزاق ذو القوة المتين۔ صحیح مسلم' کتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها' باب جهنم اعاذنا اللّٰه منها۔ (حدیث کے یہ الفاظ صحیح مسلم کے مطابق ہیں)

(۴) صحیح البخاری' کتاب التهجد' باب الدعاء والصلاة من آخر الليل۔ صحیح

مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا' باب افضل الصلاۃ طول القنوت

(۵) صحیح مسلم' کتاب التوبۃ' باب فی الحض علی التوبۃ و الفرح بھا

(۶) صحیح مسلم' کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ' باب تحریم الکلام فی الصلاۃ' ونسخ ما کان من اباحتہ

(۷) صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب یقبض اللّٰہ الارض

## پانچواں باب :

(۱) صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین قصرھا باب الدعاء فی صلاۃ اللیل و قیامہ

(۲) اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ اور یہ حدیث معلول ہے

(۳) اس کی اصل صحیحین میں ہے دیکھئے صحیح البخاری کتاب بدء الخلق ذکر الملائکۃ۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب الاسراء برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

(۴) اسے امام مالک نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ نیز صحیح البخاری کتاب الجمعۃ باب الاستماع الی الخطبۃ صحیح مسلم کتاب الجمعۃ باب ما جاء ان الملائکۃ تکتب علی ابواب المسجد الاول فالاول وفضل التھجیر

(۵) صحیح البخاری' کتاب بدء الوحی

(۶) صحیح البخاری کتاب المواقیت' باب فضل صلاۃ العصر

(۷) صحیح مسلم کتاب الزہد و الرقائق باب فی احادیث متفرقہ

(۸) یہ حدیث صحیح مسلم باب اول اور صحیح البخاری کتاب الایمان باب سوال جبریل علیہ السلام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الایمان و الاسلام و الاحسان میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ موجود ہے۔

---

## بقیہ : جامع القرآن کون؟

---

(۳) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ' مولانا سعید احمد اکبر آبادی ' ص ۳۹۳' طبع دہلی ۱۹۵۷ء

(۴) صحیح بخاری ج ۲' ص ۷۴۸

(۵) خطبات بہاولپور ' ص ۱۵

(۶) خطبات بہاولپور ' ص ۱۹

(۷) البدایہ والنہایہ ' ج ۷' ص ۲۱۸

(۸) الاتقان فی علوم القرآن ' ج ۱' ص ۱۰۳' بحوالہ صدیق اکبرؓ مولانا سعید احمد اکبر آبادی ' ص ۴۰۱

(۹) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء' ج ۲' ص ۵

# امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

حافظ محمد صفدر ساجد

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ ان نادر روزگار شخصیتوں میں سے ایک ہیں جو روز روز دنیا میں نہیں آتیں اور جن کی روشنی اور تابانی ایک عالم کو منور کر جاتی ہے۔

آپ شام کے ایک مشہور علمی خاندان میں ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ کو پیدا ہوئے۔ والدین نے آپ کا نام احمد رکھا' بعد میں ان کا لقب تقی الدین اور کنیت ابوالعباس رکھی گئی۔ آپؒ پانچ سال تک اسی بستی حران میں مقیم رہے جس میں آپؒ کی ولادت ہوئی تھی اور چھ برس کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ دمشق آ گئے اور یہاں "دارالحدیث السکویۃ" اور "مدرسۃ ابی عمر" میں علم حاصل کرتے رہے۔ آپؒ کی ذہانت اور ذہانت کا عالم یہ تھا کہ جب بھی کسی عبارت یا کتاب کو ایک مرتبہ پڑھ لیتے تو اسے دوبارہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے اور وہ ہمیشہ کیلئے آپؒ کے ذہن میں مرتسم ہو جاتی۔ حافظ ابن عبدالہادی نے اپنے تذکرہ "العقود الدریۃ" میں ایک روایت بیان کی ہے کہ :

ایک مرتبہ دمشق میں حلب کے ایک بہت بڑے عالم تشریف لائے تو انہوں نے شہر کے ایک نوخیز لڑکے احمد بن تیمیہ کے سرعتِ حفظ کا شہرہ سنا۔ چنانچہ ایک دن وہ ان کے مدرسے کی راہ میں کھڑے ہو گئے اور جب چھوٹے سے ابنِ تیمیہ ادھر سے گزرنے لگے تو انہوں نے ابنِ تیمیہ کو روک لیا اور ان سے تختی پر تیرہ احادیث لکھوائیں' پھر ان کو ان احادیث کے پڑھنے کا حکم دیا۔ مستقبل کے امام شیخ الاسلام نے تختی پر ایک نظر ڈالی اور اسے اس عالم کو تھماتے ہوئے کہا کہ :

"اس کے لئے تختی دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں' میں ان احادیث کو زبانی ہی سنا دیتا ہوں"۔ وہ شیخ اس پر بڑے متعجب ہوئے اور دوبارہ چند احادیث لکھوائیں۔ نوعمر ابنِ تیمیہ نے دوبارہ اسی طرح صرف ایک نظر ڈالنے کے بعد احادیثِ مکتوبہ کو زبانی سنا دیا۔ اُس شیخ حلب نے فرطِ تعجب سے بے ساختہ کہا کہ :

"اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو دنیا میں بڑا نام پیدا کرے گا کہ میں نے اس بلا کا حافظہ کہیں

نہیں دیکھا۔"

امام ابنِ تیمیہؒ ابھی سترہ برس کے نہیں ہوئے تھے کہ ان کے جلیل القدر استاذ قاضی شرف الدین المقدسیؒ نے انہیں مسندِ افتاء کو زینت بخشنے کی اجازت مرحمت فرمادی اور بائیس برس کی عمر میں حکومت نے انہیں دمشق کے عظیم ترین مدرسہ "دارالحدیث السکریۃ" میں شیخ الحدیث کے منصب بلند پر فائز کردیا' جس پر اپنی وفات تک ان کے والد شیخ عبدالحلیمؒ براجمان رہ چکے تھے۔

امام ابنِ تیمیہؒ نے جب اس مدرسہ میں پہلا درس دیا تو اس میں آپؒ کے علم و فضل کی شہرت کی بناء پر قاضی القضاۃ شیخ بہاؤالدین یوسف الشافعیؒ' شیخ الاسلام تاج الدین الفرازیؒ' شیخ زین ابو حفص عمر المکیؒ اور شیخ زین الدین ابوالبرکات بن المنجیؒ ایسے نامور علماء و قضاۃ موجود تھے۔ امام ابنِ تیمیہؒ نے اس درس میں صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے متعلق اس قدر نکات بیان کئے کہ تمام سامعین حیران رہ گئے اور شیخ الاسلام تاج الدین الفرازیؒ نے تو خود اپنے ہاتھ سے اس تقریر کو قلمبند کرکے مدرسہ کے کتب خانے میں محفوظ کردیا تاکہ آنے والی نسلیں بھی اس سے استفادہ کرتی رہیں۔

دارالحدیث میں تدریس کے دوران ان کا انداز یہ ہوتا تھا کہ کسی بھی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے پہلے قرآن حکیم سے دلائل پیش کرتے' پھر حدیثِ نبویؐ سے اور اس کے بعد آراءِ صحابہؓ و تابعینؒ اور اقوالِ فقہاء کو پیش کرتے۔ ائمہ مجتہدین اور فقہاء کے اقوال کو پیش کرتے ہوئے اس بات کا خاص خیال رکھتے کہ کسی ایک کی رائے سے اتفاق کی بجائے حق کی حمایت و تائید کریں' چاہے وہ کسی جانب سے بھی ہو۔ تحریر و تقریر اور خطبات و فتاویٰ میں بھی آپؒ کی روش یہی تھی۔

۲ محرم الحرام ۶۸۳ھ میں آپؒ دارالحدیث میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور ۱۰ صفر المظفر ۶۸۳ھ میں آپؒ نے جامع دمشق میں ہر جمعہ کو تفسیرِ قرآن کا درس دینا شروع کیا۔ اس کی اس قدر شہرت ہوئی کہ دور دراز سے لوگ آپؒ کا درس سننے کے لئے آتے' یہاں تک کہ ابنِ کثیرؒ کے الفاظ میں :

کان یجتمع عندہ الخلق الکثیر والجم الغفیر . . . . وصارت بذکرہ الرکبان فی سائر الاقالیم والبلدان

"کہ خلق کثیر اور جم غفیر کا اجتماع ہوتا . . . . اور تمام علاقوں اور شہروں میں ان کے نام کی شہرت ہو گئی۔" (البدایہ والنہایہ ج ۱۴)

۲۹ برس کی عمر میں آپؒ کو منصب قضا پیش کیا گیا۔ آپؒ نے صرف اس لئے اسے ٹھکرا دیا کہ آپؒ حکومت کی منشاء پر صرف متاخرین اشاعرہ کے مسلک کی پابندی کے لئے تیار نہ تھے۔ اسی بناء پر وہ جامع دمشق میں درسِ تفسیر کے دوران کئی دفعہ مخالفت مول لے چکے اور اپنے خلاف مظاہرے دیکھ چکے تھے۔

امام ابنِ تیمیہؒ صرف بزم ہی کے نہیں بلکہ رزم کے انسان بھی تھے۔ چنانچہ تاتاریوں نے جب دمشق اور شام پر یلغار کی تو امام نہ صرف پچھلی صفوں میں لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی دینے پر انگیخت کرتے بلکہ اگلی صفوں میں کھڑے ہو کر پروانہ وار نیزوں اور تلواروں کے وار اپنے سینے پر بھی روکتے۔ یہاں تک کہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ :

"شام و مصر کے مسلمانوں کو تاتاریوں کے مقابلہ میں صف آراء کرنے میں بہت بڑا ہاتھ امام ابنِ تیمیہؒ کا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے یا ان کی ایمان بھری تقریریں اور تحریریں مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ نہ کرتیں تو کوئی بھی تاتاریوں کی راہ میں مزاحم ہونے پر تیار نہ ہوتا اور پھر جب مسلمان تاتاریوں کے مقابلہ پر پوری طرح کمربستہ ہو گئے تو امام ابنِ تیمیہؒ گھر جا کر نہیں بیٹھ گئے' بلکہ عام سپاہیوں کے دوش بدوش دادِ شجاعت دیتے رہے' یہاں تک کہ معرکہ شقحب میں جب زور کا رَن پڑا تب امام ابنِ تیمیہؒ نے اُمراءِ لشکر میں سے ایک سے کہا :

"مجھے وہاں لے چلو جہاں موت اپنے پر پھیلائے کھڑی ہو۔"

امیر عنا کرنے آپؒ کے اصرار پر آپؒ کو اس مقام پر پہنچا دیا جہاں پر چہار طرف سے تاتاریوں کے تیر برس رہے تھے۔ امام نے وہاں پہنچ کر اپنے ہاتھ دعا کے لئے اٹھا دیئے اور دیر تک آسمان کی طرف نگاہیں بلند کئے دعا مانگتے رہے' پھر میان سے تلوار نکالی اور عقاب کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے اور اس دلیری' بہادری اور جان بازی سے لڑے کہ

بڑے بڑے جوانمردوں اور آبائی سپہ گروں نے بے ساختہ آپؒ کی تعریف و توصیف کی اور آپؒ کی شجاعت کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ اسی معرکہ میں تاتاریوں کو وہ شکست ہوئی کہ اس کے بعد پھر کبھی انہیں شام پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔"

تاتاریوں کی جنگ سے فراغت کے بعد امام ابنِ تیمیہؒ حسبِ سابق ہمہ تن دین کی خدمت میں مشغول ہو گئے اور ان بدعات و رسوم کے خلاف قلمی اور لسانی جہاد کا آغاز کیا جو اس وقت تک مسلمانوں میں رواج پا چکی تھیں اور دین کا حصّہ بن چکی تھیں۔

ساتویں صدی ہجری اس لحاظ سے منفرد خصوصیت کی حامل ہے کہ اس میں بدعات کو جس قدر فروغ حاصل ہوا کسی اور زمانے میں نہیں ہوا۔ باوجودیکہ علماء مجتہدین اس زمانے میں بڑی کثرت سے موجود تھے اور درس و تدریس کا سلسلہ پورے زور و شور سے جاری تھا' اِن مشرکانہ رسوم اور بدعات کی طرف کسی نے توجہ نہ دی' تا آنکہ امام ابنِ تیمیہؒ نے ان کے خلاف بھرپور جدّ و جُہد اور جہاد کا آغاز کیا۔ رجب اور شعبان کی بدعتوں پر آپؒ نے تفصیلی کتابیں لکھیں اور بے شمار مناظرے کئے۔ صلٰوۃ الرغائب کے علاوہ حولی' شہری اور اسبوعی جیسی خود ساختہ نمازوں کا خاتمہ کیا۔ وہ استھان توڑے جن کو مسلمانوں نے خوش عقیدگی کی بنا پر عبادت گاہوں کا درجہ دے رکھا تھا۔ گدڑی پوش فقیروں کی اصلاح کی' جو بھنگ و افیون کے نشہ میں سرمست' شریعت کی تمام حدوں کو توڑ بیٹھے تھے اور لوگوں کی عقیدتوں کا مرکز و محور بن چکے تھے۔ ولایت اور شعبدہ بازی کے درمیان فرق کیا اور لوگوں کو ان میں امتیاز کرنے کا طریقہ سمجھا دیا۔ لوگوں کو جاہل واعظوں' اَن پڑھ مولویوں اور خود ساختہ پیروں اور مشائخ کے چکر سے نکالا اور اقاویل رجال سے ہٹ کر کتاب و سنّت کی پیروی کا درس دیا۔ اس سلسلہ میں آپؒ کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا' کئی دفعہ پابندِ سلاسل ہوئے' لیکن زندگی کے آخری لمحات تک اس دعوتِ حق کے دینے سے گریز نہ کیا جس کی ابتداء پہلے روز کی تھی' تا آنکہ انہی قید و بند کی صعوبتوں میں آپؒ نے آخر ذوالقعدہ ۷۲۸ ہجری میں اس دارِ فانی کو چھوڑ کر دارِ بقاء کا رخ کیا۔

امام ابنِ تیمیہؒ حق گوئی و بے باکی کے ممتاز ترین وصف سے پوری طرح متصف تھے۔ صاحب "دُررِ کامنہ" لکھتے ہیں کہ :

"قطلو بک منصوری ملکِ شام کا ایک ترکی رئیس تھا۔ حکومت میں بھی اس کو بڑا رسوخ تھا۔ تاجروں سے چیزیں خرید تا تھا اور ان کی قیمت فوراً ادا نہیں کرتا تھا۔ پیسہ وصول کرنے کے لئے تاجروں کو بار بار اس کے گھر کا چکر لگانا پڑتا تھا اور کبھی کسی سے ناراض ہوتا تو اس کو دُرے بھی لگوا دیتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے ایک تاجر کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا۔ اس کو کئی مرتبہ گھمانے پھرانے کے باوجود روپیہ نہیں دیا۔ اس نے امام موصوفؒ سے واقعہ بیان کیا۔ وہ اس کو لے کر سیدھے قطلو بک کے پاس گئے۔ وہ دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہ تاجر کی دادرسی کے لئے آئے ہیں۔ ملاقات ہوتے ہی طنز کے طور پر کہا : جب تم کسی امیر کو کسی فقیر کے دروازے پر دیکھو تو سمجھو کہ امیر اور فقیر دونوں اچھے ہیں' اور جب تم کسی فقیر کو کسی امیر کے دروازے پر دیکھو تو سمجھو کہ فقیر اور امیر دونوں بُرے ہیں۔ امام موصوفؒ نے فوراً ہی جواب دیا : فرعون تجھ سے بڑا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ سے اچھے تھے' اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام ہر روز فرعون کی ڈیوڑھی پر جاتے تھے اور اس کو ایمان کی دعوت دیتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دروازے پر گیا ہو۔ میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ اس تاجر کا حق ادا کرو۔ امام ابنِ تیمیہؒ کا برمحل جواب سن کر قطلو بک شرمندہ ہو گیا۔ کوئی جواب نہیں بن پڑا اور بعد ازیں فوراً ہی تاجر کا روپیہ ادا کر دیا۔"

امام ابنِ تیمیہؒ بڑے سے بڑے شخص کے سامنے بھی اس زور اور قوت سے گفتگو کرتے تھے کہ مخاطب ان سے مرعوب ہو جاتا تھا۔ اسی حق گوئی و بے باکی کی وجہ سے ان کو مختلف مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسرے علماء مصلحت کا خیال کر کے بعض اوقات چپ ہو جاتے تھے' مگر امام موصوفؒ کسی کی پرواہ کئے بغیر مسئلہ کی حقیقت کو پیش کر دیتے تھے۔ امام جب اسکندریہ سے رہا ہو کر آئے اور سلطان ناصر اور اس کے وزیر نے اہلِ کتاب سے ایک بھاری رقم لے کر ان سے رعایت کرنا چاہی اور سلطان نے علماء سے فتویٰ پوچھا تو

اس کے تیور دیکھ کر علماء خاموش ہو گئے مگر امام موصوفؒ نے اس پہلی ہی مجلس میں سلطان کو ڈانٹنا شروع کر دیا اور اس کا ہرگز کوئی خیال نہیں کیا کہ اسی کی مہربانی سے قید سے رہا ہو کر آئے ہیں۔

اسی طرح جود و سخا میں بھی آپؒ بے نظیر تھے۔ امام موصوفؒ کوئی مالدار آدمی نہیں تھے۔ انہیں دارُالحدیث السکریہ اور دارُالحدیث الحنبلیہ میں پڑھانے کی معمولی تنخواہ ملتی تھی۔ انہوں نے شادی نہیں کی تھی۔ ان کا کھانا پینا زیادہ تر ان کے بھائی شیخ شرف الدین عبداللہ ابنِ تیمیہؒ کے ہاں تھا اور جب مصر میں تھے تو وہ اپنے چچازاد بھائی کے گھر رہا کرتے تھے، تاہم وہ اپنی استطاعت کے مطابق ہر ایک کی امداد و اعانت کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ درہم و دینار اور کپڑا جو کچھ بھی ان کے پاس موجود ہوتا وہ حاجت مندوں کو دے دیتے تھے۔ جب کبھی کسی کے پاس سے تحفے تحائف آتے تھے تو اس میں سب کو شریک کر لیا کرتے تھے۔ شیخ شہاب الدین احمد بن فضل اللہ العمریؒ کہتے ہیں کہ :

"ہر سال عطیات کی صورت میں بہت سے دینار اور درہم ان کے پاس آتے تھے جن کو وہ غریبوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور اپنے نفس کے لئے ان میں سے کوئی پیسہ خرچ نہیں کرتے تھے۔"

ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور اس نے سلام کیا۔ صورت دیکھتے ہی پہچان لیا کہ اس کو عمامہ کی ضرورت ہے۔ آپؒ نے اپنا عمامہ نکالا اور اس کا آدھا حصہ چاک کر کے اس کے حوالے کر دیا۔

ایک دن ایک راہ چلتے آدمی نے ان کو دعا دی اور آپؒ نے اپنے لباس کا ایک حصہ اس کے حوالے کر دیا اور کہا : جاؤ اس کو اپنے کام میں لے آؤ۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک کتاب مانگی۔ امام ابنِ تیمیہؒ نے کہا : "لو تمہارے سامنے ساری کتابیں رکھی ہیں، جو چاہو پسند کر کے اٹھا لو۔" اس نے اپنے لئے وہی قرآن مجید پسند کیا جس کو آپؒ نے کئی درہم دے کر خرید ا تھا۔ جب وہ لے کر چلا گیا تو آپؒ کے ساتھیوں نے ملامت کی۔ انہوں نے کہا :

(باقی صفحہ ۸۰ پر)

# رمضان اور روزے کی اہمیت

تحریر : فرخ رشید

روزہ کیلئے عربی میں لفظ "صوم" استعمال ہوتا ہے' جس کے معنی ہیں رُک جانا' آہستہ ہو جانا' ترک کر دینا۔ لیکن شرعی اصطلاح میں روزہ صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے' پینے اور دیگر خواہشاتِ نفسانی کے دبانے کا نام ہے۔ قرآن و حدیث کی رو سے روزہ ہر بالغ و عاقل مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

قرآن پاک میں رمضان کی فضیلت و عظمت کی تین وجوہ بیان کی گئیں ہیں۔

(۱) نزول قرآن : یعنی اس مہینے میں قرآن پاک نازل ہوا۔

(۲) لیلۃ القدر : یعنی اس مہینے میں ایک ایسی مبارک رات ہے جو خیر و برکت میں ایک ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔

(۳) فرضیتِ صوم : یعنی اس مہینے کے روزے مسلمانوں پر فرض کئے گئے۔

انہی فضائل کی بناء پر نبی کریم ﷺ نے اس کو "شَهْرُ اللّٰهِ" یعنی اللہ کا مہینہ کہہ کر خدا کی طرف نسبت کا شرف بخشا ہے۔

## فضیلتِ رمضان کے وجوہ

### (۱) نزول قرآن

قرآن پاک کا ارشاد ہے :

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ﴾ (البقرۃ . ۱۸۵)

"رمضان کا مہینہ' وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا' جو سارے انسانوں کیلئے ہدایت ہے اور جو راہ حق دکھانے والی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی کتاب ہے۔"

رمضان کی فضیلت و عظمت کیلئے صرف یہی بات کیا کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے میں ہدایت کی آخری کتاب نازل فرمائی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ انسانیت اگر سرچشمۂ ہدایت سے

محروم ہوتی تو یہ پورا کارخانہ حیات سورج کی تابناکی اور تاروں کی دلآویز روشنی کے باوجود نامکمل اور بے مقصد ہوتا اور کفرو الحاد اور شرک و معصیت میں بھٹکے ہوئے انسان جنگل کے درندوں سے بھی زیادہ بدتر ہوتے۔ اس زمین پر قرآن ہدایت کا سرچشمہ ہے' جو اس سے محروم ہے وہ یقیناً ہدایت اور خیر سے محروم ہے۔

## (۲) لیلۃ القدر :

قرآن پاک میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ قرآن رمضان اور لیلۃ القدر میں نازل ہوا : ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝﴾ "ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا۔" حدیث میں وضاحت ہے کہ : "اس ماہ میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے"۔ (سلمان فارسیؓ، مشکوٰۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس طاق راتوں میں تلاش کرو"۔ (بخاری)

## (۳) فرضیتِ صوم :

اللہ تعالیٰ نے روزے جیسی اہم عبادت کو اس مہینے میں فرض فرمایا۔ قرآن میں ہے :

﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ (البقرۃ ۔ ۱۸۵)

"پس جو شخص بھی تم میں سے اس مہینے کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ اس (پورے مہینے) کے روزے رکھے۔"

قرآن پاک میں روزے کے متعلق واضح حکم ہے :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ ۱۸۳)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' تم پر روزے فرض کر دیئے گئے جس طرح تم سے پہلی قوموں پر فرض کیے گئے تا کہ تم متقی بن جاؤ۔"

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی "تفہیم القرآن" میں اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں :

"اسلام کے اکثر احکام کی طرح روزے کی فرضیت بھی بتدریج عائد کی گئی ۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں مسلمانوں کو صرف ہر مہینے میں تین روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی تھی' مگر یہ روزے فرض نہ تھے۔ ۲ھ میں رمضان کے روزوں کا یہ حکم قرآن میں نازل ہوا'

مگر اس میں اتنی رعایت رکھی گئی کہ جو لوگ برداشت کی طاقت کے باوجود روزہ نہ رکھ سکیں وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ بعد میں دوسرا حکم نازل ہوا اور یہ رعایت منسوخ کردی گئی۔ لیکن مریض 'مسافر' حاملہ و دودھ پلانے والی عورت اور کمزور و ضعیف کیلئے یہ رعایت رکھی گئی کہ جب عذر باقی نہ رہے تو قضا کے اتنے روزے رکھ لیں جتنے چھوٹ گئے ہیں"۔

# رمضان کی عظمت و فضیلت حدیث میں

نبی اکرم ﷺ نے رمضان کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا :

☆ "جب رمضان کی پہلی رات آئی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں 'ان میں سے کوئی بھی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی دروازہ بند نہیں ہوتا' اور اللہ کا منادی پکارتا ہے۔ اے بھلائی اور خیر کے طالب! آگے بڑھ 'اور اے برائی اور بد عملی کے شائق! رک جا' اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے نافرمان بندوں کو دوزخ سے رہائی بخشی جاتی ہے' اور یہ رمضان کی ہر رات میں ہوتا ہے"۔ (جامع ترمذی' ابن ماجہ)

☆ "یہ وہ مہینہ ہے جب مومن کی روزی میں اضافہ کردیا جاتا ہے"۔ (مشکوۃ)

☆ "رمضان تمام مہینوں کا سردار ہے"۔ (علم الفقہ جلد ۳' بحوالہ مرقاۃ المفاتیح)

☆ "اس مہینے کا ابتدائی حصہ رحمت ہے' درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتش جہنم سے رہائی اور نجات ہے"۔ (مشکوۃ)

☆ "اس مہینے میں جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کیلئے اپنی خوشی سے کوئی نفلی نیکی کرے گا تو وہ فرض کے برابر ثواب پائے گا اور جو ایک فرض ادا کرے گا وہ دوسرے مہینوں کے ستر فرائض کے برابر ثواب حاصل کرلے گا"۔ (مشکوۃ)

☆ "جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔ اور جو رمضان کی راتوں میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کیلئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی سابقہ تمام خطائیں بخش دی گئیں اور جو لیلۃ القدر میں کھڑا رہا ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی سابقہ تمام خطائیں بخش دی گئیں"۔ (متفق علیہ)

☆ "روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے"۔

☆ "جس نے رمضان میں کسی روزہ دار کو اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کیلئے روزہ افطار کرایا تو اس کے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی ہوگی"۔ آپؐ سے عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان حاصل نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرادے۔ اور جو کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلادے اللہ اس کو میرے حوض (یعنی حوضِ کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا کہ جس کے بعد اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی یہاں تک کہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا"۔ (معارف الحدیث از مولانا محمد منظور نعمانی)

## رمضان کی عظمت واہمیت تاریخ کے حوالے سے

تاریخ کی شہادت ہے کہ حق وباطل کی پہلی فیصلہ کن جنگ غزوۂ بدر اسی مہینے میں ہوئی۔ اور اسی دن کو قرآن نے "یوم الفرقان" قرار دیا۔ پھر تاریخ کی شہادت یہ بھی ہے کہ رمضان ہی میں مکہ بھی فتح ہوا۔ ان معلومات کو مرتب کرکے غور کیجئے:

☆ حق کی ہدایت اسی مہینے میں نازل ہوئی۔

☆ اسلام کو ابتدائی غلبہ اسی مہینے میں نازل ہوا۔

☆ اسلام کو مکمل غلبہ بھی اسی مہینے میں حاصل ہوا۔

رمضان کا مہینہ ہر سال انہی حقیقتوں کی یاد دہانی کیلئے آتا ہے کہ شریعت نے اس مہینے میں روزے فرض کئے اور قیامِ لیل اور تلاوت کا حکم دیا' تاکہ مؤمنین میں رُوحِ جہاد مُردہ نہ ہونے پائے۔ اور وہ سال میں کم از کم ایک بار رمضان میں قرآن سن کر یا پڑھ کر اپنا منصب اور فریضہ ذہنوں میں تازہ کرسکیں۔ قرآن کا نزول اور اس کی تلاوت اور روزے کی مجاہدانہ تربیت اسی لئے ہے کہ فرزندانِ اسلام دین کو غالب اور قائم کرنے کیلئے ہی زندہ رہیں اور کسی بھی وقت اپنے اس منصبی فریضے سے غافل نہ ہوں۔

# ایران میں افکارِ اقبال کا اثر

## بسلسلۂ علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۲۴)

ڈاکٹر ابو معاذ

## برِّ صغیر میں شیعیت کا فروغ

### مغلیہ دور

مغلوں کے ابتدائی دور میں ہمیں دکّن کی تین ایسی ریاستوں کا وجود ملتا ہے جو گولکنڈہ' بیجاپور اور احمد نگر سے موسوم تھیں۔ یہاں کے شیعہ حکمران سیاسی اور مذہبی اعتبار سے ایرانی صفوی بادشاہوں کے مکمل طور پر وفادار تھے اور وہاں پر صفوی بادشاہوں اور ائمہ دوازدہ کے نام ہی کا خطبہ منابر مساجد پر پڑھا جاتا تھا۔ یہ حقیقت بھی دل کو لگتی ہے کہ یہاں پر بھی صفوی طرز کی ملوکیت مبنی بر عقائد شیعہ صفوی رائج تھی اور سنیوں کا استیصال یہاں کے مقامی حکمرانوں کے ہاں بھی مروج تھا۔ اسی وجہ سے مغل بادشاہ اور ان کے دربار اور افواج کے سنی سرداران ریاستوں کے وجود سے برافروختہ تھے اور وہ سرزمین ہند میں صفوی بادشاہت کے وفادار حکمرانوں کو زیر کرنے کے درپے تھے۔ بالآخر شاہجہاں کے دور میں پے در پے فوجی مہمات کے نتیجہ میں انہیں عملی طور پر ختم کر دیا گیا۔ یہ ایک منطقی امر تھا کہ اس کے بعد صفویوں اور مغلوں کے تعلقات سرد مہری کا شکار ہو گئے۔ لیکن کثیر تعداد میں برصغیر کے مختلف خطوں میں شیعہ احباب باقی رہ گئے جن کے ذہنوں پر صفوی طرز کے عقائد چھائے رہے۔ اسی طرح مغلوں کی آمد سے تھوڑا عرصہ قبل کشمیر میں بھی چک بادشاہوں کی متعصب شیعہ حکومت قائم تھی۔ یوسف شاہ چک اس سلسلہ کا آخری تاجدار تھا جسے اکبر نے زیر کیا اور کشمیر پر قبضہ کر کے اسے وہ ہندوستان لے

آیا۔ مغلوں کے مقابلہ سے یوسف شاہ کی فوج کے سُنّی دستوں نے جنگ میں مغلوں کا ساتھ دے کر شیعہ کشمیری فوج کی شکست کو یقینی بنایا تھا' پھر کشمیر میں مرکز میں شیعہ آبادی کا دباؤ کم ہو گیا اور یہ لوگ کارگل' سکردو اور گلگت کے دور افتادہ علاقوں میں باقی رہ گئے۔

ہمایوں کے ہمراہ ہندوستان آنے والے ایرانی فوجیوں کا ذکر گزر چکا ہے۔ یہ لوگ شمالی ہندوستان میں مختلف شہروں میں مرتکز ہو کر چھوٹے چھوٹے گروہوں (Pockets) کی شکل میں باقی رہ گئے۔ یہ برصغیر میں موجود دراصل چھوٹے چھوٹے ایرانی جزائر تھے جہاں یہ لوگ صفوی طرز کی روایتی شیعیت پر کاربند تھے۔ ان لوگوں کے حلقوں میں مجالسِ عزاء کا انعقاد' تعزیہ نکالنا' عَلم اور ذوالجناح کے جلوس اور عاشورہ کے ماتم کے مناظر پورے طمطراق اور مذہبی عقیدت سے دیکھے جاسکتے تھے۔ مغلیہ دور میں مقامی سُنّی آبادی ان سے کوئی معاندانہ رویّہ نہیں رکھتی تھی' بلکہ ان لوگوں سے یک جہتی کا اظہار کیا جاتا تھا۔ اس دور میں فرقہ وارانہ تعصّب کم از کم مغلیہ ہندوستان میں کہیں نظر نہیں آتا (ماسوائے اِکّا دُکّا معمولی واقعات کے جو قابل ذکر نہیں ہیں)۔ اس آبادی کی مذہبی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایران سے علماء و مجتہدین بھی آتے رہے اور انہوں نے ایرانی مذہبی گروہ سے بھی اپنے روابط برقرار رکھے۔

مغلیہ خاندان میں بہت سی ایرانی خواتین بیاہ کرلائی گئی تھیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ مقتدر نورالدین محمد جہانگیر کی ملکہ نورجہاں اور شاہجہاں کی اہلیہ ممتاز محل ہیں (جو پھوپھی بھتیجی بھی تھیں)۔ ان خواتین کے خاندان کے عمائدین اعلیٰ عہدوں پر تعینات تھے۔ نورجہاں کے والد مرزا غیاث الدین تہرانی وزیر اعظم ہند کے عہدے پر فائز رہے ہیں۔ ان کے بیٹے آصف الدولہ (جن کا مزار شاہدرہ میں ہے) پنجاب کے گورنر اور اعلیٰ عسکری عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ مغلوں کے ان سسرالی عزیزوں کا اقتدار ہمیں تاریخ کے دھندلکوں میں اپنی آب و تاب کے ساتھ نظر آتا ہے۔ یہ لوگ عملی طور پر شیعہ عقائد کے پابند رہے اور محلات میں اپنی مذہبی رسوم پورے جوش و جذبہ سے ادا کرتے رہے' اور کبھی کبھی اعلانیہ بھی مذہبی تقریبات کا اہتمام کرتے رہے۔ ایران سے آنے والے علماء و مجتہدین کو بھی ان کی سرپرستی حاصل رہی۔

کئی وجوہات کے باعث (جن کا ذکر گزر چکا ہے) مغلیہ عہد میں ایرانی شعراء وادباء دربارِ ہند کا رخ کرتے رہے۔ ان میں سے کچھ لوگ مثلاً نظیری نیشاپوری آہستہ آہستہ سنی عقائد اختیار کر گئے اور یہیں بس گئے' مگر کچھ لوگ جیسے مشہور فارسی شاعر عرفی شیرازی بدستور کٹر شیعہ عقائد کے پیرو کار رہے۔ ہر چند وہ لاہور میں مدفون ہوئے' مگر ان کی وصیت کے مطابق ان کی ہڈیاں نجف لے جا کر دفن کی گئیں۔ شعراء و ادباء کے علاوہ وزراء اور فوجی سردار بھی ایران سے آتے رہے۔ یہ لوگ بھی اپنے عقائد پر نہ صرف کاربند رہے بلکہ کسی حد تک ان کا اثر و رسوخ عوام الناس پر ہونے کے باعث یہ لوگ برصغیر میں شیعیت کی ترویج میں مددگار ثابت ہوتے رہے۔

یہ وہ وجوہات تھیں جن کے باعث یہاں شیعیت کو فروغ حاصل ہوا۔ ہر چند کہ انہوں نے ہند کی غیر متعصبانہ فضا میں رہتے ہوئے آہستہ آہستہ کسی حد تک اپنے خیالات میں مصلحتاً یا دانستہ طور پر نرمی پیدا کرلی' مگر صفوی اثرات کا کچھ نہ کچھ اثر ان پر باقی رہا۔

مغلوں کے زوال کے زمانہ میں برصغیر میں سُنّی شیعہ اختلافات سر اٹھانے لگے اور نوبت کھلی جھڑپوں اور ایک دوسرے کی تکذیب و تکفیر تک آن پہنچی۔ اس مکدر فضا کو ختم کرنے میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ پیش پیش تھے جنہوں نے شیعوں کو اسلام کا فرقہ قرار دے کر انہیں امت مسلمہ کا جزو قرار دیا۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے صاحب زادے شاہ رفیع الدینؒ اس حد تک آگے بڑھ گئے تھے کہ متعصب سُنّی علماء نے ان پر تشیع کا الزام لگایا تھا۔ اس کا ذکر ہمیں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی کتاب "برِ صغیر کی ملّتِ اسلامیہ" میں ملتا ہے۔

## انگریزوں کا دور

انگریزوں نے اپنے زمانہ اقتدار میں دانستہ طور پر شیعہ سُنّی اختلافات کو ہوا دی۔ کئی مقامات پر شیعہ نوابوں کی سرپرستی میں دیسی ریاستیں بھی قائم ہوئیں اور اِکّا دُکّا اختلافات سامنے آنا شروع ہوئے جس کے نتیجہ میں کبھی کبھار لڑائی جھگڑے کی نوبت آتی رہی۔ یہ صورت حال یا تو شیعہ اکثریت کے علاقوں میں پیش آتی یا پھر اُس جگہ جہاں شیعہ احباب کثیر تعداد میں ہوتے تھے۔ انگریز "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی پر عمل کرتے

رہے' جبکہ ان کے ایجنٹ ملّتِ اسلامیہ کے دونوں فرقوں میں نفرت کے بیج بوتے رہے۔

انگریزوں کے دور میں ایک گہری سازش کے تحت برصغیر کے مسلمانوں کے ملّتِ ایران سے سیاسی' سماجی' ادبی اور لسانی روابط منقطع کر دیئے گئے اور برّ صغیر کے مسلمان ثقافتی اور لسانی اعتبار سے اہل ایران سے دُور ہٹتے چلے گئے۔ ہرچند کہ زائرین ہندوستان سے ایران آتے جاتے رہے' مگران کی تعداد بہت کم تھی۔ یہ لوگ ایران میں مختصر قیام کے دوران وہاں کے لوگوں سے زیادہ قرب حاصل نہ کر سکتے۔

جنگل کے انقلاب کو کچلنے کیلئے جب انگریز فوج گیلان بھیجی گئی تو وہاں پر مرزا کوچک کے خیالات اور تحریروں سے متأثر ہو کر برصغیر کے بہت سے مسلمان فوجی باغی ہو کر مرزا کوچک کے لشکر سے جا ملے۔ یہ لوگ جذباتی ہندوستانی مسلمان تھے' جنہیں بعد میں مرزا کوچک کی حکومت اور تحریک کے خاتمے پر پکڑ کر بغداد لایا گیا اور پھانسی دے دی گئی۔

دوسری جنگِ عظیم کے دوران ایران میں تعینات مسلمان ہندوستانی فوجیوں نے تہران میں بزمِ اقبال کی بنیاد رکھی' جس کے پلیٹ فارم سے ایران میں فکرِ اقبال کی اشاعت ہوئی اور ایران میں اسلامی انقلاب کی بنیاد رکھ دی گئی۔

## قیام پاکستان کے بعد

ایران میں شیعیت عملی طور پر ملکی سیاست میں داخل ہو چکی تھی اور روشن فکر مصلحین کے اثرات وہاں کے عوام کے دلوں میں گہرے ہونا شروع ہو چکے تھے' مگر پاکستان کے شیعہ احباب ایران اور ہند کے مابین آہنی پردے کے باعث ان اصلاحی تحریکوں سے لاعلم رہے تھے۔ اور ابھی تک ان پر صفوی دور یا زیادہ سے زیادہ ابتدائی قاچاری دور کے اثرات باقی تھے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے ایران اور برّ صغیر کے مسلمانوں کے درمیان اپنے دورِ اقتدار میں ایک دبیز آہنی چادر (Iron Curtain) کے ذریعہ دونوں اقوام کی ایک دوسرے سے مکمل طور پر علیحدگی قائم کر دی تھی۔ آپس کے لسانی' فکری' ادبی' سماجی اور مذہبی روابط عملی طور پر منقطع ہو چکے تھے۔ امتداد زمانہ سے فارسی کا ایرانی لہجہ تک برصغیر میں اجنبی ہو چکا تھا' جب کہ یہی

لہجہ مغلیہ دور میں برصغیر میں بھی مروّج اور متداول تھا' ورنہ نظیری' عرفی' صائب اور ابو طالب کلیم جیسے لوگ برِّصغیر میں آنے کے بعد یہاں کے ادبی حلقوں سے رابطہ کی سہولت سے محروم رہ جاتے۔

اس دوران برصغیر کے شیعہ احباب ایک خوفناک اور مایوس کن فکری خلاء سے گزر رہے تھے' کیونکہ ایرانی فکری سرچشمہ سے ان کے دل و دماغ کی آبیاری اب قطعی طور پر ناممکنات میں سے تھی اور بہت ہی کم تعداد میں زائرین کو ایران جانے کا موقع فراہم ہوتا تھا۔ ایک تو ان لوگوں کا قیام مختصر عرصہ کے لئے ہوتا' دوسرے یہ کہ زائرین کی اکثریت نیم خواندہ لوگوں پر مشتمل ہوتی تھی جو وہاں کی فکری تحریکوں سے واقفیت حاصل نہیں کرپاتے تھے۔ اس لئے ہمارے ہاں کے شیعہ احباب قنوطی اور قدیم روایتی صفوی شیعیت ہی کی قدرے تبدیل شدہ زوال پذیر فکری حالت پر قائم تھے۔ ان پر جمود کی کیفیت طاری تھی۔

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد جب ایران سے ہمارے روابط ایک بار پھر استوار ہوئے اور لوگوں کی آمد و رفت آزادانہ طور پر شروع ہوئی تو وہاں کے فارسی کے اجنبی لہجے اور فکری بُعد کے باعث شروع شروع میں باہمی رابطوں کے دوران زبردست مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ دونوں ممالک کے عوام کے مزاج اور طرزِ فکر میں جو تبدیلی آچکی تھی اس نے دونوں قوموں کے درمیان ایک تناؤ پیدا کر رکھا تھا۔ برصغیر کے لوگ مغرب زدگی کے مراحل سے گزر چکے تھے' جبکہ ایرانی اپنی روایتی تاریخ کے تسلسل میں انقلاب اور اصلاح کی جانب گامزن تھے۔

تھوڑے عرصہ کے لئے ایران جانے والے لوگوں کو جب وہاں کے بڑے بڑے شہروں میں جانا ہوتا تو خلافِ توقع وہاں پر وہ مغربی تہذیب کی یلغار' میکدوں کی رونق اور قمار خانوں کی چکاچوند روشنیاں دیکھتے۔ شراب و شباب کے کھیل' جن کی ہر طرح سے سرپرستی امریکی اور مغربی استعمار کی آلۂ کار پہلوی بادشاہت کر رہی تھی' اس کے شرمناک مظاہر بے اہل ضمیر لوگوں کو ملول و مشوّش کر دیتے۔ اکثر لوگ تو ظاہری طور پر یہ سمجھ بیٹھتے کہ ایران میں اب فحاشی' عریانی' اخلاقی انحطاط اور بے راہ روی کا عروج اور

غلبہ قائم ہو چکا ہے اور اس قوم سے بہتری کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ عوام کی غالب اکثریت خصوصاً دیہی علاقوں کے لوگ اپنے سادہ مزاج' روایتی اقدار پر عمل کرنے اور مذہبی جذبات سے سرشار ہونے کے باعث اپنے ماضی کی عظیم اسلامی روایات سے منسلک تھے۔ روایتی علماء کے پراپیگنڈہ کے باعث ضعیف الاعتقادی' توہمات اور مافوق الفطرت کہانیاں لوگوں کے ذہنوں میں ابھی تک رچی بسی تھیں۔ شہروں کے لوگ اور تعلیم یافتہ حضرات اگرچہ مغرب کے جدید فکر سے آگاہ ہو رہے تھے' مگر معاشرے میں مذہب سے گہری جذباتی وابستگی اپنی جگہ پر بہرصورت قائم تھی۔ پہلوی دور میں سرکاری سرپرستی میں زبردستی مغربی لباس' کلچر اور رہن سہن کو فروغ دینے کی جو بھی کوششیں ہو رہی تھیں عامۃ الناس انہیں سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ مغربی تہذیب و تمدن کے جبراً فروغ کے خلاف عوامی جذبات اکثر بھڑک اٹھتے تھے اور لوگ شاہی پولیس اور دیگر ایجنسیوں کے جبرو استبداد کا مقابلہ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ مولانا روم' سعدی' حافظ اور جامی کے اشعار کی بازگشت ابھی بھی سنائی دیتی تھی' مگر سرسری نظر دوڑانے سے لوگوں کو ایرانی قوم کے دلوں میں لپکتے ہوئے شعلوں کا علم نہیں ہو سکتا تھا۔ شاہ کی بدنامِ زمانہ خفیہ ایجنسی "ساواک" کی دہشت دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے کارندوں کے خوف سے لوگ اجنبیوں کے سامنے زبان کھولنے سے پرہیز کرتے تھے اور زیادہ تر اشاروں اور کنایوں کی زبان استعمال ہوتی تھی۔ حق گوئی کے پیکر زیب دار ہو رہے تھے' مگر کانوں کان خبر نہیں ہوتی تھی۔

پاکستان سے جانے والے شیعہ احباب ایران میں فروغ پانے والے اخلاقی انحطاط اور ظاہری وضع قطع سے کچھ نہ کچھ باخبر تو تھے' اور اس پر اپنے کرب و ملال کا چپکے چپکے اظہار بھی کر رہے تھے' مگر اندرونِ خانہ آنے والی ذہنی اور فکری تبدیلیوں سے عموماً بے خبر تھے۔

انقلابِ اسلامی سے قبل کی تحاریک کو پہلوی دور میں پریس اور دیگر ذرائع ابلاغ اکثر چھپاتے رہے تھے۔ سرکاری سنسرشپ اور سختی کے باعث عموماً خبریں باہر نہیں آتی تھیں۔ سرکاری سطح پر حکومت پاکستان کے شاہی ایران سے روایتی دوستانہ اور برادرانہ

تعلقات تو قائم تھے ہی' ہمارے ہاں بھی ایران کی شہنشاہیت کے ایوانوں کو خوش رکھنے کے لئے ایسی خبروں کو خفیہ رکھا جاتا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسی خبروں کا علم ہی ہمیں کم ہوتا تھا۔ یہ پردہ داری اور گہرا سکوت عظیم طوفان اور انقلاب کا پیش خیمہ تھا۔

شروع شروع میں جب انقلابِ اسلامی کی تحریک کی روز افزوں مقبولیت کی خبر پاکستان میں پہنچی تو پاکستان کے پڑھے لکھے لوگوں نے حیرت و استعجاب کا اظہار بھی کیا اور کچھ لوگ تو بڑی حد تک کنفیوژ بھی ہو گئے۔ انہیں یہ سمجھنے میں بڑا عرصہ لگا کہ یہ سب کچھ اچانک کیسے رونما ہو گیا کہ یکایک ایران کے در و بام سے اللہ اکبر اور اسلام کی صدائیں آنے لگیں اور پہلی بار وہاں کے لوگوں کی اسلام سے جذباتی وابستگی اور شیفتگی کا ثبوت ملا' حالانکہ اس تحریک کے پس منظر میں ایک صدی کی محنت اور جوش و ولولہ تھا۔

ایران کے اسلامی انقلاب کی مکمل کامیابی سے تمام مذہبی حلقوں کو حیرت اور کسی حد تک خوشی ہوئی اور پاکستان کی غیر شیعہ مذہبی تنظیموں نے بھی اس پر اپنی خوشی کا برملا اظہار کیا' مگر ہمارے شیعہ احباب کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا۔ چونکہ ہمارے ہاں کے شیعہ حضرات نے اہلِ ایران کے ساتھ سو برس سے زائد عرصہ تک عظیم فکری سفر طے نہیں کیا تھا' اور وہ ایران کے حالات سے لاعلمی کے باعث ایک فکری خلاء میں معلق تھے' لہٰذا یہ تمام حالات انہیں خوشگوار حیرت و استعجاب کی کیفیت میں لے آئے جہاں ان کے اپنے مذہبی جذبات برانگیختہ بھی ہوئے اور انہیں عرصہ دراز کے بعد دل کی گرمی کا سامان بھی میسر آیا۔ ابھی وہ حیرت و استعجاب کی حالت میں ہی تھے کہ ایران کے کچھ غیر ذمہ دار اور جذباتی حلقوں کی جانب سے انقلاب کو دیگر اسلامی ممالک میں برآمد کرنے کی باتیں ہونے لگیں۔ پاکستان ایران کا ہمسایہ تھا اور یہاں کی اکثریتی سُنّی آبادی کے دلوں میں وسوسوں نے جنم لینا شروع کیا۔ اس جذباتی دور میں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا اور کنفیوژن کے دھندلکوں سے جو صورتِ حال ابھرنا شروع ہوئی وہ حقیقت سے قدرے مختلف تھی۔ اس جذباتیت کی فضا میں دونوں جانب سے کسی حد تک غیر حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کیا گیا۔ سید جمال الدین افغانی' علی شریعتی مرحوم' آیت اللہ خمینی اور سب سے بڑھ کر حضرت علامہ اقبال کے جن افکار و نظریات نے یہ انقلاب برپا کیا تھا ان پر نسبتاً کم توجہ دی جانے لگی

اور ذہنوں پر دھند چھا گئی۔

اسی حالتِ استعجاب میں دنیا بھر کے غیر شیعہ افراد نے انقلابی ایرانیوں کی وقتی جذباتیت کو غلط انداز میں سمجھنا شروع کر دیا اور پھر دونوں جانب ہی سے غیر ذمہ داری کے مظاہرے ہونا شروع ہوئے۔ درحقیقت دونوں جانب کی خاموش اکثریت باہمی اختلافات اور اِکا دُکا تصادم کے ان غیر ذمہ دارانہ واقعات اور حالات سے قطعاً لاتعلق، بلکہ کسی حد تک بیزار رہی اور دونوں جانب کے ذی شعور حلقوں کی طرف سے افہام و تفہیم اور خوشگوار فضا کی بحالی کی مخلصانہ کوششیں بھی ضروری سمجھی گئیں، لیکن یہ تمام کی تمام کوششیں اس جذباتی فضا میں صدا بصحرا ثابت ہونے لگیں۔ فقہی اور گروہی اختلافات کی آگ کو بھڑکانا کچھ تنگ نظر لوگوں کے مفاد میں تھا، اس لئے یہ لوگ قتل و غارت کی راہوں پر چل نکلے۔ اس دوران بدقسمتی سے ہمارا ملک عمومی طور پر دہشت گردی کی سرگرمیوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ مزید برآں دہشت گردوں نے اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کے لئے لسانی، قبائلی اور گروہی اختلافات کے ساتھ ساتھ فرقہ وارانہ جذبات کو ہوا دینے کے لئے ایسی سرگرمیاں شروع کر دیں جو نہ صرف نفرت پر منتج ہوتی تھیں بلکہ مزید خون خرابے کا باعث بنتی تھیں۔

محبِ وطن اور ذی شعور حلقوں کی جانب سے اس امر کی ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ پاکستان کی سلامتی اسی میں ہے کہ فرقہ واریت کو ختم کیا جائے، جذباتیت کی بجائے حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا جائے اور باہمی ہم آہنگی اور اخوت کی فضا پیدا کی جائے، تاکہ اسلام کی صحیح روح بیدار کی جا سکے۔ اور یہ بتایا جائے کہ ہم سب کے سب مسلمان ہیں اور شیعہ و سُنّی حضرات میں کوئی بھی عملی و فکری اختلاف اس نوعیت کا قطعاً نہیں ہے کہ آپس میں افہام و تفہیم میں مشکل پیدا ہو سکے۔ یہ سوچ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سوچ کی عکاس تھی اور یہ راستہ کانٹوں سے اٹا ہوا تھا۔ ملک کی فضا کچھ اس طرح کی بن چکی تھی کہ ایسی سوچ کے حامل افراد کو یہ کام بہت مشکل محسوس ہو رہا تھا۔ اور بہت چاہتے ہوئے بھی لوگ ہمت کرنے سے گھبرا رہے تھے اور ایک مصلحت آمیز خاموشی ہی میں عافیت سمجھ رہے تھے۔ مگر یہ کام بہت ہی ضروری تھا اور فوری کرنے کا بھی تھا۔

کسی حد تک اس طرح کی کوششیں برادر اسلامی ملک ایران سے بھی کی گئیں کہ کسی طرح ذہنی ہم آہنگی کی داغ بیل ڈالی جاسکے۔ کسی ایرانی شاعر نے پاکستانی قوم کو کیا خوب پیغام دیا ہے کہ ؎

رشتۂ پیوندِ ما حبل المتین دینِ ماست
زین سبب دل ہای ما از مہرہم آگندہ است

(ہمارے باہمی اتحاد کا رشتہ ہمارے دین کی مضبوط رسی ہے اور اسی کے باعث ہمارے دلوں میں محبت کی مہک اور خوشبو موجود ہے۔)

ہم لوگوں کو بھی نیت پر شک کرنے کی بجائے خیر سگالی اور محبت کے ایسے جذبات کا جواب نیک جذبات سے دینا ضروری ہے۔ دریں اثناء یہ بھی بہت اہم ہے کہ ہم لوگ غیر مسلم قوتوں اور استعماری طاقتوں کے ہتھکنڈوں کا مقابلہ کرنے کے لئے باہمی مفاہمت اور اتحاد کو فروغ دینے کا سوچیں۔

شیعہ اور سُنّی فرقے صدیوں سے قائم ہیں۔ شیعہ حضرات قرآن و سُنّت ہی کو اپنی تعلیمات کا ماخذ قرار دیتے ہیں' وہ نہ تو اسلام کے کسی رکن سے انکار کرتے ہیں اور نہ ہی حدیث کے منکر ہیں۔ ان کے ہاں احادیث کے مجموعے تو مختلف ہیں اور راوی بھی مختلف ہو سکتے ہیں' مگر ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب "خطباتِ بہاولپور" کی رو سے اکثر احادیث سنی اور شیعہ ماخذوں میں مشترک ہیں۔ تاریخ میں ہمیں کسی ایسے جیّد سُنّی عالم یا فقیہہ کا ذکر نہیں ملتا جس نے شیعہ حضرات کی تکفیر کی ہو۔ کسی فردِ واحد یا ایک مخصوص گروہ کے عقائد قابلِ اعتراض ہو سکتے ہیں' ایسے لوگ سُنّیوں میں بھی پائے جاتے ہیں' مگر شیعہ حضرات اجتماعی طور پر ایسے خیالات کا اظہار نہیں کرتے۔ شیعہ سُنّی معاملات افہام و تفہیم سے طے بھی ہو سکتے ہیں اور مصالحت کی راہیں بھی دریافت ہو سکتی ہیں' مگر اس کام میں سخت محنت' دیانت داری اور تدبر کی ضرورت ہے۔

قیامِ پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کی طویل جدوجہد آزادی کا نتیجہ تھا اور یہ قائداعظم کی عظیم قیادت کے باعث ممکن ہوا۔ تاہم تحریک پاکستان کی فکری بنیاد علامہ اقبال کی سوچ پر قائم ہے۔ حضرت علامہ اقبال پاکستان' ایران اور دیگر فارسی بولنے

والے ممالک میں یکساں مقبول ہیں۔ علامہ اقبال کو ایران میں احتراماً مولانا محمد اقبال لاہوری کہا جاتا ہے۔ ہم اگر اپنے مشترک مفکر کی سوچوں پر عمل کریں تو ہم اسلام کی وسیع اور متحرک جہتوں سے روشناس ہوں گے۔ فکرِ اقبال ہم سب کے لئے یکساں طور پر قابل قبول بھی ہے اور ہم سب ان کے افکار کے حامی اور مؤید ہیں۔ علامہ اقبال کی سوچ کا سرچشمہ قرآن کا ابدی پیغام اور توحید و رسالت کے مشترک نظریات ہیں جس پر ہم سب متفق ہیں۔ اگر ہم فکر اقبال کو مخلصانہ طور پر اپنا لیں تو ہمیں اپنی نظریاتی بنیاد کو مستحکم بنانے کا موقع بھی مل سکے گا اور ہم اپنی فکری میراث کے حصول میں کامیاب بھی ہو سکیں گے۔ OO

(تمام شد)

---

## بقیہ : امام ابنِ تیمیہؒ

---

"کیا میرے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ مانگے اور میں اس کو نہ دوں؟ اس سے اس کو کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہو جائے گا"۔ پھر کہا: "اگر کسی سے علم مانگا جائے تو اس کے دینے سے کسی کو انکار نہیں کرنا چاہئے۔"

### دعوتِ فکر

محترم قارئین! آج ہم اپنے اسلاف کے کردار کے آئینے میں اپنے کردار و عمل کا جائزہ لیں تو سوائے ندامت و شرمندگی کے ہمارے پاس اور کچھ نہیں۔ وہ کس درجہ کے مسلمان تھے اور ہم کس درجہ کے مسلمان ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تُو گفتار، وہ کردار، تُو ثابت، وہ سیّارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریّا سے زمین پر آسماں نے ہم کو دے مارا!

MONTHLY
**Meesaq**
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 49 No. 1
Jan. 2000

فروری ۲۰۰۰ء

ماہنامہ

# میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

## دعوتِ قرآنی کا خلاصہ اور لُبِ لُباب

ڈاکٹر اسرار احمد

رفقاء و احباب نوٹ فرمالیں کہ

تنظیم اسلامی پاکستان کا

# سالانہ اجتماع

ان شاء اللہ العزیز

## 2 تا 5 اپریل 2000ء

(اتوار نماز عصر سے بدھ نماز ظہر تک)

لاہور میں منعقد ہو گا

اس اجتماع میں تمام رفقاء تنظیم شریک ہوں گے

المعلن :

ڈاکٹر عبد الخالق ' ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد


جلد : ۴۹
شمارہ : ۲
ذوالقعدہ ۱۴۲۰ھ
فروری ۲۰۰۰ء
فی شمارہ ۱۰/-
سالانہ زرتعاون ۱۰۰/-




## سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — [illegible] 800 روپے
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — [illegible] 600 روپے
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — [illegible] 400 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور


مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700 فون 03-02-5869501
فیکس : 5834000 ای میل anjuman@brain net pk
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور
فون : 6316638-6366638 فیکس 6305110
پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع رشید احمد چودھری، مطبع مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

# مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## عرض احوال

اس وقت وطن عزیز پاکستان میں جو مسئلہ سب سے زیادہ بحث و مباحثہ اور بیان بازی و مناقشے کا موضوع ہے وہ بلاشبہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط سے متعلق ہے۔ پاکستانی قوم واضح طور پر اس معاملے میں دو گروہوں میں بٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ ایک طبقہ جس میں سیکولر ذہن رکھنے والے افراد کی کثرت ہے' سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کے حق میں ہے۔ ایسے لوگوں کو امریکہ اور دیگر عالمی طاقتوں' بالخصوص عالمی مالیاتی اداروں کی مخالفت کی بجائے ان کے ساتھ سازگاری اور مفاہمت کا راستہ اختیار کرنے میں عافیت محسوس ہوتی ہے اور وہ معاشی بندشوں اور اقوام عالم میں تنہا رہ جانے سے خائف نظر آتے ہیں۔ اس کے برعکس دوسرا طبقہ جس میں نظریہ پاکستان کا دم بھرنے والے بعض مخصوص عناصر کے ساتھ ساتھ ملک کی تمام نمایاں دینی جماعتیں اور شخصیتیں بھی شامل ہیں' سی ٹی بی ٹی کا شدت سے مخالف ہے۔ ان لوگوں کی رائے میں اس معاہدے پر دستخط اپنی خداداد ایٹمی صلاحیت سے ہاتھ دھونے کے مترادف ہے جس کے بعد نہ تو بھارت کے مقابلے میں ہماری کوئی حیثیت ہوگی اور نہ عالم اسلام میں کوئی مرتبہ و مقام۔

امیر تنظیم اسلامی' محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بھی اس معاملے کی سنگینی اور اہمیت کے پیش نظر نہ صرف یہ کہ متعدد خطبات جمعہ میں اس پر دینی اور دنیوی دونوں پہلوؤں سے اظہار خیال فرمایا بلکہ "متحدہ اسلامی انقلابی محاذ" کی جانب سے ایک پریس کانفرنس کا بھی اہتمام کیا۔ ۲۱ جنوری کے خطاب جمعہ جس میں امیر تنظیم نے اس موضوع پر زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالی تھی' کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

> "بھارت دستخط کرے یا نہ کرے' پاکستان کو کسی بھی صورت میں سی ٹی بی ٹی پر دستخط نہیں کرنا چاہئے۔ اگر ایسا کیا گیا تو یہ اللہ اور اس کے دین سے غداری اور سورۃ انفال میں وارد شدہ قرآن حکیم کے صریح حکم کی خلاف ورزی ہوگی۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ وہ آج مسجد دارالسلام باغ جناح میں اجتماع جمعہ سے "نئے عالمی نیو کلیائی اور مالیاتی استعمار کے خلاف اعلانِ جنگ" کے موضوع پر خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان آج محاورتاً نہیں حقیقتاً ایک دوراہے پر کھڑا ہے۔ قوم سی ٹی بی پر دستخط کے حوالے سے واضح طور پر دو حصوں میں بٹ گئی ہے۔ ایک طرف سیکولر دانشور اور وہ طبقہ ہے جو مادی

حقائق کو سامنے رکھ کر بات کرتا ہے۔ یہ لوگ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کے حق میں ہیں۔ ان کے نزدیک امریکہ' عالمی مالیاتی اداروں' نیو کلیائی استعمار اور نیو ورلڈ آرڈر کے مطالبوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے ہی میں پاکستان کی عافیت اور بقا ہے۔ دوسری طرف تمام دینی و مذہبی جماعتیں اور اس کے علاوہ ملک کی نظریاتی اساس سے گہری وابستگی رکھنے والا طبقہ جس میں جنرل (ر) حمید گل کا نام سرفہرست ہے' اس بات پر متفق ہے کہ سی ٹی بی ٹی پر ہرگز دستخط نہ کئے جائیں۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ امریکہ جو کام مسلم لیگ کی حکومت یا بے نظیر کی حکومت سے اس لئے نہ کرا سکا کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی سب سے بڑی محافظ فوج تھی' اب وہ ایک چال کے ذریعے یہی کام پاکستانی افواج سے لینے کی راہ ہموار کر چکا ہے اور نوبت یہاں تک آ چکی ہے کہ امریکہ نے موجودہ حکومت کو جہادی تحریکوں کے خاتمہ' بحالی جمہوریت کا فریم ورک' اقتصادی اصلاحات' تمام پاکستانی شہریوں کے مذہبی و سیاسی حقوق کی آزادی اور سی ٹی بی ٹی پر دستخط کا پانچ نکاتی ایجنڈا دے دیا ہے' جس پر عملدرآمد کے لئے حکومت بظاہر پورے طور پر آمادہ نظر آتی ہے۔ شاید اسی کا یہ مظہر ہے کہ امریکہ کے اشارے پر تمام ملک یکے بعد دیگرے ہمارے قرضے ری شیڈول کر رہے ہیں۔

امریکی ایجنڈے کی رو سے تمام شہریوں کے حقوق کی آزادی کا مطلب توہین رسالت کے قانون کا خاتمہ اور قادیانیوں کو مراعات دینا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو شدید اندیشہ ہے کہ مذہبی عناصر اور موجودہ حکومت کے مابین محاذ آرائی اور تصادم کی شکل پیدا ہو جائے گی جس کا خوفناک پہلو یہ ہے کہ یہ محاذ آرائی فوج اور مذہبی جماعتوں کے درمیان ہو گی' کیونکہ اس وقت حکومت فوج کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے بھی خطرناک صورت یہ ہو گی کہ اس ایشو پر پاکستانی فوج دو حصوں میں منقسم ہو کر آپس میں ٹکرا جائے۔ ملک کے سیکولر طبقات کو جان لینا چاہئے کہ پاکستان کی فوج ترکی یا الجزائر کی فوج نہیں۔ پاکستانی افواج کے نچلے طبقے میں تو دین اور اسلام کی محبت و غیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے ہی فوج کے اعلیٰ طبقے میں بھی مذہبی و دینی رجحان کی کمی نہیں۔

آج ہمارے ملک میں حکومتی و غیر حکومتی افراد پر مشتمل ایک ایسا طبقہ بھی موجود ہے جنہیں سب سے بڑا خوف یہ ہے کہ پاکستان کہیں ڈیفالٹر نہ ہو جائے اور یوں دنیا میں تنہا نہ رہ جائے۔ وہ شاید اسے کفر اور شرک سے بھی بڑا گناہ تصور آتے ہیں۔ حالانکہ اگر ہم پر پابندیاں لگا دی گئیں تو یہ ہمارے لئے بہت مبارک ہوں گی۔ یہ

پابندیاں ہمیں اپنی خودی، اپنے خدا کی دریافت اور پاکستان کی حقیقی منزل "اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام" میں مددگار ہوں گی اور ہم اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں گے۔

اس وقت ہمارے پاس دو ہی راستے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم یہودی ورلڈ آرڈر کے تقاضے پورے کرنے کیلئے پورے طور پر امریکہ اور عالمی مالیاتی اداروں کے سامنے سربسجود ہو جائیں۔ لیکن یہ سورۃ المائدہ کی آیت ۵۱ کے حوالے سے اللہ کی نافرمانی کے مترادف ہو گا، جہاں فرمایا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ ویسے بھی یہ راستہ ہمارے مسائل کے مستقل حل کا راستہ نہیں بلکہ بے غیرتی اور بے حمیتی کا راستہ ہے۔ جبکہ دوسرا اور باوقار راستہ یہ ہے کہ ہم ایک جست لگا کر عالمی مالیاتی و نو کلیائی استعمار کے چنگل سے باہر نکل آئیں۔ اس کیلئے ہمیں تین کام کرنا ہوں گے:

① اسلام دشمن عالمی نو کلیائی و مالیاتی استعمار کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے سی ٹی بی ٹی پر دستخط سے صاف انکار کر دیا جائے۔

② اپنے ملک میں بھی غیر سودی نظام معیشت کو فی الفور نافذ کیا جائے۔

③ بیرونی قرضوں کے ضمن میں خم ٹھونک کر اعلان کر دیا جائے کہ ہم ان قرضوں پر سود نہیں دیں گے۔ البتہ اصل رقم کی واپسی کیلئے Debt Equity Swap کا طریقہ اپنایا جائے یا صاف کہہ دیا جائے کہ جب ممکن ہو گا ہم تمہارے قرضے واپس کر دیں گے۔

ہماری بقا اسی میں ہے کہ ہم یو این او، امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو گڈ بائے کہہ دیں اور مغربی استعمار کے آلہ کار بننے کے بجائے پاکستان، ایران اور افغانستان (PIA) پر مشتمل ایک بلاک تشکیل دیں۔ اسی میں ہماری بہتری ہے۔ ورنہ امریکہ اور یو این او نے ماضی میں ہمیں دھوکے کے سوا اور کیا دیا ہے۔

جنرل پرویز مشرف، نواز شریف اور بے نظیر کے انجام سے سبق سیکھیں اور جان لیں کہ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ اگر انہوں نے اس معاملے میں بھی اسی جرأت کا مظاہرہ نہ کیا جو معرکہ کارگل کے موقع پر کیا تھا تو پرویز مشرف بھی قصہ پارینہ ہو جائیں گے۔

۲۸ جنوری کے خطاب جمعہ میں ملکی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے دیگر معاملات کے ساتھ ساتھ پی سی او کے تحت ججوں سے حلف اٹھوانے کے حساس مسئلہ پر بھی اظہار خیال فرمایا۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے اس خطاب کا پریس ریلیز بھی سطور ذیل میں پیش ہے:

"امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ ہماری سرحدوں پر بھارتی جارحیت کے سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں جبکہ اندرونی طور پر ایم کیو ایم کے سربراہ الطاف حسین نے بھی طبل جنگ بجانے کا اعلان کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ جہادی تحریکوں مثلاً لشکر طیبہ کے امیر حافظ محمد سعید اور حرکت المجاہدین کے مولانا مسعود اظہر نے بھی ملک میں نفاذ اسلام کے لئے جہاد شروع کرنے کا عندیہ دیا ہے۔ ان حالات میں اس امر کا حقیقی خدشہ موجود ہے کہ اگر موجودہ حکومت نے درست حکمت عملی اور اسلام کی جانب مثبت پیش رفت نہ کی تو ملک میں خانہ جنگی کی صورت پیدا ہو جائے جو ملک و ملت کے لئے کتنی خوفناک ہو گی اس کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں۔ اس اعتبار سے موجودہ فوجی حکومت ایک دوراہے پر کھڑی ہے۔ چنانچہ ملک کی بقاء' استحکام' دفاع اور سالمیت کا درست راستہ یہ ہے کہ فوج نے جس طرح نہروں اور نالوں کی بھل صفائی کی ہے اسی طرح ملک سے کرپشن کا گند صاف کرنے کے لئے احتساب کا عمل تیز تر کر دے' جب کہ دوسری طرف پاکستان میں نفاذ اسلام کے لئے جس دستوری و آئینی عمل کا آغاز ہو چکا ہے اس کی رفتار کو تیز تر کر کے شرعی قوانین کا جلد از جلد نفاذ کیا جائے اور سودی نظام سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کیا جائے۔

عبوری آئینی حکم (پی سی او) کے تحت ججوں کے حلف اٹھانے کے معاملے پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مارشل لاء نے پہلے نقاب اوڑھ رکھا تھا اب اس طرز عمل کے بعد اس کے چہرے سے آدھا نقاب اٹھ گیا ہے۔ لیکن یہ ایسی کوئی انہونی بات بھی نہیں کیونکہ ہماری باون سالہ تاریخ کا زیادہ عرصہ مختلف مارشل لاؤں کے سایہ میں ہی گزرا ہے جس کا بڑا سبب خود ہمارے سیاستدانوں کی نااہلی اور نامناسب روش ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ موجودہ حکومت کے اس اقدام پر امریکہ نے بڑا شدید ردعمل ظاہر کیا ہے اور اسے بحالی جمہوریت کی کوششوں کو دھچکا لگنے کے مترادف قرار دیا ہے اور پاکستان سے دھمکی آمیز مطالبہ کیا ہے کہ وہ جہادی تحریکوں پر پابندی لگائے ورنہ امریکہ اسے دہشت گرد ملک قرار دلا دے گا۔ گویا یہ بھارت کو خوش کرنے اور اس کی پاکستان دشمن پالیسی کو تقویت دینے کی ایک کوشش ہے' جس سے یہ ظاہر ہو گیا ہے امریکہ ہمارے ساتھ نہ ماضی میں مخلص رہا ہے نہ اب ہے۔ چنانچہ امریکہ کے اس تحکمانہ انداز کے بعد اب ہمیں بھی امریکہ سے اپنا راستہ جدا کر لینے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا چاہئے"۔

○ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنا ڈیتھ وارنٹ پر دستخط کے مترادف ہے

○ وزراء و ماہرین کے حلف سے عقیدہ ختم نبوت کے الفاظ حذف کر دیئے گئے' از سر نو حلف لیا جائے

# بیان پریس کانفرنس

[illegible]

محترم صحافی حضرات و دیگر معززین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!!

متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کی جانب سے اس پہلی پریس کانفرنس میں میں محاذ کے صدر کی حیثیت سے آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں اور آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنی گوناگوں معروفیات میں سے کچھ قیمتی لمحات ہمارے لئے نکالے ہیں اور یہاں تشریف لائے ہیں۔ متحدہ اسلامی انقلابی محاذ میں میری اپنی جماعت تنظیم اسلامی اور جناب محمد اکرم اعوان صاحب کی جماعت تنظیم الاخوان کے علاوہ تحریک اسلامی جس کے امیر مولانا مختار گل صاحب ہیں اور مرکزی جمعیت اہل حدیث جس کے امیر مولانا محمد یحییٰ عزیز میر محمدی صاحب ہیں' شامل ہیں۔ میں اس کا صدر اور جناب محمد اکرم اعوان صاحب اس کے نائب صدر ہیں۔ تاہم اس پریس کانفرنس میں ان کی علالت طبع کے باعث ان کی نمائندگی کرنل (ر) عبدالقیوم صدر تنظیم الاخوان کر رہے ہیں اور جمعیت اہل حدیث کی نمائندگی ریاض احمد فیضی صاحب کر رہے ہیں۔ اس پریس کانفرنس کا مقصد محض یہ ہے کہ آپ کی وساطت سے موجودہ حکومت کے اربابِ اقتدار و اختیار کو پاکستانی عوام کی جانب سے بالعموم اور اتحاد میں شامل جماعتوں کی جانب سے بالخصوص' اس انتہائی تشویش اور اضطراب سے آگاہ کیا جائے جو سی ٹی بی ٹی پر دستخطوں اور عقیدہ ختم نبوت کے متعلق موجودہ حکمرانوں کے مشکوک اور قابل اعتراض رویہ کے سلسلہ میں اہل وطن کے دلوں میں طوفان مچائے ہوئے ہے۔

● سب سے پہلے میں آپ کی توجہ قرآن حکیم کی سورۃ انفال کی آیت نمبر ۶۰ میں

وارد حکم خداوندی کی طرف ولانا چاہتا ہوں۔ جس کا ترجمہ یہ ہے :

"اور اپنے مقدور بھر قوت اور سدھائے ہوئے گھوڑے تیار رکھو تاکہ ان کے ذریعے تم اللہ کے اور خود اپنے دشمنوں پر رعب اور دبدبہ قائم رکھ سکو!"

اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد اور دفاع کے لئے اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لانے کا واضح طور پر حکم دیا ہے۔ گویا یہ ہماری پسند یا ناپسند کا معاملہ نہیں ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ پاکستان کے ازلی اور پیدائشی دشمن بھارت نے آج تک پاکستان کے وجود کو ذہناً اور قلباً تسلیم نہیں کیا ہے۔ اور پوری ہندو قوم کی دلی آرزو یہ ہے کہ پاکستان کو ختم کرکے اکھنڈ بھارت قائم کیا جائے۔ چنانچہ یہ اسی کا شاخسانہ ہے کہ بھارت نے مسئلہ کشمیر کو یو این او کی قراردادوں کے مطابق حل کرنے کی بجائے اسے دانستہ طور پر 53 سال سے الجھا رکھا ہے اور اس نازک اور سنگین مسئلہ پر پاکستان' بھارت سے مسلسل حالت جنگ میں رہنے پر مجبور ہے۔ اب جبکہ اللہ وحدہٗ لا شریک نے خالص معجزاتی طور پر اپنی خاص رحمت و نصرت سے پاکستان کو ایک ایٹمی طاقت بنادیا ہے جس سے پاکستان کے دشمنوں کی راتوں کی نیندیں اور دن کا سکون و چین اڑ گیا ہے' سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرکے ایٹمی پروگرام کے ضمن میں کسی بھی درجہ کی پسپائی کی راہ اختیار کرنا دراصل نہ صرف رب ذوالجلال کے احسان و انعام کا کفران ہوگا بلکہ ملکی اور قومی لحاظ سے اپنے ہاتھوں آپ خودکشی کرنے کے مترادف ہوگا۔ سی ٹی بی ٹی یہود و نصاریٰ کی مشترکہ سازش ہے۔ یہ سازش دراصل اسلام اور پوری دنیائے اسلام کے خلاف ہے اور سی ٹی بی ٹی پر دستخط کا اصل ہدف یہ ہے کہ عالم کفر کے خلاف عالم اسلام کی قوت مدافعت کو مفلوج کردیا جائے۔ لہٰذا اس پر دستخط کرنے کے معنی بھارت کے مقابلے میں پاکستان کے ڈیتھ وارنٹ پر دستخط کے مترادف ہونے کے علاوہ وسیع تر سطح پر اسلام اور عالم اسلام کے مفادات سے غداری بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سی ٹی بی ٹی کے مسئلہ پر پاکستان کی جملہ دینی و مذہبی جماعتوں کے علاوہ نظریۂ پاکستان سے قلبی و ذہنی تعلق کے حامل تمام حلقوں اور شخصیتوں کا متفقہ موقف یہ ہے کہ اس پر ہرگز ہرگز دستخط نہ کئے جائیں ــــــ بنابریں اس امر کا حقیقی اندیشہ موجود ہے کہ سی ٹی بی ٹی پر دستخطوں سے نہ صرف دینی جماعتوں اور مسلح افواج کے درمیان تصادم پیدا ہو جائے بلکہ مسلح افواج کے سیکولر

اور خالص اسلامی ذہن رکھنے والے طبقات بھی باہم ٹکرا جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو یہ صورتحال کتنی خوفناک ہوگی' اس کا اندازہ لگانا کوئی مشکل بات نہیں! اس لئے ہمارا پرزور مطالبہ ہے کہ سی ٹی بی ٹی پر کسی بھی صورت اور کسی بھی حال میں ہرگز دستخط نہ کئے جائیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو یہ بزدلانہ 'مذموم اور قابل نفرت اقدام کرنے والے کسی حکمران کو اللہ جبار و قہار کے قہر و غضب سے کہیں بھی پناہ نہیں ملے گی۔

۲ عقیدہ ختم نبوت کے حوالے سے یہ افواہ ملک بھر میں گردش کر رہی ہے کہ موجودہ حکمرانوں نے اپنے اردگرد جو ماہرین اور وزراء اکٹھے کئے ہیں ان میں سے بہت سے افراد قادیانی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس افواہ یا اطلاع کو اس امر سے بھی تقویت ملتی ہے کہ ان افراد سے جو حلف لیا گیا ہے اس میں سے عقیدہ ختم نبوت یعنی حضور اکرم ﷺ کو آخری نبی ماننے کے الفاظ حذف کر دیئے گئے ہیں۔ یہ معاملہ انتہائی تشویشناک ہے۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ حکومت میں شامل کئے جانے والے تمام تر افراد سے آئین پاکستان کے تحت 'عقیدہ ختم نبوت پر زور دیتے ہوئے' از سرنو حلف لیا جائے اور عوام میں اس حوالے سے پائی جانے والی تشویش کو ختم کیا جائے۔ اور ایک ایسی اقلیت کو عوام پر مسلط نہ کیا جائے جسے عوام کے دیرینہ اور پرزور مطالبہ پر غیر مسلم قرار دیا جا چکا ہے۔ بصورت دیگر عوام اس ضمن میں بھی راست اقدام پر مجبور ہوں گے اور اللہ ذوالجلال کی تائید و نصرت ان کے ساتھ ہوگی۔

۳ متحدہ اسلامی انقلابی محاذ اس امر پر تو اطمینان کا اظہار کرتا ہے کہ پاکستان کی عدالت عظمیٰ نے نجی سطح کے سود یعنی USURY کے علاوہ تجارتی سود یعنی (COMMERCIAL INTEREST) کو بھی "ربو" اور لہٰذا حرام مطلق قرار دینے کے فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کی جو توثیق کی ہے اس کے عملی نفاذ کے لئے ایک بااختیار کمیشن مقرر کر دیا ہے ـــــ تاہم اس کے ساتھ ہی محاذ ایک مؤقر انگریزی روزنامہ (DAWN) میں شائع شدہ اس خبر کو بھی کلیتاً نظرانداز نہیں کر سکتا جو ایک گمنام حکومتی ذریعے کے حوالے سے شائع کی گئی ہے ـــــ جس کا حاصل یہ ہے کہ حکومت ملک کی بلند ترین عدالت (APEX COURT) کے اس فیصلہ پر نظر ثانی کی اپیل کا ارادہ رکھتی ہے ـــــ بنابریں متحدہ اسلامی انقلابی محاذ حکومت کو متنبہ کرنا چاہتا ہے کہ سود

حرمت پر فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلہ پر لگ بھگ دس سال گزر جانے کے بعد اب اگر اس معاملے میں کسی بھی طرح کی تاخیر و تعویق (DELAYING TACTICS) سے کام لیا گیا تو دینی و مذہبی حلقوں کا ردعمل تو شدید ہو گا ہی ــــ حکومت کے خلاف کسی عوامی تحریک کا آغاز بھی ہو سکتا ہے۔

● پاکستان پر مسلط سب سے بڑی لعنت اور اس کی اقتصادی مشکلات کے اصل سبب یعنی بیرونی قرضوں کے ضمن میں بھی عدالت عظمیٰ کے اس فیصلہ کے بعد ہمیں واضح اعلان کر دینا چاہئے کہ ہم ان قرضوں پر سود تو ہرگز ادا نہیں کریں گے۔ البتہ قرضوں کا اصل زر ادا کرنے کے ضمن میں "DEBT EQUITY SWAP" کی قسم کی کسی صورت پر غور کرنے کے لئے تیار ہوں گے ــــ اور اگر یہ صورت منظور نہ ہو تو پھر ہم یہ قرضے صرف اپنی سہولت کے مطابق ادا کریں گے! ــــ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے ذریعے دنیا پر مسلط ہونے کی کوشش کرنے والے اس "نئے عالمی مالیاتی استعمار" سے بایں طور پر چھٹکارا حاصل کر کے ہی ہم ان تمام "احکام" پر عمل کرنے سے انکار کی جرأت کر سکتے ہیں جو امریکہ کے نائب وزیر خارجہ کارل انڈر فرتھ کے ذریعے نئے عالمی مالیاتی استعمار کے سرخیل امریکہ بہادر کی جانب سے صادر ہوئے ہیں جن میں سی ٹی بی ٹی پر دستخط کے علاوہ جہادی تنظیموں پر پابندی اور "جملہ عوام کے مساوی حقوق" کے پردے میں قانون توہین رسالت (ﷺ) اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے فیصلوں کی بساط لپیٹنے کے مطالبات شامل ہیں!

آخر میں ہم موجودہ حکومت کو متنبہ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے وجود میں آنے کا عمل اور اس کا ماضی نہ صرف پوری موجودہ دنیا بلکہ پوری انسانی تاریخ میں بالکل منفرد (UNIQUE) حیثیت کا حامل ہے ــــ موجودہ حکومت میں شامل سیکولر عناصر کے طرز عمل سے پاکستان کے اس مخصوص پس منظر سے بے اعتنائی کا اظہار ہو رہا ہے ــــ انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ قدرت ماضی میں بھی ایسے عناصر کو عبرتناک سزائیں دیتی رہی ہے ــ اور آئندہ بھی اگر کسی نے اس "سلطنت خداداد" کی وجہ جواز (RAISON DE ETRE) کو نظرانداز اور اس کے نصب العین کو خیرباد کہا تو اس کا حشر بھی مختلف نہیں ہو گا۔

# دعوتِ قرآنی کا خلاصہ اور لُبِّ لباب

## امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ
## کا ۲۷ رمضان المبارک کی شب جامع القرآن لاہور میں خطاب

خطبۂ مسنونہ کے بعد تلاوتِ آیات :

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ﴾ (البیّنة : ۵)

ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا :

محترم حضرات و محترم خواتین! اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ماہِ رمضان المبارک کی مبارک ساعات سے ہم نے مقدور بھر فائدہ اٹھایا ہے۔ خصوصاً جو لوگ پورے قرآن حکیم کے ترجمے میں سے گزرے ہیں ان کے لئے یہ بہت ہی بڑی سعادت ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سنہری موقع عطا ہوا۔ اِس وقت میرے پیش نظر یہ ہے کہ قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ اور لُبِّ لباب آپ کے سامنے رکھوں۔ ارادہ یہ ہے 'اللہ تعالیٰ اس ارادے کو پورا کرائے' کہ بہت بھاری بھرکم اصطلاحات سے آپ کے ذہنوں کو بوجھل نہ کردوں' بلکہ بات سادہ' واضح اور سمجھ میں آنے والی ہو۔

قرآن مجید کا دو تہائی حصہ مکّی سورتوں پر مشتمل ہے۔ مکی سورتوں میں کثرت اور تکرار سے آنے والا مضمون "انبیاء و رُسل کی دعوت" ہے۔ متعدد جگہ ہم نے الفاظ پڑھے کہ رسول نے کہا : ﴿ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی اور پرستش کرو' اس کے علاوہ تمہارا کوئی الٰہ نہیں "۔ ہر نبی اور رسول نے اپنی قوم سے یہی بات کہی۔ ایک جگہ اس کو مزید واضح کیا گیا : ﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ﴾ "یہ کہ اللہ کی بندگی کرو' اور اس کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو"۔ میں اللہ کا نمائندہ ہوں' اللہ کا رسول ہوں۔ وہ کیا چاہتا ہے' کیا

نہیں چاہتا' اسے کیا پسند ہے اور کیا ناپسند ہے' یہ میں تمہیں بتاؤں گا۔ تمام انبیاء و رسل کی' آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین محمدؐ رسول اللہ ﷺ تک' بنیادی دعوت یہی ہے۔ چنانچہ جب حضور ﷺ پر قرآن نازل ہوا تو اس میں بھی عبادتِ رب کی دعوت دی گئی' صرف اس فرق کے ساتھ کہ باقی سارے رسول کہتے رہے کہ ﴿ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ جبکہ حضور ﷺ پر آیت اتری ﴿ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ "اے لوگو! بندگی اور پرستش کرو اپنے پروردگار کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے"۔ یعنی قرآن کی دعوت پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے' کسی نسل' قوم یا علاقے سے متعلق نہیں۔ دعوت وہی ہے کہ اپنے رب کی بندگی اور پرستش کرو اور تمہارا اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر سورۃ الذاریات میں یہ الفاظ فرمائے : ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ ﴾ "میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ میری عبادت (بندگی اور اطاعت) کریں"۔ اس آیت میں جنوں اور انسانوں کی غایت تخلیق بیان کی گئی ہے۔ جہاں تک سبب تخلیق کا تعلق ہے کہ اللہ نے یہ کائنات کیوں پیدا کی؟ یہ بالکل علیحدہ مسئلہ ہے اور یہ فلسفے کے غامض مسئلوں میں سے ہے۔ اللہ نے جو صاحب ارادہ مخلوق پیدا کی ہے اس کی غایت تخلیق کیا ہے' وہ اس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی بندگی ہے ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ ﴾ اس آیت کا لفظی ترجمہ ہوگا "میں نے نہیں پیدا کیا ہے جنوں اور انسانوں کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت (بندگی اور پرستش) کریں۔"

اس گفتگو کا عنوان ہم نے آج ہی سورۃ البینہ میں ملاحظہ کیا :

﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝ ﴾ (البیّنة : ۵)

"انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں ہوا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں' اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے' یک سو اور یک رنگ ہو کر' اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ یہی دینِ قیم ہے۔"

گویا کہ اگر ہم صرف عبادت کا مفہوم سمجھ لیں تو ہمیں قرآن مجید کی پوری دعوت سمجھ میں

آجائے گی۔ "عبادت" کا لفظ وہ بنیادی لفظ ہے جس میں پورا قرآن مجید موجود ہے جیسے کہ آم کی گٹھلی میں سے آم کا پورا درخت نکلتا ہے اور اس میں شاخیں' پتے' پھول' پھل سب کچھ ہوتا ہے۔ جس طرح آم کی گٹھلی میں آم کا پورا درخت بالقوۃ موجود ہے' اسی طرح لفظ عبادت میں پورا قرآن مجید موجود ہے' لیکن اس "عبادت" کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

## عبادتِ رب کے تین پہلو

عبادت کے تین پہلو سمجھ لیجئے۔ اس کے لئے انسانی جسم کی مثال لیجئے' دو ڈھائی من کی لاش ہے' اس میں ایک روح ہے' جس کا شاید وزن ہی کچھ نہیں' حالانکہ ساری حقیقت اس روح سے ہے' ورنہ یہ جسم کیا ہے۔ جسم تو موت کے بعد disintegrate ہو جاتا ہے' گل سڑ جاتا ہے۔ لہٰذا اسے جلد از جلد مٹی میں دبا دیا جاتا ہے۔ جسم انسانی کی طرح عبادت کا بھی ایک جسد ہے' جو نظر آتا ہے' اور دوسری چیز عبادت کی روح ہے۔ عبادت کا جسد اللہ کی اطاعت ہے' اسی لئے اس کے لئے لفظ "بندگی" استعمال ہوا ہے۔ ظاہر ہے بندے یعنی غلام کا کام ہی اطاعت کرنا ہے ؎

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی!

لیکن مطلوب یہ ہے کہ اطاعت کُلّی ہو' ہمہ وقت اور ہمہ جہت ہو۔ غلام ہر وقت کا غلام ہوتا ہے' وہ صرف آٹھ گھنٹے کا غلام نہیں ہوتا۔ آٹھ گھنٹے والا ملازم (employee) ہوتا ہے جو آٹھ گھنٹے کی ملازمت طے کر کے آتا ہے۔ اس کے بعد جیسے آپ شہری ہیں ایسے ہی وہ بھی شہری ہے۔ جبکہ غلام وہ ہوتا ہے جو چوبیس گھنٹے آپ کا غلام ہے' آپ اسے جو حکم دیں گے وہ کرے گا۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے تو آپ نے باورچی کی حیثیت سے رکھا تھا' مجھے آپ ٹائیلٹ صاف کرنے کو کیوں کہہ رہے ہیں؟ آپ کا ملازم یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ بات میری شرائط ملازمت میں شامل نہیں ہے' لیکن غلام نہیں کہہ سکتا کہ آپ مجھ سے یہ کام کیوں کروا رہے ہیں۔ غلام کو تو جو حکم دیا جائے گا وہ کرے گا' خواہ وہ حکم دن' رات یا کسی بھی وقت دیا جائے۔ غلام کو تو ہمہ وقت' ہمہ تن' ہمہ وجوہ اطاعت کرنی ہے۔ عبادت کا اصل جوہر یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت ہمہ تن اور ہمہ وجوہ ہونی چاہئے' اس میں تقسیم

نہیں ہونی چاہئے۔ اگر آپ کہیں کہ میں اللہ کے کچھ احکام مانوں گا اور کچھ نہیں مانوں گا تو ایسی جزوی اطاعت صفر سے ضرب کہا جائے گی۔ اس ضمن میں سورۃ البقرۃ کی اس آیت کو ذہن میں رکھئے :

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (آیت ۸۵)

"کیا تم اللہ کی کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک کو نہیں مانتے؟ پس تم میں سے جو لوگ یہ طرزِ عمل اختیار کریں ان کی سزا اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار کر دیئے جائیں اور قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں جھونک دیئے جائیں' اور اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔"

تمہارا حال یہ ہے کہ تم نماز بھی پڑھتے ہو اور سودی کاروبار بھی کرتے ہو۔ اللہ کے ایک حکم کو مانتے ہو اور ایک کو پاؤں تلے روندتے ہو۔

تو عبادت کے ضمن میں پہلی چیز اطاعتِ کُلّی ہے' غلامی کی طرح۔ اسی حوالے سے فرعون نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے بارے میں کہا تھا : ﴿ وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴾ کہ ان دونوں (رسولوں) کی قوم تو ہماری غلام ہے۔ اور غلام قوم کے فرد کی یہ جرأت کہ وہ ہمارے سامنے سینہ تان کر بات کرے! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون سے کہا تھا : ﴿ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ (الشعراء : ۲۲) "رہا تیرا احسان جو تو نے مجھ پر جتلایا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے"۔

عبادت کا اصل مفہوم اور جسد تو اطاعت ہے۔ البتہ ایک اطاعت جبری ہوتی ہے۔ کسی قوم نے کسی دوسری قوم پر فتح حاصل کی اور مجبوراً اسے اپنا غلام بنا لیا' اب وہ طوعاً و کرہاً اس کی اطاعت کر رہی ہے' اس کو عبادت نہیں کہیں گے۔ اس لئے کہ عبادت کی روح محبت ہے۔ جب کسی ہستی کی محبت سے سرشار ہو کر اس کی اطاعت کی جائے تو یہ عبادت ہے۔ چنانچہ اللہ کی عبادت ایک طرف لازماً ہمہ وقت' ہمہ وجوہ' ہمہ تن اور مکمل

ہونی چاہئے' دوسری طرف اس کی روح محبت ہونی چاہئے۔ یہ محبت کس درجے کی ہونی چاہئے؟ اس کے بارے میں ہم نے ایک تو سورۃ البقرۃ میں یہ پڑھا تھا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ (آیت ۱۶۵) "اہل ایمان اللہ سے شدید ترین محبت کرتے ہیں"۔ چنانچہ اللہ سے شدید ترین محبت ہونی چاہئے۔ دوسری آیت ہم نے سورۃ التوبہ میں یہ پڑھی:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾

(آیت ۲۴)

"(اے نبیؐ ان سے) کہہ دیجئے: اگر تمہیں اپنے باپ' اپنے بیٹے' اپنے بھائی' اپنی بیویاں اور اپنے عزیز و اقارب اور اپنے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور اپنے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تمہیں اندیشہ ہے اور اپنے وہ گھر جو تم کو بہت پسند ہیں' تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے عزیز تر ہیں تو جاؤ انتظار کرو' یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے' اور اللہ ایسے نابکار لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

اللہ اور رسول ﷺ کی محبت اس درجے کی درکار ہے۔

اسی محبت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ)) "تم میں سے کوئی شخص مؤمن ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ میں اسے اپنے باپ' اپنے بیٹے اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔"

جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا ہے' عبادت کے دو لازمی جزو ہیں: ایک اطاعتِ کُلّی' یعنی ہمہ تن' ہمہ وقت' بغیر کسی استثناء اور شرط کے اطاعت۔ دوسرے محبّت' ہر چیز سے بالاتر۔ ہر فرد' ہر انسان' ہر شخصیت' ہر شے' ہر دولت اور ہر قیمتی شے سے زیادہ محبت اللہ کے ساتھ ہو۔ دونوں چیزیں جب جمع ہوتی ہیں تو عبادت کا حق ادا ہوتا ہے۔ عبادت کی تعریف (definition) حافظ ابن قیمؒ نے ان الفاظ میں کی ہے: "اَلْعِبَادَةُ تَجْمَعُ

اَصْلَیْن غَایَۃَ الْحُبِّ مع غَایَۃَ الذُّلِّ وَالْخُضُوْعِ "یعنی عبادت بنیادی طور پر دو اجزاء کو جمع کرکے وجود میں آتی ہے۔ اللہ سے انتہائی درجے کی محبت اور انتہائی درجے میں اپنے آپ کو اس کے سامنے بچھا دینا۔

اس میں ایک تیسری چیز مزید شامل ہے۔ اللہ کی اس عبادت کے لئے کچھ ظاہری شکلیں معین کی گئی ہیں' جن سے ہم گویا اعتراف کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم تجھے مانتے ہیں' تیری عظمت کو تسلیم کرتے ہیں اور تیری بندگی کرتے ہیں۔ ان کو ہم "مراسم عبودیت" کہتے ہیں۔ مثلاً اللہ کے سامنے دست بستہ احترام کے ساتھ کھڑے ہونا' اسے قنوت کہتے ہیں۔ دعائے قنوت اسی لئے کہلاتی ہے کہ وہ کھڑے ہو کر پڑھی جاتی ہے۔ اسی طرح رکوع ہے "وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ" سجدہ ہے "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" جو عاجزی کی آخری شکل ہے۔ انسان اپنی پیشانی' جو عزت کا سب سے اونچا مقام ہے' اللہ کے حضور گویا اللہ کے قدموں میں رکھ دیتا ہے۔ یہ مراسم عبودیت ہیں۔

## اطاعتِ کُلّی میں حائل رکاوٹ اور اس کا کفّارہ

اب ذرا جائزہ لیجئے کہ صورت حال اگر یہ ہو' جیسی کہ اس وقت ہے' کہ ہم جہاں رہ رہے ہیں وہاں پورا نظام اللہ کے قانون کے مطابق نہیں ہے اور ہم اس نظام کا جزو ہیں' لہٰذا ہماری زندگی کا اسّی فیصد حصّہ تو اللہ کی اطاعت سے ویسے ہی خالی ہے' تو زیادہ سے زیادہ ہم عبادت کے دو پہلو پورے کر سکتے ہیں۔ مراسم عبودیت ہم اللہ ہی کے لئے بجا لاتے ہیں۔ ہم اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ ان جہلاء کو چھوڑ دیجئے جو کسی قبر کو سجدہ کر دیتے ہیں۔ ہم جو یہاں موجود ہیں اللہ کا شکر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے' رکوع نہیں کرتے۔ قنوت بھی اللہ ہی کے لئے ہے۔ اگرچہ ہمارے ہاں رسمی طور پر قومی پرچم اور قومی ترانے کے لئے بھی قنوت کیا جاتا ہے۔ قومی ترانے کے احترام میں ادب کے ساتھ کھڑے ہونا درحقیقت اسلام کی توحیدی روح کے بالکل منافی ہے۔ اس لئے کہ اللہ کے سوا کسی کے لئے اس طرح کھڑا ہونا درست نہیں۔ اقبال نے جو وطن کو بھی معبود قرار دیا ہے ع "ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے" تو وطن کے جھنڈے کو سلامی دینا اور کھڑے ہو کر اس کا ترانہ سننا اس معبود کی نماز ہے۔ بہرحال میں اس وقت عام لوگوں کی بات کر رہا ہوں۔ ہم رکوع اور سجدہ اللہ کے لئے کرتے ہیں' نماز

اسی کے لئے پڑھتے ہیں' روزہ بھی اسی کے لئے رکھتے ہیں۔ چنانچہ مراسم عبودیت کی تو اللہ نے ہمیں توفیق دی ہوئی ہے۔ باقی زندگی میں تھوڑا سا حصہ تو وہ ہے جس میں ہمیں اختیار حاصل ہے کہ جو چاہیں کریں۔ مثلاً ہمیں اختیار حاصل ہے کہ گھر میں شرعی پردہ نافذ کریں' کیونکہ کوئی حکومتی قانون ہمیں پردہ کرنے سے نہیں روکتا۔ وہ اگر ہم نہیں کر رہے تو یہ ہماری اپنی کوتاہی ہے۔ ہمیں اختیار ہے کہ ہم بینک سے براہِ راست قرضہ لے کر کاروبار بڑھانے کی فکر نہ کریں' کسی نے آپ کو مجبور نہیں کیا۔ اگر ایسا کر رہے ہیں تو غلط کر رہے ہیں۔ ہمیں اختیار ہے کہ چھوٹے سے مکان میں زندگی گزار دیں' بینک سے قرضہ لے کر بڑا محل نہ بنائیں۔ اس پر آپ کو کوئی مجبور نہیں کرتا۔ اس اعتبار سے کچھ چیزیں تو وہ ہیں جو ہم کر سکتے ہیں' چاہے اس میں ہماری دنیا سکڑ جائے' ہماری حیثیت کم ہو جائے۔ ہمارا کاروبار نہیں بڑھے گا' معاشرے میں نکو بن جائیں گے' ہمیں دقیانوس کہا جائے گا' لیکن ہم دین کے اس حصے پر عمل کر سکتے ہیں۔ تکلیفیں آئیں' طعنے ملیں' طنز واستہزاء اور تمسخر ہو' ٹھیک ہے۔ سودی کاروبار نہیں کریں گے تو بمشکل دو وقت کی روٹی ملے گی' رشوت دینی ہے نہ لینی ہے تو بھی مشکل سے روٹی ملے گی۔ طے کر لیں کہ فاقے بھی آ جائیں تو کوئی پرواہ نہیں' لیکن ہم اس پر عمل کریں گے —— دین پر چلنے میں آزمائشیں تو آتی ہی ہیں

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ (البقرہ : ۱۵۵) "اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر' فاقہ کشی' جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے"۔

البتہ دین کا ایک وہ حصہ ہے جس پر ہم بحالاتِ موجودہ عمل کر ہی نہیں سکتے۔ مثلاً قرآن کہتا ہے چور کے ہاتھ کاٹو' ہم نہیں کاٹ سکتے' وہ تو نظام بدلے گا تو کٹیں گے۔ شادی شدہ زانی کو ہم رجم نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ساری حدود معطل پڑی ہیں۔ اللہ کہتا ہے اگر سودی لین دین سے باز نہیں آؤ گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے' لیکن ہمارا تو سارا نظام سودی ہے' اس کا سارا تانا بانا سود سے بُنا ہوا ہے۔ قرآن کہتا ہے جُوا حرام ہے' جبکہ ہمارے ہاں پرائز بانڈز' لاٹری' انعامات اور نامعلوم کن کن صورتوں میں جُوا چل رہا ہے۔ ہمارا سیاسی' معاشرتی اور معاشی نظام کفر پر قائم ہے اور ہماری زندگی کا بہت تھوڑا سا حصہ ایسا ہے جس میں ہم اللہ کی اطاعت کر

سکتے ہیں' جبکہ اللہ یہ کہہ رہا ہے کہ جب تک ہمہ تن' ہمہ وقت اطاعت نہیں ہو گی قابل قبول ہی نہیں ہے۔ ﴿ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ﴾ اللہ کو تو وہ اطاعت قبول ہے جو خالص ہو۔ چنانچہ ہم چکی کے دو پاٹوں کے درمیان ہیں۔

جس شخص کو بھی شعور حاصل ہو گیا ہو کہ وہ اتنے بڑے مسئلے سے دوچار ہے تو وہ کیا کرے؟ میں آپ کو اس کا حل بتانا چاہتا ہوں۔ اس کا حل یہ ہے کہ جن چیزوں میں تو ہمیں اِس وقت اختیار ہے' چاہے اس میں مشکل ہو' چاہے لوگوں کی طرف سے سوشل بائیکاٹ ہو جائے' چاہے آپ پر فقرے چست کئے جائیں' چاہے آپ کی روزی کم ہو جائے' عزت کم ہو جائے' کچھ بھی ہو جائے' لیکن عمل کر سکتے ہیں تو اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ رہے وہ معاملات جو ہم نہیں کر سکتے' مثلاً سود ہماری معیشت میں اس طرح رچ بس گیا ہے کہ وہ ہمارے سانس کے ساتھ بھی ہمارے اندر جا رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ کوئی شخص سود کھائے گا نہیں' تب بھی وہ اس کے غبار سے نہیں بچ سکے گا۔ یعنی ہوا میں موجود گرد و غبار کی مانند سود اس کے اندر جائے گا۔ کیونکہ زندہ رہنے کے لئے سانس تو لینا ہی ہے' لہٰذا ہوا کے ساتھ غبار بھی لازماً اندر جائے گا۔ ہوا میں دھواں ہو تو سانس کے ساتھ دھواں بھی اندر جائے گا۔ اسی طرح ہماری فضا میں سود ہے جو ہمارے اندر جا رہا ہے۔ اب اس کا کفارہ کیا ہو گا؟

اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے دین کے جتنے حصے پر عمل کر سکتے ہیں عمل کرتے ہوئے باقی اپنی توانائیوں' قوتوں' صلاحیتوں' اوقات اور اپنے وسائل میں سے اپنی ذات اور اہل و عیال کے لئے کم سے کم حصہ نکالتے ہوئے اس کے اکثر حصے کو اسی جدوجہد میں لگا دیا جائے جس سے اس نظام کو تلپٹ کیا جائے اور اس نظام کو ختم کر کے اللہ کے دین کو غالب کیا جائے۔ نظامِ باطل کے تحت رہتے ہوئے جس گناہ میں ہم ملوث ہیں کہ ہماری اطاعت "مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ" نہیں ہے' یہ جدّوجہد اس کا کفارہ بن جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس گناہ کے اثرات ہم پر پڑ رہے ہیں' اس سے ہمارا ضمیر ملوث ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس کو دھونے کے لئے اور پاک کرنے کے لئے گناہ کے کفارے کے لئے اس باطل نظام کو بدلنے کی جدوجہد میں اپنا تن من دھن لگا دیں۔ عام طور پر آدمی اپنی صلاحیتیں اچھی سے اچھی دنیا بنانے کے لئے صرف کرتا ہے کہ بہتر سے بہتر مکان بناؤں' بہتر سے بہتر

گاڑی لے لوں' یہ کروں وہ کروں' اپنے کاروبار کو پھیلاؤں اور دنیا میں خوب پھلوں' پھولوں اور پھیلوں۔ لیکن اگر آپ باطل نظام کے تحت رہ رہے ہیں تو اس نظام کے تحت پھلنا' پھولنا' پھیلنا حرام ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ آپ نے باطل کے نظام کو تسلیم کر لیا ہے اور اسے ذہناً قبول کر لیا ہے۔ آپ اس کے خلاف مسلسل جہاد اور جدوجہد کریں' جسے انگریزی میں کہتے ہیں to live under protest یعنی نظام میں تو ہم رہ رہے ہیں' لیکن ہم نے اس نظام کو قبول نہیں کیا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی توانائیاں' اپنی قوتیں' اپنی صلاحیتیں' اپنے اوقات' وسائل اور اولاد' غرضیکہ ﴿ مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ﴾ (الحدید) کے الفاظ کی رو سے جو بھی کچھ اللہ نے دیا ہے اس کا بیشتر حصہ اس جدوجہد میں لگا دیا جائے کہ یہاں نظام بدل جائے' نظامِ باطل تلپٹ اور ختم ہو جائے اور نظامِ حق قائم ہو جائے۔ اس جدوجہد کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ سورۃ الحجرات میں واضح کر دیا گیا کہ مؤمن ہے ہی وہ جس کے دل میں یقین ہو اور عمل میں جہاد ہو :

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (آیت ۱۵)

"مؤمن تو بس وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر' پھر شک میں نہیں پڑے' اور انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا"۔

سورۃ الصف میں ہم نے پڑھا کہ اگر جہاد نہیں ہے تو جہنم سے نجات ہی نہیں ہے :

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ﴾ (آیات ۱۰'۱۱)

"اے ایمان والو! کیا میں تمہاری راہنمائی کروں ایسی تجارت کی طرف جو تمہیں عذابِ الیم سے نجات دلا دے۔ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔"

یہ اگر نہیں ہے تو گویا ہم نے نظامِ باطل کو تسلیم کر لیا ہے' اس سے reconcile کر لیا ہے' اس کی چاکری میں لگے ہوئے ہیں اور اس سے ہمیں روزی مل رہی ہے جس سے عیش کر

رہے ہیں۔ پھلنے' پھیلنے اور پھولنے کے لئے ہر شخص اپنی سی کوشش کر رہا ہے۔

## جہاد کے دو مرحلے : دعوت و اقامتِ دین

اس جہاد فی سبیل اللہ کے دو مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ دعوت ہے۔ اب فرض کیجئے آپ کو اس کا احساس ہو گیا ہے تو اکیلا چنا بھاڑ تو نہیں پھوڑ سکتا۔ آپ دو چار آدمی اپنے ساتھ ملائیں گے' انہیں ہم خیال بنائیں گے کہ آؤ بھئی اس کام کے اندر جڑو اور لگو۔ یہ دعوت کا مرحلہ ہے' جس کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے : ﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ ﴾ "لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ" اور فرمایا : ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا ﴾ "اُس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے"۔ اگر معتدبہ تعداد میں لوگ جمع ہو جائیں تو پھر اگلا مرحلہ اس نظام کے ساتھ تصادم اور ٹکراؤ کا ہے۔ اگر معتدبہ تعداد میں لوگ نہیں آئے تو آپ پر کوئی الزام نہیں' آپ تو دعوت دے رہے ہیں' اللہ کے دین پر عمل کر رہے ہیں اور اپنی توانائی' قوت اور صلاحیت اس دعوت میں لگا دی ہے۔ اگر response نہیں ملا تو کوئی بات نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو ساڑھے نو سو برس میں بھی response نہیں ملا تو اس میں ان کا تو کوئی قصور نہیں۔ لیکن اگر response مل جائے اور لوگ آ کر جمع ہو جائیں' تن من دھن لگانے کے لئے تیار ہوں' تو پھر وہ جماعت "حزب اللہ" بنے گی۔ بالفاظِ قرآنی : ﴿ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (المجادلہ) اور ﴿ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ﴾ (المائدۃ) وہ اللہ کی پارٹی بنے گی اور پھر نظامِ باطل سے تصادم اور ٹکر مول لے گی۔

اس تصادم کی صورت قتال کی بھی ہو سکتی ہے' جیسے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں مسلح تصادم ہوا۔ تاہم آج کی دنیا میں اس کی اور بھی شکلیں ہیں۔ غیر مسلح تصادم بھی ہوتا ہے' عوامی تحریک چلتی ہے' مظاہرے ہوتے ہیں' گھیراؤ ہوتے ہیں اور حکومتیں بدل جاتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ اسلحہ ہی اٹھایا جائے۔ انقلابیوں پر اگر گولیاں چلتی ہیں تو وہ جھیلتے ہیں۔ جیسے ایرانیوں نے انقلاب برپا کر کے دکھا دیا۔ انہوں نے گولیاں نہیں چلائیں' بلکہ گولیاں کھائی ہیں۔ بیس تیس ہزار آدمیوں نے جانیں دیں تو بادشاہ کو راہِ فرار اختیار کرنا پڑی۔ بہرحال تصادم ہو گا' جانیں دینی پڑیں گی' خون دینا پڑے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

اگر سینکڑوں کی تعداد میں جانیں قربان کی ہیں تو ہمیں لاکھوں کی تعداد میں قربانی دینی پڑے گی' تب اسلامی انقلاب آئے گا۔ ایک ایک صحابی ؓ کی زندگی بلاشبہ ہم میں سے لاکھوں کے برابر تھی۔ حضرت حمزہ اور مصعب بن عمیر ؓ کی زندگی کی کیا قدر و قیمت تھی؟

تو یہ جہاد فی سبیل اللہ کے دو مرحلے ہیں۔ پہلا دعوت اور پھر اقامت دین۔ اقامت دین اور شہادت علی الناس کی اصطلاحات ہم نے دورۂ ترجمۂ قرآن کے دوران پڑھی ہیں۔ ہم نے سورۃ الحج کے آخر میں پڑھا : ﴿ وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ﴾ "جہاد کرو اللہ کی راہ میں جیسا کہ جہاد کا حق ہے"... ﴿ لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ "تاکہ رسول گواہ ہوں تم پر اور تم گواہ ہو جاؤ پوری نوعِ انسانی پر"۔ جبکہ سورۃ البقرۃ میں یہ الفاظ وارد ہوئے :

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾ (آیت ۱۴۳)

"اسی طرح ہم نے تمہیں ایک بہترین امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہوں۔"

سورۂ آل عمران میں فرمایا :

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ ﴾ (آیت ۱۱۰)

"تم وہ بہترین امت ہو جسے انسانوں (کی ہدایت و اصلاح) کے لئے برپا کیا گیا۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو' برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

پھر ہم نے پڑھا :

﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ ﴾

(الانفال : ۳۹)

"ان (کافروں) سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین کُل کا کُل اللہ کیلئے ہو جائے"

سورۃ الشوریٰ میں پڑھا ﴿ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ ﴾ "دین کو قائم کرو"۔

یہ ساری آیتیں ہم پڑھتے چلے آرہے ہیں۔ ان کا حاصل کیا ہے؟ یہ کہ پورا نظام اللہ

کی بندگی کے تابع ہو جائے' پوری ریاست اللہ کی بندگی میں آ جائے' پورا معاشرہ اللہ کا بندہ بن جائے۔ تب ہی ہماری بندگی مکمل ہوگی' ورنہ ہماری بندگی ناقص ہے۔ نماز' روزہ تو ہم کر رہے ہیں اور سور نہیں کھاتے' شراب نہیں پیتے' اللہ کا شکر ہے' ٹھیک ہے' انفرادی اعمال تو ہم کر رہے ہیں' لیکن اجتماعی نظام تو پورا کافرانہ ہے۔ اور قرآن دوٹوک الفاظ میں کہہ رہا ہے :

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ٥ . . . فَاُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ٥ . . . فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ٥ ﴾

(المائدہ : ۴۴'۴۵'۴۷)

"جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں . . . . وہی تو ظالم ہیں (مشرک ہیں) . . . . وہی تو فاسق ہیں۔"

کیا یہ فتوے ہم پر نہیں لگ رہے؟

معلوم ہوا کہ ہر بندے کے لئے' اگر وہ واقعتاً اللہ کی بندگی کا حق ادا کرنا چاہتا ہے' تو یہ لازم ہے کہ اللہ کے جن احکام پر اس کے لئے عمل کرنا ممکن ہے' چاہے کتنا ہی مشکل ہو' اس پر تو لازماً عمل کرے' اور بقیہ بندگی' جو وہ نہیں کر پا رہا' اس کے متبادل اور اس کی تلافی (compensation) کے طور پر اپنی پوری زندگی کی توانائیاں' قوتیں اور صلاحیتیں' اوقات اور وسائل لگا دے اور کھپا دے' تاکہ حق کا بول بالا ہو اور دین کا نظام قائم ہو۔ یہ گویا کہ ہر بندۂ مؤمن کے لئے فرضِ عین ہے۔

بدقسمتی سے ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ نماز فرض ہے' روزہ فرض ہے' لیکن اقامتِ دین کی فرضیت ہم پر واضح نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج اس گئے گزرے دور میں بھی کتنے ہی لوگ نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ جو نہیں پڑھتے انہیں احساس تو ہوتا ہے کہ وہ ایک فرض ترک کر رہے ہیں۔ روزہ کتنے ہی لوگ رکھ رہے ہیں' اور جو نہیں رکھتے انہیں اپنی کوتاہی کا احساس تو ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کرنا فرض عین ہے' ہمارے ذہن سے ہی نکل گئی ہے۔ ہم نے نماز روزہ کو پورا دین سمجھ لیا ہے۔ اسی کی وضاحت کے لئے میں نے آغاز میں یہ آیت پڑھی تھی : ﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ "اور ان کو اس کے سوا

کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں' اپنی اطاعت کو اس کے لئے خالص کر کے بالکل یک سو ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں "۔ یہاں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم "اور" کے ساتھ آ رہا ہے۔ یعنی اصل عبادت یہ ہے کہ اللہ کی بندگی اور پرستش کریں اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ اور جہاں خالص اطاعت ممکن نہ ہو تو جس حد تک ممکن ہے کرو اور جس حد تک ممکن نہیں ہے اسے اس نظام کو تلپٹ کرنے کی جدوجہد سے compensate کرو۔

## اقامتِ دین کی شرط لازم

یہ بات اگر سمجھ میں آ گئی تو دوسری بات سمجھئے کہ اقامتِ دین کا کام انفرادی طور پر نہیں ہو سکتا' اس کے لئے اجتماعیت اور جماعت لازمی ہے۔ اگر انفرادی طور پر ہو سکتا تو ہر نبی انقلاب برپا کر جاتا۔ سیدھی سی بات ہے کہ نبی تو مردِ کامل ہی ہوتے تھے' ان میں کوئی عیب اور کمی نہیں ہوتی تھی' وہ تو معصوم اور اللہ کے خاص بندے ہوتے تھے۔ اگر اکیلا آدمی یہ کام کر سکتا تو ہر نبی لازمی طور پر کر جاتا' خواہ اس کو ساتھی نہ ملتے اور جماعت نہ بنتی۔ لیکن یہ کام بغیر جماعت کے ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ یہ کام اگر ہوا تو ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ﴾ کے ہاتھوں تکمیل پذیر ہوا۔ یعنی "اللہ کے رسول محمد ﷺ اور آپ کے وہ ساتھی جو آپ کے ساتھ تھے"۔ جب جاں نثاروں کی جماعت بنتی ہے تب یہ کام ہو سکتا ہے' ورنہ نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ ان کے ہمراہ چھ لاکھ آدمی تھے' لیکن جب جنگ کا وقت آیا تو انہوں نے کورا جواب دے دیا : ﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ○ ﴾ "اے موسیٰ! جاؤ تم اور تمہارا رب جا کر جنگ کرو' ہم تو یہاں بیٹھے ہیں"۔ اس طرزِ عمل کی پاداش میں چالیس برس تک کے لئے ان پر وہ ارضِ مقدس حرام کر دی گئی کہ جاؤ صحرائے تیہ میں بھٹکتے پھرو۔ اسی عرصے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہو گیا اور وہ نظام قائم نہیں ہو سکا۔ چنانچہ اس کے لئے جمعیت اور جماعت ضروری ہے' قوت ضروری ہے۔

بدقسمتی سے یہ چیزیں بھی ہمارے ذہنوں سے اس لئے نکل گئی ہیں کہ ہمارے تصورات سے اقامتِ دین کی فرضیت خارج ہو گئی تو جماعت کی فرضیت بھی غیر ضروری قرار پائی۔ اس لئے کہ ہر شے کا کوئی مقصد ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک تو نماز کی جماعت ہی

کافی ہے۔ امام آیا' نماز پڑھی' جماعت ہو گئی' بات ختم ہوئی۔ نماز کے لئے تو یہی جماعت کافی ہے۔ اقامت دین کی جدوجہد کے لئے بھی ایک منظم جماعت کی ضرورت ہے جو سمع و طاعت والی ہو۔ ﴿ فَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا ﴾ "سنو اور اطاعت کرو" حکم قرآنی ہے۔ جب تک سمع و طاعت کا یہ نظم نہ ہو اور ایک معتد بہ تعداد میں افراد جمع نہ ہوں تو یہ کام نہیں ہو سکتا۔ سو دو سو آدمی پاکستان میں یہ کام نہیں کر سکتے۔ عرب میں ٹھیک ہے ۳۱۳ کے مقابلے میں ایک ہزار مشرکین تھے' لیکن آج بڑی بڑی حکومتیں ہیں' جن کے پاس فوجیں ہیں' پولیس' پیراملٹری فورسز اور ائیر فورس ہے۔ فرض کیجئے اس نظام کے چلانے والے سیکولر ذہن کے لوگ ہیں۔ ان بدلے ہوئے حالات میں عام آدمی بیچارہ کیا کر سکتا ہے' جب تک ایک بڑی تعداد میں بڑی منظم جماعت وجود میں نہ آ جائے۔ یہ جماعت بھی اگر "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ" کے منہاج (Pattern) پر نہیں بنے گی' اس کا وہ انداز نہیں ہو گا' تو اس کام میں پیش رفت نہیں ہو گی۔

اس کے لئے میں آپ کو ایک حدیث سنا رہا ہوں' حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں :

((اِنِّيْ اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ [ اَللّٰهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ ] بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ))

(رواہ احمد و الترمذی)

"مسلمانو! میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دے رہا ہوں' اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے' یعنی التزام جماعت کا' سننے اور ماننے کا' اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کا۔"

اس جدوجہد کے لئے جو جماعت درکار ہے وہ جماعت سمع و طاعت کے نظم والی ہو۔ غزوۂ اُحد میں صرف ۳۵ صحابہؓ سے ذرا سی غلطی ہوئی تھی' حضور ﷺ کے حکم کے خلاف ۳۵ صحابہ نے درے سے جگہ چھوڑ دی تھی تو ۷۰ شہید ہو گئے تھے۔ یہ نظم توڑنے (indiscipline) کی سزا اللہ کی طرف سے دی گئی تھی۔ اس لئے جماعت بھی سمع و طاعت (listen and obey) والی ہو۔ اور وہ جماعت پھر اللہ کی راہ میں ہجرت اور جہاد والی جدوجہد کرے گی۔ درحقیقت اس جماعت کے جہاد اور ہجرت کے نتیجے میں اللہ کا

دین قائم ہو گا۔ یہ ہے وہ دوسری بات کہ بندگی رب یا عبادت کا تقاضا ہے کہ اللہ کی کلی اطاعت کی جائے' اور اگر باطل کا غلبہ ہو تو وہ جزوی اطاعت رہ جاتی ہے' لہذا بقیہ حصے کی تلافی (compensation) کا طریقہ یہ ہے کہ پورے نظامِ زندگی میں دین کا نظام قائم کرنے لئے جدوجہد اور جہاد فی سبیل اللہ کیا جائے۔ اسی کی دعوت دی جائے' اس کے لئے جماعت کا التزام کیا جائے' کیونکہ ایک جماعت کے بغیر یہ کام نہیں ہو گا۔

سمع و طاعت کا مطلب یہ ہے کہ جماعت میں کسی کا حکم ماننا پڑے گا۔ حکم ماننے کے لئے ایثار کرنا پڑتا ہے۔ اگرچہ حکم تو آپ قدم قدم پر مانتے ہیں' مثلاً آپ کہیں ملازم ہیں تو آپ کا کوئی boss ہوتا ہے' آپ اس کا حکم مانتے ہیں۔ اس کی کبھی ڈانٹ ڈپٹ بھی سن لیتے ہیں' لیکن آدمی دین کے لئے یہ کرنے کو تیار نہیں ہے۔ دنیا کے لئے' معاش کے لئے تو انسان یہ سب کچھ کرتا ہے' کیونکہ اس کے نہ کرنے سے تنخواہ بند ہو جائے گی' سبکدوش (dismiss) کر دیا جاؤں گا' میری سالانہ confidential report خراب کر دی جائے گی یا ترقی روک دی جائے گی' لیکن دین کے لئے ہم اپنے نفس کو مارنے کی بات ماننے اور کسی کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی فرضیت کا احساس نہیں ہے۔ نماز کے فرض ہونے کا احساس ہوتا ہے اور امام اللہ اکبر کہتا ہے تو آپ رکوع میں چلے جاتے ہیں۔ آپ اس کا حکم مانتے ہیں۔ اسی طرح اگر امام نے "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کہا ہے اور آپ نے ابھی ٹھیک طرح "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ" بھی نہیں کہا' پھر بھی آپ کو سر اٹھانا پڑے گا۔ یہ تو نماز کا حکم تھا' لیکن اقامت دین کی فرضیت کا چونکہ تصور نہیں ہے اس لئے کسی کو امیر ماننا بڑا گراں گزرتا ہے۔

## اقامتِ دین کیلئے مطلوب جماعت کی خصوصیات

اگر یہ بات سمجھ میں آ جائے اور دل میں یہ بات پیدا ہو جائے کہ دین قائم کرنا ہماری ذمہ داری ہے اور یہ کام بغیر جماعت کے نہیں ہو گا تو پھر اس جماعت کی تلاش کرنی ہو گی۔ اس سلسلے میں بھی آپ کی مدد کرتا چلوں۔ اس جماعت میں چار بنیادی خوبیاں (cardinal principles) ہونی چاہئیں۔ میں خود ایک جماعت کا سربراہ' داعی اور مؤسس ہوں۔ میرے ساتھ شامل ہوں گے تو میں خوش آمدید کہوں گا' لیکن میں کہتا ہوں کہ پہلے آپ سوچیں' سمجھیں' غور کریں' ڈھونڈیں' تلاش کریں۔ اور یہ سمجھیں کہ یہ

میرا فرض ہے۔ اگر میرے پاؤں کو جوتا چاہئے تو مجھے دکان تلاش کرنا ہے کہ کہاں سے بہترین جوتا ملتا ہے۔ اسی طرح چونکہ یہ میرا فرض ہے کہ میں اقامت دین کی جدوجہد کے لئے کسی جماعت میں شامل ہوں تو اب مجھے بہتر سے بہتر جماعت تلاش کرنی ہے۔ اس کے چار اصول سامنے رہنے چاہئیں :

(۱) اس جماعت کا واضح ہدف (declared goal) یہ ہونا چاہئے کہ یہ کسی جزوی کام کے لئے نہیں ہے 'یعنی یہ جماعت سیاسی یا سماجی کام کے لئے نہ ہو' بلکہ یہ خالصتاً اللہ کے دین کے غلبے کے لئے ہو۔ نماز کی تلقین کرنا بھی بڑا نیک کام ہے۔ تمباکو نوشی کے خلاف تلقین بھی بڑا اچھا کام ہے۔ لیکن یہ جماعت صرف اس لئے قائم کی گئی ہو کہ اللہ کے دین کو غالب کرے گی۔ ورنہ سماجی' تعلیمی' تبلیغی' اصلاحی تنظیمیں' انجمنیں اور سوسائٹیاں بے شمار ہیں 'مگر وہ اس معیار پر پوری نہیں اترتیں۔

(۲) مذکورہ بالا حدیث کے مطابق اس کا نظم (discipline) سمع و طاعت والا ہو۔ "فَاسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا" سنو اور اطاعت کرو۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ جماعت شریعت کے دائرے سے باہر حکم نہیں دے سکتی۔ شریعت کے دائرے سے باہر حکم دے گی تو "لَاسَمْعَ وَلَاطَاعَۃَ" (نہ سنیں گے نہ اطاعت کریں گے)' البتہ شریعت کے دائرے کے اندر اندر جو حکم ہوگا وہ ماننا پڑے گا' چاہے آپ کو پسند ہے یا ناپسند ہے۔ ہاں' اہم امور میں مشورہ ضرور ہوگا' گفتگو ہوگی کہ کیا کرنا چاہئے' کیا نہیں کرنا چاہئے' لیکن فیصلے کا اختیار امیر کے ہاتھ میں ہوگا۔ پھر جو فیصلہ ہو جائے اس پر عمل کرنا ہوگا۔

(۳) اس جماعت کے قائدین سے یہ پوچھا جائے کہ وہ کس طور سے دین کو غالب کرنا چاہتے ہیں؟ الیکشن لڑنا چاہتے ہیں یا کسی وقت تلوار اٹھانا چاہتے ہیں' یا کوئی گوریلا جنگ کرنا چاہتے ہیں؟ یعنی کون سا طریقہ ان کے سامنے ہے۔ یہ بھی پہلے مرحلے میں معلوم کر لیا جائے۔ اس ضمن میں ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ یہ کام صرف طریق محمدیؐ پر ہوگا' کسی اور طریقہ سے دین غالب نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس جماعت پر لازم ہے کہ وہ واضح کرے کہ اس نے جو طریقہ کار اختیار کیا ہے وہ سیرتِ محمدیؐ سے کس طور سے ماخوذ ہے۔ آیا وہ منہجِ انقلاب نبویؐ ہے؟ یعنی جس طور سے محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے عظیم انقلاب برپا کیا؟ اگر وہ یہ نہیں دکھا سکتے تو ہمارے لئے ان کی کوئی دلیل قابل قبول نہیں۔

(۴) آپ اِس جماعت کی قیادت کے قریب ہو کر بھی دیکھ لیں کہ ان کا کردار کیسا ہے؟ جماعت کے عام ارکان میں ہر طرح کے لوگ ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اس جماعت کی قیادت کو جا کر دیکھیں کہ آیا یہ لوگ واقعتاً مخلص ہیں؟ ان کی زندگیوں کا نقشہ کیا ہے؟ انہوں نے کہیں دوسرے دھندے تو نہیں چلا رکھے ہیں۔ ان کے بڑے بڑے کاروبار تو نہیں، یعنی کہیں دین کے نام پر دنیاداری تو نہیں ہو رہی ہے؟ اپنی امکانی حد تک ان کے خلوص اور اخلاص کو دیکھو۔ ویسے دل میں اتر کر کوئی شخص کسی کو نہیں دیکھ سکتا، البتہ حالات و قرائن سے پر کھا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ مخلص بھی ہیں یا نہیں۔

ان چار شرطوں پر کوئی جماعت پوری ہو جائے تو ایسی جماعت میں شامل ہونا فرض ہے۔ اگر نہیں شامل ہوتے تو آپ مجرم ہیں، کیونکہ آپ کو اللہ کی کامل بندگی کرنا ہے اور بندگی اُس وقت تک ادھوری ہے جب تک زندگی کے جس حصے میں بندگی ممکن نہیں اس کی تلافی کرنے کے لئے اقامتِ دین کی جدّوجہد نہ کی جائے۔ اس کے لئے جماعت ضروری ہے۔ جماعت میں اگر یہ چار معیارات پورے ہو رہے ہیں اور آپ پھر بھی شریک نہیں ہو رہے تو اس کا مطلب ہے کہ یا تو آپ سمجھتے ہیں کہ پوری بندگی کرنی لازم ہی نہیں ہے۔ اگر یہ بات ہے تو بات ختم ہو گئی۔ بصورت دیگر ادھوری بندگی کی تلافی کرنے کے لئے اقامت دین کی جدوجہد کرنے والی جماعت تلاش کرنا پڑے گی۔ اگر کوئی اجتماعیت ایسی مل جائے جو کم از کم ان چار شرائط پر پوری اتر رہی ہے، تو پھر فوراً شامل ہونا چاہئے، ورنہ انسان مجرم ہے۔ یا اس کا مطلب ہے کہ ایسا شخص کام چور ہے، فرائض کی ادائیگی سے فرار چاہتا ہے۔

فرض کیجئے اگر ایسی جماعت نہیں ملتی، یا جو جماعت موجود ہے اس میں خامیاں ہیں، یا کسی جماعت کا واضح گول اقامتِ دین ہی نہیں ہے، وہ محض تبلیغ اور تلقین کرتی ہے یا ان لوگوں کا ہدف صرف مسلک اور فرقے تک محدود ہے، یا یہ کہ جماعت تو ہے لیکن یہ نہیں بتاتے کہ کام کیسے کرنا ہے، کس طریقے سے کرنا ہے اور وہ حضور ﷺ کی سیرت سے کیسے مستنبط ہے اور اس کے ساتھ کسی طور سے مطابقت ہے؟ یا یہ کہ یہ باتیں بڑی اچھی کرتے ہیں، کام بھی بڑا اچھا بتاتے ہیں، لیکن یہ آدمی ہی قابل اعتبار نہیں ہیں، تو اب کیا کریں؟ دیکھئے اللہ نے فرمایا ہے: ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ "ہم نے اپنی کتاب میں کوئی

کمی نہیں رکھی"۔ اگر آپ کو کوئی جماعت نہیں ملی ہے اور آپ نے ساری جماعتوں کو کھنگال کر علی وجہ البصیرت رد کر دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں ایک نقشہ موجود ہے کہ جماعت کیسی ہونی چاہئے اور کیا طریقہ ہونا چاہئے تو آپ ایک خود ایک جماعت کے داعی بن کر کھڑے ہوں' کیونکہ آپ بھی تو "خلیفۃ اللہ" ہیں' آپ بھی تو آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ آپ خود کھڑے ہو کر لوگوں کو بلائیں کہ اے لوگو میری طرف آؤ۔ اور اگر لوگ نہیں آتے اور آپ اس کی دعوت دیتے رہتے ہیں تو آپ اکیلے ہی جماعت کے حکم میں ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اگر آپ لق و دق صحرا میں سفر کر رہے ہوں اور نماز کا وقت ہو جائے تو یہ بہت افضل ہے کہ وہاں آپ اذان بھی دیں چاہے کوئی سننے والا نہیں ہے اور کوئی بھی نماز پڑھنے نہ آئے تو پھر بھی اقامت کہیں' اور پھر جیسے امامت ہوتی ہے امامت شروع کر دیں تو آپ اکیلے ہی جماعت کا ثواب حاصل کر لیں گے۔ بعینہٖ اقامتِ دین کے کام سے فارغ رہ جانا اور اپنے دھندے' کاروبار اور ملازمت میں زندگی بتا دینا' جبکہ باطل کا غلبہ ہے اور ہم باطل کی سربراہی میں رہ رہے ہیں' تو میں بہت سخت بات کہہ رہا ہوں کہ آپ کی یہ نماز بھی زیرو سے ضرب کھا جائے گی اور زیرو ہو جائے گی۔ میرے نزدیک اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ جتنے دین پر عمل کر سکتے ہو اس پر تو لازماً کرو اور بقیہ کے لئے جدوجہد اور جہاد کرو اور اس کے لئے کسی جماعت کے اندر شامل ہو جاؤ۔ جماعت اگر مل جائے تو اسے غنیمت سمجھو' اسے اللہ کا احسان اور اللہ کا فضل سمجھو کہ میں اس جماعت میں شامل ہو گیا ہوں۔ اور اگر ایسی جماعت نہ ملے تو جماعت بناؤ اور خود کھڑے ہو جاؤ۔ ایک شخص بھی مل جائے تو ایک اکیلا دو گیارہ کے مصداق ایک امیر اور ایک مامور ہو کر دین کے لئے جدوجہد کرو' کیونکہ ایک امام اور ایک مقتدی ہو تو نماز کی جماعت ہو جاتی ہے۔

## جماعت سازی کی بنیاد کیا ہو؟

اب میں تیسرے مرحلے پر آ رہا ہوں۔ دنیا میں جماعت بنانے کے بہت سے طریقے ہیں جن میں ایک طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کے اغراض و مقاصد طے ہوتے ہیں' قواعد و ضوابط بنائے جاتے ہیں' پھر دعوت دی جاتی ہے کہ جس جس کو قبول ہے وہ آ جائے اور فارم پُر کر دے۔ یہ ممبر بعد میں صدر چنیں گے' سیکرٹری بنائیں گے' دو سال کے بعد پھر

انتخابات ہوں گے' وغیرہ وغیرہ۔ یہ چیزیں اِس دور کی پیداوار ہیں جن کا ذکر نہ قرآن میں ہے' نہ حدیث میں' نہ سیرت و سنت میں اور نہ ہی اسلامی تاریخ میں۔ یہ تو مغربی تہذیب میں جماعت بنانے کی صورتیں ہیں۔ کیونکہ جب انگریز یہاں آیا ہے تو جو چیزیں وہ لے کر آیا ان ہی میں یہ آرگنائزیشن بنانے کا طریقہ بھی ہے۔ میں اسے حرام نہیں کہتا' یہ مباح اور جائز ہے۔ کسی چیز کو حرام کہنے کے لئے کوئی مثبت دلیل چاہئے' یعنی کتاب و سنت میں اس کی نفی کی گئی ہو۔ لیکن ہمارے پاس ایک طریقہ وہ ہے کہ جس کا ذکر قرآن' سیرت' سنت اور ساری اسلامی تاریخ میں ہے۔ جو عقل اور منطقی دلائل کے اعتبار سے بھی بہترین طریقہ ہے۔ جماعت سازی کے لئے وہ بیعت کا نظام ہے۔ سورۂ توبہ میں اس کا تذکرہ آیا : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾ "یقیناً اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لئے ہیں"۔ اسی آیت کے آخر میں آیا : ﴿ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ﴾ "پس خوشیاں مناؤ اپنی اس بیع پر جو تم نے اللہ سے کی ہے"۔ پھر سورۂ فتح میں آیا ہے : ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۚ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ﴾ "یقیناً جو لوگ (اے نبیؐ) آپ سے بیعت کر رہے تھے وہ در حقیقت اللہ سے بیعت کر رہے تھے' ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا"۔ اسی سورۃ میں یہ بھی آیا ہے : ﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾ "اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے"۔ خواتین کی بیعت کا ذکر سورۂ ممتحنہ میں آیا ہے۔ اس اعتبار سے قرآن مجید میں بیعت کا چار جگہ ذکر ہے۔ جبکہ بیعت سے متعلق احادیث بے شمار ہیں۔

بیعت کیا ہے؟ کسی شخص کے ساتھ یہ معاہدہ کرنا کہ میں آپ کو امیر مانتا ہوں' آپ جو حکم دیں گے اسے مانوں گا' اِلاّ یہ کہ شریعت کے خلاف کوئی حکم دیں۔ باقی یہ کہ میں آپ کو مشورہ دوں گا' اگر آپ کو مشورہ اچھا لگے تو آپ قبول کر لیں اور اچھا نہ لگے تو رد کر دیجئے' میں صرف مشورہ دوں گا فیصلہ آپ کا ہی ہو گا۔ یہ بیعت ہے۔ اس بیعت کا قرآن و حدیث میں ذکر ہے۔ لہٰذا یہ منصوص و مسنون ہے۔ پوری سیرت کے اندر ہمیں بیعت کا نظام ملتا ہے۔ خلافت کی بنیاد بھی بیعت پر تھی۔ اس اعتبار سے یہ ماثور بھی ہے۔ اس کے بعد اسلامی تاریخ میں کم سے کم ۱۳ سو برس تو ایسے ہیں کہ جس میں کسی اجتماعی

ادارے کی بیعت کے سوا کوئی اور بنیاد تھی ہی نہیں۔ حکومت تھی تو بیعت کی بنیاد پر' جہاد و قتال تھا تو بیعت کی بنیاد پر۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ میدان میں آئے تو انہوں نے بیعت لی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوفیوں نے ڈر کے مارے بیعت توڑ دی۔ اس کا سارا وبال انہی پر آئے گا۔ ﴿ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ﴾ حضرت حسینؓ پر اس کا کوئی الزام نہیں۔ انہوں نے بیعت لی تھی کہ آؤ میرے ساتھ' تاکہ یہ غلط نظام جو قائم ہو رہا ہے اسے ابھی سے ختم کردیں۔ پھر ملوکیت قائم ہوئی تو بیعت کی بنیاد پر ہوئی' ہمارے صوفیاء کے ہاں تزکیۂ نفس کا سلسلہ شروع کیا گیا تو وہ بھی بیعت کی بنیاد پر شروع ہوا۔ آج بیعت صرف اسی درجے میں رہ گئی ہے۔ جماعتی بیعت تو ختم ہی ہو گئی ہے' صرف پیری مریدی کی بیعت رہ گئی ہے اور وہ بدقسمتی سے بدنام بھی ہو گئی ہے۔ لیکن یہ کہ پچھلی صدی میں سید احمد بریلوی رحمہ اللہ نے جہاد کیا تو بیعت کی بنیاد پر کیا۔ مہدی سوڈانی نے انگریزوں سے جنگ کی تو بیعت کی بنیاد پر کی تھی۔ سنوسی نے لیبیا میں اگر اطالویوں کے خلاف جہاد کیا تو بیعت کی بنیاد پر کیا۔ روسیوں کے خلاف امام شاملؒ نے بھی بیعت کی بنیاد پر جہاد کیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آج جماعتی سطح پر ہم نے اس سنت کو زندہ کیا اور تنظیم اسلامی بیعت کے نظام پر قائم کی۔ بعینہٖ حکومتی سطح پر بیعت افغانستان میں زندہ ہوئی ہے' کیونکہ اِس وقت افغانستان میں حکومت بیعت کی بنیاد پر قائم ہے۔ گویا بیعت کا تنظیمی سلسلہ جماعت بنانے کیلئے دوسرے سلسلوں کے مقابلے میں قرآن و حدیث' سیرت اور ہماری پوری تاریخ میں مذکور ہے۔ باقی یہ کہ اس کیلئے بے شمار عقلی دلائل بھی ہیں' جنہیں میں اس موقع پر بیان نہیں کر رہا۔

اب سمجھئے کہ یہ بیعت کیا ہے؟ اس کی تھوڑی سی وضاحت کردوں۔ حضور ﷺ نے جماعت بنانے کے لئے جو بیعت لی تھی وہ بیعت کیا تھی؟ اگرچہ اس کے علاوہ حضور ﷺ اسلام کی بیعت بھی لیتے تھے۔ جس نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو بیعت ہو گئی۔ یہ بیعتِ اسلام ہے۔ کبھی آپ نے یہ وعدہ بھی کیا کہ ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرو گے' یہ بھی آپ نے بیعت لی۔ لیکن ایک بیعت آپ نے جماعت بنانے کے لئے لی ہے۔ یہ بخاری اور مسلم شریف میں متفق علیہ روایت ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

((بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِى الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ

وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلٰی اَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلٰی اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ، وَعَلٰی اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَ مَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ))

"ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی کہ آپ کا ہر حکم مانیں گے اور اس کی اطاعت کریں گے' مشکل میں بھی اور آسانی میں بھی' اس حال میں بھی کہ ہماری طبیعتیں آمادہ ہوں اور اس حال میں بھی کہ ہماری طبیعتیں آمادہ نہ ہوں' اور چاہے آپؐ دوسروں کو ہم پر ترجیح دے دیں۔ (ہم یہ نہیں کہیں گے کہ ہم آپؐ کے پرانے خادم تھے اور آپ نے ایک نووارد کو امیر بنا دیا۔) پھر جن کو بھی آپؐ ذمہ دار بنائیں گے ان سے جھگڑیں گے نہیں' (ان کا کہنا مانیں گے اور ان سے تعاون کریں گے۔) ہاں' جو بات حق سمجھیں گے ضرور کہیں گے اور اور اس معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کے خوف سے اپنی زبان بند نہیں رکھیں گے۔"

یہ متفق علیہ روایت ہے۔ حضور نے اس کی بنیاد پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو منظم کیا اور جماعت بنائی۔ آج جو جماعت ہماری تنظیم اسلامی کی طرح بنے گی' اس میں ایک اضافہ ہو گا کہ اب سمع و طاعت فی المعروف کی بیعت ہو گی۔ حضور ﷺ تو جو حکم دیتے تھے وہ ماننا لازم تھا۔ اس لئے کہ آپؐ تو غلط حکم دے ہی نہیں سکتے تھے۔ اللہ کے رسول معصوم ہوتے ہیں۔ شریعت تو آپ ﷺ ہی نے بنائی تھی' آپؐ شریعت کے خلاف حکم کیسے دے سکتے تھے' آپؐ تو خود شریعت تھے ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست!

وہاں تو مکمل اتباع لازمی تھا کہ آپؐ جو بھی حکم دیں وہ ماننا ہے۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ کبھی صحابہؓ پوچھ لیتے تھے کہ ہمیں کچھ مشورہ عرض کرنے کی اجازت ہے؟ جب حضور ﷺ فرماتے کہ مشورہ دے سکتے ہو تو وہ مشورہ دیتے۔ اسی طرح حضور ﷺ نے کئی مرتبہ اپنی بات بدل دی اور لوگوں کا مشورہ قبول کر لیا۔ غزوۂ بدر میں جہاں آپؐ نے فرمایا تھا کہ یہاں خیمے لگا دو اور فوج کا پڑاؤ ڈال دو' اُس وقت کچھ صحابہؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا : حضور ﷺ! اگر یہ وحی کے ذریعے حکم ہوا تو سرِ تسلیم خم ہے' اور اگر آپؐ کی ذاتی رائے ہے تو پھر آپؐ اجازت دیں تو ہم کچھ عرض کریں۔ حضور ﷺ نے

فرمایا : کہو' تو انہوں نے فرمایا: ہمارے خیال میں جنگی نقطہ نظر سے دوسری جگہ ہمارے کیمپ کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ آپؐ نے ان کی بات مان لی اور فرمایا "ٹھیک ہے' خیمے اکھاڑ دو اور وہاں جا کر لگا دو۔ وہ تجربہ کار لوگ تھے' حضور ﷺ نے تو کسی جنگ میں حصہ لیا ہی نہیں تھا' جبکہ ان لوگوں کی زندگی ہی جنگوں کے اندر گزرتی تھی' لہٰذا حضور ﷺ نے لوگوں کے مشوروں کو قبول بھی کیا ہے۔ لیکن جہاں حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں' ایسا ہی کرو جیسا میں نے کہا ہے تو وہ ماننا لازم ہے۔ لیکن حضور ﷺ کے بعد جو جماعت بنے گی تو اس کی بیعت "عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْمَعْرُوْفِ" ہو گی' یعنی معروف کے اندر اندر دین و شریعت کے اندر اندر رہتے ہوئے ہر حکم ماننا ہو گا۔ اگر کوئی امیر کہے کہ تمہیں نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے تو اس امیر اور اس کی جماعت سے دُور رہنے ہی میں عافیت ہے' کیونکہ اب دین کے اندر کوئی ترمیم نہیں کر سکتا' اب دین مکمل ہو چکا ہے۔ بالفاظِ قرآنی ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ اب دین میں کوئی تغیر و تبدّل نہیں کر سکتا۔ ہاں' دین کے اس دائرے کے اندر امیرِ جماعت جو حکم دے وہ ماننا ہو گا۔

بیعت کے ضمن میں ایک بڑی اہم حدیث ملاحظہ فرمائیے۔ یہ مسلم شریف کی روایت ہے' جس کے راوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا : ((مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً)) "جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہیں ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرا"۔ یعنی جیسے آپ نے بکری کے گلے میں رسّی ڈالی ہوئی ہے اور رسّی پکڑ کر چل رہے ہیں' یہ بیعت ایسی چیز ہے۔ آپ نے جس کے ہاتھ پر بیعت کی گویا آپ نے اپنی رسّی اس کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ اگر ایسا نہیں اور موت آ گئی تو وہ جاہلیت کی موت ہے' اسلام کی موت نہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ دیکھئے دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں' یا تو اسلام کا نظام قائم ہے اور نظامِ خلافت برپا ہے۔ اس صورت میں خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت ہو گی۔ اگر نہیں ہے تو پھر اس نظام کو قائم کرنے کے لئے محنت کرنی پڑے گی' جیسی "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ" نے کی تھی۔ اور جب دین کا نظام قائم کرنے کے لئے محنت کریں گے تو اس کے لئے جماعت درکار ہو گی۔ اس صورت میں جو جماعت کا امیر ہو گا اس کے ہاتھ پر بیعت ہو گی۔ اس کے سوا تیسری کوئی شکل نہیں ہے۔

تیسری شکل تو وہی ہے جو آج کل ہمارا معاملہ ہے کہ نہ کسی کو اقامتِ دین کی فرضیت کا احساس ہے اور نہ ہی جماعت کی ضرورت کا۔ بس نماز' روزے وغیرہ پر قناعت کرکے بیٹھے ہوئے ہیں کہ یہی کل دین ہے۔ چونکہ اقامت دین کی فرضیت کا احساس نہیں ہے تو بیعت کی کیا ضرورت ہے؟ جماعت کی کیا ضرورت ہے؟ حالانکہ بندگی ہمہ وقت' ہمہ تن کرنی لازم ہے۔

زندگی آمد برائے بندگی زندگی بے بندگی شرمندگی

جزوی بندگی اللہ کے ہاں قبول نہیں ہے۔ لیکن آج ہم سب کی بندگی تو جزوی ہے' لہٰذا جو حصّہ رہ گیا ہے اس کی تلافی کے لئے دین کی جدوجہد میں تن من دھن کا بیشتر اور بہتر حصّہ لگانا ہو گا اور یہ بغیر جماعت کے ممکن نہیں ہے۔

میں نے چند باتیں درجہ وار آپ کے سامنے رکھیں۔ لہٰذا ہر شخص کو غور و فکر کرنا چاہئے کہ بندگی رب کا تقاضا کیا ہے؟ "شہادت علی الناس" کا مطلب کیا ہے؟ اقامتِ دین کا مفہوم کیا ہے؟ اور یہ کہ حضور ﷺ نے جو فرمایا ہے کہ دنیا میں دوبارہ دین کا غلبہ ہو گا جو عالمی ہو گا' اس کے لئے جدوجہد کے بارے میں ہمیں سوچنا ہے۔ اگرچہ اس سلسلے میں قیام پاکستان سے پہلے اور بعد کچھ کام ہوا ہے' علامہ اقبال نے کچھ کام کیا ہے' مولانا آزاد نے کام کیا ہے' مولانا مودودی نے کام کیا ہے' جماعت اسلامی نے کام کیا ہے اور اب تنظیم اسلامی کام کر رہی ہے' لیکن آپ دوسری جماعتوں کا بھی مشاہدہ کیجئے اور ان تمام چیزوں پر غور کرکے' سوچ سمجھ کر یک سُو ہو کر فوری فیصلہ کریں اور کسی جماعت میں شمولیت اختیار کرلیں۔ سوچیں اور پرکھیں ضرور' لیکن اس کام کو ڈھیلا چھوڑ دینا اور اس کو تاخیر و تعویق میں ڈال دینا درست نہیں' کیونکہ شیطان کا سب سے بڑا ہتھکنڈا یہ ہے کہ وہ انسان کو تسلی دیتا رہتا ہے کہ ابھی بڑا وقت ہے' دین کا کام ہوتا رہے گا' پہلے ذرا بچوں کی شادیاں کرلوں یا دنیا کے دوسرے کام نمٹالوں' ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے آپ کو ضرور دین کے لئے وقف کر دوں گا۔ شیطان انہی ہتھکنڈوں سے انسان کو حق کی طرف آگے بڑھنے سے روکتا رہتا ہے' یہاں تک کہ اسے موت آلیتی ہے۔ چنانچہ سنجیدگی سے غور کیجئے' اور جب کسی نتیجے پر پہنچ جائیں تو فیصلہ کرنے میں دیر نہ کیجئے' کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ ؏ سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں!

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○○

# مقامِ انسانیت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

برصغیر پاک و ہند کے نامور عالم دین اور بزرگ ترین دینی رہنما مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ جو "علی میاں" کے نام سے جانے جاتے تھے' گزشتہ ماہ رحلت فرما گئے۔ کسی بھی معروف شخصیت کی وفات پر یہ جملہ اگرچہ بالعموم رسماً کہا جاتا ہے کہ "ان کی وفات سے پیدا ہونے والے خلا کو مدتوں پر نہ کیا جا سکے گا" لیکن مولانا علی میاںؒ فی الواقع ان ہمہ صفت رجال دین میں سے تھے کہ جن کے علم و فراست ہی نہیں تقویٰ و تدین میں بھی کوئی ثانی دور دور نظر نہیں آتا۔ اس بلند پایہ اور درویش صفت عالم دین کی وفات جو اپنے تبحر علمی اور عربی دانی کے باعث عالم عرب میں بھی اتنے ہی معروف اور مقبول تھے جتنا کہ برصغیر پاک و ہند میں' واقعتاً "موتُ العَالِم" کا درجہ رکھتی ہے۔ ؏ "آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے!" اللھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ فی رحمتک

مولاناؒ کی مستقل سکونت اگرچہ لکھنؤ (انڈیا) میں تھی تاہم امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کو متعدد بار مولاناؒ سے ملاقات اور تبادلہ خیال کا شرف حاصل ہوا۔ مولانا مرحوم جب پاکستان کا دورہ فرماتے تو امیر تنظیم باہتمام ان سے ملاقات کرتے۔ امیر تنظیم جب بھی ہندوستان جاتے تو وہاں بھی مولاناؒ سے ملاقات کی کوشش کرتے۔ مولانا بھی جواباً بہت شفقت فرمایا کرتے تھے۔ دسمبر ۸۵ء میں امیر تنظیم کے دورۂ ہند کے موقع پر راقم بھی ان کے ہمراہ تھا۔ ہمارا قیام دہلی کی بستی نظام الدین میں مولانا وحید الدین خان صاحب کے ہاں تھا۔ حسن اتفاق سے مولانا علی میاںؒ بھی وہیں اپنے کسی معتقد کے ہاں قیام پذیر تھے۔ یوں مولانا سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ مولانا کا رویہ حسب معمول نہایت مشفقانہ اور محبت آمیز تھا۔ ۱۹۹۱ء میں انڈیا کے سفر کے موقع پر امیر تنظیم' مولاناؒ سے ملاقات کیلئے باہتمام لکھنؤ تشریف لے گئے۔ تکیہ شاہ عالم اللہ میں مولاناؒ سے تفصیلی ملاقات کا موقع میسر آیا۔ امیر تنظیم اسلامی کی شدید خواہش ہے کہ وہ مولاناؒ کی شخصیت اور ان سے اپنی ملاقاتوں کے حوالے سے ایک مفصل مضمون تحریر فرمائیں۔ توقع ہے کہ آئندہ شمارے کی اشاعت تک ان کا یہ عزم سعی سے دمساز ہو سکے گا۔ ذیل میں مولانا کی ایک دقیع تحریر افادۂ عام کیلئے پیش خدمت ہے۔ (عاکف سعید)

## انسان اور جانور کا فرق

دوستو اور بھائیو! جانوروں اور انسانوں میں ایک بہت بڑا فرق ہے' اور وہ یہ کہ جانوروں میں اپنی حالت سے بے اطمینانی اور اپنی زندگی کی ترقی کی کوئی صلاحیت نہیں ہوتی' لیکن انسان اس کا احساس رکھتا ہے۔ ہم اور آپ اپنی زندگی سے غیر مطمئن ہیں۔ اس بے اطمینانی کو عام طور پر بُرا سمجھا جاتا ہے' لیکن اگر یہ بے اطمینانی جو انسان کا جوہر ہے' ختم ہو جائے تو پھر زندگی کی خوبی اور دلچسپی ختم ہو جائے۔ ہر شخص زندگی کی شکایت کرتا ہے' اور اکثر گفتگو اس بے اطمینانی پر ہوتی ہے' مگر اس کو دور کرنے کی فکر اور اس کے اسباب پر غور کرنے کی تکلیف بہت کم لوگ گوارا کرتے ہیں' کیونکہ یہ ایک ذمہ داری کی چیز ہے' اور انسان ذمہ داری سے گھبراتا ہے۔

اگر کسی مشین یا ایک گھڑی میں خرابی ہو جائے تو اس کو گرانے اور پٹخنے سے وہ درست نہیں ہوتی' بلکہ اس کو آسانی اور سہولت سے درست کرنے ہی سے کام چلتا ہے۔ اسی طرح غور کرنا ہے کہ اِس وقت انسانیت کی چول تو اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی نہیں ہے اور یہ سارا بگاڑ اور بے اطمینانی انسانیت کی پستی ہی کا نتیجہ تو نہیں ہے' جس کے ذمہ دار ہم اور آپ ہیں۔

## انسان کے لئے سب سے محبوب اپنی ذات ہے

انسان کو سب سے زیادہ اپنی ذات سے محبت ہے' اور جس سے جتنی دلچسپی ہے وہ اپنی ذات کے تعلق کی بناء پر۔ ہر محبت میں انسان کی اپنی ذات چھپی ہوتی ہے' اور اس کو دیکھنے کے لئے ایک خوردبین کی ضرورت ہے۔ محبت کے فلسفہ پر غور فرمائیے کہ کسی شخص کو آپ سے محبت ہے تو یقیناً آپ کو بھی اس سے محبت ہوگی۔ اولاد' بھائیوں اور دوستوں کی محبت میں درحقیقت انسان کی اپنی محبت کام کرتی ہے۔ انسانی محبت کے لئے سائیکلوجیکل خوردبین کی ضرورت ہے۔ اگر انسان کو اپنی ذات سے محبت نہ ہو تو یہ سارا نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ اب تو یہ تسلیم کیا جا رہا ہے کہ قوتِ کشش کا فلسفہ بھی دراصل ایک تعلق اور محبت کا رشتہ ہے' جو نظام شمسی کو قائم رکھتا ہے' اس دنیا میں جو رونق اور رنگینی اور چہل پہل معلوم ہوتی ہے وہ سب انسان کی اپنی ذات سے دلچسپی رکھنے کا نتیجہ ہے۔ اگر انسان کو اپنی ذات سے دلچسپی نہ ہو تو بازار' کارخانے اور کاروباری سرگرمیاں سرد پڑ جائیں' کیونکہ ذاتی دلچسپی تو کسی چیز سے نہیں' بلکہ انسان کو اپنی ذات کا عشق دوسری چیزوں سے تعلق اور محبت پر مجبور کرتا ہے۔ یہ لاکھوں برس کی پرانی اور فطری حقیقت ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ طاقت' زینت اور

غلام آپ دیکھتے ہیں' یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ انسان اپنی ذات سے دلچسپی رکھتا ہے۔ انسان اس دنیا کا مرکز ہے اور ساری چیزیں اس کے گرد گھوم رہی ہیں۔ اگر انسان اپنی ذات سے دلچسپی نہ رکھے اور اس کو فراموش کردے' اپنی حقیقت سے ناواقف ہو اور اپنی ذات کو بھول جائے تو بڑی انارکی پھیل جائے اور بڑی ابتری اور بدنظمی رونما ہو۔

## ایک ذہنی طاعون

انسان کے لئے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ وہ اپنی حقیقت کو سمجھے' اپنی حیثیت کو پہچانے اور یہ جانے کہ یہ ساری دنیا میرے لئے بنائی گئی ہے اور انسان ہی اس دنیا کی پیدائش کا مقصد ہے۔ ذریعہ کو ذریعہ اور مقصد کو مقصد سمجھنا چاہئے۔ انسانی تاریخ کا یہ ایک بحرانی دَور اور ذہنی پلیگ ہے کہ وہ اپنی ذات کو فراموش کردے' اپنے مقصود اور وسائل و ذرائع کو الگ الگ نہ پہچانے اور ذرائع کو مقصود سمجھے۔ انسان پر خود فراموشی کا طاری ہونا ایک خطرناک بیماری ہے' جب کہ وہ یہ بھلادے کو وہ کس مقام پر رکھا گیا تھا' اور اس کی کیا حیثیت اور ذمہ داری ہے' اسے کون سا پارٹ ادا کرنا ہے اور اس کا اس عالم سے کیا تعلق ہے۔

اس زمانہ میں ایک خاص قسم کا ذہنی پلیگ پھیلا ہوا ہے' جو مشرق سے مغرب تک ہے۔ بظاہر تو انسان اپنی ذات سے اس قدر دلچسپی اس زمانہ میں رکھتا ہے۔ اس کے لئے جو محنتیں اور کوششیں کر رہا ہے اور جو ایجادات' اختراعات اور مصنوعات سامنے آرہی ہیں' وہ یہ دھوکہ دیتی ہیں کہ انسان کو اپنی ذات سے جس قدر دلچسپی اس زمانہ میں ہے ایسی دلچسپی کسی زمانہ میں نہیں رہی۔ انسان پچھلے دَور میں گویا سویا ہوا تھا' اب جاگا ہے۔ زندگی کو جیسا پُرتکلف اور راحت آشنا بنا دیا گیا ہے وہ یہ دعویٰ کرتی ہے کہ انسان کو اپنی ذات سے اِس وقت ہمیشہ سے زیادہ دلچسپی ہے۔ انسان اپنی ذات کے لئے جو ذہانتیں دکھا رہا ہے اور جو قوتیں استعمال کر رہا ہے' ایسا تاریخ میں کبھی نہیں ہوا اور اب بظاہر انسان کو اپنی ذات سے بے انتہا شیفتگی ہے۔ لباس نئے نئے' کھانے عجیب و غریب اور راحت و سہولت کے کتنے ذرائع نکل آئے ہیں۔

## اس زمانہ کی خود فراموشی

میں یہ عرض کروں گا کہ دراصل انسان نے اپنی ذات' اپنی آدمیت' اپنے جوہر' اپنے اصل ذائقہ اور اپنی حقیقی لذت کو جس قدر اس زمانہ میں بھلایا ہے۔ ایسا کبھی نہیں بھلایا تھا' انسان اس وقت سب سے کم اپنی ذات اور اپنے ذاتی مسائل پر غور کرتا ہے اور جو چیزیں اس

کے لئے پیدا کی گئی تھیں اس پر اپنی زندگی کو قربان کر رہا ہے۔ ظاہری چیزیں' جھوٹے ٹھاٹھ اور بیرونی لذتیں اس پر ایسی حاوی ہو چکی ہیں کہ وہ اپنے باطن اور اپنی حقیقت کو بالکل فراموش کر چکا ہے۔

یہ دَور دراصل دو متضاد پہلو رکھتا ہے' ایک ظاہر اور دوسرا باطن۔ اگر پرکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ اس مادی ترقی کے دَور میں انسان نے اپنے روحانی جوہر اور حقیقی مقصد اور زندگی کی اصل لذت کو بالکل بھلا دیا ہے' جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ اور لطف یہ کہ اپنے فرض کو نہیں پہچانتا' اپنی بیماری کو سنجیدگی سے نہیں سوچتا۔ اس کے ذرائع' مقاصد بن گئے ہیں۔ انسان ان چیزوں پر کیسے مر رہا ہے جو اسی کے لئے ہیں' ذرا غور کیجئے! انسان اپنی ذات سے واقف ہے؟ اپنی زندگی کا جائزہ لیجئے! کیا انسان اپنی حقیقی راحتوں کو یاد کرتا ہے؟ ہرگز نہیں' بلکہ انسان پر ایک جنون طاری ہے' اور وہ ایک عجیب کھیل کھیل رہا ہے۔ صبح سے شام تک ایک چکر میں رہتا ہے' جانوروں سے زیادہ محنت کرتا ہے۔ بہت سے انسان ایسے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو روپیہ ڈھالنے کی مشین سمجھ رکھا ہے۔

## لاحاصل کوشش

میرے بچپن میں بچے ایک کھیل کھیلا کرتے تھے کہ بڑھیا بڑھیا کیا ڈھونڈ رہی ہے؟ جواب ملتا تھا: سوئی' سوئی کا کیا کرے گی؟ جواب ملتا تھا: تھیلی سیوں گی' تھیلی کا کیا کرے گی؟ جواب ملتا تھا: روپیہ رکھوں گی' روپیہ کا کیا کرے گی؟ جواب ملتا تھا: گائے خریدوں گی' گائے کا کیا کرے گی؟ جواب ملتا تھا: دودھ پیوں گی' اُدھر سے جواب ملتا تھا: دودھ کے بدلے "موت"۔ آج ساری دنیا یہی کھیل کھیل رہی ہے۔ ساری دنیا اپنی محنتوں کے صلہ میں جو حاصل کرنا چاہئے تھا اس کے بجائے بے مقصد اور غیر حقیقی چیزوں میں الجھ کر رہ گئی ہے۔ انسان تعلیم حاصل کرتا ہے اور تعلیم اس لئے کہ روپیہ کمائے اور روپیہ اس لئے کہ آرام پائے۔ یہ ایک مسلسل زنجیر ہے' جس میں سارے انسان جکڑے ہوئے ہیں۔ انسان جس کے لئے سب کچھ کرتا ہے اس کو بھول جاتا ہے۔ آج حقیقی مقاصد زندگی بالکل فراموش کئے جا چکے ہیں۔ زندگی کا سارا سفر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ انسانیت جس کے لئے چلی تھی' وہ اس کا راستہ نہیں۔

## سکہ کی انسان پر حکومت

سکہ کس لئے ہے؟ اس کی قیمت یہی تو ہے کہ انسان اس سے کام لے۔ آپ نے بے

جان سکہ میں جان ڈالی' مگر سکہ کے یہ معنی تو نہیں کہ آپ اس سے عشق کریں۔ اس سے جو کام لینا چاہئے تھا وہ نہیں لیا جاتا' بلکہ سکہ اس وقت انسان پر حکومت کر رہا ہے۔ اس سکہ کے لئے دنیا میں وہ بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ آپ نے عہدوں' کوٹھیوں اور کرسیوں کو اپنے اوپر حکمران بنا لیا۔ انسان نے انسانوں کے خلاف خوفناک ہتھیار استعمال کئے' انسان نے انسانیت سے سرکشی کی' بغاوت کی' جس کے نتیجہ میں انسان کو انسان سے ہزار گنا ادنیٰ چیزوں کو اپنا حکمران بنانا پڑا۔ وہ چیزیں جن میں زندگی نہیں' لوچ نہیں' کوئی برتری نہیں' وہ انسان پر مسلط ہیں۔ یہ ایک عجیب اور عبرت ناک حال ہے کہ اشرف المخلوقات پر اس کے بنائے ہوئے قانون اور بے جان اشیاء حکومت کریں۔

## ذرائع مقاصد بن گئے

اس دنیا میں اکثر انسان ایسے ہیں جن کو یاد نہیں کہ ان کا مقام اور مقصد حیات کیا ہے۔ جو چیزیں انسان کے مقاصد کا صرف ذریعہ ہیں اُن پر ایسی محنتیں کی جا رہی ہیں کہ گویا وہی اصل مقاصد ہیں۔ اصل مقاصد کو بھلا کر انسان ہوس کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ دوسروں پر حکومت کرے' لیکن جب ایک کو دوسرے پر فتح ہوتی ہے تو اس پر دوسری چیزیں حکومت کرتی ہیں۔ ایک قوم کیا ایک فرد بھی گوارا نہیں کرتا کہ اس پر دوسرا حکومت کرے' مگر انسان سے ہزار درجہ پست چیزوں کو' مثلاً کپڑوں کو' کوٹھیوں کو' روپیہ کو آج ہم نے اپنے اوپر حکمران بنا رکھا ہے۔ انسان پر آج خواہشات کی' اپنے بنائے ہوئے قانون کی اور جمادات کی حکومت ہے' حالانکہ ان چیزوں میں ہرگز کوئی جاذبیت نہیں اور وہ ہرگز ہمارا مقصود بننے کے قابل نہیں' مگر ہم نے جمادات کو ترجیح دی انسانوں پر۔ ہم نے نباتات کو انسان سے افضل سمجھا' حالانکہ ہم میں آج لاکھوں انسان حقیقی آرام سے محروم ہیں' اور اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان نے انسانیت کو فراموش کر دیا اور اس پر ایک خود فراموشی طاری ہے۔

یقیناً ہم لوگ بھول چکے ہیں کہ ہمارا اصل مقام کیا ہے۔ ہماری غلط روش ہی سے ساری دنیا میں آج انتشار ہے۔ آج ہم عہدوں کے لئے جان دیتے ہیں اور اپنی حقیقی عزت اور اصل راحت کو فراموش کر چکے ہیں۔ جغرافیہ کس لئے ہے' اگر اس دنیا میں انسان نہ پیدا ہوتا تو تاریخ و جغرافیہ کی کیا ضرورت تھی۔ سارے علوم و فنون انسان ہی کے لئے تو ہیں' پھر یہ کیا ہے کہ انسان اپنی پوزیشن نہیں سمجھتا اور اپنی حقیقت سے دور ہوتا چلا جا رہا ہے۔ آپ کا اس دنیا سے کیا علاقہ ہے' ہم کس لئے آئے' کیا ہم اس دنیا میں اس لئے بھیجے گئے کہ دریاؤں پر دوڑیں اور ہوا میں اڑیں' اور مادی ترقیوں کو اپنا مقصد حیات بنا لیں۔ ہماری زندگی کا جو لباس ہے

اس میں برابر جھولی پڑتے جا رہے ہیں' اور دامن انسانیت آج تار تار ہے۔ ؎ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم!

خدا کے برگزیدہ بندے' جنہیں پیغمبر کہتے ہیں' دنیا میں اسی لئے آئے کہ انسان کو اس کا مقام اور مقصد زندگی بتلائیں۔ اور انہوں نے ایک موٹا اصول بتلایا کہ انسان اللہ کے لئے بنایا گیا ہے' اور یہ ساری مخلوق انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اگر ہم اور آپ یہ سمجھ لیں کہ ہم اس دنیا کے امین' ٹرسٹی اور نگران ہیں' تو یقیناً ہمارا اور آپ کا رویہ اور طرز زندگی بدل جائے اور دنیا میں جو فساد اور تباہی برپا ہے' وہ یقیناً دور ہو سکتی ہے۔

## دولت مند بننے کی ریس

لیکن اگر آپ یہ سمجھ بیٹھیں کہ آپ صرف روپیہ ڈھالنے کی مشین ہیں تو انسانیت کے لباس میں جھول پڑتے ہی جائیں گے۔ غیر محدود تعداد میں روپیہ پیدا کرنا جب آپ کا مقصد حیات ہو گا تو نہ آپ انسانی رشتہ کو ملحوظ رکھیں گے' نہ کسی کے دل کو ستانے میں عار ہو گا' نہ کسی پر ظلم کرنے میں ہچکچائیں گے۔ اگر آپ کا آئیڈیل یہ ہو گا کہ زندگی صرف عیش و آرام' دولت مند بننے اور تھوڑی مدت میں جلد از جلد روپیہ سمیٹنے کا نام ہے' پھر اس کا نتیجہ یہی ہو گا جو آج ہمارے سامنے ہے۔ خواہ انسانیت کا خون ہو اور آدمیت برباد ہو' مگر ہر انسان دولت مند بننے کی اس ریس میں آگے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ساری اخلاقی تعلیمات طاق پر رکھی ہوئی ہیں' اور ہر ایک شہر میں ایک ریس کا میدان گرم ہے۔ دفتروں میں شام ہونے سے پہلے کلرک چاہتا ہے کہ جیب بھرے۔ اس وقت فلسفہ' شاعری اور فائن آرٹس کا مقصد بھی دولت کمانا اور شہرت حاصل کرنا ہے۔ اور ولایت میں تو روحانیت کا مقصد بھی یہی بن گیا ہے کہ دولت حاصل ہو۔

## سکہ کے اخلاق

آپ جس چیز سے محبت کریں گے اس کا عکس آپ پر ضرور پڑے گا۔ آج روپیہ کی محبت کا عکس بھی پوری انسانیت پر پڑ رہا ہے۔ روپیہ کی بے وفائی اور اس کا تلون آج ہمارے دماغوں میں اور دلوں میں گھس چکا ہے۔ سارا دھیان گیان آج اس سکہ کے دھیان میں مٹ چکا ہے۔ ہم میں سکہ کی خاصیت' یعنی سختی' تلون اور بے وفائی پائی جا رہی ہے۔ ساری عمر کی کوشش کے باوجود اور روپیہ زیادہ سے زیادہ کمانے پر بھی آج دنیا کو وہ فائدہ نصیب نہیں ہوتا جو سکہ کا مقصد تھا' کیونکہ انسانی ہمدردی اور جذبۂ خدمت کے بغیر سکون کی دولت حاصل

نہیں ہو سکتی۔ انسانوں کی حق تلفی انسانیت کا خون ہے۔ آئیڈیل کی حکومت ہر زمانہ میں رہی، مگر کیا کسی زمانہ میں بھی انسانی زندگی کا یہ آئیڈیل رہا ہے کہ دولت کے حصول کی خاطر انسان کا نازک دل بھی ملے تو اس کو روندتا چلا جائے۔ انسانی اخلاق آج ہم سے رخصت ہو گیا۔ سکہ کے نام پر آج انسان انسان کا دشمن بنا ہوا ہے۔

## تاجر اور خریدار

آج بھائی بھائی کو گاہک یا خریدار کی نظر سے دیکھتا ہے، اور ساری دنیا دو گروہوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے، ایک تاجر اور دوسرا خریدار۔ آج دنیا کو اصرار ہے کہ ساری زندگی اسی بازار میں گزارے۔ انسانوں نے انسانوں کے دلوں میں گھر کرنا، دلوں کو آباد کرنا، صورتوں پر نظر ڈالنا اور باہمی رشتوں کو قائم رکھنا اور ایک دوسرے کے حقوق کو سمجھنا بالکل ختم کر دیا۔ اس دنیا میں گویا سارے رشتے ختم ہو چکے، تمام جذبات سرد پڑ گئے، اور ساری محبتیں اٹھ چکیں، اور اب ایک تاجر دوسرا خریدار بن کر زندگی گزارنا چاہتا ہے، اور ایک دوسرے کی جیب پر نظر جمائے ہوئے ہے۔ اس دولت نے اولاد کے دلوں سے والدین کی محبت نکال دی، چیلوں کی دلوں سے گروؤں اور استادوں کی عظمت ختم کر دی، ماں باپ کے دلوں سے اولاد کی شفقت کھو دی اور ساری زندگی ایک دُکان بن کر رہ گئی۔ بے لوث ہمدردی اور خدمت کا جذبہ نیست و نابود ہو چکا، اور حقیقی لطف اب زندگی سے اُٹھ چکا۔ ہر شخص دوسرے کو گاہک کی نظر سے دیکھتا اور سوچتا ہے کہ کیا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اگر دنیا میں صرف دُکاندار اور گاہک ہی بستے ہوں تو کیا خاک لطف زندگی ہو۔

۱۹۴۷ء سے پہلے انگریزوں کے دورِ حکومت میں ایسے استاد دیکھنے میں آئے جو پڑھانے کا بل بنا کر دیتے تھے، اور ایک کلکٹر صاحب نے، جن کا لڑکا اُن کے پاس آکر ٹھہرا تھا، اس کے قیام کا بل بھی بنا کر دے دیا تھا۔ اب تو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا ہے کہ بے جان اور بے زبان چیزیں بھی بل پیش کرنے لگیں، درخت اپنے سایہ میں کھڑے ہونے کا بل بنانے لگیں، زمین اپنے اوپر چلنے کا معاوضہ طلب کرنے لگے۔ یہ زندگی کیا ہے، ایک منڈی بن گئی ہے، لیکن ساری زندگی منڈی میں کیونکر گزرے۔

## دولت کا ضرورت سے زائد احترام

سب سے پہلے ہماری نظر جب کسی پر پڑتی ہے تو اس کے لباس، معیارِ زندگی اور مالی حیثیت کو دیکھتے ہیں۔ اس کے اخلاق اور اس کی انسانیت کی ہمارے بازار میں کوئی قدر و قیمت

نہیں۔ آج انسان ہاتھیوں کی طرح ایک سونے کے پہاڑ کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ آج ہمیں کون سی چیز زندگی کی حقیقی خوشی اور لذت سے آشنا کر رہی ہے۔
پیغمبروں نے انسانوں کو بتلایا تھا کہ اگر تم نے اپنے آپ کو دنیا کا تابع کر لیا اور اپنی خواہشات کو اپنے اوپر مسلط کر لیا تو یہ ساری زندگی غیر فطری اور بد نظم ہو جائے گی' اور ایک ایسی انار کی پھیلے گی کہ یہی دنیا تمہارے لئے جہنم بن جائے گی۔ اگر انسان نے اپنے آپ کو نہیں پہچانا تو وہ اپنے مقام سے گرتا چلا جائے گا اور انسانیت تباہ و برباد ہو گی۔

## مقام انسانیت

قرآن شریف میں بتلایا گیا ہے کہ انسان کو پیدا کر کے فرشتوں کو اس کے آگے جھکایا گیا' جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسانیت کی یہ ایک تذلیل ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کے سوا کسی کے سامنے جھکے' جبکہ خدا کے بعد اس کے فرشتے ہی سب سے زیادہ جھکنے کے قابل تھے' کیونکہ وہ اس عالم کے کارپرداز ہیں۔ وہ اللہ کے حکم سے بارش لاتے ہیں' ہوائیں چلاتے ہیں۔ جس طرح حاکم اپنے نائب کا اپنے اہل کاروں سے تعارف کراتا ہے اسی طرح خدا نے انسان کے آگے فرشتوں کو جھکا کر ایک تعارف یا انٹروڈکشن کرایا کہ انسان کی نسل کو قیامت تک کے لئے یہ سبق یاد رہے کہ وہ بجز خدا کے کسی کے آگے جھکنے کے قابل نہیں' مگر انسان اپنی ہستی اور ذات کو فراموش کر کے انسانیت کی تذلیل اور خون کر رہے ہیں۔

## انسان کا اصل دشمن

جنگی تاریخیں صاف بتلاتی ہیں کہ بجز ہوس کی آگ' نفس کی آگ اور پیٹ کی آگ کو بجھانے کے اور کوئی اہم مقصد حکومتوں کے سامنے نہیں رہا۔ کسی سیارے اور کسی مریخ سے کوئی دشمن نہیں اترا' باہر سے کوئی ستانے کے لئے نہیں آیا' کسی دوسرے ملک سے بھی ہمیں تباہ کرنے کے لئے کوئی نہیں آیا' بلکہ جو کچھ ہماری مصیبتیں ہیں وہ ہمارے ہاتھوں کی لائی ہوئی اور ہماری اخلاقی پستی کا نتیجہ ہیں۔
آپ سے پہلے جو قومیں دنیا میں تباہ ہوئیں ان پر کسی مرض یا وبا سے تباہی نہیں آئی' بلکہ وہ اپنے اخلاق کی خرابی' دولت پرستی اور کیریکٹر کی گراوٹ سے تباہ ہوئیں۔ سیاسی پارٹیاں چاہے جو مرض اور بیماری بتلائیں' مگر میں تو یہی کہتا ہوں کہ اصل بیماری انسانیت کی تباہی اور اخلاقی پستی ہے۔

## آنکھوں کی ہوس

میں چیلنج کرتا ہوں کہ کوئی ماہر اقتصادیات یہ ثابت کرے کہ جتنی پیداوار ہے اس سے زیادہ آبادی ہے۔ کیونکہ اللہ نے جس انسان کو پیدا کیا ہے' اس کا رزق بھی پیدا کیا ہے' مگر آج انسان کی ہوس اتنی بڑھ چکی ہے کہ وہ چاہے ایک سیر نہ کھا سکے' مگر اپنے پاس ایک من دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ آنکھوں کی ہوس کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ آج فرضی ضرورتوں کی فہرست اتنی طویل ہو چکی ہے کہ جس کی تکمیل کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔ ہماری ضرورتوں کا پورا کرنا اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے' مگر اللہ نے یہ ذمہ نہیں لیا کہ آپ چار موٹروں کی ہوس کریں' آپ سینما کی ہوس کریں' آپ روپیہ جمع کرنے کی ضرورت سمجھیں۔ آج اگر انسانوں میں سکون پیدا ہو سکتا ہے' اگر زندگی بہترین بن سکتی ہے' تو اس کا راستہ صرف یہ ہے کہ ایک اچھا قانون تلاش کریں۔

## مذہب کو کسی سفارش کی ضرورت نہیں

مذہب کو کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں۔ جو لوگ مذہب کو ایک مظلوم کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں مَیں ان لوگوں میں نہیں۔ ہماری مصیبتیں' ہماری پریشانیاں ہمیں اس بات پر خود مجبور کرتی ہیں کہ ہم مذہب کو اپنائیں۔ آپ کب تک ضد کریں گے اور کب تک اپنی آنکھوں میں خاک ڈالے رہیں گے۔ آخر آپ کو اپنی بے لطف اور تلخ زندگی کا چسکا کب تک پڑا رہے گا۔ آج میں دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں کہ کوئی قانون اور کنٹرول انسانوں کو بداخلاقی اور جرائم سے نہیں روک سکتا' بلکہ خدا کا خوف' اس کا مذہب سے تعلق' انسانوں سے محبت ہی ہماری بیماریوں کا واحد علاج ہے۔ آج افسوس یہ ہے کہ اس لمبے چوڑے ملک میں' جس میں کروڑوں انسان بستے ہیں اور بڑے سے بڑے انسان ہیں' جو ہمارے لئے قابل فخر ہیں' مگر اخلاقی کمزوریوں کو دور کرنے اور روحانی اور انسانی زندگی کو رواج دینے کے لئے کوئی تحریک اور کوئی جماعت نظر نہیں آتی۔ ہم نے بہت انتظار کیا اور آخر یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ ہم سے بن پڑے اس کو شروع کر دیں۔

## آزادی کی حفاظت

میں آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ آزادی حاصل کرنا تو بہت اچھا ہے' مگر اس کو برقرار رکھنا اس کے بغیر ناممکن ہے کہ ہماری اخلاقی حالت درست ہو اور ہماری زندگی میں انسانیت زندہ ہو۔ دنیا کی تاریخ بتلاتی ہے کہ کوئی ملک اور کوئی حکومت بغیر اخلاقی بلندی اور انسانیت کی بقا

کے قائم نہیں رہ سکتی۔

آج یہ کام ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لئے ضروری ہے۔ آپ اس یقین کے ساتھ اس سے تعاون کریں کہ بغیر ایک بے لوث خدمت کے جذبہ اور اخلاقی بلندی اور انسانیت کی بیداری کے ہماری زندگی کی مصیبتیں دور نہیں ہو سکتیں۔

## یورپ زندگی سے مایوس ہے

یورپ جو آج دنیا کا امام بنا ہوا ہے اپنی مادی ترقی کے ساتھ ساتھ زندگی سے مایوس ہو رہا ہے' اور زندگی کے حقیقی لطف اور اصل سکون سے محروم اور خالی ہاتھ ہے اور اپنی مادہ پرستی سے بددل ہو رہا ہے۔

## مسلمانوں کا فرض منصبی

مسلمانوں سے میں صاف کہتا ہوں کہ آپ کو جتنا اصرار خدا کی وحدانیت پر' خدا کی ذات پر اور خدا کے دین پر ہے' اس کا تقاضا یہ تھا کہ آپ دنیا میں اس اعلان کو عام کرتے اور اس دبی ہوئی حقیقت کو ابھارتے' دوسرے بھائیوں کو یہ بھولا ہوا سبق یاد دلاتے' مگر آپ نے اس کی فکر تک نہ کی۔ آپ دوسرے ملکوں پر نظریں لگانا چھوڑ دیں' اپنے اسلاف کی تاریخ پر نظر ڈالئے کہ اسپین میں لنگرانداز ہونے پر جب طارقؒ نے اپنے جہازوں کو آگ لگوا دی' تو جب ان سے دریافت کیا گیا کہ ایسا کیوں کیا تو تلوار پر ہاتھ ڈال کر جواب دیا کہ جو بزدل جہازوں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو وہ ناامید ہو جائے' لیکن ہمارا معبود تو صرف ایک اللہ ہے' جو حی و قیوم ہے' ہم اس کے پیغام کو لے کر آئے ہیں اور اب ہمیں اسی ملک میں جینا اور مرنا ہے۔ آپ اس ملک میں توحید کا تحفہ دے سکتے ہیں' اور یہ تحفہ قبول کرنے کے قابل ہے۔ میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ تم اس ملک میں رہنے کا فیصلہ کرو' کوئی مانے یا نہ مانے مگر تم اس ضرورت کو محسوس کرو۔

## ہر چیز اپنے مقام سے ہٹی ہوئی ہے

اس ملک کا سدھار اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک بے لوث خدمت' صحیح جذبہ' اخوت و مساوات اور انسانی ہمدردی کا جذبہ نہ پیدا ہو۔ انسان کی زندگی کا اصل مقام اور حقیقی مقصد خلیفۃ اللہ (خدا کا نائب) ہونا ہے' مگر تم ایک سکہ کے پاؤں تلے اپنا سر رکھنے لگے' تم نے سکہ کو جیب میں جگہ دینے کے بجائے اپنے دلوں میں اور دماغوں میں جگہ دی۔ گھر گھر جو شوالہ اور مسجد بنی ہوئی ہے وہ روپے کا شوالہ اور مسجد ہے' جہاں روپے کی پرستش ہو رہی

ہے۔ خدا کے نائب اور سچے پرستار بن جاؤ' اس زندگی کی چول بیٹھ جائے گی' تم اپنے مقام پر آ جاؤ' ہر چیز اپنے مقام پر آ جائے گی۔

(یہ تقریر ۲۲ جنوری ۱۹۵۴ء کو ساڑھے سات بجے شب ٹاؤن ہال غازی پور کے ایک جلسۂ عام میں ہوئی' جس میں ہندو مسلمان تعلیم یافتہ اصحاب کی کافی تعداد شریک تھی۔)

# مسلمان کا طرزِ حیات (۴)

علامہ ابوبکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منهاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم: مولانا عطاء اللہ ساجد

**کتاب العقائد**

**چھٹا باب**

## اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان

اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں نازل کی ہیں اور بعض پیغمبروں پر صحیفے نازل کیے ہیں، مسلمان ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے جو اس نے اپنے رسولوں پر وحی کے ذریعے نازل کیا ہے، تاکہ وہ بندوں تک اللہ کے احکام اور دین و شریعت پہنچادیں۔ ان کتابوں میں چار کتابوں کو سب سے زیادہ عظمت کا مقام حاصل ہے۔ قرآن مجید جو ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا، تورات جو اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، زبور جو اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی اور انجیل جو اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اِن سب کتابوں پر قرآن مجید کو عظمت و فوقیت حاصل ہے، اس سے سابقہ کتابوں کے احکام و شرائع منسوخ ہو گئے ہیں۔

اللہ کی کتابوں کے متعلق اِن عقائد کی تائید مندرجہ ذیل نقلی اور عقلی دلائل سے ہوتی ہے:

### ○ نقلی دلائل

① اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں ہمیں اپنی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے:

﴿ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ ﴾ (النِّسَاء: ۱۳۶)

"اے مومنو! ایمان لاؤ اللہ پر' اُس کے رسول پر' اُس کی کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول پر نازل کی اور اُس کتاب پر جو اُس نے اِس سے پہلے نازل کی۔"

(۲) اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل فرامین میں ان کتابوں کے متعلق بتایا ہے ۔۔۔ ارشاد ہے:

﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ○ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ○ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ﴾ (آل عمران: ۲-۴)

"اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' زندہ اور قائم رہنے والا ہے' اس نے آپ (محمد ﷺ) پر کتاب نازل کی جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اس سے پہلے تورات اور انجیل کو لوگوں کی راہنمائی کے لیے نازل فرمایا' اور اس نے فرقان نازل کیا۔"

اس کے علاوہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ... ﴾ (المائدة ۴۸)

"اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر فوقیت رکھتی ہے . . ."

اور ارشاد فرمایا:

﴿ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ○ ﴾ (النّساء: ۱۶۳)

"اور ہم نے داؤد کو زبور دی۔"

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ○ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ○ وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ○ ﴾ (الشّعراء ۱۹۲-۱۹۶)

"اور بے شک یہ جہانوں کے رب کا اتارا ہوا ہے۔ اسے روح الامین (جبریل علیہ السلام) لے کر اترے' آپ کے دل پر' تاکہ آپ تنبیہ کرنے والوں میں سے

ہو جائیں۔ واضح عربی زبان میں۔ اور بے شک یہ پہلے (پیغمبروں کے) صحیفوں میں (مذکور) ہے۔"

اور فرمایا :

﴿ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ○ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰی ○ ﴾

(الاعلیٰ : ۱۸'۱۹)

"بے شک یہ پہلے صحیفوں میں ہے' ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔"

(۳) جناب رسول اللہ ﷺ نے بہت سی احادیث میں سابقہ آسمانی کتابوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ مثلاً آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((اِنَّمَا بَقَاؤُکُمْ فِیْمَنْ سَلَفَ کَمَا بَیْنَ صَلَاۃِ الْعَصْرِ اِلٰی غُرُوْبِ الشَّمْسِ ' اُوْتِیَ اَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ فَعَمِلُوْا بِهَا حَتّٰی انْتَصَفَ النَّهَارُ' ثُمَّ عَجَزُوْا' فَاُعْطُوْا قِیْرَاطًا قِیْرَاطًا' ثُمَّ اُوْتِیَ اَهْلُ الْاِنْجِیْلِ الْاِنْجِیْلَ فَعَمِلُوْا بِهٖ حَتّٰی صُلِّیَتِ الْعَصْرُ' ثُمَّ عَجَزُوْا' فَاُعْطُوْا قِیْرَاطًا قِیْرَاطًا' ثُمَّ اُوْتِیْتُمُ الْقُرْآنَ فَعَمِلْتُمْ بِهٖ حَتّٰی غَرَبَتِ الشَّمْسُ' فَاُعْطِیْتُمْ قِیْرَاطَیْنِ قِیْرَاطَیْنِ' فَقَالَ اَهْلُ الْکِتَابِ . اَقَلُّ مِنَّا عَمَلاً وَ اَکْثَرُ اَجْرًا؟ قَالَ اللّٰهُ "هَلْ ظَلَمْتُکُمْ مِنْ حَقِّکُمْ مِنْ شَیْءٍ؟" قَالُوْا لَا' قَالَ "هُوَ فَضْلِیْ اُوْتِیْهِ مَنْ اَشَاءُ")) (۱)

"سابقہ (اُمتوں کے) لوگوں کے مقابلہ میں تمہارا (دنیا میں) رہنا اس طرح ہے جس طرح (باقی دن کے مقابلے میں) عصر سے غروبِ آفتاب تک کا وقت۔ تورات والوں کو تورات دی گئی' انہوں نے اس کے مطابق کام کیا حتیٰ کہ دوپہر ہو گئی' پھر وہ عاجز آ گئے' پس انہیں ایک ایک قیراط (اجرت کے طور پر) دے دیا گیا۔ پھر انجیل والوں کو انجیل دی گئی' انہوں نے اس کے مطابق کام کیا حتیٰ کہ عصر کی نماز پڑھی گئی' پھر وہ بھی تھک گئے' انہیں بھی (مزدوری کا) ایک ایک قیراط دے دیا گیا۔ پھر (اے مسلمانو!) تمہیں قرآن دیا گیا' تم نے غروب آفتاب تک کام کیا' تو تمہیں دو دو قیراط دے دیئے گئے۔ اہلِ کتاب نے کہا: (ان مسلمانوں نے) کام ہم سے کم کیا ہے اور مزدوری انہیں زیادہ دی گئی ہے' تو اللہ

تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تمہیں تمہارا حق دینے میں کوئی ظلم کیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں' تو فرمایا: یہ میرا فضل ہے' میں جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں"۔

ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

(( خُفِّفَ عَلٰی دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ الْقُرْآنُ [ الْقِرَاءَةُ ] فَكَانَ يَاْمُرُ بِدَوَابِّهٖ فَتُسْرَجُ فَيَقْرَاُ الْقُرْآنَ [ التَّوْرَاةَ اَوِ الزَّبُوْرَ ] قَبْلَ اَنْ تُسْرَجَ دَوَابُّهٗ وَلاَ يَاْكُلُ اِلاَّ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ )) (۲)

"داؤد علیہ السلام پر قراءت آسان کر دی گئی تھی حتیٰ کہ وہ اپنے (سواری کے) جانوروں پر کاٹھی وغیرہ کسنے کا حکم دیتے اور جانوروں کے تیار ہونے سے پہلے قرآن (یعنی تورات یا زبور) پڑھ لیتے۔ اور وہ صرف اپنے ہاتھوں سے کام کر کے (محنت کی کمائی) کھاتے تھے۔"

ارشادِ نبویؐ ہے :

(( لاَ حَسَدَ اِلاَّ فِی اثْنَتَيْنِ : رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ ..... )) (۳)

"حسد صرف دو چیزوں میں (جائز) ہے۔ ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا (یعنی قرآن یاد کرنے کی توفیق دی) اور وہ رات اور دن کے اوقات میں تلاوت کرتا رہتا ہے (اس پر رشک کرنا چاہئے)...."

اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا :

(( تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ : كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهٖ ﷺ )) (۴)

"میں تم لوگوں میں وہ کچھ چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر اسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے' وہ ہے اللہ کی کتاب (قرآن) اور اس کے رسول ﷺ کی سنت (حدیث)۔"

نیز فرمایا :

(( لاَ تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلاَ تُكَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِالَّذِیْ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ' وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ

مُسْلِمُوْنَ)؟[۵]

"اہلِ کتاب کی تصدیق نہ کرو اور تکذیب بھی نہ کرو۔ بس یوں کہو: ہم اُس چیز پر ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور اُس چیز پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تمہاری طرف نازل ہوئی تھی' ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔"

④ ہر دور میں ہر علاقے کے کروڑوں علماء اور دانشور اس بات پر پختہ یقین کے حامل رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر وحی کے ذریعے اپنی کتابیں نازل کی ہیں' اور وہ پیغمبر اس کی مخلوق میں سے بہترین اور بزرگ ترین افراد تھے۔ ان کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات اور غیب کی خبریں بیان فرمائیں' اس کے علاوہ دین و شریعت کے مسائل اور وعد و وعید کا تذکرہ فرمایا۔

## ○ عقلی دلائل

① انسان ضعیف ہے' اسے اپنے جسم اور روح کی اصلاح کے لیے رب کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اِس کا تقاضا ہے کہ شریعت و قانون پر مشتمل کتابیں نازل ہوں جن کی روشنی میں انسان اپنے کمال تک پہنچ سکے اور اس کی دنیوی اور اُخروی زندگی کی ضرورتیں پوری ہو سکیں۔

② انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ ہیں' لیکن وہ انسان ہیں جو کچھ عرصہ زندہ رہ کر فوت ہو جاتے ہیں۔ اگر ان کی تعلیمات کتابوں میں نہ لکھی جاتیں تو ان کی وفات کے ساتھ ہی وہ بھی ختم ہو جاتیں اور لوگوں کا رسالت سے تعلق نہ رہتا۔ اس طرح وحی اور رسالت کا اصل مقصد فوت ہو جاتا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ اُس کی طرف سے سچی اور یقینی کتابیں نازل کی جائیں۔

③ اگر اللہ کی طرف دعوت دینے والے رسول کے پاس رب کی طرف سے نازل ہونے والی شریعت' ہدایت اور خبر پر مشتمل کتاب نہ ہوتی تو لوگ آسانی سے اس کی رسالت کا انکار کر دیتے۔ اس کیفیت کا تقاضا یہ ہوا کہ لوگوں پر حجت قائم کرنے کے لیے خدائی کتابیں نازل کی جائیں۔

"ہم نے آپ پر یہ جو قرآن نازل کیا ہے ' اسے بہترین انداز سے بیان کرتے ہیں اور آپ اس (کے نزول) سے قبل بے خبر تھے۔"

اور ارشاد ہوا :

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ ﴾ (النّساء : ۱۰۵)

"یقیناً ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ آپ اللہ کی دی ہوئی بصیرت کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔ اور آپ خیانت کرنے والوں کے حق میں کبھی جھگڑا نہ کیجئے۔"

ایک مقام پر فرمایا :

﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾

(المآئدۃ : ۱۵'۱۶)

"اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا ہے ' تمہیں بہت سی وہ چیزیں وضاحت سے بتاتا ہے جو تم کتاب میں سے چھپا لیتے تھے ' اور (تمہاری بہت سی غلطیاں) معاف کر دیتا ہے۔ تحقیق تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور ایک بیان کرنے والی کتاب آگئی ہے ' اس کے ذریعے اللہ ان لوگوں کو سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اس کی رضا (کے باعث احکام) کی پیروی کرتے ہیں ' اور انہیں اپنے اذن سے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور سیدھی راہ کی طرف ان کی راہنمائی فرما دیتا ہے۔"

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا :

﴿ . . . فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ ﴾

(طٰهٰ : ۱۲۳'۱۲۴)

# قرآن کریم پر ایمان

ہم قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کی کتاب ہے جو اُس نے اپنے سب سے افضل رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی' جس طرح سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام پر مختلف کتابیں نازل فرمائیں۔ چونکہ جناب رسولِ اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول اور خاتم النبیین ہیں' لہٰذا آپ ﷺ پر نازل ہونے والے قرآن مجید کی وجہ سے سابقہ آسمانی کتابوں میں نازل ہونے والے تمام احکام مکمل ہو گئے ہیں۔

یہ کتاب عظیم ترین ربانی تشریع اور خدائی قانون پر مشتمل ہے۔ اس پر عمل کرنے والے کے لیے اس کے نازل کرنے والے نے دونوں جہان کی سعادت کی گارنٹی دی ہے' اور اس کو اہمیت نہ دیتے ہوئے اس پر عمل نہ کرنے والے کے لیے دونوں جہان میں خرابی کی خبر دی ہے۔

یہ واحد کتاب ہے جس کے متعلق اللہ نے ضمانت دی ہے کہ وہ تا قیامِ قیامت کمی بیشی اور تبدیلی سے محفوظ رہے گی۔

اس عقیدے کے نقلی اور عقلی دلائل مندرجہ ذیل ہیں :

## نقلی دلائل

① اللہ عزّوجل نے ارشاد فرمایا :

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝ ﴾

(الفرقان ۱)

"برکتوں والا ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ جہانوں کو خبردار کرنے والا بن جائے۔"

نیز فرمایا :

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ۝ ﴾ (یوسف : ۳)

"پس جو کوئی میری ہدایت پر چلے گا وہ نہ گمراہ ہوگا نہ بدنصیب ہوگا۔ اور جس نے میرے ذکر (یاد اور نصیحت) سے منہ موڑا' اسے (دنیا میں) تنگ گزران ملے گی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔"

اس کے علاوہ اللہ عزّوجل نے اس کتاب کا اس طرح تعارف کرایا ہے :

﴿ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ ﴾ (فُصِّلت : ۴۱'۴۲)

"حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک زبردست کتاب ہے' باطل نہ اس کے سامنے سے آ سکتا ہے اور نہ پیچھے سے' یہ ایک حکمت والے قابل تعریف (اللہ) کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔"

اور ارشاد ہے :

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ﴾ (الحجر : ۹)

"یقیناً ہم ہی نے اس نصیحت (قرآن) کو نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ بھی ہیں۔"

(۲) جس پیغمبر ﷺ پر یہ کتاب نازل ہوئی اس نے اپنے بہت سے فرامین کے ذریعے اس کی وضاحت فرمادی' مثلاً ارشاد ہوا :

(( اَلَا اِنِّيْ اُوْتِيْتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ )) (۱)

"سنو! مجھے کتاب دی گئی ہے' اور اس کے ساتھ ویسی ہی ایک اور چیز (حدیث) بھی دی گئی ہے"

اور فرمایا :

(( خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ )) (۲)

"تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔"

نیز ارشاد فرمایا :

(( لَا حَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ : رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ' وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهٗ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ )) (۳)

"حسد صرف دو چیزوں میں (مناسب) ہے' ایک وہ شخص جسے اللہ نے قرآن دیا' وہ رات اور دن کے اوقات میں اس کی تلاوت کرتا ہے' اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا' وہ رات اور دن کے اوقات میں اسے خرچ کرتا ہے (صرف ان دو شخصوں پر رشک کرنا چاہیئے۔)

ایک حدیث میں ارشاد ہے:

(( مَا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ اِلاَّ وَقَدْ اُعْطِيَ مِنَ الْاٰيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ' وَاِنَّمَا كَانَ الَّذِيْ اُوْتِيْتُهُ وَحْيًا اَوْحَاهُ اللّٰهُ اِلَيَّ ' فَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ )) (۴)

"ہر نبی کو ایسے معجزات دیئے گئے تھے جن کی وجہ سے لوگ ایمان لائے' مجھے جو (معجزہ) دیا گیا وہ وحی ہے جو اللہ نے میری طرف نازل کی۔ مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن سب انبیاء سے زیادہ میرے پیروکار ہوں گے۔"

اور نبی اکرم ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

(( لَوْ كَانَ مُوْسٰى اَوْ عِيْسٰى حَيًّا لَمْ يَسَعْهُ اِلاَّ اتِّبَاعِيْ )) (۵)

"اگر موسیٰ یا عیسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کئے بغیر چارہ نہ ہوتا۔"

(۳) اربوں مسلمان ایمان رکھتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے جو اس نے وحی کے ذریعے اپنے نبی ﷺ پر نازل فرمایا۔ وہ اس پر پختہ یقین رکھتے ہیں' اس کی تلاوت کرتے ہیں' اور اسے حفظ کرتے ہیں اور اس میں نازل کردہ احکام پر عمل کرتے ہیں۔

## ○ عقلی دلائل

(۱) قرآن مجید میں مختلف اقسام کے علوم موجود ہیں' حالانکہ جس نبی (ﷺ) پر وہ نازل ہوا وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے' نہ وہ کسی مدرسہ یا سکول میں داخل ہوئے۔

ا۔ کائنات سے متعلق سائنسی علوم

ب۔ تاریخی علوم

ج۔ شریعت اور قانون کے علوم

د۔ حربی اور سیاسی علوم وغیرہ

قرآن مجید میں ان مختلف علوم کی موجودگی اس امر کی پختہ دلیل ہے کہ یہ اللہ کا کلام

اور اس کی وحی ہے۔ کیونکہ عقل کا فیصلہ یہی ہے کہ جس انسان نے پڑھنا لکھنا بالکل نہیں سیکھا اس سے اس قسم کے بے شمار علوم ظاہر نہیں ہو سکتے۔

② اس کتاب کو نازل کرنے والے رب تعالیٰ نے تمام جن و انس کو چیلنج دے کر کہا ہے کہ وہ اس جیسا کلام پیش نہیں کر سکتے' چنانچہ ارشاد ہے :

﴿ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴾

(بنی اسرائیل : ۸۸)

"کہہ دیجئے (اے نبیؐ) کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لا سکیں گے چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں"۔

اسی طرح اس نے عرب کے فصحاء و بلغاء کو یہ چیلنج دیا کہ اس جیسی دس سورتیں بنا لائیں' بلکہ ایک سورت ہی بنا لائیں' لیکن وہ سب مل کر بھی ایک سورت بھی پیش نہ کر سکے۔

یہ سب سے بڑی اور سب سے مضبوط دلیل ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے' کسی انسان کا اس کلام میں کوئی حصہ نہیں۔

③ قرآن مجید میں غیبی امور کے متعلق بہت سی خبریں اور مستقبل کی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ ان میں سے بہت سے واقعات قرآن مجید کی بیان کردہ تفصیل کے بعینہٖ مطابق پیش آ چکے ہیں۔ (٦)

④ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے علاوہ دوسرے رسولوں پر بھی کتابیں نازل کی ہیں ـــــ مثلاً موسیٰ علیہ السلام پر تورات اور عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل ـــــ لہٰذا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ قرآن مجید بھی اللہ نے نازل کیا ہو جس طرح سابقہ کتابیں نازل کی تھیں۔ کیا عقل نزولِ قرآن کو ناممکن قرار دیتی ہے؟ ہرگز نہیں' بلکہ عقل کا فیصلہ یہی ہے کہ قرآن مجید یقیناً اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

⑤ قرآن مجید کی پیشین گوئیوں کو ایک ایک کر کے دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ اسی طرح پوری ہوئیں جس طرح قرآن نے کہا تھا۔ قرآن کے بیان کردہ واقعات کو دیکھا گیا تو

وہ اسی طرح وقوع پذیر ہوئے جس طرح قرآن نے بیان کیا۔ اس میں بیان کردہ احکام و قوانین کو عمل اور تجربہ کی کسوٹی پر پرکھا گیا تو ان سے وہ تمام مقاصد عملاً حاصل ہوئے جو مقصود تھے' مثلاً امن و امان (7)' قوت و غلبہ' عزّو شرف' علم و عرفان۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سلطنت کی تاریخ اس کی واضح ترین مثال ہے۔

کیا اس کے بعد بھی کسی اور دلیل کی ضرورت ہے جس سے ثابت ہو کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے جو اس نے وحی کے ذریعے اپنی مخلوق میں سے عظیم ترین ہستی اور خاتم النبیین والمرسلین جناب محمد ﷺ پر نازل فرمایا؟

## حواشی

**چھٹا باب :**

(۱) صحیح البخاری' کتاب مواقیت الصلاۃ' باب من ادرک رکعۃ من العصر قبل الغروب

(۲) صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب قول اللہ تعالٰی وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا

(۳) صحیح البخاری' کتاب التمنی' باب تمنی القرآن والعلم

(۴) مستدرک حاکم۔ سند کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے امام مالک نے بھی موطا میں روایت کیا ہے' لیکن انہوں نے اس کی پوری سند بیان نہیں فرمائی۔

(۵) صحیح البخاری' کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ' باب قول النبی ﷺ ((لَا تَسْاَلُوْا اَھْلَ الْکِتٰبِ عَنْ شَیْءٍ))

**ساتواں باب :**

(۱) سنن ابی داوٗد' کتاب السنۃ' باب فی لزوم السنۃ

(۲) صحیح البخاری' کتاب فضائل القرآن' باب خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ۔ سنن ابی داوٗد' کتاب الوتر' باب فی ثواب قراءۃ القرآن۔ جامع الترمذی' ابواب ثواب القرآن' باب ما جاء فی تعلیم القرآن۔ سنن ابن ماجہ' مقدمہ

(۳) صحیح البخاری' حوالہ گزر چکا ہے۔

(۴) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمد ﷺ الی جمیع الناس ونسخ الملل بملتہ

(۵) ابو یعلٰی نے اس کو قدرے مختلف الفاظ میں روایت کیا ہے۔

(۶) مثلاً قرآن مجید نے بتایا کہ رومی چند سال میں ایرانیوں پر غالب آئیں گے۔ اُس وقت رومی مغلوب اور شکست خوردہ تھے۔ اور ابھی دس سال بھی نہیں گزرے تھے کہ روم ایران پر غالب آگیا۔ ارشادِ خداوندی ہے : ﴿ الٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ○ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ○ ﴾ (الروم : ۱ تا ۴) "ال م۔ رومی مغلوب ہو گئے۔ قریب کے علاقے میں' اور وہ مغلوب ہونے کے بعد غالب آئیں گے۔ چند سالوں میں"۔

(۶) سعودی عرب کی تاریخ اس کی بہترین مثال ہے۔ حجاز کی سرزمین میں امن و امان تباہ ہو چکا تھا' لوٹ مار اس قدر تھی کہ حاجیوں کی جانیں اور مال محفوظ نہ تھے۔ جونہی قرآنی احکام کو ملک میں نافذ کیا گیا' پورے ملک میں ایسا امن ہو گیا کہ خلفائے راشدین کے دور کے بعد اس کی مثال نہیں ملتی۔ (حاشیہ از مؤلف)

## باپ بیٹے کو کس طرح حکم دے؟

علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری نے لکھا ہے کہ ہر باپ کو یہ چاہئے کہ جب وہ اپنے بیٹے کو کوئی حکم دے تو صریح حکم کے الفاظ استعمال کرنے کے بجائے یوں کہے: "بیٹے! اگر تم فلاں کام کر لو تو اچھا ہے"۔ کیونکہ اگر صراحتاً حکم دیا اور مثلاً یہ کہا کہ "ایسا کرو" اور پھر بیٹا کسی وجہ سے نہ کر سکا تو وہ نافرمانی کے گناہ کبیرہ میں مبتلا ہوگا۔ پہلی صورت میں یہ اندیشہ نہیں۔

(ماخوذ از تراشے' مرتب مفتی محمد تقی عثمانی)

## قندیل کیا بجھی کہ نگر بے چراغ ہے!

# محدّث العصر شیخ محمد بن ناصر الدّین البانی رحمۃ اللہ علیہ

تحریر : پروفیسر خورشید عالم

شیخ ابو عبد الرحمٰن محمد بن ناصر الدین البانیؒ اردن کے دار الخلافہ عمان میں ۱/۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء موافق ۲۲ جمادی الآخر ۱۴۲۰ھ بروز ہفتہ طویل علالت کے بعد لگ بھگ ۸۶ برس کی عمر میں وفات پا گئے۔ علومِ حدیث کا حافظ اور نکتہ شناس' ایک شخصیت منفرد' ایک جہانِ دانش' ایک دُنیائے معرفت' ایک کائناتِ علم' ساٹھ برس سے صرف حدیث کے فہم و تدبر اور درس و تدریس میں محو' ہر شے سے بے گانہ' ہر شغل سے نا آشنا' دین و دانش کا مہرِ انور ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ سانحہ عظیم ہے' آنکھوں سے آنسو رواں ہیں' دل غمزدہ ہے۔ اللہ کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں إنّا علی فراقك یا شیخ محمد الالبانی لمحزُونون!

شیخ کی پوری زندگی علم کی تلاش میں جہدِ مسلسل' صبر اور استقامت سے عبارت ہے۔ ۱۹۱۴ھ میں البانیہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن' تجوید' صَرف اور فقہ حنفی کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ والد کے ساتھ ہجرت کر کے دمشق آ گئے۔ ہجرت کا یہ سلسلہ عمر بھر چلتا رہا' دِمشق سے عمان' پھر دِمشق وہاں سے بیروت' وہاں سے امارات' پھر دِمشق۔ آخر میں وہ عمان چلے گئے اور گزشتہ بیس برس سے وفات تک وہیں ٹھہرے رہے۔ مختصر یہ کہ جہاں جہاں اللہ کا نام لیا جاتا تھا وہ اسے اپنا وطن ہی تصور کرتے رہے ؂

وا ینما ذُکر اسم اللّٰہ فی بلد
عددتُ ارجاءہ من لُبِّ اوطانی

شیخ البانی اپنے بارے میں لکھتے ہیں :

"یہ اللہ کی خاص توفیق تھی کہ میں آغازِ شباب سے گھڑی سازی کا کام کرنے لگا۔ یہ ایک آزاد قسم کا پیشہ تھا جو علومِ حدیث کے بارے میں میری کاوشوں کی راہ

میں حائل نہ ہوا۔ منگل اور جمعہ کو چھوڑ کر میں تین گھنٹے روزانہ یہ کام کرتا جس سے میری اور گھر والوں کی گزر بسر ہو جاتی۔ باقی سارا وقت میں حدیث کی کتابوں اور قلمی نسخوں کو کھنگالتا رہتا جو دمشق کے مکتبہ ظاہریہ میں کافی تعداد میں موجود تھے۔ روزانہ چھ سے آٹھ گھنٹے مطالعہ میں گزرتے۔ اور اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں' کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ جس آدمی پر احسان کرنا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے"۔

ان کے ایک شاگرد یوسف الغریب کا کہنا ہے کہ شیخ روزانہ سولہ سولہ گھنٹے پڑھائی لکھائی میں صرف کرتے۔ کتب خانہ کی شیلفوں میں قلمی نسخوں کی تلاش میں مسلسل تین تین گھنٹے سیڑھی پر کھڑے رہتے۔ علم میں ان کی لگن کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی کتاب فھرس المخطوطات الحدیثۃ میں لکھتے ہیں کہ کسی قلمی نسخہ کا ایک ورق گم ہو گیا' اس کی تلاش کرتے کرتے میں نے دس ہزار قلمی نسخے دیکھ ڈالے۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے ؎

وَإِذَا كَانَتِ النُّفُوْسُ كِبَارًا
تَعِبَتْ فِيْ مُرَادِهَا الْأَجْسَامُ

مدینہ منورہ میں جب اسلامی یونیورسٹی کی بنیاد رکھی گئی تو سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ اس کے پہلے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ حدیث کی تدریس کے لئے ان کی نگہ انتخاب شیخ البانی پر پڑی۔ شیخ نے یونیورسٹی میں اسناد حدیث کو ایک نئے مضمون کی حیثیت سے متعارف کروایا۔ اسی یونیورسٹی میں مولانا عبدالغفار حسن کے صاحبزادے ڈاکٹر صہیب حسن ان سے بلوغ المرام کی شرح اور صحیح مسلم کا انتخاب پڑھتے رہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ :

"شیخ البانی دوران تدریس ایسے ایسے نکات بیان کرتے جو ہمیں کتابوں میں نہیں ملتے تھے۔ بسا اوقات میں دیکھتا کہ پیریڈ کے بعد وہ شریعت کالج کے صحن میں ریت پر بیٹھے ہوئے ہیں اور طلبہ ان کے گرد حلقہ بنائے ہوئے ان سے علم الرجال اور جرح وتعدیل سے متعلق سوال پوچھ رہے ہیں۔ وہ ہر پوچھنے والے کو بڑے سکون سے جواب دیتے' یہاں تک کہ اگلے پیریڈ کا وقت ہو جاتا اور وہ وہاں سے سیدھے کلاس روم پہنچتے اور بغیر تکان محسوس کئے پڑھانا شروع کر دیتے۔ وہ

زندگی کے ہر لمحہ کو قیمتی سمجھتے۔ جب کبھی میں ان سے ملنے ان کے گھر گیا ان کو بکھرے ہوئے اوراق، کھلی اور ادھ کھلی کتابوں میں گھرے ہوئے پایا"۔

شیخ نے وصیت کی کہ ان کا کتب خانہ اسلامیہ یونیورسٹی مدینہ منورہ میں منتقل کردیا جائے۔

ان کے ایک شاگرد علی حسن حلبی کہتے ہیں کہ:

"آج سے پچاس برس پہلے دمشق میں انہوں نے درس و تدریس کے علاوہ ایک کھلی نشست لگانا شروع کی اور وفات سے چار ماہ پہلے تک یہ نشست جاری رہی۔ اس مجلس میں یا تو وہ گردوپیش میں ہونے والی برائیوں سے حاضرین کو آگاہ کرتے یا کسی حدیث کی تشریح کرتے۔ پھر سوال و جواب کا دور چلتا جس میں حدیث، فقہ اور عقائد کے بارے میں سوال کئے جاتے۔ فنِ حدیث پر گرفت مضبوط ہونے کے باوجود اپنے شاگردوں سے کہتے کہ وہ سہو و خطاء سے ان کو آگاہ کریں۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ شاگردوں نے غلطی کی نشاندہی کی اور انہوں نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا"۔

وہ درویش منش انسان تھے، اپنے علم و فضل پر قطعی ناز نہ کرتے تھے۔ ان کے شاگرد عبداللہ یوسف الغریب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو بیان کیا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے بے عمل عالم کو جہنم میں جھونکا جائے گا تو شیخ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور انہوں نے بلک بلک کر رونا شروع کردیا۔

ڈاکٹر صہیب حسن کہتے ہیں کہ کالج کا وقت ختم ہونے کے بعد طالب علم حرم مدنی جانے کے لئے بسوں کی طرف لپکتے۔ شیخ اپنی گاڑی میں نکلتے۔ جو طالب بس سے رہ جاتے ان کو ساتھ بٹھا کر حرم مدنی پہنچا دیتے اور راستے میں طالب علموں کو کسبِ فیض کا موقعہ بھی مل جاتا۔

شیخ کی زندگی کے آخری دو سال حالتِ مرض میں گزرے۔ وہ جگر اور پھیپھڑوں کے مرض میں مبتلا تھے۔ آخری تین ماہ تک تو وہ حرکت تک نہیں کرسکتے تھے مگر حافظہ آخری سانس تک قوی رہا، جب بھی طبیعت سنبھلتی تو کہتے میری کتاب لاؤ، کتاب پڑھتے اور حاضرین کو حدیث املاء کرواتے۔ زندگی کے آخری لمحات میں ان کا بیٹا عبداللطیف، بیٹی انیسہ اور داماد نظام سکجھا موجود تھے۔ یہ نظام وہی ہیں جنہوں نے اپنے مکتبہ اسلامیہ

سے شیخ کی تصنیف جلباب المرأۃ المسلمۃ کی دیدہ زیب طباعت کا اہتمام کیا۔ سنّت پر عمل کرنے کا یہ عالم تھا کہ وصیت کی کہ میری میت کو جلد از جلد دفن کیا جائے۔ ان کی وفات مغرب سے پہلے ہوئی اور نماز عشاء کے فوراً بعد ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔

محمد عید عباسی ' علی حمد خشان ' محمد ناصرالدین ترثانی ' محمد ابراہیم شقرہ ' عبداللہ یوسف الغریب اور شیخ علی حسن حلبی علامہ ناصرالدین البانی کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مؤخرالذکر کو بیس برس تک سفر و حضر میں اپنے شیخ کی خدمت کا موقعہ ملا۔ آخری مہینوں میں تو وہ تقریباً روزانہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ گھربار اور کتب خانہ کی ضروریات کو پورا کرتے۔ ان کے علاوہ تقریباً تمام اسلامی ممالک کے بے شمار طلبہ نے مدینہ یونیورسٹی میں ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

## علمی مرتبہ اور مقام

قرآن ' حدیث ' فقہ اور عقائد پر ان کو کامل دسترس حاصل تھی۔ بقول ڈاکٹر صہیب حسن "وہ فن مناظرہ کے بھی ماہر تھے ' مخالف کو نہ تو موضوع سے خارج ہونے دیتے اور نہ بھاگنے کا موقع دیتے۔ یا تو وہ حقیقت کا اعتراف کر لیتا یا لاجواب ہو کر خاموش ہو جاتا"۔

فن حدیث ان کا اصل میدان ہے۔ اس گئے گزرے دور میں انہوں نے سلف صالحین کی یاد تازہ کر دی ' جنہوں نے شریعت کے دوسرے بڑے ماخذ کی بحث و تحقیق میں اپنی عمریں کھپا دیں۔ یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ جس طرح صحاح ستہ کی تدوین کرنے والے ائمہ عجمی تھے اسی طرح دور حاضر میں علمِ حدیث کا واقفِ اسرار امام بھی عجمی نژاد تھا۔

مسلمانوں کے زوال کے بعد جس طرح فقہ میں اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا بالکل اسی طرح حدیث میں بحث و تحقیق کا کام رک گیا۔ چھٹی صدی ہجری میں محدث ابنِ جوزی گلہ کرتے ہیں کہ اس فن کے علماء کمیاب ہیں۔ ابنِ جوزی کے زمانہ کا تو حال یہ تھا ' جبکہ اس زمانہ میں تو اس فن کے علماء عنقاء ہیں۔ کہنے کو تو ہر مکتب فکر کے مدرسہ میں ایک محدث بیٹھا ہوا ہے لیکن بحث و تحقیق میں اس کا علم ان کتابوں تک محدود ہے جو سلف صالحین لکھ گئے ہیں ' تخلیقی کام کی نہ اس میں استعداد ہے نہ خواہش۔ انہوں نے حدیث کی سند اور متن کو شجر ممنوعہ قرار دے رکھا ہے۔ مذہبی تعصب نے تحقیق کی جگہ لے لی ہے۔ نتیجتاً سنّتِ نبوی ؐ کا روشن چہرہ موضوع اور ضعیف روایات نے دھندلا دیا ہے۔ اللہ نے شیخ

البانی کو توفیق بخشی کہ وہ کھرے کھوٹے کو پرکھ کر سنّتِ نبویؐ کے اس چہرے کو نمایاں کریں جو عہدِ نبوت اور خلافتِ راشدہ کے دور میں دمک رہا تھا اور اس زنگ کو صاف کریں جو تقلید اور تعصب کی وجہ سے ذہنوں کو لگ چکا ہے۔ یہی وہ کارنامہ ہے جس کی وجہ سے شیخ ناصرالدین کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے اور ان کی کاوشوں کو سراہا گیا ہے۔

شیخ عبدالعزیز بن باز شیخ البانی کو محدثِ دوراں کا خطاب دیتے ہوئے فرماتے ہیں "ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے حدیث شریف اور سنّتِ نبویؐ کی خدمت کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا۔ میں نے ان کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں اور استفادہ کیا ہے"۔ نوجوانانِ عالم کی مجلس (الندوة العالمية للشباب الاسلامی) کے ناظم اعلیٰ ڈاکٹر مانع بن حماد الجہنی کہتے ہیں "وہ اس لائق ہیں کہ کہا جائے کہ دورِ حاضر میں آسمان کے نیچے ان سے بڑھ کر علمِ حدیث جاننے والا کوئی نہیں"۔ انہوں نے شیخ کا نام شاہ فیصل ایوارڈ کے لئے تجویز کیا جو پچھلے سال انہیں ملا۔ ڈاکٹر صہیب حسن نے بیسویں صدی میں انہیں علمِ حدیث کا معجزہ قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالحکیم زیدان مجموعة البحوث العصرية میں انہیں محدثِ دوراں کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ ابی معاذ الشیبانی نے حياة الألبانی اور ابی اسامہ سلیم بن عبدالهادی نے الألبانی محدثا و فقيها و داعيا الى الله کے نام سے کتابیں لکھی ہیں۔ یہ کتابیں مجھے دستیاب نہ ہو سکیں۔

ان کے مداح تو بہت ہیں لیکن ان کے ناقدین ان سے بھی بڑھ کر ہیں۔ ان کا قصور صرف یہ ہے کہ انہوں نے علمِ حدیث کے جمود کو توڑا ہے اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں جانچ اور پرکھ کے کام کو آگے بڑھانے کی غرض سے احادیث کے مجموعوں میں عام طور پر اور کتبِ ستّہ میں خاص طور پر صحیح کو ضعیف سے الگ کیا ہے۔ اور یہ کام اس زمانے میں گناہ تصور کیا جاتا ہے۔ ان کے ناقدین کی یہ خواہش تھی کہ وہ ٹک کر کام نہ کر پائیں۔ چنانچہ شیخ کی پے بہ پے ہجرتوں کے پس پردہ یہی عوامل کارفرما تھے۔ مخالفین نے طعن و تشنیع کے جو تیر برسائے ان کا ذکر شیخ نے اپنی بعض تصانیف میں کیا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے یہ شعر نقل کئے ہیں ؎

وَلَسْتُ بِنَاجٍ مِنْ مَقَالَةِ طَاعِنٍ
وَلَوْ كُنْتُ فِيْ غَارٍ عَلٰى جَبَلٍ وَعْرٍ

وَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْجُوْ مِنَ النَّاسِ سَالِمًا
وَلَوْ غَابَ عَنْهُمْ بَیْنَ خَافِقِیْ نَسرٍ

ان تمام رکاوٹوں کے باوصف شیخ نے تن تنہا وہ کارنامہ سرانجام دیا جو ایک ادارہ مل کر بھی نہیں کر سکتا تھا۔ شیخ البانی کو خراج تحسین پیش کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جائے جس میں شیخ موصوف کے شاگرد مل جل کر اس کام کو جاری رکھیں جس کی طرح انہوں نے ڈالی ہے۔ شیخ کے یہاں ایسی احادیث کا بہت بڑا مجموعہ موجود تھا جس کی ابھی چھان پھٹک نہیں ہوئی۔

## تالیفات

علامہ شیخ البانی کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے۔ ان کی کتابیں حدیث' فقہ اور عقائد کے موضوعات پر ہیں۔ ابھی تک ان کی صرف نصف تصانیف زیورِ طباعت سے آراستہ ہو سکی ہیں۔ ان کی بہت سی کتابیں سوریا (شام) میں المکتب الاسلامی کے مالک زہیر الشاویش نے شائع کیں۔ لیکن سوریا سے عمان کی طرف ہجرت کے بعد اس ناشر نے جب کتاب "التنکیل بما فی تانیب الکوثری من اباطیل" کی تحقیق میں شیخ کے نام کے ساتھ اپنا نام بھی شامل کر کے علمی خیانت کا ارتکاب کیا تو شیخ نے اس کو اپنی تمام کتابوں کی طباعت سے منع کر دیا۔ اب طباعت کے حقوق مکتب المعارف' ریاض سعودی عرب کے شیخ سعد بن عبدالرحمٰن الراشد کے پاس ہیں۔ شیخ کے خطبات اور دروس پر مشتمل کیسٹوں کی تعداد سات ہزار سے زیادہ ہے۔ ان کی چند مشہور تصانیف درج ذیل ہیں۔

### حدیث :

بنیادی طور پر شیخ البانی محدث ہیں اور ان کے جوہر اسی میدان میں کھلے ہیں۔ حدیث کی بحث و تحقیق میں شیخ نے صرف ان مسلّمہ اصول و ضوابط کو پیش نظر رکھا ہے جو ائمہ حدیث کے وضع کردہ ہیں۔ ان کا منفرد انداز یہ ہے کہ وہ مختلف احادیث کے متون' اضافوں اور زوائد کو یکجا کر لیتے ہیں' پھر ان کو حدیث کے قواعد پر پرکھتے ہیں۔ ایک ہی حدیث کے مختلف متون کے تقابلی مطالعہ سے صحت اور ضعف کے متعلق رائے قائم کرنے

میں آسانی ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ حدیث کا اصلی مفہوم بھی نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اس تحقیق کے سلسلہ میں وہ شخصیات سے متاثر ہوئے بغیر اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو ضعیف حدیثوں کے برے اثرات سے محفوظ رکھا جائے کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے عقائد کو مسخ کر دیا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر انہوں نے سنن اربعہ یعنی سنن ابن ماجہ، سنن نسائی، سنن ترمذی اور سنن ابی داؤد کی صحیح اور ضعیف حدیثوں کو الگ الگ کر دیا۔ اندھی تقلید کے اس دور میں یہ بڑے حوصلے اور ہمت کا کام تھا۔ اس کام کو شیخ البانی جیسا مرد درویش ہی کر سکتا تھا۔

① **سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة واثرها السيئ في الأمة** (ضعیف اور موضوع احادیث کا سلسلہ اور امت پر ان کے بُرے اثرات) : یہ ان مقالات کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً دمشق کے رسالہ التمدن الاسلامی میں چھپتے رہے۔ قارئین کی فرمائش پر مقالات کو کتاب کی شکل دی گئی۔ شدہ شدہ ان احادیث کی تعداد پانچ ہزار تک پہنچ گئی۔ شروع شروع میں ہر جلد میں سو سو احادیث کو جمع کیا گیا۔ بعد ازاں ہر جلد میں احادیث کی تعداد پانچ سو تک بڑھا دی گئی۔ اس طرح کل دس جلدیں بنتی ہیں، جن میں سے چھ جلدیں چھپ چکی ہیں اور ساتویں زیر طبع ہے۔ یہ شیخ البانی کی محبوب ترین تصنیف ہے اور ان کو اس پر بجا طور پر ناز ہے۔ اس کے سبب تالیف کے بارے میں فرماتے ہیں :

> "ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ابو احمد عبداللہ بن بکر بن محمد الزاہد کا یہ قول نقل کیا ہے : "کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ بابرکت اور دینی و دنیوی سعادت کا ضامن علم حدیث ہے۔ اس کی مثال اس چمن زار کی ہے جس میں برکت ہی برکت اور خیر ہی خیر ہو"۔

شیخ البانی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

> "اس چمن زار میں ضعیف اور موضوع احادیث کی شکل میں طفیلی جھاڑیاں اگ آئی ہیں۔ لوگوں کی جہالت کے باعث وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان جھاڑیوں نے اصل پودوں کا روپ دھار لیا ہے۔ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کیوں نہ ان جھاڑیوں کو کانٹ چھانٹ کر الگ کر دیا جائے، تاکہ مسلمان ان کے شر سے بچ جائیں۔"

شیخ کا طریق تحقیق یہ ہے کہ وہ ہر حدیث کے آغاز میں اپنی رائے دیتے ہیں کہ حدیث باطل ہے' یا موضوع ہے' یا منکر ہے' یا ضعیف ہے۔ پھر اس حدیث کی تخریج کرتے ہیں' پھر اکابر محدثین کے وضع کردہ اصولوں کی روشنی میں اس کی سند اور متن کو پرکھتے ہیں۔ حدیث کے بارے میں اکابر محدثین یا معاصر علماء کی رائے سے اختلاف بھی کرتے ہیں اور مدلل انداز میں اس کی توجیہہ پیش کرتے ہیں۔ بقول شیخ ان کے یہاں ان احادیث کے علاوہ ہزاروں احادیث اور بھی موجود ہیں جو ضعیف ہیں۔

۲ سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيئ من فقهها وفوائدها (صحیح احادیث) کا سلسلہ ان کا تھوڑا سا فقہی مفہوم اور فوائد) : یہ بھی پہلے سلسلہ کی مانند التمدن الاسلامی میں شائع ہونے والے مقالات کا مجموعہ ہے۔ اس لئے اس مجموعہ میں تبویب اور ترتیب کا خیال نہیں رکھا گیا۔ سبب تالیف سے متعلق علامہ البانی فرماتے ہیں :

> "ضعیف احادیث کے سلسلہ کے شائع ہونے کے بعد میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس مجموعہ سے صرف اسی صورت میں کماحقہ فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے اگر تمام ضعیف احادیث کا احاطہ کر دیا جائے جو ناممکن کام ہے' چنانچہ ضعیف احادیث کے پہلو بہ پہلو صحیح احادیث کی اشاعت کا فیصلہ کیا تاکہ بیماری کی تشخیص کے ساتھ ساتھ اس کی دوا بھی تجویز ہو جائے"۔

سلسلہ اسناد اور حدیث کے متن کی تحقیق کے ساتھ ضمناً بعض لغوی اور فقہی مسائل کی بحث بھی آگئی ہے۔ اس کی پانچ جلدیں چھپ چکی ہیں اور چھٹی زیر طبع ہے۔ بقول شیخ ان کے یہاں ان احادیث کے علاوہ سینکڑوں احادیث اور بھی موجود ہیں جو صحیح ہیں۔

۳ ارواء الغليل في تخريج احاديث منار السبيل۔ منار السبيل في شرح دليل الطالب : یہ فقہ حنبلی کی بنیادی کتاب ہے۔ اس کے مصنف شیخ ابراہیم بن محمد بن سالم بن ضویان ہیں۔ انہوں نے یہ کتاب علامہ شیخ مرعی بن یوسف الکرمی کی کتاب "دلیل الطالب" کی شرح کے طور پر لکھی ہے۔ شیخ ناصر الدین البانی نے اس کتاب میں وارد احادیث کی تخریج کی ہے۔ مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ :

> "دوسرے مکتبہ ہائے فکر کی مانند فقہ حنبلی کی کسی کتاب کی تخریج نہیں ہوئی تھی۔

میں نے ان کی تخریج اس لئے کی ہے کہ فقہ حنبلی سنّت سے قریب تر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ فقہ کے مسئلہ میں کوئی ضعیف حدیث سے سند نہ پکڑے۔ پھر جب تک اسلام کے چہرے سے وہ گردوغبار صاف نہ کر دیا جائے جو صدیاں گزرنے کے ساتھ ساتھ اس پر جم گیا ہے' اسلام کی نشاۃ ثانیہ ممکن نہیں۔ پھر احادیث کی تنقیح سے ان اہل بدعت کا منہ بند ہو جائے گا جو صرف قرآن کو ماخذ گردانتے ہوئے سنّت کا انکار کرتے ہیں"۔

شیخ نے صرف تخریج ہی نہیں کی بلکہ پہلے وہ حدیث کے مرتبہ کو بھی بیان کرتے ہیں' پھر اس کی تخریج کرتے ہیں' پھر سند کے صحیح یا ضعیف ہونے کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ لیکن یہ گفتگو صرف اس وقت کرتے ہیں جب بخاری اور مسلم (شیخین) نے اس کی تخریج نہ کی ہو۔ جہاں انہیں سند نہیں ملتی وہاں وہ صرف اہل علم کی تخریج اور تحقیق کو نقل کر دیتے ہیں۔ اس صورت میں وہ حدیث کا مرتبہ بھی بیان نہیں کرتے۔ اس کتاب میں وارد حدیثوں کی تعداد تین ہزار ہے۔ یہ آٹھ جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔ شیخ عبدالعزیز بن باز نے اس کتاب کو اپنے حلقہ درس کے لئے مقرر کیا ہوا تھا۔

تخریج کا فن وسعت مطالعہ کا تقاضا کرتا ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں یونہی بغیر سوچے سمجھے اپنی رائے کا اظہار نہیں کر دیتا۔ یہ رائے اس علم کے ساتھ میری پچاس سالہ وابستگی کا نتیجہ ہے۔ اس کے حصول کے لئے میں نے شب و روز بڑے ذوق و شوق سے محنت کی ہے۔ احادیث کے متون اور اسناد کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ حدیث کے علاوہ تفسیر' سیرت' تاریخ' رقائق اور زہد کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا ہے۔

شیخ البانی کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے صحیحین کا اختصار کیا ہے اور سنن ابنِ ماجہ' ترمذی' نسائی اور ابی داؤد کی صحیح اور ضعیف حدیثوں کو الگ الگ کیا ہے۔ ایسے ماحول میں جہاں کتب ستّہ کی کسی حدیث پر رائے زنی کرنا گناہ سمجھا جاتا ہو' یہ بڑی ہمت اور حوصلے کا کام ہے۔

④ <u>مختصر صحیح المسلم للمنذری</u> : شیخ البانی نے سب سے پہلے اس کتاب کی تحقیق کی۔ ان کی احادیث پر نمبر لگائے' غریب کی شرح لکھی اور اس کے علاوہ مفید نوٹ لکھے۔ تحقیق سے پتہ چلا کہ حافظ منذری نے نہ صرف مسلم کی اسناد اور مکررہ متون کو

حذف کیا ہے بلکہ بعض غیر مکررہ متون کو بھی حذف کر دیا ہے۔ چنانچہ شیخ نے اسے اپنے طریقہ سے مختصر کرنے کا ارادہ کیا۔ ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء ان کو دوسرے کئی علماء کے ساتھ دمشق جیل میں ڈال دیا گیا۔

⑤ مختصر صحیح المسلم : پہلے انہیں دمشق میں رکھا گیا۔ وہاں سے رہائی کے بعد دوبارہ گرفتار کر کے جزیرہ میں جلاوطن کر دیا گیا۔ وہاں ان کو کئی ماہ گزارنے پڑے۔ ان کے پاس صحیح مسلم، کچی پنسل اور ربڑ کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہاں انہوں نے مسلم کا اختصار شروع کیا اور تقریباً تین ماہ میں یہ کام مکمل کر لیا۔ شیخ فرماتے ہیں کہ اس جلاوطنی میں ان کو فراغت کے وہ لمحات میسر آئے جن میں انہوں نے اپنی کئی تصانیف کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

⑥ مختصر صحیح البخاری : صحیح مسلم کے اختصار کے بعد بعض دوستوں کی فرمائش پر مختصر وقفوں میں کئی ماہ کے بعد بخاری کا اختصار مکمل ہوا۔ اس مختصر میں صرف نبی کریم ﷺ سے روایت کرنے والے صحابی کا ذکر کیا ہے' باقی سند کو حذف کر دیا ہے۔ صحابہ کے علاوہ کہیں کہیں ان راویوں کا نام بھی بیان کیا گیا ہے جن کا ذکر ناگزیر تھا' یا جن کے اردگرد کوئی قصہ گھومتا ہے۔ مکررہ روایات میں صرف ان روایات کا انتخاب کیا گیا ہے جو نسبتاً کامل ہیں' اور مختصر میں اسی روایت کو اصل گردانا گیا ہے۔ ایسے فوائد اور زوائد جو اصل روایت میں موجود نہیں' ان کو سیاق و سباق کو پیش نظر رکھ کر اصل روایت کے ساتھ موزوں مقامات پر بریکٹ میں لکھ دیا ہے۔ اگر حدیث اصل روایت کے صحابی کے علاوہ کسی اور طریقے سے روایت کی گئی ہو تو لکھ دیا ہے : فِیْ طَرِیْقٍ وَّاحِدٍ فِیْ طَرِیْقٍ ثَانٍ وَفِیْ طَرِیْقٍ ثَالِثٍ (ایک طریقہ' دوسرا طریقہ' تیسرا طریقہ) تاکہ یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ طریقہ غریب یا شاذ ہے۔

صحیح میں مرفوع (موصول) اور موقوف (معلق) دونوں قسموں میں صحیح' حسن اور ضعیف حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ مختصر میں ان متون کو محفوظ کر لیا گیا ہے۔ احادیث مرفوعہ میں ان کے مرتبہ کو بیان کر کے تخریج کو مختصراً حاشیہ میں درج کیا گیا ہے' جبکہ موقوف میں صرف تخریج پر اکتفا کیا گیا ہے اور کہیں کہیں حدیث کے مرتبہ کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔ یہ مختصر چار جلدوں میں ہے جن میں سے دو طبع ہو چکی ہیں اور تیسری زیر طبع ہے۔

۵ تا ⑧ صحیح السنن الأربعه و ضعیف السنن الأربعه : شیخ البانی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے سنن ابنِ ماجہ' سنن ترمذی' سنن نسائی اور سنن ابو داؤد کی صحیح اور ضعیف حدیثوں کو الگ الگ کیا ہے۔ یہ خاصا ہمت اور حوصلے کا کام تھا جس کے لئے ان کو مخالفین کی گالیاں بھی سننی پڑیں۔

شیخ کے نزدیک صحاح ستہ کی اصطلاح درست نہیں۔ وہ بخاری اور مسلم کو صحیح مانتے ہیں اور سب کتابوں کے لئے صحاح ستہ کی جگہ کتب ستہ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

سنن اربعہ میں ان کا منہج یہ ہے کہ ہر حدیث کے آغاز میں صحت اور ضعف کے اعتبار سے اس کا مرتبہ بیان کیا ہے۔ اس کے بعد اپنی ان کتابوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے جس میں اس کی تخریج کی گئی ہے۔ متن اور سند کی صحت اور ضعف پر علمی قواعد کی رو سے بحث کی گئی ہے۔ شیخ صحیح ابنِ ماجہ کے دیباچہ میں فرماتے ہیں کہ :

"صحت اور ضعف کا حکم میں صرف سلسلۂ سند کی بنا پر صادر نہیں کرتا' بلکہ میں راویوں کے تراجم' ان کے بارے میں جرح و تعدیل' اس بارے میں محدثین کے اختلاف' متون کے اختلاف اور متعلقہ حدیث کے مختلف طریقوں کو جانے بغیر اپنی رائے کا اظہار نہیں کرتا۔ بعض لوگ سند میں ثقہ راویوں کی وجہ سے صحت کا حکم صادر کر دیتے ہیں اور دوسری شروط' جیسے علت اور شذوذ سے سلامتی کو پیش نظر نہیں رکھتے اور بعض کسی حدیث کو محض اس لئے ضعیف قرار دیتے ہیں کیونکہ ثقہ راوی منفرد ہوتا ہے' حالانکہ ان کو دوسرے شواہد کا علم نہیں ہوتا۔ کسی حدیث کو مرسل سمجھ بیٹھتے ہیں' حالانکہ دوسرے طریقوں میں وہ موصول ہوتی ہے"۔

شیخ نے ایک اور اہم نقطہ کی طرف سنن ابی داؤد کے دیباچہ میں اشارہ کیا ہے کہ بعض کتابوں میں ایک حدیث کو ضعیف لکھا ہے تو دوسری میں صحیح۔ اس کی وجہ انسان کی فطری کمزوری ہے۔ ایک رائے قائم کرنے کے بعد جب ان کو غلطی کا احساس ہوتا ہے تو وہ رجوع کر لیتے ہیں۔ ایک حدیث کے مرتبہ کو بیان کرنے کے بعد جب ان کو دوسرے شواہد کا علم ہوتا ہے جو ضعیف کی تقویت کرتے ہیں تو وہ صاف صاف دوسری رائے کا اظہار کر دیتے ہیں جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ نے امام یوسفؒ سے کہا تھا کہ مجھ سے ہر بات سن کر نہ لکھ لیا کرو کیونکہ میں آج ایک رائے قائم کرتا ہوں اور کل اس کو چھوڑ دیتا ہوں۔ شیخ

نے اس کی مثال یہ دی ہے کہ انہوں نے اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کَانَ یَقْرَأُھَا اَنَّهُ عَمِلَ غَیْرُ صَالِحٍ کے تحت لکھا ہے ضعیف الاسناد- ترمذی سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی صورت میں اس کا شاہد مل گیا تو سنن ابی داؤد میں اسے صحیح لکھ دیا- قاری کو اس نقطہ کو ذہن میں رکھنا چاہئے ورنہ وہ خواہ مخواہ تنقید کرنے لگے گا-

ان کتابوں میں سند کو مختصر کر دیا گیا ہے- مگر بقول شیخ یہ ان کا کام نہیں بلکہ ناشر کا کام ہے-

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر حدیث کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث' صحیح یا حسن یا ضعیف ہے- شیخ البانی اپنی آزادانہ رائے قائم کرتے ہیں' وہ ان کی تقلید نہیں کرتے- بعض ایسی احادیث جن کو ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے شیخ نے ان کو صحیح یا حسن کا درجہ دیا ہے- بعض احادیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے- شیخ البانی نے علمی تنقید کے بعد ان کو صحت کا درجہ دیا ہے- اس کے مقابلہ میں بعض احادیث ایسی ہیں جن کو ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے لیکن شیخ کی نظر میں وہ ضعیف بلکہ موضوع ہیں- شیخ کی رائے یہ ہے کہ امام ترمذی نے صحیح احادیث کے بارے میں تساہل کیا ہے- احمد شاکر اور بعض دوسرے محققین نے جامع الترمذی کو جامع الصحیح کہا ہے' ان پر شیخ نے بہت ہی خوبصورت تنقید کی ہے جو ضعیف السنن الترمذی کے دیباچہ میں دیکھی جا سکتی ہے- ضعیف السنن الاربعہ ایک ایک جلد میں اور صحیح السنن الاربعہ دو دو جلدوں میں شائع ہوئی ہیں-

⑮ صحیح الجامع الصغیر وزیادته : اس کے دیباچہ میں شیخ البانی فرماتے ہیں :

"فائدے اور ترتیب کے اعتبار سے امام سیوطی کی کتاب حدیث کی بڑی اچھی کتاب ہے' لیکن اس میں تین نقص ہیں (۱) اس میں کئی احادیث خاص طور پر کتب ستہ کی احادیث بیان نہیں کی گئیں (۲) ترتیب میں وقت کو پیش نظر نہیں رکھا گیا (۳) اس میں ہزاروں ضعیف اور منکر احادیث کے ساتھ سینکڑوں موضوع اور باطل احادیث ہیں- پہلے نقص کا ازالہ سیوطی نے خود زوائد لکھ کر دیا ہے- دوسرے کا ازالہ شیخ یوسف نبھانی نے اپنی کتاب اَلْفَتْحُ الْکَبِیْرُ فِیْ ضَمِّ الزِّیَادَةِ اِلَی الْجَامِعِ الصَّغِیْرِ میں کر دیا ہے- اب حدیث تلاش کرنے میں وقت ضائع نہیں ہوتا- تیسرا نقص بہت بڑا نقص ہے- علامہ مناوی نے اپنی کتاب

فیض القدیر شرح الجامع الصغیر میں اس کے ازالہ کی کاوش کی ہے لیکن انہوں نے زوائد کو چھوڑ کر صرف "الجامع" کی چھان پھٹک کی ہے حالانکہ زوائد نصف کتاب کے برابر ہیں۔ ۱۳۸۲ھ میں حرم مکی میں میرے ہاتھ علی بن احمد باصبرین کی کتاب اِتْحَافُ النَّاقِدِ الْبَصِیر بِخُصُوْصِ صَحِیْحِ الْجَامِعِ الصَّغِیْرِ کا قلمی نسخہ لگا۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ مصنف حاطب اللیل ہے اور فن حدیث سے بے بہرہ ہے۔ اس کی رائے قابل اعتماد نہیں۔ اس نے الجامع میں جس حدیث کے سامنے (ص) کی رمز تھی اسے صحیح جس کے آگے (ح) کے رمز تھی اس کو حسن اور جس کے آگے (ض) کی رمز تھی اسے ضعیف گردان لیا حالانکہ یہ رموز قابل اعتماد نہیں ہیں۔ کتاب الزیادۃ علی الجامع الصغیر کی احادیث کی کسی نے پرکھ نہیں کی۔ مجھے خیال آیا کہ یہ کام کیوں نہ میں سرانجام دوں۔ کام وقت طلب تھا مگر ایک تو میری تصانیف میں ایک تہائی احادیث کی تخریج و تحقیق پہلے ہی ہو چکی تھی۔ پھر تقریباً دس برس سے میرے پاس چالیس جلدوں میں احادیث کا ایک بیش بہا ذخیرہ جمع ہو گیا تھا جو میں نے دمشق کے المکتبہ الظاہریہ، حلب کے مکتبہ الاوقاف الاسلامیہ، مسجد نبوی کے المکتبہ المحمودیہ اور مدینہ منورہ کے مکتبہ عارف حکمۃ کے قلمی نسخوں سے اور سیرت، تاریخ اور تراجم کی غیر مطبوعہ کتابوں سے نقل کی تھیں۔ جب بھی مجھے الجامع الصغیر کے سلسلہ اسناد کی ضرورت پڑتی وہ مجھے اس ذخیرے میں مل جاتا۔ اس طرح صحیح و ضعیف کی تحقیق کا کام میرے لئے آسان ہو گیا۔ میں نے یہ کام اسناد کے گہرے مطالعہ کے بعد سرانجام دیا۔

حافظ سیوطی نے خاص طور پر زیادۃ الجامع کی بعض احادیث کو صحیحین کے علاوہ دوسری کتابوں کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ وہ ان دونوں میں یا ان دونوں میں سے کسی ایک میں موجود تھیں۔ کبھی وہ ان احادیث کو ایسے مصنفین کی طرف منسوب کر دیتے ہیں جو صحت کا خیال نہیں رکھتے حالانکہ وہ احادیث ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم جیسے ثقہ مصنفین کی کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ کبھی وہ احادیث کو نچلے طبقے کے محدثین کی طرف منسوب کر

دیتے ہیں حالانکہ وہ امام احمد جیسے اعلیٰ طبقہ کے محدثین کے یہاں موجود ہیں۔
میں نے ان سب احادیث کا استدراک کیا ہے"۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ کتاب شیخ البانی کی تحقیقی کاوش ہے۔ یہ کتاب چھ اجزاء میں طبع ہو چکی ہے۔

(۱۶) ضعيف الجامع الصغير وزيادته : یہ کتاب چھ اجزاء میں طبع ہو چکی ہے۔

(۱۷) صحيح الترغيب والترهيب (۳ جلدیں) صرف پہلی جلد طبع ہو چکی ہے باقی دو جلدیں زیر طبع ہیں۔

(۱۸) صحيح الادب المفرد (مطبوعہ) ضعيف الادب المفرد

ان کے علاوہ جن کتابوں کی احادیث کی تخریج شیخ البانی نے کی ہے' وہ درج ذیل ہیں :

(۱۹) تخريج الاحاديث المختاره لضياء المقدسي۔ (۲۰) مشكاة المصابيح للخطيب التبريزى (تین جلدیں مطبوعہ) مصنف نے اس کی دو بار تخریج کی ہے۔ (۲۱) اصلاح المساجد عن البدع والعوائد للقاسمى (مطبوعہ) (۲۲) اقتضاء العلم العمل للخطيب البغدادى (مطبوعہ) (۲۳) الايمان لابن ابى شيبة (مطبوعہ) (۲۴) شرح العقيدة الطحاوية لابن ابى العز (مطبوعہ) (۲۵) الصيام لابن تيميه (مطبوعہ) (۲۶) العلم لابن ابى خيثمة (مطبوعہ) (۲۷) فضائل الشام للربعى (۲۸) فضل الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم للقاضى اسماعيل الجهضمى (مطبوعہ) (۲۹) فقه السيرة للغزالى (مطبوعہ) (۳۰) الكلم الطيب لابن تيميه (مطبوعہ) (۳۱) مادل عليه القرآن للالوسى (مطبوعہ) (۳۲) مساجلة علمية بين العز ابن عبدالسلام و ابن الصلاح (مطبوعہ) (۳۳) مشكلة الفقر للقرضاوى (مطبوعہ) (۳۴) غاية المرام فى تخريج احاديث الحلال والحرام للقرضاوى (مطبوعہ) (۳۵) ظلال الجنة فى تخريج احاديث كتاب السنة لابن ابى عاصم (مطبوعہ ۲ جلدیں) (۳۶) الروض النضير فى ترتيب و تخريج معجم الطبرانى الصغير (دو جلدیں)

درج ذیل کتابوں پر تعلیقات (حواشی) لکھے ہیں :

(۳۷) التعليق الرغيب على الترغيب والترهيب للمنذرى (۳۸)

التعليق على الاحكام الوسطى للاشبيلى ⑨ التعليق على سهل السلام شرح بلوغ المرام للصنعانی ⑩ التعليق على سنن ابن ماجه ⑪ صحیح ابن خزیمه ⑫ زاد المعاد لابن القيم ⑬ التعليقات الندية على الروضة الندية لصديق حسن خان

اس کے علاوہ ⑭ ریاض الصالحین للامام النووی کی تحقیق کی ہے (مطبوعہ)۔ جن احادیث کی شیخ نے تخریج کی ہے ان کی فہرست دو جلدوں میں الجامع للفهرس لأطراف الأحاديث النبويه کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ تخریج اور تحقیق کی کتابوں میں شیخ نے اہم تنبیہہ یہ کی ہے کہ جب میں کسی حدیث کے متعلق صحیح یا حسن کہوں تو اس سے مراد حدیث کا متن ہوتا ہے کیونکہ سند یا تو صحیح لذاتہ ہوتی ہے یا صحیح لغیرہ (یعنی یا خود صحیح ہوتی ہے یا دوسری روایت کی وجہ سے صحیح کہلاتی ہے) اسی طرح سند یا تو حسن لذاتہ ہوتی ہے یا لغیرہ۔ اور جب میں حسن صحیح کی اصطلاح استعمال کرتا ہوں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ سند حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہے۔

**فقہ :**

شیخ اپنے آپ کو سلفی کہتے ہیں، اس لئے وہ اندھی تقلید کے قائل نہیں۔ اپنی کتاب صفۃ صلاۃ النبی ﷺ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں "کسی خاص مسلک کی تقلید اور ہر حال میں اس کی حمایت خواہ وہ سنت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو ایک ایسی لاعلاج بیماری ہے جس میں تمام اسلامی ممالک کے باشندے مبتلا ہیں۔ میرا منہج یہ ہے کہ میں وہی بات کہتا ہوں جو سنت صحیحہ سے ثابت ہو۔ مختلف مکاتب فکر کے پیرو کاروں کو میرا یہ انداز بھاتا نہیں، حالانکہ یہی منہج ائمہ اربعہ کا تھا۔ ہر امام یہی کہتا ہے کہ میرے قول کے مقابلہ میں اگر امام الانبیاء ﷺ کا قول مل جائے تو میرے قول کو چھوڑ دو"۔ وہ قاری کو تقلید کی تنگنایوں سے نکال کر سنت کی پہنائیوں میں لانا چاہتے ہیں۔ یہی ان کا قصور ہے جس کی وجہ سے ان کی مخالفت کی گئی۔ انہوں نے کئی مسائل میں ہمارے یہاں کے سلفیوں سے بھی اختلاف کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلفی حضرات بھی ان کی کتابوں کا اردو ترجمہ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

## تصانیف :

① **التنکیل بما فی تانیب الکوثری من الاباطیل** : یہ شیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی کی تالیف ہے جو انہوں نے عبدالسلام کوثری کے رد میں لکھی ہے۔ عبدالسلام کوثری غالی حنفی ہیں' جنہوں نے ائمہ حدیث کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے' یہاں تک کہ بعض صحابہؓ بھی ان کے طعن سے محفوظ نہ رہے۔ قصور ان کا یہ تھا کہ امام ابو حنیفہؒ ان کی روایات کو قبول نہیں کرتے۔ امام مالکؒ کے متعلق وہ کہتا ہے کہ موالی تھے عربی الاصل نہ تھے۔ یہی حال امام شافعیؒ کا تھا جو اس کے نزدیک غیر فصیح تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق اس کی رائے ہے کہ فقہ سے ناواقف تھے۔ یہ عجیب تضاد ہے کہ وہ فقہ اور علم کلام میں اپنے آپ کو مقلد کہتا ہے مگر جرح و تعدیل میں مجتہد مطلق کے منصب پر فائز نظر آتا ہے۔ شیخ البانی نے اس کتاب کو تحقیق کے بعد پہلی مرتبہ شائع کیا اور اس پر حواشی بھی لکھے۔ یہ کتاب فیصل آباد سے بھی چھپ چکی ہے۔

② **صفة صلاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم** : فقہ پر شیخ کی مشہور ترین اور مقبول ترین کتاب ہے جس کے ہزارہا نسخوں پر مشتمل بیس کے قریب ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اس کتاب کی تصنیف کا سبب بیان کرتے ہوئے شیخ فرماتے ہیں :

> "نماز جس قدر نبی کریم ﷺ کے طریقہ سے قریب تر ہو گی اسی قدر اس کا مرتبہ اور مقام بلند ہو گا۔ جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ نبی کریم ﷺ کیسے نماز پڑھا کرتے تھے اس وقت تک ہم نماز کے ثمرات سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے۔ ہر مکتب فکر کی کتابوں میں ایسی باتیں موجود ہیں جن کو دوسرا مکتب فکر تسلیم نہیں کرتا اور ایسے ایسے اقوال و افعال موجود ہیں جن کی نسبت نبی ﷺ کی طرف روا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے فقہ کی مستند کتابوں میں درج احادیث کی تخریج کی ہے۔ جب مجھے اس موضوع پر جامع کتاب نہ ملی تو مجھے خیال آیا کہ میں ایسی کتاب لکھوں جو تکبیر سے لے کر سلام تک نبی پاک ﷺ کی نماز کا نقشہ کھینچ دے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر میں نے احادیث کا مطالعہ کیا۔ اس مطالعہ کا نتیجہ زیر نظر کتاب ہے۔ اس کتاب میں مجہول اور ضعیف روایات سے بچتے ہوئے صرف سنت ثابتہ پر اعتماد کیا گیا ہے۔ کتاب کے ایک حصہ میں پوری حدیث

کا متن یا اس کا کچھ حصہ ترتیب کے ساتھ مناسب جگہ پر بیان کیا گیا ہے۔ اگر ایک ہی صحابی کی روایت میں کسی دوسرے طریقہ سے کوئی اضافہ موجود ہو تو حدیث کے متن کے ساتھ مناسب جگہ پر بریکٹ میں اسے بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کے دوسرے حصہ میں جرح و تعدیل کے قواعد کے مطابق حدیث کے 'متن' سلسلۂ اسناد اور شواہد پر بحث کی گئی ہے۔ ہر حدیث کے بارے میں مختلف فقہاء کے دلائل کو یکجا کر کے ان پر بحث کی گئی ہے۔ اس تحقیق کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں جو پہلے حصہ میں بیان ہوا۔ یہ ایسی بات ہے جو اور کسی کتاب میں نہیں ملتی"۔

سعودی عرب میں مَیں نے سب سے پہلے شیخ کی یہی کتاب پڑھی۔ اسی سے مجھے فقہ کے تقابلی مطالعہ کا شوق ہوا۔ سید سابق کی فقہ السنہ پھر ابنِ رشد کی بدایة المجتهد پڑھی۔ شیخ کی دوسری کتابوں کا ذوق و شوق سے مطالعہ کیا اور مجھ جیسا اندھا مقلد تاریکیوں سے نکل کر سنت ثابتہ کی روشنی میں آگیا۔

④ آداب الزفاف في السنة المطهرة : (مطبوعہ) استاد عبدالرحمٰن البانی کی فرمائش پر یہ کتاب شیخ نے لکھی۔ عبدالرحمٰن نے اپنے خرچ پر اسے شائع کیا اور ان کی شادی کے موقع پر مفت تقسیم کی گئی۔ فضیلۃ الشیخ محب الدین الخطیب نے کتاب کا مقدمہ لکھا اور تمنا کی کہ تمام معاشرتی موضوعات پر اس قسم کی کتابیں لکھی جائیں۔ اس کتاب میں دلہن کی رخصتی سے لے کر دعوتِ ولیمہ تک کے تمام آداب کو سنت صحیحہ کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔ وہ اہم ترین مسئلہ جس کے بارے میں شیخ نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے یہ ہے کہ سونا جس طرح مردوں کے لئے پہننا حرام ہے اسی طرح عورتوں کے لئے پہننا بھی حرام ہے۔ اس رائے کی بنیاد شیخ نے ان چار احادیث پر رکھی ہے جو سنن ابی داؤد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ 'سنن نسائی میں ثوبان رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور مسند امام احمد میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں۔ انہوں نے ان تمام ناقدین کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا ہے جو ان حدیثوں کو مردوں کے لئے خاص سمجھتے ہیں یا منسوخ گردانتے ہیں یا اس مسئلہ پر اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ایشیائی ملکوں میں سونے کے بے دریغ استعمال اور اس سے پھوٹنے والی معاشرتی برائیوں کو پیش نظر رکھیں تو شیخ کی رائے بڑی وقیع معلوم ہوتی ہے۔

④ حجۃ النبی ﷺ کما رواھا جابر رضی اللہ عنہ : (مطبوعہ) کتاب کا انداز وہی ہے جو صفۃ صلاۃ النبی ﷺ کا ہے۔ مسلم میں مروی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بنیاد بنا کر نبی کریم ﷺ کے حج کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ جن مناسک کا اس حدیث میں بیان نہیں ان کو دوسری کتابوں سے تخریج کرکے اس میں شامل کردیا گیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے انسان حج کے سلسلہ میں غیر ضروری کوفت سے بھی بچ جاتا ہے۔ جیسا کہ حالت قران میں نبی پاک ﷺ نے ایک ہی بار سعی کی۔ لوگ حالت احرام میں سر ملنے سے بھی گریز کرتے ہیں حالانکہ اس کی بھی ممانعت نہیں۔ شیخ نے حج تمتع کی افضلیت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

⑤ تحذیر الساجد من اتخاذ القبور المساجد : اس کتاب کے مقدمہ میں شیخ البانی لکھتے ہیں :

"چونکہ یہ رسالہ ان لوگوں کے رد میں لکھا گیا ہے جن کو سلف صالحین کے طریقے پر ہماری دعوت ایک آنکھ نہیں بھاتی' اس لئے اس میں تحقیق کی بجائے مناظرانہ انداز اپنایا گیا ہے جس میں لطافت کم اور کھرا پن زیادہ ہوتا ہے"۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں قبروں پر مساجد بنانے کی وضاحت کی گئی ہے جبکہ دوسرے حصہ میں ان مساجد میں نماز پڑھنے کے حکم کی تفصیل ہے۔ پہلی فصل میں ان تمام احادیث کا بیان ہے جن میں قبروں پر مساجد بنانے کی ممانعت ہے۔ دوسری میں قبروں پر مساجد بنانے کے مطلب کی وضاحت کی گئی ہے۔ تیسری میں بتایا گیا ہے کہ قبروں پر مساجد بنانا گناہ کبیرہ ہے۔ چوتھی فصل میں شبہات کا جواب ہے۔ پانچویں میں اس حکمت کو اجاگر کیا گیا ہے جو ممانعت کے حکم میں مضمر ہے۔ چھٹی میں ان مساجد میں نماز پڑھنے کو مکروہ گردانا گیا ہے۔ ساتویں میں یہ بیان ہے کہ اس حکم میں مسجد نبوی ؐ کے علاوہ تمام مساجد شامل ہیں اور اس استثناء کی وجہ بتائی گئی ہے۔

⑥ حجاب المرأۃ المسلمۃ : یہ شیخ البانی کی معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔ حال ہی میں اس کتاب کو شیخ کے داماد نظام سکجھا نے مکتبہ اسلامیہ سے محرم ۱۴۱۲ھ میں جلباب المرأۃ المسلمۃ کے نام سے شائع کیا ہے۔

⑦ احکام الجنائز و بدعھا : (مطبوعہ) اس کا اردو ترجمہ ابو عبد الرحمٰن شبیر

بن نور صاحب نے کیا ہے جو سعودی عرب کے ایک چھوٹے سے شہر الدوادمی میں عدلیہ کے مترجم ہیں۔ اور اسے نور اسلام اکیڈمی لاہور نے شائع کیا ہے۔

⑧ تحقيق رفع الاشار عن بطلان ادلة القائلين بفناء النار (مطبوعہ) ⑨ تصحيح حديث افطار الصائم قبل سفره بعد الفجر والرد على من ضعفه (مطبوعہ) ⑩ تمام المنة في التعليق على فقه السنة للسيد سابق (مطبوعہ) ⑪ الثمر المستطاب في فقه السنة والكتاب ⑫ التوسل انواعه واحكامه (مطبوعہ) ⑬ جزء صلاة الكسوف ⑭ خطبة الحاجة التي كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمها اصحابه (مطبوعہ) ⑮ صلاة التراويح (مطبوعہ) ⑯ صلاة العيدين في المصلى خارج البلد هي السنة (مطبوعہ) ⑰ مختصر تحفة المودود في احكام المولود لابن قيم ⑱ نقد التاج الجامع للاصول الخمسة لمنصور على ناصف ⑲ العقيدة الطحاوية الشرح والتعليق ⑳ مناسك الحج والعمرة ㉑ قيام رمضان۔

ان تالیفات کے علاوہ مکتبہ دار المعارف ریاض سعودی عرب نے فقہی' اعتقادی' سیاسی اور اقتصادی مسائل پر شیخ البانی کے فتاویٰ کو دائرۃ المعارف کی شکل میں چالیس جلدوں میں شائع کرنے کا ذمہ لیا ہے۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لئے!

تذکیر و موعظت

# دُعا قبول نہیں ہوتی؟

ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ تیسری صدی ہجری کے عظیم بزرگ تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید (سورۃ المومن : ۴۰ آیت : ۶۰) میں ارشاد فرماتا ہے کہ "تم مجھے پکارو، میں تمہاری دُعا قبول کروں گا"۔ ہم دُعا کرتے ہیں، مگر کیا وجہ ہے کہ وہ قبول نہیں ہوتی؟ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا :

① تم اللہ کو مانتے ہو، مگر اس کی فرماں برداری نہیں کرتے۔
② تم قرآن مجید پڑھتے ہو، مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔
③ تم شیطان کو جانتے ہو، پھر بھی اس سے مفاہمت کرتے ہو۔
④ تم اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو، مگر آپ کی سنت کو چھوڑ رکھا ہے۔
⑤ تم جنت کی چاہت رکھتے ہو، مگر اس کے حصول کیلئے کوئی محنت نہیں کر رہے۔
⑥ تم جہنم سے خوفزدہ ہو، مگر اس سے بچنے کی کوشش نہیں کر رہے۔
⑦ تم کہتے ہو کہ موت ایک حقیقت ہے، مگر اس کے لئے کوئی تیاری نہیں کر رہے۔
⑧ تم دوسروں کی خامیاں تلاش کرتے ہو، مگر اپنی خامی پر نظر نہیں رکھتے۔
⑨ تم اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا کھا رہے ہو، مگر اس کا شکر ادا نہیں کر رہے۔
⑩ تم اپنے مُردے دفن کرتے ہو، مگر اس سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتے۔
⑪ تم اپنے لئے عزت چاہتے ہو، مگر اپنے والدین اور بزرگوں کی تعظیم نہیں کرتے۔
⑫ تم اپنے لئے زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی کوشش کرتے ہو، مگر حاجت مند کو بھول جاتے ہو۔

پھر بھی گلہ کرتے ہو کہ ہماری دُعائیں قبول نہیں ہوتیں!!

(سید افتخار احمد)

# اعلانیہ طور پر "کارِ دُنیا" میں ہمہ تن مشغولیت
# کی خاطر خدمتِ دین کی اجتماعی سعی وجُہد سے پسپائی
## علّامہ اقبال کے اشعار کی روشنی میں

---

تنظیم کے ایک رفیق کا خط اور امیرِ تنظیم کی جانب سے اس کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۸/ نومبر ۹۹ء

محترم ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم۔ اگرچہ والد صاحب سے PHYSICAL علیحدگی تو تھی ہی لیکن ان کی وفات کے بعد PSYCHOLOGICAL علیحدگی ہوئی تو ایک دم انتہائی تنہائی محسوس ہوئی۔ بہرحال اس سے ایک ہی چھلانگ میں اصل MATURITY نصیب ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا ؎

اگر نہ سہل ہوں تجھ پر زمیں کے ہنگامے
بُری ہے مستیٔ اندیشہ ہائے افلاکی

چنانچہ اب آستینیں چڑھا کر "زمین کے ہنگامے" نمٹنے کا ارادہ ہے۔ اس وجہ سے میں اپنی بیعت آپ سے توڑتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دین اور دنیا دونوں میں جزائے خیر عطا فرمائے، جس نے "مستیٔ اندیشہ ہائے افلاکی" سے روشناس کرایا۔

دعا کا طالب
ایک رفیق تنظیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لاہور۔ ۳۰/ نومبر ۹۹ء

برادرم عزیزم
وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا چند سطری خط مجھے ....... صاحب نے فیکس کر دیا تھا ــــــ یہ کہنے یا لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ پڑھ کر بہت صدمہ ہوا ــــــ خصوصاً اس لئے کہ اگرچہ تمہارا معاملہ کافی عرصے سے کچھ "مشکوک" چل رہا تھا لیکن اس سال اگست میں جو ملاقات ہوئی تھی اس سے اندازہ ہوا تھا کہ تم "واپسی" کا سفر شروع کر چکے ہو ــــــ بہرحال' صبر کے سوا چارہ نہیں' بقول شخصے ؎ "بر سرِ ابنِ آدم ہرچہ می آید بگزرد!"

تم نے علامہ اقبال کے جس شعر کا حوالہ دیا ہے' وہ چونکہ مجھے اپنے مزاج کی ساخت کی بنا پر کبھی strike نہیں کر سکا تھا' لہٰذا مستحضر نہیں تھا۔ چنانچہ اس کی تلاش کرنی پڑی ــــــ بہرحال جب وہ "ضربِ کلیم" کی "تمہید" میں ملا تو یہ دیکھ کر حضرت علامہ ہی کا وہ شعر یاد آ گیا کہ ؎ "تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا۔ ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی تھا!" ــــــ اس لئے کہ تم نے جس شعر کا حوالہ دیا ہے اسی کے معاً بعد اس کے "زہر" کا "تریاق" بھی موجود ہے ــــــ یعنی ؎ "تری نجات غمِ مرگ سے نہیں ممکن۔ کہ تو خودی کو سمجھتا ہے پیکرِ خاکی!" ــــــ اور ؎ "تڑپ رہے ہیں فضاہائے نیلگوں کے لئے۔ وہ پر شکستہ کہ صحنِ سرا میں تھے خورسند!"

ویسے تمہارے اس فیصلے کے اعتبار سے زیادہ برمحل شعر غالب کا ہے کہ ؎

نہ ہو گر سر و برگِ ادراکِ معنیٰ
تماشائے نیرنگ صورت سلامت!"

اس لئے کہ "حقیقتِ معنوی" یا بریڈلے کے الفاظ میں اصل "REALITY" یعنی وجود حقیقی تو صرف باری تعالیٰ کا ہے ــــــ باقی جو کچھ ہے وہ تو محض "APPEARANCE" یعنی "نمود بے بود" ہے! ــــــ اب اگر کوئی شخص' بزعمِ خویش' خواہ وقتی طور پر ہی

سعی' "حقیقت" سے صرفِ نظر کر کے "سراب" سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے آستین چڑھاتا ہے تو اس کا ایک ہی سبب ممکن ہے اور وہ یہ کہ اس کا ہاتھ لیلائے حقیقت کے "پردۂ محمل" پر کبھی پڑا ہی نہیں تھا بلکہ وہ بھی بو علی سینا کے مانند "غبارِ ناقہ" ہی میں "گم" رہا تھا' اس لئے کہ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی انسان "حسنِ ازلی و ابدی" کی کوئی جھلک دیکھ چکا ہو اور پھر بھی کسی "اور" کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر ہو جائے' خصوصاً اس "عروسِ ہزار داماد" "دنیائے دوں" کی' جس کی حقیقت "لَهْوٌ وَّلَعِبٌ" کے سوا کچھ بھی نہیں!
_____ واللہ اعلم!!

ویسے تمہارے ذکر کردہ شعر کے حوالے سے "کلیاتِ اقبال" کی ورق گردانی کے دوران ایک اور مقام نظر آیا جو تمہاری اپنی بیان کردہ کیفیت کے زیادہ مناسب حال ہے یعنی بال جبرئیل میں "پیر و مرید" کے عنوان سے اقبال نے اپنا جو مکالمہ رومی کے ساتھ نقل کیا ہے اس میں مریدِ ہندی کی اس گزارش کے جواب میں کہ ؎

"آسمانوں پر مرا فکرِ بلند! میں زمیں پر خوار و زار و درد مند!
کارِ دُنیا میں رہا جاتا ہوں میں ٹھوکریں اس راہ میں کھاتا ہوں میں
کیوں مرے بس کا نہیں کارِ زمیں؟ ابلہِ دنیا ہے کیوں دانائے دیں؟"

پیرِ رومیؒ کا یہ شعر قابل توجہ ہے ؎

"آں کہ بر افلاک رفتارش بود بر زمیں رفتن چہ دشوارش بود"

چنانچہ کم از کم میرے اندازے کے مطابق تو تم "دنیا" میں ایسے ناکام یا نامراد کبھی بھی نہیں تھے _____! تم نے اچھی بھلی ملازمت کو چھوڑ کر اور خسارے پر گھر کو فروخت کر کے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس کے لئے رختِ سفر باندھا تھا _____ ایسا ہرگز نہیں تھا کہ تم تلاشِ معاش یا روزگار میں سڑکوں کی پیمائش کرتے کرتے اچانک ایک "ESCAPE" کے طور پر لاہور آ گئے تھے! _____ لہٰذا میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ تمہاری یہ سوچ محض وقتی اور عارضی "وسوسہ" کی نوعیت کی ہو' اور تم پورے صغریٰ کبریٰ پر از سرِ نو غور کر سکو!

میری اس امید کی ایک وجہ تمہاری یہ "صاف بیانی" بھی ہے کہ تم نے تنظیم سے علیحدگی کے ضمن میں کسی ہیر پھیر سے کام نہیں لیا۔ یعنی تنظیم کی فکری یا عملی غلطیوں یا میری کسی تقصیر یا کم ہمتی کا سہارا نہیں لیا۔ اور صاف صاف وہ بات کہہ دی جو شاید ہی کوئی

دوسرا شخص کہہ سکے ــــــ! (اگرچہ میرے دل میں ایک چور یہ بھی ہے کہ عین ممکن ہے کہ تم نے صرف میرے "لحاظ" میں یہ روش اختیار کی ہو۔ ورنہ تمہارے اس فیصلہ کا اصل سبب خود میرے یا میرے کسی ساتھی کا طرز عمل ہو ــــــ واللہ اعلم!!)

آخر میں صرف ایک "گزارش" اور ہے ــــــ اور وہ یہ کہ سورۂ اعراف کی آیات ۱۷۵ تا ۱۷۸ کا مطالعہ غور سے کرو۔ ان میں جس کردار کا ذکر ہے اس کا حوالہ میں نے اپنی بہت سی حالیہ تقاریر میں "ملّتِ اسلامیہ پاکستان" کی کیفیات کی تشخیص کے ضمن میں وضاحت کے ساتھ دیا ہے ــــــ مجھے اندیشہ ہے کہ تم نے جو کچھ اپنے بارے میں خود تحریر کیا ہے اگر وہ درست ہے تو ان آیات کا اطلاق تم پر بھی بہ تمام و کمال ہو سکتا ہے ــــــ اس لئے کہ تم خواہ قلبی و روحانی اعتبار سے "حقیقتِ کبریٰ" کے زیادہ قریب نہ آ سکے ہو، لیکن کم از کم ذہنی، فکری اور عملی اعتبار سے "دینِ حق" کے جس قدر قریب آئے اور "آیاتِ الٰہی" سے جس درجہ روشناس ہوئے اس کے بعد یہ رجعتِ قہقری بہت "خوفناک" نتائج کی حامل ہو سکتی ہے، یعنی ع "حذر اے چیرہ دستاں، سخت ہیں فطرت کی تعزیریں!" ــــــ اللہ کرے کہ تم جلد ہی اس شیطانی چکر سے نکل کر دوبارہ قافلہ راہ حق میں شامل ہو جاؤ ــــــ تاکہ یہ "ناقۂ بے زمام" دوبارہ "سوئے قطار" آ جائے۔

اپنی اہلیہ کو میرا سلام، اور بچوں کو دعائیں اور پیار پہنچا دینا۔

فقط والسلام

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

MONTHLY
# Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 49 No. 2
Feb. 2000
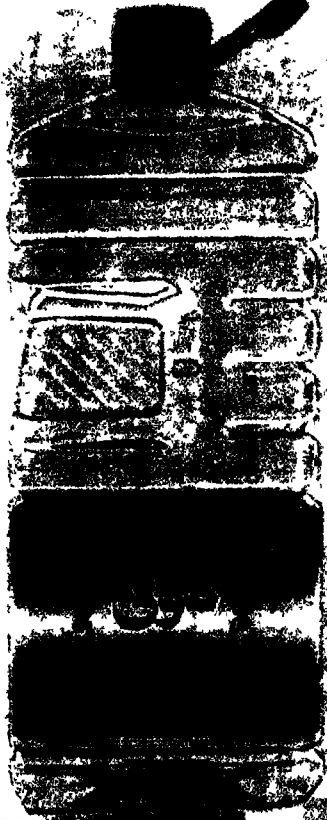
## مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

چند یادیں —— چند تاثرات

از قلم : ڈاکٹر اسرار احمد

**مکتوب بھارت**

## تقسیم کشمیر کے بارے میں امیر تنظیم اسلامی کی تجویز کے جواب میں
## بھارت کی معروف سیاسی شخصیت سید شہاب الدین کا تائیدی مراسلہ

*Syed Shahabuddin*
IFS (Retd.) Ex-MP

Advocate Supreme Court of India
Editor, Muslim India Monthly

Residence : Flat 404, Block-8
East End Apts, ~~Mayur Vihar-I Ext.~~
Delhi-110096

Office : Behind 29, Feroze Shah Road
New Delhi-110001

Tel/Fax : 378 2059, Resi. : 271 1354

17 February, 2000

My dear Dr. Asrar Ahmad Saheb,

In the latest issue of your journal, I have seen the solution to the Kashmir problem suggested by you. I am glad that this comes very close to what I have been suggesting since beginning.

My approach is based on the fact that the State is multi-ethnic and historically an artificial construct. Northern Areas and the south western region below the Pir Panjal which are Punjabi-speaking should be incorporated in Pakistan. Ladakh and Jammu should be integrated in India. The Valley of Kashmir which is a geographical, linguistic and cultural entity should enjoy, like Andorra on the border of Spain and France, complete internal autonomy, **under the joint umbrella of India and Pakistan,** which should together underwrite its development and be responsible for its defence and foreign relations

Kashmiris should have access to both India and Pakistan for education, trade and even residence while neither Indians nor Pakisantanis have the right to settle in the Valley

In my view, this is the only feasible solution which serves the interests of all partners – India, Pakistan and the Kashmiris.

With kind regards,

Yours sincerely,

(SYED SHAHABUDDIN)

(اس خط کا اردو ترجمہ اندرونی سرورق ۳ پر ملاحظہ فرمائیں)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد : ۴۹

شمارہ : ۳

ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ

مارچ ۲۰۰۰ء

فی شمارہ -/۱۰

سالانہ زر تعاون -/۱۰۰




## سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

| | |
|---|---|
| ○ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ | 22 ڈالر (800 روپے) |
| ○ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان | 17 ڈالر (600 روپے) |
| ○ ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر | 10 ڈالر (400 روپے) |

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور۔


مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700 فون : 03-02-5869501

فیکس . 5834000 ای میل . anjuman@brain net pk

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔ گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور

فون . 6316638-6366638 فیکس : 6305110

پبلشر : ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع : رشید احمد چودھری مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

# مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## عرضِ احوال

پاک بھارت کشیدگی ایک بار پھر عروج پر ہے۔ نہ صرف یہ کہ کشمیر میں لائن آف کنٹرول پر بھارت کی جانب سے اشتعال انگیز کارروائیاں جاری ہیں بلکہ بھارتی وزیر اعظم کے ذہن سے بھی مسلسل نفرت وعداوت کے شرارے نکل رہے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ بھارت پر جنگی جنون پورے طور پر مسلط ہو چکا ہے اور وہ نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر جنگ کی آگ میں کود پڑنا چاہتا ہے۔ دوسری جانب امریکی صدر بل کلنٹن کا دورہ بھی اب کچھ زیادہ دُور نہیں ہے۔ کلنٹن کی پاکستان آمد کو تاحال غیر یقینی بنائے رکھنے اور حتمی فیصلے کو مؤخر کرنے کا سبب اس کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا کہ پاکستان پر دباؤ ڈال کر امریکہ اپنے کچھ مطالبات منوانا چاہتا ہے جن میں سرفہرست سی ٹی بی ٹی پر دستخط کا مطالبہ ہے جس سے امریکہ کسی طور پر دستبردار ہونے کو تیار نہیں۔ اور یہ بات اب کوئی راز نہیں رہی کہ سی ٹی بی ٹی کے ذریعے پاکستان کو بتدریج اس کی خداداد ایٹمی صلاحیت سے محروم کرنے کی سازش دراصل یہودی ذہن کی پیداوار ہے جس کی نگاہ میں پاکستان کا یہ ایٹمی پروگرام کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے ـــــ کلنٹن کے متوقع دورے کا ایک اہم ایجنڈا مسئلہ کشمیر کے حل کا کوئی قابل عمل فارمولا وضع کرنا بھی بتایا جا رہا ہے۔ صدر کلنٹن اپنی مدت صدارتِ مکمل ہونے سے قبل اپنے سینے پر جو نمایاں تمغے سجانا چاہتے ہیں انہی میں ایک مسئلہ کشمیر کے حل کا تاریخی کارنامہ بھی شامل ہے۔

ان حالات میں تنظیم اسلامی کے موقف کا خلاصہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب جمعہ کے پریس ریلیز کے ذریعے بہتر طور پر سامنے آتا ہے۔ ۴ فروری کے خطاب جمعہ میں امیر تنظیم فرماتے ہیں :

> "مسئلہ کشمیر کے حل کے ضمن میں ہارورڈ یونیورسٹی کے تھنک ٹینک کی طرف سے دی گئی تجویز کہ جموں اور لداخ ہندوستان کو دے دیا جائے' جبکہ آزاد کشمیر کو پاکستان کے پاس رہنے دیا جائے اور وادی کشمیر کو آزاد ریاست کا درجہ دے دیا جائے' اس لحاظ سے قابل غور ہے کہ اس کا آدھا حصہ قابل عمل اور آدھا غلط ہے۔ اس تجویز میں خامی یہ ہے کہ وادی کو اگر امریکہ یا یو این او کے رحم و کرم پر آزادی دے دی گئی تو اندیشہ ہے کہ ہارٹ آف ایشیا میں ایک نیا اسرائیل قائم ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ مسئلہ کشمیر کو تقسیم ہند کے نامکمل ایجنڈے کے طور پر حل کرتے ہوئے اگر ہندو اکثریتی علاقے یعنی جموں اور لداخ کو بھارت میں ضم کر دیا جائے اور موجودہ آزاد کشمیر کو وادی سمیت پاکستان کا حصہ قرار دیا جائے تو یہ بات زیادہ قرین انصاف ہو گی۔ تاہم دوسرے درجے میں اس بات پر بھی

غور ہو سکتا ہے کہ صرف وادی کی حد تک استصواب کرا لیا جائے اور اگر وادی کے لوگ تھرڈ آپشن کے حق میں فیصلہ دیں تو صرف وادی کو اس شرط پر آزاد ریاست' کا درجہ دیا جائے کہ اس علاقے کو کسی بیرونی طاقت کا اڈہ نہیں بنایا جائے گا۔ ہماری اقتصادی بدحالی کی بڑی وجہ مسئلہ کشمیر ہے جسے اب ہر حال میں حل ہونا چاہئے اور ایسا تبھی ہو سکتا ہے جب بھارت اور پاکستان میں موجودہ تناؤ ختم ہو اور افہام و تفہیم کی فضا پیدا ہو۔

امیر تنظیم اسلامی نے چیف ایگزیکٹو کی منتخب ضلعی انتظامیہ کی تجویز کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ اگر ملک میں صدارتی نظام' چھوٹے صوبے اور امریکی طرز کے کاؤنٹی لیول پر اختیارات کی تقسیم پر مبنی نظام رائج کر دیا جائے تو ہمارے بہت سے مسائل کا ازالہ ہو سکتا ہے اور پرویز مشرف صاحب کی یہ سکیم نافذ ہو گئی تو اس کے بہت مثبت نتائج ظاہر ہوں گے۔ انہوں نے افغانستان میں وزراء کونسل کے سربراہ ملا ربانی کے حالیہ دورۂ پاکستان کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس دورے سے پاکستان' افغانستان اور ایران پر مشتمل بلاک کی تشکیل کی راہ ہموار ہوئی ہے"۔

۱۱ فروری کے خطاب جمعہ میں امیر تنظیم نے فرمایا :

"اگر پاکستان پر جنگ مسلط کر دی گئی تو وطن عزیز کا دفاع کرنا مسلح افواج ہی کا نہیں ہر پاکستانی کا دینی و ملی فریضہ ہو گا۔ بھارتی وزیر اعظم کے تیور سے لگتا ہے کہ پاکستان کے افق پر جنگ کے بادل چھا چکے ہیں اور تیسری پاک بھارت آل آؤٹ وار کا شدید اندیشہ موجود ہے' کیونکہ واجپائی نے حال ہی میں جالندھر میں جو زہر آلود باتیں کی ہیں وہ کھلم کھلا طبل جنگ بجانے کے مترادف ہے۔ بھارتی وزیر اعظم کا صاف الفاظ میں یہ کہہ دینا کہ ہم ۱۹۴۷ء کے بٹوارے ہی کو تسلیم نہیں کرتے اور پاکستان کے خلاف جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک آزاد کشمیر کو بھی واپس نہ لے لیں اور یہ کہ اگر پاکستان نے ایٹمی قوت کا مظاہرہ کیا تو ہم اس سے بڑھ کر کریں گے' ہندو قوم کے سینوں میں موجزن مسلمان دشمنی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ واجپائی کا یہ بیان بالخصوص اس موقع پر جبکہ صدر کلنٹن بھارت کا دورہ کرنے والے ہیں' ظاہر کرتا ہے کہ بھارت اس خطے میں تناؤ کی فضا ختم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ اب کھلی حقیقت ہے کہ امریکہ نے اپنا سارا وزن بھارت کے پلڑے میں ڈال دیا ہے اور وہ چین کے مقابلے میں بھارت کو ایک منی سپر پاور کی حیثیت سے ابھارنا چاہتا ہے' چنانچہ ان حالات میں صدر کلنٹن نے اگر صرف بھارت کا دورہ کیا اور پاکستان سے بے اعتنائی برتی تو یہ یقیناً بھارتی حکومت کی پالیسیوں کی تائید اور توثیق کے مترادف ہو گا۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا اب جبکہ ظاہر ہو گیا ہے کہ بھارت جنگی جنون میں مبتلا ہے اور جس طرح مغرب کی طرف سے مسلم فنڈا منٹلزم کا ہوا کھڑا کر کے پاکستان کو نرغے میں لیا جا رہا ہے تو ہمیں پاکستان کے دفاع کے لئے مسلح افواج کے ساتھ ساتھ پیپلز آرمی تیار کرنی چاہئے' جیسا کہ چین اور اسرائیل میں ہر فرد کے لئے ملٹری ٹریننگ لازم ہے۔ کیونکہ

کسی مسلمان ملک پر اگر کوئی غیر مسلم ملک حملہ کر دے تو وہاں کے رہنے والے تمام مسلمانوں پر اس کا دفاع فرض عین ہو جاتا ہے۔

سورۃ انفال کی رو سے ایسے موقع پر پیٹھ دکھانا بہت بڑا جرم ہے' لہٰذا ہمیں پاکستان کے دفاع کے لئے اپنا تن من دھن لگانے کو تیار ہو جانا چاہئے۔ اسی سورہ مبارکہ میں اللہ' اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین کے ساتھ خیانت کرنے سے بچنے اور امانت داری کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ مسلمانان پاکستان کے لئے سب سے بڑی امانت خود یہ سلطنت خداداد اور اس کی ایٹمی صلاحیت ہے۔ لہٰذا ہمیں ان امانتوں کی حفاظت کرنا ہے کجا یہ کہ ہم ایٹمی صلاحیت کو رول بیک کرنے کے بارے میں سوچیں۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارا الیکٹرانک میڈیا ایک ہی راگ الاپ رہا ہے کہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے سے کچھ فرق نہیں پڑے گا حالانکہ امریکی سینٹ نے سی ٹی بی ٹی کی توثیق سے صرف اس لئے انکار کیا تھا کہ اگر مزید تجربات نہ کئے گئے تو امریکہ اپنی ایٹمی صلاحیت کو اپ ڈیٹ نہیں کر سکے گا۔ لہٰذا حکومت کو چاہئے کہ وہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کا خیال دل سے نکال دے اور یہاں شرعی قانون سازی اور سودی نظام کے خاتمے کا عمل تیز تر کر دے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو یوم بدر کی طرح اللہ ہمیں دشمنوں کے مقابلے میں قدم قدم پر فتح عطا فرمائے گا۔ اللہ کی اس خصوصی نصرت کا ایک مظاہرہ ہم ۱۹۶۵ء کی جنگ میں بھی دیکھ چکے ہیں"۔

۲۵ فروری کے خطاب جمعہ میں امیر تنظیم نے فرمایا:

"امت مسلمہ کا اصل مقابلہ یہود سے ہے' اور پاکستان کو امت مسلمہ کے امام کی حیثیت حاصل ہے' لہٰذا یہود اور اسرائیل کے مقابلے کے لئے پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے جو ایٹمی صلاحیت عطا کی ہے وہ دراصل امت مسلمہ کی امانت ہے جس پر سی ٹی بی ٹی کے ذریعے اسلام دشمن طاقتیں شبخون مارنے کے درپے ہیں۔ امت مسلمہ کے امام کی حیثیت سے اس وقت پاکستان کو ایک محاذ پر یہودیوں کی دشمنی کا سامنا ہے جبکہ دوسری طرف مشرقی محاذ پر بھارت جیسا دشمن موجود ہے۔ یہ صورتحال بعینہٖ رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کرنے کے بعد ابتدائی مدنی دور سے مشابہ ہے جبکہ حضور ﷺ اور مسلمانوں کو مشرکین مکہ اور یہودیوں کی دوہری دشمنی کا سامنا تھا۔ جس کی طرف سورۃ المائدہ کی آیت ۸۲ میں واضح اشارہ موجود ہے کہ مسلمانوں کے خلاف دشمنی اور عداوت میں دو طبقات سب سے بڑھ کر ہیں' یعنی یہود اور مشرکین۔ حضور اکرم ﷺ نے جس طرح اپنی معاملہ فہمی اور اعلیٰ فراست کا ثبوت دیتے ہوئے ان مشکل حالات میں صلح حدیبیہ کے ذریعے مشرکین کے ساتھ وقتی طور پر مصالحت کر لی تھی اور پھر آپؐ نے پوری قوت کے ساتھ خیبر پر فوج کشی کی اور یہود کی قوت کو کچل کر رکھ دیا' یہ سب کچھ صلح حدیبیہ کے بعد ممکن ہوا۔ حالانکہ اس صلح کے لئے آپ کے جان نثاروں میں سے کوئی بھی دلی طور پر رضامند نہ تھا' کیونکہ یہ صلح بظاہر دب کر کی گئی تھی' لیکن قرآن نے اسے فتح مبین اسی لئے قرار دیا کہ اس کے ذریعے یہود کا قلع قمع ممکن ہوا اور یوں فتح مکہ کی راہ ہموار ہوئی۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ آج پاکستان بھی انہی حالات میں گھرا ہوا ہے۔ مشرکین کا نمائندہ اس وقت بھارت ہے جس نے پاکستان کو آج تک ذہنی و نفسیاتی طور پر قبول نہیں کیا اور یہود اس وقت معاشی اور اقتصادی اعتبار سے پوری دنیا کو اور بالخصوص امریکہ کو اپنے شکنجے میں لئے ہوئے ہیں اور ان کا ٹارگٹ پاکستان کا ایٹمی پروگرام ہے جسے وہ کسی صورت گوارا کرنے کو تیار نہیں۔ لہٰذا پاکستان کو کسی ایسی کوشش کی راہ میں رکاوٹ نہیں کھڑی کرنی چاہئے جو پاکستان بھارت دشمنی کے شعلوں کو کم کرنے کا باعث بنے۔ بلکہ بھارت کے ساتھ اگر بظاہر کچھ دب کر صلح کرنی پڑے تو اس سے بھی گریز نہیں کرنا چاہئے اور ہمیں اصل تیاری یہود اور اس کے زیر اثر عیسائی طاقتوں کے خلاف کرنی چاہئے جو عنقریب پورے عالم اسلام کے خلاف محاذ کھولنے اور مشرق وسطیٰ میں خونریزی مچانے کے درپے ہیں۔

چیف ایگزیکٹو نے بلاشبہ یہ درست کہا ہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان اصل مسئلہ اور واحد جھگڑا کشمیر کا ہے' باقی مسائل تو معمولی نوعیت کے ہیں۔ مسئلہ کشمیر کے تصفیہ کے ضمن میں اگر صدر کلنٹن کوئی مناسب حل پیش کر سکیں تو اس کو قبول کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ مسئلہ کشمیر کے حل کی ایک بہترین صورت یہ ہو سکتی ہے کہ غیر مسلم اکثریت کے علاقے لداخ اور جموں بھارت کے ساتھ شامل کر دیئے جائیں جبکہ آزاد کشمیر' بلتستان اور گلگت پاکستان میں ضم کر دیئے جائیں۔ وادی کشمیر جس پر اگرچہ پاکستان کا حق ہے لیکن بھارتی عوام اسے کبھی بھی پاکستان کے حوالے کرنے پر راضی نہیں ہوں گے لہٰذا اگر وادی کی حد تک ریفرنڈم کرا لیا جائے اور وہاں تھرڈ آپشن بھی دے دیا جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ قائداعظم نے ۱۹۴۷ء میں تھرڈ آپشن پر رضامندی ظاہر کی تھی۔ ان کے یہ بیانات ۱۳/جون ۴۷ء اور ۱۸/جولائی ۴۷ء کے پاکستان ٹائمز میں چھپ چکے ہیں۔ دراصل انگریز خود کشمیر کے مسئلے کو الجھا کر یہاں سے رخصت ہوا تھا تاکہ اس خطے میں کبھی امن قائم نہ رہ سکے۔ لہٰذا دونوں ممالک کو اس سازش کا حصہ بننے کے بجائے اس مسئلے کے حل کی طرف توجہ دینی چاہئے کیونکہ دونوں ممالک کے تمام وسائل اسی میں ضائع ہو رہے ہیں۔ خصوصاً پاکستان کو زیادہ نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ لہٰذا اگر ہمیں بھارت سے صلح حدیبیہ کی طرز پر صلح کرنی پڑے تو کر لینی چاہئے۔ اس طرح کم از کم ہمارا مشرقی فرنٹ تو دشمن سے محفوظ ہو جائے گا۔ اگر ایسا ہو گیا تو قائداعظم کا وہ خواب بھی شرمندہ تعبیر ہو جائے گا جس کے مطابق انہوں نے ایک موقع پر یہ امید ظاہر کی تھی کہ پاک بھارت تعلقات بالکل ایسے ہوں گے جیسے آج کینیڈا اور امریکہ کے درمیان معاملات ہیں۔ پھر ہم اپنے ملک میں نظام خلافت قائم کر کے امت مسلمہ کے سب سے بڑے دشمن یہودیوں سے بھی نبٹ سکیں گے"۔

(نوٹ: ۲۵ فروری کے اس خطاب کو ان شاء اللہ آئندہ اشاعت میں مفصل طور پر شائع کیا جائے گا)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ع "اِک دیا اور بجھا' اور بڑھی تاریکی!"

# مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

○ چند یادیں ○ چند تاثرات

اور ○ ایک خواہش جو حسرت میں تبدیل ہو گئی!

از قلم: اسرار احمد

سن ۱۹۹۹ء عیسوی کے آخری دن جب عیسائی دنیا اپنے عقیدے کے مطابق تیسرے "ملے نیم" (MILLENIUM) کے پُرجوش استقبال کی تیاریاں کر رہی تھی، مشرق میں عالمِ اسلام' بالخصوص سرزمین پاک و ہند کا علم و فضل اور تقویٰ و تدین کا روشن ترین آفتاب غروب ہو گیا ـــــ اور مولانا سید ابوالحسن علی الحسینی الندوی اس عالمِ آب و گل سے اعلیٰ علیین کی جانب رحلت فرما گئے! اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ!!

جیسے ہی ان کے انتقال کی اطلاع ہوئی ایک حسرت آمیز سکتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور ان سے لگ بھگ ساڑھے سینتیس سال قبل جو پہلی ملاقات حجازِ مقدس میں ہوئی تھی اس سے شروع ہو کر بعد کی ملاقاتوں اور صحبتوں کی یاد ایک فلم کی صورت میں شعور کے پردۂ سکرین پر چلنے لگی ـــــ چنانچہ بہت سی بھولی بسری یادیں بھی تازہ ہوئیں' اور بہت سے تاثرات بھی قلب کی گہرائیوں سے ابھرے' اور سب سے بڑھ کر ایک خواہش بھی حسرت بھری ہُوک کی صورت اختیار کر گئی۔

---

مجھ سے سرسری سی واقفیت رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ اگرچہ ہائی سکول کے آخری دو سالوں کا "نیم شعوری" دَور تو علامہ اقبال کی ملی شاعری کے زیرِ اثر مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے فعال کارکن کی حیثیت سے تحریکِ پاکستان کے ساتھ گہری قلبی و

عملی وابستگی میں گزارا تھا' تاہم واقعہ یہ ہے کہ میں نے "شعور کی آنکھ" تحریکِ جماعتِ اسلامی کی گود میں کھولی تھی ـــــ اور ۴۷ء سے ۵۷ء پورے دس برس اس تحریک کے سائے میں' اوّلاً اسلامی جمعیت طلبہ اور پھر جماعت اسلامی کے ساتھ' فعال وابستگی کی صورت میں بسر کئے تھے ـــــ اُس زمانے میں جماعت اسلامی کے قیام (۱۹۴۱ء) کے تقریباً فوراً ہی بعد (۱۹۴۳ء میں) جو خلفشار رُونما ہوا تھا جس کے نتیجے میں تقریباً ایک تہائی ارکان نے جماعت سے علیحدگی اختیار کرلی تھی' اس کے ضمن میں ذہن میں بار بار یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس کا اصل سبب کیا تھا۔ لیکن اس کا کوئی جواب اس لئے دستیاب نہیں ہوتا تھا کہ علیحدہ ہونے والے حضرات نے نہ صرف یہ کہ خود اس معاملے میں کامل سکوت اختیار کیا تھا' بلکہ مولانا مودودی مرحوم کو بھی پابند کردیا تھا کہ وہ اس معاملے کو عام نہ کریں۔ ان حضرات میں بعض دیگر اہم حضرات کے ناموں کے علاوہ دو نام بہت نمایاں تھے' ایک مولانا محمد منظور نعمانی کا اور دوسرا مولانا سید ابوالحسن علی ندوی عرف مولانا علی میاں کا ـــــ اور چونکہ یہ دونوں حضرات ہندوستان کے اُس وقت کے دینی اور علمی حلقوں میں معروف بھی تھے اور محترم بھی' لہٰذا یہ حسرت بھری خواہش دس سال کے اس پورے عرصے کے دوران دل میں موجود رہی کہ کاش کہ یہ حضرات جماعت سے علیحدہ نہ ہوئے ہوتے!

۵۷۔۱۹۵۶ء کے دوران جو دوسرا اور عظیم تر خلفشار جماعت میں رونما ہوا اور اس کے نتیجے میں بہت سے دوسرے حضرات کے ساتھ میں بھی اپریل ۱۹۵۷ء میں جماعت سے علیحدہ ہوگیا تو ایک بار پھر دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ معلوم کیا جائے کہ ۱۹۴۳ء میں علیحدگی اختیار کرنے والوں کے وجوہِ علیحدگی کیا تھے ـــــ تاہم اس کا کوئی ذریعہ دستیاب نہ تھا۔ (اگرچہ بعد میں مولانا نعمانی ؒ نے واقعاتی پیرائے میں' اور مولانا علی میاں ؒ نے نظریاتی انداز میں اپنے اختلافات کا اظہار کیا' لیکن یہ کافی بعد کی بات ہے!)

ان ہی دنوں کی بات ہے کہ منٹگمری (حالیہ ساہیوال) میں جہاں میں ان دنوں مقیم تھا ایک عجیب مجمع البحار قسم کی شخصیت ڈاکٹر ثناء اللہ مرحوم کی صورت میں وارد ہوئی ـــــ یہ صاحب ایک جانب دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے' دوسری جانب ہسٹری میں لندن سے پی ایچ ڈی کئے ہوئے تھے' تیسری جانب سیاست میں بھی عمل دخل رکھتے تھے

اور اُس وقت کے مشرقی پاکستان کے ضلع چٹاگانگ کی ڈسٹرکٹ کونسل کے چیئرمین رہے تھے ـــــ اب یہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ان کو وہ کونسے حالات پیش آئے کہ انہیں سرکاری ملازمت اختیار کرنی پڑی ـــــ بہرحال وہ ساہیوال میں ڈی آر سی یعنی محکمہ بحالیات میں ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر تعینات ہوئے۔ ان کا بہت گہرا اور فعال تعلق تبلیغی جماعت کے ساتھ تھا' اور ان کی آمد سے ساہیوال میں دفعتاً تبلیغی جماعت کے حلقے میں بہت حرکت اور چہل پہل پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے کہ جن جن لوگوں کے بحالیات کے سلسلے کے مقدمات ان کے زیر سماعت ہوتے تھے وہ سب ان کے آگے پیچھے رہتے تھے اور "سہ روزہ" تو ان میں سے اکثر ہی لگا لیتے تھے' بعض "چلّے" بھی لگاتے رہے ـــــ انہیں کچھ لوگوں سے میرے بارے میں معلوم ہوا کہ ایک فعال نوجوان جس کے درس قرآن کو بہت مقبولیت حاصل ہے' حال ہی میں جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوا ہے ـــــ چنانچہ کچھ تو انہوں نے مجھ پر ڈورے ڈالے اور کچھ خود مَیں بھی جماعت کے بغیر زندگی گزارنے کے خطرات سے آگاہ ہونے کی بنا پر کسی جماعتی سلسلے میں منسلک ہونا چاہتا تھا ـــــ بنابریں لگ بھگ دو سال میں نے تبلیغی جماعت کے سائے میں بسر کئے اور اس عرصے میں "سہ روزے" تو کئی لگائے لیکن "چلّے" کی نوبت نہیں آئی۔ اس زمانے میں کئی بار ڈاکٹر ثناء اللہ مرحوم نے مولانا نعمانی" اور علی میاں" کا نام لے کر کہا کہ: "ہم لوگ انہیں پوری طرح اپنا آدمی نہیں سمجھتے' بلکہ "ففٹی ففٹی" (ففٹی ففٹی) سمجھتے ہیں' یعنی وہ پچاس فیصد تبلیغی جماعت میں ہیں تو پچاس فیصد ابھی تک جماعت اسلامی میں ہی ہیں!" (یہی بات کسی صحافی نے بعد میں اس طرح بیان کی کہ جو لوگ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہو جاتے ہیں ان کی اکثریت کا حال یہ رہتا ہے کہ وہ تو جماعت سے نکل جاتے ہیں لیکن جماعت ان کے اندر سے نہیں نکلتی!) بہرحال اس سے ان دونوں حضرات سے ملاقات اور گفتگو کی خواہش نے بہت شدت اختیار کر لی ـــــ لیکن ظاہر ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کے مابین "فاصلے" زمینی طور پر بہت کم ہونے کے باوجود عملاً بہت زیادہ رہے ہیں اور بھارت کا سفر ع "صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا!" کا مصداق کامل رہا ہے' لہٰذا یہ خواہش بس دل ہی دل میں پروان چڑھتی رہی!

۱۹۶۲ء میں پہلی بار حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی تو مولانا علی میاںؒ کی ملاقات کا یہ گوہرِ مقصود ہاتھ آگیا ــــــ ہوا یہ کہ میں اپنے والدین مرحومین کی معیت میں مکہ مکرمہ میں مقیم تھا کہ ایک روز اچانک حرم میں مولانا محمد داؤد غزنویؒ سے ملاقات ہوگئی۔ ان سے معلوم ہوا کہ "سعودی حکومت نے "رابطہ عالم اسلامی" کی تاسیس کے لئے ایک خاص اجلاس طلب کیا ہے جس میں پاکستان سے مَیں (یعنی مولانا داؤد غزنویؒ) اور مولانا مودودیؒ مدعو ہیں ــــــ چنانچہ مولانا بھی تشریف لا چکے ہیں"۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ "مولانا مودودی کے ساتھ تو ان کے سیکرٹری کے طور پر خلیل حامدی صاحب آئے ہیں' میرے ساتھ سیکرٹری کوئی نہیں ہے' تم میرے سیکرٹری بن کر اجلاس میں شریک ہو سکتے ہو!" ــــــ میرا معاملہ تو ظاہر ہے کہ اس ضمن میں "اندھا کیا چاہے' دو آنکھیں!" والا ہی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اسے بسرو چشم قبول کیا اور اس طرح رابطے کے تاسیسی اجلاس کی پوری کارروائی کا بچشم سر مشاہدہ کیا۔

اس کانفرنس کا افتتاحی اجلاس تو "قصر الملک" میں ہوا جہاں شاہ سعود بن عبد العزیز نے نہایت ولولہ انگیز خطاب فرمایا ــــــ اور مندوبین میں سے تقریباً نصف کے ساتھ مصافحہ بھی کیا (اس کے بعد غالباً وہ تھک گئے تھے' چنانچہ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کر دیا۔ اور مصافحہ کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔) ــــــ لیکن پہلی "بزنس میٹنگ" مفتی اعظم ابراہیم بن محمدؒ کی صدارت میں ہوئی۔ وہاں کسی بات پر حاضرین نے تالی بجادی تو مفتی صاحب شدید ناراض ہوئے کہ ہمارا شعار سُبحان اللہ اور الحمد للہ کہنے کا ہے' تالی بجانا اہل مغرب کی تہذیب ہے ــــــ اور پھر انہوں نے اجلاس کی صدارت بطورِ نائب مولانا علی میاںؒ کے سپرد کر دی اور خود رخصت ہو گئے۔ چنانچہ بعد کے تمام اجلاس مولانا علی میاںؒ کی صدارت میں ہوئے ــــــ جس سے مجھے انہیں نہایت قریب سے دیکھنے اور ان کی شخصیت کے اندر جھانکنے کا بھرپور موقع ملا۔ چنانچہ مجھے ایک واقعہ تو بھول ہی نہیں سکتا ــــــ ہوا یوں کہ جیسے کہ بعد میں معلوم ہوا "رابطہ عالمِ اسلامی" دراصل ڈاکٹر سعید رمضان مرحوم کے ذہن کی پیداوار (BRAIN CHILD) تھا ــــــ چنانچہ وہ ان مجالس میں سٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دے رہے تھے ــــــ ڈاکٹر صاحب موصوف (جو اب مرحوم ہو چکے ہیں) شیخ حسن البنا شہیدؒ کے داماد اور الاخوان المسلمون کے اہم قائدین میں سے تھے ــــــ اور

اُس وقت جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے ـــــ تو ایک موقع پر کسی مندوب نے مولانا علی میاںؒ سے یہ سوال کرلیا کہ ڈاکٹر سعید رمضان یہاں کس حیثیت میں (یعنی کس ملک کے نمائندے کے طور پر) شریک ہیں؟ ـــــ اس پر ڈاکٹر سعید رمضان کے تو پسینے چھوٹ گئے ـــــ لیکن مولانا علی میاں نے یہ کہہ کر انہیں سہارا دیا کہ "انہیں میں نے اپنی سہولت کے لئے یہ خدمت سپرد کی ہے!"

مکہ مکرمہ میں مولانا علی میاںؒ کا قیام فندق مصر میں تھا (جو اُس وقت مکہ کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ شاندار ہوٹل تھا!) ـــــ چنانچہ میں وہاں مسلسل حاضر ہو کر مولانا کے نیاز حاصل کرتا رہا اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہوتا رہا۔ مولانا مودودیؒ بھی اسی ہوٹل میں مقیم تھے ـــــ مَیں نے خود تو ان سے بھی متعدد ملاقاتیں کیں لیکن میرا عام مشاہدہ یہ تھا کہ مولانا سے اُس وقت تک اہل عرب کم ہی واقف تھے۔ چنانچہ بسا اوقات وہ ہوٹل کی لابی میں بالکل تنہا بیٹھے بھی نظر آتے تھے، جبکہ مولانا علی میاں کے گرد ہر وقت لوگوں کا جمگھٹا رہتا تھا ـــــ اور جو شخص بھی داخل ہوتا تھا ہوٹل کے عملے سے یہی سوال کرتا تھا: "این الاستاذ الندوی؟" ـــــ یعنی مولانا ندوی کہاں ہیں؟

ع "خدارا آں کرم بارے دگر کن!" کے مصداق اللہ کا کرم یہ ہوا کہ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو مولانا مودودیؒ اور مولانا علی میاںؒ دونوں بھی وہیں مقیم تھے۔ مولانا مودودیؒ تو ایک ہوٹل میں مقیم تھے، لیکن مولانا علی میاںؒ نے ہوٹل کی بجائے مدینہ منورہ کے مضافات میں اپنے ایک عرب دوست کے مکان پر قیام کو ترجیح دی تھی۔ چنانچہ میں نے مولانا مودودیؒ سے بھی متعدد بار ہوٹل میں ملاقات کی، اس لئے کہ مولانا اپنی علالت طبع کے باعث نمازیں اکثر ہوٹل ہی میں ادا کرتے تھے۔ لیکن مولانا علی میاںؒ سے مسجد نبوی میں کثرت سے صحبت رہی ـــــ یہاں تک کہ میں ایک بار ان کی قیام گاہ پر بھی ان کے ہمراہ پیدل گیا (اگرچہ فاصلہ خاصا تھا!) ـــــ وہ اصلاً ایک نخلستان تھا جس میں رہائش بھی تھی، کنواں بھی تھا اور تالاب بھی گویا پورا دیہاتی ماحول تھا۔ مولانا نے فرمایا مجھے ہوٹلوں میں قیام سے وحشت ہوتی ہے ـــــ بہرحال میں اپنے پورے قیامِ مدینہ کے دوران پوری پابندی کے ساتھ نماز عصر سے عشاء تک کا وقت مسجد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں مولانا علی میاں کی صحبت میں گزارتا تھا ـــــ مولانا کا مستقل معمول یہ تھا کہ مغرب کی نماز

کے بعد پہلے نصف پارہ مصحف میں دیکھ کر تلاوت فرماتے تھے 'پھر چھ رکعت نماز میں اسے دہراتے تھے اور میں اس دوران ان کے قرب سے فیض یاب ہوتا رہتا تھا ــــ اس سے جو اثر میرے قلب پر مترتب ہوتا تھا وہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ مختصر یہ کہ مجھے مولانا کی شخصیت کے گرد ایک نورانی ہالہ فی الواقع نظر آتا تھا۔ اور ان کے وجود میں سے نیکی اور تقویٰ کی کرنیں پھوٹتی محسوس ہوتی تھیں ــــ اور شاید یہ اسی روحانی رعب اور ہیبت کا نتیجہ تھا کہ میں مولانا سے وہ سوال کرنے کی ہمت نہ کر سکا کہ آپ نے جماعت اسلامی سے علیحدگی کیوں اختیار کی تھی؟ ــــ صرف ایک بار ایسا ہوا کہ میں نے جی کڑا کر کے مولانا سے اقامتِ دین کی جدوجہد کے بارے میں سوال کیا تو اس کا یہ مختصر جواب مجھے ملا کہ: "اقامتِ دین کا مفہوم صرف وہی نہیں ہے جو مولانا مودودی لیتے ہیں بلکہ اس کا مفہوم بہت وسیع ہے!" ــــ اس سے زیادہ بحث و تمحیص کی ظاہر ہے کہ کوئی صورت ممکن نہیں تھی ــــ البتہ میں نے ان ہی دنوں ساہیوال میں جو "قرآنی دارالقامہ" قائم کیا تھا (جس میں کالج میں زیرِ تعلیم طلبہ کو رہائش فراہم کر کے انہیں عربی زبان اور قرآن حکیم کی تعلیم دی جاتی تھی!) اس کے ضمن میں تذکرہ کیا اور اس کی کامیابی کے لئے دعا کی درخواست کی تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس تجویز کو بہت پسند کیا بلکہ اس کے لئے دعا کا بھی پختہ وعدہ فرمایا! ــــ

---

اس کے بعد تقریباً پندرہ سال اس کیفیت میں گزرے کہ کوئی بالمشافہ ملاقات تو نہیں ہوئی لیکن غائبانہ تعارف بڑھتا چلا گیا۔ اس لئے کہ اسی عرصے کے دوران (۶۵ء میں) مَیں لاہور منتقل ہوا۔ ۶۶ء سے "میثاق" کی ادارت سنبھالی اور دیگر مطبوعات کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا' جن میں اولین تھی میری تالیف "تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ" جس میں مَیں نے جماعت اسلامی پاکستان کی پالیسی سے اپنے اختلافات کو تفصیلاً بیان کیا تھا اور جس پر تائید اور تحسین کے خطوط مولانا محمد منظور نعمانی اور ان کے صاحبزادے عتیق الرحمٰن سنبھلی کی جانب سے آچکے تھے ــــ اگرچہ مولانا علی میاں کا کوئی تبصرہ موصول نہیں ہوا' بہرحال یہ چیزیں مسلسل ندوۃ العلماء لکھنؤ جاتی رہیں۔ ادھر وہاں سے بھی مطبوعات اور مجلّات آتے رہے ــــ اسی دوران میں میرے کتابچے

"مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کا عربی ترجمہ "ماذا یجب علی المسلمین تجاہ القرآن" کے نام سے (جو برادر م ڈاکٹر صہیب حسن صاحب نے کیا تھا) پانچ اقساط میں ندوہ کے عربی مجلہ "البعث الاسلامی" میں شائع ہوا ـــــ اور ۱۹۷۷ء کے اوائل میں وہ واقعہ بھی پیش آیا جس کی اطلاع مجھے مدینہ منورہ سے مولانا عبد الملک جامعی مرحوم نے دی ـــــ یعنی یہ کہ جب مولانا علی میاں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ؒ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تو انہوں نے دریافت کیا کہ انہوں نے "میثاق" بابت دسمبر۱۹۷۶ء میں شائع شدہ میری تحریر پڑھی ہے یا نہیں، جس میں مَیں نے برِّ عظیم پاک و ہند میں انیسویں صدی عیسوی کے اواخر اور بیسویں صدی کے نصف اوّل میں جو تفاسیر قرآن شائع ہوئیں ان کا تنقیدی جائزہ لیا تھا اور تین مختلف مکاتبِ فکر کی نشاندہی کی تھی ـــــ اور جب مولانا علی میاں ؒ نے فرمایا کہ یہ تحریر ان کی نظر سے نہیں گزری تو حضرت شیخ الحدیث ؒ نے فرمایا: "یہ پرچہ لے جاؤ اور اسے ضرور پڑھو ـــــ لیکن دیکھنا پڑھ کر مجھے واپس کر دینا!"

(مولانا جامعی مرحوم مدینہ منورہ میں مدارسِ قرآن کے مراقب و مفتش تھے اور ان کا خط میری تالیف "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر" میں صفحہ ۱۴۸ پر درج ہے۔ ویسے بعد میں ان سے کئی بار ملاقات بھی ہوئی اور تفصیلی گفتگوؤں کا بھی موقع ملا۔)

بہرحال اس پس منظر میں مولانا علی میاں سے دوسری بالمشافہ ملاقات اواخر ۱۹۷۷ء میں ہوئی جب انہیں اسلام آباد صدر ضیاء الحق صاحب کی دعوت پر ان سے ملاقات کے لئے جاتے ہوئے پروازوں کے نظام میں گڑبڑ کے باعث تین چار گھنٹے لاہور کے ہوائی مستقر پر ٹھہرنا پڑا ـــــ اس موقع پر مولانا نے یہ کرم فرمایا کہ مجھے فون کرا دیا۔ چنانچہ میں بھاگم بھاگ ایئرپورٹ پہنچا اور مولانا کو ان کے جملہ ہمراہیوں سمیت قرآن اکیڈمی، ماڈل ٹاؤن لے آیا ـــــ جس کی تعمیر ابھی ابتدائی مراحل میں تھی ـــــ اس موقع پر ایک تو جیسے ہی مولانا نے مجھے دیکھا تو یہ کہہ کر کہ شدید شرمندہ کر دیا کہ: "اچھا! تو "بسطةً فی العلم" کے ساتھ ساتھ بسطةً فی الجسم بھی ہو گیا ہے!"۔ (اس لئے کہ ۶۲ء تک تو میرا جسم بالکل اکہرا تھا ـــــ لیکن اس عرصے میں واقعتاً "دہرا" ہو گیا تھا!)۔ دوسرے قرآن اکیڈمی کے منصوبے کی تہہ دل سے تعریف کی ـــــ اور وعدہ کیا کہ آئندہ کسی آمد کے موقع پر باقاعدہ تشریف لا کر خطاب فرمائیں گے ـــــ اس ملاقات کی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس

"آمد غیر مترقبہ" پر ظاہر ہے کہ تواضع کا کوئی اہتمام تو ہو ہی نہیں سکتا تھا ـــــ صرف اصل لغوی معنی میں "ماحضر" ہی پیش کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ خوب یاد ہے کہ اُس وقت مونگ کی دال کی کھچڑی ہی "حاضر" تھی جسے مولانا نے نہایت ذوق و شوق سے تناول فرمایا ـــــ اور میری دلجوئی یہ کہہ کر کی کہ "مجھے کھچڑی بہت مرغوب ہے!"

---

قرآن اکیڈمی لاہور میں حضرت مولاناؒ کا یہ "ورود مسعود" جولائی ۱۹۷۸ء میں ہوا ـــــ اس موقع پر مولانا نے پاکستان کا بہت مفصل دورہ کیا تھا اور کراچی' لاہور' اسلام آباد' پشاور اور فیصل آباد بہت سے مقامات پر مدارس و جامعات اور دیگر اجتماعات سے خطاب فرمایا تھا۔ چنانچہ قرآن اکیڈمی لاہور میں ان کا ورود مسعود ۲۶/ جولائی کو ہوا۔ ـــــ اس موقع پر میرے علم میں یہ بات آئی کہ لاہور میں مولانا کے اصل میزبان چونکہ تبلیغی جماعت کے حلقے سے متعلق تھے ـــــ اور انہیں نہ صرف مجھ سے بلکہ حاجی عبدالواحد صاحب مرحوم سے بھی کچھ مزاجی بُعد تھا۔ (یاد ش بخیر! حاجی عبدالواحد صاحب ایک زمانے تک تبلیغی جماعت میں بہت فعال طریقے پر شامل رہے تھے لیکن پھر کچھ اختلافات کی بنا پر علیحدہ ہو گئے تھے ـــــ اور مولانا علی میاںؒ سے ان کا خصوصی تعلق یہ تھا کہ وہ ایک سال ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مقیم رہے تھے اور اس عرصے کے دوران انہوں نے علی میاںؒ سے عربی سیکھی تھی اور علی میاںؒ نے ان سے انگریزی پڑھی تھی!) ـــــ لہٰذا میرے ادارے میں آنے کے لئے مولانا کو ان حضرات کی ناراضگی مول لینی پڑی تھی ـــــ بہرحال مولانا تشریف لے آئے ـــــ اور انہوں نے "جامع القرآن" (یعنی قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد) کے BASEMENT میں خطاب فرمایا جو کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ واضح رہے کہ اس وقت تک صرف اس بیسمنٹ ہی کی تعمیر ہوئی تھی ـــــ دو منزلہ مسجد کی تعمیر بعد میں مکمل ہوئی ـــــ مولانا کا یہ خطاب اس مجموعے میں شامل ہے (صفحات ۱۴۶ تا ۱۵۷) جو مجلس نشریات اسلام' کراچی نے مولانا کے سفر پاکستان کے دوران کی گئی تمام تقاریر پر مشتمل "حدیثِ پاکستان" کے عنوان سے شائع کیا تھا! ـــــ متذکرہ بالا سبب ہی کی بنیاد پر حاجی عبدالواحد صاحب سے بھی مولانا علی میاںؒ کی ملاقات میں تاخیر ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ جب اپنے قیامِ لاہور کے آخری دن مولانا حاجی صاحب کے مکان پر تشریف

لے گئے تو انہوں نے میری موجودگی میں مولانا سے خاصے تلخ انداز میں شکوہ کیا کہ: "علی میاں! خط میں تو آپ نے لکھا تھا کہ پاکستان آمد سے آپ کی دلچسپی صرف مجھ سے ملاقات کے لئے ہے! لیکن بالفعل آپ نے اتنا انتظار کرایا!" ـــــ جس پر حضرت مولانا" نے ایک سعادتمند "خورد" کی حیثیت سے کامل سکوت اختیار فرمایا۔ اس لئے کہ عمر میں حاجی صاحب مولانا علی میاں" سے کافی بڑے تھے۔ بہرحال اس کا میرے دل پر بڑا اثر ہوا کہ ع "ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں!" کے مصداق ابھی مشرقی تہذیب و آداب کے نمونے ہمارے مابین موجود ہیں!

---

۲۶/ جولائی ۷۸ء کو قرآن اکیڈمی کے اجتماع میں مولانا علی میاں" نے جو خطاب فرمایا تھا وہ تو متذکرہ بالا کتاب "حدیثِ پاکستان" سے اخذ کر کے اسی شمارے میں شائع کیا جا رہا ہے ـــــ البتہ مولانا کے خطاب سے قبل جو "خیر مقدمی" کلمات مَیں نے عرض کئے تھے اور جو "میثاق" بابت ستمبر/اکتوبر ۷۸ء میں شائع ہو گئے تھے، وہ درج ذیل ہیں:

"میں انتہائی مسرت اور خوشی کے ساتھ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قائم ہونے والی اس قرآن اکیڈمی میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا خیر مقدم کرتا ہوں ـــــ ایسے مواقع پر استقبالی کلمات میں عام طور پر دو باتیں شامل ہوتی ہیں: ایک مہمان گرامی کا تعارف اور ان کے محامد و اوصاف کا ذکر، اور دوسرے اس ادارے کا تعارف جہاں مہمان عزیز کا ورود میمنت لزوم ہوتا ہے ـــــ لیکن آج کی یہ مجلس ایک عجیب استثنائی شان کی حامل ہے کہ یہاں مہمان اور ادارہ دونوں کا تعارف بالکل بے محل ہے۔ مہمان کا اس لئے کہ بحمد اللہ وبفضلہٖ مولانا علی میاں اب سے بہت پہلے اس منزل سے گزر چکے ہیں جہاں ان کی ذات کسی تعارف کی محتاج ہوتی اور وہ اللہ کے فضل و کرم سے اب شہرت و مقبولیت کے اس مرتبہ و مقام پر فائز ہیں کہ کسی محفل یا مجلس میں ان کا تعارف کرانے کی کوشش، ان کی توہین پر محمول کی جا سکتی ہے۔ اور ادارے کا اس لئے کہ ابھی یہ اس قابل ہی نہیں کہ اس کا تعارف کرایا جا سکے۔ اور اگرچہ پیشِ نظر نقشے کے اعتبار سے تعمیر کا پروگرام نصف سے زائد مکمل ہو چکا ہے اور بہت سی اینٹیں اوپر تلے رکھی جا چکی ہیں، اور لوہے، بجری اور سیمنٹ پر مشتمل اچھا بھلا خوش منظر و خوش ہیبت انبار وجود

میں آچکا ہے' تاہم اصل مقصد کے اعتبار سے اس کی حیثیت تاحال "خواب و خیال" سے زیادہ نہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ : ع "گرچہ خوردیم نسبتے است بزرگ!" اس لئے کہ یہی خواب تھا جو اس صدی کے بالکل آغاز میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے "دار الارشاد" کی صورت میں دیکھا تھا۔۔۔۔
پھر یہی خواب لگ بھگ تیس سال بعد امت کے ایک اور رجل عظیم اور بطل جلیل علامہ اقبال مرحوم نے دیکھا جس کے نتیجے میں "دار الاسلام" کے نام سے ایک ادارہ بھی وجود میں آیا اور کچھ عمارتیں بھی عالم واقعہ میں ظہور میں آ گئیں' لیکن جس مقصد کے لئے وہ قائم ہوا تھا بوجوہ اس کا آغاز بھی نہ ہو سکا۔ اگرچہ یہ سعادت اس کے حصے میں ضرور آ گئی کہ برصغیر ہندو پاک کی ایک عظیم اسلامی تحریک کا ابتدائی گہوارہ بن گیا ـــــ اس کے ٹھیک تیس ہی سال بعد ۶۷ء میں یہ خواب امت کے ایک ناکارہ و ناتواں فرد نے پھر دیکھا اور اس بار اس کا نام "قرآن اکیڈمی" تجویز ہوا۔ لیکن عالم واقعہ میں اس بندۂ عاجز و ناکارہ کی اس گیارہ سال کی محنت و مشقت کا حاصل تاحال بس یہی کچھ ہے کہ کچھ دیواریں کھڑی ہو گئی ہیں اور ان کو چھتوں نے ڈھانپ بھی لیا ہے۔ رہا اصل مقصد' تو اس کی جانب صحیح معنوں میں پیش قدمی کا آغاز بھی نہیں ہوا"۔

اس کے بعد راقم نے "قرآن اکیڈمی" کے مقاصد' دورِ حاضر کے فکری رجحانات' مغربی تہذیب کے عالمگیر تسلط و استیلاء اور اس پس منظر میں اعلیٰ ترین علمی و فکری سطح پر دعوتِ ایمان کی ضرورت و اہمیت کے حوالے سے اجمالاً بیان کئے اور اس ضمن میں خود مولانا علی میاںؒ کی تالیف لطیف کا حوالہ بھی دیا اور ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی تصانیف کا بھی' اور امید تھی کہ مولانا اس موضوع پر کچھ ارشاد فرمائیں گے۔ لیکن افسوس کہ بوجوہ مولانا نے اپنی تقریر میں ادھر التفات نہیں فرمایا' اگرچہ دوسری بہت سی قیمتی اور قابل قدر باتیں ارشاد فرمائیں۔

(جاری ہے!)

# قرآنی مطالعہ اور اس کے آداب

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

---

مولانا علی میاںؒ کا وہ خصوصی خطاب جو انہوں نے ۲۶ جولائی ۱۹۷۸ء کو قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور کی زیر تعمیر عمارت میں ارشاد فرمایا تھا۔ مولاناؒ جولائی ۷۸ء میں پاکستان کے دورے پر تشریف لائے تھے اور امیر تنظیم اسلامی کی خواہش پر قرآن اکیڈمی میں ان کا خطاب ہوا۔ سامعین کی اکثریت اہل علم حضرات پر مشتمل تھی۔ (ادارہ)

---

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ نَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ

## قرآن مجید ہر موقع پر مشکل کشائی اور دست گیری کرتا ہے

برادرانِ عزیز! قرآن مجید کے معجزات میں سے' جن کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا' یہ بھی ہے کہ وہ ہر موقع پر مشکل کشائی اور دست گیری کرتا ہے۔ مجھے بارہا اس کا تجربہ ہوا کہ میں کسی تقریر کے موقع پر یہ طے نہ کر سکا کہ اپنی بات کہاں سے شروع کروں گا اور مجھے آج کیا کہنا ہے اور قاری نے قرآن مجید کی تلاوت کی اور مجھے معلوم ہوا کہ دوسرے لوگوں کے سننے سے پہلے وہ آیتیں مجھے سنائی جا رہی ہیں اور ان آیتوں کا انتخاب میرے لئے کیا گیا ہے۔ مجھے اپنے غیر ملکی دوروں میں بھی اس کا تجربہ ہوا کہ دن بھر کی

مصروفیتوں اور نقل و حرکت میں اس پر غور کرنے کی نوبت ہی نہ آئی کہ کس موضوع پر تقریر ہوگی۔ کہیں تو موضوع کا تعین ہو جاتا ہے اور کہیں نہیں ہوتا۔ تو میں نے اس کو خدا پر چھوڑ دیا کہ وہ وقت پر رہنمائی فرمائے گا' چونکہ جو چیز اس کی طرف سے آتی ہے اس کو عارفین "وارد" کہتے ہیں' یعنی ایک عزیز مہمان جس کا ورود ہوا ہے' اس میں اپنے ارادہ اور انتخاب کو کوئی دخل نہیں' اس موقع پر بھی یہی پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے عزیز قاری کو کہ جو انہوں نے آیتیں پڑھیں اس میں ہماری رہنمائی ہوئی۔ قبل اس کے کہ میں آیت کی تشریح میں کچھ عرض کروں اور قرآن مجید کے طالب علموں کے سامنے اپنے کچھ تجربے' کچھ مشورے پیش کروں کہ حقیقت میں وہی میرے مخاطب ہیں' کچھ اپنی حقیر ذات اور علمی سفر کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

## قرآن مجید کی حکمت دعوت

ڈاکٹر صاحب نے بڑی خوبی سے میرا تعارف بھی کرایا' لیکن میں کس قدر تعارف ضروری سمجھتا ہوں اور سنت یوسفی کے مطابق یہ فرض بھی خود ہی انجام دیتا ہوں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس تعبیر پوچھنے والے گئے تو انہوں فرمایا ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ۔ سب سے پہلے سامعین کو یا جو کوئی استفسار لے کر جائے اس کو اس اطمینان کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ جس کے پاس گئے ہیں اس سے کچھ مدد بھی مل سکتی ہے یا نہیں' انتخاب میں انہوں نے کچھ غلطی تو نہیں کی' تو انہوں نے ضروری سمجھا کہ کہہ دیں ﴿ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ ﴾

یہ نبی کا کلام تھا اور اس میں ایک طرح کی خودستائی کی بو تھی' اس میں اپنی تعریف کی بو نکلتی تھی اور یہ وہم ہو سکتا تھا' اس لئے انہوں نے فوراً فرما دیا کہ "ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ" میں تمہاری اس موقع پر مدد تو کر سکتا ہوں' مجھے اللہ نے یہ علم عطا فرمایا ہے' لیکن یہ علم کیوں عطا کیا ہے "اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ" یہ میری ذہانت کا نتیجہ نہیں ہے' میری نجابت کا بھی یہ نتیجہ نہیں' حالانکہ یہ دونوں چیزیں موجود تھیں اور بدرجہ کمال و جمال' لیکن انہوں نے فرمایا "اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ" اس علم کا افاضہ اس لئے ہوا کہ میں نے اس قوم کی ملت چھوڑ دی جو اللہ پر

ایمان نہیں رکھتی اور آخرت کی منکر تھی "وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ" اور اس کے بعد انہوں نے وہیں سے توحید کے وعظ کا مدخل پیدا کر لیا' عزیزو! تم جس کو بڑا مسئلہ سمجھ رہے ہو اور جو مشکل تم کو یہاں لے کر آئی ہے اس سے بڑی مشکل درپیش ہے' وہ ہے عقیدہ۔ یہ خواب جو تم نے دیکھا' خواب تو خواب ہی ہوتا ہے' لیکن معاملہ بیداری کا ہے' معاملہ زندگی کے مستقبل کا ہے' معاملہ ابدی اور دائمی زندگی کا ہے--- مان لو تم کو خواب کی تعبیر دینے والا دنیا میں کوئی بھی نہ ملے تب بھی کوئی بڑا نقصان نہیں' لیکن اس خواب ہستی کی تعبیر دینے والا اگر کوئی نہ ملا کہ دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ کائنات کا فاطر و خالق کون ہے؟ اگر اس کی صحیح معرفت نہ ملی تو اصل خطرہ یہ ہے۔ پھر انہوں نے اتنا ہی dose دیا جتنا dose دینا چاہئے تھا کہ یہ غرض لے کر آئے ہیں' ان کو ایک ذہنی پریشانی ہے' یہ اتنا صبر نہیں کر سکتے کہ ان کو ایک یا دو گھنٹے تبلیغ کروں' اس لئے انہوں نے بالکل صحیح احساس تناسب کے ساتھ' جو ایک حاذق طبیب رکھتا ہے اور ایک داعی حکیم رکھتا ہے' ایک ملہم رکھتا ہے' اتنا ہی ڈوز دیا جتنے ڈوز کے وہ متحمل تھے۔

## دل کا دروازہ کبھی کبھی کھلتا ہے

آپ اس تناسب کو دیکھئے' اس میں جمال یوسفی پورے طور پر عیاں ہے۔ اس میں نہ کمی ہے نہ زیادتی' ناپ تول کر جہاں رک جانا چاہئے وہاں رک گئے' یعنی توحید کی پوری بات کہی' لیکن اس کو اتنا دراز نہیں کیا کہ وہ لوگ یہ کہنے لگتے کہ آپ اگر خواب کی تعبیر دے سکتے ہیں تو دیجئے' ورنہ ہم فرصت سے آئیں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے دل و دماغ کا دروازہ کھلا ہے' اور دل کا دروازہ کبھی کبھی کھلتا ہے' قسمت سے کھلتا ہے' کبھی کسی غرض سے کھلتا ہے' کبھی کسی پریشانی سے کھلتا ہے' اس دروازہ سے جو اصل پیغام ہے وہ داخل کر دینا چاہئے' لیکن وہ پیغام اس سبک روی کے ساتھ داخل ہو کہ وہ دروازے بند نہ ہو جائیں اور احتجاجاً بند نہ ہو جائیں۔ میں تو حیران رہ جاتا ہوں' اور افسوس ہے کہ یہ پورا حصہ بائبل سے حذف ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کس کی تصنیف ہے اور قرآن کس کا نازل کیا ہوا ہے' ان کو خوب اندازہ تھا کہ یہ کتنی بات کے متحمل ہو سکتے ہیں' اتنی ہی بات انہوں نے کہی۔ مریض چاہتا ہے کہ اس کو اس کے درد کا مداوا جلد مل جائے تو انہوں نے کہا قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ یعنی تمہارا راشن جو

ہے اس کے آنے سے پہلے تعبیر دے دوں گا۔ مخاطب کو یہی دوا طمینان چاہئیں' اس کی دوا مل سکتی ہے یا نہیں؟ اور جلد ملتی ہے یا نہیں؟ اس درمیان میں توحید کا وعظ کہہ دیا۔

## مطالعہ قرآن مجید سے علمی زندگی کا آغاز

میں اپنا تھوڑا سا تعارف کرانا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں قرآن شریف کا ایک حقیر اور ادنیٰ طالب علم ہوں۔ میری علمی زندگی قرآن مجید ہی کے مطالعہ سے شروع ہوئی۔ میں نے کئی جگہ لکھا ہے کہ مجھے اللہ نے ایک ایسا استاد عطا کیا جس کو ذوقِ ایمانی اور ذوقِ قرآنی ملا تھا۔(1) وہ قرآن پڑھتے تھے اور روتے تھے۔ پہلا نقش جو مجھ پر پڑا وہ ان کی آواز کا' جو درد میں ڈوبی ہوتی تھی' یہ میری خوش نصیبی تھی' اور قرآن مجید کا اصل مزاج بھی یہی ہے۔

## قرآن مجید کا مزاج صدیقی ہے

قرآن مجید کا مزاج صدیقی ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا گیا کہ نماز پڑھاؤ اور حضور ﷺ کے مصلے پر کھڑے ہو جاؤ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ابوبکرؓ کو اس سے معاف رکھا جائے کہ وہ "رجل بکاء" ہیں۔ جب وہ قرآن شریف پڑھنے لگتے ہیں تو پڑھ نہیں سکتے' ان پر گریہ غالب ہو جاتا ہے اور لوگ سن نہیں سکتے ہیں۔ اور یہی شکایت کی تھی مشرکین قریش نے جب حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کی اجازت دی گئی اور انہوں نے اپنے گھر کے سامنے ایک مسجد بنائی۔ جب تک کہ وہ سری نماز پڑھتے رہے تو لوگ وہاں جمع نہیں ہوتے تھے' لیکن جب وہ قراءت کرنے لگے تو مرد و عورتیں اور بچے وہاں جمع ہونے لگے۔ پھر وہ رقت کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے لگے تو پتھر بھی موم ہونے لگے تھے اور دلوں پر ایسا اثر ہونے لگا کہ قریش کو یہ فکر پڑ گئی کہ کہیں مکہ معظمہ کی زندگی میں تہلکہ نہ مچ جائے اور زمامِ کاران کے ہاتھوں سے نہ نکل جائے۔ اصل میں قرآن کا مزاج ہی یہی ہے کہ درد کے ساتھ' ایمانی حلاوت کے ساتھ پڑھا جائے۔ حدیث میں آتا ہے "اَلْاِیْمَانُ یمان وَ الْفِقْه یَمَان وَ الْحِکْمَة یَمانیة" یہ میری خوش نصیبی کہ پہلا معلم جو مجھے عطا کیا گیا وہ رقیق القلب تھا' دل دردمند رکھتا تھا اور ہم لوگوں کو حسرت رہتی تھی کہ وہ

دیر تک قرآن شریف پڑھیں اور ہم سنیں۔ وہ ہمارے محلہ کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھاتے تھے۔ شاذ و نادر کبھی ایسی نوبت آئی تھی کہ وہ پوری سورۃ پڑھ سکیں' پڑھنا شروع کیا کہ گریہ طاری ہوا' آواز بھرائی۔ ان کا روزانہ کا یہ معمول تھا۔ انہوں نے مجھے قرآن مجید کی کچھ سورتیں پڑھائیں۔ توحید کی سورتیں خاص طور پر انہوں نے مجھے پڑھانی شروع کیں۔ سورۂ زمر سے شروع کیا۔ پھر وہ وقت آیا کہ زبان و ادب کی تعلیم غالب آگئی اور اسی میں مشغول ہو گیا' لیکن قرآن مجید کا جو ذوق تھا وہ وقتاً فوقتاً سامنے آتا تھا اور اثر کرتا تھا۔

اس کے بعد جب میری تعلیم ختم ہوئی تو قرآن مجید کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا' مدارس کے نصاب میں جو کتابیں پڑھی جاتی ہیں ان سے زیادہ پڑھیں' پھر یہاں لاہور آ کر مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن مجید پورا پڑھا۔ یہاں بھی جس چیز نے متاثر کیا وہ ان کی قرآنی زندگی تھی جس کو قرآن ناطق کہا گیا ہے۔ اس سے قلب میں جلا محسوس ہوتی تھی۔ مولانا کی زاہدانہ زندگی' درویشانہ معاشرت اور عمل بالسنت کا مجھ پر وہ اثر پڑا جس کو "برکت" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ دارالعلوم دیوبند میں بھی رہا۔ میں نے مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ سے وقت مانگا کہ خاص خاص آیات' جن میں مجھے اشکال محسوس ہوتا ہے جو عام تفسیروں سے حل نہیں ہوتیں' وہ میں آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ مولانا مدنی ؒ اپنے زمانہ کے بلند ترین علماء میں سے تھے اور علوم و فنون اور حدیث کے علاوہ (جس کے وہ مانے ہوئے استاد اور شیخ تھے) ان کو قرآن مجید کا خاص ذوق تھا۔ اس کا رنگ ان کی زندگی اور مزاج پر چھا گیا تھا۔ انہوں نے مجھے جمعہ کا دن دیا۔ مجھے یاد ہے کہ ان آیات کو منتخب کر لیتا تھا جو حل نہیں ہوتی تھیں۔ مولانا کثرت سے سفر کرتے تھے اور وہ تحریک کا زمانہ تھا' لیکن مجھے پھر بھی استفادہ کا کچھ موقع ملا۔

## مولانا سید سلیمان ندوی اور علوم قرآن

اس کے علاوہ مجھے مولانا سید سلیمان ندوی ؒ سے قرآن مجید کی بعض آیات کی تفسیر اور بعض آیتوں پر ان کی تقریر سننے کا موقع ملا۔ میرا تاثر یہ ہے کہ میں نے قرآن مجید کے بارے میں کسی کا فہم اتنا عمیق نہیں پایا جتنا کہ مولانا سید سلیمان ندوی ؒ کا۔ یہ ایک تاریخی انکشاف ہے۔ لوگ سید صاحب کو مؤرخ اور سوانح نگار کی حیثیت سے جانتے ہیں' متکلم

کی صحبت سے جانتے ہیں لیکن میرے نزدیک فہم قرآن میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ مجھے ہندوستان ہی نہیں بلکہ تحتی برِاعظم میں بھی کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس کا مطالعۂ قرآن اتنا وسیع اور عمیق ہو۔ اور اس غائر مطالعہ کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان و ادب' بلاغت اور اعجازِ قرآنی کا مطالعہ ان کا بہت وسیع و عمیق تھا' پھر مولانا حمید الدین فراہیؒ (جو اس فن کے گویا امام تھے) کی صحبت میں رہ کر انہوں نے ان کی گفتگو' ان کی تحقیقات اور ان کے مطالعہ قرآن سے پورا استفادہ کیا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار ہم لوگ دارالمصنفین گئے ہوئے تھے تو انہوں نے سورۂ جمعہ پر تقریر کی' میں نے ایسی عالمانہ' ایسی محققانہ اور ایسی نکات سے بھری ہوئی تقریر ابھی تک نہیں سنی تھی' کاش کہ وہ محفوظ ہو جاتی۔ تو مجھے سید صاحب سے مختصراً استفادہ کا موقع ملا۔ پھر جب دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بحیثیت استاد میرا انتخاب ہوا تو خاص طور سے قرآن مجید کا درس میرے سپرد ہوا۔ وہاں قرآن کے درس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو متن قرآن پڑھایا جاتا ہے' اور یہ سلسلہ غالباً دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی سے شروع ہوا' پھر اور مدارس میں اس کی تقلید کی جانے لگی۔ اور یہی صحیح طریقہ ہے کہ ابتداء میں متن کو سامنے رکھ کر پڑھایا جائے بغیر کسی تفسیر کی مداخلت کے' استاد تیار ہو کر آئے اور وہ اپنا مطالعہ قرآن پیش کرے۔ تو مجھے کئی سال تک قرآن مجید کی خدمت کا موقع ملا۔ تفسیر بھی پڑھائی لیکن زیادہ متن قرآن پڑھایا۔ جو مضامین میرے سپرد کئے گئے تھے ان میں سب سے زیادہ اہم تفسیر والا مضمون تھا۔ میں نے اپنا تعارف اس لئے کرا دیا کہ آپ یہ سمجھیں کہ میں قرآن مجید کا ادنیٰ طالب علم ہوں' اس کے بعد جو کچھ بھی اللہ نے توفیق دی اس میں قرآن مجید کا سب سے بڑا حصہ ہے ع

"آنچہ کردم ہمہ از دولت قرآں کردم"

جن لوگوں نے میری ناچیز تحریریں اور تصنیفات دیکھی ہیں ان کو اندازہ ہو گا کہ میری تحریروں کا تانا بانا قرآن مجید ہی سے تیار ہوتا ہے۔ میں نے سب سے زیادہ قرآن سے مدد لی ہے اور پھر تاریخ سے' اور میں تاریخ کو قرآن مجید کی ہی تفسیر سمجھتا ہوں۔

## اجتباء خاص' ہدایت عام

اس وقت جو آیت پڑھی گئی' اس آیت میں دو چیزیں بیان ہوئی ہیں' ایک مقام اجتباء اور دوسرے ہدایت۔ اجتباء کے لئے اللہ تعالیٰ نے صاف صاف کہہ دیا ہے "اَللّٰہُ

يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ" سارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے' جس کو چاہے وہ اجباء سے سرفراز کرے اور اس کو قبولیت و اجباء کا درجہ عطا کرے' لیکن ہدایت کی سب انسانوں کو ضرورت ہے۔ "يَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ" وہ ان کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں' ہدایت کے طالب ہوتے ہیں' اور جن میں انابت کی' تواضع کی' بندگی کی اور اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنے کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان کو راستہ پر لگا دیتا ہے اور آخر تک پہنچا دیتا ہے' لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں انابت کی صفت پائی جائے "يَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ" میں اسی ٹکڑے پر عرض کرنا چاہتا ہوں۔

قرآن مجید کے دو پہلو ہیں' ایک اس کا تعلیمی اور تبلیغی پہلو ہے' یعنی وہ عقائد جن پر ہر شخص کو ایمان لانا چاہئے اور سمجھنا چاہئے اور قرآن سے اخذ کرنا چاہئے' اس کے متعلق تو قرآن مجید کا اعلان ہے کہ "بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ" (روشن اور واضح عربی میں ہے) اس سے زیادہ واضح الفاظ میں بتا دیا ﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ "ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے' کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟"

## قرآن مجید پڑھ کر انسان مشرک نہیں ہو سکتا

کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ خدا اس سے کیا چاہتا ہے اور اس کی ہدایت کے لئے کیا شرائط ہیں اور توحید و رسالت اور معاد کا قرآنی تصور کیا ہے؟ قرآنی عقیدہ کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے کہ دنیا میں ہدایت اور آخرت میں نجات مل سکے؟ اس کے لئے قرآن مجید آسان ہے اور کسی کو یہ کہنے کا عذر نہیں کہ ہم قرآن مجید سے ان باتوں کو سمجھ نہیں سکے' اور قرآن ہمارے لئے حجت نہیں' توحید کے بارے میں واضح سے واضح' صریح سے صریح' طاقت ور سے طاقت ور اور دو ٹوک بات جو کہی جا سکتی ہے قرآن مجید میں موجود ہے۔ قرآن مجید پڑھ کر آدمی سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن مشرک نہیں ہو سکتا۔ میں یہ علی الاعلان کہتا ہوں کہ وہ ٹھوکریں کھا سکتا ہے' بے عمل ہو سکتا ہے' وہ فسق کی راہ اختیار کر سکتا ہے' لیکن جہاں تک توحید و شرک کا تعلق ہے تو قرآن مجید بالکل سورج کی طرح روشن ہے۔ اور سورج کیا چیز ہے اس میں کسی قسم کے اشتباہ کی گنجائش نہیں۔ اور جہاں تک رسالت کے عقیدہ کا تعلق ہے کہ نبوت کیا چیز ہے؟ انبیاء کیا ہیں؟ ان کے ذمہ کون

سپرد کی گئی؟ ان کو کیا حکم ہوتا ہے؟ وہ کیا تعلیم دیتے ہیں؟ ان کی سیرت کیسی ہوتی ہے؟ ان کی زندگی کیسی پاک بازانہ اور بلند ہوتی ہے؟ یہ قرآن مجید میں صاف طور سے بیان کر دیا گیا ہے۔ وہ اپنا تعارف بھی کراتے ہیں' وہ شبہوں کو بھی دور کرتے ہیں۔ آپ سورۂ اعراف پڑھئے' سورۂ ہود پڑھئے' سورۂ شعراء پڑھئے' اس میں ایک ایک نبی کا نام لے کر تعارف کرایا گیا اور ثبوت دیا گیا ہے۔

## عقل جج نہیں بلکہ وکیل ہے

جہاں تک رسالت و انبیاء کا تعلق ہے' اس کے بارے میں بھی قرآن مجید میں کسی غلط فہمی کی گنجائش نہیں۔ لیکن اگر کوئی آدمی گمراہی کا ارادہ ہی کر لے تو گنجائش تو ہر چیز کی ہے۔ آپ ہی میں سے کوئی صاحب' جن کو اللہ تعالیٰ نے ذہانت عطا کی ہو' کھڑا ہو اور کہے کہ میں ثابت کر سکتا ہوں کہ (۲) اس وقت دن ہے' سورج روشن ہے اور ہمیں دھوپ کی تمازت محسوس ہو رہی ہے' تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ہم سب کو لاجواب کر دے۔ اس کا تو زبان اور ذہانت سے تعلق ہے' مقدموں میں عدالتوں میں کیا ہوتا ہے؟ دن کو رات اور رات کو دن ثابت کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے استاد مولانا عبد الباری ندوی" فرمایا کرتے تھے کہ عقل جج نہیں' بلکہ وکیل ہے' اس کو فیس ملنی چاہئے تو پھر یہ ہر مقدمہ کو ثابت کر سکتی ہے۔ جب کوئی فلسفہ آیا عقل نے اس کی صداقت کو اس طرح ثابت کیا کہ وہ بالکل بدیہی حقیقت معلوم ہونے لگی۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی آدمی طے کر لے کہ قرآن مجید سے کوئی بات نکالنا ہے' اور اس کی مثال میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں' میں اسلامک اسٹڈیز کانفرنس کے ایک جلسہ میں شریک تھا' وہاں ایک صاحب نے مقالہ پڑھا' میں ان کا نام اور جگہ کا نام نہیں لوں گا' انہوں نے اپنے مقالہ میں یہ ثابت کیا کہ قرآن میں جہاں صلوٰۃ کا لفظ آیا ہے اس سے مراد علاقائی حکومت ہے اور جہاں الصلوٰۃ الوسطیٰ آیا ہے اس سے مُراد مرکزی حکومت ہے۔ اور ثابت کیا کہ سارے قرآن میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے' مجھے اسی وقت بڑی سختی سے اس کی تردید کرنی پڑی۔

## ہدایت کے لئے قرآن آسان ہے

ہدایت کے لئے قرآن مجید آسان ہے' اس میں کہیں کوئی شبہ نہیں' لیکن جہاں تک

اس کے علوم کا تعلق ہے' اس کے رفیع و دقیق مضامین کا تعلق ہے۔ اس میں کسی چیز کے متعلق دعوے کے ساتھ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ہم جو کچھ سمجھتے ہیں اس کے علاوہ سب غلط ہے۔ قرآن کے بارے میں سب سے الگ' منفرد و شاذ رائے قائم کرنا بڑی خطرہ کی بات ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول ہے :

ای سماء تظلنی و ای ارض تعلنی اذا قلت فی کتاب اللّٰہ مالا اعلم

"اے اللہ! کس آسمان کے نیچے پناہ لوں گا اور کس زمین پر چلوں گا اگر میں کتاب اللہ کی آیت کے متعلق کوئی ایسی بات کہہ دوں جس کی کوئی بنیاد' کوئی تحقیق نہیں"۔

اور قرآن کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عام رویہ تھا۔ حضرت عمرؓ خود کسی کے لفظ کے بارے میں فرماتے کہ اس کے کیا معنی؟ اور پھر خود ہی کہہ دیتے کہ "ثَکِلَتْکَ امک یاعمر" "عمر تیری ماں تجھ پر روئے" (اگر تجھے اس ایک لفظ کے معنی نہیں معلوم تو کیا غضب ہوا) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اندازِ فکر بتاتا ہے کہ پورے قرآن پر حاوی ہونے کو وہ نہ تو ممکن سمجھتے تھے اور نہ ضروری۔ میری یہ جرأت معاف کی جائے اور وہ یہ کہ قرآن کی جو اصل روح' اصل مدعا اور اصل مقصد ہے وہ حاصل ہونا چاہئے اور اس کے ساتھ معاملہ ہونا چاہئے ادب و خشوع کا۔ ہمیں بہت سی چیزوں کی حقیقتیں معلوم نہ ہونے کے باوجود ان سے پورا پورا فائدہ پہنچا ہے۔ اگر کسی شخص کو قرآن مجید کے حقائق و مطالب معلوم نہیں' یہاں تک کہ پورے الفاظ کے معنی بھی معلوم نہیں' لیکن اس کے دل میں خدا کا خوف ہے' خشیت ہے' جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو اس کی یہ حالت ہوتی ہے جو اللہ نے فرمائی ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں' وہ لرز جاتا ہے اور اس کا رُواں رُواں لرز جاتا ہے' کہتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ یہ میرے رب کا کلام ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہدایت کے آخری مدارج تک پہنچ جائے اور اس کو قرب بالقرآن حاصل ہو۔ حدیث میں آتا ہے کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے کہ قرآن مجید پڑھیں گے اور بہت تکلف سے پڑھیں گے' مگر ان کے حلق سے نہیں اترے گا۔ تو جہاں تک مضامین کا تعلق ہے میں ایک طالب علم کی حیثیت سے عرض کرتا ہوں کہ وہ ایک ایسا سمندر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں اور بڑے سے

بڑا آدمی اس کی وسعت کے سامنے لرزہ براندام رہتا تھا اور سمجھتا تھا کہ اللہ کی ہدایت اور توفیق کے بغیر وہ ایک قدم نہیں چل سکتا۔

## افادہ اللہ کی طرف سے

پہلی بات تو یہ سمجھئے کہ افادہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور یہ افادہ ہوتا ہے ان قلوب پر جو اللہ کی خشیت سے اور کلامِ ربّانی کی ہیبت سے اور اس کے جلال سے معمور ہوتے ہیں۔ ان پر اللہ کی طرف سے علوم کا ورود ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ قرآن مجید کو نوافل میں پڑھے اور یہ تصور کرے کہ جیسے قلب پر اسی وقت نزول ہو رہا ہے اور اس کا لطف لے اور اس میں گم ہو جانے کی کوشش کرے۔ قرآن مجید دماغی زور آزمائی کی چیز نہیں ہے کہ اپنا پسندیدہ مطلب قرآن مجید سے زور آزمائی کرکے نکالا جائے۔

تیسری بات یہ کہ دورانِ مطالعہ جو مطلب و معانی سمجھ میں آئیں تو یہ کہے کہ میری ناقص سمجھ میں یہ بات آئی ہے' ایسا سمجھ میں آتا ہے اور یہ دعویٰ ہرگز نہ کرے کہ آج تک قرآن کو کسی نے سمجھا نہیں' میں نے ہی سمجھا ہے۔ یہ بالکل صحیح نہیں ہے۔ میں نے بار ہا کہا اور لکھا بھی ہے کہ اگر قرآن مجید اپنے کو تیرہ سو برس میں نہیں سمجھا سکا تو یہ قرآن مجید پر بہت بڑا الزام ہے۔ وہ تو کہتا ہے ﴿ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ اور ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ اور آپ کہتے ہیں کہ ایک ہزار برس تک' بارہ سو برس تک قرآن مجید کے فلاں لفظ کی حقیقت آج تک کسی نے سمجھی نہیں' اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کا افادہ اتنے دنوں تک بند رہا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ایک سیمینار میں اس کی اختتامی تقریر میں مَیں نے کہا تھا کہ اہل علم اپنی کسی تحقیق کو یہ کہہ کر پیش کرتے ہیں کہ ہمیں مطالعہ کا جتنا موقع ملا اس کے نتیجہ میں ہمارا خیال یہ ہے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں... لیکن یہ طریقہ کہ کوئی شخص اپنے نتائج فکر کو سو فیصد صحیح ثابت کرنے پر اصرار کرے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے سب کو غلط قرار دے' صحیح نہیں۔ قرآن مجید کے سلسلہ میں آتا ہے کہ اس کا نیاپن اور تازگی پرانی نہیں ہوگی اور اس کے عجائب کی کوئی انتہا نہیں۔ تو اگر آپ کو عمر نوح علیہ السلام بھی ملے اور وہ قرآن مجید کے تدبر میں صرف ہو تو ہر روز نئے نئے معانی کھلنے لگیں۔ ہماری عمر کا یہ محدود وقت' محدود قوت اور صلاحیت اور اس کے بعد ہمارا یہ دعویٰ کہ قرآن مجید اب تک سمجھا ہی نہیں گیا' یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

## میری ذاتی کتاب

آخری بات یہ ہے کہ قرآن مجید کو اپنی کتاب سمجھا جائے' یہ کتاب ہدایت ہے' یہ کتاب ابدی ہے' کتاب آسمانی ہے' لیکن میری ذاتی کتاب بھی ہے' میرا ذاتی ہدایت نامہ بھی ہے' اس میں میری ذاتی کمزوریاں بیان کی گئی ہیں' میرے ذاتی امراض کی نشاندہی کی گئی ہے۔

قرآن مجید میں ہر آدمی اپنے آپ کو تلاش کر سکتا ہے۔ یہ جب ہو گا کہ آپ اس کو زندہ کتاب سمجھیں یا اپنی کتاب سمجھیں' اور آپ میں اپنی اصلاح کا جذبہ ہو۔ لوگوں کی اصلاح تو بعد میں ہو گی پہلے اپنی اصلاح ہو جائے۔

انبیاء کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے میری ہدایت ہو جائے پھر میں دوسروں سے کچھ کہوں۔ ہم میں سے بہت سے لوگ قرآن مجید کو اس لئے پڑھتے ہیں کہ یہ حجت بنے' دوسروں کو شرمندہ کیا جائے' دوسروں پر حجت قائم کی جائے' حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن پڑھتے تھے اپنی اصلاح کے لئے۔ ایک آیت پڑھی اس پر عمل کرنا شروع کیا۔ سورۂ بقرہ بعض اوقات مہینوں میں ختم ہوئی۔

یہ چند باتیں ایک طالب علم کی حیثیت سے میرے ذہن میں تھیں وہ سب میں نے آپ کے سامنے رکھ دیں۔ "يَهْدِىْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ" کے میدان میں جہاں تک ہم کوشش کر سکتے ہیں' کریں۔ اللہ جس کو چاہے مقام اجتباء تک پہنچائے' ہم اس کے مکلف نہیں ہیں۔ ہم سیکھنا چاہیں' ہم ہدایت حاصل کرنا چاہیں' ہم بننا چاہیں اور اپنی زندگی میں انقلاب لانا چاہیں تو قرآن مجید موجود ہے جو ہماری رہنمائی بھی کرے گا اور منزلِ مقصود پر بھی پہنچائے گا۔ ہم میں ہدایت کی طلب' اپنی احتیاج کا احساس اور اپنی بے بضاعتی کا اعتراف ہونا چاہئے۔ اسی کے مجموعہ کا نام انابت ہے۔ میں دعا کرتا ہوں' آپ بھی دعا کریں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○

### حواشی

(۱) شیخ خلیل بن محمد یمانی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "پرانے چراغ" مستقل مضمون۔)

(۲) تقریر شب میں تھی۔

# مبلّغ کی پہلی منزل

ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں تبلیغ دین کا کام کرنا چاہتا ہوں' امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ تم اس مرتبہ پر پہنچ چکے ہو؟ اس نے کہا ہاں توقع تو ہے۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اگر تمہیں یہ اندیشہ نہ ہو کہ قرآن کی تین آیتیں رسوا کردیں گی تو ضرور تبلیغ دین کا کام کرو۔ اس نے کہا وہ کونسی تین آیتیں ہیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پہلی آیت یہ ہے:

﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ﴾ (بقرہ : ۴۴)

"کیا تم لوگوں کو نیکی کا وعظ کہتے ہو اور اپنے کو بھول جاتے ہو؟"

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا اس آیت پر اچھی طرح عمل کرلیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اور دوسری آیت:

﴿ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ (الصف : ۲)

"تم کیوں کہتے ہو وہ بات جس کو کرتے نہیں"۔

تو اس پر اچھی طرح عمل کرلیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اور تیسری آیت:

﴿ مَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ﴾ (ھود : ۸۸)

"(شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا) جن بری باتوں سے میں تمہیں منع کرتا ہوں ان کو بڑھ کر خود کرنے لگوں' میری نیت یہ نہیں' بلکہ میں تو ان سے بہت دور رہوں گا (تم میرے قول اور عمل میں تضاد نہ دیکھو گے)"۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا کہ اس آیت پر اچھی طرح عمل کرلیا ہے؟ اس نے کہا نہیں' تو فرمایا: جاؤ' پہلے اپنے کو نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو' یہ مبلغ کی پہلی منزل ہے۔

("معارف الحدیث' از مولانا منظور احمد نعمانی" سے ایک انتخاب)

**لمحہ فکریہ**

# تجھے کیا ملے گا نماز میں؟

تالیف : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

ذرا غور کریں!

ایک آدمی کام دھندا چھوڑتا ہے' اپنا آرام ترک کرتا ہے' اہل خانہ یا احباب کے درمیان سے اٹھ کر جاتا ہے' وضو کرتا ہے' مناسب کپڑوں کا اہتمام کرتا ہے' نماز کے لئے مسجد تک جاتا ہے' نماز کھڑی ہونے کا انتظار کرتا ہے' جماعت میں شریک ہوتا ہے' سردی گرمی کی مشقت برداشت کرتا ہے' لیکن اگر آخرت میں جا کر یہ پتہ چلے کہ اس کے نامۂ اعمال میں نماز کی کوئی نیکی تحریر ہی نہیں تو ذرا سوچیں اس کا کتنا بڑا نقصان ہو گیا' اور اب تلافی کی بھی کوئی گنجائش باقی نہیں۔ ایسے بدنصیب کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ ﴾

(الکہف . ۱۰۳'۱۰۴)

"(اے نبی!) ان سے کہو: کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام و نامراد لوگ کون ہیں؟ وہ کہ دنیا کی زندگی میں جن کی ساری سعی و جدوجہد راہِ راست سے بھٹکی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں۔"

لہٰذا جس طرح دنیا کی خاطر مزدوری کرنے والا اپنی اُجرت کی رقم خوب پڑتال کر کے لیتا ہے کہ مبادا یہ نوٹ جعلی نکل آئیں اور سارے دن کی محنت نہ صرف اکارت جائے بلکہ اس پر جعلی نوٹ رکھنے کا مقدمہ بن جائے' اسی طرح آخرت کی خاطر مزدوری کرنے والے کو بھی اپنے اعمال کی پڑتال خوب دھیان سے کرنی چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ محنت بھی کرتے رہیں اور آخرت میں اجر و ثواب سے محرومی بھی رہے' اور عین ممکن ہے کہ مجرمانہ غفلت کا مقدمہ بھی چل جائے۔ لہٰذا ذیل میں ہم ان لوگوں کی نمازوں اور اس قسم

کی نمازوں کا تذکرہ تفصیل و دلیل سے کرنے جا رہے ہیں جو بظاہر ادا بھی کی جا رہی ہیں' لیکن کتاب و سنّت پر مبنی دلائل بتا رہے ہیں کہ ایسی نمازیں اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں' بلکہ عین ممکن ہے کہ ایسی نمازوں کی وجہ سے الٹا سزا مل جائے۔

ہمارے پیش نظر فقہی اصولوں کی بنا پر ایسی نمازوں سے بحث کرنا نہیں جو نمازیں ہوتی ہی نہیں' مثلاً بے وضو آدمی کی نماز' یا جان بوجھ کر قبلہ رخ چھوڑ کر دوسری طرف ادا کی گئی نماز' بلکہ ہمارے پیش نظر ایسے افراد کی نماز سے بحث کرنا ہے جو بزعم خود صحیح نماز پڑھ رہے ہیں' لیکن شرعی اصولوں کے مطابق ان کی نماز میں کوئی ایسی کمی تھی جس کی وجہ سے وہ ثواب سے محروم رہے' یا الٹا اللہ کے ہاں مجرم بن گئے' مثلاً ریا کار کی نماز۔ یا پھر ان کمزوریوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو فقہی طور پر بھی قابل مواخذہ ہیں' لیکن ہمارے ہاں ان کی پرواہ نہیں کی جاتی' بلکہ علماء و فقہاء ان کو بیان کرنے کی زحمت ہی نہیں کرتے' جیسے باریک دوپٹے میں نماز' یا ٹخنوں سے نیچے کپڑا کر کے مرد کی نماز۔ ہماری معروضات کو انہی اصولوں کی روشنی میں دیکھا اور پڑھا جائے۔

# ایسی نمازیں قابل قبول نہیں

## ① کافر کی نماز

اسلام میں اعمال کی قبولیت کی پہلی شرط "ایمان" ہے۔ جو آدمی ایمان لائے' پھر نیک عمل کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاتا ہے' ورنہ نہیں ـــــ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ [1] فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝ ﴾ (النساء : ۱۲۴)

"اور جو نیک عمل کرے گا' خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو' تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہو گی"۔

اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں قبولیت اعمال اور دخولِ جنت کی دو شرطیں بیان کی ہیں۔ جس کو جنت عزیز و مرغوب ہو وہ ان دو شرطوں کا خیال رکھے :

<u>پہلی شرط</u> : ایمان یعنی اللہ تعالیٰ' فرشتوں' رسولوں' کتابوں' مراحل آخرت اور تقدیر کے اچھے برے نتائج پر ایمان ویقین۔

<u>دوسری شرط</u> : عمل صالح ہو۔ عمل صالح کا معنی ہے کہ عمل اللہ کی رضا کی خاطر کیا جائے اور رسول اکرم ﷺ کی ہدایت کے عین مطابق کیا جائے۔

اگر پہلی شرط نہ پائی گئی تو کفر لازم ہے' جس کے ساتھ قبولیت اعمال ممکن نہیں۔ اور اگر دوسری شرط نہ پائی گئی تو بدعت لازم ہے' جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

## ② <u>مشرک کی نماز</u>

بنیادی طور پر مشرک اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتا ہے' البتہ ذات' صفات یا حقوق و اختیارات میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے برابر یا شریک بنادیتا ہے' لہٰذا مشرک کہلاتا ہے۔ ایسے آدمی کی بھی کوئی عبادت یا نیکی اللہ کے ہاں قبول نہیں' کیونکہ نیکی کی قبولیت کے لئے اخلاص شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلاَّ لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِo ﴾. (البینة : ۵)

"اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو اس کے لئے خالص کر کے بالکل یکسو ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں' یہی نہایت صحیح و درست دین ہے"۔

اور اگر مشرک کوئی نیک عمل کرتا بھی ہے تو اجر و ثواب کا مستحق نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَo ﴾ (الانعام : ۸۸)

(متعدد انبیاء و رُسل علیہم السلام کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا) "اگر کہیں (بالفرض) ان لوگوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا کرایا غارت ہو جاتا"۔

اسی بات کو تاکید مزید کے ساتھ اس طرح ارشاد فرمایا :

﴿ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَo ﴾ (الزمر : ۶۵)

"(اے نبی!) تمہاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر (بالفرض) تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہو گے"۔

شرک کی پاداش میں اعمال کے ضائع ہونے کا لازمی نتیجہ ہے کہ مشرک جنت سے محروم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ إِنَّهُ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ ﴾ (المائدۃ : ۷۲)

"جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے' اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں"۔

## ③ منافق کی نماز

چونکہ اعتقادی منافق زبان سے توحید و رسالت کا اقرار کرتا ہے اس لئے دنیا میں اس پر شرعی احکام مسلمانوں والے ہی لاگو ہوتے ہیں' حالانکہ وہ اصلاً کافر ہی ہوتا ہے کہ دل سے ایمان نہیں لاتا' لہٰذا آخرت میں اُس کے ساتھ معاملہ کافروں والا کیا جائے گا۔ بلکہ عذاب تو کافروں سے بھی زیادہ سخت ہو گا' کیونکہ وہ کافر ہونے کے ساتھ ساتھ دھوکے باز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافق کے ظاہر و باطن کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ : ۸'۹)

"اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے' حالانکہ درحقیقت وہ مؤمن نہیں ہیں۔ وہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں' مگر دراصل وہ اپنے آپ ہی کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے"۔

اسی دھوکے بازی کی وجہ سے اس کی سزا بھی عام کافروں کے مقابلے میں زیادہ سخت ہو گی۔ فرمایا :

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ ﴾ (النساء : ۱۴۵)

"یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں جائیں گے"۔
اصلاً تو ایسے لوگوں کے لئے کوئی نیکی ہے ہی نہیں' لیکن چونکہ وہ بظاہر نماز ادا کرتے ہیں' روزہ رکھتے ہیں تو اِن ظاہری اعمال کا کیا بنے گا؟ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال و کردار کا نقشہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :

﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۤءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ط حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ○ ﴾

(المائدة : ۵۳)

"اور اُس وقت اہل ایمان کہیں گے: کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کے نام سے کڑی کڑی قسمیں کھا کر یقین دلاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں؟ ان کے سب اعمال ضائع ہو گئے اور آخر کار یہ ناکام و نامراد ہو کر رہے"۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں :

"یعنی جو کچھ انہوں نے اسلام کی پیروی میں کیا' نمازیں پڑھیں' روزے رکھے' زکوٰۃ دی' جہاد میں شریک ہوئے' قوانین اسلام کی اطاعت کی' یہ سب کچھ اس بناء پر ضائع ہو گیا کہ ان کے دلوں میں اسلام کے لئے خلوص نہ تھا...."

(تفہیم القرآن' ج ۱' ص ۴۸۱' حاشیہ ۸۶)

یہی موضوع مزید تفصیل سے دیکھنے کے لئے رجوع فرمائیں : (سورۂ محمد : ۳۸' تفہیم القرآن' ج ۵' ص ۲۹۔۳۰' حاشیہ ۳۸)

## (۴) منافقانہ صفات والی نماز

بعض صفات کو اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی نماز کی صفات قرار دیا ہے۔ ظاہر بات ہے نماز ایسی کیونکر شرفِ قبولیت پا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾

(النساء : ۱۴۲)

"بلاشبہ یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں' حالانکہ در حقیقت اللہ ہی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ جب یہ نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو

کسمساتے ہوئے، محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں"۔

اس آیت کریمہ میں منافقوں کی نماز کی تین صفات بیان ہوئی ہیں :

① کسمساتے ہوئے اٹھتے ہیں، یعنی بے دلی کے ساتھ گویا کہ دل پر پتھر رکھ کر نماز کے لئے اٹھتے ہیں۔

② لوگوں کے لئے دکھلاوا کرتے ہیں، یعنی اگر لوگوں کے ساتھ موجود ہیں تو پڑھ لی، ورنہ کوئی بات نہیں۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ جب لوگوں کے درمیان ہوتے ہیں تو بڑے اہتمام کے ساتھ پڑھتے ہیں، ورنہ جلدی جلدی پڑھ کر فارغ ہو جاتے ہیں۔

③ اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں، کیونکہ ان کا دل نماز میں نہیں ہوتا، بلکہ ذاتی دلچسپی کے معاملات میں الجھا ہوا ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ کو یاد کرنے کا کم ہی موقع ملتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

(( تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ، يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ، حَتّٰى إِذَا كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَهَا أَرْبَعًا، لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا )) (۲)

"یہ تو منافق کی نماز ہے، بیٹھا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے، حتیٰ کہ جب وہ غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو جلدی جلدی چار ٹھونگے مار لیتا ہے، اپنی نماز میں اللہ تعالیٰ کو کم ہی یاد کرتا ہے"۔

مسند احمد کی روایت میں "نَقْرُ الدِّيْكِ" (۳) (مرغ کی طرح ٹھونگے مارنے) کے الفاظ ہیں۔

④ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ منافق بالکل آخر وقت میں نماز پڑھتا ہے، گویا کہ اول وقت میں اہتمام کرنے کی بجائے آخر وقت میں چالو قسم کی نماز پڑھتا ہے۔

⑤ منافقانہ نماز کی پانچویں نشانی جلدی جلدی نماز پڑھنا ہے، گویا کہ اوپر نیچے ہونے کی ورزش تو کر رہا ہے، عملاً اللہ کو یاد نہیں کر رہا۔

نماز کے بارے میں منافقوں کی ایک اور عادت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

(( لَيْسَ صَلَاةٌ أَثْقَلُ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ )) (۴)

"منافقوں پر فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ دوسری کوئی نماز بھاری نہیں ہوتی"۔
بات ظاہر ہے کہ یہ دونوں وقت آرام اور اہل خانہ کے پاس بیٹھنے کے ہوتے ہیں' اس لئے انہیں ذاتی مفاد چھوڑ کر نماز کے لئے نکلنا مشکل محسوس ہوتا ہے۔
مذکورہ بالا علامتوں کی روشنی میں ہم اپنی نمازوں کا جائزہ لے لیں۔ اگر نماز اِن علامتوں سے پاک ہے تو الحمدللہ' ورنہ تنہائی میں بیٹھ کر اپنا حساب کرلیں۔

## ⑤ جادوگر کی نماز

بالعموم اس قماش کے لوگ نماز پڑھتے ہی نہیں' بالفرض اگر پڑھ بھی لیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ جادوگر مسلمان نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ﴾

(البقرۃ : ۱۰۲)

"حالانکہ سلیمان نے کبھی کفر نہیں کیا' کفر کے مرتکب تو وہ شیاطین تھے جو لوگوں کو جادوگری کی تعلیم دیتے تھے"۔

چونکہ جادوگر شیاطین اور ارواحِ خبیثہ سے مدد لیتا ہے' اور یہ اُس وقت جادوگر کی مدد کرتے ہیں جب جادوگر ان کی پوجا کرتا ہے' جس میں لازماً شرکیہ و کفریہ کلمات ہوتے ہیں۔ اس لئے اکثر علماءِ دین کے نزدیک جادوگر کافر ہے اور واجب قتل ہے۔ لہٰذا ایسے آدمی کی نماز کیونکر قبول ہو سکتی ہے؟[۵]

## ⑥ کاہن' نجومی' پامسٹ' عراف وغیرہ کی نماز

جو آدمی ایسے لوگوں کے پاس آتا ہے اور ان سے کچھ پوچھتا ہے اس کی بھی چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((مَنْ اَتٰى عَرَّافًا فَسَاَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً))[۶]

"جو شخص کسی "عراف"[۷] کے پاس آیا اور اس سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی"۔

غور طلب مقام ہے کہ اگر صرف پوچھنے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی تو جس سے پوچھا جا رہا ہے' اس کی نماز کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ اور اگر پوچھنے کے بعد اس کی باتوں کو دل سے لگالیا اور ان پر یقین کرلیا تو پھر ایمان کی خیر نہیں۔[۸]

## ⑦ ریا کاری کی نماز

ریا کاری بالعموم منافقوں کا شیوہ ہوا کرتا ہے۔ اگر کوئی مخلص و صادق مسلمان بھی ریا کاری کی خاطر نماز پڑھے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی نماز بھی قبول نہ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴾ (الکھف : ۱۱۰)

"پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہئے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے"۔

بیشتر مفسرین کے نزدیک اس آیت میں مذکور شرک سے مراد ریا کاری ہے اور احادیث میں بھی اس کی صراحت موجود ہے۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ○ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ○ ﴾ (الماعون : ۴-۷)

"پھر تباہی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لئے' جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں۔ جو ریا کاری کرتے ہیں اور معمولی ضرورت کی چیزیں لوگوں کو دینے سے گریز کرتے ہیں"۔

نہ صرف ریا کار کی نماز تباہی و بربادی کا موجب ہے بلکہ یہ ایسی حرکت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے شرک قرار دیا ہے۔ اگر ریا کاری کو شرکِ اصغر بھی مان لیا جائے تب بھی بڑے خسارے کا سودا ہے' بلکہ عذابِ الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا :

((مَنْ صَلّٰى يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ' وَمَنْ صَامَ يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ ...)) (۹)

"جس نے دکھلاوے کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا' اور جس نے دکھلاوے کا روزہ رکھا اس نے بھی شرک کیا...."

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

(( مَنْ اَحْسَنَ الصَّلَاةَ حَيْثُ يَرَاهَا النَّاسُ وَاَسَاءَهَا حَيْثُ يَخْلُوْ

فَبِلْكَ اِسْتِهَانَةٌ ' اِسْتَهَانَ بِهَا رَبَّهٗ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی)) [۱۰]

"جس نے ایسی جگہ 'جہاں لوگ دیکھ رہے ہوں' اچھی طرح نماز پڑھی اور تنہائی میں جلدی جلدی نماز ادا کی' ایسے شخص نے نماز کے ذریعے اپنے رب کی توہین کی"۔

## ⑧ کھانے کی موجودگی' یا قضائے حاجت کی ضرورت کے ساتھ نماز ادا کرنا

نماز کی اصل روح یہ ہے کہ انسان خالص اللہ کے لئے یکسو ہو کر' خشوع و خضوع سے' اطمینانِ قلبی کے ساتھ اللہ کو یاد کرے' اور جو کیفیت اس خشوع و خضوع پر اثر انداز ہو سکتی ہو اور ذکر الٰہی میں رکاوٹ ڈالے اس سے پہلے ہی فارغ ہو جائے۔ مثلاً ایک آدمی کو شدید بھوک لگی ہوئی ہے' کھانا بھی سامنے موجود ہے اور کسی قسم کی کوئی رکاوٹ بھی نہیں' تو اب ظاہر بات ہے کہ اگر وہ نماز میں مصروف ہو گیا تو دھیان کھانے کی طرف جائے گا اور نماز میں مطلوبہ خشوع و خضوع حاصل نہ ہو گا۔ لہٰذا وہ پہلے کھانا کھا لے اور پھر سکون سے نماز پڑھ لے۔ اسی طرح اگر اسے پیشاب یا پاخانے کی حاجت تنگ کر رہی ہے تو ظاہر ہے وہ سکون سے نماز ادا نہیں کر سکے گا' لہٰذا اسے پہلے حاجت سے فارغ ہو جانا چاہئے تاکہ مکمل خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کرنے کے قابل ہو جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے سنا :

((لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ طَعَامٍ ' وَلَا وَهُوَ يُدَافِعُهُ الْاَخْبَثَانِ)) [۱۱]

"کھانے کی موجودگی میں نماز نہیں ہے اور نہ ہی اُس وقت جب اسے بول و براز تنگ کر رہے ہوں"۔

اسی طرح اگر کسی کے پیٹ میں ہوا کا شدید زور ہو گیا ہو یا یکدم کوئی شدید درد شروع ہو گیا ہو تو بھی نماز صحیح نہیں ہو گی' بلکہ اسے فوری پریشانی سے خلاصی پا لینی چاہئے اور اس کے بعد سکون سے نماز پڑھنی چاہئے۔

بعض ائمہ نے ایسی حالت میں نماز پڑھنے کو مکروہ کہا ہے' لیکن یہ بات اُس وقت تک صحیح ہے جب معاملہ قابل برداشت ہو' مگر جب ناقابل برداشت ہو جائے اور آدمی اپنے اوپر جبر کر کے نماز پڑھ رہا ہو تو نماز قطعاً قبول نہیں ہو گی۔

## ⑨ اذان سننے کے باوجود بلاعذر مسجد میں نہ جانا

امت محمد ﷺ کے بالغ مردوں اور دس سال سے بڑے بچوں کے لئے ضروری ہے کہ نماز مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ ادا کریں' ورنہ نماز کا حق ادا ہونا تو دور کی بات ہے' شدید خطرہ ہے کہ نماز ہی قبول نہ ہو۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا :

((مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يُجِبْ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ)) [۱۲]

"جس نے اذان سنی' اس کے باوجود نماز پر نہیں آیا' اس کی نماز نہیں ہے' اِلاّ یہ کہ اس کے پاس کوئی عذر ہو"۔

اس ضمن میں کس چیز کو شریعت عذر تسلیم کرتی ہے' اس کی تفصیل صحیح ابن حبان (الاحسان)۵/۴۱۷ تا ۴۴۶' از حدیث ۲۰۶۵ تا ۲۰۹۲ دیکھی جا سکتی ہے۔

احادیث میں مذکور عذروں کا خلاصہ یہ ہے :

① عاجز کر دینے والا مرض' جس کے ساتھ چلنا پھرنا دشوار ہو۔
② بھوک لگی ہو' کھانا تیار ہو اور کھایا جا سکتا ہو (شرعی یا فطری رکاوٹ نہ ہو۔)
③ نماز کے وقت بلا اِرادہ سو نا رہ جائے۔
④ نماز کا خیال ہی ذہن سے نکل جائے۔ شدید مصروفیت یا ہنگامی حالات میں ایسا ہو سکتا ہے۔
⑤ بہت زیادہ موٹا آدمی' جس کے لئے آنا جانا دشوار ہو۔
⑥ پیشاب یا پاخانے کی ضرورت درپیش ہو۔
⑦ راستے میں دشمن کا خطرہ' یا پیچھے جان مال کا خطرہ ہو۔
⑧ شدید سردی جو تکلیف کا باعث بنے' مثلاً بوڑھا ہے یا دمے کا مریض ہے' یا کمزور ہے اور سردی برداشت نہیں ہوتی۔
⑨ بارش ہو رہی ہو' آنا جانا تکلیف دہ ہو' مثلاً کیچڑ ہو' اندھیرا ہو' راستے میں ندی وغیرہ ہو یا ایسی کوئی اور وجہ ہو۔
⑩ شدید تاریکی ہو جس کی وجہ سے راستہ دکھائی نہ دے۔

⑪ جس نے کچا لہسن کچا پیاز' یا کچا کراث [۱۳] کھایا ہو۔
⑫ نابینا آدمی جس کو لانے اور لے جانے والا کوئی نہ ہو۔

اختصار کے پیش نظر احادیث کا ذکر نہیں کیا' ورنہ بات بہت پھیل جاتی۔ میری معلومات کی حد تک تمام احادیث صحیح ہیں۔

## ⑩ صف کے پیچھے تنہا نماز ادا کرنا

اسلام میں نماز باجماعت کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی لئے مسجدیں بنوائی جاتی ہیں' اذان ہوتی ہے' مؤذن مقرر کیا جاتا ہے' امام مقرر کیا جاتا ہے اور دوسرے انتظامات کئے جاتے ہیں' تاکہ مسلمان مل کر نماز ادا کریں۔ اگر ایک شخص آئے اور صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز نہیں ہوتی' کیونکہ عملاً وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز ادا نہیں کر رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ ایک آدمی صف کے پیچھے تنہا نماز ادا کر رہا ہے تو اسے نماز دہرانے کا حکم دیا [۱۴]۔ ظاہر بات ہے کہ اگر اس کی نماز صحیح ہوتی تو آپ اسے دہرانے کا حکم نہ فرماتے۔

## ⑪ اقامت ہونے کے بعد کوئی دوسری نماز پڑھنا

بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ ایک طرف نماز کھڑی ہے دوسری طرف وہ (بزعم خود) سنتیں ادا کر رہے ہیں' حالانکہ جماعت کھڑی ہونے کے بعد اسی جگہ کسی قسم کی کوئی نماز جائز نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ)) [۱۵]

"جب جماعت کھڑی ہو جائے تو کوئی نماز نہیں سوائے فرض نماز کے"۔

اتنی واضح نص ہونے کے باوجود بھی جو حضرات جماعت کھڑی ہونے کے بعد سنت ادا کرنے کو صحیح کہتے ہیں' خبر نہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی پیروی کر رہے ہیں یا نیا دین گھڑ رہے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا حکم آگیا تو سب کی بات ختم ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا جبکہ آپ ﷺ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے تو اس نے مسجد کے کونے میں دو رکعت نماز ادا کی' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک نماز ہو گیا۔ آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کے

اس سے فرمایا :

﴿ یا فُلَانُ! بِاَیِّ الصَّلَاتَیْنِ اعْتَدَدْتَ؟ اَبِصَلَاتِكَ وَحْدَكَ اَمْ بِصَلَاتِكَ مَعَنَا؟)) [16]

"جناب! آپ نے دونوں نمازوں میں سے کونسی نماز شمار کی ہے؟ جو نماز تنہا پڑھی تھی وہ' یا وہ نماز جو ہمارے ساتھ ادا کی ہے؟"

بات واضح ہے کہ ایک آدمی جماعت کھڑی ہونے کے بعد مسجد میں آتا ہے اور وہ سنتیں بھی پڑھنا چاہتا ہے' تو ظاہر بات ہے وہ جلدی جلدی نماز ادا کرے گا' نہ سلیقے سے رکوع و سجود کرے گا اور نہ سکون سے تسبیحات پڑھ سکے گا۔ ایسی نماز کا کیا فائدہ؟ اس حرکت سے وہ تکبیر تحریمہ کی فضیلت سے محروم رہا' امام کی تلاوت بھی نہ سن سکا' سکون سے قیام بھی نہ کر پایا۔ عین ممکن ہے اس کی پہلی رکعت بھی نکل جائے اور وہ بھاگم بھاگ میں ہی رہے' جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ ﴾

(المؤمنون : ۱'۲)

"یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے' جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں"۔

اور ایسی نمازوں میں خشوع کہاں؟؟

## (۱۲) حالتِ نشہ میں نماز پڑھنا

نماز تو نام ہے جسم و جان سے زیادہ دل و دماغ کو اللہ کے حضور پیش کرنے کا ——— اور نشے میں چُور کو یہ مقام کیسے مل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ... ﴾ (النساء : ۴۳)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ۔ نماز اس وقت پڑھنی چاہئے جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو"۔

نشہ کی حالت میں نہ صرف نماز پڑھنا منع ہے' بلکہ نشہ کرنے والے کی عرصہ چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :

((مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ لَمْ تُقْبَلْ صَلَاةٌ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ الرَّابِعَةَ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ لَمْ يَتُبِ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَقَاهُ مِنْ نَهْرِ الْخَبَالِ))(۱۷)

"جس نے شراب پی چالیس روز تک اُس کی نماز قبول نہیں ہو گی۔ اگر اُس نے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے گا۔ اس نے اگر دوبارہ پی تو چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہو گی۔ اس کے بعد اگر توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے گا۔ اگر اس نے تیسری بار پی تو چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہو گی۔ پھر اگر اس نے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے گا۔ اگر اس نے چوتھی بار پی تو چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہو گی۔ اس کے بعد اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول نہیں کرے گا اور اسے "خَبَال" نامی نہر سے پلائے گا"۔

"خبال" سے مراد وہ نہر ہے جس میں دوزخیوں کے خون اور پیپ اکٹھے ہو کر بہیں گے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

واضح رہے کہ سنن النسائی اور مسند احمد کی روایات میں "شَرْبَةً" کا اضافہ بھی ہے، جس کے معنی ہیں کہ "جس نے ایک گھونٹ شراب پی" اس کا یہ انجام ہو گا۔

(باقی اگلے شمارے میں ملاحظہ فرمایئے)

## حواشی

۱) یہی مضمون سورۃ النحل: ۹۷، طٰہٰ: ۱۱۲، الانبیاء: ۹۴، غافر/المؤمن: ۴۰ میں بیان ہوا ہے۔

۲) صحیح مسلم، کتاب المساجد، ح۰ ۶۲۲، باب ۳۴، و سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، ح: ۴۱۳، باب وقت صلاۃ العصر

۳) مسند احمد ۳/۲۴۷

۴) صحیح البخاری، کتاب الجماعۃ، باب فضل العشاء فی الجماعۃ، ح ۶۲۶ و صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، ح: ۶۵۱

۵) تفصیل مزید کیلئے میری کتاب "کبیرہ گناہوں کی حقیقت" دیکھی جا سکتی ہے' جسے نور اسلام اکیڈمی لاہور نے شائع کیا ہے۔

۶) صحیح مسلم' کتاب السلام' باب تحریم الکھانة واتیان الکھان' ح : ۲۲۳۰ و مسند احمد ۳۸۰/۵

۷) "عراف" سے مراد ہر وہ شخص ہے جو جنوں' شیطانوں' ستاروں کے حساب کتاب یا ہاتھ کی لکیروں وغیرہ کے ذریعے غیب کی خبریں دینے کا دعوے دار ہو۔

۸) تفصیل مزید کے لئے ملاحظہ ہو "اسلام کے منافی امور" تالیف فضیلۃ الشیخ الاستاذ ابو کلیم مقصود الحسن فیضی (زیر طبع)

۹) مسند احمد ۳۶/۴ والمستدرك للحاکم ۳۲۹/۴' کتاب الرقاق

۱۰) مسند ابی یعلیٰ' ح : ۵۱۱۷' ج۹/۵۴ اسی حدیث کو حافظ ابن حجر نے المطالب العالیہ' ح : ۳۲۰۰' ج۳/ ۱۸۳ میں بیان کیا ہے اور حسن کہا ہے۔ جبکہ امام الہیثمی نے ابراہیم بن مسلم الہجری کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ مجمع الزوائد' ح : ۱۷۶۵۳' ج ۳۹۸/۱۰

۱۱) صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب ۱۷ و سنن ابی داؤد' کتاب الطهارة' باب ۹۳

۱۲) صحیح ابن حبان (الاحسان)' ح . ۲۰۹۴ ج۵/۳۱۵ و شرح السنة للبغوی' ح . ۴۹۷ و سنن ابن ماجه' ح : ۴۹۳ و سنن ابی داؤد' ح : ۵۵۱

۱۳) پیاز یا لہسن کی سبز شاخ سے ملتی جلتی ایک بدبودار سبزی ہے جو عموماً جزیرہ عربیہ میں پائی جاتی ہے۔

۱۴) سنن ابی داؤد' کتاب الصلاة' باب الرجل یصلی وحده خلف الصف' ح : ۶۸۲ و سنن ابن ماجه' کتاب اقامة الصلوة' باب صلاة الرجل خلف الصف وحده' ح : ۱۰۰۳ و ۱۰۰۴۔ علامہ البانیؒ نے حدیث کو صحیح کہا ہے' ملاحظہ ہو ارواء الغلیل' ح : ۵۴۱' ج۲/ ۳۲۳

۱۵) صحیح مسلم' کتاب صلاة المسافرین' باب کراهة الشروع فی نافلة بعد شروع المؤذن' ح : ۷۱۰ و سنن ابی داؤد' کتاب الصلاة' باب اذا ادرك الامام ولم یصل رکعتی الفجر' ح : ۱۲۶۶

۱۶) صحیح مسلم و سنن ابی داؤد' حواله سابقه

۱۷) سنن الترمذی' کتاب الاشربة' باب ما جاء فی شارب الخمر' ح : ۱۸۶۲ و مسند احمد ۱۷۶/۲' و سنن النسائی' کتاب الاشربة' باب توبة شارب الخمر' ح : ۵۶۸۶۔ محققین نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ صحیح الجامع' ح : ۶۳۱۲

# مسلمان کا طرزِ حیات (۴)

علامہ ابوبکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

**کتاب العقائد**

آٹھواں باب

## اللہ کے رسولوں علیہم السلام پر ایمان

ہر مسلمان کا اس بات پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں کچھ افراد کو منتخب کر کے انہیں رسالت اور نبوت کے شرف سے مشرف فرمایا' انہیں وحی کے ذریعے اپنے احکام سے باخبر فرمایا' اور انہیں حکم دیا کہ وہ عام لوگوں کو اللہ کے احکام بتائیں' تاکہ قیامت کے دن لوگوں کے پاس لاعلمی کا عذر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معجزات بھی دیئے اور دلائل بھی عطا کئے۔ بنی آدم میں سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام اور سب سے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

انبیاء و رُسل انسان تھے۔ عام انسانوں پر جو حالات آتے ہیں وہ ان پر بھی وارد ہوئے تھے۔ انہیں کھانے پینے کی ضرورت ہوتی تھی' وہ بیمار بھی ہو جاتے تھے اور صحت یاب بھی ہوتے تھے' ان سے بھول بھی ہو جاتی تھی اور اپنی زندگی گزار کر فوت ہو جاتے تھے۔ اس کے باوجود کائنات کے کامل ترین اور افضل ترین افراد تھے۔ کوئی شخص اُس وقت تک صحیح مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک وہ ان سب پر اجمالاً اور تفصیلاً ایمان نہ رکھے۔ اس عقیدے کے نقلی اور عقلی دلائل مندرجہ ذیل ہیں :

### نقلی دلائل

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے رسولوں اور ان کی بعثت کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے :

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ ﴾ (النحل : ٣٦)

"اور یقیناً ہم نے ہر اُمت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے دور رہو۔"

اور فرمایا :

﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ ﴾ (الحج : ٧٥)

"اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے بھی پیغام پہنچانے والے منتخب فرماتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔ اللہ تعالیٰ یقیناً سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

نیز ارشاد فرمایا :

﴿ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ ﴾

(النساء : ١٦٣۔ ١٦٥)

"ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جس طرح نوح اور اس کے بعد کے نبیوں کی طرف کی تھی' اور ہم نے ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب' ان کی اولاد' عیسیٰ' ایوب' یونس' ہارون اور سلیمان (علیہم السلام) کی طرف وحی کی۔ اور ہم نے داؤد کو زبور دی۔ کچھ رسولوں کے واقعات ہم نے آپ کو بتائے ہیں اور کچھ رسولوں کے واقعات نہیں بتائے' اور اللہ نے موسیٰ سے کلام فرمایا۔ (ہم نے) رسول (بھیجے) جو خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے تھے' تاکہ رسولوں (کی بعثت) کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے خلاف کوئی حجت نہ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔"

اس کے علاوہ ارشاد فرمایا :

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ ﴾ (الحديد : ۲۵)

"ہم نے اپنے رسول واضح دلائل کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا' تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔"

نیز ارشاد ہوا :

﴿ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ (الانبياء : ۸۳)

"اور ایوب نے جب اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے' اور تُو سب رحم کرنے والوں سے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔"

اور فرمایا :

﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ ﴾ (الفرقان : ۲۰)

"ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔"

اس کے علاوہ ارشاد ہے :

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ ... ﴾ (بنی اسرائیل : ۱۰۱)

"اور ہم نے موسیٰ کو نو واضح نشانیاں دیں' تو بنی اسرائیل سے سوال کیجئے جب وہ ان کے پاس آئے تھے..."

ایک مقام پر فرمایا :

﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًاۙ ○ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ ﴾ (الاحزاب : ۷'۸)

"اور (یاد کیجیے) جب ہم نے نبیوں سے وعدہ لیا اور آپ سے بھی اور نوح' ابراہیم'

موسیٰ اور عیسیٰ ابنِ مریم (علیہم السلام) سے بھی 'ہم نے ان سے پختہ وعدہ لیا' تاکہ وہ سچ کہنے والوں سے اُن کے سچ کے متعلق سوال کرے۔ اور کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔"

(۲) رسول اللہ ﷺ نے بہت سی احادیثِ مبارکہ میں اپنا اور دیگر نبیوں اور رسولوں کا ذکر فرمایا ہے 'مثلاً ارشادِ نبوی ہے:

(( مَا بَعَثَ اللّٰهُ مِنْ نَبِيٍّ اِلاَّ اَنْذَرَ قَوْمَهُ الْاَعْوَرَ الْكَذَّابَ )) اَلْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ [1]

"اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی بھیجا اُس نے اپنی قوم کو کانے کذاب (یعنی دجال) سے ضرور خبردار کیا"۔

نیز فرمایا:

(( لاَ تُفَاضِلُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ)) [2]

"انبیائے کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔"

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے نبیوں اور رسولوں کی تعداد کے متعلق سوال کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

(( مِائَةٌ وَ عِشْرُوْنَ اَلْفًا وَ الْمُرْسَلُوْنَ مِنْهُمْ ثَلاَثُمِائَةٌ وَ ثَلاَثَةَ عَشَرَ )). [3]

"ایک لاکھ بیس ہزار۔ ان میں سے رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ ہے۔"

نیز ارشادِ نبوی ہے:

((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّ مُوْسٰى كَانَ حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلاَّ اَنْ يَّتَّبِعَنِيْ)) [4]

"قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے 'اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کئے بغیر چارہ نہ ہوتا۔"

اور جب کسی نے آنحضرت ﷺ کو یوں پکارا: يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ "اے مخلوق میں سب سے بہتر شخصیت" تو حضور ﷺ نے تواضع کے طور پر فرمایا: ((ذَاكَ اِبْرَاهِيْمُ)) [5] "وہ تو ابراہیم علیہ السلام تھے۔"

نیز فرمایا:

((مَا كَانَ لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ إِنِّيْ خَيْرٌ مِّنْ يُونُسَ بْنِ مَتّٰى)) (٦)

"کسی بندے کے لیے یہ کہنا مناسب نہیں کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔"

اور حضور علیہ السلام نے شب معراج کے موقع پر بھی انبیائے کرام علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات بیت المقدس میں ہوئی تھی' اور آپ نے انھیں امام بن کر نماز پڑھائی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات مختلف آسمانوں میں حضرت یحییٰ' عیسیٰ' یوسف' ادریس' ہارون' موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام سے ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان انبیائے کرام کے حالات بیان فرمائے۔ (٧)

اور ارشاد فرمایا:

((وَإِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوُدَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ)) (٨)

"اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔"

(٣) اربوں مسلمان اور اہل کتاب ــــ یہودی اور عیسائی ــــ اللہ کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں' ان کی رسالت پر پختہ یقین رکھتے ہیں' ان کو کمال سے متصف مانتے ہیں اور انھیں اللہ کے برگزیدہ افراد مانتے ہیں۔

## عقلی دلائل

(١) اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ مخلوق کی طرف رسول بھیجے جو انسانوں کو اپنے رب کی پہچان کرائیں' اور انھیں وہ باتیں بتائیں جن سے وہ انسانی کمال تک پہنچ سکیں اور دنیا اور آخرت میں فوز و فلاح سے ہم کنار ہو سکیں۔

(٢) اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ ﴾ (الذٰریٰت: ٥٦)

"میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے پیدا نہیں کیا۔"

اس حکمت کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو منتخب فرما کر مبعوث کرے' تاکہ وہ لوگوں کو اللہ کی عبادت اور اطاعت کے طریقے بتا سکیں اور اپنی تخلیق کا مقصد پورا کر سکیں۔

(٣) نیکی سے نفس انسانی میں طہارت اور پاکیزگی پیدا ہوتی ہے اور گناہ کے ارتکاب کا نتیجہ دل کی سیاہی اور نفس انسانی کا تنزل ہے۔ ثواب کا دار و مدار انہی عقلی

اور نفسیاتی کیفیات پر ہے۔ اس امر کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بھیجے جائیں' تاکہ قیامت کو انسان یہ نہ کہہ سکیں کہ اے اللہ! ہمیں تو تیری اطاعت کے طریقے معلوم ہی نہیں تھے تو ہم کس طرح ان پر عمل کر سکتے تھے؟ اور ہمیں معلوم ہی نہ تھا کہ کون سے کام تیری ناراضگی کا باعث ہیں ورنہ ہم ان سے پرہیز کرتے۔ چونکہ اے اللہ آج تو ظلم نہیں فرمائے گا لہٰذا ہمیں سزا نہ دے۔ اس طرح وہ اللہ کے سامنے ایک حجت پیش کر سکتے تھے۔ یہی کیفیت بعثت انبیاء کا باعث ہوئی' تاکہ انسان اس قسم کے عذر پیش نہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلاَّ يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ ﴾ (النساء: ۱۶۵)

"(اللہ نے) رسول خوشخبری دینے اور تنبیہ کرنے کے لیے (بھیجے) تاکہ رسولوں (کی بعثت) کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے خلاف کوئی حجت باقی نہ رہے۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

## حواشی

(۱) صحیح البخاری' کتاب التوحید' باب قوله تعالٰی. ﴿ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴾ اور صحیح مسلم' کتاب الفتن' باب ذکر الدجال۔

(۲) یہ حدیث صحیحین میں مختلف الفاظ سے وارد ہے۔ مثلاً صحیح البخاری' کتاب الانبیاء' باب قوله تعالٰی: ﴿ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ اور صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب من فضائل موسٰی۔

(۳) صحیح ابنِ حبان۔

(۴) امام احمد اور بیہقی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور یہ حسن ہے۔

(۵) صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب فضائل ابراهیم علیه السلام۔

(۶) صحیح البخاری' کتاب الانبیاء' باب قول اللّٰه تعالٰی ﴿ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب ذکر یونس علیه السلام۔

(۷) صحیح البخاری' کتاب الصلاة' باب کیف فرضت الصلاة فی الاسراء۔

(۸) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب الاسراء برسول اللّٰه ﷺ الی السمٰوٰت۔

توضیح و تنقیح

# "سی ٹی بی ٹی" کی شرعی حیثیت

از دارالافتاء 'دارالعلوم حقانیہ' اکوڑہ خٹک

---

امریکہ سی ٹی بی ٹی یعنی ایٹمی ہتھیاروں پر پابندی کے جامع معاہدہ کے نام سے پاکستان کو اس معاہدہ پر دستخط کرا کر پابند بنانا چاہتا ہے جس سے بظاہر پاکستان کو حاصل ایٹمی توانائی کے استعمال یا اس کی مزید ترقی کو روکنا مقصود ہے۔ کیا شرعاً کسی مسلمان ملک کے حکمرانوں کو اپنی جہادی قوت' آلات و وسائل اور حربی ٹیکنیک کو کفار کے دباؤ یا کسی لالچ کے نتیجے میں اسے محدود اور معطل یا منجمد و مفلوج کرنے کی اجازت ہے؟ مسئلہ کی از روئے قرآن و سنت شرعی حیثیت واضح کرنے کے لئے ملک اور عالمِ اسلام کے معروف معتمد اور ممتاز دینی ادارہ دارالعلوم حقانیہ کے دارالافتاء نے مدلل روشنی ڈالی ہے جو اعیانِ حکومت' ممبرانِ پارلیمنٹ' سیاست دانوں' سائنس دانوں' فوجی اداروں' علماء' دانش وروں' صحافیوں اور عام مسلمانوں کے غور و فکر کے لئے پیش خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر سی خدمت کو ملک و ملت کے بہتر مستقبل اور فلاح و بہبود کا ذریعہ بنا دے۔

مولانا سمیع الحق
مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
۱۰ ستمبر ۱۹۹۸ء

---

## استفتاء

مملکت اسلامیہ پاکستان' جو کہ برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کی قربانیوں کا ثمرہ ہے' اس کی تقسیم کا مقصد ہی یہاں پر ایک آزاد اور خود مختار اسلامی مملکت کا قیام تھا۔ الحمدللہ پاکستان اسلام اور مسلمانوں کی قربانیوں کی وجہ سے معرضِ وجود میں آیا اور اس نے عالمِ اسلام کے ہر دور میں ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔ یہود و ہنود اور مغربی ممالک پاکستان

کے قیام کے روزِ اول ہی سے اس کے وجود کو مٹانے کے درپے ہیں اور مختلف سازشوں سے اس کو آئے دن کمزور کرنے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف ہیں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت ۱۹۷۰ء میں مشرقی پاکستان کو پاکستان سے علیحدہ کرنا ہے۔ پھر ۱۹۴۸ء میں، جبکہ پاکستان کے قیام کا ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا، اس پر جنگ مسلط کردی گئی۔ اس کے بعد ۶۵ء اور ۷۰ء کی جنگیں ہوئیں اور ہمارے خلاف بدترین جارحیت کی گئی۔ اب جبکہ مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی کے مجاہدین ہندوؤں کے خلاف جہاد میں سرگرم عمل ہیں اور پاکستان نے ہر سطح پر خصوصاً بین الاقوامی فورم میں مسئلہ کشمیر کو اُجاگر کیا ہے تو ہندوستان نے تحریک آزادی کشمیر کو ختم کرنے اور پاکستان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے گیارہ اور تیرہ مئی ۱۹۹۸ء کو ایٹمی دھماکے کئے۔ یہ دھماکے ہندوستان میں واجپائی حکومت نے کئے جن کا بنیادی منشور ہی اسلام اور پاکستان دشمنی پر مبنی ہے۔ یاد رہے کہ ہندوستان ۱۹۷۴ء سے ایٹمی قوت بن چکا ہے۔ ان حالات میں پاکستان کو یہ حق مکمل طور پر حاصل تھا کہ وہ بھی اپنے دفاع کے لئے قرآنی نص کے مطابق ہر ممکن صلاحیت، خواہ وہ عسکری ہو یا حربی، ہر لحاظ سے خود کو مضبوط کرنے کی کوشش کرے۔

﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ...الاية ﴾ (الانفال : ٦٠)

اُس وقت حکومت پاکستان نے ایٹمی پروگرام کو یہود و ہنود کے مکروہ عزائم بھانپتے ہوئے شروع کیا تھا۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے اپنے ذرائع و وسائل اور حیثیت سے بڑھ کر ملک و ملت اور سائنس دانوں نے طویل اور صبر آزما ایثار کا مظاہرہ کیا۔ اس پر اربوں روپے خرچ ہوئے اور بمشکل تمام اس کو عالمِ کفر کی خونخوار نظروں سے بچائے رکھا۔ گویا تمام قوم نے خونِ جگر سے اس پروگرام کی آبیاری کی اور اپنے ملک و ملت اور عالمِ اسلام کو ایک ناقابل تسخیر ایٹمی قوت بنا کر عالمِ کفر اور بھارت کے مذموم ارادوں کو خاک میں ملایا، جس سے تمام پاکستانی قوم اور پورے عالمِ اسلام کا سر فخر سے بلند ہوا، قوم کو نئی راہ اور نئی سمت مل گئی اور ہم جو اکیسویں صدی میں عالمِ اسلام اور پاکستان ایٹمی قوت کی حیثیت سے (جو کہ سائنس اور ٹیکنالوجی اور عسکری طاقت کی معراج سمجھی جاتی ہے) داخل ہو رہے ہیں تو موجودہ حکومت، جس نے سی ٹی بی ٹی کے معاہدے پر دستخطوں کا

حتمی فیصلہ کرلیا ہے جو ہماری قومی و فوجی دفاع کی شہ رگ کو کاٹنے کے مترادف ہے۔ حکومت اس معاہدہ کے تحت ہمیں ایک بے غیرت' بے حمیت' بزدل اور سوداگر قوم بنانا چاہتی ہے اور ہمیں معاہدے کے بعد ہندوستان و اسرائیل کے خونخوار بھیڑیوں کے سامنے بے دست و پا پھینکنے کی کوشش کر رہی ہے' خاص کر ایسے حالات میں کہ جب ہندوستان' جس کو ایٹمی پروگرام کو منجمد کرنے کے جامع معاہدے پر دستخط کرنے میں اب تک انکار و تردد ہے' اور اگر اس نے دستخط کر بھی لئے تو اس کی فوجی اور دفاعی سازو سامان کی صلاحیت' جنگی ٹیکنالوجی اور افرادی قوت ہم سے کئی گنا زیادہ ہے' جس کا مقابلہ ہماری ایٹمی قوت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ نیز یہود و نصاریٰ اور عالمی کفر و استعمار کے پانچ بدمعاشوں اور دہشت گردوں نے بھی ابھی تک اس معاہدے کی توثیق نہیں کی ہے' اور نہ اُن کا کوئی ارادہ ہے۔ اس معاہدے کے بعد عالمِ اسلام کا ناقابل تصور نقصان ہو گا۔ چند نقصانات درج ذیل ہیں :

## معاہدہ کے چند بڑے نقصانات و مضرات

(۱) کشمیر کی تحریک آزادی پر ہر لحاظ سے براہِ راست بُرا اثر پڑے گا۔

(۲) ہندوستان اور عالمِ کفر کے ایٹمی پروگرام روز بروز جاری و ساری اور ترقی کی منازل کرتے رہیں گے اور اس کے برعکس ہمارا ایٹمی پروگرام اس معاہدہ کی پابندی کی وجہ سے منجمد ہو کر رہ جائے گا۔

(۳) بھارت کے مقابلے میں ہماری پوزیشن عسکری' حربی اور سیاسی لحاظ سے کمزور تر ہو جائے گی۔

(۴) معاہدہ کے بعد عالمِ کفر کی طرف سے ہم سے نت نئے مطالبات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا' جس کا مشاہدہ ہم عراق' لیبیا وغیرہ ملکوں میں کر رہے ہیں۔

(۵) ایٹمی دھماکہ کرنے کے بعد عالمِ اسلام خصوصاً عالمِ عرب کو ایک ولولۂ تازہ عطا ہوا تھا اور اسرائیل اور دوسری استعماری کفری طاقتیں مرعوب ہو گئی تھیں' معاہدے کے بعد ہماری حیثیت محض ایک سوداگر قوم کی سی رہ جائے گی۔

(۶) اگر مستقبل میں عالمِ اسلام اور عالمِ کفر کے درمیان کوئی بڑی جنگ شروع ہوئی (جس

کی ابتداء امریکہ' عراق' لیبیا' سوڈان اور افغانستان سے کر چکا ہے) تو اس میں پاکستان اس معاہدے کے بعد کوئی اہم کردار ادا نہیں کر سکے گا' بلکہ پاکستان امریکہ کی ایک کالونی کی حیثیت اختیار کرے گا۔

(۷) اس کے نتیجے میں عالمِ اسلام اور دوسرے مقامات میں جہادی قوتوں کو شدید دھچکا لگے گا اور مجاہدین کی حوصلہ شکنی ہوگی۔

(۸) پاکستان عالمِ اسلام کو کبھی بھی ایٹمی ٹیکنالوجی منتقل نہیں کر سکے گا۔

اس خطرناک صورتحال کو پیش نظر رکھتے ہوئے علماء و مفتیان دین متین کیا فرماتے ہیں کہ :

(الف) ملک و ملت کے ان عظیم نقصانات (کے ہوتے ہوئے) جو کہ معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد یقینی اور حتمی ہیں' کیا موجودہ حکومت کو اس بات کا حق اور اختیار پہنچتا ہے کہ وہ ایک ارب مسلمانوں کے فیصلے کے برعکس اس ذلت و رسوائی کے محضرنامے اور اپنی موت و قتل کے پروانے پر دستخط کر دے (اور اس کے نتیجے میں ہمیں جو موہوم امداد' بلکہ خیرات اور بھیک ملے گی کیا وہ ماضی کی طرح حکمرانوں کے بینکوں میں نہیں جائے گی)؟ ان نقصانات اور خطرناک حقائق کی موجودگی میں اس معاہدے پر دستخط کے لئے مہم چلانا یا اس کی حمایت کرنا اور اس پر دستخط کرنا' دین و شریعت کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہے اور یہ معاہدہ شرعی اعتبار سے جائز ہے یا ناجائز؟

(ب) اور وہ لوگ جو اس پر دستخط کرتے ہیں' یا اس کی حمایت کرتے ہیں' یا اس پر دستخط کیلئے مہم چلاتے ہیں' خواہ وہ حزبِ اقتدار سے ہوں یا حزبِ اختلاف سے' سیاست دان ہوں یا بیوروکریٹس اور حکومتی مشنری' ان کا کیا حکم ہے؟

(ج) اور آیا یہ لوگ ملک و ملت اور اپنے حلف سے انحراف کے ارتکاب کرنے والوں کے زمرے میں آتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی
ایک ہمدرد و مخلص پاکستانی
محمد عمر' نارتھ ناظم آباد (کراچی)

# الجواب وباللہ التوفیق

## اِعداد آلاتِ حرب قرآن کریم کی روشنی میں

اِعداد (تیاری) آلاتِ جہاد کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے :

﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (الانفال : ۶۰)

"اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے' کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر' اور دوسروں پر ان کے سوا' جن کو تم نہیں جانتے' اللہ ان کو جانتا ہے' اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ کے راستے میں وہ تمہیں پورا ملے گا۔ اور تمہارا حق نہ رہ جائے گا"۔ (ترجمہ از معارف القرآن)

اس کی تفسیر میں امام رازی فرماتے ہیں :

وَهٰذِهِ الْاٰيَةُ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّ الْاِسْتِعْدَادَ لِلْجِهَادِ بِالنَّبلِ وَالسِّلَاحِ وَتَعْلِيْمَ الْفُرُوْسِيَّةِ فَرِيْضَةٌ (۱)

"یہ آیت کریمہ جہاد کے لئے تیاری' اسلحہ' تیروں اور شہسواری کی تعلیم کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔"

علامہ شبیر احمد عثمانی" اس آیت کے ضمن میں فوائد عثمانی میں تحریر فرماتے ہیں :

""مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامانِ جہاد فراہم کریں۔ نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں گھوڑے کی سواری' شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا سامانِ جہاد تھا۔ آج بندوق' توپ' ہوائی جہاز' آبدوز' کشتیاں' آہن پوش کروزر وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنونِ حربیہ کا سیکھنا' بلکہ ورزش وغیرہ کرنا سب سامانِ جہاد ہے۔ اسی طرح آئندہ جو اسلحہ و آلاتِ حرب و ضرب تیار ہوں وہ سب آیت کے منشاء میں داخل ہیں"۔ (۲)

لہٰذا اس آیت کے عموم میں موجودہ وقت میں جو آلاتِ حرب و ضرب اور سائنس و ٹیکنالوجی کی بدولت جو بم اور میزائیل وغیرہ تیار کئے گئے ہیں، مثلاً کروز میزائل، سکڈ میزائل، نیپام بم، ہائیڈروجن بم اور ایٹم بم جیسے مہلک ہتھیار، یہ تمام "مَا اسْتَطَعْتُمْ" کے عموم میں آتے ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی اپنی تفسیر معارف القرآن ج ۳، ص ۲۵۵ پر لکھتے ہیں :

"لہٰذا اس آیت کی رو سے مسلمان حکومتوں پر جدید اسلحہ کی تیاری اور ان کے کارخانوں کا قائم کرنا فرض ہوگا، اس لئے کہ اس آیت میں قیامت تک کے لئے ہر مکان و زماں کے مناسب قوت و طاقت کی فراہمی کا حکم دیا گیا ہے۔ جس طرح کافروں نے تباہ کن ہتھیار تیار کئے ہیں ہم پر بھی اسی قسم کے تباہ کن ہتھیاروں کا تیار کرنا فرض ہوگا، تاکہ کفر اور شرک کا مقابلہ کر سکیں۔"

## اس کے متعلق حضور ﷺ کے ارشادات اور فقہاء کے اقوال

اسی طرح احادیث کریمہ میں حضور ﷺ نے اعداد آلاتِ حرب کی تاکید اور ترغیب فرمائی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے :

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ ((وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ، اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ، اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ، اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ)) [۳]

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اس حال میں کہ آپ منبر پر تھے، فرمایا : "اور تیار کرو کافروں کے ساتھ جنگ کے واسطے وہ چیزیں جو تم قوت سے کر سکو۔ خبردار! بWشک قوت تیراندازی ہے، خبردار! بے شک قوت تیراندازی ہے، خبردار! بے شک قوت تیراندازی ہے۔"

جس کی تفسیر میں علامہ ابوبکر الجصاص الرازیؒ فرماتے ہیں :

ومعنى قوله الا ان القوة الرمي انه من معظم ما يجب اعداده للقوة على قتال العدو ولم ينف به ان يكون غيره من القوة بل عموم اللفظ شامل لجميع ما يستعان به على العدو من سائر انواع السلاح وآلات الحرب [۴]

دوسری روایت ہے :

عَنْ عُقْبَةَ ابْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : ((إِنَّ اللّٰهَ يَدْخُلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلَاثَةَ نَفَرٍ الْجَنَّةَ' صَانِعَهُ يَحْتَسِبُ فِيْ صِنْعَتِهِ الْخَيْرَ وَالرَّامِيَ بِهِ وَمُنْبِلَه)) (۵)

"عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' آپؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعے تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے: اس کا بنانے والا' جس کے بنانے سے اس کی نیت خیر کی ہو' اور اس کا پھینکنے والا اور تیسرا تیر دینے والا تیرانداز کے ہاتھ میں۔"

اس حدیث کے متعلق شارح ابوداؤد مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ لکھتے ہیں :

ولم يكون فى زمن رسول الله ﷺ الا رمى السهام فيدخل بل يعوض عنه فيه ما يرمى به من الرصاص بالبندوقية والمدافع وغير ذلک من آلات الحرب الجديدة فى هذا الزمان فانها اغنت عن رمى السهام بالقوس وعطلته (۶)

فقہاءِ کرام میں فقہ حنفی کی مشہور و معروف شخصیت حافظ ابن نجیم فرماتے ہیں :

يندب للمجاهد فى دار الحرب توفير الاظفار وان كان قصها من الفطرة لانه اذا سقط السلاح من يده ودنا منه العدو ربما يتمكن من دفعه بالاظافير وهونظير قص الشوارب فانه سنة ثم الغازى فى دار الحرب مندوب الى توفيرها وتطويلها ليكون لهيب فى عين من يبارز۔ فالحاصل ان ما يعين المرء على الجهاد فهو مندوب الى اكتسابه لما فيه من اعزاز المسلمين و قهر المشركين (۷)

"دارالحرب میں مجاہد کے لئے ناخن بڑھانا' اس کے باوجود کہ ناخنوں کا کٹوانا فطری امر ہے' مندوب اور مستحب ہے' کیونکہ دورانِ جنگ و جہاد اس کے پاس اسلحہ نہ ہو اور دشمن اس کے بالکل قریب ہو تو ناخن کے ذریعہ بھی وہ اپنے دشمن کو دفع کر سکتا

ہے۔ اور اس کی نظیر مونچھوں کو ترشوانا ہے' کیونکہ یہ سنت ہے' پھر غازی کے لئے دارالحرب میں مونچھوں کا بڑھانا مستحب ہے تاکہ اس سے اس کے مقابل دشمن پر رعب اور دھاک بیٹھ جائے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ وہ چیز جو کہ مجاہد و غازی کے لئے جہاد میں مدد و معاون ثابت ہو تو وہ مندوب اور مستحب ہے' اس لئے کہ اس میں مسلمانوں کا وقار اور مشرکین کی تذلیل و توہین ہے"۔

ان تصریحات کی موجودگی میں یہ بات بالکل عیاں ہے کہ مسلمانوں کے لئے ہر قسم کا اسلحہ اور جنگی ساز و سامان دشمن کے مقابلے کے لئے تیار رکھنا فرض اور ضروری ہے' تاکہ جہاد کے وقت ان کی توجہ اسلحہ کی تیاری پر نہ ہو۔

## آلاتِ حرب یا عسکری قوت کو ضائع کرنے یا ان کو منجمد کرنے پر وعیدیں

جس مسلمان ملک کے پاس یہ آلاتِ حرب (اور وہ بھی جدید ترین شکل میں) ہوں' ان آلات کو ضائع کرنے یا اس کو استعمال میں نہ لانے کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : (( مَنْ عَلِمَ الرَّمْيَ ثُمَّ تَرَكَهُ فَلَيْسَ مِنَّا اَوْ قَدْ عَصٰى)) (۸)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' آپؐ فرماتے ہیں : "جس نے تیراندازی سیکھی اور پھر اس کو چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں' یا وہ گناہ گار ہوا۔"

مندرجہ بالا حدیث کے ذیل میں شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"هذا تشديد عظيم في نسيان الرمي بعد علمه و مكروه كراهة شديدة من تركه بلا عذر"

اور اس حدیث کی تشریح میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :

"جس نے تیراندازی سیکھی اور پھر اس کو چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں۔ گویا اس نے اس میں کوئی نقص دیکھا' اور اس کے ساتھ استہزاء کیا اور یہ صورتیں کفرانِ نعمت کے زمرے میں آتی ہیں۔ شراح حدیث نے اس نعمت کو نعمت خطیرہ سے تعبیر کیا ہے"۔ (۹)

اور یہی حدیث ایک اور روایت میں یوں بیان کی گئی ہے :

((مَنْ تَعَلَّمَ الرَّمْیَ ثُمَّ نَسِیَهٗ فَهِیَ نِعْمَةٌ جَحَدَهَا)) (۱۰)

مختصراً ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جس طرح اعدادِ آلاتِ حرب مسلمانوں کے لئے ضروری اور لازمی ہے اسی طرح فن عسکری کو سیکھ کر اس کو ترک کرنا یا اسے بھول جانا انتہائی لائق ملامت امر ہے' جس کی طرف امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بصراحت تنبیہ کی ہے۔ موجودہ حالات اور زمانے کے تناظر میں دیکھا جائے تو ایک مسلمان ملک کے پاس جو قوت اور طاقت ہو' جس سے دشمنانِ اسلام مرعوب ہوتے ہوں' اس طاقت اور قوت کو ختم کرنا' یا اس کو استعمال میں نہ لانا یا اس کو منجمد کرنا اسی وعید کے ضمن میں آتے ہیں۔ صاحب ہدایہ نے حرمۃ اکل لحم فرس (یعنی گھوڑے کے گوشت کی حرمت) کی ایک علت یہ بھی لکھی ہے کہ :

ویکرہ لحم الفرس عند ابی حنیفة ... ولانه آلة ارهاب العدو فیکرہ اکله احترامًا له ولهذا یضرب له بسهم فی الغنیمة ولانه فی اباحته تقلیل آلة الجهاد (۱۱)

"امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔ (اس کی ایک علت یہ ہے) کیونکہ دشمن کے ڈرانے دھمکانے اور مرعوب کرنے کا آلہ ہے' اس لئے اس کے احترام کی وجہ سے اس کا کھانا مکروہ (تحریمی) ہے۔ اور اسی احترام و عظمت کی بنا پر مالِ غنیمت میں گھوڑے کا مستقل حصہ ہے (اور دوسری علت یہ ہے) کہ اس کی اباحت کی صورت میں آلہ جہاد کی تقلیل ہوتی ہے۔"

کفار اور غیر مسلموں کے دباؤ میں آ کر ایٹمی صلاحیت اور عسکری قوت کو منجمد یا اس میں تخفیف کرنے کے متعلق کسی بین الاقوامی معاہدے پر دستخط کرنے کے بارے میں ان نصوصِ قطعیہ سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے :

﴿ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝ ﴾ (الفرقان : ۵۲)

"سو تو کہنا مت مان منکروں کا اور مقابلہ کر ان کا اس (قرآن) کے ساتھ بڑے زور کا۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں :

﴿ وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ... ﴾ (هود : ۱۱۳)

"اور مت جھکو ان کی طرف، پھر تم کو لگے گی آگ۔"

ایک اور فرمانِ ربّانی ہے کہ :

﴿ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ﴾ (النساء : ۱۰۲)

"کافر چاہتے ہیں کسی طرح تم بے خبر ہو اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے، تاکہ تم پر حملہ کریں یک بارگی۔"

ان نصوص میں تدبر سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ نے پورے شد و مد کے ساتھ مسلمانوں کو ہر وقت کفار کے مقابلے میں تیار رہنے کا حکم دیا ہے اور کفار کی طرف معمولی میلان کو بھی موجب دخولِ نار ٹھہرایا ہے۔ اب اگر ہمارے حکمران یہود و ہنود اور نصاریٰ کے دباؤ میں آکر اس رسوائے زمانہ معاہدہ پر دستخط کرتے ہیں تو لازمی طور پر ان نصوص قطعیہ اور ارشاداتِ ربّانیہ کی خلاف ورزی ہو گی۔

## وہ معاہدہ جو مسلمانوں کے مفادات کے منافی ہو اس کی پابندی ضروری نہیں

اگر تخفیف اسلحہ کے متعلق کوئی بین الاقوامی معاہدہ موجود ہو اور اس کا کنٹرول بھی کفار کے ہاتھ میں ہو تو آیا اس صورت میں مسلمان اس معاہدہ کے پابند ہیں؟ سو اس بارے میں سب سے پہلے جب ہم قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں تو مندرجہ ذیل آیات سامنے آتی ہیں :

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ○ ﴾ (النساء : ۱۴۴)

"اے ایمان والو! نہ بناؤ کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر۔ کیا لیا چاہتے ہو اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح۔"

﴿ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ○ ﴾ (الانفال : ۵۸)

"اور اگر تم کو ڈر ہو کسی قوم سے دغا کا تو پھینک دے اُن کا عہد اُن کی طرف اسی

طرح پر کہ ہو جاؤ تم اور وہ برابر۔ بے شک اللہ کو خوش نہیں آتے دغاباز۔"
یعنی اگر آپ کو کسی قوم کے معاہدے سے خیانت اور عہد شکنی کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو ان کا عہد ان کی طرف انہی صورت میں واپس کر دیں کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں 'کیونکہ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ (۱۲)

## یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى اَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ○ ﴾

(المائدۃ : ۵۱'۵۲)

"اے ایمان والو! مت بناؤ یہود و نصاریٰ کو دوست۔ وہ آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے۔ اور جو کوئی تم میں سے دوستی کرے ان سے تو وہ انہی میں سے ہے۔ اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو۔ اب تو دیکھے گا ان کو جن کے دل میں بیماری ہے' ڈر کر ملتے ہیں ان میں' کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ نہ آ جائے ہم پر گردش زمانہ کی۔ سو قریب ہے کہ اللہ جلد ظاہر فرمادے فتح یا کوئی امر اپنے پاس سے تو لگیں اپنے جی کی چھپی بات پر پچھتانے۔" (تفسیر عثمانی)۔

ابو بکر جصاص رازیؒ اس آیت کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں کہ :

"ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی دوستی اور ان کے ازلال سے منع فرمایا اور ان کی اہانت اور اذلال کا حکم فرمایا' اور ان سے مسلمانوں کے (اجتماعی) کاموں میں امداد لینے سے منع فرمایا ہے' کیونکہ اس میں ان کی عزت اور برتری ہے"۔ (۱۳)

ان آیات سے صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ سی ٹی بی ٹی یا این پی ٹی پر دستخط کرنے اور اس کے لئے راہ ہموار کرنے اور اس سلسلے میں تعاون کرنے کی صورت میں جو لوگ کفار' یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی کا جو مظاہرہ کرتے ہیں ان کا حشر کفار' یہود اور نصاریٰ کے ساتھ ہی ہو گا۔ لہٰذا حکومت کو چاہئے کہ معاہدہ پر دستخط کی صورت میں عقل

سے کام لے کر اس انجامِ بد سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔ نیز سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کے حامیوں کا یہ کہنا کہ ' دستخط نہ کرنے کی صورت میں یہ ہو جائے گا اور وہ ہو جائے گا' اس کو ان آیات میں عذرِ لنگ قرار دیا گیا۔

## دستخط کرنے کی صورت میں کفار کی طرف سے امداد کے وعدے

تخفیف اسلحہ یا دستخط کرنے کی صورت میں کفار کی طرف سے امداد و تحفظات!! اعداد آلاتِ حرب کے متعلق جو آیت کریمہ ہم نے ذکر کی ہے کہ : ﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ تو اس آیت کے آخر میں فرمانِ ربانی ہے کہ : ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴾ اس میں غور کرنے سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ مسلمان جہادی سامان پر جتنا بھی خرچ کریں گے اس کے متعلق خدائی وعدہ ہے کہ "یُوَفَّ اِلَیْکُمْ" یعنی وہ خرچ تم مسلمانوں کو اللہ کی طرف سے پورا پورا دیا جائے گا بغیر کسی کمی کے۔ گویا یہ آیت تصریح ہے اس بات پر کہ اگر آپ کا کچھ خرچ ہوا ہو' اور ضرور ہوتا ہے' تو اس کا انتظام اللہ فرمائے گا۔

اب اقتصادی پابندیوں کے خوف سے سی ٹی بی ٹی یا این پی ٹی پر دستخط کرنا گویا اللہ کے وعدے سے انحراف ہے۔ اسی طرح دیگر بھی کئی آیتیں ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار سے اپنی عزت و وقار کو مجروح کر کے استعانت لینا صحیح نہیں۔ جیسا کہ فرمانِ ربانی ہے :

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا ﴾ (آل عمران : ۱۱۸)

"اے ایمان والو! نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سوا' وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں۔"

علامہ ابوبکر الجصاص الرازیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

وفی هذه الایة دلالة علی انه لاتجوز الاستعانة باهل الذمة فی امور المسلمین من العمالات والکتبة [۱۴]

اس [illegible] لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً میں اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے

(اجتماعی) کاموں اور ملازمتوں میں کفار اہل ذمہ سے امداد لینا جائز نہیں۔ اسی طرح دوسری آیت :

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ... ﴾ (المائدۃ : ۵۱)

اسی طرح اس آیت کے ذیل میں بھی علامہ حصاصؒ فرماتے ہیں :

"ان آیات میں حق تعالٰی نے کفار کی دوستی اور ان کے اعزاز سے منع فرمایا ہے' اور ان کی اہانت و اذلال کا حکم دیا ہے اور ان سے مسلمانوں کے (اجتماعی) کاموں میں امداد لینے سے منع فرمایا ہے' کیونکہ اس میں ان کی عزت اور برتری ہے"۔ (۱۵)

ارشاد ربانی ہے :

﴿ اَلَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۝ ﴾ (النساء : ۱۳۹)

"جو لوگ مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں کیا وہ ان کے ذریعے قوت و عزت چاہتے ہیں۔ (وہ یاد رکھیں کہ) قوت و عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کیلئے ہے۔ (یعنی قوت و عزت اللہ کے قوانین پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے)۔"

تو مندرجہ بالا تصریحات اور نصوص کی رو سے کفار سے امداد طلب کرنا اور ان کے ساتھ دوستی نبھانا اس خاطر سے کہ اس میں ہماری عزت ہے' بالکل صحیح نہیں۔ اور یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ مسلمان ممالک نے جن کافر ملکوں کے ساتھ جتنے بھی معاہدے کئے ہیں انہوں نے ایفائے عہد کا خیال نہیں رکھا۔ پاکستان اور عربوں کے معاہدے ہمارے سامنے ہیں' جس میں ہمیں خسارے کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ اسی آیت کے ضمن میں علامہ ابو بکر حصاص رازیؒ لکھتے ہیں :

"وهذا یدل علی انه غیر جائز للمومنین الاستنصار بالکفار علی غیرهم من الکفار اذا کانوا متی غلبوا کان حکم الکفر هو الغالب وبذلک قال اصحابنا" (۱۶)

# فتویٰ کا خلاصہ اور حاصل

مذکورہ بالا دلائل' جو قرآن کریم کی صریح آیات' سنت نبویؐ کی واضح ہدایات' مفسرین' محدثین اور فقہاء اُمت کی تشریحات پر مشتمل ہیں' اور جن پر تمام فقہی مکاتب کا اجماع ہے' سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں :

(ا) اعداءِ اسلام کی جارحیت اور اسلامی ممالک کی حفاظت اور دفاع کے لئے ہر قسم کا فوجی سازوسامان' آلاتِ حرب کی تیاری' اس میں روز و شب ترقی اور دشمن کے ارہاب کے لئے اعدادِ آلاتِ جہاد فرض عین ہے۔ یہاں تک کہ اسلام کی اساسی عبادات' مثلاً نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج کی فرضیت محدود اوقات اور مقدار سے وابستہ ہیں' مگر دشمن کے مقابلہ کی تیاری غیر محدود' غیر مقید' غیر موقت اور تمام ممکنہ استطاعتوں سے وابستہ ہے جسے اللہ نے "وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ" میں بیان فرمایا ہے۔

ب) دشمنانِ اسلام کے کسی دباؤ اور ترغیب و ترہیب میں آکر ایسا کوئی اقدام یا معاہدہ ہرگز جائز نہیں' جس سے فوجی اور حربی تیاریوں میں تعطل پیدا ہو' یا اس میں کمی آ سکتی ہو' یا تیار شدہ حربی ساز و سامان کے استعمال کو منجمد کیا جا سکتا ہو' یا حربی ٹریننگ' مشق اور تربیت کو نقصان پہنچ سکتا ہو یا اس میں کمی آ سکتی ہو یا ان سارے امور پر کسی قسم کی قدغن لگ سکتی ہو۔

ج) سی ٹی بی ٹی اور این پی ٹی کی شکل میں زیر بحث معاہدہ میں یہ سارے خطرات' خدشات اور گوناگوں پابندیاں موجود ہیں' اس لحاظ سے اس پر کسی بھی مسلمان ملک بشمول پاکستان کے دستخط یا اس کی تحریری اور زبانی کسی قسم کی تائید اور اتفاق کی ازروئے قرآن و سنت و اجماعِ اُمت ہرگز اجازت نہیں۔ اگر کوئی بھی رکن حکومت' مثلاً اس کا سربراہ وزیر اعظم یا ممبر پارلیمنٹ یا عام شہری اس کی موافقت اور تائید کرتا ہے تو وہ قرآن و سنت اور اللہ و رسولؐ کے واضح احکام کی صریح مخالفت اور ان احکام سے کھلی بغاوت کا مرتکب ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنے دین'

عقیدہ اور ایمان کی خیر منانی چاہئے۔ جان بوجھ کر ایسا کرنے والے ملک وملت کے غدار ہیں کہ اس طرح وہ ملک کی آزادی، سالمیت اور خود مختاری سلب کرانے جیسے قبیح جرم کے مرتکب ہوں گے۔ از روئے شرع ایسی صورت میں پوری قوم کو دینی، ملی اور قومی جرم کے مرتکب حکمرانوں کے خلاف ہر قسم کی جدوجہد نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب

---

دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (پاکستان)

اسماء گرامی مفتیان کرام ومشائخ عظام:۔

رئیس دارالافتاء حضرت مولانا مفتی سیف اللہ صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب مدظلہ

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک دارالافتاء نوشہرہ پاکستان

## حواشی

۱) تفسیر کبیر، ج ۱۵، ص ۱۸۵
۲) تفسیر عثمانی، ص ۲۴۴
۳) مسلم، ج ۲، ص ۱۳۳
۴) احکام القرآن ج ۲، ص ۸۵
۵) رواہ ابوداؤد، بذل المجہود، ج ۱۱، ص ۴۲۸
۶) بذل المجہود ج ۱۱، ص ۴۲۸
۷) البحر الرائق، ج ۵، ص ۷۶
۸) مسلم، ج ۲، ص ۱۳۳
۹) مرقاۃ، ج ۷، ص ۳۱۴
۱۰) مجموعہ الفتاوی، لابن تیمیہ ج ۲۸، ص ۹
۱۱) ہدایہ علی صدر فتح القدیر، ج ۸، ص ۲۰۔۴۲۱
۱۲) معارف القرآن، ج ۴، ص ۲۶۹
۱۳) احکام القرآن، ج ۳، ص ۱۲۳
۱۴) احکام القرآن، ج ۲، ص ۴۴
۱۵) احکام القرآن، ج ۳، ص ۱۲۳
۱۶) احکام القرآن، للجصاص ج ۲، ص ۳۵۲

# سیرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا

تحریر : فرزانہ رشید

عائشہ نام، صدیقہ لقب، اُمّ المؤمنین خطاب، اُمِّ عبداللہ کنیت اور حمیرا لقب ہے۔ نبوت کے پانچویں سال پیدا ہوئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان برگزیدہ لوگوں میں ہیں جنہوں نے کفرو شرکت کی کبھی آواز نہیں سنی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بچپن کے ہرانداز سے سعادت اور بلندی کے آثار نمایاں تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے بچپن کی ہربات اچھی طرح یاد تھی۔ ہجرت کے وقت نہایت کم سن تھیں، لیکن قوتِ حافظہ کا یہ حال تھا کہ ہجرتِ نبوی ؐ کے تمام واقعات ان کو یاد تھے۔ ان سے بڑھ کر کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے واقعات کا تمام بیان مسلسل محفوظ نہیں رکھا۔

حدیثوں میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ فرشتہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر کوئی چیز آپ کے سامنے پیش کر رہا ہے، آپ نے کھول کر دیکھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

چھ برس کی عمر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا، جو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھایا۔ ہجرت کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کی درخواست کی، جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہر کے لئے ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ مہر کی رقم حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کو بطورِ قرض دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مہر ۵۰۰ درہم تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی سے عرب کی بہت سی لغو رسومات کا خاتمہ ہوا۔ عرب مُنہ بولے بھائی کی بیٹی سے شادی نہیں کرتے تھے، جب کہ حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں آپؐ نے فرمایا تم میرے دینی بھائی ہو۔ دوسری رسم شوال کو منحوس خیال کرکے اس مہینے میں شادی نہ کرنا تھا۔ جب کہ حضرت عائشہؓ کی شادی و رخصتی شوال میں ہوئی۔ تیسری رسم کے طور پر عرب میں دلہن کے آگے آگے آگ جلائی جاتی تھی، اس کو بھی ختم کیا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعلیم و تربیت کا اصل دور رخصتی کے بعد شروع ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے علم الانساب اور شاعری کا ذوق حضرت ابو بکرؓ سے لیا، علم طب نبی کریم ﷺ کے پاس آنے والے طبیبوں کے وفود سے سیکھا اور علومِ دینیہ نبی اکرم ﷺ سے۔ حضرت عائشہؓ کی عادت تھی کہ ہر مسئلے کو بے تامل آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کر دیتیں اور جب تک تسلی نہ ہو جاتی سوالات جاری رکھتیں۔

جہاد اسلام کا ایک اہم فرض ہے۔ حضرت عائشہؓ کا خیال تھا کہ جس طرح دیگر فرائض میں مَرد و زن کی تمیز نہیں اسی طرح یہ فرض بھی مَردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں پر عائد ہو گا۔ حضرت عائشہؓ کے سوال پر آپ نے ارشاد فرمایا "عورتوں کے لئے حج ہی جہاد ہے"۔

سورۃ المومنون کی آیت ﴿ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴾ "اور جن کا حال یہ ہے کہ دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں، اور ان کے دل اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے"۔ (آیت ۶۰) کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شک تھا کہ اس آیت میں خدا سے ڈرنے والوں سے مُراد کیا شرابی، چور یا بدکار ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "نہیں عائشہ! اس سے مُراد وہ نمازی اور روزہ دار ہے جو خدا سے ڈرتا ہے۔"

ایک دفعہ نمازِ تہجد کے بعد رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے بغیر سونا چاہا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! آپ وتر پڑھے بغیر سوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں، لیکن میرا دل نہیں سوتا۔ بظاہر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ سوال گستاخی معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر وہ جرأت نہ کرتیں تو آج اُمّتِ محمدیہ نبوت کی حقیقت سے ناآشنا رہتی۔ وہ احکامِ دینیہ نہایت شوق سے سیکھتی اور ان پر عمل کرتی تھیں۔

علم و اجتہاد حضرت عائشہؓ کی سیرت کا وہ باب ہے جس میں وہ نہ صرف عورتوں بلکہ مَردوں میں بھی ممتاز نظر آتی ہیں۔ کتاب و سنت اور فقہ و احکام کے علم کے اعتبار سے ان کا نام بلند مرتبہ صحابیوں (حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم) کے ساتھ بلا تامل لیا جا سکتا ہے۔

اعمالِ حج کے سلسلے میں ایک رکن "سعی" یعنی صفا و مَروہ کے درمیان دوڑنا بھی

ہے۔ قرآن مجید میں اس کے متعلق الفاظ ہیں :

﴿ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ ﴾ (البقرة : ۱۵۸)

"صفا اور مروہ کی پہاڑیاں شعائرِ الٰہی میں سے ہیں' پس جو کوئی خانہ کعبہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں اگر ان کا طواف کرے۔"

عروہ نے کہا: خالہ جان! اس کے معنی تو یہ ہیں کہ اگر کوئی طواف نہ کرے تو بھی کچھ حرج نہیں۔ فرمایا: بھانجے تم نے ٹھیک نہیں کہا۔ اصل میں یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی۔ اوس و خزرج اسلام سے پہلے منات کی پکار کرتے تھے۔ منات بھی وہیں نصب تھا' اس لئے وہ اسلام لائے تو انہوں نے پوچھا: پہلے ہم ایسا کرتے تھے' اب کیا حکم ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صفا اور مروہ کا طواف کرو' اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔ نبی پاک ﷺ نے بھی اس کا طواف فرمایا۔ اس طرح چند فقروں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اصولِ تفسیر کی بہت بڑی گرہ کھول دی۔ جس آیت کریمہ میں چار بیویوں تک کی اجازت دی گئی ہے اس کے الفاظ ہیں :

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً . ﴾

(النساء . ۳)

"اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تم کو پسند ہیں ان میں سے دو دو' تین تین' چار چار سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ (بیویوں کے مابین) عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو...."

ایک شاگرد نے پوچھا کہ یتیموں کے ساتھ عدل و انصاف اور نکاح میں باہم کیا مناسبت ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ بعض لوگ یتیم لڑکیوں کے ولی بن جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان سے نکاح کر کے ان کی جائداد پر قبضہ کر لیں۔ وہ ان کو مجبور پا کر دباتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ان یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں انصاف سے کام نہ لے تو ان کے علاوہ اور عورتوں سے دو' تین یا چار تک نکاح

کرلو، مگر ان یتیم لڑکیوں کو نکاح میں لے کر اپنے بس میں نہ لے آؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حدیثِ نبوی ﷺ کی روایت کا شرف بھی حاصل ہے، اس لئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے قرب میں رہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ۲۲۱۰ احادیث روایت کی ہیں۔ احادیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر سال ایک آدمی کو خیبر بھیجتے تھے، وہ جا کر پیداوار کو دیکھتا اور تخمینہ لگاتا تھا۔ دوسرے راوی اس واقعہ کو اسی قدر بیان کرتے ہیں، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب اس روایت کو بیان کیا تو فرمایا :

وانما كان امر النبي ﷺ بالخرص لكي يحصى الزكوة قبل ان توكل الثمرة تفرق

"آپ نے تخمینہ لگانے کا حکم اس لئے دیا کہ پھل کھانے اور اس کی تقسیم سے پہلے زکوۃ کا اندازہ کرلیا جائے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں غلطی کی کمی کا یہ سبب ہے کہ آپ جب تک واقعہ کو اچھی طرح سمجھ نہیں لیتی تھیں روایت نہیں کرتی تھیں۔ اگر کوئی بات سمجھ نہ آتی تو بار بار پوچھ لیتی تھیں۔

جنس نسوانی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے بتایا کہ مسلمان عورت پردہ میں رہ کر بھی علمی، مذہبی، سیاسی اور امت کی بھلائی کے کام سرانجام دے سکتی ہے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ صحابی کی بیوی حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں، وہ ہر قسم کی زیب و زینت سے عاری تھیں۔ دریافت کرنے پر بولیں شوہر دن بھر روزے رکھتے اور رات بھر نماز پڑھا کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی پاک ﷺ سے تذکرہ کیا، آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: عثمان! ہم کو رہبانیت کا حکم نہیں ہوا۔

بعض لوگوں نے روایت کی کہ اگر عورت، کتا اور گدھا نمازی کے آگے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا: "تم نے کیسا برا کیا، ہم کو گدھے اور کتے کے برابر کردیا۔ آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے رہتے اور میں آگے لیٹی رہتی، آپ سجدہ کرنا چاہتے تو میرے پاؤں دبادیتے اور میں پاؤں سمیٹ لیتی"۔

وراثت کے اصولوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کا حق فراموش نہیں کیا۔ ایک صورت ہے کہ اگر لڑکا وارث نہ ہو، صرف پوتے، پوتیاں اور بیٹیاں ہوں تو تقسیم

کیو نکر ہوگی؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایسی صورت میں پوتیوں کا حصہ نہیں گنتے' مگر حضرت عائشہؓ پوتیوں کا حصہ بھی لگاتی ہیں۔ آنحضور ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت تھی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عائشہؓ سے محبت آپؐ کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے تھی' مگر حقیقت یہ نہیں' کیونکہ دیگر ازواج میں کئی بیبیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت زیادہ حسین تھیں' مگر آپؓ فہمِ مسائل' اجتہادِ فکر اور حفظِ احکام کی وجہ سے رسالت مآب ﷺ کی نظر میں محبوب تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا: "عائشہؓ کو عورتوں پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح ثرید کو عام کھانوں پر"۔

ایک مرتبہ سفر میں حضرت عائشہؓ کا اونٹ بدک گیا' اور وہ آپؓ کو ایک طرف لے کر بھاگا۔ نبی کریم ﷺ نے بے اختیار فرمایا "ہائے میری دلہن"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ ان کے حجرے میں تین چاند گرے ہیں۔ آپؓ نے اس کا ذکر ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کیا۔ نبی اکرم ﷺ کی تدفین کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عائشہ! ان تین چاندوں میں سے یہ ایک چاند تھا جو یقیناً سب سے بہتر تھا۔ وقت نے ثابت کیا کہ بعد کے دو چاند حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما تھے' جو وہاں مدفون ہوئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رمضان ۵۸ھ میں وفات پائی اور وصیت کے مطابق ان کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ راوی بتاتے ہیں کہ ان کے جنازے میں اس قدر ہجوم تھا کہ عید کے میلے کا سا سماں تھا۔

(مضمون کی تیاری میں سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا از سید سلیمان ندویؒ سے مدد لی گئی ہے)

---

## بقیہ : تاریخ اندلس اور مسلمان

---

تاریخ کا مطالعہ نظر بینا اور زندہ و بیدار دل سے کرنا چاہئے۔ وجہ یہ ہے کہ نظر بینا ہو تو مجاز و حقیقت اور حق و باطل میں امتیاز کر سکتی ہے۔ اسی طرح دل زندہ و بیدار ہو تو وہ واقعات و حوادث سے سبق سیکھتا ہے اور عبرت حاصل کرتا ہے۔ اس سلسلے میں دو اصول اور بھی یاد رکھنے چاہئیں۔ ایک یہ کہ جو قوم زمانہ سے سبق نہیں سیکھتی اور عبرت حاصل نہیں کرتی' زمانہ اس سے عبرت حاصل کرتا ہے۔ دوسرا' جو قوم زمانے کی راکب نہیں بنتی' زمانہ اس کا راکب بن جاتا ہے۔ (انتخاب : محمد زمان)

الہام و تفہیم

# * یہود اب تک عذابِ استیصال کا نشانہ کیوں نہیں بنے؟
# * اسلام میں غلاموں اور لونڈیوں کا تصور کیا ہے؟
# * انسان کی کامیابی میں محنت اور مقدر کا کیا دخل ہے؟

قرآن آڈیٹوریم میں ہفتہ وار درس قرآن کے بعد
حاضرین کے سوالات اور امیر تنظیم اسلامی کے جوابات

☆

① سابقہ امت مسلمہ یہود جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار اور اپنے بس پڑتے ان کے قتل کے جرم کی وجہ سے عذابِ استیصال کے مستحق ہو گئے تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے کس حکمت عملی کے تحت اب تک زندہ رکھا ہوا ہے؟

ج یہ بہت اہم سوال ہے اور میری کتاب "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی' حال اور مستقبل" میں اس کا مفصل جواب موجود ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے خود واقف ہے' ہم اس کا احاطہ نہیں کر سکتے ﴿ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾ لیکن میرا اذعان یہ ہے کہ اس موجودہ امت مسلمہ کے اعلیٰ ترین طبقے کو بدترین سزا اللہ تعالیٰ نے دینی ہے' کیونکہ یہ بھی انہی غلط راستوں پر چل نکلے ہیں جن پر یہودی چلے تھے۔ جیسا کہ میں نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی حدیث بھی ہے کہ

((لَيَاْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِيْ مَا اَتٰى عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ))

"میری امت پر بھی وہ تمام حالات وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر وارد ہوئے' بالکل اسی طرح جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے مشابہ ہوتا ہے"۔

اور

((لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ))

"تم لازماً اپنوں سے پہلے لوگوں کے طور طریقوں پر چلو گے"۔

ہم بھی چونکہ انہی جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں تو ہمیں سزا تو ملنی ہے' اور ہم میں جو اعلیٰ ترین ہے وہ عرب ہے' اور عربوں کی ذلت و توہین یہودیوں کے ہاتھوں ہو رہی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اصلاحی صاحب کہا کرتے تھے کہ ہمارے علاقے میں جب کوئی راجپوت غلط حرکت کرتا تھا اور اسے جوتے لگائے جاتے تھے تو کسی چمار کو بلاتے تھے کہ وہ جوتے مارے۔ اب راجپوت کا سر ہے اور جوتا چمار مار رہا ہے۔ گویا کہ an insult to injury کا معاملہ ہے کہ جوتا لگ رہا ہے وہ بھی چمار کے ہاتھوں۔ اسی "مَغضُوبِ عَلَیھِمْ" قوم کے ہاتھوں مسلمان عربوں کو جوتے لگ رہے ہیں۔ اس لئے کہ درحقیقت ہم نے اپنے طرز عمل کی بنا پر اپنے آپ کو اس کا مستحق ٹھہرایا ہے اور اس کی آخری شکل Holocaust کے درجے کی آنے والی ہے' جیسے ہی یہ Peace Process یروشلم کے مسئلے پر آکر اٹکے گا' اور اگر کہیں زیادہ بنیاد پرست یہودیوں میں سے کسی بدمعاش نے مسجد اقصیٰ کو شہید کر دیا تو کیا ہو گا! مجھے ابھی ایک انٹرنیٹ ملا ہے کہ مسجد اقصیٰ کے نیچے تین سرنگیں کھودی جا رہی ہیں اور مسجد کسی بھی وقت بیٹھ سکتی ہے۔ اگر کسی نے اس سرنگ کے اندر جا کر پاور فل بم نصب کر دیا تو وہ اسے اڑا دے گا۔ اس کے بعد وہاں جو قیامت آئے گی اس کا میں اور آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ اور یہ اصل میں عربوں کے اوپر اللہ کا عذاب ہو گا۔ عربوں کی زبان میں اللہ کی کتاب اتاری گئی' پھر ان میں سے کسی نے اپنا قبلہ واشنگٹن کو بنالیا تو کسی نے ماسکو کو' اور کہیں پر بھی انہوں نے شریعت کے قوانین کی تنفیذ نہیں کی۔ یہ صورتحال ہے جو میں نے آپ کے سامنے رکھی ہے۔ اس کی سزا کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کو رکھا ہوا ہے۔ اس کے بعد ان کا آخری خاتمہ ہو گا اور اسی لئے ان کے رسول (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو بھی اٹھالیا گیا جو کہ ابھی زندہ ہیں۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نگاہوں کے سامنے فرعون کی فوجیں غرق کی گئیں' حضرت نوح علیہ السلام کی نگاہوں کے سامنے ان کی قوم غرق کی گئی' ان کا اپنا بیٹا ان کی نگاہوں کے سامنے غرق ہوا' اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے ہاتھوں ان پر آخری عذابِ استیصال آئے گا جبکہ وہ دوبارہ آئیں گے' ان شاء اللہ۔

۲ اسلام میں تمام انسان برابر ہیں تو اسلام میں غلاموں اور لونڈیوں کا تصور کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی غلام رکھنے کی روایت رہی ہے۔

ج تمام انسان انسان ہونے کے ناطے برابر ہیں' لیکن اب ایک شخص افسر ہے اور ایک اس کے ماتحت ہے تو کیا یہ برابر ہیں؟ یہ انتظامی چیزیں ہیں۔ ایک انسان ہونے کے ناطے وہ جو چپڑاسی ہے اور جو افسر ہے وہ برابر ہیں۔ انسان ہونے کے ناطے مرد اور عورت بالکل برابر ہیں لیکن عورت کو گھر کے اندر اپنے شوہر کا حکم ماننا ہے ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ ﴾ یہ انتظامی معاملہ ہے۔ اسی طرح کا انتظامی معاملہ اُس وقت یہ تھا کہ جہاد میں جو جنگی قیدی آتے تھے ان کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا بجائے اس کے کہ انہیں Concentration Camps میں رکھا جائے۔ اگر تو ایسے حالات ہوں کہ کفر کی قوت ٹوٹ چکی ہے اور اب کوئی حرج نہ ہو کہ جنگی قیدیوں (P.O.Ws) کو چھوڑ دیا جائے یا ایکسچینج ہو سکیں تو ایسا کیا جا سکتا ہے' لیکن اگر ایسی کوئی شکل نہیں ہے تو پھر انہیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ لیکن انہیں حکم یہ تھا کہ آپ انہیں انسان سمجھیں' جو خود کھائیں انہیں بھی کھلائیں' جو خود پہنیں انہیں بھی پہنائیں' کوئی مشقت کا کام ان سے لیں تو خود بھی اس میں شریک ہوں۔ انسان ہونے کے ناطے ان کے حقوق اسلام نے معین کیے ہیں۔ تاہم یہ انتظامی معاملہ تھا۔ مسلمانوں کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر ان میں سے اکثریت پھر ایمان لے آئی۔ پھر آپ کو معلوم ہے کہ غلاموں ہی کی اولاد تھی جن کی ایک دور میں عالم اسلام میں عظیم حکومتیں قائم ہوئی ہیں۔ خاندان غلاماں کی عظیم مملکت ہندوستان میں اور ممالیک (غلام) کی اسی زمانے میں مصر میں حکومت تھی۔ تو اسلام نے ایک طریقہ بتایا کہ جس سے غلاموں کی Emancipation ہو گئی' تو یہ انتظامی معاملہ ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ انسان انسان میں فرق ہے۔

۳ انسان کی کامیابی میں محنت اور مقدر کو کیا دخل حاصل ہے؟

ج انسان کی کامیابی میں یہ دونوں عوامل شامل ہیں' محنت اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت (sanction) جیسے میں نے گلاس اٹھایا' اس میں میرا ارادہ تھا' میں نے محنت کی ہے' لیکن اذنِ رب کے بغیر میں یہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ چھوٹے سے چھوٹے عمل سے لے کر بڑے سے بڑے عمل میں یہ دونوں عوامل (Factors) موجود رہیں گے۔ کسی کام کا ارادہ' نیت اور کسب ہم کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی sanction ہوتی ہے تو ہم اسے کر پاتے ہیں۔ لیکن sanction کا مطلب یہ

نہیں ہے کہ وہ کام آپ کے لئے جائز ہو گیا۔ چور اُس وقت تک چوری نہیں کر سکتا جب تک کہ اللہ کا اذن نہ ہو' لیکن چوری کرنا جرم ہے' جس پر اللہ تعالیٰ پکڑے گا اور سزا دے گا۔ اس لئے کہ اس نے آپ کو اختیار دے رکھا ہے' آپ اگر چوری کا ارادہ کرتے ہیں تو وہ آپ کو چوری کی اجازت دے گا' لیکن اس پر وہ ناراض ہے ﴿ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ○ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ○ ﴾ یعنی اگرچہ ہم نے تمہیں یہ اختیار تو دیا ہے کہ چاہو تو ہمارے شکر گزار بندے بن کر زندگی گزارو اور چاہو تو ہمارے ناشکرے بن کر زندگی گزارو' لیکن یہ جان لو کہ اگر ناشکرے بن کر زندگی گزارو گے تو ہم نے تمہارے لئے زنجیریں' طوق اور آگ بھی تیار کر رکھی ہے۔

**افکار و آراء**

# ذرائع ابلاغ کے حوالے سے جنرل پرویز مشرف کی خدمت میں چند ضروری گزارشات

۱۷/۱۰/اکتوبر کو قوم سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے جو سات نکاتی ایجنڈا دیا ہے اس کا ہر نکتہ اپنی جگہ نہایت اہم ہے' مگر عریانی و فحاشی' بے حیائی اور دیگر معاشرتی برائیوں میں غرق قوم کی اصلاح اور تعمیر سیرت و کردار کو آپ نے اپنے ایجنڈے کا حصہ نہیں بنایا۔ عریانی و فحاشی ایک ایسی اخلاقی برائی ہے جو صرف جنسی بے راہ روی کے فروغ کا باعث ہی نہیں بنتی بلکہ بے شمار دیگر معاشرتی برائیوں کی بنیاد بھی رکھتی ہے۔ جس طرح زنگ لوہے کو اور دیمک اچھی سے اچھی لکڑی کو کھا جاتی ہے' عریانی اور فحاشی بھی ایسے ہی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کو تباہ کر دیتی ہے۔ گزشتہ نصف صدی میں جس طرح رشوت خور اور بدعنوان سرکاری ملازمین نے پاکستان کے اقتصادی و معاشی حالات کو تباہی کے دہانے پر پہنچایا ہے' ایسے ہی ذرائع ابلاغ پر قابض عریانی و فحاشی کے دلدادہ عناصر نے قوم کی اخلاقی اقدار کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

جناب چیف ایگزیکٹو! آپ نے اپنے سات نکاتی ایجنڈے میں اقتصادی کرپشن کو تو بہت اہمیت دی ہے' مگر اخلاقی اقدار کی کرپشن کا برائے نام بھی تذکرہ نہیں کیا۔ آج ہمارے معاشرے میں روزانہ بیسیوں لڑکیوں کو جو اجتماعی ہوس کا نشانہ بنایا جا رہا ہے' وہ ذرائع ابلاغ کی پھیلائی گئی اشتعال انگیز عریانی و فحاشی ہی کا ثمر ہے۔

ہمارے ذرائع ابلاغ (الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا دونوں) میں عریانی و فحاشی اور نمائش حسن کی دوڑ لگی ہوئی ہے' حالانکہ ان ذرائع ابلاغ کو "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کے سلسلہ میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے' مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان ٹیلی ویژن کی نشریات اور دیگر ثقافتی سرگرمیوں کے کرتا دھرتا مختلف حیلے بہانوں' لچر مکالموں' فحش اشاروں کنایوں' لچر لباس میں نسوانی جسم کے نشیب و فراز کی نمائش اور لچر ناچ گانوں کے ذریعے دیدہ دلیری کے ساتھ عریانی و فحاشی اور جنسی بے راہ روی

پھیلانے میں مصروف ہیں۔ بدقسمتی سے سنسر بورڈ بھی اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کر رہا کہ شاید اس میں بھی عریانی و فحاشی کے دلدادہ افراد ہی شامل ہیں' جو نہیں چاہتے کہ ہمارے معاشرے میں اسلامی اقدار کا احیاء ہو۔

اللہ کے باغی' شیطان کے ساتھی' عریانی' فحاشی' بے حیائی' بدکاری اور بے ہودہ فیشن کے دلدادہ' جوا اور شراب و شباب کے رسیا' حیاسوز ناچ گانوں اور مجروں کے تماش بین' آوارہ' بدکردار اور بدچلن لوگ اللہ اور اسکے تمام انبیاء ﷺ کی طرف سے قرار دی گئی ہر بدی اور حرام کو حلال قرار دے کر خود کو ترقی پسند' روشن خیال' ماڈریٹ اور لبرل مسلمان کا لقب دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی عیاش اور گمراہ لوگوں کیلئے قرآن مجید اور دیگر تمام آسمانی کتابوں میں بدترین عذابِ جہنم کی وعید سنائی ہے۔

قرآن میں "غضِ بصر" کا حکم ہے' یعنی آنکھوں کے زنا سے منع کیا گیا ہے۔ عورتوں کے حسن اور ان کی زینت کی دید سے لذت اندوز ہونا مردوں کیلئے اور اجنبی مردوں کو دیکھ کر لطف اندوز ہونا عورتوں کیلئے آنکھوں کا زنا ہے۔ عیسائیوں کی مقدس کتاب انجیل میں بھی ایسا ہی کہا گیا ہے' مگر ہمارے ٹیلی ویژن پر تو حسیناؤں کے اشتعال انگیز جلوے دیکھنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ قرآن میں عورتوں کے بارے میں حکم ہے کہ

﴿ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى . . . . . ﴾

(الاحزاب : ۳۳)

"اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور ایامِ جاہلیت کی طرح زینت و جمال کا مظاہرہ نہ کرو۔"

مگر ہمارے ٹیلی ویژن پر تو خواتین کے جسم کے نشیب و فراز کو نمایاں کر کے دکھایا جاتا ہے۔ اخلاقی اقدار کی تباہی کے لئے سادہ ناچ گانے کوئی کم خطرناک نہ تھے' کہ انہیں بدخیالی کے مناظر کے ساتھ پیش کر کے خطرناک ترین بنا کر پوری قوم کو فحش خواب دیکھنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ یہ جنسی خواب محض خواب نہیں رہتے' یہ گینگ ریپ اور عصمت دریوں میں بدل جاتے ہیں۔ اخبارات کے صفحات چیخ چیخ کر گواہی دے رہے ہیں کہ ہمارے ذرائع ابلاغ جنسی بے راہ روی کے فروغ کی انتہائی تباہ کن اور خطرناک پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔

عریانی و فحاشی کے علاوہ مزاحیہ ڈراموں اور سٹیج شوز میں مزاح کے نام پر اسلامی

اخلاقیات کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں۔ ان پروگراموں میں جھوٹ' مذاق' طعنہ زنی' نام بگاڑنے' مکرو فریب' دغابازی اور بے ادبی وغیرہ کی ترغیب دی جاتی ہے' جبکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ﴾ (الحجرات : ١١)

"مومنو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں' ممکن ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک ان سے بہتر ہوں' اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں' ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں' اور نہ ایک دوسرے کو طعنے دو اور نہ ایک دوسرے پر برے القاب چسپاں کرو۔ بہت ہی برا ہے ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا۔ اور جو لوگ ان باتوں سے توبہ نہ کریں گے تو وہی ظالم ہیں۔"

﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۝ ﴾ (الهمزة : ١)

"اور ہلاکت ہے طعنے دینے والے' عیب لگانے والے کیلئے۔"

حد یہ ہو گئی ہے کہ ۲۳/ اکتوبر کی رات کو ٹیلی ویژن پر مقابلہ حسن کا انعقاد بھی کر دیا گیا۔ ہم نے یہ پروگرام خود تو نہیں دیکھا' مگر شنیدہ اطلاعات کے مطابق کیپری بیوٹی سوپ بنانے والوں کے زیر اہتمام کراچی میں "بیوٹی فل گرل آف دی ایئر" مقابلہ ہوا جس میں ملک کی معروف ماڈل گرلز اور اداکاراؤں نے شرکت کی اور یہ مقابلہ ٹیلی ویژن سے نشر کیا گیا۔

جناب چیف ایگزیکٹو! ذرائع ابلاغ سے پھیلائی جا رہی عریانی و فحاشی کے معاشرے پر پڑنے والے تباہ کن اثرات پر غور کریں' اسے معمولی برائی نہ سمجھیں' یہ صرف مشرقی اور اسلامی تہذیب و ثقافت کو بدلنے کی گھٹیا کوشش ہی نہیں' بلکہ یہ ہمارے معاشرے کو گندا کرنے اور حیا سوز بنانے کی بدترین شیطانی سازش بھی ہے۔ اسے روشن خیالی اور ترقی پسندی کا نام دے کر نظرانداز نہ کریں' بلکہ اسے کلچرل دہشت گردی قرار دے کر اس کے انسداد کی سخت تدابیر اختیار کریں۔ شرم و حیاء سے عاری ٹیلی ویژن کے کلچر

پروگرام نسل نو کے لئے زہر ہلاہل بن چکے ہیں۔ اس زہر کا تریاق ڈھونڈنے میں مزید تاخیر نہ کریں۔

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے' ذرائع ابلاغ کی پُر فریب قوت سے یہاں شیطانی تہذیب کو نافذ کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اسلامی معاشرے میں عورت کا نہایت اہم مقام ہے۔ وہ ایک ماں' بہن' بیٹی اور بیوی ہے' مگر ذرائع ابلاغ میں اسے ایک محبوبہ اور ماڈل گرل بنادیا گیا ہے۔ عورت کی اس سے بڑی توہین و تذلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا تقدس اور احترام اس سے چھین کر اسے محض ایک اشتہاری چیز بنادیا جائے!

قوموں کی ترقی' معاشرے کی تعمیر اور نسل نو کی تعلیم و تربیت میں عورت بنیادی کردار کی حامل ہے۔ اور یہ اسی صورت میں اپنا مثبت کردار ادا کر سکتی ہے جب اسے ماں' بہن' بیٹی اور وفا شعار بیوی کے روپ میں پیش کیا جائے۔ ماں' بہن' بیٹی اور بیوی کا کردار اسلام میں متعین کر دیا گیا ہے اور اس میں حسن و جمال اور جسمانی نشیب و فراز کی نمائش کی کوئی گنجائش نہیں۔ دنیا کے ہر دانشور نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ قوموں کے عروج و زوال میں سب سے زیادہ ہاتھ عورت کا ہے اور ماں کی گود ہر انسان کی پہلی درس گاہ ہوتی ہے۔ نپولین نے کہا تھا "مجھے بہترین مائیں دو' میں تمہیں بہترین قوم دوں گا۔" مگر ہمارے ذرائع ابلاغ کہتے ہیں "ہمیں خوبصورت عورت دو' ہم تمہیں تفریح کیلئے بہترین بے حیائی دیں گے۔"

ہمارے چند نام نہاد دانشوروں نے عریانی و فحاشی کو ترقی کا نام دے رکھا ہے۔ اور بد قسمتی سے یہی نام نہاد لوگ ذرائع ابلاغ پر قابض چلے آرہے ہیں جو کسی صورت بھی خواتین کو حجاب میں اور معاشرے میں اسلامی اقدار کے احیاء کو نہیں دیکھ سکتے۔

جناب چیف ایگزیکٹو! آپ ان نام نہاد روشن خیال ترقی پسند دانشوروں کے جھانسے میں نہ آئیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کے ان احکام کو سامنے رکھیں :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ ﴾ (النور : ۲۱)

- "اے لوگو جو ایمان لائے ہو' شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ اور جو کوئی اس کی پیروی کوئی کرے گا تو وہ اسے فحش اور بدی ہی کا حکم دے گا۔"

﴿ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ﴾ (البقرہ : ۲۶۸)

"شیطان تمہیں تنگ دستی سے ڈراتا اور بے حیائی کی راہ سجھاتا ہے۔"

اسلامی معاشرہ میں عریانی و فحاشی پھیلانے والوں کو انتباہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ (النور : ۱۹)

"جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے گروہ میں بے حیائی کی اشاعت ہو' ان کیلئے دنیا میں بھی دردناک عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔"

گزشتہ دونوں حکومتیں جس ذلت ورسوائی سے دوچار ہوئی ہیں یقیناً ان کی اس ذلت ورسوائی میں دیگر عوامل اور ان کی سیاہ کاریوں کا بھی دخل ہو گا' مگر ہمارے خیال میں ان کے زوال کی سب سے بڑی وجہ پاکستان کے اسلامی معاشرے میں ٹیلی ویژن کے ذریعے عریانی و فحاشی پھیلانے کی پالیسی پر عمل کرنا تھا۔ ہم نے ہر دو حکمرانوں تک بار بار بذریعہ اخباری اشتہار اور خطوط اللہ تعالیٰ کا مذکورہ بالا حکم پہنچایا' مگر دونوں نے اس پر توجہ نہ دی' اس لئے کہ شیطان نے بے حیائی کو پُر فریب اور پُر کشش بنا کر ان کے سامنے پیش کئے رکھا اور بالآخر اللہ تعالیٰ کے انتباہ کے مطابق وہ دنیا کے عذاب میں مبتلا ہو گئے اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ گزشتہ حکمرانوں کے انجام سے عبرت پکڑیں گے اور اللہ تعالیٰ کے انتباہ کو اپنی ترجیحات میں سرفہرست رکھتے ہوئے ذرائع ابلاغ سے عریانی' فحاشی اور بے حیائی کے خاتمے میں مزید تاخیر نہیں کریں گے۔ ذرائع ابلاغ کی اصلاح کی ایک ہی صورت ہے کہ عریانی و فحاشی کے دلدادہ قبضہ گروپ سے اسے آزاد کرا کر ایسے لوگوں کے حوالے کر دیا جائے جو "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کی روح کے مطابق انہیں چلانے کی اہلیت وصلاحیت رکھتے ہوں۔

جناب چیف ایگزیکٹو! ہماری تجویز ہے کہ آپ ایسی پالیسی ترتیب دیں کہ پی ٹی وی کی نشریات سے لچر ڈرامے' لچر اشتہارات' لچر سٹیج شوز اور دیگر حیاسوز پروگراموں کا خاتمہ ہو اور مملکت خداداد پاکستان میں حقیقی خوفِ خدا اور فکر آخرت رکھنے والا ایک پاکیزہ معاشرہ وجود میں آسکے۔

ملک احمد سرور

جنرل سیکرٹری' تحریک اصلاحِ معاشرہ پاکستان

پوسٹ بکس ۶۲۱۶ لاہور

# تاریخ اُندلس اور مسلمان

## ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کی کتاب "تاریخ اُندلس" سے انتخاب

سپین کو ہسپانیہ اور اُندلس بھی کہتے ہیں۔ یہ یورپ کا بڑا ہی خوبصورت ملک ہے۔ پہلی صدی ہجری میں جب مسلمانوں کی ثقافت اپنے جلال و جمال، علم و عمل، توحید و تقویٰ اور قوت و صولت کی وجہ سے بامِ عروج پر تھی تو سپین شرک و جہالت، ناخواندگی و افلاس اور معاشرتی بیماریوں میں مبتلا پس ماندہ ملک تھا۔ وجہ یہ تھی کہ وہاں سرطانی اداروں کی حکومت تھی۔ سرطانی اداروں کا مطلب ہے فرعونی، ہامانی، قارونی اور آزری ادارے۔ ان چاروں اداروں کی صراحت کر دی جاتی ہے۔ فرعونی ادارے سے مراد آمرانہ حکومت یا مطلق العنان بادشاہت ہے۔ بادشاہ عموماً اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجائے اپنا حکم چلاتے تھے۔ اس لئے انہیں تلمیح کے طور پر "فرعون" کہتے ہیں۔ اب جو بھی حکمران ایسا کرتے ہیں وہ بھی حقیقت میں فرعون ہیں۔ ان کے وزیروں، درباریوں اور حکام کو "ہامان" کہا جاتا ہے۔ ہامان بادشاہوں کے احکام کو نافذ کرتے اور ان پر عمل در آمد کراتے تھے۔ فرعونوں کی حکمت عملی یہ ہوئی تھی کہ وہ لوگوں پر حکومت کرنے اور رعایا کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم رکھنے کی خاطر ہامانوں کی طرح جاگیرداروں، بڑے بڑے زمینداروں، امیروں، سرمایہ داروں، سود کاروں کا طبقہ قائم کرتے تھے جس کیلئے "قارونی" ادارے کی تلمیح اختیار کی جاتی ہے۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ فرعون اپنی حکومت کو مضبوط و مستحکم کرنے اور رعایا کو اپنا مطیع و فرماں بردار رکھنے کی خاطر ہامانی اور قارونی اداروں کے ساتھ "آزری" ادارہ بھی قائم کرتے تھے۔ آزری ادارے سے مراد جھوٹی مذہبی پیشوائیت ہے۔ فرعون، ہامان اور قارون اپنے اپنے مفادات کی خاطر اس جعلی مذہبی یا آزری ادارے کی سرپرستی کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں۔ اس کے بدلے آزر یا علماءِ سوء اور جھوٹے مشائخ فرعونی حکومت اور ہامانوں اور قارونوں کی حمایت کرتے اور ان کی شان میں قصیدے پڑھتے اور لوگوں کو ان کے احکام پر، چاہے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں، عمل کرنے کی ترغیب دیتے تھے، اور ان کے مظالم کو خاموشی سے برداشت کرنے کی تلقین کرتے اور اسے صبر و توکل اور تقدیر سے تعبیر کرتے تھے۔ آزر اب بھی یہی کرتے ہیں۔

یہ ادارے رعایا کو اپنا غلام و محکوم اور محتاج و دستِ نگر بناتے اور لوگوں کو ان کے انسانی یا بنیادی حقوق (مثلاً روزگار، روٹی، مکان، لباس، مفت تعلیم و تربیت، مفت علاج معالجے، مفت عدل و انصاف، احترامِ انسانی، آزادی و مساوات، کسب اور تقریر و تحریر کی آزادی وغیرہ) سے محروم رکھتے تھے۔ اور اس

کے نتیجے میں معاشرے میں طرح طرح کی سرطانی برائیاں پھیل جاتی تھیں۔ مثلاً شرک و بُت پرستی، ظلم و گناہ، بے حیائی و رشوت ستانی، سود خوری و کاروباری بددیانتی، جرائم و فساد وغیرہ۔ اس پر ان ظالمانہ اداروں کو سرطانی اداروں سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سپین (Spain) کے معاشرے میں دُنیا کے دیگر ملکوں کی طرح سرطانی بیماریاں وبائی صورت اختیار کر چکی تھیں۔ سرطانی ادارے رعایا پر بے پناہ ظلم کرتے، ان کا استحصال کرتے اور ان کے انسانی حقوق سلب کرتے اور انہیں اپنا غلام بناتے، لیکن ان کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ عورتوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی، ان کو کنیزیں سمجھا جاتا تھا، ان کو کچھ حقوق حاصل نہ تھے، ان کو پڑھانا معیوب سمجھا جاتا تھا، اس لئے وہ اَن پڑھ ہوتی تھیں۔ بردہ فروشی کا عام رواج تھا۔ کیتھو لک کلیسا کی خرابیوں اور سرطانی برائیوں میں مبتلا ہو جانے کے سبب شرک و بُت پرستی زمانے کا دستور تھا۔ لوگ خدا آشنا تھے نہ خود آشنا۔ اس کے نتیجے میں قوم مذہبی عصبیت اور فرقہ واریت کا شکار تھی اور اس میں اتحاد و اتفاق کا فقدان تھا۔ طبقاتی منافرت و مخاصمت بھی زوروں پر تھی۔ لوگ صنعت کاری سے قریب قریب ناآشنا تھے۔ آبپاشی، نکاسی آب وغیرہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ سرطان زدہ سپین کی اس حالت زار کی خبر اُموی حکمرانوں کو پہنچی تو انہوں نے رعایا کو سرطانی اداروں کی محکومی و غلامی سے نجات دلانے اور ان کو ان کے بنیادی حقوق دلانے نیز شرک و بُت پرستی اور جاہلانہ رسم و رواج کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے لوگوں کو ان سے چھٹکارا دلانے اور انہیں توحید کی راہِ مستقیم پر چلانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لئے جہاد کی ضرورت تھی۔ یعنی بنی نوع انسان کو ان کے انسانی حقوق دلانے کی خاطر ان کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں، معاشرتی سرطانوں اور سرطانی اداروں کے خلاف جان و مال اور قلم و زبان اور جدید و قدیم ہر قسم کے ہتھیاروں سے جنگ کرنا۔ مسلمانوں سے جب سپین کے مظلوم و گمراہ اور محکوم و غلام لوگوں کی زبوں حالی اور حالت زار دیکھی نہ گئی تو انہوں نے سپین پر چڑھائی کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

ہمیں یہ حقیقت ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ اسلام تحریک توحید و رحمت ہے، لہٰذا سچا مسلمان وہ ہے جو موحد و مجاہد اور نوعِ انسانی سمیت جملہ مخلوقات کے لئے رحمت ہو۔ رحمت محبت اور احسان و ایثار کو چاہتی ہے۔ اس اعتبار سے مسلمانوں کے سپین پر حملہ کرنے کا اصل محرک و سبب ان کے لئے "رحمت" بنتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں سرطانی اداروں کے طوقِ غلامی سے ان کی گلو خلاصی کرانا تھی۔ ان کے دلوں میں حسن انقلاب، دُنیوی و اُخروی حسنہ، حیاتِ طیبہ، علم و حکمت، آزادی ضمیر، کفالت اجتماعیہ، تکریم انسانی، توحید اور انسانی حقوق کی آرزو کو زندہ کرنا تھا۔ ان کو مہذب و متقی اور موحد و صالح بنانا تھا۔ اس مقصد کے لئے جو جنگ کی جائے اسے جہاد کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں جہاد فرض ہے اور ہر مسلمان کے لئے مجاہد ہونا ناگزیر ہے۔

پہلی صدی ہجری میں نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرے کی تشکیل و تعمیر کی۔ معاشرہ اتحاد و اتفاق اور قومیت کی علامت ہوتا ہے۔ اس معاشرے کی بنیاد "قرآن حکیم" کے احکام و

تعلیمات پر رکھی گئی تھی۔ قرآن حکیم آخری الہامی کتاب ہے۔ اس کی تعلیمات واحکام علم و حکمت پر مبنی ہیں' اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نور وہدایت کہا ہے۔ قرآنی تعلیمات بڑی ہی پاکیزہ' اعلیٰ' ایمان افروز' حیات آفرین اور حکمت آموز ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی شخصیت اور تعلیمات بھی ایسی ہی تھیں۔ چنانچہ ان دونوں کا اثر تھا کہ مسلمان بڑے ہی متقی' خلیق و حلیم' عادل و محسن اور جفاکش و مجاہد تھے۔ وہ موحد تھے' اس لئے صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے' معاشرتی سرطانوں اور سرطانی اداروں سے نہیں ڈرتے تھے۔ انہیں دُنیا کی بڑی سے بڑی طاقت' حکومت اور شخصیت کا خوف نہ تھا۔ انہیں اپنی جان کا بھی خوف نہ تھا' کیونکہ وہ جانتے تھے کہ موت کا وقت مقرر ہے۔ وہ اسلام کے تحفظ کے لئے جان ومال قربان کر دینے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان سے بڑی بڑی حکومتیں خوف کھاتی تھیں' لیکن جہاں تک اپنے دینی بھائیوں کا تعلق تھا' وہ ایک دوسرے کے دوست و غم خوار تھے۔

اسلام چونکہ توحید و تقویٰ' حق و صداقت' عدل و احسان اور علم و حکمت کا علمبردار ہے اس لئے مسلمان موحد' حق پرست اور علم دوست تھے' لیکن شرک و بُت پرستی اور ظلم و جہل کے سخت دشمن تھے اور دُنیا کو ان خطرناک بیماریوں سے پاک و صاف کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اسلام کے نزدیک انسان صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ یا غلام ہے' اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور طاقت یا شخصیت کا غلام نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر مسلمان غلامی کے دشمن اور انسان کی آزادی اور تکریم کے علمبردار تھے۔ یہ قرآن حکیم ہی ہے جس نے سب سے پہلے انسان کے انسانی یا بنیادی حقوق کو تسلیم کیا اور مسلمانوں کو دُنیا کے تمام انسانوں کے بنیادی حقوق کا محافظ بنانے کا حکم دیا۔ اسی طرح اسلام نے دوسری اقوام کی رہنمائی اور ہدایت کی ذمہ داری بھی مسلمانوں پر ڈالی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی مقدور بھر کوشش کی۔ چنانچہ اُندلس کی فتح بھی ان کی ایسی ہی کوشش کا نتیجہ تھی۔

اُندلس کی فتح مسلمانوں کا ایک عہد ساز و حیرت انگیز کارنامہ ہے اور ان کی حکومت تاریخ عالم کا ایک درخشاں باب ہے۔ مسلمانوں نے اُندلس پر تقریباً آٹھ سو سال تک حکومت کی۔ اگر ان کا موازنہ برصغیر پاک و ہند کی برطانوی حکومت سے کریں' جو مغربی پاکستان میں ایک صدی اور مشرقی پاکستان (سابقہ' موجودہ بنگلہ دیش) اور بھارت میں دو صدیوں سے بھی کم رہی تو اُندلسی حکمرانوں کے تدبر و فراست' جرأت و ہمت اور حکمت عملی کی داد دینا پڑتی ہے اور یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ مسلمان انیسویں صدی کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ' طاقتور انگریز قوم سے' جس کی حکومت میں سورج غروب نہ ہوتا تھا ہر لحاظ سے بدرجہا بہتر تھے۔ اس موازنے سے مسلمانوں کی عظمت پارینہ کی ایک جھلک دیکھنے سے موجودہ محققین کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ تاریخ کا یہ بڑا ہی بصیرت افروز اور عبرتناک المیہ ہے کہ یورپ کے مؤرخوں نے مذہبی تعصب کی بنا پر مسلمانوں کی حکومت اُندلس کی تاریخ کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ ان پردوں کو چاک کرنے اور تاریخ اُندلس کو حقائق اور اصل واقعات کے آئینے میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ --

(باقی صفحہ ۲۸ پر)

## مکتوب بھارت

# تقسیم کشمیر کے بارے میں امیر تنظیم اسلامی کی تجویز کے جواب میں بھارت کی معروف سیاسی شخصیت سید شہاب الدین

### کے تائیدی مراسلے کا اردو ترجمہ

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں نے آپ کے جریدہ کے تازہ شمارہ میں مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے آپ کی تجویز دیکھی ہے۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ آپ کی یہ تجویز میری اس تجویز کے بہت مشابہ ہے جو میں شروع سے پیش کرتا آرہا ہوں۔ میرا موقف اس حقیقت پر مبنی ہے کہ یہ ریاست ایک کثیر النسلی اور تاریخی لحاظ سے مصنوعی ساخت کی حامل ریاست ہے۔ چنانچہ شمالی علاقے اور پیر پنجال سے نیچے کے جنوب مغربی' پنجابی بولنے والے حصے کو پاکستان میں شامل ہونا چاہئے جبکہ لداخ اور جموں کا حصہ بھارت کے ساتھ رہنا چاہئے۔ وادی کو جو جغرافیائی' لسانی اور ثقافتی طور پر ایک شے ہے' پاکستان اور بھارت کی مشترک چھتری کے نیچے مکمل داخلی خود مختاری حاصل ہونی چاہئے' جیسا کہ سپین اور فرانس کی سرحد پر واقع اندورا (Andorra) کا معاملہ ہے۔ وادی کی تعمیر و ترقی' دفاع اور خارجی تعلقات کی ذمہ داری پاکستان اور بھارت مل کر ادا کریں۔ کشمیریوں کو پاکستان اور بھارت' دونوں کے اندر آنے اجازت ہو لیکن اس کے برعکس پاکستان یا ہندوستان کے کسی شہری کو وادی میں جا کر آباد ہونے کی اجازت نہ ہو۔ میرے نزدیک یہی ایک حل ہو سکتا ہے جس سے تمام فریقین یعنی بھارت' پاکستان اور کشمیریوں کے مفادات کی تکمیل ہوتی ہے۔

سید شہاب الدین

سابق ممبر پارلیمنٹ

ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف انڈیا

ایڈیٹر ماہانہ مسلم انڈیا

Reg. No. CPL 125
Vol. 49 No. 3
March 2000

رفقاء و احباب نوٹ فرمالیں کہ

تنظیم اسلامی پاکستان کا

# سالانہ اجتماع

ان شاء اللہ العزیز

## 2 تا 5 اپریل 2000ء

(اتوار نماز عصر سے بدھ نماز ظہر تک)

لاہور میں منعقد ہو گا

اس اجتماع میں تمام رفقاء تنظیم شریک ہوں گے

المعلن :

ڈاکٹر عبدالخالق ' ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

تذکرہ و تبصرہ

## پاکستان ـــ فیصلہ کن دوراہے پر

ڈاکٹر اسرار احمد

ان شاء اللہ العزیز

# تنظیم اسلامی حلقہ خواتین لاہور کا

# سالانہ اجتماع عام

7 مئی 2000ء بروز اتوار، ساڑھے آٹھ بجے صبح تا 2 بجے بعد دوپہر

## قرآن کالج آڈیٹوریم

191۔ اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں منعقد ہو گا۔

اس اجتماع میں

اہم دینی موضوعات پر خواتین کی تقاریر ہوں گی

مزید برآں

امیر تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد**

"نظام خلافت میں خواتین کا کردار" کے موضوع پر خطاب کریں گے۔

خواتین کو شرکت کی عام دعوت ہے

خواتین سے التماس ہے کہ وقت مقررہ پر تشریف لا کر بھرپور فائدہ اٹھائیں

براہ مہربانی بچوں کو ساتھ لانے سے حتی الامکان گریز کریں

**المعلنہ:** بیگم ڈاکٹر اسرار احمد، ناظمہ حلقہ خواتین، تنظیم اسلامی پاکستان

مرکزی دفتر: قرآن اکیڈمی، 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون: 5869501-03

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد : ۴۹

شمارہ : ۵

صفر المظفر ۱۴۲۱ھ

مئی ۲۰۰۰ء

فی شمارہ -/۱۰

سالانہ زرتعاون -/۱۰۰




## سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور


مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700 فون: 5869501-02-03

فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@brain net pk

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور

فون: 6316638-6366638 فیکس. 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

# مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## عرض احوال

ملک کی داخلی صورتِ حال، حسب معمول، کچھ زیادہ اطمینان بخش نہیں ہے۔ ۱۲/اکتوبر کو ملک میں جو بڑی تبدیلی آئی تھی وہ اگرچہ آئینی و دستوری اعتبار سے تو ہرگز خوشگوار نہیں تھی لیکن یہ امرواقعہ ہے کہ عوام میں بحیثیت مجموعی اسے پذیرائی حاصل ہوئی۔ بھاری مینڈیٹ کی حامل منتخب حکومت کی رسوا کن بے دخلی پر اگر آسمان رویا نہ زمین نے آنسو بہائے تو یہ بلاسبب نہیں تھا۔ بھاری مینڈیٹ کامست ہاتھی بن کر تمام اہم قومی اداروں کو روندڈالنا ملک کے تمام باشعور طبقات کے نزدیک، خواہ وہ سیاسی طور پر حکومتی پارٹی سے وابستہ ہوں یا حزب اختلاف سے، نہایت تشویشناک اور ناپسندیدہ تھا۔ حکومتی امور مغل شہنشاہوں کی طرح چلائے جارہے تھے۔ انتہائی اہم اور حساس ملکی امور وسیع تر مشوروں کی بجائے خالص آمرانہ انداز میں ایک خاندان کے چند افراد مل کر طے کرتے تھے۔ اپوزیشن کو اہم ملکی امور میں اعتماد میں لینا تو دور کی بات ہے، اس قومی اسمبلی کو بھی ایک عضو معطل کا درجہ دے دیا گیا تھا کہ جہاں حکومتی پارٹی اکثریت میں تھی۔ گویا ایک منتخب جمہوری حکومت کے ہاتھوں جمہوریت کی ناموس کی دھجیاں بکھیری جارہی تھیں ـــــ کارگل کا معاملہ اس صورتِ حال میں اونٹ کی کمر پر آخری تنکا ثابت ہوا کہ جس کے بعد بھاری مینڈیٹ کی حامل اس عوامی حکومت کو اپنا اقتدار بچانے کے لئے امریکی صدر بل کلنٹن سے اپنے مینڈیٹ کی توثیق حاصل کرنا پڑی۔ بقول شاعر ؎

پہلے ہی اپنی کون سی ایسی تھی آبرو     پر شب کی منتوں نے تو کھو دی رہی سہی

ان حالات میں اپنے اقتدار کو دوام عطا کرنے کی خاطر اس راہ میں حائل آخری کانٹے (یعنی آرمی چیف) کو نکالنے کی بھونڈی سازش خود حکمرانوں کے گلے کا ہار بن گئی اور شہنشاہِ وقت "پابند سلاسل" ہو کر عبرت کی تصویر بن گئے۔

تمہید قدرے طویل ہو گئی۔ آمدم بر سر مطلب۔ ملک کے عوام نے اس بہت بڑی تبدیلی کو بحیثیت مجموعی اگر خوش دلی سے قبول کیا تو اس کے بنیادی اسباب دو تھے۔ ایک یہ کہ نواز حکومت کی اڑھائی سالہ کارکردگی اس اعتبار سے بہت مایوس کن تھی کہ اس نے

نہ صرف یہ کہ عوامی تمناؤں اور امیدوں کا خون کیا بلکہ ملکی عزت و وقار کو بھی شدید نقصان پہنچایا' اور دوسرے یہ کہ اشیائے صرف کی ہوشربا گرانی اور یوٹیلٹی بلوں کے مسلسل بڑھتے ہوئے عفریت نے عوام کو نفسیاتی اعتبار سے اس درجے ابنارمل بنادیا ہے کہ وہ ہر حکومت سے بہت جلد مایوس اور بددل ہو کر کسی مسیحا کا انتظار شروع کر دیتے ہیں اور حکومتی سطح کی ہر تبدیلی کے بعد انہیں نئے حکمرانوں سے ایک آس سی ہو جاتی ہے کہ شاید ان کے ہاتھوں ہماری تقدیر بدلے اور حالات سدھریں۔ یہی وجہ ہے کہ اس بظاہر ناگوار تبدیلی کا بھی عوامی حلقوں میں خیر مقدم کیا گیا ـــــ بہرکیف موجودہ فوجی حکومت کا ہنی مون پیریڈ اب ختم ہو چکا ہے اور انہیں بھی آٹے دال کے بھاؤ کا کچھ اندازہ اب ہونے لگا ہے۔ نئی حکومت سے وابستہ امیدیں جن کے سہارے اس ملک کے ۸۰ فیصد سے زائد عوام ایک ایک پل گن کر زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں' اب دم توڑنے لگی ہیں ـــــ سودی قسط ادا کرنے کی خاطر نئے قرضوں کے حصول کے لئے عالمی مالیاتی اداروں کی شرائط کے آگے حکومت گھٹنے ٹیک رہی ہے۔ جنرل ٹیکس کے نفاذ کے ضمن میں تاجروں کے ساتھ حکومت کی محاذ آرائی پوری شدت کے ساتھ شروع ہو چکی ہے۔ آٹے کا نرخ اچانک آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگا ہے۔ بجلی مزید مہنگی کرنے کے لئے واپڈا کے چیئرمین نے اشارہ دینے کے عمل کا آغاز کر دیا ہے۔ بہت سی اشیائے صرف کی قیمتوں میں خاموش اضافہ کیا جا چکا ہے۔ عوام کے صبر کا ایک اور کڑا امتحان اور بے رحمانہ امتحان لیا جا رہا ہے ـــــ دوسری جانب خارجی میدان میں پاک بھارت کشیدگی اس وقت اپنے عروج پر ہے۔ کلنٹن کے دورے کے بعد بھارتی حکومت کے رویہ میں درشتی اور تکبر کے عنصر کا مزید اضافہ ہو چکا ہے۔ ہم عجز و انکسار کی تصویر بنے بھارت کے تمامتر طرز تغافل کے باوجود اس سے مسلسل مذاکرات کی بھیک مانگ رہے ہیں ـــــ یہ صورت حال ہرگز اطمینان بخش نہیں ہے۔

ہم دراصل ایک ایسے منحوس چکر کی لپیٹ میں آچکے ہیں جس سے نکلنے کے لئے "ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں" کے مصداق ایک بڑا انقلابی قدم اٹھانا ناگزیر ہے۔ بصورت دیگر سیاسی قیادت ہو یا فوجی حکومت' حالات کی موجودہ رفتار اور معاشی

بدحالی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو جس طرح ماضی میں کوئی نہیں روک سکا آئندہ بھی کوئی نہیں روک سکتا ـــــ ہماری حیثیت اس وقت عالمی مالیاتی اداروں کے ہاتھوں میں ایک کھلونے سے زیادہ نہیں۔ ہماری معاشی بدحالی ہمارے لئے سب سے بڑے روگ کی حیثیت رکھتی ہے جس کے باعث ہم امریکہ اور عالمی مالیاتی اداروں کے ہاتھوں بلیک میل ہونے پر مجبور ہیں ـــــ وہ مبارک انقلابی جنبش جو ہمیں اس منحوس چکر سے نکال سکتی ہے' دو اقدامات پر مشتمل ہے۔ سود کا مکمل خاتمہ اور شریعت اسلامی کا کامل نفاذ ـــــ یہ بات یقینی ہے کہ صرف اسی صورت میں عالمی مالیاتی اداروں کے خون آشام پنجوں سے ہماری شہ رگ آزاد ہو سکتی ہے اور اسی ذریعے سے ہمیں وہ مضبوط ترین سہارا میسر آ سکتا ہے جس کی موجودگی میں دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی سپرپاور بلکہ سپریم پاور ہمارے لئے موجب خطرہ نہیں بن سکتی۔ بقول شاعر ؎

کیا ڈر ہے اگر ساری خدائی ہے مخالف   کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے!

اس ایک راستے کے سوا ہمارے پیچ در پیچ بحران کا اور کوئی حل نہیں' ہمارے یہ دعوٰی اگرچہ برسوں پرانا ہے لیکن ہر آنے والا دن ہمارے اس دعوے کی صداقت کو مزید مبرہن کرنے کا باعث بن رہا ہے۔ اس کا کوئی اور حل آج تک کارگر ہوا ہے نہ آئندہ ہو سکتا ہے!!OO

# ملکی، ملی اور بین الاقوامی حالات پر امیر تنظیم اسلامی کا تبصرہ

## خطابات جمعہ (مسجد دار السلام لاہور) کے پریس ریلیز کے آئینے میں

☆ ☆ ☆

### ۷/ اپریل کا خطاب جمعہ

طیارہ سازش کیس کا فیصلہ بادی النظر میں انتہائی متوازن اور انصاف پر مبنی نظر آتا ہے کیونکہ وکلاء استغاثہ و صفائی اور غیر ملکی مبصرین نے جس طرح عدالتی کاروائی پر اطمینان کا اظہار کیا ہے' ماضی میں شاید ہی اس نوعیت کے کسی مقدمے میں جانبین کے وکلاء نے ایسا کیا ہو۔ پاکستان کی تاریخ میں تین بڑی شخصیات کو اللہ نے ایسے مواقع عطا فرمائے کہ وہ ملک کے لئے بہت کچھ کر سکتے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو پاکستان سے جاگیرداری کی لعنت کا خاتمہ کر سکتے تھے۔ جنرل ضیاء الحق نظام مصطفےٰ کی تحریک کے اثرات سے فائدہ اٹھا کر اس ملک میں شریعت کا مکمل نفاذ کر سکتے تھے۔ اسی طرح نواز شریف کو اللہ نے موقع عطا فرمایا تھا کہ وہ اپنے بھاری مینڈیٹ کے ذریعے آئین میں ترامیم کر کے ملک میں دستور خلافت کی تکمیل اور نفاذ شریعت کے عمل کو تیز کر سکتے تھے۔ لیکن ان تینوں شخصیات نے ان مواقع کو ضائع کر دیا۔ ایک موقع پر نواز شریف سے مجھے امید ہو چلی تھی کہ وہ ملک میں نفاذ اسلام کے لئے کام کریں گے کیونکہ ۹۷ء میں مسلم لیگ کی تاریخ ساز کامیابی کے بعد غیر متوقع طور پر ان کے والد کا تینوں بیٹوں یعنی نواز' شہباز اور عباس شریف سمیت دو مرتبہ مجھ جیسے درویش کے مکان پر آکر نفاذ اسلام کے ضمن میں پختہ وعدے کرنا غیر معمولی بات تھی۔ لیکن افسوس کہ میاں نواز شریف نے اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے اور اپنے اختیارات میں اضافے کے لئے تو ہر قدم اٹھایا لیکن نفاذ دین کے لئے کئے گئے وعدوں کو دھیلہ برابر اہمیت نہیں دی۔

نواز شریف کی ہوس اقتدار مرض کی حد تک بڑھ چکی تھی۔ وہ اپنے اختیار و اقتدار کی راہ کے ہر پتھر کو حرف غلط کی طرح مٹانے کے درپے تھے۔ سپریم کورٹ پر حملہ کے ذریعے عدلیہ جیسے اہم ترین ادارے کو تباہ کرنے کی کوشش اسی ہوس اقتدار کا مظہر تھا۔ اپنے اقتدار کے آخری دور میں شریعت بل کے ذریعے وہ معروف اور منکر کی تشریح کا اختیار بھی حاصل کر لینا چاہتے تھے' جسے کسی عدالت میں بھی چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میرے نزدیک یہ چیز دین و

شریعت کے ساتھ بدترین مذاق اور شریعت کا حلیہ بگاڑنے کے مترادف تھی۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس سے پہلے ہی وہ ملک کے آخری مضبوط ترین ادارے فوج سے محاذ آرائی میں شکست کھا گئے اور اس کی نوبت نہ آ سکی۔

جہاں تک فوج کا اقتدار پر قبضہ کرنے یا نواز حکومت کا تختہ الٹنے کا تعلق ہے اس معاملے میں فوج کا موقف درست معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بغاوت نہیں کی بلکہ نواز حکومت کے فوج کے خلاف نامناسب اقدام کے ردعمل کے طور پر اسے یہ ناگوار قدم اٹھانا پڑا۔ کیونکہ فوج نے تو اس نازک موقع پر بھی جب سپریم کورٹ پر حملے کے وقت چیف جسٹس نے اس سے مدد مانگی تھی حکومت کے خلاف کوئی ایکشن لینے کی بجائے حکومت کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا تھا۔ لہٰذا فوج کا ۱۲ اکتوبر کا اقدام نواز شریف کے انتہائی متکبرانہ رویئے کا صرف ایک ردعمل تھا۔

جہاں تک موجودہ حکومت کی پالیسیوں کا تعلق ہے اب نئے نظام کی باتیں ہو رہی ہیں۔ قومی زندگی کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے موجودہ حکمرانوں کو توفیق دے کہ وہ ملک کی تعمیر کر سکیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ ملک کی خدمت کا جو موقع اللہ نے اسے دیا ہے وہ اسے ضائع کر دے۔ تاہم یہ بات افسوسناک ہے کہ موجودہ حکومت عالمی مالیاتی اداروں کے سوشل پروگرام پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کے لئے آمادہ نظر آتی ہے۔ کیونکہ لوکل باڈیز میں خواتین کی ۵۰% نشستیں مختص کرنے کا اس کے سوا کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم بھی یہاں عورتوں کی اسی نوع کی آزادی کے قائل ہیں جیسی مغرب میں ہے۔ اسی طرح ملک میں فیملی پلاننگ کی مہم کے ذریعے پوری قوم کو اخلاق باختگی کا سبق دیا جا رہا ہے۔ ہم اس کی مذمت کرتے ہیں اور حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ بلدیاتی اداروں میں اگر خواتین کو نمائندگی دینی ہے تو خواتین کو براہ راست الیکشن میں حصہ لے کر منتخب ہونا چاہئے' ان کے لئے نشستیں مخصوص کرنا بے معنی بات ہے۔

شاعر مشرق کے فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال جو ابھی افغانستان کا دورہ کر کے آئے ہیں ان کی طرف سے طالبان اور ان کی اسلامی حکومت کو سراہنا نہایت خوش آئند ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال ماضی میں سیاست و حکومت میں مذہب کی عملداری کے مخالف اور سیکولر طرز کی جمہوریت کے علمبردار رہے ہیں۔ لہٰذا ان کی طرف سے اس موقف کا سامنے آنا کسی معجزے سے کم نہیں کہ اگر افغانستان کے طالبان کی طرز پر دیگر اسلامی ممالک میں اسلامی حکومتیں قائم ہو جائیں تو پوری دنیا میں اسلام پھیل جائے' نیز ان کے اس بیان سے ہمارے اس موقف کو

بھی تقویت ملی ہے کہ پاکستان اور افغانستان کو کنفیڈریشن قائم کر لینی چاہئے تاکہ یہ دونوں ممالک نیو ورلڈ آرڈر کے مقابلے میں چٹان بن کر عالمی غلبہ اسلام میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔

☆ ☆ ☆ ☆
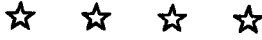
۲۸/اپریل کا خطاب جمعہ

## بیجنگ پلس فائیو کانفرنس ـــــ انسانیت پر آخری حملہ کی تیاری

مغرب کی دجالی تہذیب کی آندھی مذہب' تہذیب' تمدن' معاشرتی اقدار اور شرم و حیاء کے اصولوں کے گرد گھیرا تنگ کرتے ہوئے نیویارک میں ہونے والی بیجنگ پلس فائیو کانفرنس کے ذریعے انسانیت پر آخری حملے کی تیاری کر رہی ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ یہودیوں نے شیطان کے ایجنٹ کے طور پر پوری دنیا کے انسانوں کو شرف انسانیت سے محروم کرنے اور انہیں اپنا معاشی غلام بنانے کے لئے پوری دنیا میں سیکولرازم اور سود پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام معیشت رائج کیا۔ جس کے نتیجے میں اب دنیا پر اصل حکومت عالمی مالیاتی اداروں یعنی آئی ایم ایف' ورلڈ بینک اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کی ہے۔ یہودیوں کا یہ مالیاتی استحصالی نظام پوری دنیا کو اپنے شکنجے میں جکڑنے کے درپے ہے۔ چنانچہ اب ان کا منصوبہ یہ ہے کہ قومی ریاستوں کا تصور بھی جو انہی کا دیا ہوا ہے' ختم کر کے ایک ایسا عالمی نظام قائم کیا جائے کہ پوری دنیا پر ملٹی نیشنل کمپنیوں کا تسلط ہو جائے۔ تاہم اس منصوبے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ایشیا اور افریقہ کے بعض ممالک اور بالخصوص اسلامی دنیا میں موجود معاشرتی اقدار' شرم و حیا اور عائلی نظام کا تصور ہے۔ اگرچہ ان علاقوں میں بھی سیاسی اور معاشی سطح پر دجالی تہذیب ہی کا ڈنکا بج رہا ہے لیکن یہودی اپنے ناپاک ایجنڈے کی تکمیل کی خاطر خاندانی نظام کو توڑ کر پوری دنیا کے انسانوں کو مکمل طور پر حیوانوں کی سطح پر لانا چاہتے ہیں تاکہ پھر ان کا ہر طرح سے استحصال کیا جا سکے اور ان کی محنت کا اصل حصہ وہ ہڑپ کر سکیں۔ ۱۹۹۴ء کی قاہرہ کانفرنس اور اس کے اگلے ہی سال منعقد ہونے والی بیجنگ کانفرنس اسی منصوبے کی ابتدائی کڑیاں ہیں۔ اس سال ۵ تا ۹ جون نیویارک میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے خصوصی اجلاس کی حیثیت سے اس سلسلے کی تیسری کانفرنس "بیجنگ پلس فائیو" کے نام سے منعقد کی جا رہی ہے۔ جس کے ایجنڈے میں "۲۰۰۰ء کی عورت" کے مسائل کو زیر بحث لایا جائے گا۔ اس کانفرنس کے لئے تیار شدہ ابتدائی خاکے کے مطابق اجلاس میں درج ذیل امور طے کئے جائیں گے۔

① ہم جنسی پرستی محض ایک جنسی رویہ ہے جس پر پابندی کا کوئی جواز نہیں۔ ہم جنس پرست افراد کے جوڑوں کو قانونی طور پر خاندان تسلیم کیا جائے گا۔

② عورتوں کو حق دیا جائے کہ وہ گھر کا کام کاج کرنے سے انکار کر دیں اور اگر وہ کام کریں تو اس کا معاوضہ طلب کریں' اسی طرح عورت حمل اور وضع حمل کا معاوضہ لینے کی بھی حقدار ہوگی۔

③ بیوی کو حق حاصل ہو گا کہ وہ شوہر کی جنسی خواہش پورا کرنے کے سے انکار کر دے اور اگر شوہر زبردستی کرے تو یہ زنا بالجبر کے زمرے میں آئے گا۔

④ جسم فروشی کو جنسی مزدوری کا درجہ دیا جائے اور اس کام کو دوسری مزدوریوں کی طرح قانونی تحفظات حاصل ہوں۔

⑤ وراثت اور طلاق کے معاملے میں مرد و زن کو کامل برابری حاصل ہونی چاہئے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے خصوصی اجلاس میں اس ایجنڈے کی منظوری کا مقصد یہ ہے کہ جو ملک بھی اس ابلیسی پروگرام سے سرتابی کرے گا اس کے خلاف پوری دنیا کارروائی کر سکے گی۔

یہ شیطانی ایجنڈا اگرچہ ابھی بیجنگ پلس فائیو کانفرنس میں زیر بحث آنا ہے لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم شاہ سے بڑھ کر شاہ کے وفادار بننے کی کوشش میں ان سے بھی آگے نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیونکہ چیف ایگزیکٹو نے حال ہی میں انسانی حقوق کے نام پر کانفرنس میں جس پالیسی کا اعلان کیا ہے اس میں وومن ۲۰۰۰ء کانفرنس کے ایجنڈے کی عکاسی موجود ہے۔ مثلاً اس پالیسی میں کہا گیا کہ عورتوں کو وراثت میں حصہ ملنا چاہئے۔ یہ بات اگرچہ اپنی جگہ درست ہے اور ہم اس کی بھرپور تائید کرتے ہیں لیکن مذکورہ کانفرنس میں اس کا اعلان دراصل اسی ایجنڈے کی طرف ایک قدم ہے جس کے مطابق اقوام متحدہ وراثت میں مرد و زن کی مساوات کی منظوری دینے والی ہے۔ اسی طرح چیف ایگزیکٹو نے کہا تھا کہ حق خلع کو آسان بنایا جائے۔ خلع یقیناً خواتین کا جائز حق ہے لیکن اس کو مرد کے حق طلاق کی طرح آسان بنا کر دراصل خاندان کے مقدس ادارے کے بندھن کو ڈھیلا کرنا پیش نظر ہے۔ چیف ایگزیکٹو نے غیرت کے حوالے سے قتل کو عام قتل کے برابر قرار دینے کے عزم کا اظہار کیا ہے۔ اگرچہ کسی کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے اور اس طرح کے قتل پر لازماً گرفت ہونی چاہئے لیکن پوری دنیا کا قانون اتفاقی اور منصوبہ بندی کے قتل میں فرق کرتا ہے تو پھر غیرت کے قتل کو عام قتل کا درجہ دینے کا اس کے سوا مطلب کیا ہو سکتا ہے کہ

غیرت اور شرم و حیاء کے جذبات کو کچل دیا جائے تا کہ خاندانی نظام تباہ و برباد ہو جائے۔ انسانی حقوق کے پروگرام میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ برتھ کنٹرول اور ایڈز سے بچاؤ کے لئے جنسی تعلیم ضروری کی جائے گی۔ اس شق کا مقصد بھی شرم و حیاء کا جنازہ نکال کر خاندان کے ادارے کا خاتمہ ہے۔ اسی طرح غیر ملکی آقاؤں کے اشارے پر قانون ناموس رسالتؐ میں طریق کار کی ایسی تبدیلی کی جارہی ہے کہ بالفعل یہ قانون ختم ہو جائے گا۔

یورپ اور امریکہ میں تو اس ایجنڈے پر پہلے ہی عمل ہو رہا ہے جس کا نتیجہ ہے کہ وہاں خاندانی نظام بری طرح تباہ ہو چکا ہے۔ غیر قانونی اور حرامی بچوں کی کثرت کے باعث دفتری فارموں میں سے ولدیت کا خانہ ختم کر دیا گیا ہے۔ شرم و حیا کا جنازہ نکل چکا ہے۔ جنسی آزادی کا حال یہ ہے کہ دو مرد یا دو عورتیں شادی کر کے گھر بسا کر رہتے ہیں۔ ناجائز بچوں کی پیدائش کی شرح کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امریکی صدر بل کلنٹن نے صدر منتخب ہونے کے بعد اپنے ابتدائی خطاب میں کہا تھا کہ عنقریب ہمارے معاشرے کی اکثریت حرامی بچوں پر مشتمل ہو گی۔

اگر ہمیں اس انجام بد سے بچنا ہے تو یہودیوں کی اس سازش کو شعوری طور پر ناکام بنانا ہو گا۔ ضروری ہو گا کہ پاکستان کا جو سرکاری وفد اس کانفرنس میں شرکت کرے اسے وہاں اپنا موقف پیش کرنے سے پہلے اسلامی نظریاتی کونسل سے منظوری لینی چاہئے کہ ہمارا موقف اسلام کے مطابق ہے یا نہیں۔ ہماری موجودہ حکومت آئی ایم ایف سے قرضے کی اگلی قسط لینے کے لئے ایک طرف سمگلروں اور ٹیکس چوروں کے خلاف محاذ کھول رہی ہے تو دوسری طرف ٹیکس کی شرح بڑھا کر تاجروں کی مخالفت مول لے رہی ہے۔ اگرچہ یہ کام اپنی جگہ غلط نہیں' لیکن اس سے ملک کی سیاست و معیشت میں بہتری نہیں آسکتی۔ معاشی بحران سے نکلنے کے لئے ہمیں سود کے خاتمے کا انقلابی قدم اٹھانا ہو گا۔ بے نظیر کے بعد اب ایم کیو ایم کے الطاف حسین نے بھی نظریہ پاکستان کی کھلم کھلا نفی شروع کر دی ہے۔ ان حالات میں حکومت اپنے غیر ملکی آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے ان کے حیاسوز' اخلاق باختہ اور غیر اسلامی ایجنڈے کو نافذ کر کے ملک کی سلامتی کو مزید خطرے میں ڈال دے گی۔ کیونکہ پاکستان کی اساس کی نفی کرنا پاکستان کے جواز کی نفی کے برابر ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کے عوام اس ایجنڈے کے خلاف ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں اور حکومت پر واضح کر دیں کہ شمع رسالتؐ کے پروانے ناموس رسالت کے قانون میں کسی تبدیلی اور خاندانی نظام کی تباہی کے اس ایجنڈے کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔

تذکرہ و تبصرہ

# پاکستان ـــــ فیصلہ کن دوراہے پر

## تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع منعقدہ ۲ تا ۵ اپریل ۲۰۰۰ء کے موقع پر امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا افتتاحی خطاب

خطبۂ مسنونہ کے بعد تلاوتِ آیات :

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ○ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ﴾

(آل عمران : ۱۳۹)

﴿ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ ﴾

(آل عمران : ۱۶۰)

﴿ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ ﴾

(الحج : ۴۰)

ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا :

محترم رفقاء و رفیقاتِ تنظیم اسلامی اور معزز احبابِ گرامی!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

"تنظیم اسلامی ایک اصولی' اسلامی' انقلابی جماعت ہے' جو اولاً پاکستان اور بالآخر پوری دُنیا میں دین حق یعنی اسلام کو غالب کرنے یا بالفاظِ دیگر نظام خلافت علیٰ منہاج النبوۃ -- کو قائم کرنے کے لئے کوشاں ہے"۔

تنظیم اسلامی کے تعارف کے ضمن میں متذکرہ بالا عبارت بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس حوالے سے آج دو باتیں عرض کروں۔ البتہ اس عبارت میں جو دو اسم ظرف استعمال ہوئے ہیں' یعنی پاکستان اور دُنیا' میں ان کا جائزہ بھی ضروری

سمجھتا ہوں۔ پاکستان ایک چھوٹا ظرف ہے' جبکہ پوری دُنیا ایک بڑا ظرف ہے۔ ہمیں جائزہ لینا ہو گا کہ ان دو ظروف کا پس منظر کیا ہے' اس وقت ان دونوں میں کیا حالات ہیں' اور یہ دونوں کس مقام پر کھڑے ہیں؟ پاکستان کا genesis کیا ہے؟ یعنی پاکستان کیسے وجود میں آیا؟ پاکستان کا ماضی کیا ہے اور پاکستان اپنی زندگی کے جو ساڑھے باون برس گزار چکا ہے (قمری حساب سے تو پچھلے رمضان میں ۵۴ برس ہو چکے ہیں) اس عرصہ میں ہم کہاں رہے' کن وادیوں میں سرگرداں رہے اور اب کہاں کھڑے ہیں؟ اسی طرح اگر ہم چاہتے ہیں کہ پوری دُنیا میں اللہ کے دین کا بول بالا ہو اور اللہ کے دین کو قائم کریں تو ہمیں معلوم تو ہونا چاہئے کہ یہ دُنیا کیا ہے' اس وقت اس کے نظریات کیا ہیں؟ اس کا رخ کیا ہے؟ اس کے اندر کونسی تہذیب قائم ہے اور کس کا سکہ رواں ہے؟ اس میں اس وقت کون کون سی قوتیں برسرپیکار ہیں کہ جن سے ہمیں پنجہ آزمائی کرنی پڑے گی اگر ہم اللہ کے دین کو غالب کرنا چاہتے ہیں؟ چنانچہ میں ان ظروف کے بارے میں چاہتا ہوں کہ کچھ باتیں آپ کے گوش گزار کردوں۔

درحقیقت اس کا خاص موقع امریکی صدر کلنٹن کے دورۂ پاکستان کے حوالے سے آیا ہے کہ انہوں نے یہاں جو "ویاکھیان" دیا ہے' ہم مسلمانان پاکستان سے خطاب کر کے کچھ وعظ و نصیحت' کچھ ترغیب و ترہیب' کچھ تہدید و تنبیہہ اور تھوڑی سی تشویق و ترغیب بھی کی ہے' اس کے نتیجے میں ہمارے قومی وجود کا ایک مخمصہ' ایک عقدۂ لاینحل (dilemma) اور Predicament جو نصف صدی تک کچھ خارجی عوامل کی بناء پر دبا رہا ہے' اب چانک نمایاں ہو کر سامنے آگیا ہے اور اب پاکستان بالکل واضح طور پر ایک دو راہے پر کھڑا ہے۔ آج میں اس موضوع پر قدرے تفصیل سے بات کروں گا' اس لئے کہ یہ درحقیقت ایک دور کے خاتمے اور دوسرے دور کے آغاز کی علامت ہے۔ آج آپ نے اخبار میں بی بی سی کا تبصرہ دیکھا ہو گا کہ "امریکہ نے پاکستان کو دھوپ میں کھڑا کر دیا ہے' اب اسے خود کوئی سایہ تلاش کرنا ہو گا"۔ یہ بہت ہی صحیح اور مطابق واقعہ تبصرہ ہے کہ ہمارے سر کے اوپر ایک سایہ تھا' جو اب ختم ہو گیا ہے۔ اور درحقیقت صدر کلنٹن کی تقریر اس معنی میں ہمارے لئے ایک بہت بڑا لمحۂ فکریہ ہے اور ہم واقعتاً ایک بہت بڑے

فیصلہ کن دوراہے پر آکر کھڑے ہو گئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے قومی وجود کے اس مخمصے (dilemma) کے پس منظر کو بیان کروں۔

## عالمی تہذیب کے نمایاں اوصاف

پاکستان جس وقت اس دُنیا میں منصۂ شہود پر آیا' دُنیا کے نقشے پر اجاگر اور ظاہر ہوا' اُس وقت پوری دُنیا میں ایک عالمی تہذیب کا ڈنکا بج رہا تھا ـــــ وہ تہذیب کہ جس کے نمایاں اوصاف (salient features) میں سب سے نمایاں وصف آزاد خیالی (liberalism) ہے کہ جو چاہو سوچو' جو چاہو بک دو' جس پر چاہو زبانِ طعن دراز کر دو۔ جب چاہو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کہہ دو اور جب چاہو انہیں گالی دے دو۔ چنانچہ ایک انہیں خدا کا بیٹا کہہ رہا ہے تو دوسرا انہیں bastard کہہ رہا ہے کہ وہ (نعوذ باللہ) حرامی بچہ تھا۔ یہ کہنے میں کسی پر کوئی پابندی نہیں۔ اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں جو چاہو بکواس کر دو' یہ تمہارا حق اور تمہارا اختیار ہے' اس لئے کہ یہ لبرل ازم کا دور ہے۔ اگر سلمان رشدی نے کچھ کہہ دیا ہے تو اسے کہنے کا حق حاصل ہے' تمہیں اپنے اندر اس کو سننے کا حوصلہ پیدا کرنا چاہئے۔ یہ لبرل ازم آج کی تہذیب کا بہت بڑا نشان ہے۔

اس عالمی تہذیب کا دوسرا نمایاں وصف سیکولرزم ہے کہ دین کا کوئی تعلق ریاست سے نہیں' ریاست ایک جداگانہ وجود رکھتی ہے۔ اگرچہ سیکولرزم کا مطلب "لامذہبیت" نہیں ہے' جو لوگ اس کا یہ ترجمہ کرتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں' سیکولرزم کا مطلب ہے "لادینیت' ہمہ مذہبیت"۔ یعنی سیکولر ریاست میں تمام مذاہب موجود رہیں گے' بایں معنی کہ آپ مسلمان' ہندو' پارسی' سکھ' عیسائی' بدھ' جو بھی ہیں یہ آپ کا انفرادی معاملہ ہے۔ اپنی انفرادی زندگی میں آپ جو چاہیں عقیدہ رکھیں' آپ جس کو بھی خدا یا دیوتا مانتے ہیں اس کی جس طرح چاہیں پوجاپاٹ کریں' اور انفرادی زندگی میں جس طرح چاہیں اپنے مراسم عبودیت (rituals) اور اپنی سماجی رسومات کو ادا کرلیں۔ بس' اس سے آگے کسی مذہب اور کسی دین کا اجتماعی معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔ سماجی اقدار کسی مذہب

کے حوالے سے طے نہیں ہوں گی۔ چنانچہ سماجی برائیوں کا تصور کسی مذہب کے حوالے سے طے نہیں ہوگا۔ ریاست کے معاشی نظام میں کسی مذہب کے حوالے سے کوئی کنٹریبونٹ نہیں کی جائے گی۔ ریاستی قانون اور سیاسی ڈھانچہ سب کے سب مذہب سے بالاتر ہوں گے' ان کا کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

سیکولرزم کا سیاسی نظام جمہوریت' یعنی انسانی حاکمیت کی بنیاد پر استوار ہوتا ہے۔ اسی طرح معاشی میدان میں اس تہذیب کا نمایاں ترین وصف سود پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ سرمایہ داری (Capitalism) سے اگر سود نکال دیا جائے تو یہ اسلام کے قانونی معاشی نظام کے قریب تر ہے' اس لئے کہ اس میں انفرادی ملکیت کا اثبات ہے۔ آپ کی دکان' کھیت یا کارخانہ آپ کی ملکیت ہے۔ لہٰذا وہ اس معنی میں Capitalism ہے' مگر اس میں سے سود کو نکال دیا گیا ہے۔ لیکن جس تہذیب اور جس نظام کا اس وقت سکہ رواں ہے' وہ سود پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام (Interest based capitalism) ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس دُنیا کے بارے میں اس تہذیب کا تصور یہ ہے کہ یہاں خوب کھاؤ پیو اور عیش کرو' اور کسی چیز کا خیال نہ کرو ع بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔

اسی عالمی تہذیب نے consumerism کو جنم دیا ہے۔ یعنی زیادہ سے زیادہ سہولتیں حاصل کرنے اور زیادہ سے زیادہ سامانِ تعیش حاصل کرنے پر آپ خرچ کریں' یہ آپ کا حق ہے۔ اور پھر اسی سے اباحیت (permissive hedonism) کی لعنت کو فروغ حاصل ہوا کہ ہر طرح کی لذتیت ہو اور لذت کے حصول پر کوئی قدغن نہیں ہونی چاہئے۔ آخر جنسی جذبہ ہے' اس کی جس طرح چاہے آدمی تسکین کرے۔ دو عورتیں مل کر اگر تسکین حاصل کر سکتی ہوں تو کریں' آپ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ وہ تو ڈنکے کی چوٹ کہتی ہیں کہ ہم Lesbian ہیں' اس میں ان کو کوئی شرم و حیا نہیں ہے۔ ان کے ہاں تو ہم جنسوں کی شادیاں ہو سکتی ہیں' ان میں سے ایک مرد کو شوہر اور دوسرے کو بیوی کا درجہ دیا جا سکتا ہے اور قانوناً اس کو تسلیم کیا جائے گا۔ ان کے نزدیک جنسی خواہش بھی ایسے ہی ہے جیسے انسان کو پیاس لگی تو جہاں سے چاہا پانی پی لیا۔ گلاس مل گیا تو اس میں پی لیا'

کٹورا مل گیا تو اس میں پی لیا' برتن نہیں ملا تو اوک لگا کر پی لیا۔ اصل مقصد تو پیاس کی تسکین ہے نا! اسی طرح جنسی جذبہ جہاں سے چاہیں' جس سے چاہیں پورا کرلیں' اس میں کوئی لمبے چوڑے قواعد و ضوابط اور اخلاقیات کی بحث کی ضرورت نہیں۔ اس کے ساتھ دو نام اور آتے ہیں جن کا slogan کی حیثیت سے تذکرہ ہوتا ہے' اور وہ ہیں حریت (freedom) اور مساوات (equality)۔

## قیام پاکستان کا پس منظر

پاکستان کے اس مخمصہ وجود (dilema of existence) یا Predicament کی اساس یہ ہے کہ جس وقت پاکستان منصۂ شہود پر آیا اس عالمی تہذیب کا ڈنکا پوری دنیا میں بج رہا تھا اور پاکستان ایک اسلامی نظریاتی ملک کی حیثیت سے وجود میں آیا۔ گویا پوری دنیا کا جو رُخ تھا اس کی بالکل مخالف سمت میں اور اصولی و نظری اعتبار سے اس پورے نظام اور پورے عالمگیر تمدن (Global civilization) کے anti thesis کے طور پر اور اس کے لئے چیلنج کی حیثیت سے وجود میں آیا۔

دنیا کا ایک نقشہ تو ہم نے اس وقت دیکھ لیا ہے کہ اس کا کیا رجحان ہے' کیا trend ہے' کیا خیالات و نظریات ہیں اور کیا معاشرتی اصول ہیں۔ پاکستان کے genesis کا میں بڑی تفصیل سے "استحکامِ پاکستان" نامی کتاب میں تذکرہ کر چکا ہوں' تاہم میں چاہتا ہوں کہ اس ضمن میں چند چیزیں آپ کے سامنے رکھ دوں۔ انگریز کی آمد سے قبل پورا ہندوستان مسلمانوں کے زیرِ نگیں تھا' جس پر ہم نے کہیں آٹھ سو برس اور کہیں ہزار برس تک حکومت کی' لیکن پھر ہم کمزور پڑے تو ع "ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات" کے مصداق انگریز ہم پر مسلط ہو گئے اور ان کی حکومت قائم ہو گئی' اور اس سے پھر ایک تبدیلی پیدا ہوئی کہ تلوار کی حکومت کی بجائے قلم کی حکومت شروع ہو گئی۔ آپ کو انگریز وائسرائے کا یہ قول یاد ہو گا:

*"Will you be governed by sword or by pen"*

اوّل اوّل ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت قائم ہوئی' لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے ناکام ہونے کے بعد انگریز کی حکومت مستحکم ہو گئی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے

بجائے ہندوستان براہِ راست تاجِ برطانیہ کے تحت آگیا' اور اب یہاں انگریزی قانون کی عمل داری شروع ہو گئی۔ اس دور میں کسی قوم کی تعداد کو فیصلہ کن عامل کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ انگریزوں نے اکثر و بیشتر اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا' لہٰذا انہیں خطرہ تھا کہ بقول "ان کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو!" کے مصداق ان کے دل میں یہ امنگ پیدا ہو سکتی ہے کہ چونکہ ہمیں تخت حکومت سے محروم کر کے محکوم بنایا گیا ہے تو ہم دوبارہ تخت پر قبضہ کریں۔ ان میں بغاوت کے آثار ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا انگریز کی پالیسی یہ رہی کہ ان کو دبایا جائے۔ ہندو پہلے بھی غلام تھا اور اب بھی غلام تھا۔ ان کے لئے معاملہ محض آقاؤں کی تبدیلی (change of masters) کا تھا کہ پہلے وہ مسلمانوں کے غلام تھے' اب انگریزوں کے ہو گئے۔ ان کے لئے تو کوئی بڑا فرق واقع نہیں ہوا۔ انگریز نے بھی ان کی حوصلہ افزائی کی اور ہندوؤں نے بھی انگریز سے رشتے گانٹھنے شروع کئے۔ اس سے یہ صورتِ حال پیدا ہوئی کہ مسلمانوں میں ایک خوف پیدا ہونا شروع ہو گیا کہ ہندوؤں کی عددی اکثریت بروئے کار آجائے گی تو ہم تو اچھوت بن کر رہ جائیں گے اور ہماری کوئی حیثیت اور کوئی سیاسی مقام نہیں رہے گا۔ لہٰذا جب قلم کے ذریعے حکومت (government by pen) شروع ہوئی اور انگریزوں نے یہاں کے مقامی شہریوں کو کچھ حقوق دینے شروع کئے تو مسلمانوں نے اس مطالبے کا آغاز کیا کہ ہمارے جداگانہ حقوق ہونے چاہئیں' کیونکہ ہم ایک علیحدہ entity ہیں' ہمارا الگ تشخص ہے' ہماری قومیت اور تہذیب و تمدن جدا ہے' ہمارے قوانین جدا ہیں' ہمارے شب و روز جدا ہیں' ہمارا سارا معاملہ ہندو قوم سے علیحدہ ہے' چنانچہ ہمیں ایک علیحدہ قوم تصور کیا جائے اور ہمارے حقوق کی ضمانت دی جائے۔ یہ سلسلہ بہت عرصے تک چلا ہے' جبکہ ابھی کسی آزادی کا سوال نہیں تھا۔ ابھی تو انگریزی حکومت کے تحت ہی مراعات و حقوق کے معاملے میں مسلمان کچھ تحفظات چاہتے تھے' جس کے لئے ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ قائم ہوئی۔

ہوتے ہوتے صورت حال نے یہ رخ اختیار کیا کہ مسلمانوں نے دیکھا کہ ہندو قوم میں تو شدید انتقام کا جذبہ ابھر رہا ہے اور وہ اپنی ہزار سالہ غلامی کا بدلہ چکانا چاہتے ہیں۔ یہ بھی سامنے آیا کہ شدھی کی تحریک بھی شروع کر دی گئی ہے اور سنگھٹن کی تحریک کا آغاز

بھی ہو گیا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو یہ خوف لاحق ہوا کہ ہندو تو ہماری تہذیب و تمدن' مذہب' زبان' کلچر اور ثقافت کو برباد کر دیں گے اور معاشی طور پر ہمارا استحصال کریں گے۔ جب یہ خوف بڑھا تو پھر ہم نے اپنے حقوق کے تحفظ کا راگ اور زیادہ زور سے الاپنا شروع کر دیا۔ محمد علی جناح ایک طویل عرصے تک کانگریس کے رکن بھی رہے اور مسلم لیگ کے بھی' لہٰذا انہیں ہندو کو بہت قریب سے دیکھنے اور پرکھنے کا موقع ملا۔ زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے انہوں نے صحیح طور پر سمجھا کہ ہندو کی ذہنیت درست نہیں اور وہ اپنے ابنائے وطن سے انصاف نہیں کریں گے' ان سے کسی خیر کی کوئی توقع نہیں' تب مایوس ہو کر انہوں نے اپنا موقف تبدیل کیا۔ ظاہر بات ہے ہمیں راگ تو اسی کا الاپنا تھا کہ ہماری تہذیب و تمدن علیحدہ ہے' ہمارے خیالات و نظریات' ہمارے عقائد اور ہماری قومیت علیحدہ ہے' مسلمان خود اپنی جگہ پر ایک قوم ہیں۔ اس موقف کے بغیر قانونی و دستوری تحفظات کا وہ نعرہ آگے بڑھ ہی نہیں سکتا تھا اور آزادیِ ہند کی صورت میں مسلمانوں کے لئے ایک الگ خطہ زمین کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اگر وطن کی بنیاد پر تمام اہل ہندوستان کو ایک قوم مانا جاتا تو پھر تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ بھارت کی تقسیم ہو۔

اسی اثناء میں ایک اور شخصیت علامہ اقبال منظر پر آ گئے۔ اقبال نے ایک طرف اسلام کے انقلابی تصورات کی تجدید کی اور انہیں از سرِ نو زندہ کر دیا کہ اسلام ایک مذہب نہیں' دین ہے' یہ نظامِ عدل و قسط ہے اور یہ ایک مکمل نظامِ زندگی ہے' جو اپنا تسلط چاہتا ہے۔ میں اپنی کتاب "بیسویں صدی عیسوی میں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل" میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں کہ اسلام کا یہ تصور خلافتِ راشدہ کے خاتمے کے بعد رفتہ رفتہ نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہوتے تقریباً معدوم ہو گیا تھا اور اسلام ایک مذہب بن کر رہ گیا تھا' جس کو از سرِ نو دین کی حیثیت سے دُنیا کے سامنے لانے والا اقبال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اقبال کو فکرِ اسلامی کا مجدد قرار دیتا ہوں۔ ان کے یہ نظریات ان کی شاعری کے ذریعے سے منظرِ عام پر آئے۔ اور پھر ۱۹۳۰ء میں انہوں نے یہ تصور بھی دے دیا کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلمان ملک کا قیام تقدیرِ مبرم ہے' اور اگر فی الواقع ایسا ہو گیا' یعنی ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہو گئی' تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ

اسلام کے رخِ روشن پر عرب دورِ ملوکیت میں جو داغ پڑ گئے تھے ان کو ہٹا کر اسلام کا اصل منور چہرہ دُنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ یہ گویا ایک احیائی تصور تھا جو علامہ اقبال نے دیا تھا۔ میں نے اس پر مضامین بھی لکھے تھے اور ایک زمانے میں اخبارات میں میرے کالم بھی شائع ہوئے تھے کہ بنیادی طور پر مسلم لیگ کی تحریک دفاعی تھی' ہندو کے غلبے کے مقابلے میں دفاع کی کوشش تھی' لیکن اس میں احیاء کا تصور علامہ اقبال نے دوڑایا تھا' ورنہ مسلم لیگ میں اسلام کا کوئی جذبہ موجود نہیں تھا۔ علامہ اقبال نے دوسرا کام یہ کیا کہ انہوں نے دُنیا میں احیائے اسلام اور غلبۂ اسلام کی نوید سنائی اور یہ امید دلادی کہ ؂

کتابِ ملّتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا!
نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا!
سبق پھر پڑھ صداقت کا' شجاعت کا' عدالت کا!
لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا!!

سیکولر نقطۂ نظر سے یہ مذہبی رومانویت (religious romanticism) تھی' تاہم یہ رومانویت بھی بہت جذبہ پرور تھی۔ اس سے مسلمانوں کے اندر ایک نئی امنگ پیدا ہوئی اور اس کے نتیجے میں پھر پاکستان قائم ہوا۔ اس لئے کہ ہم نے جب اس قدر زور و شور سے کہا کہ ہماری تہذیب و تمدن' قانون' زبان' ثقافت اور عقائد ہر شے علیحدہ ہے اور ہم ایک علیحدہ قوم ("مسلمان") ہیں تو اس کے نتیجے میں پاکستان وجود میں آیا ہے —— اور جان لیجئے کہ یہ معجزانہ طور پر وجود میں آیا ہے' اس لئے کہ یہاں آکر دو چیزیں مل گئی ہیں' مشیت ایزدی اور زمینی حالات جڑ گئے ہیں۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی بھی طویل تدبیر ہے' جس کے اندر پاکستان کے اس مقام کی ایک حیثیت مطلوب تھی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی مشیت خصوصی کے تحت پاکستان قائم ہو گیا۔ پاکستان اسلام کے نام پر اور اسلام کے نعرے کے ساتھ قائم ہوا۔ تو گویا جو بھی اس وقت کی بے خدا' آزاد خیال' اباحیت پرست تہذیب تھی' وہ تہذیب کہ جس کے رگ و پے میں سود سرایت کئے ہوئے

تھا' وہ تہذیب کہ جس میں انسانی حاکمیت اور سیکولرزم کا ڈنکا بج رہا تھا' تو اس کے anti thesis کے طور پر پاکستان وجود میں آیا تھا۔ گویا پاکستان روحِ عصر کے خلاف نعرۂ بغاوت تھا۔ یہ اس تہذیب کے خلاف نعرۂ بغاوت تھا جو اس وقت پوری دُنیا کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھی۔

## مغربی تہذیب کا تجزیہ (Analysis)

اس مغربی تہذیب کے بارے میں دو باتیں کہہ کر میں آگے بڑھوں گا۔ اس تہذیب کے بارے میں ہمارے ہاں عام آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اس کی ہر شے خراب ہے اور اس میں گندگی ہی گندگی ہے۔ اس کا بھی صحیح تجزیہ (analysis) وہ ہے جو علامہ اقبال نے کیا ہے۔ یہ تجزیہ میری کتاب "علامہ اقبال اور ہم" میں شامل ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ اس تہذیب کا inner core خالص قرآنی ہے۔ اس تہذیب کا آغاز اسلام کے عطا کردہ اصولوں پر ہوا۔ اسلام نے جو بنیادی اصول دیئے تھے ان میں اوّلین اصول' جسے اس تہذیب نے بنیاد بنایا' یہ ہے کہ اپنے موقف کی بنیاد توہمات پر نہ رکھو' بلکہ علم پر رکھو۔

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ ﴾ (بنی اسرائیل : ۳۶)

"کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ یقیناً آنکھ' کان اور دل سب ہی کی بازپرس ہونی ہے"۔

اسی طرح استخراجی منطق (deductive logic) کی تنگنائیوں میں بال کی کھال اتارتے رہنے کی بجائے کائنات کا وسیع تر مشاہدہ کرو ؎

کھول آنکھ' زمین دیکھ' فلک دیکھ' فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ

الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ○﴾ (البقرۃ : ۱۶۴)

"یقیناً آسمانوں اور زمین کی ساخت میں' رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں' ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لئے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں' بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے' پھر اس کے ذریعے سے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور (اپنے اسی انتظام کی بدولت) زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے' ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں' ان لوگوں کے لئے بے شمار نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔"

گویا یہ وسیع تر صحیفہ' کائنات تمہارے سامنے ہے' اس میں آیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرو۔ اسے induction (استقراء) کہتے ہیں۔ توہمات کی بیخ کنی اور deduction (استخراج) کی بجائے induction (استقراء) پر انسان کی سوچ کو استوار کرنا' یہ عالم انسانیت کے لئے اسلام کی دین ہے۔ اسی سے پھر سائنسی طریقہ کار کا آغاز ہوا۔ یعنی اشیاء کو دیکھ کر' مطالعہ کر کے نتیجہ نکالو۔ ان کے خواص (properties) کیا ہیں' ان سے آپ کیسے فائدہ اٹھا سکتے ہیں' کیسے exploit کر سکتے ہیں۔ یہ دُنیا تمہارے لئے مسخر کی گئی ہے' ان میں سے کوئی شے دیوی یا دیوتا نہیں ہے' نہ سورج دیوتا ہے' نہ چاند دیوتا ہے' نہ جل دیوی ہے نہ کوئی آگ دیوتا ہے' بلکہ یہ تمام چیزیں تو تمہارے لئے مسخر کی گئی ہیں' یہ تمہاری خدمت میں لگا دی گئی ہیں۔ اس بات کو سمجھو اور ان کا تجزیہ کرو۔ جو ان میں حقیقتیں مخفی ہیں ان کی تلاش کرو' جستجو کرو۔

پھر قرآن نے انسان کو یہ شعور دیا ہے کہ انسان پر انسان کی حاکمیت غلط ہے' بلکہ "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ" حاکمیت صرف اللہ کی ہے' انسان کے لئے حاکمیت کا کوئی تصور نہیں ہے' اس لئے کہ تمام انسان پیدائشی اعتبار سے مساوی ہیں' کوئی پیدائشی طور پر اونچا نہیں' کوئی نیچا نہیں' کوئی اعلیٰ نہیں' کوئی ادنیٰ نہیں' کوئی گھٹیا نہیں اور کوئی بڑھیا نہیں۔ یہ سارے تصورات در حقیقت اسلام نے دیئے ہیں۔

پھر دورِ عباسی میں انہی تصورات کے نتیجے میں مسلمانوں نے یونان کی سائنس اور فلسفے کو از سرِ نو زندہ کیا اور اس میں اضافے کئے۔ پھر مسلمانوں نے سائنسی عمل کا آغاز کیا' اور بہت سی ایجادات کیں۔ پھر ہوا یہ کہ ہسپانیہ کی یونیورسٹیوں سے یہ علم یورپ کو منتقل ہوا۔ ہسپانیہ کے بالکل ساتھ تین سرحدی ملک ہیں' سب سے پہلے فرانس آتا ہے' پھر جرمنی ہے اور پھر نیچے اٹلی کی ٹانگ کی سی صورت بنتی ہے۔ یہ سمجھئے کہ سنٹرل یورپ ہے' جہاں سے نوجوان ہسپانیہ کی یونیورسٹیوں میں یہ تعلیم حاصل کرنے جاتے تھے۔ قرطبہ اور غرناطہ کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں وہ آ کر تعلیم حاصل کرتے تھے اور روشن خیالی لے کر جاتے تھے۔ اسی تعلیم اور روشن خیالی کے زیر اثر یورپ میں احیاء العلوم (Renaissance) اور اصلاحِ مذہب (Reformation) کی تحریکیں چلیں۔ ان تحریکوں کا نقطہ آغاز درحقیقت اسلام ہے' جس کو علامہ اقبال قرآنی inner core کہتے ہیں۔

البتہ دو عوامل ایسے تھے جن کے شدید ردعمل کے نتیجے میں انتہاپسندی پیدا ہو گئی۔ یورپ کے تاریک ادوار (Dark Ages) میں وہاں دو طرح کا جبر تھا' ایک تو وہاں بادشاہوں کی حکومت تھی اور بادشاہوں کے حقوق کو خدائی حقوق (Divine Rights) سمجھا جاتا تھا' دوسرے یہ کہ پوپ اور کلیسا کا اختیار خدائی اختیار (Divine Authority) مانا جاتا تھا۔ گناہوں کا معاف کرنا اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے ﴿ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ (آل عمران : ۱۳۵) "اللہ کے سوا کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو؟" لیکن یہ اختیار بھی پوپ کو حاصل تھا۔ وہ کوئی نذرانہ لیں گے اور لکھ کر دے دیں گے تو گناہ معاف ہو جائے گا۔ یہ پوپ کے پاس خدائی اختیار ہے۔ اسی طرح حلت و حرمت اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔ وہ طے کرتا ہے کہ حلال کیا ہے' حرام کیا ہے' لیکن ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ (التوبہ : ۳۱) "انہوں نے تو اپنے احبار اور رہبان کو اللہ کے سوا رب بنا لیا ہے" بایں معنی کہ جس شے کو وہ حرام کہہ دیں وہ ان کے ہاں حرام ہے اور جس شے کو وہ حلال کہہ دیں وہ ان کے نزدیک حلال ہے' حالانکہ تحلیل و تحریم تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ یہ دو جبر تھے جس کے زیر اثر واقعہ یہ ہے کہ پورا یورپ

ایک عرصے سے تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اب اس تاریکی کے خلاف جب روشن خیالی آئی' جب علم پھیلا اور جدید نظریات نے انسانی شعور کو حیاتِ نو عطا کی اور یہ نظریات جب ہسپانیہ سے ہو کر اُن ممالک کے اندر پہنچے تو وہاں پر ایک شدید ردعمل پیدا ہو گیا' اور مذہب اور پاپائیت کے خلاف بالعموم بغاوت پیدا ہو گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ شہنشاہیت کے خلاف بھی نفرت کے جذبات پروان چڑھنے لگے۔ ظاہر بات ہے کہ جب ردعمل ہوتا ہے تو نیوٹن کے تیسرے قانونِ حرکت کی رو سے ہر عمل کا اس کے مساوی اور مخالف سمت میں ردعمل ہوتا ہے' چنانچہ وہاں جتنا جبر تھا اس کے خلاف اس کا ردعمل بھی اتنا ہی شدید تھا۔

اس ضمن میں یہ بات بہت اہم ہے' اس کو سمجھ لیجئے' کہ ایک طرف تو عیسائی یورپ ردعمل کی طرف جا رہا تھا' دوسری طرف یہودیوں نے عیسائیت کی پشت میں چھرا گھونپنے کے لئے ہسپانیہ کے ذریعے یورپ میں جو خیر جا رہا تھا اس میں شر کی آمیزش کر دی۔ آپ کے علم میں ہو گا کہ مسلم ہسپانیہ میں یہودیوں کو بڑی مراعات حاصل تھیں اور اس دور کے بارے میں بن گوریان نے یہ کہا ہے کہ :

"*Muslim Spain was the golden era of our diaspora*"

۷۰ء سے یہودیوں کا جو جلاوطنی اور انتشار کا دور شروع ہوا تھا کہ انہیں فلسطین سے نکال کر پوری دُنیا میں منتشر کر دیا گیا تھا کہ جدھر تمہارے سینگ سمائیں چلے جاؤ' مشرق میں چلے جاؤ یا مغرب میں' یورپ' افریقہ' ایشیا جہاں چاہے چلے جاؤ۔ ان کا جو یہ diaspora کا دور تھا' یہ ۱۹۱۷ء میں بالفور ڈکلیریشن کے ذریعے سے ختم ہوا ہے۔ اس طرح اس انتشار کو تقریباً ۱۹۰۰ برس ہو گئے۔ اس کے بارے میں بن گوریان کہتا ہے کہ اس دوران ہمارا سنہری دور مسلم سپین کا دور تھا۔ اس لئے کہ ہسپانیہ میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے یہودی عیسائیوں کے ہاتھوں شدید تشدد کا شکار تھے۔ یورپ کے عیسائیوں کی اکثریت ان سے شدید نفرت کرتی تھی' لہٰذا عیسائی انہیں بری طرح ستاتے تھے' انہیں پیٹتے تھے' ان پر تھوکتے تھے اور انہیں اپنے شہروں میں آنے نہیں دیتے تھے۔ اس شدید ظلم کے ردعمل میں یہودیوں نے مسلمان حملہ آور طارق بن زیاد کی مدد کی۔ اس پر مسلمانوں نے انہیں

اپنا محسن سمجھتے ہوئے مسلم سپین میں ان کی سرپرستی کی اور انہیں بہترین مراعات دیں اور انہوں نے وہاں بیٹھ کر عیسائیت کی پیٹھ میں چھرے گھونپے۔ وہ جو کسی نے بڑے خوبصورت الفاظ میں کہا ہے ؎

"کون سیاہی گھول رہا ہے وقت کے بہتے دریا میں!"

یہ جو علم، شعور اور آگہی کا دریا ہسپانیہ سے یورپ کی طرف رواں تھا ان یہودیوں نے اس میں سیاہی گھولنے کا کام بہت گہری سازش کے ساتھ کیا۔ چنانچہ آزادی کو انہوں نے مادر پدر آزادی بنا دیا کہ ہر شے کی آزادی اور ہر شے سے آزادی، حتیٰ کہ خدا اور مذہب سے بھی آزادی۔ چنانچہ اس آزادی نے "زندگی برائے زندگی" اور "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کی صورت اختیار کی، جس کو میں نے "Permissive hedonism" یعنی اباحیت پسندی اور لذتیت پرستی کہا تھا۔

اسی طرح یہودیوں نے protestants کے ذریعے سے سود کی اجازت حاصل کی اور بینک قائم کئے، ورنہ یورپ میں جب تک پوپ کا اختیار تھا تو بہت سی خرابیوں کے ساتھ ساتھ ایک بھلائی بھی تھی کہ سود کو حرام سمجھا جاتا تھا اور کسی بھی سطح پر سودی لین دین کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن "اصلاحِ مذہب" کی تحریک اور مذہبی بغاوت کے نتیجے میں جب پوپ کا اختیار ختم ہوا اور پروٹسٹنٹ مذہب فروغ پذیر ہوا تو تمام مذہبی پابندیوں کا خاتمہ ہو گیا۔ یہودیوں نے جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام کی پیٹھ میں چھرا گھونپا تھا اسی طرح عیسائیت کی پیٹھ میں چھرا گھونپا اور اسے دولخت کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں "الفتنة الکبریٰ" یہودیوں ہی کا برپا کیا ہوا تھا۔ یہ عبداللہ بن سبا یہودی کی سازش تھی اور آج تک اس زخم سے خون بہہ رہا ہے۔ اسلام میں شیعہ سنی تفرقے کا آغاز حقیقت میں اُس وقت عبداللہ بن سبا کے ذریعے سے ہی ہوا تھا۔ ایسے ہی یورپ میں یہودیوں نے عیسائیت کی پیٹھ میں چھرا گھونپا اور اسے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ میں تقسیم کر دیا۔ اور protestants کے ذریعے سے سود کی اجازت حاصل کر کے بینکنگ کا زبردست نظام قائم کر لیا۔ بینکنگ کے اس نظام پر علامہ اقبال کے یہ دو شعر ملاحظہ ہوں ؂

ایں بنوک ایں فکرِ چالاکِ یہود
نورِ حق از سینۂ آدم ربود
تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام
دانش و تہذیب و دیں سودائے خام!

"یہ بینکنگ نظام کیا ہے؟ یہ یہودیوں کی چالاکی اور مکاری والے فکر کا مظہر ہے۔ ان بینکوں نے انسانوں کے سینوں سے نورِ حق یعنی روحِ ربانی (Divine Spark) کو ختم کر دیا اور انسان کو بھیڑیا بنا کر رکھ دیا ہے۔ جب تک بینکوں کا یہ نظام تہ و بالا نہیں ہوتا' اس کو بالکل نسیاً منسیاً نہیں کر دیا جاتا' دانش و تہذیب اور مذہب و اخلاق سب کہنے کی باتیں ہیں' یہ محض خام خیالی ہے۔ اس نظام کی موجودگی میں یہ چیزیں آ ہی نہیں سکتیں"۔

پھر مساواتِ مرد و زن کا نظریہ دیا گیا کہ مرد اور عورت بالکل برابر ہیں' ان کے بالکل برابر کے حقوق ہیں اور انہیں کندھے سے کندھا ملا کر چلنا چاہئے۔ جس نے آگے بڑھ کر مساواتِ نسواں (Femininism) کی تحریک کی صورت اختیار کی' جس سے واقعہ یہ ہے کہ عائلی نظام کا خاتمہ ہو گیا۔ یہودیوں نے عیسائی یورپ سے بھرپور انتقام لیا اور انہیں جنسی اعتبار سے اس قدر کرپٹ کر دیا کہ ان کا خاندانی نظام تباہ و برباد کر دیا اور بینکنگ کے نظام کے ذریعے ان کا معاشی استحصال کر کے ان کی گردن پر سوار ہو کر بیٹھ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال اس صدی کے آغاز میں یورپ جا کر یہ دیکھ آئے تھے کہ ؏ "فرنگ کی رگِ جاں پنجہ یہود میں ہے!

یہ درحقیقت اس تہذیب کی انتہاپسندی کے دو اسباب ہیں' ورنہ اس کا آغاز اور اس کا "inner core" خالص اسلامی تھا۔ اس کا آغاز مسلمانوں کے زیر اثر ہسپانیہ کی یونیورسٹیوں سے ہوا ہے اور اس تہذیب میں اگر کوئی خیر ہے تو وہ اسلام سے مستعار لیا گیا ہے۔ جیسے کہ علامہ اقبال کہتے ہیں ؎

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بُو
آں کہ از خاکش بروید آرزو

یا ز نورِ مصطفیؐ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیؐ ست

یعنی اگر آج دُنیا میں کوئی خیر موجود ہے تو وہ یا تو نورِ محمدیؐ سے مستعار لیا گیا ہے یا یہ کہ ابھی انسان اس مقامِ محمدیؐ تک رسائی کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔

بہرحال یہ صورتحال تھی جب کہ پاکستان کا قیام اس پوری تہذیب کے خلاف anti thesis چیلنج اور بغاوت کے طور پر دُنیا میں عمل میں آیا۔

## قیامِ پاکستان کے وقت عالمی حالات

اس ضمن میں ایک بات اور نوٹ کر لیجئے کہ جب پاکستان قائم ہوا تو یہ تہذیب نو عالمگیر اور یونیورسل تھی اور اس کے نمایاں اوصاف (salient features) وہی تھے جو مَیں بیان کر چکا' البتہ عملی اعتبار سے دُنیا دو بلاکس میں منقسم ہو چکی تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے ایک سرد جنگ جاری تھی۔ ایک طرف U.S.S.R اور اس کے مشرقی حواری اور دوسرے ملک تھے' جبکہ دوسری طرف U.S.A تھا' جو دوسری جنگ عظیم کے بعد ہی دُنیا کے منظر پر آیا تھا' اس سے پہلے تو وہ اپنے ساحل سے باہر نکلا ہی نہیں تھا۔ ان دونوں عالمی طاقتوں کے مابین بنیادی اختلاف اس تہذیب کے بنیادی اصولوں سے متعلق نہیں تھا' بلکہ دونوں کا معاشی نظاموں پر ٹکراؤ تھا۔ ایک کا نظام سود پر مبنی سرمایہ داری (interest based capitalism) تھا۔ وہ نہ صرف انفرادی ملکیت کو مانتے ہیں بلکہ یہ بھی مانتے ہیں کہ پیسہ محض پیسہ کے طور پر بھی کمانے کا حق رکھتا ہے' چاہے اس کے ساتھ محنت نہ ہو۔ یہ سود پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ دوسری طرف اس کے ردعمل کے طور پر نوعِ انسانی میں فساد پیدا ہوا اور haves اور have nots کی تقسیم پیدا ہوئی۔ بادشاہت کا دور تو چلا گیا' جاگیرداری ختم ہو گئی' لیکن یہ سرمایہ داری کی لعنت مسلط ہو گئی۔ ؏ رُست از یک بند تا افتاد در بندے دگر! اس کے نتیجے میں کیونزم پیدا ہوا۔ ان کے درمیان صرف ایک محدود کشاکش تھی۔ یا تو سیاسی مقابلہ تھا یا نظاموں کا اگر کوئی conflict تھا تو وہ پورے بنیادی فلسفے کے اعتبار سے نہیں بلکہ دو معاشی نظاموں کے

درمیان ٹکراؤ تھا۔

جب پاکستان وجود میں آیا تو ایک طرف تو دُنیا ان دونوں بلاکس میں منقسم تھی اور دوسری طرف پاکستان کے وجود میں آنے کے ساتھ ہی بھارت کی دشمنی پیدا ہو گئی۔ یہ پیدائشی دشمنی تھی' اس لئے کہ بھارت نے اوّل روز سے ہی دل سے ایک دن کے لئے بھی پاکستان کو تسلیم نہیں کیا۔ انہوں نے ایک وقتی حکمت عملی کے طور پر تقسیم ہند کو مان لیا تھا' لیکن انہیں امید تھی کہ پاکستان چند مہینوں کے اندر ہی ختم ہو جائے گا' اس کے لئے انہوں نے اُس وقت پورا زور بھی لگایا تھا۔ وہ تو گاندھی نے پاکستان کے کچھ اثاثے واگزار کرا دیئے تھے' ورنہ دوسرے ہندو لیڈر تو رکاوٹوں پر رکاوٹیں کھڑی کر رہے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ نہرو اور پٹیل زہر دے کر پاکستان کو مارنا چاہتے تھے اور گاندھی گڑ کھلا کر مارنا چاہتا تھا۔ اس نے وہ مقام حاصل کرنا چاہا تھا کہ "میں تو امن و انصاف اور عدل کا دیوتا ہوں' میں نے پاکستان کے اثاثے واگزار کرا دیئے ہیں' حالانکہ میں ہندو ہوں' میں نے بھارتی حکومت کو مجبور کیا اور اس کے گھٹنے ٹکوا دیئے"۔ اس کے بعد اس کا ارادہ تھا کہ وہ پاکستانیوں کے دلوں میں اپنی یہ عظمت پیدا کرنے اور اُن کے دلوں میں ایک نرم گوشہ پیدا کرنے کے لئے واہگہ سے داخل ہو گا اور پیدل سفر کرتا ہوا کراچی تک جائے گا۔ اس سے اس کا مقصود پاکستان کی جڑیں کھودنا تھا کہ ہم تو درحقیقت ایک قوم ہیں' ہمیں تو ا . . ستی اور محبت کے حوالے سے ایک قوم ہو جانا چاہئے۔ چند مہینے پہلے اس نے کہا تھا کہ پاکستان میری لاش کے اوپر ہی بن سکتا ہے' لیکن وقتی طور پر وہ تقسیم ہند کے لئے آمادہ ہو گیا۔ وہ تو بھلا ہو ناتھو رام گوڈسے کا کہ جس نے گاندھی گاندھی کی زندگی کا چراغ گل کیا ہے۔ وہ ایک انتہاپسند ہندو اور آر ایس ایس کا آدمی تھا' ورنہ گاندھی کی پوری سکیم تھی کہ وہ واہگہ سے داخل ہو گا اور کراچی تک پیدل جائے گا۔ وہ پیدل سفر کرتا رہتا تھا۔ وہ راتوں کو ہاتھ میں لالٹین لے کر چلا کرتا تھا۔ اس کا منصوبہ تھا کہ اس طرح پاکستان کا دورہ کر کے دو قومی نظریئے کی نفی کر کے پاکستان کو ختم کرے' جبکہ نہرو اور پٹیل پاکستان کو گلا گھونٹ کر ختم کرنا چاہتے تھے۔ بہرحال یہ حالات تھے جن میں پاکستان وجود میں آیا' جس کے نتیجے میں چار چیزیں پاکستان کے لئے لازم و ملزوم کے درجے میں آ گئیں۔

## پاکستان کی تاریخ کے پہلے تیس سال

● بھارت سے بچاؤ کی خاطر ہم نے اس سرد جنگ میں U.S.A اور اس کے حواریوں کے ایک انتہائی وفادار اتحادی (committed ally) کی حیثیت اختیار کر لی۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ ۱۹۵۳ء میں' جب کہ اینٹی قادیانی تحریک کے حوالے سے ملک انتہائی انتشار کا شکار تھا' اس وقت خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم تھے جو کہ بہت شریف اور نیک آدمی تھے' وہ پنجاب کے گورنر ہاؤس میں آئے ہوئے تھے۔ اُس وقت مَیں اسلامی جمعیت طلبہ کا ناظم اعلیٰ تھا۔ مَیں ان کے پاس ایک وفد لے کر گیا۔ ملاقات کے دوران مَیں نے ان سے کہا جناب یہ SEATO اور CENTO کیا معاہدے ہیں جس کے اندر آپ شامل ہونے کی سوچ رہے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں نہیں' آپ طالب علم ہیں' آپ کو اس سے کیا سروکار؟ یہ تو ملکی پالیسی ہے۔ مَیں نے کہا جناب! آپ تو ملک کو ان جکڑبندیوں میں باندھ کر چلتے بنیں گے' ملک تو بعد میں ہم نے سنبھالنا ہے' چنانچہ ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ مَیں ان کی شرافت کا قائل ہوں' فوراً کہا : "فرمائیں' آپ کیا کہتے ہیں؟ دیکھئے پنڈت جی تو نہیں چاہتے نا کہ پاکستان باقی رہے' اور ہم ہندوستان کا مقابلہ تو نہیں کر سکتے نا۔ پھر ہمیں بھی تو کوئی سہارا چاہئے نا؟" انہوں نے ان سادہ ترین تین جملوں میں پوری خارجہ پالیسی بیان کر دی۔ کوئی اور diplomat ہو تو وہ اس کو کسی اور طریقے سے کہے گا' پوری پالیسی بیان کرے گا' دلائل دے گا' اس کی حکمت عملی بیان کرے گا' diplomatic زبان استعمال کرے گا۔ بہرحال یہ ہے ہماری خارجہ پالیسی کا کارنر سٹون کہ ہم نے اپنے آپ کو مغربی بلاک کے گھڑے کی مچھلی بنایا اور ہم ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے انتہائی وفادار اتحادی بن گئے۔ پھر اس کے ساتھ CENTO میں آئے اور اسی کے زیر اثر ہم SEATO میں شامل ہوئے۔

امریکہ اور روس اور ان کے حواریوں کے درمیان سرد جنگ میں ہم نے اس اعتبار سے بھی امریکہ کا ساتھ دیا کہ اُدھر کیمونزم تھا اور اِدھر سرمایہ دارانہ نظام تھا۔ چنانچہ مذہبی اعتبار سے بھی "اھون البلیتین" کے اصول سے یہ بات زیادہ مناسبت رکھتی

تھی کہ ہم امریکہ کا ساتھ دیں' اس لئے کہ وہاں مذہب کی نفی نہیں ہے' جبکہ کیونزم میں مذہب کی نفی ہے۔ پھر اسلام میں ا زادی ملکیت کا تصور موجود ہے' جس کی کیونزم کے اندر نفی ہے۔ چنانچہ امریکہ اور روس میں سے امریکہ ہمیں دو برائیوں میں سے چھوٹی برائی نظر آتا تھا' اس اعتبار سے بھی ہم نے اس کا دامن تھاما۔

۲ جہاں تک ہمارے بالائی اور ریاستی طبقات تھے' جنہیں آپ ایلیٹ (elite) کہتے ہیں' چاہے وہ سیاست دان تھے' چاہے سرمایہ دار تھے' چاہے بیوروکریٹس تھے اور چاہے وہ آرمی آفیسر تھے' ان سب کی سطح پر پاکستان میں مغرب کی عالمی حکمران تہذیب کا جھنڈا سربلند رہا' جبکہ ہم نے پاکستان علیحدہ تہذیب و تمدن اور علیحدہ قومیت کی بنیاد پر بنایا تھا۔ ہماری ہر شے الگ تھی۔ ہماری قومیت کی بنیاد ہمارے مذہب پر تھی۔ وطنیت کی بنیاد پر قومیت کے تصور کو تو ہم نے کفر اور شرک قرار دیا تھا۔ ؎

اِس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور!
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے!
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تُو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے!
اے مصطفوی خاک میں اس بُت کو ملا دے!!

لیکن ہم نے وطنی قومیت کے بُت کو خاک میں ملانے کے بجائے پاکستان کا آغاز اس طرح کیا کہ "یہاں نہ ہندو ہندو رہے گا' نہ مسلمان مسلمان رہے گا' مذہبی اعتبار سے نہیں' کیونکہ مذہب تو انسان کا انفرادی معاملہ ہے' بلکہ قومی اور سیاسی اعتبار سے سب ایک پاکستانی قوم ہوں گے۔" اب یہاں سیکولرزم کی بات سو فیصد آگئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسی قول کا

حوالہ کلنن نے اپنی تقریر میں دیا ہے۔ قائداعظم کا یہ قول تو گویا اس کے لئے صحیفہ آسمانی کی آیت ہے۔ اسی کی بنیاد پر جسٹس منیر صاحب نے ایک کتاب "From Jinnah to Zia" لکھ دی تھی' اور اپنے آپ کو دُنیا کے سامنے بہت ہی لبرل ثابت کرنے کے لئے کہ ہم کوئی کٹر مذہب پرست نہیں ہیں ایک ہندو جوگندر ناتھ منڈل کو وزیر قانون بنادیا کہ دیکھ لیجئے 'ہم نے جو اسلام کے نعرے لگائے تھے وہ ہماری وقتی ضرورت تھی' دیکھئے تو ہم نے ایک ہندو کو وزیر قانون بنادیا ہے۔ اور دیکھ لیجئے' ہماری وہ باتیں اور وہ نعرے وقتی ضرورت کے تحت تھے' قوم کو جمع کرنا اس کے بغیر ممکن نہیں تھا' چنانچہ ایک قادیانی کو ہم نے وزیر خارجہ بنادیا کہ ہم محدود مذہبی پیانے پر سوچنے والے نہیں ہیں۔ یہاں سے ہم نے اپنی قومی زندگی کا آغاز کیا۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہماری ایلیٹ' چاہے وہ سیاست دان تھے' وہ سب کے سب اسی فکر کے حامل تھے۔ انہوں نے مغربی تعلیم حاصل کی تھی' وہ اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ ان کا ذہن' فکر اور سوچ وہی تھی۔ اسی طرح آرمی میں وہ سب سے آگے تھے' بلکہ وہ تو خالص سیکولر تھے' ان کو تو انگریز نے ماحول ہی اباحیت پسندی اور شراب نوشی وغیرہ کا فراہم کیا تھا۔ اور آرمی کے آفیسرز میسوں میں جو کچھ ہوتا تھا وہ آپ کو سب معلوم ہے۔

۳ اگرچہ ہماری قوم کا ریاستی اور بالائی طبقہ مغرب کی حکمران تہذیب کے رنگ میں پوری طرح رنگا ہوا تھا' لہٰذا ہم نے قومی سطح پر اسی سمت میں پیش قدمی کی' لیکن پاکستان میں درمیانی طبقہ میں اسلام کے احیاء' اسلام کے غلبے اور ایمان کی تجدید کی تحریکیں بھی چلتی رہیں۔ مثلاً جماعت اسلامی' تبلیغی جماعت وغیرہ۔ تبلیغی جماعت تجدید ایمان کی تحریک ہے' جس کا انداز غیر علمی (non academic) ہے۔ جماعت اسلامی تجدید اسلام' غلبۂ اسلام اور احیاءِ اسلام کی تحریک ہے۔ پھر یہ کہ علماء کے طبقے میں بھی تحریک موجود تھی۔ تاہم یہ سب چیزیں ہمارے درمیانی طبقے میں تھیں' ہمارے grass root level پر نہیں تھیں۔ یعنی ہمارے عام کسان اور مزدور میں ابھی یہ شعور اجاگر نہیں ہوا تھا۔ ایلیٹ تو پورے کا پورا مغربی رنگ میں رنگا ہوا تھا' لیکن درمیانی طبقے میں یہ تحریکیں بھی چلتی رہیں۔

● درمیانی طبقے میں اٹھنے والی ان اسلامی' احیائی اور تجدید ایمان کی تحریکوں اور بالائی طبقات کے مابین ایک سرد جنگ مسلسل چلتی رہی اور ان میں نظریاتی طور پر کشاکش اور کشمکش رہی۔ ایک طرف احیائی نظریات اور دوسری طرف گلوبل تہذیب کے تقاضوں کے درمیان ایک کشاکش اور ایک سرد جنگ چل رہی تھی۔ ایک اور سرد جنگ عالمی سطح پر امریکہ اور روس کے مابین چل رہی تھی۔ پاکستان میں ہونے والی سرد جنگ پاکستان کے پہلے تیس سالوں ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک جاری رہی۔ میں اس کو ایک دَور قرار دے رہا ہوں' لیکن اس دور میں بھی کچھ land marks ہیں۔

ہمارے ہاں مڈل کلاس میں احیاءِ اسلام کی جو تحریک تھی' جس کو علامہ اقبال کی شاعری سے بہت تقویت حاصل ہوئی تھی اور پاکستان کی تحریک کے دوران اسلام کے جو نعرے لگائے گئے اور جو بھی باتیں کہی گئی تھیں اس کی بناء پر اس تحریک میں بڑی جان تھی' اس کی بناء پر ۱۹۷۷ء تک دستوری سطح پر تین کام ہو گئے :

① قراردادِ مقاصد پاس ہو گئی' جس کی رو سے اللہ کی حاکمیت تسلیم کی گئی اور واشگاف الفاظ میں کہا گیا کہ ہمارا کوئی دعویٰ حاکمیت کا نہیں ہے' حاکمیت صرف اللہ کی ہے۔ حالانکہ یہ تو اس دَور کا کلمۂ بغاوت تھا' اس وقت پوری دُنیا میں سیکولرزم کا ڈنکا بج رہا تھا اور پوری دُنیا میں عوامی حاکمیت کا راج تھا۔ ایسے میں خدائی حاکمیت کی بات کرنا درحقیقت عالمی رائے عامہ کی مخالفت مول لینے کے مصداق تھا۔

② اس ملک کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" رکھا گیا۔ یہ نام ۱۹۵۶ء کے دستوری خاکے میں آیا تھا۔ پھر ایوب خان اسلامی جمہوریہ کے الفاظ حذف کرنا چاہتے تھے لیکن کر نہیں سکے۔

③ اسی طرح دستور میں دفعہ ۲۲۷ آ گئی' جس کے تحت اصولی اعتبار سے یہ مان لیا گیا کہ کسی سطح پر کوئی قانون سازی کتاب و سنت کے منافی نہیں ہو سکتی۔

④ اس کے لئے پہلے علماء کا بورڈ بنایا گیا اور

⑤ اس کے بعد "اسلامی نظریاتی کونسل" وجود میں آئی۔

اس دور کے یہ پانچ Land marks ہیں۔ وہ جو پاکستان کے ایلیٹ طبقات تھے'

چاہے وہ فوجی تھے' چاہے بیورو کریٹ تھے' چاہے سیاست دان تھے' چاہے وڈیرے' نواب اور سردار تھے' مغربی تعلیم یافتہ تھے' یہ سب ایک طرف تھے اور دوسری طرف دینی جماعتیں' احیائی تحریکیں اور تجدیدی کوششیں تھیں۔ اور ان میں جو سرد جنگ چل رہی تھی اس کے نتیجے میں ان تحریکوں نے متذکرہ بالا پانچ چیزیں حاصل کی ہیں۔

## تیس سالہ تاریخ کے دو اہم نتائج

یہ پاکستان کے پہلے تیس سالوں کی داستان ہے جو میں نے آپ کے سامنے رکھی ہے۔ اس تیس سال کے عرصے کے دوران جو دو نتیجے نکلے ہیں وہ بہت اہم ہیں' انہیں اچھی طرح نوٹ کرلیں اور ذہن میں ٹانک لیں۔

➊ امریکی حمایت کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو یہ باور کرانے میں کامیاب رہے کہ ہم بھارت کے مد مقابل ہیں اور اس کے برابر ہیں' ہم کوئی اس سے چھوٹے اور کمتر نہیں ہیں' بلکہ ہم اس سے کندھے سے کندھا ملا سکتے ہیں۔ ہم چاہتے تھے کہ ہمارے ساتھ مساویانہ سلوک کیا جائے' اس لئے کہ ہماری پشت پر امریکہ بہادر تھا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں سیبر جیٹ ہمارے پاس تھے جو کہ بھارت کے پاس نہیں تھے۔ چنانچہ ہماری فضائیہ کو بھارت پر غلبہ حاصل ہوا۔ پھر ہمارے پاس پیٹن ٹینک تھے جو کہ بہت ہلکا ہونے کے باعث تیز رفتار اور جلدی سے سمت تبدیل کرنے والے تھے' جبکہ بھارت کے پاس دوسری جنگ عظیم کے بڑے بڑے ٹینک تھے جن کو تو کروٹ بدلنے میں بھی بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ لہٰذا ہمارے اوپر جو اس قدر شدید دباؤ آیا تھا اور بھارتی افواج نے یہ تہیہ کرکے ہم پر حملہ کیا تھا کہ جم خانہ کلب میں شراب نوشی کی محفل منعقد کریں گے' اس کے مقابلے میں بہرحال ان دو چیزوں کا دخل بھی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہمارے حق میں تھی ﴿سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ "ہم ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے" کے مصداق اللہ تعالیٰ نے ان پر ہمارا رعب ڈال دیا تھا۔ انہوں نے سوچا کہ شاید ہمیں گھیراؤ میں لیا جارہا ہے کہ مدافعت نہیں ہو رہی۔

میں آپ کو یہ بات یاد دلاتا ہوں کہ جان فوسٹر ڈلس (John F.Dulles) بڑے

طویل عرصے تک امریکہ کے سیکرٹری آف سٹیٹ تھے۔ انہوں نے کسی محفل میں یہ بات کہی کہ "بھارت اور پاکستان دو کتوں کی مانند ہیں' ایک ہمارے دائیں ٹخنے کو کاٹتا ہے تو دوسرا بائیں ٹخنے کو کاٹتا ہے' ہم ایک کو پچکارتے ہیں تو دوسرا کاٹنے لگتا ہے' دوسرے کو پچکارتے ہیں تو پہلا کاٹنے لگتا ہے"۔ اس لئے کہ ہم سمجھتے تھے کہ ہم تو مدمقابل ہیں' ہمیں برابر کا سٹیٹس ملنا چاہئے' ہمارے ساتھ یکساں سلوک ہونا چاہئے۔ اس پر مسٹر بھٹو نے فقرہ چست کیا تھا اور یہ کام وہی کر سکتا تھا' وہ اس محفل میں موجود تھا' اس نے کہا :

*"Mr. Secretary! This time we are going to bite a little higher up."*

یعنی اب جو ہم کاٹیں گے تو ٹخنے پر نہیں' بلکہ کہیں اوپر جا کر کاٹیں گے۔ بہرحال یہ ہمارے لئے کہاں ممکن تھا کہ ہم اوپر جا کر کاٹیں' وہ ایک سپرپاور تھی۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا امریکی حمایت کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ ہم بھارت کے مقابلے میں برابر کی چوٹ رہے۔ یہاں تک کہ بھارت کے ساتھ ۱۹۷۱ء کی جنگ کے بعد بھی ہم اس مغالطے میں رہے' حالانکہ ۱۹۷۱ء کی جنگ کے نتیجے میں ہم پہلے کی نسبت ۱/۱۰ ہو گئے تھے۔ اگرچہ ہم آدھے رہ گئے تھے' لیکن حقیقت میں ہماری معنوی حیثیت ۱/۱۰ ہو گئی تھی' لیکن اس کے باوجود ہمارا طرزِ عمل یہ تھا کہ "سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا؟" یعنی جب سیاں ہمارے امریکہ بہادر ہیں تو ہمیں ڈر کس کا ہے؟ لہٰذا ہم نے اپنی برابری کا خناس اپنے دماغ میں پالے رکھا۔

۲ دوسرا جو بہت خوفناک نتیجہ نکلا وہ یہ ہے کہ ہمیں دوسروں کی خیرات اور امداد کی عادت پڑ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے خیرات و صدقات کو "اَوْسَاخُ النَّاس" کہا ہے' یعنی یہ لوگوں کا میل کچیل ہوتے ہیں' ان سے بچو۔ صدقات و زکوٰۃ لینے کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی' بلکہ حوصلہ شکنی کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ہاتھ سے محنت اور کمائی کرو۔ صدقات اور خیرات تو لوگوں کے ہاتھوں کا دھوون ہے۔ لیکن یہ "اَوْسَاخُ النَّاس" جب ہمارے پاس آیا اور ہم اس کے خوگر بن گئے تو اس نے ہماری قومی اور خاص طور پر اقتصادی زندگی میں slow poisoning کا کام کیا۔ چنانچہ محنت کا جذبہ ختم ہو گیا' اس لئے کہ

ڈالر آسانی سے چلے آ رہے ہیں۔ کسی معاہدے کے تحت گندم ملتی چلی جا رہی ہے' اسی کے تحت گھی کے ڈبے آ رہے ہیں اور امریکہ کے ساتھ مصافحہ دوستی کا نشان ہر چیز کے اوپر لگا چلا آ رہا ہے۔ اس سے ہم نے ایک مصنوعی خوشحالی اپنے اوپر طاری کر لی۔ ہم نے اپنی معیشت کو بنیادوں سے نہیں اٹھایا تھا' صرف مصنوعی خوشحالی تھی' جس کے نتیجے میں ہم بڑے خوش ہوتے تھے کہ جب کوئی سیاح بھارت سے ہو کر پاکستان میں آتا ہے' مشرقی پنجاب سے مغربی پنجاب میں واہگہ سے داخل ہوتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ ایک بہت پسماندہ ملک سے نکل کر بڑے ترقی یافتہ ملک میں آ گیا ہوں۔ لیکن ہماری یہ ترقی مصنوعی تھی' غیر ملکی امداد اور خیرات کے بل بوتے پر تھی۔ گویا بقول غالب ۔

قرض کی پیتے تھے مے' لیکن یہ کہتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن!

اس کے نتیجے میں ہمارے بالائی طبقات یعنی ایلیٹ کلاس کے اندر تعیش' تنعم' سہولت پسندی اور راتوں رات لاکھ پتی ہی نہیں کروڑ پتی بننے کے جذبات پیدا ہو گئے' اس لئے کہ بہتی گنگا ہے' ہاتھ دھو لو!

غیر ملکی امداد اور صدقات و خیرات کا سب سے زیادہ خطرناک اور خوفناک نتیجہ یہ نکلا کہ اس عرصے میں ریاستی اور سیاسی حلقوں کے اندر بد عنوانی اور کرپشن کی تخم ریزی بہت بڑے پیمانے پر ہوئی۔ ویسے یہ کہ ہم اس خیال میں رہے کہ ہم برابر کی چوٹ ہیں' ہم بھارت سے کم نہیں ہیں' ہم سر جھکا کر بات کیوں کریں' ہم برابر کی سطح پر بات کریں گے۔ یہ ہمارے پہلے تیس سال ہیں۔

## بعد کے پندرہ سال (۱۹۷۷ء تا ۱۹۹۲ء)

اس کے بعد کے پندرہ سالوں کے دوران (۱۹۷۷ء کے بعد سے ۱۹۹۲ء تک) عالمی سطح پر بڑے بڑے چونکا دینے والے واقعات رونما ہوئے۔ ایران کا انقلاب آیا جس سے پوری دنیا کانپ گئی۔ اور نیوز ویک اور ٹائمز کے بڑے بڑے ایشوز شائع کئے گئے کہ

"*Militant Islam on the march!*"

یعنی اسلام تو آگے پیش قدمی کرتا ہوا آ رہا ہے۔ مسلم فنڈامنٹلزم کو بہت بڑا چیلنج قرار دیا

گیا۔ ظاہر بات ہے کہ مسلمان ممالک میں بعض جگہ بنیاد پرستی اور احیاءِ اسلام کا جذبہ موجود تھا۔ آزادی کے بعد ان ملکوں کے عوام کی خواہش تھی کہ ٹھیک ہے ہم پہلے انگریزوں کے غلام تھے' فرانسیسیوں کے غلام تھے' اب آزاد ہو گئے ہیں تو ہمارا اپنا نظام' ہمارا اپنا قانون' ہماری اپنی تہذیب اور اپنا تمدن آنا چاہئے۔ لیکن اس جذبے کو عالمی سطح پر سب سے بڑی تقویت ایران کے انقلاب سے ملی۔ چنانچہ پاکستان میں نظامِ مصطفیٰ تحریک جو کہ بہت بڑی تحریک تھی' اس نے بھٹو صاحب کو ہلا کر رکھ دیا۔ اگرچہ اسے آرمی نے ہائی جیک کر لیا اور اس کے بل پر ضیاء الحق نے گیارہ سال تک اسلام کی ڈفلی بجائی۔ یعنی اس تحریک سے نظام مصطفیٰؐ کا نعرہ لے کر خود ایوانِ صدر کو اس نعرے کا سب سے بڑا سرچشمہ بنا لیا۔

تیسرے یہ کہ اس سے بھی زیادہ جوش و جذبہ کا اظہار افغان جہاد کے ذریعے ہوا۔ وہاں اگر روسی فوجیں داخل نہ ہوتیں تو جہاد کا یہ غلغلہ کبھی بلند نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن چونکہ اسلام کے جو فقہی تصورات ہیں ان کی رو سے بھی جب کوئی غیر مسلم حکومت دارالاسلام پر حملہ کر دے تو قتال فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تمام علماء' مفتی اور فقیہہ حضرات اٹھ کھڑے ہوئے کہ اب تو جہاد فرض ہو گیا ہے۔ اس کی بناء پر پوری دُنیا میں جہادی تحریکات کا سب سے بڑا مرکز پاکستان بن گیا' اس لئے کہ افغانستان تک رسائی کا واحد ذریعہ پاکستان ہی تھا۔ امریکہ کی امداد' چاہے وہ ڈالر میں تھی یا سازوسامان اور اسلحہ کی صورت میں' وہ پاکستان ہی کے ذریعے جاتی تھی۔ جہاد میں شمولیت کے لئے سوڈان' الجزائر' سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک' بنگلہ دیش اور فلپائن سے لوگ چلے آ رہے تھے۔ جہاد کے لئے کہاں کہاں سے مسلمان یہاں پہنچے ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کا غلغلہ بلند ہوا اور بہت بڑے پیمانے پر جہادی تحریکیں شروع ہوئیں۔ اور یوں سمجھئے کہ دُنیا میں اسلامی "romanticism" اپنے عروج کو پہنچ گیا۔ واقعتاً ایسی فضا بن گئی تھی کہ اسلام بس آیا کہ آیا' اسلام دُنیا پر غالب ہوا کہ ہوا۔ ہم نے اتنا بڑا کام کر لیا کہ ہم نے سوویت یونین (U.S.S.R) کے ٹکڑے کروا دیئے' اب کیا مشکل ہے' اسی طرح امریکہ اور بھارت کے بھی ٹکڑے کروا دیں گے۔ وہیں سے ان جہادی تحریکوں کا کشمیر میں fallout شروع ہوا

اور ساری دُنیا میں جہاد کا غلغلہ بلند ہوا۔ یقیناً یہ بہت بڑی شے ہے۔ اس جہاد میں پاکستان کو اہم ترین حیثیت حاصل ہوئی۔ امریکہ سرد جنگ کو ختم کرنے کے لئے سوویت یونین (U.S.S.R) کا خاتمہ کر دینا چاہتا تھا۔ اسے ویت نام میں اپنی شکست کا انتقام بھی لینا تھا' جہاں سے روس کی وجہ سے اسے دم دبا کر بھاگنا پڑا تھا۔ یہاں تو مسلمان جان دینے کے لئے تیار تھے۔ چنانچہ ان کے ذریعے امریکہ کا کام آسان ہو گیا۔ اس کی ایک بھی جان نہیں گئی' صرف پیسہ گیا' جو اُن کے لئے ہاتھ کی میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کا تو ایک ایک بینکر چالیس چالیس بلین ڈالر کا ایک ایک چیک لکھ سکتا ہے۔ تو پیسے کی تو اُن کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ کسی امریکی کی جان نہیں گئی اور یونین آف سوویت سوشلسٹ ریپبلکس (U.S.S.R) جیسی عظیم سپر پاور تحلیل ہو کر رہ گئی۔

اس کے نتیجے میں پاکستان کو جو حاصل ہوا وہ یہ تھا کہ ہمیں اس دور میں front state ہونے کی حیثیت سے امریکہ کے نزدیک most favourite nation کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اس کے دو نتیجے نکلے' ایک تو یہ کہ ہم ان پندرہ سالوں میں بھارت کے برابر کی چوٹ بن کر کھڑے رہے کہ ہم اس کے سامنے سر کیوں جھکائیں' ہم مدمقابل ہیں' ہم ڈنکے کی چوٹ ہیں' برابر کی چوٹ ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس دور میں ڈالر کی جو ریل پیل ہوئی ہے اس نے ہمیں معاشی طور پر موت کے دہانے پر لا کھڑا کیا۔ ہمارے بڑے بڑے جرنیل billionaire بن گئے۔ کہتے ہیں کہ واشنگٹن میں شاید ایک سڑک ہی Generals' Road بن گئی ہے جہاں پاکستان کے ریٹائرڈ جرنیلوں کی بڑی بڑی کوٹھیاں ہیں۔ انہوں نے بہتی گنگا میں جس قدر ہاتھ دھوئے اور جس قدر ڈالر کمائے اس سے درحقیقت پاکستان کی معاشی موت واقع ہو گئی۔ لیکن دوسری طرف مسلم فنڈامنٹلزم کو کچھ تھوڑی سی تحریک ضرور ملی' اس لئے کہ ضیاء الحق صاحب نے نظامِ مصطفیٰ تحریک کی سٹیم کو ہاتھ میں لے کر اسی کے بل پر اپنی حکومت کا جواز ثابت کیا۔ اس دور میں دو قدم بڑے اہم اٹھائے گئے۔

① قرارداد مقاصد جو ابھی تک دستور کے دیباچہ (Preamble) میں تھی وہ باقاعدہ دستور کا جزو بن گئی اور اب آرٹیکل ۲۔الف کی صورت میں ایک

operative clause ہے۔

(۴) وفاقی شرعی عدالت (فیڈرل شریعت کورٹ) قائم کی گئی۔ قوانین کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل کا جو طریق کار چل رہا تھا اس سے تو کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا' لیکن اب اس مقصد کے لئے فیڈرل شریعت کورٹ کا ادارہ قائم کیا گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے ہاتھوں میں دو ہتھکڑیاں پہنادی گئیں اور پاؤں میں دو بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ تاہم دستوری اعتبار سے یقیناً ایک قدم آگے بڑھا۔

۱۹۹۱ء کے بعد اس پوری صورتحال میں بڑی بنیادی تبدیلی آگئی جب U.S.S.R تحلیل ہو کر ختم ہو گیا۔ بیسویں صدی عیسوی (۲۰۰۰ء جس کا آخری سال ہے۔ واضح رہے ہے کہ تیسرا کرسچن ملینیم شروع ہو چکا ہے' لیکن ابھی ۲۱ویں صدی شروع نہیں ہوئی) اس اعتبار سے بڑی منفرد صدی ہے کہ اس میں دو عظیم جنگیں ہوئیں جس میں کروڑوں انسان قتل ہوئے اور اس صدی میں دو عظیم سلطنتیں دُنیا کے نقشے سے معدوم ہو گئیں۔ اس صدی کے آغاز میں عظیم سلطنت عثمانیہ دُنیا کے نقشے سے ختم ہو گئی' جو تین براعظموں پر محیط تھی' اس میں پورا شمالی افریقہ' مغربی ایشیا اور پورا مشرقی یورپ شامل تھا۔ کبھی "سلطنتِ روما" بڑی عظیم سلطنت شمار ہوتی تھی' لیکن سلطنتِ عثمانیہ کی حدود اس سے زیادہ بنتی ہیں۔ اور اس صدی کے اختتام پر آ کر ۱۹۹۱ء میں عظیم سوویت یونین (U.S.S.R) دُنیا کے نقشے سے ختم ہو گیا۔

## سوویت یونین کا خاتمہ اور امریکہ کی طوطا چشمی

سوویت یونین کے خاتمے کا نتیجہ یہ نکلا کہ عالمی سطح پر سرد جنگ ختم ہو گئی۔ اور نتیجتاً اب پاکستان کی امریکہ کے لئے کوئی حیثیت ہی نہیں رہی۔ یہ ہے وہ انقلاب جو ۹۲۔۱۹۹۱ء کے بعد آنا شروع ہوا تھا اور اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا کلنٹن کے حالیہ دورۂ پاکستان کے نتیجے میں۔ دبی دبی زبان میں تو یہ باتیں امریکہ کی طرف سے آ رہی تھیں کہ اب وہ بات نہیں ہے' ہم بھارت اور پاکستان کو equate نہیں کر سکتے' ہمیں جیو فزیکل اور جیو پولٹیکل حقائق کو زیادہ پیش نظر رکھنا ہو گا' بھارت بہت بڑی منڈی بھی ہے اور بہت بڑی جمہوریت

بھی ہے' بھارت یہ بھی ہے اور وہ بھی ہے۔ بھارت کی اس طرح کی مدح سرائی تو رفتہ رفتہ بڑھ رہی تھی' لیکن اب بل کلنٹن صاحب کا دورہ اس کی سب سے بڑی علامت ہے' جس میں بات دوٹوک انداز میں کردی گئی ہے۔

البتہ اس دور میں ایک اور کام بھی ہوا ہے' کہ وہ جو گلوبل تحریک تھی اس نے ۱۹۹۲ء کے بعد اب ڈنکے کی چوٹ نیو ورلڈ آرڈر کا نام لیا ہے' جو پچھلے ساڑھے سات سال کے دوران اس سے پہلے کبھی نہیں لیا۔ "نیو ورلڈ آرڈر" یہودیوں کی سازش تھی' جس کا انہوں نے ۱۷۷۰ء میں نعرہ لگایا تھا : Ordous Novo Seclorum یعنی "A new secular order for the World" خلیج کی جنگ کے بعد صدرِ امریکہ جارج بش نے اس کا ڈنکے کی چوٹ اعلان کیا تھا۔ اسی نیو ورلڈ آرڈر کی تکمیل کے لئے ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن' آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک تو چلے آ رہے تھے' جن کا معاملہ اس صدی کے وسط سے شروع ہو گیا تھا' اس سے بھی آگے بڑھ کر ایک اور معاہدہ TRIPS کے نام سے ہوا ہے جو ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کا ذیلی معاہدہ ہے۔ ان اداروں اور معاہدوں کے تحت اب گلوبل تہذیب نے ایک گلوبل نظام کی شکل اختیار کرلی ہے اور یہود اب اس جگہ پہنچ گئے ہیں کہ وہ پوری عیسائی دُنیا کو فتح کرچکے ہیں۔ پہلے انہوں نے پروٹسٹنٹ عیسائیوں کو اپنا آلہ ء کار بنایا تھا اور WASP یعنی (White Anglo Saxon Protestants) کے ذریعے سے بالفور ڈکلیریشن منظور کرایا اور پھر اس کے ذریعے سے اسرائیل کی ریاست قائم کروائی۔ لیکن ہوتے ہوتے اب کیتھولک عیسائی بھی یہودیوں کے آگے سرنگوں ہو گئے ہیں۔ دنیا میں شاید ایک بلین کے قریب کیتھولک ہیں۔ اب پوپ صاحب نے بھی گھٹنے ٹیک دیئے ہیں اور انہوں نے اسرائیل کو تسلیم بھی کرلیا ہے' خود آکر اسرائیل کا دورہ بھی کرلیا ہے' یروشلم کو اسرائیل کا سرکاری صدر مقام بھی تسلیم کرلیا ہے اور یروشلم میں اپنا سفارت خانہ قائم کرنے کا بھی اعلان کیا ہے۔ چنانچہ اب پوری عیسائی دنیا یہودیوں کے قابو میں ہے۔ "نیو ورلڈ آرڈر" اصل میں "جیو ورلڈ آرڈر" ہے۔ اور اب وہ دُنیا کی پوری ٹریڈ اور انڈسٹری بلکہ TRIPS کے ذریعے سے چاہتے ہیں کہ زراعت کو بھی اپنے کنٹرول میں لے

لیں۔ جبکہ دُنیا میں تمام انسان واقعتاً حیوان بن کر رہ گئے ہیں۔ انہیں جنسی سطح پر بھی حیوان بنا دیا گیا ہے۔ ۱۸۹۷ء میں یہودیوں نے اپنی تحریک کو Zionism کے نام سے منظم کیا۔ اس کی "قرارداد تاسیس" میں یہ ساری باتیں موجود ہیں کہ "ہمارے نزدیک مکمل انسان صرف یہودی ہی ہیں' باقی سب انسان نظر آتے ہیں' حقیقت میں حیوان ہیں، گوئیم اور gentiles ہیں' ان کا استیصال کرنا اور ان کا خون نچوڑ کر پینا ہمارا حق ہے (جیسے گھوڑے کو تانگے میں جوتنا انسان کا حق ہے' البتہ کوچوان اسے چارہ بھی ڈالے گا' چنے بھی کھلائے گا' تاکہ اگلے روز بھی اسے تانگے میں جوت سکے) دُنیا بھر کے انسان ہماری خدمت کے لئے کام کریں اور ان کی بقاء کے لئے جو کم سے کم ضروریات ہیں وہ ہم ان کی پوری کرتے رہیں گے۔ چھاچھ ہم ان کو دیتے رہیں گے اور بالائی اور مکھن ہم بینکوں اور سود کے ذریعے سے حاصل کرتے رہیں گے"۔ یہ نیو ورلڈ ہے جو اب پوری دُنیا کو زیر نگیں کرنے کے لئے بیتاب ہے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان کے قدموں تلے سے تو زمین نکل گئی۔ اور بھارت کا معاملہ یہ ہے کہ امریکہ بھارت کا پرستار بن چکا ہے' اس لئے کہ اس وقت مغرب کے نزدیک جمہوریت ان کے مذہب کی حیثیت اختیار کر چکی ہے اور بھارت اس مذہب کا معجزہ ہے۔ اگر وہ بھارت کی پرستش کر رہے ہیں تو اسی وجہ سے کر رہے ہیں۔ پوری مغربی دُنیا مانتی ہے کہ جمہوریت کی ورکنگ کے لئے لوگوں میں خواندگی کی شرح زیادہ ہونی چاہئے' اگر شرح خواندگی کم ہے تو جمہوریت نہیں چل سکتی۔ لیکن بھارت نے یہ معجزہ کر دکھایا ہے کہ انتہائی کم شرح خواندگی کے باوجود وہاں جمہوریت کامیابی سے چل رہی ہے۔ اتنی بڑی جمہوریت کہ تقریباً ایک بلین (۹۵ کروڑ) انسان وہاں بستے ہیں۔ امریکہ بہادر کی آبادی تو ۲۵ کروڑ کے قریب ہے' امریکہ سے تین چار گنا زیادہ بھارت کی آبادی ہے۔ اور پھر پورے ساڑھے باون برس سے دستور کے مطابق نظام چل رہا ہے۔ صرف ایک سال کے لئے ایمرجنسی آئی تھی' وہ بھی دستوری ایمرجنسی تھی' جس میں کوئی ماورائے دستور کام نہیں تھا۔ للذا مغرب کے پاس اس کے پرستار ہونے کے لئے وجہ جواز موجود ہے۔ پھر یہ کہ ان کی تہذیب عریانی' فحاشی' بے پردگی اور اباحیت پسندی پر مشتمل ہے۔

گویا جیسی کہ مغرب تہذیب ہے ویسی ہی بھارت کی تہذیب ہے 'بلکہ ان کے ہاں وہ صرف تہذیب ہی نہیں ہے 'ان کے مذہب کا حصہ بھی ہے۔

پھر یہ کہ بھارت کی معیشت بھی سرمایہ دارانہ (Capitalistic Economy) ہے۔ کچھ عرصے تک تو ان کے ہاں "نہرو ایرا" موجود رہا' جس میں انہوں نے بیرونی سرمایہ کاری کو روکے رکھا اور درآمدات پر بھی بڑی پابندیاں لگائیں اور اس طرح اپنی اقتصادی بنیاد کو مضبوط کیا۔ لیکن رفتہ رفتہ اب پابندیاں ختم ہو رہی ہیں۔ اس اعتبار سے بھی بھارت امریکہ کا حقیقی اتحادی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اب دُنیا میں سب سے بڑی مارکیٹ یا تو چائنا کی ہے یا بھارت کی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے چین کو بھی most favourite nation کا درجہ دے رکھا ہے۔

یہ وہ چیزیں ہیں جن کی بنا پر اب امریکہ نے فیصلہ کن اور اعلانیہ طور پر "گڈ بائی پاکستان" کہہ دیا ہے۔ اب اس کا رویہ پاکستان کے ساتھ اس قسم کا ہے کہ "ہم مانتے ہیں کہ آپ ہمارے اتحادی رہے ہیں' آپ کے ہمارے اوپر بڑے احسانات ہیں' آپ نے ہی چین سے ہمارا تعلق قائم کرنے میں مدد دی' آپ نے روس کے مقابلہ میں ہمارا ساتھ دیا' آپ نے افغانستان میں ہمارا بھرپور ساتھ دیا' یہ آپ کا ہم پر بڑا احسان ہے' ہم اس کے قدردان ہیں' اس کے قائل ہیں اور اس کا احترام کرتے ہیں ـــــ لیکن اب حالات بدل چکے ہیں' اب سیدھے سیدھے یہ راستہ اختیار کرتے ہو تو ہمارا کچھ تعاون شامل حال رہے گا' اور اگر نہیں تو دیوالیہ ہو جاؤ گے' isolate ہو جاؤ گے' کوئی تمہارا ساتھی نہیں ہو گا اور کوئی مددگار نہیں ہو گا"۔

## پاکستان دوراہے پر

جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ بی بی سی کے تجزیہ نگار نے کہا ہے کہ امریکہ نے پاکستان کو دھوپ میں کھڑا کر دیا ہے کہ اب وہ اپنے لئے خود سایہ بنائے یا سایہ تلاش کرے۔ یہ ایک دوراہا ہے۔ ہمارے سامنے دو راستے ہیں' اِدھر یا اُدھر' یا چناں کن یا چنیں! اب ہمارے قومی وجود کا یہ dilemma ہمارے سامنے ہے کہ ہمیں کون سا راستہ

اختیار کرنا ہے۔ ہم نے اُس وقت اسلام کے نام پر ملک بنایا جبکہ پوری دُنیا میں سیکولرزم' لادینیت اور اباحیت پسندی کا دَور دَورہ تھا۔ اس اعتبار سے پاکستان کا قیام پوری دُنیا کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا ؎

نعرہ زن عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد

لیکن اب صورتحال بہت مختلف ہے۔ اپنے قیام سے اب تک ہم نے بہت قیمتی باون سال ضائع کئے ہیں۔ اس دوران ہم نے اپنے آپ کو برباد کیا ہے' اپنی تباہی کے لئے خود اپنے ہاتھوں گڑھا کھودا ہے۔ اب ہم جہاں کھڑے ہیں یہ ایک دوراہا ہے۔

## پہلا متبادل راستہ

اس دوراہے میں ایک راستہ تو یہ ہے کہ :

❶ ہم اپنے مقصد وجود اور اپنے نظریاتی پس منظر کو بھول جائیں۔ یہ فراموش کر دیں کہ پاکستان کیوں بنا تھا! اللہ سے ہم نے کیا وعدے کئے تھے اور کیا نعرے لگائے تھے! اور تحریک پاکستان کا کیا پس منظر تھا! یہ بھی بھول جائیں کہ ہم نے یہ اسلامی نظریاتی ملک اس لئے بنایا تھا کہ ہم بقول قائد اعظم عہد حاضر میں اسلام کے اصولِ حریت و اخوت و مساوات کا دُنیا کے سامنے ایک نمونہ پیش کرنا چاہتے تھے اور مبشّرِ پاکستان علامہ اقبال کے اس خواب کو بھی بھول جائیں کہ "جیسا کہ مجھے یقین ہے' اگر ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہو گئی تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ عرب ملوکیت کے دور میں اسلام کے چہرے پر جو بدنما داغ آ گئے تھے ان کو دھو کر اصل اسلام دُنیا کے سامنے پیش کر سکیں"۔ اور اصل اسلام ظاہر بات ہے کہ خلافتِ راشدہ والا تھا۔ لیکن دُنیا تو مسلمانوں کو پہچانتی ہی دورِ ملوکیت کے حوالے سے ہے۔ لہٰذا اس غلط تصور کو دھونا ہو گا۔

❷ مغربی سیکولر جمہوریت کو پوری یکسوئی سے اس کے جملہ متضمنات کے ساتھ اختیار کر لیں۔ اس ضمن میں اس وقت تو ایک ہی مطالبہ ہے کہ جمہوریت بحال کرو۔ لیکن جمہوریت کی بحالی کے ساتھ ساتھ دو مطالبے اس کے اندر مضمر ہیں۔ ایک یہ کہ تم نے

مذہب کی بنیاد پر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا' مذہب کی بنیاد پر انسانوں میں فرق پرانے زمانے کی دقیانوسیت ہے۔ آپ کو تو مسلمان اور ہندوؤں کے درمیان بھی فرق نہیں کرنا چاہئے' کجا یہ کہ ایک قوم جو اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہے اسے آپ نے اپنے قومی وجود سے کاٹ پھینکا ہے۔ دوسرے یہ کہ قانونِ تحفظ ناموسِ رسالت کو ختم کرو' اس قانون کو کالعدم قرار دو۔ آج کل لبرل ازم کا دور ہے' ہر شخص کو آزادیِ رائے کا حق حاصل ہے۔ دیکھتے نہیں کہ ہم اپنے خدا کے لئے یہودیوں سے یہ لفظ سننے کو تیار ہیں کہ وہ "Son of God" نہیں "Son of man" تھا۔ اس پر انہوں نے پوری فلم بنائی ہے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کو سیدہ مریم کے منگیتر جوزف کارپینٹر کا حرامی بچہ قرار دیا ہے' جس سے ابھی مریم کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی' صرف رشتہ طے ہوا تھا۔ ہم سے کہا جائے گا کہ دیکھو! یہ باتیں ہم برداشت کرتے ہیں' حالانکہ ہمارے نزدیک وہ خدا کا بیٹا ہے' ہم یہ سب کچھ جھیلتے ہیں یا نہیں؟ تو اگر سلمان رشدی نے بکواس کر دی ہے تو تمہیں اس سے تکلیف کیوں ہے؟ پوری مغربی دُنیا اس وقت سلمان رشدی کی پشت پر آگئی ہے اور اس کی کتابوں کے پورے پورے ہوائی جہاز لوڈ ہو کر پوری دُنیا میں گئے ہیں۔ ہم سے کہا گیا ہے کہ یہ تم نے کیسے قانون بنا دیا؟ آپ کو معلوم ہے کہ قانونِ توہین رسالت کے خلاف پوپ جان پال نے بھی لب کشائی کی ہے اور صدر امریکہ نے بھی۔ پس ہم سے مطالبہ کیا جائے گا کہ سیکولر جمہوریت کے تقاضوں کو اس کے جملہ متضمنات کے ساتھ تسلیم کرو!

۱۰ کشمیر کو بھول جائیں۔ میں اپنے الفاظ میں ان کے مطالبات کی ترجمانی کر رہا ہوں کہ اب تو اگر بھارت لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد ماننے پر تیار ہو جائے تو بہت غنیمت سمجھنا۔ کبھی یہ دَور تھا کہ بھارت یہ بات کہتا تھا' تم نہیں مانتے! اب تو بھارت اس کو بھی نہیں مانے گا۔ وہ تو آزاد کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے تلا ہوا ہے۔ آپ نے سردار عبدالقیوم صاحب کا بیان پڑھ لیا ہو گا کہ آزاد کشمیر پر حملے کے لئے بھارت کی پوری تیاریاں ہیں۔ اور جس انداز سے آج واجپائی صاحب کا بیان آیا ہے' نوائے وقت کی سرخی تھی "اب مسئلہ کشمیر کا نہیں' پاکستان کا ہے"۔ یعنی کشمیر کی باتیں کرتے ہو؟ پاکستان

کی خیر مناؤ! آپ کو معلوم ہے جب واجپائی لاہور آیا تھا تو نواز شریف صاحب نے اپنے خلوص و اخلاص میں بھارت کے لئے خیر سگالی کے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ "کشمیر کے بغیر پاکستان نامکمل ہے"۔ نواز شریف صاحب کو واجپائی سے اچھے جواب کی توقع تھی، لیکن فوراً جواب ملا "پاکستان کے بغیر بھارت نامکمل ہے"۔ واجپائی کا یہ جواب اُس وقت کا تھا جبکہ وہ دوستی کا وقت تھا۔ انتہائی دوستی کی بلندی پر بھی اس کے دل کے اندر جو شے تھی وہ باہر آ گئی۔

● اپنا نیو کلیئر پروگرام رول بیک کریں اور سی ٹی بی ٹی پر فوراً دستخط کریں۔ ہم سے کہا جا رہا ہے کہ تمہارے دل میں یہ کیا خناس آیا ہے کہ تم نیو کلیئر پاور بننا چاہتے ہو؟ کھانے کو تمہارے پاس دانے نہیں ہیں، تمہاری معیشت کا دیوالیہ نکل چکا ہے، یہ تو ہم نے تمہیں سپورٹ دے کر زندہ رکھا ہوا ہے۔ جیسے لائف سپورٹس ہوتی ہیں کہ مریض پڑا ہوا ہے، اس کی اصل میں تو موت واقع ہو چکی ہے، لیکن یہ کہ مختلف نالیاں لگی ہوئی ہیں، دل کے اندر پیس میکر بھی لگا ہوا ہے جو دل کو دھکے دے دے کر چلا رہا ہے، آکسیجن بھی لگی ہوئی ہے۔ یہی تمہارا معاملہ ہے۔

● جہادی تنظیموں کو کچل ڈالیں۔ اس ضمن میں ہماری حکومت نے ذرا جرأت مندانہ بات کی تھی کی یہ جہادی تنظیمیں تم نے خود پیدا کی ہیں، جہادِ افغانستان کے ذریعے یہ جہادی تحریکیں برپا کی ہیں، تم نے خود ان کو دودھ پلا کر پروان چڑھایا ہے۔ لیکن اب کیا ہو گا، میں کچھ نہیں کہہ سکتا اور کہنا بھی نہیں چاہتا، اس لئے کہ ہم نے یہ طے کر رکھا ہے کہ ہم اپنے ان اجتماعات میں وقتی سیاست پر بحث نہیں کریں گے۔

● طالبان سے تمام روابط ختم کر دیں۔ طالبان کے گھیراؤ کیلئے امریکہ نے جو سکیم تیار کی ہے اسکے اندر اس کا ساتھ دیں اور اُسامہ بن لادن کو پکڑنے میں ذریعہ بنیں۔

● دینی مدارس پر کریک ڈاؤن کیا جائے۔ اوّل تو انہیں ختم کرو۔ علیحدہ دینی مدارس دُنیا میں اور کہاں ہیں؟ ترکی سے لے کر سعودی عرب تک کہیں بھی آزاد دینی مدارس نہیں ہیں۔ یہ سارے حکومت کے تحت ہونے چاہئیں۔ اور یہ خطیب حضرات جو چاہتے ہیں جمعہ کے خطبات میں کہہ دیتے ہیں، انہیں کنٹرول کرو۔ کیا ترکی یا سعودی عرب

میں مسجد کا خطیب جو چاہے کہہ سکتا ہے؟ دینی مدارس کو ختم کرکے دینی تعلیمات کو کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل کردو۔ اسلامیات کا ایک مضمون تم نے پہلے رکھا ہوا ہے' کچھ مزید رکھ لو۔ ایک خاص سطح سے آگے جا کر میڈیکل کالج کی طرح ایک علیحدہ شریعت کالج بنالو' جیسے سعودی عرب میں ہے' لیکن سکول کی تعلیم بالکل مشترکہ ہے' تمام جدید و قدیم علوم پڑھائے جارہے ہیں۔ لیکن دینی مدارس کی یہ شکل' جو خاص طور پر پاکستان اور ایران میں ہے' یہ ہمارے لئے ناقابل قبول ہے کہ یہاں دینی مدارس آزاد ہیں۔ واضح رہے کہ انگریز کے دَورِ حکومت میں بھی ایران اور ہندوستان کے دینی مدارس بالکل intact رہے تھے۔ ایران میں تو انگریز کی براہِ راست حکومت نہیں رہی' لیکن ہندوستان پر تاجِ برطانیہ کی حکومت کے دوران بھی دارالعلوم دیوبند انگریز کی ہر طرح کی مداخلت سے محفوظ رہا۔ بہرحال اب ہم سے مطالبہ ہو گا کہ ان مدارس کو ختم کرو۔

۸ ورلڈ بینک' IMF' WTO اور TRIPS کے تمام تقاضوں کو پورا کریں۔ یعنی اپنے عوام کا خون نچوڑو' انہیں کولہو کے اندر پیلو' اور خون نکال کر ان کے ہاں پیش کر دو۔ TRIPS کا نام شاید آپ نے پہلے بھی سنا ہو گا۔ میرے علم میں یہ بات حال ہی میں آئی ہے کہ یہ "ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن" (W.T.O.) کا ایک اور ذیلی معاہدہ ہے کہ دُنیا میں بیج کی تقسیم کا کام صرف ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے ہو۔ اس معاہدے کے تحت کسی ملک کے شہری یا کاشتکار اپنے پاس بیج نہیں رکھ سکیں گے' یہ قانوناً جرم ہو گا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ وہ یہ کہتے ہیں کہ مختلف اجناس کے اندر ہم نے genetic development کی ہے' جس سے اجناس کی نئی نئی شکلیں پیدا ہوئی ہیں' جس سے پیداوار زیادہ ہوتی ہے۔ اس کا اب جو ادارہ قائم ہو رہا ہے وہ TRIPS ہے۔ یعنی (Trader Related Intellectual Property Rights)۔ ان کا کہنا ہے کہ اس بیج پر ہم نے کام کیا ہے' ہم نے ریسرچ کی ہے' یہ ہم نے develop کئے ہیں' لہٰذا ان کے اوپر ہمیں نفع ملنا چاہئے' بیج صرف ہم پیدا کریں گے' کوئی ملک جو WTO کے تحت آ جائے گا وہ اپنا بیج پیدا نہیں کر سکے گا' نہ ہی کوئی کاشتکار اپنے پاس بیج رکھ سکے گا۔ یہ ہے وہ

معاہدہ جس کے خلاف ہمارے ملک میں "دُنیائے اسلام بیداری کونسل" کے نام سے تحریک چلی ہے اور انہوں نے ایک سیمینار بھی منعقد کیا ہے۔ یہ گلوبلائزیشن کا چوتھا ادارہ ہے۔ اس گلوبلائزیشن کو اب پوری دُنیا میں "گوبولائزیشن" کہا جا رہا ہے کہ ہم پوری دُنیا کی معیشت کو ہڑپ کر جائیں' باقی سب ہمارے رحم و کرم پر رہ جائیں' ہماری ملٹی نیشنلز ہوں گی' انہی کی حکومتیں ہوں گی' انہی کے ملازم ہوں گے۔ پاکستان کا عام آدمی ہو یا ہندوستان کا یا کسی اور ملک کا' وہ ورکر ہو گا' اسے تو معمولی روزینہ دیں گے' باقی ان میں کچھ ذہین لوگ ہوں گے تو انہیں ہم مینیجرز بنا لیں گے' ایگزیکٹوز میں لے آئیں گے' انہیں لاکھوں کی تنخواہ بھی دے دیں گے' لیکن یہ کہ بہرحال ان سے خرچ بھی سارا ہی کرا لیں گے اور consumerism کے تحت واپس بھی ہم لے لیں گے۔ بس یہ نظام پوری دُنیا کے اندر ہو گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آزادی تجارت ختم۔ اس پر بھی آزادی ختم کہ آپ درآمدات پر کوئی قدغن لگا سکیں یا کوئی ٹیکس عائد کر سکیں۔ اس کے ساتھ آپ کی لوکل انڈسٹری بھی ختم۔ اب آپ کو ہماری ملٹی نیشنل کمپنیوں کے لئے سارے دروازے کھول دینے ہوں گے۔ اور اب تو زراعت کو بھی پورے طور پر اپنے شکنجے میں لینے کے لئے TRIPS بنا لیا ہے کہ ہم نے ان بیجوں کو develop کیا ہے' ہمیں ان سے نفع ہونا چاہئے۔ یہ اس وقت پوری دُنیا میں ہو رہا ہے۔

⑨ بھارت کو سیدھے سیدھے علاقائی سپرپاور کی حیثیت سے تسلیم کریں اور اس کے سامنے سر جھکائیں۔ اپنے ذہن سے بھارت کا مدمقابل ہونے کا خناس نکال دیں اور صرف دس گنا بڑا نیپال بننے کے لئے تیار ہو جائیں۔ ہم سے کہا جائے گا کہ تمہارے اور نیپال میں اتنا ہی فرق ہے کہ تمہارا رقبہ اس سے دس گنا ہے۔ باقی جس طرح وہ بھارت کا تابع مہمل ہے اسی طرح تم بھی ہو جاؤ۔

⑩ یورپی اور بھارتی ثقافتی یلغار کے لئے اپنے دروازے کھول دیں۔ اور مساواتِ نسواں (Femininism) جس کے دو بڑے لینڈ مارکس قاہرہ کانفرنس اور بیجنگ کانفرنس ہیں' اس کے فروغ کی خاطر NGOs کے لئے میدان خالی کر دیں کہ وہ جس طرح چاہیں اس معاشرے کے اندر سے عائلی نظام کے خاتمے کا معاملہ کریں۔

ان دس نکات کو اگر ہم تسلیم کرلیں تو ہمیں امریکی پشت پناہی حاصل رہے گی' ہمیں IMF کی قسطیں ملتی رہیں گی اور ہمارے قرضوں کی ری شیڈولنگ ہوتی رہے گی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی بحران کے وقت ہمیں bail out کرنے کے لئے کوئی اور قدم اس سے بڑھ کر بھی اٹھالیا جائے' بشرطیکہ ہم یہ راستہ اختیار کریں۔

## دوسرا متبادل راستہ

اس کے برعکس دوسرا راستہ کیا ہے' اس کے بھی دس نکات ہیں :

● سب سے پہلی بات یہ کہ اپنے قیام کی وجہ جواز اور اپنی نظریاتی اساس سے از سرنو وابستگی اختیار کی جائے' اور ہم پوری دنیا میں اس نظریئے اور نظام کے علم بردار بن کر داعی کی حیثیت سے کھڑے ہو جائیں۔ اس لئے کہ داعی کے اندر جو طاقت ہوتی ہے وہ عام Passive آدمی کے اندر نہیں ہوتی۔ یہ مسلمہ اصول ہے کہ (offense is the best defence) جس طرح کبھی U.S.S.R کیونزم کا علمبردار تھا' کیونزم کو سپورٹ کر رہا تھا' اسے ہر طرح کی امداد دے رہا تھا اور اپنے ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے اس کی تشہیر کر رہا تھا اسی طرح پاکستان اپنی وجہ جواز یعنی اسلام اور اپنی نظریاتی اساس سے نہ صرف یہ کہ خود اپنے ذاتی تعلق کو از سرنو محکم اور استوار کرے بلکہ اس کا عالمی سطح پر داعی بن کر کھڑا ہو جائے۔

● پوری دنیا سے isolate ہونے کے خطرے کو ذہناً قبول کرتے ہوئے توبہ اور انابت کے ذریعے اپنا رشتہ صرف اللہ رب العزت سے استوار کیا جائے۔ اِس وقت بظاہر ہمیں ایک سہارا نظر آ رہا ہے کہ ہم چائنا کی طرف دیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے چیف ایگزیکٹو اس وقت جنوبی ایشیا کے دورے پر نکلے ہوئے ہیں' وہ کسی سائے کی تلاش میں ہیں کہ کہیں سے کوئی سایہ اور مدد ملے۔ اور یہ سایہ سوائے اللہ کے کہیں سے نہیں ملے گا۔ جس طرح قیامت کے دن سوائے اس کے سائے کے کوئی سایہ نہ ہو گا (اَلْیَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ) بالکل وہی معاملہ اس وقت پاکستان کے لئے ہو چکا ہے کہ اس کے لئے اللہ کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے لئے ہمیں ﴿وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا﴾ کے مصداق سب سے کٹ

کرisolateہونا ہوگا اور اس کے لئے ذہناً تیار ہونا ہوگا کہ ؎

کیا ڈر ہے کہ اگر ساری خدائی ہے مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے!

اگر ہم اللہ کی طرف رجوع کریں' ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا﴾ کے مصداق توبہ اور انابت کا راستہ اختیار کریں اور اس طرح اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کرلیں تو واقعتاً اللہ کی مدد ہمارے شامل حال ہوگی۔

● شریعت اسلامی کے عملی نفاذ کے عمل کو تیز رفتاری سے بروئے کار لایا جائے۔ اس ضمن میں اسلامی نظریاتی کونسل کے ذریعے بہت کام ہوا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل اتنے عرصے سے کام کر رہی ہے اور اس پر کروڑوں روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ اس میں تمام مکاتب فکر کے چوٹی کے علماء شریک رہے ہیں اور انہوں نے خاصا کام کیا ہے جو سفارشات کی صورت میں موجود ہے۔ صرف اس کے نفاذ کا مرحلہ باقی ہے۔ اسی طرح نواز شریف صاحب کے پہلے دورِ حکومت کے دوران مولانا عبد الستار نیازی وزیر امورِ مذہبی تھے۔ انہوں نے اس دور میں بہت سی کمیٹیاں بنائیں' جن میں تمام فرقوں اور مسلکوں کو نمائندگی دے کر بہت سی سفارشات تیار کرائیں کہ پولیس میں اصلاحات اس طرح ہوں گی' عدلیہ میں اس طرح ہوں گی' وغیرہ وغیرہ۔ سارا کام کیا ہوا ہے' مسئلہ صرف یہ ہے کہ اس کو نافذ کیا جائے۔

● اندرونی اور بیرونی طور پر سود کو فوراً ختم کیا جائے' اس لئے کہ ہماری معیشت اس کے بغیر مستحکم ہو ہی نہیں سکتی' چاہے ہم کتنا ہی زور لگالیں' چاہے ورلڈ بینک سے شوکت عزیز صاحب آجائیں یا معین قریشی آجائیں۔ ہمارے بجٹ کا سب سے بڑا حصہ تو سود میں نکل جاتا ہے' لہٰذا بات آگے کیسے بڑھے گی۔ چنانچہ اگر آپ کو بحالی معیشت کے لئے قدم اٹھانا ہے تو سود کا خاتمہ لازمی ہے' اس کو ختم کرکے ہی آپ اپنے بجٹ کو کچھ نہ کچھ متوازن کرکے ملکی معیشت کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں اندرونی طور پر تو کوئی رکاوٹ ہے ہی نہیں۔ بیرونی طور پر لوگوں کے ذہنوں میں ایک بات آتی ہوگی کہ ہم نے دوسرے ملکوں سے سودی معاہدے کئے ہوئے ہیں' ہم یک طرفہ

(unilateral) طور پر تو ان کو ختم نہیں کر سکتے' لہٰذا ہمیں ان معاہدوں کی پابندی کرنی پڑے گی۔ مَیں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ ہمارے ساتھ F-16 طیاروں کا جو معاملہ ہوا وہ کون سے اصول کے تحت ہوا؟ وہ معاملہ یک طرفہ تھا کہ نہیں؟ کیا ہمارے ساتھ طیاروں کی فروخت کا معاہدہ نہیں ہوا تھا؟ پھر ہم نے تو ان کے پیسے بھی ادا کر دیئے تھے۔ یہ تو بیع سلم ہے اور ہماری شریعت کی رو سے اس کی پابندی تو فرض عین کے درجے میں ہے' لیکن یہ کہ ہمارے خلاف یک طرفہ فیصلہ کیا گیا۔ ہمارے پیسے بھی روک لئے گئے' ہمارے جہاز جو اصولی طور پر ہمارے ہو چکے تھے وہ deliver نہیں کئے جا رہے تھے' اس بناء پر ان کے ہینگرز میں کھڑے تھے تو ہم سے ان کے کرائے کا مطالبہ بھی کیا جا رہا تھا' اور ڈیمرج بھی طلب کیا جا رہا تھا۔ کیا یہ دو طرفہ (bilateral) معاملہ تھا؟ ان کے ایک سینیٹر پریسلر نے سینٹ سے ایک ترمیم منظور کروالی جس کی بنیاد پر یہ سارا معاملہ یک طرفہ طور پر کیا گیا کہ کیا کریں جی' ہمارے سینیٹر نے یہ ترمیم منظور کرالی ہے! ہم ان سے ڈنکے کی چوٹ کہہ سکتے ہیں کہ سودی لین دین ہمارے اللہ نے حرام کیا ہوا ہے۔ اور اب تو ہماری سپریم کورٹ کا شریعت اپیلیٹ بینچ یہ فیصلہ کر چکا ہے' لہٰذا ہم سود نہیں دے سکتے' یہ حرام ہے' باقی رہا اصل قرضہ تو وہ ہم اپنی سہولت سے دیں گے' یا یہ کہ Debt-Equity Swap جیسے معاملات دنیا میں ہوتے ہیں' اس کی بہت سی شکلیں ہو سکتی ہیں' یہ ٹیکنیکل ایشو ہے' لیکن اس کی ایک شکل جو ہم کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم سے پاکستانی کرنسی میں اپنا قرض واپس لیجئے' اسے یہاں invest کیجئے' پھر جو نفع ہو اسے آپ ڈالر میں لے جائیں' اس کی ہم اجازت دیں گے' تاکہ ہماری معیشت کو بھی تو کوئی نہ کوئی سپورٹ ملے۔ بہر حال اندرونی اور بیرونی قرضوں پر سود کی ادائیگی فی الفور ختم کی جائے۔

۵ بیرونی اعتبار سے چین کی طرف سے دوستی کی پیشکش کا خیر مقدم کیا جائے۔

ابھی کل جنگ کی خبر تھی کہ آئندہ چند مہینوں میں چائنا کے مختلف وفود پاکستان آنے والے ہیں۔ کلنٹن کے حالیہ دورۂ بھارت کا جو انداز رہا ہے اس پر چین نے اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے کہ یہ کہیں اس کے خلاف کوئی گٹھ جوڑ تو نہیں ہو رہا۔ کلنٹن نے بھارت کے ساتھ دوستی اور خیر سگالی کے جذبات جس طرح ظاہر کئے ہیں کہ وہاں ہولی بھی کھیلی ہے'

راجستھانی عورتوں کے ساتھ ناچ بھی ناچا ہے اور وہاں کی پارلیمنٹ میں بھیگی بلی بنے رہے ہیں' یہ جو کیفیت ہے چائنا نے اس کا نوٹس لیا ہے۔ اور چائنا کی طرف سے ردعمل کا اظہار ہمارے لئے فوری طور پر خوش آئند ہے۔ بلکہ مجھے ایک صاحب نے بتایا ہے کہ چینی حکومت کے کسی اعلیٰ عہدیدار نے کہا ہے کہ ہم پاکستان کے ساتھ دفاعی معاہدہ کرنے کیلئے بھی تیار ہیں۔ اگر یہ بات کہی گئی ہے تو ہمیں آگے بڑھ کر چین کا ہاتھ تھامنا چاہئے اور فوری طور پر یہ کام کرنا چاہئے۔ یہ دنیوی اعتبار سے بظاہر ایک سہارا ہے' اگرچہ یہ سہارا ابھی ہمیشہ نہیں رہے گا' اسلئے کہ آپ کو معلوم ہے کہ ماضی قریب میں روس اور چین نے چیچنیا کے معاملے میں ایک دوسرے سے معانقہ کر کے پوری دنیا کو یہ اعلان سنایا ہے کہ ہمارے اندرونی معاملات میں اگر کسی نے دخل دیا تو ہم ایٹمی ہتھیار استعمال کریں گے۔ مَیں نے تو وہ منظر بی بی سی کے پروگرام میں ٹی وی پر دیکھ لیا تھا' واقعتاً دو ریچھ نظر آ رہے تھے جو ایک دوسرے کے ساتھ گلے مل رہے ہوں۔ ایک طرف بورس یلسن تھے' جن سے ویسے تو چلا بھی نہیں جا رہا تھا' لڑکھڑا بھی رہے تھے' لیکن اتنا لمبا سفر کر کے بیجنگ آئے تھے۔ دوسری طرف چیانگ زیمن تھے۔ ان دو ریچھوں نے اعلان کر دیا تھا کہ چیچنیا کا معاملہ روس کا داخلی معاملہ ہے اور اس میں مداخلت کی صورت میں کھلم کھلا ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کی دھمکی دی تھی۔ اور اب چائنا اور روس کا ایک اور نیا معاہدہ طالبان کے خلاف ہوا ہے۔ اسلئے کہ ان دونوں کو مسلمانوں کی احیائی تحریکوں سے شدید خطرہ ہے۔ تقریباً پانچ کروڑ مسلمان سنکیانگ کے اندر آباد ہیں اور وہاں بھی احیائی تحریک اُٹھ رہی ہے۔ آج پوری دنیا میں احیائی تحریکیں ہیں تو کیسے ہو سکتا ہے کہ وہاں نہ ہو؟ کیونکہ آج تو کہیں آہنی پردہ موجود نہیں ہے۔ سنکیانگ کے طلبہ یہاں تعلیم حاصل کرنے آئے تھے' لیکن پاکستان کی حکومت نے ان کو بالجبر چینی حکومت کے حوالے کیا اور ان کو جاتے ہی گولی مار دی گئی۔ چین اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ افغانستان کی ایک انگلی واخان کی پٹی کی صورت میں عین چین کی سرحد پر رکھی ہوئی ہے' جو کہ سنکیانگ کے اوپر مس کر رہی ہے۔ لہٰذا وہ تو دور کی سوچتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ چین کے ساتھ بھی ہمارا کوئی پائیدار اتحاد ممکن نہیں ہے' تاہم وقتی طور پر جو بھی ممکن ہو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

● طالبان سے نہ صرف مکمل یک جہتی ہو بلکہ پاکستان اور افغانستان کا کنفیڈریشن عمل میں آئے' جس پر میں پہلے بھی گفتگو کر چکا ہوں۔ یہ ہمارے لئے بہت ضروری ہے۔

● ایران سے جتنی بھی ممکن ہو مفاہمت اور understanding بڑھائی جائے۔ اس ضمن میں ایران کا جو مطالبہ رہا ہے' جسے ہم نے اب پورا کیا ہے' میں اس کی تائید کرتا ہوں کہ اس کا تیل اگر پائپ لائن کے ذریعے پاکستان سے گزر کر بھارت جاتا ہے تو ہمیں اس کے مفاد کی راہ میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہئے۔ آخر ایران ہمارا دوست ہے۔ بالآخر ہم تینوں ملک پاکستان' ایران اور افغانستان مل کر ہی درحقیقت نیو ورلڈ آرڈر کی یلغار کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ یہی وہ آخری چٹان ہے جو اس یلغار کے مقابلے میں کھڑی ہو سکتی ہے۔

● عالمی مالیاتی اداروں اور مغربی ممالک کی طرف سے عائد کی جانے والی پابندیوں کے لئے پوری طرح تیار ہو جائیں۔ قرآن حکیم نے ہمیں پہلے ہی سے آگاہ کر دیا ہے :

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ (البقرة ۰ ۱۵۵)

"ہم انہیں لازماً آزما کر رہیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے' اور مال' جان کے نقصان اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے۔ اور (اے نبیؐ) صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیں۔"

اگر یہ راستہ اختیار کیا تو یہ وقت آئے گا اور فوراً آئے گا۔ ہمیں اپنے کمر بند کسنے پڑیں گے' اپنی بیلٹ تنگ کرنی پڑے گی' دو وقت کی بجائے ایک وقت کھانے پر گزارا کرنا پڑے گا۔ جیسے ہمارے ایک سابق وزیر اعظم نے کہا تھا کہ ہم گھاس کھالیں گے' لیکن ایٹم بم بنائیں گے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ایٹم بم تو گھاس کھائے بغیر ہی بن گیا' اس کی نوبت نہیں آئی' جو بھی خارجی حالات رہے' افغان جہاد میں پاکستان کے کردار کے باعث امریکہ نے چشم پوشی کئے رکھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ کام ہو گیا' لیکن ظاہر بات ہے کہ اگر ہم یہ راستہ اختیار کرتے ہیں تو وہ چیلنج جو ۱۹۴۷ء میں صرف بالقوۃ (in potential) تھا اب ایک

حقیقی چیلنج ہو گا۔ لہٰذا ہمیں مغربی طاقتوں کی یلغار کے لئے اور ان کی پابندیوں کے لئے تیار رہنا ہو گا۔

● نیوکلیئر پروگرام کو نہ صرف یہ کہ برقرار رکھا جائے بلکہ جتنا بھی ممکن ہو مزید develop کیا جائے۔ حکمِ خداوندی ہے : ﴿ اَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ... ﴾

● اپنی اس نیوکلیائی صلاحیت کو دیگر مسلمان ممالک کے ہاتھ فروخت کیا جائے۔ کسی مسلمان ملک کو اللہ نے تیل دیا ہے تو ہم اس سے تیل خریدنے پر مجبور ہیں' اسی طرح اگر اللہ نے ہمیں یہ صلاحیت دی ہے تو ہمیں اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے۔ یہ ہیں اس راستے کے دس نشانات۔ پہلے راستے کے دس نشانات بھی میں آپ کے سامنے رکھ چکا ہوں۔

## یاچناں کن یاچنیں!

دیکھئے! ان دو راستوں میں سے پہلا راستہ بہت آسان ہے' تن آسانی پر مبنی ہے۔ ان کی بات مان لی جائے تو وہ کچھ نہ کچھ مدد جاری رکھیں گے' ان کا تعاون ہمیں حاصل رہے گا۔ دوسرا راستہ بہت کٹھن' بہت مشکل اور صبر آزما ہے۔ بلکہ علامہ اقبال نے اسلام کے سماجی نظام کے بارے میں جو الفاظ کہے ہیں کہ ؏ "حافظِ ناموسِ زن' مرد آزما' مرد آفریں!" ان کے مصداق یہ مردانگی کے امتحان کا معاملہ ہے۔ اس کو میں جدید اور عام اصطلاحات کے حوالے سے عرض کروں گا۔ پہلے راستے کو اگر ہم حقیقت پسندی (realism) اور واقعیت پسندی (pragmatism) کا نام دے لیں تو دوسرے راستے کو ہم "idealism" کہیں گے' اس لئے کہ مملکت خداداد پاکستان ایک نظریاتی ریاست (idealogical state) ہے۔ اور وہ چیزیں کہ جو ہمارے سامنے ہیں' جو ہمیں اختیار کرنی ہیں' وہ بھی ہمارے ideas اور ideals کے اعتبار سے ہیں۔

اس حوالے سے دنیا میں ہمیشہ دو فلسفے رہے ہیں' ایک فلسفہ یہ ہے کہ ؏ "چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی!" یا بالفاظ دیگر ؏ "زمانہ باتو نسازد تو بازمانہ بساز!" یعنی اگر

زمانہ تمہارے ساتھ سازگاری اختیار نہیں کرتا تو تم زمانے کے ساتھ سازگاری اختیار کر لو۔ امریکہ نے آنکھیں پھیرلی ہیں تو تم ادھر کے ہو جاؤ جدھر امریکہ چاہتا ہے۔ ابھی تک اس کے گھڑے کی مچھلی بنے ہوئے تھے' اب بھی اس کے گھڑے کی مچھلی بنے رہو۔ اور جو کچھ وہ چاہتا ہے کہ بھارت کے سامنے سر جھکا دو' اس کے مال کے لئے اپنی منڈیاں کھول دو اور ایک دس گنا بڑے نیپال کی حیثیت اختیار کرلو' اس میں آسانی بھی ہے اور آسودگی بھی۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ "زمانہ باتو نسازد تو بازمانہ ستیز!" کہ اگر زمانہ تم سے سازگاری نہیں کرتا تو تم زمانے سے لڑو! ؎

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے!

دیکھئے! اس وقت ہمارے ہاں جتنے دانش ور ہیں' جو حقیقت پسند (Realist) اور واقعیت پسند ہیں' حالات کو دیکھتے ہیں اور حالات کے تقاضوں کے مطابق مشورہ دیتے ہیں' وہ ٹی وی کے دانش ور ہوں' کالم نویس ہوں' صحافی ہوں یا ہماری عام سیاسی پارٹیوں سے وابستہ افراد ہوں' وہ تو اسی Realism کی طرف جا رہے ہیں اور پوری قوم کو اسی کا سبق پڑھا رہے ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ان کی باتوں میں وزن ہے' وہ کوئی ہوائی باتیں نہیں کر رہے' حقائق بیان کر رہے ہیں۔ واقعیت پسندی کا تقاضا یہی ہے جو میں نے پہلا راستہ بیان کیا ہے۔ اور یہ جو دوسرا راستہ ہے یہ Idealism ہے' جو بالکل دوسری شے ہے' اس کا تعلق نہ صرف ہمارے دین سے اور ہماری آخرت سے ہے بلکہ اس کا تعلق پاکستان کے ماضی سے ہے' پاکستان کے Genesis سے ہے' ان پیشین گوئیوں سے ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے کی ہیں۔

## زمینی حقائق

جہاں تک زمینی حقائق کا تعلق ہے وہ بالکل برعکس ہیں۔

(۱) بھارت بہت بڑا ملک ہے۔ ہم بمشکل اس کا آٹھواں حصہ ہوں گے' بلکہ شاید آپ کے علم میں نہ ہو' بھارت کی صرف ایک ریاست U.P جس کے initial نہیں

بدلے 'پہلے United Provinces کہلاتے تھے' اب وہ اتر پردیش ہے' یہ آبادی کے لحاظ سے تقریباً پورے پاکستان کے برابر ہے' اگرچہ رقبہ پاکستان کا بڑا ہے' لیکن اصلاً آپ بھارت کی ایک ریاست کے مساوی ہیں۔

(۲) بھارت کی سیاست نہایت مستحکم ہے۔ ہماری سیاست کی گاڑی تو ہچکولے کھاتی ہوئی چلی ہے۔ شروع میں پنڈت نہرو نے طنز کیا تھا کہ مجھ سے کہا جاتا ہے کہ پاکستان سے بات کرو' لیکن میں کس سے بات کروں؟ میں ایک ہفتے میں اتنے کپڑے نہیں بدلتا جتنی وہاں وزارتیں بدل جاتی ہیں۔ یہ کس قدر گہرا طنز ہے! یہ وہ دور تھا کہ کبھی محمد علی بوگرا وزیراعظم بنا دیئے گئے تو کبھی چوہدری محمد علی صاحب آ گئے۔ کبھی پنجاب سے کوئی وزیراعظم آ گئے تو کبھی کوئی بنگالی وزیراعظم امریکہ سے درآمد کر لئے گئے' جنہیں کوئی جانتا تک نہیں تھا کہ وہ وزیراعظم ہوں گے۔ ہمارے ہاں تو یہ کھیل کھیلے جاتے رہے ہیں۔ اس کے بعد مارشل لاء آیا' پھر بیوروکریسی' سیاست دان اور وڈیرے آ گئے' وہ ہٹے تو پھر مارشل لاء آ گیا۔ ہمارے ہاں کوئی مستحکم سیاست ہے ہی نہیں۔

(۳) صرف سیاست ہی کیا انڈیا کے سارے ادارے نہایت مستحکم ہیں۔ عدلیہ' پریس' ذرائع ابلاغ اور سیاسی پارٹیاں نہایت مستحکم ہیں۔ ہمارے ہاں کوئی ادارہ بچا ہی نہیں' سب کے سب شکست و ریخت کا شکار ہیں اور ختم ہو چکے ہیں۔

(۴) بھارت کی معیشت نہایت مستحکم ہے۔ اس سلسلے میں مَیں آپ کو یاد دلاتا ہوں' آج سے پانچ چھ سال پرانی بات ہے' جنرل اسلم بیگ صاحب جو ہمارے آرمی چیف بھی رہے ہیں' انہوں نے آواری ہوٹل میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا : مقبوضہ کشمیر میں قابض بھارتی فوج پانچ لاکھ ہے' اور میں ٹیکنیکلی یہ جانتا ہوں' مجھے فوجی امور کا جو بھی علم ہے مَیں اس کی بناء پر یہ جانتا ہوں کہ جب اتنی بڑی فوج کسی جگہ پر قبضے کے سلسلے میں مصروف ہو جائے تو ملک بیٹھ جاتا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں' اس لئے کہ کوئی ملک معاشی اعتبار سے اتنا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا۔ گویا انہوں نے نوید سنائی تھی کہ ہندوستان کے ٹکڑے ہوا چاہتے ہیں۔ اس بات کو کئی سال بیت چکے ہیں' فوج پانچ لاکھ کی بجائے سات لاکھ ہو چکی ہے' لیکن ٹوٹ پھوٹ کے کہیں کوئی آثار نہیں۔ ان کی

قوتِ ارادی مضبوط ہے۔ ہمارے لال بجھکڑ جو ہیں ان سب کی باتیں اور اندازے غلط ثابت ہو رہے ہیں۔ یہ ہمیشہ یہی کہتے رہے ہیں کہ اب ہندوستان کے ٹکڑے ہوئے کہ ہوئے' لیکن آج تک تو وہاں اس کی کوئی شکل پیدا نہیں ہوئی۔ وہاں پر ہر چیز دستوری طور پر طے ہو جاتی ہے۔ اس کی معیشت پر اس قدر بڑا بوجھ ہے کہ سات لاکھ فوج کشمیر میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے اور اس کی معیشت اس کو برداشت کر رہی ہے۔

⑤ ہم اس پر بڑا فخر کرتے ہیں کہ ہمارے پاس ایٹمی صلاحیت موجود ہے' لیکن بھارت اس میدان میں آپ سے چوتھائی صدی آگے ہے۔ اس نے پہلا ایٹمی دھماکہ ۱۹۷۴ء میں کیا تھا۔ آپ نے تو اس کے چوبیس برس بعد ۱۹۹۸ء میں پہلا دھماکہ کیا ہے' جبکہ اس نے دوسرا دھماکہ کیا ہے۔ چنانچہ اس اعتبار سے بھی بھارت آپ سے بہت آگے ہے۔

⑥ تہذیبی اعتبار سے وہ پوری دنیا کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ وہی سیکولرزم' لبرلزم' وہی آزاد سوسائٹی' وہی اباحیت پسندی (Permissivie Hedonism)' بے پردگی' عریانی و فحاشی۔ ان کی تو ہر شے وہی ہے' لہٰذا انہیں تو آپس میں مغائرت کا کوئی احساس ہی نہیں ہوتا۔ کلنٹن صاحب آئے ہیں تو ایسے محسوس ہوا جیسے اپنے گھر میں گھوم رہے ہوں۔ تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے ان میں کوئی خاص فرق ہی نہیں۔ پھر جاگیرداری کا انہوں نے پہلے دن ہی خاتمہ کر دیا تھا' اور ان کی سیاست کے استحکام کا یہی راز ہے۔

⑦ بھارت میں صوبوں کی تشکیل نو کی جا چکی ہے' جبکہ ہمارے ہاں صوبہ پرستی کی لعنت موجود ہے۔ تقسیم ہند کے بعد وہاں کتنے ہی نئے صوبے بنے ہیں! جو بھی حالات کا تقاضا ہے اس کے مطابق صوبے تقسیم ہوئے ہیں۔ ہم ۱۹۴۷ء میں جو مشرقی پنجاب چھوڑ کر آئے تھے وہ اس مغربی پنجاب سے جو پاکستان میں آیا ہے' چھوٹا تھا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ شاید پنجاب کے ۳۱ اضلاع ہوتے تھے' جن میں سے ۱۷ مغربی پنجاب میں آئے تھے اور ۱۴ ہندوستانی پنجاب میں گئے تھے۔ وہاں ان چودہ' اضلاع کی تین ریاستیں بن چکی ہیں' ہماچل پردیش' پنجاب اور ہریانہ' جبکہ ہمارے ہاں تو معلوم ہوتا ہے کہ شاید صوبہ آسمان سے نازل ہوا ہے۔ آج بھی ہماری حکومت کو ضلعی حکومت لانے کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ دیکھئے' یہ کبھی نہ سمجھئے گا کہ صوبائی خود مختاری میں دخل اندازی ہو گی' صوبے کی پرستش

جوں کی توں برقرار رہے گی۔

## حقیقت پسندی کا تقاضا اور اس کا انجام

ان حالات میں حقیقت پسندی اور واقعیت پسندی کا تقاضا واقعتاً یہی ہے کہ پہلا راستہ اختیار کر لیا جائے۔ یعنی امریکہ اور بھارت کے سامنے سر جھکا دیا جائے' اپنے ماضی اور کشمیر کو فراموش کر دیا جائے۔ یہ خیال کہ ہمارے کاندھوں پر کوئی خدائی مشن کی تکمیل کی ذمہ داری ہے' ذہن سے نکال دیا جائے۔ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی خدائی تدبیر کے اندر پاکستان کی کوئی حیثیت ہے' ان سب چیزوں کو بھی بھلا دیا جائے۔ زمینی حقائق' واقعیت پسندی اور realism کو سامنے رکھیں گے تو یہ راستہ سامنے آئے گا۔ لیکن اس کا منطقی نتیجہ کیا ہو گا؟ ـــــ کہ ابتداءً پاکستان معنوی طور پر ختم ہو جائے گا اور کچھ ہی عرصے کے بعد یہ دنیا کے نقشے سے بھی ختم ہو جائے گا' اس لئے کہ بھارت کے سامنے سر جھکا دینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ان کا جو اکھنڈ بھارت کا خواب ہے اس کے لئے ہم نے لائن کلیئر دے دی ہے۔ اس راستے پر چلنے کا منطقی نتیجہ یہی نکلے گا۔ اس لئے کہ ان کا معین ہدف (declared goal) ہی یہ ہے اور یہ چیز انہوں نے خفیہ نہیں رکھی ہے' بلکہ راشٹریہ سیوک سنگھ (R.S.S)' بھارتیہ جنتا پارٹی (B.J.P) اور وشوا ہندو پریشد (V.H.P) یہ سب گروپ اسی مقصد کے لئے کام کر رہے ہیں۔ ان کا اس پر ایمان ہے کہ مہا بھارت کی "پوتر" (پاک) سرزمین کو اسلام اور مسلمانوں کے "ناپاک" وجود سے ختم کرنا ہے۔

ان دو راستوں میں سے ایک کا انتخاب ہمارے لئے ایسا ہی ہے جیسے کبھی ٹیپو سلطان نے کہا تھا کہ "گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے"۔ پاکستان اگر اس دوسرے راستے کو اختیار کرے تو شاید نہیں بلکہ واقعتاً اللہ کی مدد آئے گی' لیکن اس وقت ہمارے ہاں جو صورتِ حال ہے اس اعتبار سے میں چاہتا ہوں کہ حقیقت پسند ہو کر بات کروں۔

اس وقت اس ملک میں اس دوسرے راستے پر چلنے کے کوئی آثار موجود نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کے سیاسی' ریاستی' نوکرشاہی اور ملٹری کے ایلیٹ طبقات اس راستے کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہیں۔ یہ لوگ مغربی تہذیب اور مغربی نظریات کے دلدادہ ہیں۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا' رہن سہن' طور اطوار اور عادات' غرض ہر شے مغربی تہذیب کے اندر رنگی ہوئی ہے۔ لہٰذا یہاں کوئی بھی عام سیاسی حکومت اس راستے کو اختیار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ مَیں تو ایک اصولی بات کہہ رہا ہوں کہ جب تک کہ کسی انقلابی عمل کے ذریعے سے انقلابی قیادت سامنے نہیں آتی یہ راستہ اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ عزیمت و حکمت کا راستہ ہے' یہ "ہرچہ بادا باد" والا راستہ ہے۔ یہ راستہ ہے کہ جس پر چلنے والوں کو قرآن حکیم ﴿ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ کی بشارت دیتا ہے۔ اس راستے پر چلنے کے لئے قوم کو تیار کیا جانا ضروری ہے۔

دوسرے یہ کہ دینی اور مذہبی جماعتوں میں سے بھی کوئی اس راستے کی طرف آنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ وہ اپنے مذہبی اور فروعی اختلافات نہیں چھوڑ سکتے' اپنے فرقہ وارانہ مزاج کے خول سے باہر نہیں آ سکتے' یا "بَغْيًا بَيْنَهُمْ" کے مصداق اپنی بالادستی اور چودھراہٹ سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی متحدہ محاذ نہیں بن سکتا۔ ابھی جماعت اسلامی نے ایک بڑی کانفرنس کی تھی' اخبارات میں بھی اس کی خبریں آئیں اور تصویریں چھپیں' لیکن انہوں نے کہا کہ یہ کوئی اتحاد کا معاملہ نہیں' اتحاد کا کوئی سوال نہیں۔ گویا اس کی طرف تو کوئی قدم اٹھانا ہی نہیں' اس لئے کہ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی قیادت کس کے پاس ہو گی؟

## ہم اور ہمارا کام

رہ گئے ہم تو ہماری کوئی حیثیت نہیں' من آنم کہ من دانم۔ ہماری عددی قوت بھی معتدبہ نہیں اور تاحال ہماری کوئی سیاسی حیثیت بھی نہیں ہے۔ لیکن ان حالات میں بھی ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اسی راستے کی طرف دعوت دیتے رہیں گے اور اسی کا ڈھنڈورا پیٹیں گے جسے ہم نے حق سمجھا ہے۔ سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر ۱۵ میں فرمایا گیا ہے :

﴿ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ

اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ ﴾

"پس اب تم اسی کی دعوت دیتے رہو' اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے اس پر مضبوطی سے قائم ہو جاؤ۔ اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو' اور ان سے کہہ دو کہ اللہ نے جو بھی کتاب نازل کی ہے مَیں اس پر ایمان لایا اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مَیں تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔"

اس نظامِ عدل و قسط کو قائم کرنے کے لئے' جس کا دوسرا نام خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہے' ہم نے اسی کی دعوت دیتے چلے جانا ہے' چاہے اس کے اثرات ظاہر ہوں یا نہ ہوں' کوئی response ہمیں ملے یا نہ ملے۔ اس لئے کہ دو باتیں جان لیجئے کہ اس ضمن میں اصل چیز ہمارا احساسِ فرض ہے۔ ہمارا کوئی calculating mind نہیں ہے۔ ٹھیک ہے' حضور ﷺ کی دی ہوئی پیشین گوئیاں ہیں' ان سے بھی ہم ہمت حاصل کرتے ہیں کہ یہ کام بالآخر ہونا ہے۔ یہ چیز اپنی جگہ مسلم ہے' لیکن ہمارا جو جذبہ محرکہ ہے وہ درحقیقت صرف ہمارا احساس فرض ہے' فرائض دینی کا جامع تصور ہے جسے ہم نے قرآن و سنّت اور سیرت سے واضح کیا ہے اور مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے ذریعے اسے پوری دنیا میں عام کیا ہے۔ ہم تو اسی احساسِ فرض کے تحت یہ کام کرتے ہیں۔ بہت سے نبی دنیا میں دعوت دیتے دیتے اس حال میں چلے گئے کہ انہیں کوئی response نہیں ملا۔ بعض لوگوں نے تو ادبی رنگ میں یہاں تک الفاظ استعمال کر لئے کہ ان کے ساتھ ان کا سایہ بھی نہیں آیا' حالانکہ ایسا تو نہیں ہوا ہے' ہر نبی کے ساتھ کچھ نہ کچھ لوگ تو ضرور آئے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

((مَا مِنْ نَّبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِيْ اُمَّةٍ قَبْلِيْ اِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ اُمَّتِهٖ حَوَارِيُّوْنَ وَاَصْحَابٌ . . .)) (رواہ مسلم)

"کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جسے اللہ نے مجھ سے پہلے کسی امت میں مبعوث کیا ہو' مگر یہ کہ اس کے لئے اس کی امت میں سے کچھ (لوگ نکلتے تھے جو اس کے) حواری اور اصحاب ہوتے تھے . . ."

تو کچھ نہ کچھ ساتھی تو ہر نبی کے ساتھ ضرور ہوئے ہیں' خواہ بارہ تیرہ ہوں یا ستّر بہتّر' لیکن

چونکہ انہیں فیصلہ کن طاقت حاصل نہ ہو سکی لہٰذا دنیوی اعتبار سے وہ ناکام چلے گئے' لیکن حقیقت میں یہ ناکامی نہیں ہے' یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔ چنانچہ ہم تو یہ کام کرتے رہیں گے۔ اور اس ضمن میں جو دینی جماعتیں ہیں ان کے لئے ہمارا وہی قول رہے گا جو سورۃ الشوریٰ کی پندرہویں آیت کا دوسرا حصہ ہے :

﴿ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾

"اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے' ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ ہمارے درمیان کسی حجت بازی (یعنی دلیل بازی' بحث و نزاع' مناظرے اور مجادلے) کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ ہمیں جمع کر دے گا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔"

اگر ہم جمع نہیں ہوں گے تو ہماری محنتیں کہیں جمع ہو جائیں گی' نتیجہ خیز ہو جائیں گی' اور نہیں تو ایک دن اللہ کی عدالت میں جا کر تو جمع ہونا ہی ہے۔ سب نے وہاں جا کر کھڑے ہونا ہے۔ وہاں پتا چل جائے گا کہ کون کیا ہے؟ کون کتنے پانی میں تھا؟ کون صحیح تھا اور کون غلط تھا!

سورۃ الشوریٰ کی متذکرہ بالا آیت (نمبر ۱۵) ہمارا ماٹو ہے کہ اقامت دین کی جدوجہد کے لئے دعوت دیتے رہو' تمہیں اسی کا حکم ہوا ہے' اس پر جمے رہو' ڈٹے رہو' کسی کی خواہشات کی پیروی مت کرو' ڈنکے کی چوٹ کہہ دو کہ ہمارا ایمان اس کتاب پر ہے جو اللہ نے ہم پر نازل کی ہے اور ہم تو اللہ کے نظام عدل و قسط کو قائم کرنے کے لئے تن من دھن لگاتے رہیں گے کہ جس کا نام "نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" ہے۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اچانک بھی راستے کھول دیتا ہے۔ دیکھئے حضور ﷺ کا معاملہ انبیاء و رسل کی پوری تاریخ میں منفرد ہے کہ تقریباً بیس برس میں جزیرہ نمائے عرب میں انقلاب کی تکمیل ہو گئی۔ ویسے حضور ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے ۲۳ برس شمار ہوتے ہیں' لیکن جب مکہ فتح ہو گیا' حنین کی بھی فتح ہو گئی اور طائف نے بھی surrender کر دیا تو اب غلبہ تو حاصل ہو گیا۔ یہ بیس برس بنتے ہیں۔ ان میں سے بھی

دس برس وہ ہیں جن میں بمشکل سوا سو یا ڈیڑھ سو آدمی ایمان لائے۔ آپ ذرا سیرت نبویؐ کا مطالعہ کیجئے۔ ۱۰ نبوی میں یعنی ہجرت کے اڑھائی تین سال پہلے کے حالات دیکھئے ' کہیں سے امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی ' مایوسی ہی مایوسی ہے۔ مکے سے مایوس ہو کر آپؐ طائف گئے اور طائف میں جو کچھ ہوا وہ آپ کو معلوم ہے۔ حضور ﷺ پر ذاتی طور پر مکہ میں دس برس کے دوران وہ تشدد نہیں ہوا جو طائف میں ایک دن میں ہو گیا۔ واپس آئے تو ایک مشرک کی امان لے کر مکے میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد اللہ نے ایک کھڑکی کھول دی۔ مدینہ منورہ میں ابھی آپؐ کا ورود بھی نہیں ہوا ' قدم مبارک بھی نہیں پہنچے کہ وہاں اسلام کی دعوت پھیل گئی۔ جس سال طائف میں انتہائی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا اور زبان مبارک سے یہ فریاد نکلی ((اَللّٰھُمَّ اِلَیْكَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ)) "اے اللہ! میں اپنی قوت کی کمی ' وسائل کی قلت اور لوگوں کے سامنے اپنی کمزوری کی تجھی سے فریاد کرتا ہوں۔" اسی سال مدینہ سے آنے والے چھ آدمی ایمان لے آئے۔ اگلے سال بارہ آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی اور انہوں نے کہا کہ ہمیں کوئی آدمی دیجئے جو ہمیں قرآن پڑھائے۔ چنانچہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا صحابی بھیج دیئے گئے۔ اس ایک سال میں ۷۲ مرد اور تین خواتین آ گئیں اور بیعت عقبہ ثانیہ ہو گئی اور ہجرتِ مدینہ کا راستہ کھل گیا' جو حضور ﷺ کے سان گمان میں بھی نہیں تھا۔ حضور ﷺ نے متبادل مرکز (Alternate Base) طائف سوچا تھا ' مدینہ نہیں ' لیکن یہ اللہ کی طرف سے ہو گیا۔

نبی اکرم ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے ضمن میں آج ایک نکتہ آپ کو بتا رہا ہوں۔ فرض کیجئے مدینے کی کھڑکی نہ کھلتی تو حضور ﷺ کیا کرتے؟ کیا آپ اپنے مشن کو چھوڑ بیٹھتے؟ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ! آپ کو معلوم ہے کہ قریش کا آخری وفد جو ابوطالب کے پاس آیا تھا جبکہ ابوطالب کی ہمت بھی جواب دے گئی ' اس وقت قریش نے آخری چیلنج دیا تھا کہ "ابوطالب! اب ہمارے صبر کی انتہا ہو گئی ہے ' اب یا تو تم اپنے بھتیجے کا ساتھ چھوڑ دو ' جو تحفظ تم نے اسے دے رکھا ہے اس سے دست کش ہو جاؤ ' یا میدان میں آؤ ' اب فیصلہ کن معاملہ ہو گا۔" اس پر ابوطالب نے حضور ﷺ کو بلا کر کہا تھا کہ "بھتیجے! مجھ پر اتنا بوجھ نہ

ڈالو کہ میں برداشت نہ کر سکوں۔" آپ کو معلوم ہے حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے کہ دنیوی اعتبار سے ایک ہی سہارا تھا' وہ بھی ساتھ چھوڑ گیا' اس کی ہمت بھی جواب دے گئی' لیکن آپؐ نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا تھا : "چچا جان! اب یا تو میری بات پوری ہو گی' یا میں اسی میں اپنے آپ کو ہلاک کر لوں گا' میری استقامت میں کوئی کمی نہیں آ سکتی!" چنانچہ اگر بالفرض مدینے کی کھڑکی نہ کھلتی تو آپؐ کے مکے ہی کے اندر کوئی مزاحمتی تحریک برپا کرتے۔ یہی ہوتا کہ وقت زیادہ لگتا' لیکن آپؐ نے اپنے مشن کو تو پورا کرنا تھا' آپؐ بھیجے ہی اسی لئے گئے تھے کہ دین کو غالب کرنا ہے ﴿ هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ یہ تو اللہ کی مشیت تھی کہ بڑے تھوڑے سے وقت کے اندر اس پورے عمل کو مکمل کر دینا تھا' لہٰذا بالکل معجزانہ طریقے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدینے کی کھڑکی کھول دی گئی اور راستہ کھل گیا۔ یہ معاملہ اب بھی ہو سکتا ہے ؎

چمن کے مالی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آ سکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی!

اور

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی!

یہ ناممکنات میں سے نہیں ہے' اللہ کی مدد ختم نہیں ہوئی۔

میں نے آپ کو زمینی حقائق بھی گنوا دیئے ہیں۔ جس نے زمینی حقائق کو دیکھ کر طے کرنا ہو تو اس کے لئے پہلا راستہ ہے کہ امریکہ اور بھارت کے سامنے سر جھکا دیا جائے' اپنے دل سے اپنے نظریئے' نظام اور غلبۂ اسلام کا خناس نکال دیا جائے۔ اور اگر دوسرا راستہ اختیار کرو گے تو یقیناً اللہ کی مدد آئے گی۔ اس کے لئے اللہ نے قرآن حکیم میں وعدہ فرمایا ہے۔

اس وقت حالات بہت مایوس کن ہیں۔ حقیقت پسندی (realism) اور واقعیت پسندی (pragmatism) اس راستے کی طرف جا رہی ہیں جو میں نے پہلا راستہ بتایا ہے'

لیکن ہمیں اس کی مخالف سمت چلنے کا حکم ہے۔ ؏

"مجھے ہے حکمِ اذاں لاالٰہ اِلاّ اللہ!"

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ

﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

(آل عمران : ۱۳۹)

"دل شکستہ نہ ہو' غم نہ کرو' تم ہی غالب رہو گے اگر تم مؤمن ہو۔"

ہمارا ایمان اور یقین پختہ رہنا چاہئے کہ آج نہیں تو کل' ہماری زندگی میں نہیں تو ہماری اگلی نسل میں یہ کام ضرور ہو گا' لازماً ہو گا اور ہو کر رہے گا ــــــ یہ اللہ کا وعدہ ہے' لہٰذا اسی راستے پر لگے رہو' پیچھے نہ ہٹو' سُست نہ پڑو' ڈھیلے نہ پڑو' تمہاری جدوجہد میں کوئی کمی نہ آئے۔

اس حوالے سے ہمیں جائزہ لینا ہے کہ کہیں ہم سُست تو نہیں پڑ رہے' ہماری ہمتیں تو جواب نہیں دے رہیں' ہمارے اندر کوئی پسپائی کا جذبہ تو پیدا نہیں ہو رہا' ہمارے اندر رجعت پسندی تو نہیں آ رہی؟ اللہ کی مدد حاصل کرنا چاہتے ہو تو اللہ کے دین کے اعوان و انصار بنو! یہ مت بھولو کہ اس سرزمین سے اللہ کی کوئی خصوصی مشیت وابستہ ہے۔ ذہن میں چار سو برس کی تاریخ یاد کرو۔ اس عرصے میں سارے مجددین امت ہندوستان میں آئے۔ مجدد الف ثانی شاہ ولی اللہ دہلوی' سید احمد بریلوی' شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہم اللہ علیہم ۔ پھر عظیم ترین شخصیات اس ہندوستان میں پیدا ہوئیں' علامہ اقبال جیسا مفکر' مولانا مودودی جیسا مصنف اور مولانا الیاس جیسا مبلغ ــــــ کہیں ان کے برابر کا کوئی اور شخص کہیں اور نظر آتا ہے؟ یہ کیا وجہ ہے کہ مالک بن نبی بھی کہہ رہے ہیں' ڈاکٹر علی شریعتی بھی کہہ رہے ہیں کہ اسلام کا روحانی اور عقلی (intellectual) مرکز ثقل جنوبی ایشیا میں منتقل ہو چکا ہے۔ آخر یہ حقائق ہیں۔ خلافت ختم ہو رہی تھی تو تحریک خلافت ہندوستان میں چلی' پھر یہ کہ آزادی کی تحریکیں ہر جگہ چلی ہیں' لیکن سوائے پاکستان کے ہر جگہ وطنی یا لسانی قومیت کی بنیاد پر تحریکیں چلی ہیں اور ان ملکوں نے اسی بنیاد پر آزادی حاصل کی ہے ــــــ مگر "پاکستان کا مطلب کیا' لاالٰہ اِلاّ اللہ" کی بنیاد پر صرف اس پاکستان کی آزادی کی

تحریک چلی۔ پھر یہاں قرار دادِ مقاصد پاس ہو گئی' جو عالمی تہذیب کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہے۔ پھر یہاں بینک انٹرسٹ اور کمرشل انٹرسٹ کے حرام ہونے کا فیصلہ اعلیٰ ترین عدالت سے ہو چکا ہے۔ یہ کسی مولوی کا فتویٰ نہیں ہے' یہ تو سپریم کورٹ کا فتویٰ ہے اور یہ اس یہودی نظام کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہے۔

ایں بنوک ایں فکرِ چالاکِ یہود
نورِ حق از سینۂ آدم ربود

یہ سارے آثار ایسے ہیں جو بہت امید افزا ہیں۔ مزید برآں احادیث نبویؐ میں جو خبریں دی گئی ہیں ان کے پورا ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن اس سے پہلے بڑے امتحانات ہیں! بڑے سخت دن آنے والے ہیں۔ اگر کوئی یہ راستہ اختیار کرے تو اس پر پھول نچھاور نہیں ہوں گے' یہ کانٹوں بھرا راستہ ہے۔ ہم اسی راستے کی دعوت دیتے رہیں گے اور اسی راستے پر اللہ کی مدد بھی آئے گی۔

﴿ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ ﴾ (آل عمران : ۱۶۰)

"اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو تم پر کوئی غالب نہ آسکے گا' اور اگر وہی تمہارا ساتھ چھوڑ دے (وہی تمہاری مدد سے دست کش ہو جائے) تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا!"

پھر کون تمہاری مدد کو آئے گا؟ اور کون تم پر سایہ فگن ہو گا؟ اس وقت واقعتاً ہمارے سامنے قیامت کے دن کا نقشہ ہے کہ "اَلْيَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ" آج اللہ کے سایہ کے سوا ہمارے لئے کوئی سایہ نہیں!

یہ گھڑی محشر کی ہے ' تو عرصۂ محشر میں ہے!
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

قرآن مجید کا مستقل قانون اور اللہ کی سُنّت یہ ہے :

﴿ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ ﴾

(الحج ۴۰)

"بلاشک و شبہ اللہ تعالیٰ لازماً اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے' یقیناً اللہ زبردست ہے' قوت والا ہے۔"

وہ جس کی مدد کیلئے پشت پناہ بن جائے تو پھر اس کیلئے ناکامی کا کوئی سوال نہیں۔

ہمیں اپنے تنظیم اسلامی کے قافلے کو اسی راستے پر لے کر چلنا ہے' حالات خواہ کچھ ہو جائیں' کتنے ہی ناگفتہ بہ ہو جائیں اور کتنے ہی مشکل نظر آ رہے ہوں۔ ہمیں جو کوئی موقع بھی ملے گا ہم یہی بات کہیں گے' اسی کی طرف لوگوں کو بلائیں گے' دینی جماعتوں کو بھی اور عوام کو بھی۔ حکومت کو بھی یہی مشورہ دیں گے' ازروئے حدیث نبویؐ :

((اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ)) قِيْلَ : لِمَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ : ((لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ))

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : دین تو نام ہی وفاداری اور خیرخواہی کا ہے۔" پوچھا گیا : اے اللہ کے رسول! کس کی وفاداری خیرخواہی؟ ارشاد فرمایا : "اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسولؐ کی وفاداری اور مسلمانوں کے قائدین کی اور مسلمان عوام کی خیرخواہی۔"

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت عطا فرمائے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً' اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابِ۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا اَنْ نُّقِيْمَ دِيْنَكَ الْمَتِيْنَ' اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا اَنْ نُّقِيْمَ نِظَامَ الْخَلَافَةِ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ فِيْ بَاكِسْتَانَ اَوَّلاً وَّفِيْ كُلِّ الْعَالَمِ آخِرًا' اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلِاٰبَائِنَا وَلِاُمَّهٰتِنَا وَلِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ اَلْاَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْاَمْوَاتِ' اِنَّكَ سَمِيْعٌ مُّجِيْبُ الدَّعْوَاتِ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ' بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ○○

(مرتب : حافظ خالد محمود خضر)

# مسلمان کا طرزِ حیات(۶)

علامہ ابو بکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

**کتاب العقائد**

نواں باب

## جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان

حضرت محمد ﷺ جو جناب عبد اللہ کے بیٹے اور جناب عبد المطلب کے پوتے' قبیلۂ قریش کی شاخ بنو ہاشم سے تعلق رکھنے والے اور جناب اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے' ان کے متعلق ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول تھے' اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر قوم اور ہر نسل کے لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔ آنحضور ﷺ کی نبوت و رسالت پر سلسلۂ نبوت و رسالت ختم ہو گیا' لہٰذا آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول مبعوث نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو بہت سے معجزات عطا فرمائے اور آپ ﷺ کو تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر فضیلت عطا فرمائی۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کی اُمت کو تمام امتوں سے افضل قرار دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی محبت' اطاعت اور اتباع کو فرض قرار دیا۔ آپ ﷺ کو بعض ایسے خصوصی انعامات عنایت فرمائے جو کسی اور نبی اور رسول کو نہیں دیئے گئے' مثلاً مقامِ وسیلہ' حوضِ کوثر اور مقامِ محمود وغیرہ۔

ان عقائد کے نقلی و عقلی دلائل مندرجہ ذیل ہیں :

### نقلی دلائل

(۱) اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس بات پر گواہ ہیں کہ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ پر

وحی نازل ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ ﴾ (النساء : ۱۶۶)

"لیکن اللہ تعالیٰ اس چیز پر گواہ ہے جو اس نے آپ پر نازل کی' اس نے اسے اپنے علم کے ساتھ نازل کیا ہے' اور فرشتے بھی (اس بات پر) گواہ ہیں۔ اور گواہ کے طور پر تو اللہ ہی کافی ہے۔"

④ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت تمام انسانوں کے لیے ہے' اور حضور علیہ السلام پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے' اور آنحضرت ﷺ سے محبت رکھنا اور آپ کی اطاعت کرنا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ ﴾ (النساء : ۱۷۰)

"اے لوگو! تمہارے پاس رسول تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر آگیا ہے' لہٰذا ایمان لے آؤ' تمہارے لیے بہتر ہوگا۔"

ایک مقام پر فرمایا :

﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ ﴾ (المآئدۃ : ۱۹)

"اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے' جو رسولوں میں وقفہ ہو جانے کے بعد آکر تمہیں وضاحت سے (اللہ کے احکام) بتاتا ہے' تاکہ تم یوں نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوشخبری دینے والا آیا نہ تنبیہہ کرنے والا۔ تو اب تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا آچکا ہے۔"

اس کے علاوہ ارشاد ہوا :

﴿ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (الجمعۃ ۔ ۲)

"وہی ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں سے ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرمایا' وہ انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ پہلے واضح گمراہی میں تھے۔"

اور فرمایا :

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الانبیاء : ۱۰۷)

"اور ہم نے تو آپ کو جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

اس کے علاوہ فرمایا :

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ ﴾ (الفتح : ۲۹)

"محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔"

نیز ارشاد فرمایا :

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰي عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۝ ﴾

(الفرقان : ۱)

"برکت والا ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا' تاکہ وہ سارے جہان والوں کے لیے خبردار کردینے والا بن جائے۔"

ایک مقام پر ارشاد ہے :

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ ﴾ (الاحزاب : ۴۰)

"محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں' لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں (کے سلسلہ) کو ختم کرنے والے ہیں۔"

اور فرمایا :

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ ﴾ (القمر : ۱)

"قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہوگیا۔"

اور فرمایا :

﴿ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ ﴾ (الکوثر : ۱)

"یقیناً ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔"

اور فرمایا :

﴿ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰىO ﴾ (الضحیٰ : ۵)

"عنقریب آپ کا رب آپ کو (بہت سے انعامات) دے گا اور آپ خوش ہو جائیں گے۔"

اور فرمایا :

﴿ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًاO ﴾ (بنی اسرائیل ۷۹)

"عنقریب آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا۔"

اور فرمایا :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ... ﴾

(النساء . ۵۹)

"اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا حکم مانو...."

اور فرمایا :

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ﴾ (التوبة : ۲۴)

"کہہ دیجیے: تمہارے باپ دادا، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا خاندان، وہ مال جو تم نے کمائے، وہ تجارت جس کے مندے کا تمہیں خوف رہتا ہے اور وہ رہائش گاہیں جو تمہیں پسند ہیں، اگر یہ سب تمہیں اللہ، اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں، تو انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے۔"

اور فرمایا :

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ... ﴾ (آل عمران : ۱۱۰)

"تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کی لیے نکالی گئی..."

اور فرمایا :

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾ (البقرۃ : ۱۴۳)

"ہم نے اسی طرح تمہیں (افراط و تفریط سے پاک) درمیانی اُمت بنایا ہے' تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بن جائیں۔"

اور فرمایا :

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾ (آل عمران : ۳۱)

"(اے نبیؐ!) کہہ دیجیے: اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔"

(۳) جناب رسول اکرم ﷺ نے خود اپنی نبوت کی خبر دی اور بتایا کہ آپؐ کی اطاعت فرض ہے اور آپؐ کی رسالت ہر دور کی تمام اقوام کے لیے ہے۔ یہ بات بہت سی احادیث میں مذکور ہے' جن میں چند ایک درج ذیل ہیں۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا :

((اَنَا النَّبِيُّ لاَ كَذِبَ ' اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ)) (۱)

"میں نبی ہوں' اس بات میں کوئی جھوٹ نہیں' میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔"

اور فرمایا :

((اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَاِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِىْ طِيْنَتِهٖ)) (۲)

"میں (اللہ کے علم میں) اُس وقت بھی اللہ کا بندہ اور خاتم النبیین تھا جب آدم علیہ السلام ابھی مٹی کی صورت میں پڑے تھے۔"

اور فرمایا :

((مَثَلِىْ وَمَثَلُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِىْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى بَيْتًا فَاَحْسَنَهٗ وَجَمَّلَهٗ اِلاَّ مَوْضِعَ لَبِنَةٍ وَاحِدَةٍ ' فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَيَعْجَبُوْنَ لَهٗ وَيَقُوْلُوْنَ هَلاَّ وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ ' فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ)) (۳)

"میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک آدمی نے ایک گھر بنایا' اور اسے بہت اچھا اور خوب صورت بنایا' مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس گھر کو چاروں طرف سے دیکھتے اور تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے: یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی؟ تو میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔"

اور فرمایا:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَلَدِہٖ وَوَالِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ)) (۴)

"قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' کوئی شخص اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کی اولاد' اس کے والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔"

ایک حدیث میں ارشاد ہوا:

((کُلُّکُمْ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ اَبٰی)) قَالُوْا : وَمَنْ یَّاْبٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ : ((مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّۃَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی)) (۵)

"تم سب جنت میں داخل ہو جاؤ گے' سوائے اُس شخص کے جس نے انکار کیا"۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! انکار کون کرے گا؟ فرمایا: "جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے (جنت میں داخل ہونے سے خود ہی) انکار کر دیا۔"

اس کے علاوہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ)) (۶)

"رسالت اور نبوت ختم ہو گئی ہے' پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔"

نیز فرمایا:

((فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ : اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ ' وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ' وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ' وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَھُوْرًا' وَاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً' وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ)) (۷)

"مجھے دوسرے انبیاء پر چھ امور میں فضیلت حاصل ہے: مجھے جامع کلمات عطا کیے

گئے ہیں' میری مدد رعب سے کی گئی ہے' میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں' تمام زمین میرے لیے مسجد اور پاکیزگی کا ذریعہ بنائی گئی ہے' میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔"

اور فرمایا:

((مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ' وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ' وَمَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ' وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ)) (۸)

"جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی' اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی' اور جس نے میرے (مقرر کیے ہوئے) امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی' اور جس نے میرے (مقرر کیے ہوئے) امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔"

## حواشی

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجہاد' باب من قاد دابة غیرہ فی الحرب' وباب بغلة النبی ﷺ اور صحیح مسلم' کتاب الجہاد' باب غزوة حنین۔

(۲) تاریخ امام بخاری اور مسند احمد (۱۲۷/۴) اور صحیح ابن حبان۔ ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۳) صحیح البخاری' کتاب المناقب' باب خاتم النبیین و صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب ذکر کونہ خاتم النبیین۔

(۴) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب حب الرسول ﷺ من الایمان۔

(۵) صحیح البخاری' کتاب الاعتصام' باب الاقتداء بسنن رسول اللہ (ﷺ)

(۶) مسند احمد (۲۶۷/۳) اور جامع الترمذی' ابواب الرویا' باب ذہبت النبوة وبقیت المبشرات۔ امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۷) صحیح مسلم' کتاب المساجد و مواضع الصلاة' ح ۵ و جامع الترمذی' کتاب السیر' باب ما جاء فی الغنیمة۔

(۸) صحیح البخاری' کتاب الجہاد' باب یقاتل من وراء الامام ویتقی بہ و کتاب الاحکام' باب فی قول اللہ تعالٰی ﴿اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ

# اسلام اور عورت

تحریر: اُم منذر

"پردہ آزادی نسواں کی راہ میں رکاوٹ ہے"۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو کہ آج مغربیت زدہ عورت کے حواس پر بڑی طرح چھایا ہوا ہے۔ یہ عورت جو کہ آج بے حجاب ہونے کو بے قرار ہے' کل تک معاشرے کا مظلوم ترین طبقہ تھی۔ اس کی حیثیت بھیڑ بکریوں سے زیادہ نہ تھی' اس کی پیدائش باعثِ شرمندگی تھی۔ قربان جایئے اس حبیبِ خدا ﷺ پر جس نے عورت کو پستی و مظلومیت کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر معاشرے میں باعزت مقام دیا' لیکن افسوس صد افسوس اسے یہ باعزت مقام پسند نہیں آیا۔ وہ ایک انتہا سے نکالی گئی تھی تو اس نے اپنے آپ کو دوسری انتہا تک پہنچا دیا۔ وہ شرم و حیاء کا مجسمہ کہی جاتی تھی اب وہ بے حیائی کا نمونہ بن چکی ہے۔ ہر قسم کے اشتہارات کی وہ زینت ہے اور یہ بات اس کیلئے باعثِ شرمندگی نہیں بلکہ وہ اسے اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتی ہے۔ ایک شاعر نے آزادی نسواں کے موضوع پر ایک نہایت فکر انگیز پیغام کی حامل نظم کہی ہے۔

اس کے چند اشعار یہ ہیں:

شعلے کی طرح کیوں سر بازار نکل آئی
کس نے تجھے بھڑکایا ہے اے دخترِ اسلام!

لگتی ہے کلی کتنی بھلی شاخِ چمن پر
ہاتھوں میں پہنچ کر کوئی قیمت نہیں رہتی

جو شمع سر عام لٹاتی ہے اُجالے
اس شمع کی گھر میں کوئی عزت نہیں رہتی

تسلیم کہ پردہ ہوا کرتا ہے نظر کا
نظروں میں بھی برداشت کی قوت نہیں رہتی

مَردوں کے اگر شانہ بشانہ رہے عورت
کچھ اور ہی بن جاتی ہے عورت نہیں رہتی

آگے فرماتے ہیں:

کردار پہ کیوں چھاپ ہے مغرب زدگی کی
جب فاطمہؓ و رابعہ بصریؒ ہے ترا نام
اے دخترِ اسلام!

وہ رتبہ عالی کوئی مذہب نہیں دیتا
کرتا ہے جو عورت کو عطا مذہبِ اسلام
اے دخترِ اسلام!

ہمارا دین "اسلام" عورت کو ہر لحاظ سے یعنی بحیثیت ماں' بیوی' بیٹی اور بہن جو باعزت مقام عطا کرتا ہے وہ دنیا کے کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے۔ عورت کو ہر لحاظ سے جو تحفظ اسلام عطا کرتا ہے اس کی مثال دنیا میں کہیں اور نہیں ملتی۔ آج ہم آزادیٔ نسواں کے چکر میں اسلام کی اصل تعلیمات کو بھول گئے ہیں۔ قرآن میں ستر و حجاب کے جو احکامات ہیں ہم ان کی من مانی تاویلیں تلاش کرتے ہیں۔ آیئے کوشش کریں کہ پردے کے بارے میں جو قرآن کی تعلیمات اور نبی اکرم ﷺ کے احکامات ہیں ان کو سمجھیں اور عمل کریں۔

یہ ہم سب کو معلوم ہے کہ "اسلام" ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور نبی اکرم ﷺ کی زندگی ہم سب کے لئے بہترین اُسوہ ہے۔ ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ... ﴾ (الاحزاب : ۲۱) اب غور کیجئے کہ مسلمان مردوں کے لئے تو ہر لحاظ سے اور ہر اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس نمونہ ہے' لیکن مسلمان خواتین کے لئے آنحضرت ؐ کی سیرت اور زندگی مکمل نمونہ نہیں بن سکتی۔ بطورِ خاتون' بطورِ بیوی' بطورِ بیٹی اور بطورِ ماں یہ اُسوہ ہمیں نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں تو نہیں ملے گا' حالانکہ یہ بہت ضروری ہے۔ عورت کی ان حیثیتوں کے لئے بھی تو کوئی نمونہ' کوئی آئیڈیل ہونا چاہئے جس کو دیکھ کر تا قیامِ قیامت مسلمان خواتین اپنے طرزِ عمل کو معین کریں۔ سورۂ احزاب میں ہی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے خطاب ہو رہا ہے کہ درحقیقت "وہ" ہمیشہ ہمیش کے لئے اُمت کی خواتین کے لئے نمونہ ہیں۔ بظاہر خطاب آنحضور ﷺ کی بیویوں سے ہے جس سے ہماری بعض بہنیں اس مغالطے میں مبتلا ہو گئی ہیں یا کر دی گئی ہیں کہ یہ تو نبی اکرم ﷺ کی بیویوں سے متعلق احکام ہیں اور عام مسلمان خواتین سے بات نہیں ہو رہی۔ اس بات کی ذہن میں تصحیح ہونی چاہئے کہ قرآن مجید میں یہ اسلوب کیوں ہے؟ یہ اس لئے ہے کہ ازواجِ مطہرات کو مسلمان خواتین کے لئے آئیڈیل بننا ہے ان تمام معاملات میں' جو صرف خواتین سے متعلق اور مخصوص ہیں' ورنہ بحیثیت عمومی اُسوۂ حسنہ اور کامل نمونہ تو جناب محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۲ میں خطاب "يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ" سے ہوتا ہے جو آیت نمبر ۳۴ کے اختتام تک چلتا ہے۔

﴿ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًاO وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًاO ﴾ (الاحزاب : ۳۲'۳۳)

"اے نبی کی ازواج مطہرات! تم نہیں ہو دوسری عورتوں میں سے کسی عورت کی مانند۔ اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو تو ایسی نرمی سے بات نہ کرو کہ طمع کرنے لگے وہ (بے حیا) جس کے دل میں روگ ہے' اور گفتگو کرو تو باوقار انداز سے کرو۔ اور ٹھہری رہو اپنے گھروں میں اور اپنی آرائش کی نمائش نہ کرو جیسے سابق دورِ جاہلیت میں رواج تھا' اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی۔ اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کر دے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو! اور تم کو پوری طرح پاک صاف کر دے"۔

یہ دونوں آیات وہ ہیں جن سے پردے کے احکام کا آغاز اور مسلمان خواتین کے لئے ایک دائرہ کار متعین ہوا ہے۔ یعنی آواز کے فتنہ سے تنبیہہ' قرار فی البیوت کا حکم اور تبرج کی ممانعت۔ اسی سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۳ میں مسلمان مردوں کے لئے حکم نازل کیا جا رہا ہے :

﴿ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ﴾

(الاحراب : ۵۳)

"(اے مسلمانو!) اگر تمہیں ان سے (نبی ﷺ کی بیویوں سے) کوئی چیز مانگنی ہے تو پردے کی اوٹ سے مانگو"۔

یہاں قرآن مجید میں "حجاب" کا لفظ آیا ہے اور علومِ فقہ میں یہ آیت "آیتِ حجاب" کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں : "بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آیت کے نزول سے پہلے متعدد مرتبہ عرض کر چکے تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے ہاں بھلے اور برے سب ہی قسم کے

لوگ آتے ہیں، کاش آپ اپنی ازواجِ مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم دیجئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ازواجِ رسولؐ سے کہا : "اگر آپ کے حق میں میری بات مانی جائے تو کبھی میری نگاہیں آپ کو نہ دیکھیں"۔ لیکن رسول اللہ ﷺ چونکہ خود مختار نہ تھے اس لئے آپؐ اشارۂ الٰہی کے منتظر رہے۔ آخر کار یہ حکم آگیا۔ اس حکم کے بعد ازواجِ مطہرات کے گھروں میں دروازوں پر پردے لٹکا دیے گئے۔ اور چونکہ حضور ﷺ کا گھر تمام مسلمانوں کے لئے نمونے کا گھر تھا، اس لئے تمام مسلمانوں کے گھروں پر بھی پردے لٹک گئے"۔ مولانا مودودی آگے لکھتے ہیں : "جو کتاب مَردوں اور عورتوں سے رُو در رُو بات کرنے سے روکتی ہے اور پردے کے پیچھے سے بات کرنے میں یہ مصلحت بتاتی ہے کہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لئے یہ طریقہ زیادہ مناسب ہے، ان واضح ہدایات اور احکام کے بعد آخر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ مخلوط مجالس اور مخلوط تعلیم اور جمہوری ادارات اور دفاتر میں مَردوں اور عورتوں کا بے تکلّف ماحول بالکل جائز ہے اور اس سے دلوں کی پاکیزگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا؟"

غور کیجئے! اُمّہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے متعلق کس کے دل میں بُرا خیال پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ اسلوب اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ تمام مسلمان خواتین و حضرات کے لئے یہ مستقل ہدایت ہے۔ اسلام کے معاشرتی نظام میں صالح اقدار کے فروغ کے لئے یہی پاکیزہ طرزِ عمل ہے۔ ان احکام کی حکمتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ فاطرِ فطرت ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مَرد اور عورت کے مزاج، ان کے میلانات اور رجحانات کیا ہیں؟ ہم لاکھ پردے ڈالیں، ملمع سازی کریں، تہذیب و تمدن کے تقاضوں کو بہانے کے طور پر پیش کریں، لیکن مَرد میں عورت کے لئے جاذبیت، کشش اور نفسانی خواہشات کا جو داعیہ رکھا ہے اسے اس داعیہ کو رکھنے والے سے زیادہ جاننے والا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

ہمارے ہاں ایک گروہ ایسا ہے جو چہرے کے پردے کا قائل نہیں ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں نقاب کا ذکر نہیں ہے اور حج اور عمرہ میں عورت کا چہرہ کھلا رہتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نقاب کا لفظ قرآن میں نہیں آیا، لیکن حدیث میں یہ لفظ موجود ہے۔ یہ روایت سنن ابی داؤد کی ہے جو صحاحِ ستّہ میں شامل ہے :

جَاءَ تِ امْرَاَةٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لَهَا اُمُّ خلاَّدٍ وَهِيَ مُنْتَقِبَةٌ تَسْاَلُ عَنِ ابنها وهُوَ مَقْتُوْلٌ' فقال لها بعض اصحاب النبي ﷺ جئتِ تسالين عن ابنِكَ وانْتِ مُنْتَقِبَةٌ؟ فَقَالَتْ: ان ارزء ابني فلم ارزَء حيائي' فقال رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ابنک له اجر شهيدين' قالت. ولم ذٰلک يا رسول اللّٰه؟ قال. لان قَتَلَهُ اهلُ الكتاب۔

"ایک خاتون، جس کا نام اُمِ خلاد تھا، نبی اکرم ﷺ کے پاس اپنے بیٹے کا، جو مقتول ہو چکا تھا، انجام دریافت کرنے آئیں اور وہ نقاب پہنے ہوئے تھیں۔ نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابیؓ نے ان کی اس استقامت پر تعجب کرتے ہوئے کہا: نقاب پہن کر آپ اپنے بیٹے کا، حال دریافت کرنے آئی ہیں؟ انہوں نے اس کے جواب میں کہا: میرا بیٹا مرا ہے میری حیا نہیں مری۔ اس کے بعد آپؐ نے ان کو تسلی دی کہ تمہارے بیٹے کو دو شہیدوں کا اجر ملے گا۔ انہوں نے پوچھا ایسا کیوں ہو گا یا رسول اللہ؟ آپؐ نے فرمایا: "اس لئے کہ اس کو اہلِ کتاب نے قتل کیا ہے۔"

اس حدیث میں وارد لفظ مُنْتَقِبَةٌ کا مادہ نقب ہے۔ اسی سے نقاب مصدر ہے۔ یہ خاتون اس حال میں نقاب ڈالے ہوئے تھیں کہ ایسے سانحہ پر تو اچھے خاصے دین دار گھرانوں کی خواتین کو غم و اندوہ کی کیفیت میں حجاب کا خیال نہیں رہتا۔ اسی لئے ایک صحابیؓ نے تعجب سے پوچھا کہ اس حال میں آپ نقاب میں آئی ہیں؟ ان خاتون کا جواب آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ "میرا بیٹا مرا ہے میری حیا نہیں مری۔"

واقعہ اِفک کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے طویل حدیث مروی ہے جس میں انہوں نے صراحت سے ذکر کیا ہے کہ صفوان نے ان کو اس لئے پہچان لیا کہ انہوں نے قبل حجاب انہیں (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو) دیکھا تھا۔ ان دونوں حدیثوں سے چہرے کے پردے کے بارے میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔

حج اور عمرے کے احرام میں عورت کے چہرے کے کھلے ہونے سے جو دلیل پکڑی جاتی ہے اس کے بارے میں ایسے حضرات و خواتین کو ایک اصول جان لینا چاہئے کہ

استثنائی حالات کے احکام کو کلیات پر منطبق نہیں کیا جا سکتا۔ احرام کی حالت میں چہرہ کھلا رکھنے کی ایک استثنائی اجازت' یا چہرہ ڈھانپنے یا دستانے پہننے کی ممانعت حدیث میں وارد ضرور ہوئی ہے' لیکن اس سے چہرے کے پردے کا بالکلیہ انکار کر دینا انتہائی غیر معقول طرزِ فکر ہے' حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث مبارکہ بھی مروی ہے کہ "احرام کی حالت میں جب قافلے ہمارے سامنے آتے تھے تو ہم بڑی چادر سر کی طرف سے چہرہ پر لٹکا لیتیں اور جب وہ گزر جاتے تو ہم اس کو اٹھا دیتیں۔"

اس حدیث مبارکہ میں جو لفظ جلباب (بڑی چادر) آیا ہے' اس کی تشریح سورۂ احزاب کی آیت نمبر۵۹ میں ہے۔ جب گھر میں قرار پکڑنے اور حجاب کے احکام آگئے اور عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر متعین ہو گیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ اگر کسی تمدنی ضرورت سے گھر سے باہر نکلنا ہو تو کیا کیا جائے۔ بڑا اہم اور بنیادی سوال ہے۔ فرمایا :

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾ (الاحزاب ۵۹)

"اے نبی! اپنی بیویوں' بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں' یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں' اور اللہ غفور ہے' رحیم ہے۔"

عربی میں جلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو پورے جسم کو ڈھانپ لے اور چھپا لے۔ یہ جلباب ایامِ جاہلیت میں بھی شریف خاندانوں کی خواتین کے لباس کا جزو تھا۔ قرآن مجید میں اس میں یہ اضافہ کیا گیا کہ اس کا ایک حصہ چہرے پر لٹکا لیا جایا کرے۔ اس طرح چہرے کا پردہ شروع ہوا' جس کی تفاصیل احادیث میں آئی ہیں کہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد ازواجِ مطہرات' بنات النبیؐ اور تمام مؤمن خواتین باہر نکلتے وقت چادر کو اس طرح اوڑھا کرتی تھیں کہ پورا سر اور پیشانی اور پورا چہرہ چھپ جاتا تھا اور صرف ایک آنکھ کھلی رہ جاتی تھی۔ یہ ضرورت کے موقع پر گھر سے باہر نکلنے کے لئے پردے کا پہلا حکم ہے۔ ضرورت کی یہ پابندی نبی اکرم ﷺ نے لگائی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ،

روایت موجود ہے :

((قَدْ اَذِنَ اللّٰهُ لَكُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِكُنَّ))

"اللہ تعالیٰ نے تم (عورتوں) کو اجازت دی ہے کہ تم اپنی ضروریات کے لئے گھر سے نکل سکتی ہو۔"

"ضرورت" کا تعین اسلامی تعلیمات کے مجموعی مزاج کو سامنے رکھ کر کیا جا سکتا ہے۔ کسی خاتون کے گھر میں کمانے والا کوئی مَرد موجود نہ ہو یا صرف مَرد کی کمائی گھر کی ضروریات کے لئے کفایت نہ کرے تو شریعت نے اس کی گنجائش رکھی ہے' لیکن باہر نکلتے ہوئے تمام پابندیوں کو ملحوظ رکھنا ہو گا اور ایسے اداروں میں کام کرنا ہو گا جہاں عورتیں ہی کارکن اور منتظم ہوں۔ عورتوں کا مخلوط اداروں میں کام کرنا' ٹی وی اور ریڈیو میں اناؤنسر' یا اخبارات اور ٹی وی میں اشتہارات کا ماڈل یا ایئرہوسٹس یا اسی نوع کے دوسرے پیشے اختیار کرنے کا معاملہ' جن میں مَردوں سے براہِ راست سابقہ پیش آتا ہو اور وہ ان کے لئے فردوسِ نظر بنتی ہوں' ازروئے اسلام مسلم خواتین کے لئے قطعی ناجائز ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ایک طویل حدیث ہے کہ :((اَلْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا النَّظْرُ)) "آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا نظر ہے"۔ ان پیشوں سے متعلق اکثر و بیشتر حصولِ معاش کی مجبوری کم اور جذبۂ نمائش زیادہ ہے۔ ان میں سے اکثر کو اپنے گھروں کی نگہداشت' گھریلو کام کاج اور بچوں کی دیکھ بھال کے لئے ملازمین رکھنے پڑتے ہوں گے' پھر ان پیشوں کے تقاضوں کے پیش نظر ان کو میک اپ' بناؤ سنگھار اور مخصوص ملبوسات پر کافی خرچ کرنا ہوتا ہو گا' کنوینس کے لئے اچھی خاصی رقم صرف ہوتی ہو گی۔ لہٰذا ان کی اپنی کمائی میں سے ایک چوتھائی یا ایک تہائی سے زیادہ بچت مشکل ہوتی ہو گی۔ ہماری مسلمان بہنیں ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ کیا یہ نفع کا سودا ہے یا سراسر خسارے کا؟ اس لئے کہ یہ طرزِ عمل اسلامی تعلیمات سے بغاوت اور اپنی عاقبت کی بربادی اور اپنے خاندان کی روایات' شرافت اور عزّت سے سرکشی کا موجب ہے۔ البتہ لڑکیوں کے سکولوں اور کالجوں میں درس و تدریس کے لئے ملازمت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ صرف پیشہ ہی نہیں قومی خدمت بھی ہے۔ اسی طرح صرف عورتوں کے علاج معالجے

کے لئے طب کے پیشے کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے' لیکن بن ٹھن کر بازاروں میں شاپنگ کے لئے جانا' سیر سپاٹے کے لئے تفریح گاہوں میں جانا' مخلوط تقریبات میں شرکت کرنا' مردوں کے سامنے پریڈ میں حصہ لینا اور کھیلوں میں حصہ لینا ازروئے اسلام معصیت کے کام ہیں۔ ان امور میں کتاب و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں دو رائیں ممکن ہی نہیں۔

اب تک سورۃ الاحزاب کے حوالے سے پردے کے ابتدائی احکام کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے۔ پردے کے احکام کی تکمیل سورۂ نور میں ہوئی ہے۔ چونکہ عورت کے گھر سے باہر نکلنے کے مسئلے کی وضاحت ہو رہی ہے' لہٰذا سورۂ نور کی آیت نمبر ۳۱ کا ایک حصہ' جو سابقہ گفتگو سے متعلق ہے' اس طرح ہے :

﴿ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ . . . ﴾

(النور : ۳۱)

"اور اپنے پیر زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی زینت جو انہوں نے چھپا رکھی ہے' اس کا علم لوگوں کو ہو جائے۔"

فاطر فطرت نے عورت کی چال اور اسکے خرام میں بھی دلکشی اور جاذبیت رکھی ہے۔ اس کے ساتھ اگر زیوروں کی جھنکار بھی شامل ہو جائے تو یہ بھی مرد کی توجہ منعطف کرنے اور اس کے نفسانی محرکات بھڑکانے کا باعث ہوگی۔ لہٰذا قرآن نے اس کو سختی سے منع کر دیا ہے۔ اسی طرح خوشبو لگا کر گھر سے نکلنے کی بھی بڑی تاکیدی ممانعت حدیث میں آئی ہے۔

اب غور کرتے ہیں کہ گھر کے اندر کے پردے سے متعلق قرآنی احکامات کیا ہیں؟ سورۂ نور کی آیات ۲۷ تا ۳۱ میں گھر کے اندر کے پردے سے متعلق واضح احکامات موجود ہیں۔ آیت نمبر ۳۰ میں تمام اہل ایمان مردوں کو اور آیت نمبر ۳۱ کی ابتداء میں پہلا حکم مسلمان خواتین کو غض بصر کا دیا جا رہا ہے :

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا . . . ﴾

نبیؐ) مؤمن مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے' جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے۔ اور (اے نبیؐ) مؤمن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں' بجزاِس کے جو خود ظاہر ہو جائے. . . . . "

ان آیات میں غضِّ بصر کا جو حکم دیا جا رہا ہے اس کے بارے میں جن لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ یہ سڑک پر چلنے سے متعلق ہے وہ بہت بڑے مغالطے میں پڑ گئے ہیں۔ سڑک پر چلنے کے متعلق تو. حکم ہے کہ عورتیں اپنی جلباب میں لپٹ کر اور اس کا ایک پلو چہرے پر ڈال کر نکلیں۔ راستہ دیکھنے کے لئے ان کو اپنی آنکھیں کھلی رکھنی ہوں گی۔ ان آیات میں غضِ بصر سے مراد نگاہ بھر کر نہ دیکھنا ہے' یعنی مرد بیوی کے علاوہ کسی محرم خاتون کو اور عورت شوہر کے علاوہ کسی محرم مرد کو بھی نگاہ بھر کر نہ دیکھے' مبادا شیطان کو کسی غلط جذبے کی اکساہٹ کا موقع مل جائے۔ جب محرموں کے نگاہ بھر کر دیکھنے پر پابندی لگائی جا رہی ہے تو غیر محرموں کے لئے خود بخود اس پابندی کا وزن بہت بڑھ جائے گا۔

مرد کے ستر کی حدود نبی اکرم ﷺ نے ناف سے گھٹنے تک مقرر کی ہیں۔ اس حصے کو بیوی کے سوا کسی کے سامنے قصداً کھولنا شریعت نے حرام کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے عورتوں کا ستر ہاتھ' منہ اور پاؤں کے سوا پورے جسم کو قرار دیا ہے۔ چہرہ نامحرم مردوں کے لئے بھی ستر میں شامل ہے' البتہ مرد اور عورت دونوں کے لئے اشد طبّی ضرورت کے پیشِ نظر طبیب اور جراح مستثنٰی کئے ہیں۔

ایسا لباس پہننے والی عورتوں کو' جن کا بدن کپڑوں میں سے جھلکتا ہو' نبی اکرم ﷺ نے عریاں قرار دیا ہے۔ بخاری میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل روایت کے آخری الفاظ میں ((رُبَّ کَاسِیَۃٍ فِی الدُّنْیَا عَارِیَۃٌ فِی الْاٰخِرَۃِ)) "دُنیا میں اکثر کپڑے پہننے والیاں آخرت میں ننگی ہوں گی"۔ یہاں ایسے باریک اور ایسے چست کپڑے مراد ہیں جن سے جسم جھلکے یا عورت کی رعنائی کی چیزیں نمایاں ہوں۔ سورۂ نور کی زیرِ مطالعہ آیت میں آگے خواتین کے گھر کے پردے کیلئے ایک اور حکم آ رہا ہے : ﴿وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ

عَلٰی جُیُوْبِھِنَّ ﴾ "اور وہ (عورتیں) اپنے سینے پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈال لیا بکل مار لیا کریں"۔ "خمر" کے معنی کسی چیز کے چھپانے کے ہیں' اسی سے لفظ "خمار" ہے۔ امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں لکھا ہے کہ یہ لفظ "خمار" عورت اوڑھنی کے لئے بولا جاتا ہے' اس کی جمع "خُمُر" آتی ہے۔ اس سے وہ اوڑھنیاں مُراد ہیں جنہیں اوڑھ کر سر' کمر' سینہ سب اچھی طرح ڈھانک لئے جائیں۔ اسی کو ہمارے ہاں دوپٹہ کہا جاتا ہے' یعنی گھر میں بھی محرموں کے لئے عورت کے چہرے' ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ پورا جسم ستر ہے۔ آگے بتایا جا رہا ہے کہ محرم کون ہیں؟

﴿ ... وَلاَ یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلاَّ لِبُعُوْلَتِھِنَّ اَوْ اٰبَآئِھِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِھِنَّ اَوْ اَبْنَآئِھِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِھِنَّ اَوْ اِخْوَانِھِنَّ اَوْ بَنِیْ اِخْوَانِھِنَّ اَوْ بَنِیْ اَخَوٰتِھِنَّ اَوْ نِسَآئِھِنَّ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَۃِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْھَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ص وَلاَ یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِھِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِھِنَّ ط وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّہَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ ﴾ (النور : ۳۱)

"... اور وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں' مگر ان لوگوں کے سامنے : شوہر' باپ' شوہروں کے باپ' اپنے بیٹے' شوہروں کے بیٹے' بھائی' بھائیوں کے بیٹے' بہنوں کے بیٹے' اپنی میل جول کی عورتیں' اپنے لونڈی غلام' وہ زیردست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں۔ وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔ اے مومنو! تم سب مل کر اللہ کے حضور توبہ کرو' توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے"۔

زینت کے ظاہر کرنے یا از خود ظاہر ہونے کے فرق کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ پہلے وہ آیت آ چکی ہے کہ ﴿ وَلاَ یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلاَّ مَا ظَھَرَ مِنْھَا ﴾ "اپنی زینت نہ دکھائیں اس کے سوا جو از خود ظاہر ہو جائے" یہ کون سی زینت ہے جس کے اظہار کی اجازت دی جا رہی ہے؟ عورت گھر میں پورے لباس کے ساتھ ہو پھر بھی اس کا چہرہ اور اس کے ہاتھ

پاتی ہیں' اس کا تقاضا ہے' اس کو آخر عورت کیسے چھپائے گی۔ اس زینت کے ساتھ وہ محرم مردوں کے سامنے آسکتی ہے۔

اس موضوع پر آیت کے آخر میں پروردگار فرما رہا ہے ﴿ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ "اللہ کی طرف رجوع کرو' پلٹو' تم سب کے سب اے ایمان والو! تاکہ کامیابی حاصل کرو"۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس معاملے میں اب تک جو غفلت' غلطی اور کوتاہی ہوتی رہی ہے اس سے توبہ کرو اور اپنے طرزِ عمل کی اللہ اور اس کے رسول کی ہدایت کے مطابق اصلاح کرو۔ اس ضمن میں حکیم الامت علامہ اقبال کی نظر میں پردے کی اہمیت کیا تھی' وہ فرماتے ہیں :

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

"حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرح ہو جاؤ اور زمانے سے چھپ جاؤ کہ تمہاری آغوش میں شبیرؓ جیسی شخصیات پرورش پائیں"۔

اقبال فرماتے ہیں :

"جس قوم نے عورتوں کو ضرورت سے زیادہ آزادی دی وہ کبھی نہ کبھی ضرور اپنی غلطی پر پشیماں ہو گی۔ اگر اسے اس کے اصلی فرائض سے ہٹا کر ایسے کاموں پر لگا دیا جائے جنہیں مرد انجام دے سکتا ہے تو یہ طریقہ کار یقیناً غلط ہو گا۔ مثلاً عورت کو جس کا کام آئندہ نسل کی تربیت ہے' ٹائپسٹ یا کلرک بنا دینا نہ صرف قانونِ فطرت کی خلاف ورزی ہے بلکہ انسانی معاشرے کو درہم برہم کرنے کی افسوسناک کوشش ہے"۔

اس مضمون کی تیاری کے لئے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی کتاب "اسلام میں عورت کا مقام" سے بھرپور مدد لی گئی ہے۔ لہٰذا جو بھی اس موضوع کو تفصیل سے سمجھنا چاہئے وہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرے۔ ان شاء اللہ کتاب و سُنّت کی روشنی میں پردے کے موضوع پر جو واضح ہدایات ہیں وہ کھل کر سامنے آجائیں گی۔

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 49 No. 5
May 2000

# توحیدِ عملی

اخلاص فی العبادۃ اور اقامت دین کی اہمیت و فرضیت

ڈاکٹر اسرار احمد

# اپنی ذہانت ٹیسٹ کریں

١. آپ پاکستان کی کتنی زبانیں سمجھ لیتے ہیں؟
٢. آپ کو دنیا کی کتنی زبانوں کی شُد بد حاصل ہے؟
٣. آپ کے روزی رساں، مشکل کشا اور پالن ہار کی پسندیدہ زبان کون سی ہے؟
٤. اس کے حبیب اور ہمارے محسن رسول اللہ ﷺ کی پسندیدہ زبان کون سی ہے؟
٥. فرشتوں کی زبان کونسی ہے؟
٦. قبر میں سوال کس زبان میں ہوں گے؟
٧. جنّت میں جنّتی لوگوں کی زبان کون سی ہو گی؟
٨. فرصت کے اوقات میں گھر بیٹھے اس زبان کی شد بد حاصل کرنے میں کیا حرج ہے؟
٩. آپ کی ذہانت آپ سے کیا کہتی ہے؟

اس کی بات مانیں اور تفصیلات کے لئے آج ہی خط لکھیں

البلاغ فاؤنڈیشن ۳ الف ' ایف سی سی ' گلبرگ ' IV ' لاہور

فون 5710183

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

| | |
|---|---|
| جلد : | ۴۹ |
| شمارہ : | ۶ |
| ربیع الاول | ۱۴۲۱ھ |
| جون | ۲۰۰۰ء |
| فی شمارہ | -/۱۰ |
| سالانہ زر تعاون | -/۱۰۰ |





**سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک**

- امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' عرب امارات' بھارت' بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا' یورپ' جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق' الجزائر' مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

**مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ**

مقام اشاعت : 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700 فون : 03-02-5869501

فیکس : 5834000 ای میل : anjuman@brain net pk

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور

فون : 6316638-6366638 فیکس : 6305110

پبلشر : ناظم مکتبہ مرکزی انجمن' طابع : رشید احمد چودھری مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

# مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## عرض احوال

# امت مسلمہ ہوش میں آ !

## تری بربادیوں کے مشورے ہیں "یو این او" میں

### انسان کو انسانیت سے محروم کرنے کی خوفناک شیطانی سازش :

دجالی فتنے کا نقطۂ عروج!

# "بیجنگ پلس فائیو کانفرنس"

## جس کے ذریعے ایک نئی عالمی شریعت نافذ کی جائے گی!

---

ای میگزین "البلاغ" کے ایڈیٹر جناب خالد بیگ ایک بین الاقوامی شہرت کے حامل مسلمان صحافی ہیں۔ امریکہ کی ریاست کیلیفورنیا میں مقیم ہیں اور لندن سے شائع ہونے والے مشہور ہفت روزہ جریدے "IMPACT" جسے مسلمانان عالم کے ترجمان کی سی حیثیت حاصل ہے' کے مستقل قلمی معاونین میں سے ہیں۔ گزشتہ ماہ خالد بیگ صاحب نے Impact کے لئے ایک چونکا دینے والا مضمون "بیجنگ پلس فائیو کانفرنس" کے عنوان سے تحریر کیا اور اشاعت سے قبل اپنی تحریر انہوں نے بذریعہ ای میل امیر تنظیم اسلامی کو ارسال کر دی کہ امت مسلمہ کیلئے تباہی و بربادی کا پیام لانے والے اس طوفان کو روکنے کیلئے رائے عامہ کو بیدار کیا جائے۔ امیر تنظیم اسلامی نے مسلسل دو خطبات جمعہ میں اس موضوع پر تفصیلاً اظہار خیال فرمایا اور اس مہیب خطرے سے امت کو آگاہ کیا۔ "ندائے خلافت" میں بھی گزشتہ ماہ اس کا ترجمہ شائع کیا گیا۔ مزید برآں امیر تنظیم کے توجہ دلانے پر "نوائے وقت" نے اپنے خصوصی ایڈیشن میں اس مضمون کو شائع کیا۔ بعد ازاں تنظیم اسلامی کے تحت اس مضمون کو ایک دو ورقہ کی شکل میں ہزاروں کی تعداد

میں پھیلایا گیا۔ ذیل میں خالد بیگ صاحب کے اس مضمون کا ترجمہ ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے۔ جس سے قارئین بخوبی اندازہ کر سکیں گے کہ انسان کو انسانیت سے محروم کرنے کی کیسی خوفناک سازش کا جال بچھایا جاچکا ہے۔ (ادارہ)

---

۵ جون سے قبل اگر کہیں مسلمانوں کی آنکھ نہ کھل گئی تو جون کے شروع ہوتے ہی اقوامِ متحدہ میں بغیر کسی رکاوٹ کے اخلاق و کردار اور اسلامی معاشرت کو دنیا سے مٹانے کی تیاری مکمل ہے۔ یہ تقریب، جسے بیجنگ پلس فائیو کا لقب دیا گیا ہے، اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کا خصوصی اجلاس ہے، عنوان ہے : Women 2000 عورتوں کے دو ہزار سال : مساواتِ مرد و زن، ترقی اور امن برائے اکیسویں صدی۔ یہ خصوصی اجلاس ۵ تا ۹ جون نیویارک میں منعقد ہو گا۔

اجلاس میں رسمی تقاریر کے لئے ہر ایک کو ۵، ۱۰ منٹ کا وقت دیا جائے گا، جبکہ اصل کارروائی پہلے سے مکمل ہے، اسمبلی سے صرف اس نئے بنیادی خاکہ کے اعلان پر دستخط کروانے باقی ہیں جس میں چال چلن، ضابطہ اخلاق اور ازدواجی معاملات سے متعلق اقوامِ متحدہ کی ہدایات درج ہیں۔ اس طرح جو نیا قانون عمل میں آئے گا اسے تمام قوانین اور مذہبی تعلیمات پر فوقیت حاصل ہو گی اور اس کے نفاذ کے لئے وہی طریق کار اختیار کیا جائے گا جو عراق، لیبیا، سوڈان اور افغانستان کے خلاف عائد پابندیوں کے ضمن میں اختیار کیا گیا ہے۔ تھیلے کے اندر کیا ہے، اس کی ایک جھلک خصوصی اجلاس کے لئے ابتدائی کمیٹی کی ۲۰/ اپریل ۲۰۰۰ء کو پیش کردہ دستاویز کے حوالہ جات سے پیش خدمت ہے۔

اقوامِ متحدہ کی جانب سے گزشتہ کئی دہائیوں سے یہ یقین دہانی کرائی جارہی ہے کہ ہم جن چیزوں کو قابلِ نفرت سمجھتے ہیں اور انہیں گناہ اور جرم سے تعبیر کرتے ہیں وہ درحقیقت انسان کا بنیادی حق ہے۔ ایسی بے شمار دستاویزات موجود ہیں جن میں جنسی رجحان (Sex Orientation) کی بناء پر امتیاز برتنے کی مذمت کی گئی ہے۔ مثلاً پیرا نمبر 102h کے ذیل میں درج حکم نامہ ملاحظہ ہو :

"ایسے قوانین، اعمال اور قواعد و ضوابط کو فروغ دیں اور ان کی تعمیل کرائیں جن سے جنس، نسل یا زبان، مذہب یا عقیدہ، معذوری، عمر یا جنسی رجحان کی بناء پر

پائی جانے والی تفریق کی نفی ہو اور اس کا خاتمہ ہو سکے۔"

اس حکم نامے کو آخری شکل میں یوں جاری کیا جا رہا ہے :

> 102J : جنسی رجحان کی بناء پر پائی جانے والی تفریق کو ختم کرنے کے لئے کارروائی کریں۔ ایسے قوانین پر نظر ثانی کریں یا انہیں منسوخ کریں جو ہم جنسی کو جرم قرار دیتے ہیں' اس لئے کہ ایسے قوانین سے جو فضا پیدا ہوتی ہے اس میں ان عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک اور تشدد کو ہوا ملتی ہے جو نسوانی ہم جنسیت میں ملوث نہیں یا ملوث ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا ان کے خلاف اس طرح کے تشدد اور اذیت کا تدارک ضروری ہے۔ یہاں بغیر کسی وضاحت کے یہ بھی درج ہے کہ مختلف سماجی' سیاسی اور معاشرتی حلقوں میں لوگوں نے کئی طرح کی گھریلو زندگی اختیار کر رکھی ہے۔ جو لوگ اقوامِ متحدہ کی بولی سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ "کئی طرح کی گھریلو زندگی" سے مراد ہم جنس عورتیں (Lesbians)' ہم جنس مرد (Gays) اور غیر شادی شدہ جوڑے ہیں۔

اس کوشش کا اصل مقصد گھر کی چار دیواری میں نقب لگانا ہے۔ ماہرین نے خاندان کے ادارہ کو مضبوط کرنے کے بہانے اس میں رخنہ پیدا کرنے اور اسے بگاڑنے کے لئے نئی راہیں نکالی ہیں' تاکہ میاں' بیوی کے درمیان رفاقت کے تعلق کو مسابقت میں تبدیل کر کے ان کی نجی زندگی میں دخل اندازی کی جا سکے۔ چنانچہ انہوں نے نیکی اور بدی کا تصور ہی بدل دیا ہے۔ انہیں عورتوں کا کتنا غم ہے' اندازہ کیجئے! کہتے ہیں :

> "عورتوں کو محنت مزدوری اور گھریلو کام کاج کے علاوہ افزائش نسل کا جو دہرا کام کرنا پڑتا ہے اس کا اعتراف نہ کرنے کا یہ نتیجہ ہے کہ دنیا میں عورتوں پر کام کے زیادہ بوجھ اور ان کے ساتھ غیر مساویانہ شراکت پر مستزاد مسلسل بڑھتے ہوئے بلامعاوضہ کام کے بوجھ اور بچے پیدا کرنے کی اجرت سے محرومی کا سلسلہ ختم ہونے کو نہیں آ رہا۔ عورتوں میں غربت کم کرنے کی جو بھی کوشش کی جاتی ہے وہ غیر مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا اب وقت آ گیا ہے کہ عورتوں کو گھر کے کام کاج اور افزائش نسل کے کام' پورا معاوضہ دیا جائے"۔

آپ کو یاد ہو گا یہ وہ ہر حضرات ہیں جنہوں نے طوائفوں کے لئے "جنسی

کارکن" (Sexual Workers) کی اصطلاح وضع کی ہے اور کہا ہے کہ ان کے حقوق کی مکمل پاسداری کریں۔ اور اب کہتے ہیں: "جب تک مرد روز مرہ کاموں اور ذمہ داریوں میں پوری طرح شریک نہیں ہوتے اور بامعاوضہ اور گھریلو کام کاج آپس میں گڈ مڈ رہتے ہیں' عورتوں پر کام کا بوجھ کم نہیں ہوگا' نیز جنس اور عمر کے حوالے سے معلومات کا فقدان بھی عورتوں کے بلا معاوضہ کام کا جائزہ لینے میں رکاوٹ ہے۔ یہ یاددہانی بھی کرائی گئی ہے کہ گھریلو کام میں عورتوں کی ذمہ داریاں غیر مساوی ہیں' اس عدم توازن کو درست کرنے کے لئے مناسب لائحہ عمل اور پروگرام ترتیب دیئے جائیں' اس کا ابلاغ کیا جائے اور اس کے مطابق قانون سازی کی جائے"۔ ان باتوں سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ تعلیم نسواں پر زور دینے کے پیچھے ان کا اصل محرک کیا ہے۔

خواتین کو گھر کا کام کاج نہ کرنے پر اکسانے کا حکم صادر کرتے ہوئے کہا گیا:

"عوام کو آگاہ کرنے کے لئے ایسے پروگرام ترتیب دیئے جائیں جن سے مرد و زن کی گھریلو ذمہ داریوں اور کام کاج میں مساوی شرکت کے اصول پر رائے عامہ ہموار ہو۔"

انہوں نے ایک نیا جرم بھی متعارف کرایا ہے یعنی "ازدواجی زنا بالجبر" (marital rape) اور مطالبہ کیا ہے کہ فیملی کورٹس قائم کئے جائیں جو بیویوں کو شوہروں کے اس جبر سے تحفظ دیں۔

ملاحظہ ہو پیرا نمبر (103C'56(m : فیملی کورٹس قائم کئے جائیں اور قانون سازی کی جائے جو ایسے فوجداری معاملات کا جائزہ لے جن کا تعلق گھریلو تشدد بشمول ازدواجی زنا بالجبر اور جنسی تشدد سے ہو اور ایسے معاملات میں فوری انصاف مہیا کیا جائے۔

مغربی مصنف ناواقفیت کی بناء پر اسلام کے قانون وراثت کو بھی تنقید کا ہدف بناتے رہے ہیں۔ اب اقوامِ متحدہ تنقید سے بڑھ کر تحکیم تک جا پہنچی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ "ممبر ممالک ایسی قانون سازی کریں جس سے عورتوں کو معاشی وسائل میں' جن میں حق ملکیت اور مساوی حق وراثت شامل ہیں' مردوں کے برابر حقوق حاصل ہوں"۔

اقوامِ متحدہ کی یہ کارروائی عورت کو زنا' فحاشی اور اسقاطِ حمل کے حق سے نوازنے

کے مترادف ہے' جس کے بارے کہا گیا ہے کہ اس ضمن میں کافی "پیش رفت" کے باوجود ابھی بہت سا کام کرنا باقی ہے' کیونکہ ابھی :

"عورتوں اور لڑکیوں کے افزائش نسل کے حقوق کو عام انسانی حقوق کا درجہ حاصل نہیں ہو سکا جو بیجنگ ڈیکلریشن کے پیراگراف ۹۵ میں مذکور ہیں"۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ پچھلے چند سالوں میں مسلم حکومتیں اس غیر اخلاقی' غیر اسلامی اور خانہ خرابی کے چیلنج کا سامنا کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ انہوں نے اپنے دینی اور ایمانی فرائض سے چشم پوشی کا رویہ اختیار کیا اور اس برائی کے ایجنڈے کو نظرانداز کئے رکھا۔ انہوں نے خفیف سے انداز میں جن ایک آدھ تحفظات کا اظہار کیا تھا ان میں کچھ ردوبدل کے باوجود یہ نام نہاد سوشل انجینئر' اپنا ایجنڈا آگے بڑھانے میں کامیاب رہے ہیں۔ چنانچہ اب ان سے یہ تحفظات بھی ختم کرنے کیلئے کہا جا رہا ہے۔ نیا حکم یہ ہے :

152d : عورتوں کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کے خاتمہ کے لئے کئے گئے معاہدہ پر عمل درآمد کو یقینی بنائیں۔ اس بارے میں آپ کے جو تحفظات ہیں انہیں کم کریں اور معاہدہ سے مطابقت نہ رکھنے والے تحفظات واپس لیں۔

102d : تمام مروجہ اور زیر غور قانون سازی پر نظرثانی کریں اور انہیں عورتوں کے خلاف امتیاز کے خاتمے کے لئے معاہدے سے ہم آہنگ بنائیں' ان پر عمل درآمد یقینی بنائیں۔

ایک اسلامی معاشرہ کو اندر سے تباہ کرنے کے لئے اس سے زیادہ شیطانی' خبیث اور فاسد پروگرام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ لوگ اپنا معاشرہ تباہ کرنے کے بعد اب ہمارے درپے ہیں' حالانکہ ان کے نام نہاد ترقی یافتہ معاشرہ میں جو خرابیاں ہیں وہ ان کی اپنی پیدا کردہ ہیں' باہر سے کسی نے نہیں ٹھونسیں۔ یہ خرابیاں ان کی مادہ پرستانہ اور اباحت پسندی کا نتیجہ ہیں جنہیں اب اقوامِ متحدہ کے ذریعے بقیہ دنیا کو بالجبر برآمد کرنا چاہتے ہیں۔

یہ بہروپئے اب تک خاصی کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔ عمدہ فنکاری اور نفیس پروپیگنڈہ کے ذریعے بغیر کسی مزاحمت کے معاملہ بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ انہوں نے یہ

جھوٹ بولا کہ اصل میں آبادی کو کنٹرول کرنا ہے اور ہم نے سے سچ سمجھا' حالانکہ یہ کام بھی اللہ کو پسند نہیں۔ ان کا حقوقِ نسواں کے علمبردار ہونے کا جھوٹا دعویٰ بھی ہم نے من و عن قبول کر لیا اور یہ نہ دیکھا کہ وہ عورتوں کے نئے حقوق تلاش کر رہے ہیں 'نیکی' بدی کی نئی تعریف اور ایک نئی شریعت ایجاد کر رہے ہیں۔

جب پاکستان کی فوجی حکومت نے یہ اعلان کیا کہ نئی مقامی حکومتوں میں عورتوں کو پچاس فیصد نمائندگی دی جائے گی تو کسی نے یہ گمان نہیں کیا کہ یہ ورلڈ بینک کا حکم ہے۔ جب پاکستانی وزارتِ قانون نے اقوام متحدہ کے حکم پر غیرت کے نام پر قتل کو قتل عمد قرار دیا تو اس پر بھی کوئی آواز بلند نہ ہوئی۔

اقوامِ متحدہ میں جہاں مسلمانوں کی سرے سے کوئی نمائندگی نہیں یہی کچھ ہوتا ہے۔ قاہرہ کانفرنس (۱۹۹۴ء) کے موقع پر مسلم امہ میں کچھ چہ میگوئیاں ہوئیں لیکن بعد میں سب اسے بھول گئے اور اقوامِ متحدہ کا منصوبہ بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رہا۔

بوسنیا ہرزوگوینا' کوسوو اور جموں و کشمیر میں مسلم امہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کی تو حفاظت نہیں کر سکی لیکن اقوامِ متحدہ میں اپنی ناکامی کو کیا کہے گی جو قرآن و سنت کے ہر حکم کی خلاف ورزی پر مُصِر ہے۔ مسلمانوں کو ایک بہت بڑے فتنہ کا سامنا ہے۔ اگر وہ اسے ختم نہ کر سکے تو انہیں اسلام کا نام ہی بھول جانا چاہئے۔

# توحیدِ عملی

## اخلاص فی العبادۃ اور اقامتِ دین

## کی اہمیّت و فرضیّت

### سورۃ الزّمر تا سورۃ الشّوریٰ کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

مرتب : شیخ جمیل الرحمٰن

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرحیم         بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ ﴾ (الشوریٰ : ۱۳)

حضرات و خواتین! ان نشستوں میں ہم سورۃ الشوریٰ کے بعض منتخب مقامات کا مطالعہ کریں گے۔ میرے حقیر مطالعہ کی رو سے یہ سورۂ مبارکہ اقامتِ دین کے خاص موضوع پر ایک چوٹی کا درجہ رکھتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بعض سورتوں کے لئے ذروۂ سنام کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی مختلف سورتیں مختلف موضوعات پر چوٹی کے مقام کی حامل ہیں۔ انگریزی میں اسے اس موضوع کے Climax یعنی نقطۂ عروج سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ میرے نزدیک اقامتِ دین کے خاص موضوع پر اس سورۂ مبارکہ کو ذروۂ سنام کا مقام حاصل ہے۔

## مصحف کی ترتیب

میں چاہتا ہوں کہ سورۃ الشوریٰ کے پیش نظر مقامات کے درس سے قبل اس سورت کے بارے میں اور قرآن کی موجودہ ترتیب کے متعلق بعض اہم اور بنیادی باتیں آپ کے گوش گزار کردوں' جوان شاء اللہ العزیز قرآن حکیم کے مطالعہ اور اس میں غور و فکر اور تدبر کے لئے قرآن مجید کے ہر طالب علم اور قاری کے لئے مفید ثابت ہوں گی۔

## مکّی اور مدنی سورتیں

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ سورۃ الشوریٰ مکّی سورت ہے۔ آپ اس بات سے بھی واقف ہوں گے کہ قرآن مجید کا تقریباً دو تہائی حصہ مکی سورتوں پر اور بقیہ تقریباً ایک تہائی حصّہ مدنی سورتوں پر مشتمل ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ قرآن مجید میں پہلے مکی اور بعد میں مدنی سورتیں یکجا جمع کر دی گئی ہوں۔ پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ مکیّات اور مدنیات میں جو نزولی ترتیب ہے اس کے اعتبار سے قرآن حکیم کو مرتب کیا گیا ہو۔ یہ بات قرآن مجید کے ہر طالب علم کو معلوم ہے کہ مصحف کی ترتیب نزولی ترتیب سے مختلف ہے۔

## ازلی وابدی ترتیب

البتہ یہ بات جان لیجئے کہ اصل میں قرآن حکیم کی ازلی وابدی ترتیب یہی ہے جو مصحف کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ یہی ترتیب توقیفی ہے اور قرآن مجید کی یہی ترتیب لوحِ محفوظ کے مطابق ہے۔ البتہ نبی اکرم ﷺ پر قرآن مجید کا جو نزول ہوا ہے وہ ایک دوسری ترتیب سے ہوا ہے۔ یہ ان خاص حالات کے مطابق ہوا ہے جو آنحضور ﷺ کی دعوت اور آپؐ کی جدّوجُہد کے دوران آپؐ کو مختلف مواقع پر مختلف مراحل میں پیش آئے۔ لہٰذا ترتیبِ نزولی کا تعلّق خاص حالات سے اور خاص زمانے سے ہے۔ گویا خاص زمان و مکان اس نزول کے پس منظر میں ہیں۔ لیکن جس ترتیب سے قرآن مجید نبی اکرم ﷺ اُمّت کو عطا فرما کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں وہ لوحِ محفوظ کی ترتیب کے عین مطابق ہے' اور یہ ہے ازلی وابدی ترتیب ـــــ اسی کے مطابق آنحضور ﷺ کی وفات سے قبل کے رمضان المبارک میں حضرت جبرائیلؑ نے آپؐ کو دوبار قرآن مجید کا دور

کرایا تھا۔

## قرآن مجید کا نظم

قرآن فہمی اور خاص طور پر اس میں تدبّر کے لئے مصحف کی موجودہ ترتیب ' اس کے نظم اور سورتوں کے باہمی ربط و تعلق کو سمجھنا بہت اہم ہے۔ چنانچہ اس پر ہر دور میں کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے قرآن مجید اور اس کی سوُرتوں کا جو اندرونی نظام اور ان کا جو باہمی ربط و تعلق ہے ' اس پر برّ ِعظیم پاک و ہند کی ماضی قریب کی ایک شخصیت نے نہایت عمیق تدبّر اور تفکر کیا ہے اور اس نظام اور باہمی ربط و تعلق کو واضح کرنے کے لئے انتہائی قابلِ قدر کام کیا ہے۔ یہ شخصیت تھے مولانا امام حمید الدین فراہی رحمہ اللہ جن کا انتقال ۱۹۳۰ء میں ہوا۔ مولانا مرحوم شبلی نعمانی مرحوم کے بہت قریبی عزیز تھے۔ ان دونوں کے مابین ماموں زاد اور پھوپھی زاد بھائیوں کا رشتہ تھا۔ مولانا فراہیؒ نے عربی زبان میں قرآن مجید کے چند اجزاء کی تفسیر بھی لکھی تھی اور اس کا نام ہی مولانا مرحوم نے "تفسیر نظام القرآن" تجویز کیا تھا۔ اس کا مقدمہ مولانا نے "مقدمہ تفسیر نظام القرآن" کے عنوان سے تحریر کیا تھا جو نہایت اہمیت کا حامل اور میرے نزدیک قرآن فہمی کے لئے بمنزلہ کلید ہے۔

## نظام کے لحاظ سے قرآن کے گروپ

مولانا فراہیؒ کے اصولوں پر نظامِ قرآن کو واضح کرنے کے لئے ان ہی کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے ایک قدم آگے بڑھایا اور اس ضمن میں ایک رائے ظاہر کی جو خاصی وزنی ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ قرآن حکیم کی جملہ سورتیں سات گروپوں میں منقسم ہیں اور ہر گروپ کی تشکیل اس طرح ہے کہ اس کے آغاز میں ایک یا ایک سے زائد مکّی سورتیں ہیں اور ہر گروپ کا اختتام ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر ہوتا ہے۔ اس طرح مکّیات اور مدنیات مل کر ایک گروپ بن جاتا ہے۔ پھر مکیات اور مدنیات پر مشتمل دوسرا گروپ مکمل ہوتا ہے۔ وَقِس عَلٰی ذٰلِکَ ـــــ اس طرح قرآن حکیم کے جو سات گروپ بنتے ہیں ان میں سے ہر گروپ کا ایک اپنا مرکزی

مضمون ہوتا ہے، جسے وہ "عمود" کہتے ہیں۔ عمود کی اصطلاح شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اختیار فرمائی ہے۔ لیکن یہ کہ قرآن حکیم کے سات گروپ ہیں اور ہر گروپ کا اپنا ایک عمود یعنی مرکزی مضمون ہے، یہ مولانا اصلاحی کی اپنی تحقیق اور تدبر کا نتیجہ ہے جو اس دور میں ہمارے سامنے آیا ہے۔ مولانا اصلاحی کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ ہر گروپ کے مرکزی مضمون یا عمود کے دو رُخ ہیں ـــــ (جیسے ہم کہتے ہیں تصویر کے دو رُخ) ـــــ ایک رخ مکّیات میں بیان ہوتا ہے اور دوسرا رخ مدنیات میں۔ اور اس طرح یہ دونوں رخ مل کر اس گروپ کے عمود یا مرکزی مضمون کی تکمیل کر دیتے ہیں۔

اس طرح جو سات گروپ بنتے ہیں ان میں سے پہلے گروپ میں مکّی سورت صرف ایک ہے اور وہ ہے سورۃ الفاتحہ۔ یہ سورت مختصر ہے اور صرف سات آیات پر مشتمل ہے، اگرچہ اپنے مضامین کی جامعیت کے اعتبار سے اسے "قرآنِ عظیم" بھی کہا گیا ہے۔ گویا یہ سورۃ خود اپنی جگہ ایک مکمل قرآن ہے۔ اسے اُمّ القرآن بھی کہا گیا ہے اور اساس القرآن بھی۔ اس کو شافیہ اور کافیہ کے ناموں سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ اس سورۃ کے مختلف نام اس کی جامعیت و عظمت کے اظہار کے لئے رکھے گئے ہیں، حالانکہ حجم کے اعتبار سے یہ بہت چھوٹی سورت ہے۔ جبکہ اس پہلے گروپ میں چار نہایت طویل مدنیات شامل ہیں، یعنی سورۃ البقرۃ، سورۂ آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ۔ گویا قرآن مجید کے تقریباً چھ پارے ان چار سورتوں پر مشتمل ہیں۔

دوسرے گروپ میں دو بڑی مکّی سورتیں الانعام اور الاعراف اور اسی طرح دو بڑی مدنی سورتیں الانفال اور التوبہ شامل ہیں۔

تیسرے گروپ میں پہلی چودہ سورتیں سورۂ یونس سے سورۃ المؤمنون تک مکی ہیں، اور آخر میں صرف ایک مدنی سورت "سورۃ النور" شامل ہے۔ یہ گروپ بھی چھ پاروں کے لگ بھگ بنتا ہے۔

چوتھا گروپ سورۃ الفرقان سے شروع ہو کر سورۃ الاحزاب پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں بھی ابتداء میں آٹھ مکی سورتیں اور آخر میں صرف ایک مدنی سورۃ سورۃ الاحزاب ہے۔

پانچواں گروپ سورۂ سبا سے شروع ہو کر سورۃ الحجرات پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں ابتداء میں تیرہ مکّی سورتیں اور اختتام پر تین مدنی سورتیں شامل ہیں۔

پھر چھٹا گروپ سورۂ قٓ سے شروع ہو کر سورۃ التحریم پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں پہلی سات سورتیں مکی اور اس کے بعد سورۃ الحدید سے لے کر سورۃ التحریم تک دس سورتیں مدنی ہیں۔ یہ وہ واحد گروپ ہے جس میں مدنیات کی تعداد مکیات سے زیادہ ہے۔

آگے چلئے' پھر سورۃ الملک سے سورۃ النّاس تک ساتواں گروپ ہے۔ اس گروپ میں چند سورتیں مستثنٰی ہیں جو مدنی ہیں' باقی کُل کی کُل سورتیں مکّیات پر مشتمل ہیں۔

## مکّی سورتوں کے مرکزی مضامین و موضوعات

اب ہمیں یہ سمجھنا ہو گا کہ مکی سورتوں کے مرکزی مضامین و موضوعات کیا ہیں؟

(ا) ایمانیاتِ ثلاثہ : اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ مکی سورتوں کا اصل موضوع ایمان ہے۔ پہلے اسی کو پختہ کیا گیا ہے' اس لئے کہ ایمان پر ہی اسلام کا دار و مدار ہے۔ ایمان کی حیثیت جڑ کی ہے اور اسلام کی حیثیت درخت کی ہے' جبکہ اعمالِ صالحہ اسی ایمان اور اسلام کے ثمرات ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ بنیادی حیثیت جڑ ہی کو حاصل ہوتی ہے جس پر درخت قائم ہوتا اور برگ و بار لاتا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ جیسے ایک عمارت ہے' اس کی ایک بنیاد ہے اور اس پر تعمیر ہے۔ نظر تو عمارت آتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس عمارت کے استحکام کا سارا دار و مدار بنیاد پر ہے اور وہ زیرِ زمین ہے' نظر نہیں آتی ـــــ پس معلوم ہوا کہ اصل شے ایمان ہے۔ یہ ایمان ہی اصل موضوع ہے تمام مکی سورتوں کا۔

البتہ ایمان کے تین اجزاء ہیں۔ ایمان باللہ یا توحید' ایمان بالرّسالت اور ایمان بالمعاد یا ایمان بالآخرۃ ـــــ ان تینوں اجزاء کی مکّی سورتوں میں مختلف اسالیب سے دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تفہیم ہے۔

(ب) بنیادی اخلاقیات : مکی سورتوں کا دوسرا بڑا اور اہم مضمون بنیادی اخلاقیات سے متعلق ہے۔ یعنی سچائی' ہمدردی' بھوکوں کو کھانا کھلانا' یتیموں سے حسنِ سلوک' حاجت مندوں کی دست گیری' ماپ اور تول میں دیانت' معاملات میں امانت' ایفائے

عہد' صلہ رحمی' والدین سے حسن سلوک' زنا سے اجتناب' عصمت و عفت کی حفاظت' تبذیر و اسراف سے بچنا' چغل خوری' بہتان تراشی' شیخی و تکبر اور تفاخر و تکاثر سے پرہیز' قتلِ ناحق بالخصوص نومولود بچیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے پر نکیر' غلاموں پر شفقت یا ان کی آزادی کی ترغیب وغیرہ وغیرہ۔ مکّی سورتوں میں ان اخلاقیات کی تعلیم و تلقین بھی کثرت سے اور پورے شدّ و مد کے ساتھ مختلف اسالیب میں ملتی ہے۔ مکّی سورتوں میں ان چیزوں پر آپ کو زور (Emphasis) ملے گا ـــــ ان میں آپ کو شریعت کے احکام نہیں ملیں گے کہ حلال و حرام کیا ہے؟ ان کا ذکر مدنی سورتوں میں آئے گا ـــــ مکّیات میں ایمان کی دعوت کے ساتھ ساتھ بنیادی اخلاقیات کی تعلیم و تلقین بھی ملے گی' ان اخلاقیات کی جو مکّہ والوں کے نزدیک بھی متفق علیہ تھے۔ اور کوئی انسان بھی دنیا میں ایسا نہیں ہو گا جو یہ تسلیم نہ کرے کہ سچ بولنا اچھا ہے' جھوٹ بولنا برا ہے۔ اور کوئی انسان ایسا نہیں ہو گا جو یہ نہ کہے کہ وعدہ وفا کرنا اچھائی ہے اور وعدہ خلافی برائی ہے ـــــ وقِس علٰی ھذا۔

ج) قصص الانبیاء وانباء الرّسل : تیسرا بڑا مضمون جو مکی سورتوں میں ہے وہ انبیاء و رسل کے حالات و واقعات ہیں۔ تاہم ان میں بھی ایک فرق ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے جو واقعات و حالات بیان ہوئے ہیں وہ بنیادی اخلاقیات کے ذیل میں آئے ہیں' جبکہ رسولوں (علیہم السلام) کے جو واقعات و حالات اس کام کے لئے آئے ہیں جن کو امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اَلتَّذْکِیْرُ بِاَیَّامِ اللّٰہِ" کا عنوان دیا ہے' یعنی یاددہانی کرانا اللہ کے دنوں کے حوالے سے۔ گویا جن قوموں کی طرف اللہ کے رسول مبعوث ہوئے اور ان قوموں نے ان رسولوں کی دعوت توحید کو قبول نہیں کیا' اسے رد کر دیا' تو وہ قومیں ہلاک کر دی گئیں' نسیاً منسیاً کر دی گئیں۔ ان کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ جیسے قومِ نوح' قومِ ثمود' قومِ عاد' قومِ لوط' قومِ شعیب اور آل عمران وغیرہ ـــــ ان چھ اقوام کا ذکر بار بار قرآن مجید میں آیا ہے۔ جو حضرات قرآن حکیم کو پڑھنے والے ہیں ان کو معلوم ہے کہ ان چھ رسولوں کا ذکر' جو ان قوموں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے' یعنی حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت لوط' حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام' مختلف اسالیب

اور مختلف سیاق و سباق میں اس اعتبار سے تکرار و اعادہ کے ساتھ مکّی سورتوں میں آتا ہے کہ ان کے حالات تمہارے لئے مثال و نشان عبرت ہیں' ان سے سبق لو کہ ان رسولوں کی قوموں نے ان کی دعوت کو قبول نہ کیا تو وہ ہلاک کر دی گئیں۔ اگر تم نے بھی ان ہی کا سا رویّہ اختیار کیا تو تم اس دنیا میں بھی عذابِ الٰہی سے دوچار ہو گے اور آخرت میں بھی عذابِ دائمی تمہارا مقدر ہو گا۔

جن حضرات کو مطالعہ قرآن سے دلچسپی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر ان کے لئے دو اصطلاحات کا فرق بھی واضح کر دوں ـــــ ایک اصطلاح ہے "قصص النبیّین" ـــــ نبیوں کے حالات کو قصص قرار دیا گیا ہے۔ رسولوں کے حالات کے لئے دوسری اصطلاح آتی ہے اور وہ ہے "انباء الرسل" ـــــ نباء بڑی اہم خبر کو کہتے ہیں۔ انباء الرسل کے معنی ہوں گے رسولوں کی بہت اہم خبریں ـــــ یعنی پوری پوری قوموں کا ہلاک کر دیا جانا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا' جن کے متعلق قرآن مجید کہتا ہے : ﴿ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ﴾ وہ ایسے ہو گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں' کبھی بستے ہی نہیں تھے ـــــ ﴿ لَا يُرٰى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ﴾ اب ان کے مسکن رہ گئے ہیں' کھنڈرات ہیں' ان میں بسنے والے کہیں نظر نہیں آتے ـــــ کہیں فرمایا : ﴿ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ﴾ یعنی ان ظالم قوموں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ یہاں یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ قرآن میں "ظلم" کا لفظ عموماً شرک کے لئے استعمال ہوا ہے' جیسے : ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾

معلوم ہوا کہ یہ بڑے اہم واقعات ہیں۔ تو ان کو قرآن انباء الرُّسل کہتا ہے اور جن انبیاء کرام کے واقعات و حالات میں ان قوموں کی ہلاکت کا ذکر نہیں ہے' بلکہ ان نبیوں کے مضبوط کردار' ان کی پاکیزہ سیرت' ان کی صداقت و دیانت' ان کی امانت' ان کی عصمت' ان کی عفت اور ان کے صبر و ثبات کا ذکر ہے' جیسے حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے واقعات و حالات سورۂ یوسف میں بیان ہوئے ہیں' تو ان کو قرآن قصص کہتا ہے ـــــ سورۂ یوسف میں الفاظ مبارکہ ہیں : ﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ﴾ "(اے نبیؐ!) ہم اس قرآن کو تمہاری طرف وحی کر کے بہترین پیرایہ میں واقعات اور حقائق تم سے بیان کرتے ہیں"۔ اور سورۂ ھود

کے آخر میں آتا ہے : ﴿ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ ﴾ "یہ انباء الرسل ہیں جو ہم اے نبی! آپؐ کو سنا رہے ہیں' تاکہ اس کے ذریعے سے ہم آپؐ کے دل کو جما دیں اور تسلی دیں۔ اور (اے نبیؐ) اس سورت میں آپؐ پاس کے حق آیا ہے اور اس میں نصیحت اور یاد دہانی ہے ایمان والوں کے لئے"۔ یعنی جن حالات سے اے نبیؐ! آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دوچار ہونا پڑ رہا ہے وہی حالات سابقہ رسولوں کو بھی پیش آئے تھے' لیکن بالآخر اللہ کی نصرت ان رسولوں کے شامل حال ہوئی' وہ سربلند ہوئے اور وہ قومیں جنہوں نے ان کی تکذیب کی' ان کا استہزاء کیا' تمسخر کیا' ان کی دعوتِ ایمان سے اعراض کیا وہ ہلاک و برباد کر دی گئیں۔

میں نے جن تین اہم مضامین کا ذکر کیا ہے اکثر و بیشتر مکّی سورتوں میں مشترک ہیں' ان کا اعادہ کر لیجئے۔ یعنی نمبر ایک : دعوتِ ایمان۔ ایمان میں توحید' رسالت اور آخرت۔ نمبر دو : بنیادی اخلاقیات کی تعلیم و تلقین۔ نمبر تین : قصص النبیین' جن کا تعلق بنیادی اخلاقیات سے ہے اور انباء الرسل جن کا تعلق دعوتِ ایمان سے ہے۔ یہ ہیں مکی سورتوں کے بنیادی مضامین۔

## گروپوں میں مضامین کی تقسیم

مضامین کی مذکورہ بالا تقسیم کے علاوہ ان میں ایک اور تقسیم بھی ہے۔ میں نے مکّی سورتوں کے جو گروپ آپ کو گنوائے تھے ان میں سے پہلے گروپ میں مکّی سورت صرف سورۃ الفاتحہ ہے' جو پورے قرآن کے لئے بمنزلہ دیباچہ اور مقدمہ ہے۔ اس کے بعد اس گروپ میں پانچ مدنی سورتیں ہیں۔ باقی رہ گئے چھ گروپ ـــــ ان میں آپ دیکھیں گے کہ دوسرے اور تیسرے گروپ کی مکی سورتوں میں زیادہ زور ایمان بالرّسالت پر ہے۔ سورۃ الانعام و سورۃ الاعراف جو دوسرے گروپ کی مکّیات ہیں ان میں اور تیسرے گروپ میں سورۃ یونس سے لے کر سورۃ المؤمنون تک ـــــ اگرچہ جو تین بنیادی مضامین مَیں نے گنوائے ہیں وہ بھی ان مکّی سورتوں میں ملیں گے' لیکن ان گروپوں کی

سورتوں میں خاص زور (Emphasis) رسالت پر ملے گا۔ یعنی ان کا اصل عمود اور مرکزی مضمون رسالت ہے۔ اس کے بعد چوتھے گروپ میں سورۃ الفرقان سے لے کر سورۂ حم السجدۃ تک آٹھ سورتیں اور پھر پانچویں گروپ میں سورۂ سبا سے لے کر سورۃ الاحقاف تک تیرہ سورتیں ہیں۔ ان اکیس سورتوں کا مرکزی مضمون یا عمود توحید ہے۔ ان میں بھی پہلے مضامین موجود ہیں' لیکن اصل زور توحید پر ہے۔

آخری جو دو گروپ ہیں ان میں چھٹے گروپ میں مکّیات سورۃ قٓ سے لے کر سورۃ الواقعۃ تک اور ساتویں گروپ یعنی سورۃ الملک سے جو مکیات کا طویل سلسلہ ہے اس میں چند سورتوں کو چھوڑ کر ان کا مرکزی مضمون یا عمود ہے آخرت کا انذار' آگاہ کرنا' خبردار کرنا کہ یہ دنیا فانی ہے' اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے' جس میں اس دنیا کی زندگی کے تمام اعمال ہی کا نہیں بلکہ نیتوں اور ارادوں کا بھی حساب کتاب ہو گا' جواب دہی کرنی ہو گی' پھر عدالتِ الٰہی سے جزا و سزا کے فیصلے صادر ہوں گے' یا جنت ہو گی ہمیشہ کے لئے یا آگ ہو گی دائمی ـــــ ان دو ہی گروپوں میں یہ سورتیں ملتی ہیں : ﴿ اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ○ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ○ ﴾ کہیں فرمایا : ﴿ اَلْحَآقَّةُ ○ مَا الْحَآقَّةُ ○ ﴾ کہیں آگاہ کیا گیا : ﴿ اَلْقَارِعَةُ ○ مَا الْقَارِعَةُ ○ ﴾ اسی طرح سے : ﴿ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ○ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ○ الَّذِیْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ○ ﴾ اور ﴿ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ○ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ○ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ○ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ○ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ○ ﴾

تو آخری دو گروپوں کی مکّیات میں زیادہ زور ہے انذارِ آخرت پر ـــــ درمیانی دو گروپوں کا مرکزی مضمون ہے توحید اور ابتدائی دو گروپوں کی مکّیات میں جس پر زیادہ زور ہے' وہ ہے رسالت۔

اب آگے چلئے۔ مجھے اندازہ ہے کہ جن حضرات کو قرآن مجید کی ترتیب سے تعارف نہیں ہے ان کو یہ باتیں قدرے بھاری معلوم ہوں گی۔ لیکن میں اصل میں یہ تمہید بنا رہا ہوں اور آپ کو رفتہ رفتہ سورۃ الشوریٰ کی طرف لا رہا ہوں ـــــ میں نے ابھی درمیانی جو اکیس سورتیں آپ کو گنوائیں۔ سورۃ الفرقان سے لے کر سورۃ حٰمٓ السّجدۃ تک آٹھ سورتیں ہیں ـــــ سورۃ سبا سے لے کر سورۃ الاعراف تک تیرہ سورتیں ہیں ـــــ

ان دونوں گروپوں کی ان اکیس سورتوں میں درمیانی سورت کون سی ہوگی! ظاہر ہے کہ گیارھویں۔ تو گیارھویں سورت سورہ یٰسٓ ہے' جس کو جناب محمد رسول اللہ ؐ نے قلب القرآن قرار دیا۔ تو سورۂ یٰسٓ قرآن کا دل ہے۔ اس لئے کہ قرآن کا اصل موضوع تو توحید ہی ہے۔ ہمارا دین' دینِ توحید ہے۔ رسالت بھی اسی لئے ہے کہ توحید کی طرف دنیا کو دعوت دے۔ آخرت کا انداز بھی اسی لئے ہے کہ لوگ شرک سے باز آجائیں' اس سے کلیتاً اجتناب کریں اور توحید کو اختیار کریں اور صرف اسی کا التزام کریں۔ اور سورۂ یٰسٓ میں یہ تینوں مضامین نہایت جامعیت' بلاغت اور ایجاز و اعجاز کے ساتھ آئے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ دین کی اصل' اس کی جڑ' اس کی بنیاد ہی توحید ہے اور اس کی رو سے سب سے بڑی گمراہی شرک ہے۔ شرک وہ گناہ ہے جس کے بارے میں سورۃ النساء میں دو مرتبہ فرمایا گیا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ اسی طرح توحید کے موضوع پر نہایت اہمیت کی حامل سورۃ البقرۃ میں آیۃ الکرسی ہے جس کو آنحضور ﷺ نے قرآن کی تمام آیات کی سرتاج قرار دیا۔ پھر آخری پارے میں سورۃ الاخلاص ہے جس کو نبی اکرم ﷺ نے ایک ثُلثِ قرآن کے مساوی قرار دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ توحید کے موضوع پر آیتوں میں سے جامع ترین آیۃ الکرسی ہے اور سورتوں میں سے جامع ترین سورت سورۃ الاخلاص ہے۔

## توحیدِ علمی

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے توحید کو دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک توحید ہے علمی توحید' توحید فی المعرفۃ یا توحید فی العقیدۃ' یعنی اللہ کو ایک جاننا' اللہ کی ذات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا' اللہ کی صفات میں کسی کو ساجھی قرار نہ دینا' کسی کو اس کا ضِد یا نِد' یا ہم پلہ' ہمسر یا مدِ مقابل نہ بنانا ـــــ چنانچہ توحید فی الذّات اور توحید فی الصّفات' ان دونوں کو جمع کریں گے تو یہ ہوگی علمی توحید' معرفتِ الٰہی کی توحید' عقیدے کی توحید۔ دوسری توحید ہے توحید عملی۔ اس کو امام ابن تیمیہؒ نے توحید فی الطلب کا جامع عنوان دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان فی الواقع ایک اللہ ہی کا بندہ بن جائے۔ اس کی بندگی اور پرستش

صرف اللہ ہی کے لئے خالص ہو جائے جو الاحد ہے۔ ایک خطبہ نبویؐ میں الفاظ آتے ہیں : ((وَحِّدُوْا اللّٰهَ فَاِنَّ التَّوْحِيْدَ رَاْسُ الطَّاعَاتِ)) یہاں وَحِّدُوْا باب تفعیل سے صیغۂ امر ہے۔

## باب تفعیل کا خاصہ

"توحید" اسی بابِ تفعیل سے مصدر ہے۔ اور تفعیل کا خاصہ یہ ہے کہ کوئی کام بڑی محنت سے 'بڑے اہتمام سے 'بڑے استقلال و استقرار سے کیا جائے۔ جیسے اعلام کے معنی ہیں کسی کو کچھ بتا دینا اور تعلیم کے معنی ہیں کسی کو کچھ سکھانا۔ اب بتانے اور سکھانے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آپ ایک دفعہ بتا کر فارغ ہو گئے' اب کوئی سمجھے یا نہ سمجھے' اس کے پلے کچھ پڑے یا نہ پڑے' آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ابلاغ کے معنی بھی صرف پہنچانے کے ہیں' لیکن تبلیغ کے معنی ہوں گے محنت سے' اہتمام سے' دلیل سے' تدریج سے کوئی بات کسی کو پہنچانا۔ اب تعلیم اور تبلیغ میں آپ کو سخت مشقت کرنی پڑتی ہے۔ ایک بات کو ذہن میں اتارنا مقصود ہے۔ تو اگر بات ایک مرتبہ سمجھ میں نہیں آئی تو اسے بار بار سمجھانا پڑے گا' اس کی توضیح کرنی ہو گی' تبیین کرنی پڑے گی' بڑی محنت سے کسی کے ذہن میں کوئی بات اتارنی اور بٹھانی ہو گی' اسے hammer کرنا پڑے گا۔ یہ تعلیم ہے۔ اسی طرح محنت اور لگن کے ساتھ دعوت پہنچانے سے تبلیغ کا حق ادا ہو گا۔ اس وضاحت سے اعلام اور ابلاغ اور تعلیم و تبلیغ میں جو فرق ہے وہ سمجھا جا سکتا ہے۔

باب تفعیل کے خاصے کے متعلق ایک مثال اور دیکھئے۔ "انزال" کے معنی ہیں دفعتاً اتارنا۔ لیکن جب یہ لفظ بابِ تفعیل میں "تنزیل" بنے گا تو اس کے معنی ہوں گے تھوڑا تھوڑا کر کے' ٹھہر ٹھہر کر' تدریج سے اتارنا۔ پورا قرآن مجید رمضان میں لیلۃ القدر میں دفعتاً واحدۃً لوحِ محفوظ سے اتر کر سمائے دنیا تک آ گیا ـــــ یہ ہے انزال ـــــ ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ ﴾ اور ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ ﴾ اب سمائے دنیا سے آنحضور ﷺ پر جو نازل ہوا تو وہ بیک وقت نازل نہیں ہوا' بلکہ تنزیلاً نازل ہوا۔ ﴿ الٓمّٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ اور ﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ ﴾ سورۂ یٰسٓ میں فرمایا : ﴿ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ○ ﴾ سورۃ الزمر شروع ہوتی ہے اسی تنزیل کے ذکر سے : ﴿ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ○ ﴾ سمائے دنیا تک قرآن کے نزول کی شان ہے شانِ انزالی اور جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے قلبِ مبارک پر نزولِ قرآن کی شان ہے شانِ تنزیلی۔ تھوڑا تھوڑا' ضرورت کے مطابق' حالات وواقعات کی مناسبت سے قرآن کا نزول یہ تنزیل ہے۔

## توحید کیا ہے؟

باب تفعیل کے خاصے کو پیش نظر رکھ کر لفظ "توحید" پر غور کریں تو توحید کا مطلب و مفہوم ہو گا اللہ تبارک وتعالیٰ کو ذات وصفات کے لحاظ سے ایک ماننا اور جاننا۔ قارئین کو اندازہ ہو گا کہ توحید اختیار کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ دائمی طور پر اللہ کو ایک جان کر اور ایک مان کر استقلال واستقرار کے ساتھ اس کی پیہم اطاعت کے لئے محنت کرتے رہنا بڑا مشکل کام ہے۔ بقول شاعر ؎

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

پس توحید کے لئے بڑی محنت ومشقت کی ضرورت ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ایک لکیر کھنچی ہوئی تھی' پالا بنا ہوا تھا اور کوئی اِدھر سے اُدھر آ گیا تو اسے توحید کی دولت مل گئی ـــــ اس طرح اسلام تو مل سکتا ہے' یعنی ایک شخص قانونی طور پر مسلمانوں میں شامل ہو جائے گا' لیکن یہ کہ وہ موحّد بن گیا' تو یہ خام خیالی ہے۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ خطبے میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ : وَحِّدُوا اللّٰہَ ـــــ یعنی اللہ کی توحید واقعتاً اختیار کرو جیسے کہ اس کا حق ہے۔

## توحیدِ عملی

زندگی کے عملی میدان میں توحید اختیار کرنا توحید علمی سے بھی زیادہ بڑا مشکل کام ہے۔ اس توحید فی العمل کو امام ابن تیمیہؒ توحید فی الطّلب کہتے ہیں۔ یہ بڑی کٹھن وادی ہے۔ جسے عبور کرنا بڑے عزم اور حوصلہ کا کام ہے ـــــ یہ توحید عملی درحقیقت پانچویں

گروپ میں سورۂ سبا سے لے کر سورۃ الاحقاف تک کی تیرہ مکّی سورتوں میں سے چار سورتوں کا مرکزی موضوع ہے۔ یہ چار سورتیں ہیں سورۃ الزمر، سورۃ المؤمن، سورۂ حم السجدۃ اور سورۃ الشوریٰ ـــــ ان چار سورتوں میں تدریجاً توحیدِ عملی کا مضمون سامنے آتا ہے ـــــ جیسا کہ آئندہ صفحات میں ذکر ہو گا۔

# توحیدِ عملی کے مدارج

## پہلا درجہ : انفرادی توحید

توحیدِ عملی کا پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان کے انفرادی عمل میں توحید آ جائے اور انفرادی شخصیت فی الواقع توحید کے رنگ میں رنگی جائے۔ انسان واقعتاً اللہ کا بندہ بن جائے جیسا کہ اس کا بندہ بننے کا حق ہے، پھر اس کی بندگی میں کسی اور کی بندگی کا شائبہ نہ ہو۔ وہ بندگی خالص اللہ کی بندگی ہو ـــــ اگر اللہ کے سوا کسی اور کا کہنا مانا جا رہا ہو، اللہ کے حکم کے خلاف کسی اور کا حکم بجالایا جا رہا ہو تو یہ توحید نہیں ہے، بغاوت اور سرکشی ہے، طغیان ہے۔ لیکن اگر اللہ کے حکم کے تابع کسی کا حکم مانا جائے، اس سے آزاد ہو کر نہ مانا جائے، تو یہ توحید ہے۔ اس طرح اگر انسان اپنی انفرادی زندگی میں حقیقی طور پر اللہ کا بندہ بن جائے تو یہ عمل کے اعتبار سے انفرادی توحید ہے۔

اسی انفرادی عملی توحید کا ایک اہم پہلو توحید فی الدُّعاء ہے ـــــ اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ)) "دعاء ہی عبادت کا جوہر ہے"۔ ایک موقع پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا : ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) "دعا ہی اصل عبادت ہے"۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی حاجت روائی، دست گیری اور اعانت و امداد کے لئے غیب میں سے جس کو پکارتا ہے وہی اس کا اصل معبود ہے۔ پس توحید فی العبادۃ اور توحید فی الدّعاء، یہ انفرادی توحید کا پہلا درجہ ہے۔

## دوسرا درجہ : اجتماعی توحید

اب انفرادی سطح اور انفرادی وجود سے جو توحید نکلے گی وہ لازماً متعدی ہو گی۔ جیسا

کہ اگر کسی جگہ آگ ہے اور اس میں حرارت ہے تو یہ حرارت آگ میں محدود نہیں رہتی' بلکہ وہ ماحول میں سرایت کرتی ہے۔ آپ آگ پر کوئی چیز رکھیں گے یا اس میں ڈالیں گے تو وہ چیز بھی گرم ہو جائے گی۔ اسی طرح برف میں ٹھنڈ ہے تو وہ برف تک محدود نہیں رہے گی' وہ بھی ماحول میں سرایت کرے گی۔ آپ برف کو پانی میں ڈالیں گے تو برف پانی کو بھی ٹھنڈا کر دے گی۔ یہ قانون طبعی ہے ــــ اسی مثال سے سمجھئے کہ اگر کسی فرد کے اندر توحید فی الواقع جاگزیں ہو' قائم ہو جائے اور وہ راسخ ہو' پختہ ہو اور حقیقی ہو' دھوکے اور فریب کی نہ ہو' یعنی ایسا نہ ہو کہ بظاہر تو بڑے موحّد ہونے کے مدّعی ہوں اور بباطن یعنی دل میں صنم خانے آباد ہوں' تو اس حقیقی اور خالص توحید کو لازماً ماحول میں سرایت کرنا چاہئے۔

## باطن کے اصنام

اس سلسلہ میں چند تلخ حقائق ملاحظہ ہوں۔ ہمارے معاشرے میں کچھ لوگ ہیں جو موحّدِ خالص ہونے کے دعوے دار ہیں۔ وہ قبر پرستی اور اس نوع کے مختلف مشرکانہ و مبتدعانہ افعال کی تو بجا طور پر بڑی مذمت کرتے ہیں' لیکن ان میں سے اکثر حضرات کا دھیان اس طرف نہیں جاتا کہ دولت پرستی بھی تو شرک ہے۔ اگر حصولِ دولت میں حلال و حرام کی تمیز ختم ہو گئی تو معلوم ہوا کہ دولت کو معبود بنالیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : ((تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْھَمِ)) "ہلاک ہو جائے دینار اور درہم کا بندہ"۔ اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو گا کہ "ہلاک ہو گیا دینار و درہم کا بندہ"۔ دینار و درہم کا بندہ کون ہے؟ آنحضور ﷺ نے لفظ کون سا استعمال فرمایا! عبد۔ اس لئے کہ جس شخص کے دل میں دولت کی محبت اتنی ہے کہ وہ اسی تگ و دو میں لگا رہتا ہے کہ دولت ہر حال میں اس کے پاس آنی چاہئے' اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ حلال سے آئے یا حرام سے آئے' جائز سے آئے یا ناجائز سے آئے' صحیح سے آئے یا غلط سے آئے ــــ دولت کی اس محبت کا مطلب یہ ہے کہ اس کا معبود دولت ہے۔ فرق اتنا ہی ہے کہ ہندوؤں نے دولت کی ایک دیوی تراشی ہوئی ہے جس کا نام انہوں نے لکشمی دیوی رکھ چھوڑا ہے۔

اس کی وہ پوجا کس لئے کرتے ہیں! اس لئے کہ ان کو دولت ملے۔ درحقیقت وہ اس مورتی کے پردے میں دولت کی پوجا کرتے ہیں۔ ہم نے صرف یہ کیا ہے کہ "لکشمی دیوی" کی کوئی مورتی ہمارے سامنے نہیں ہے' لیکن لکشمی دیوی کی پوجا سے ہندوؤں کا جو مقصود ہے وہی ہمارا بھی ہو جائے گا اگر ہم حرام و حلال اور شریعت کی قیود و شرائط سے بے نیاز ہو کر دولت کے حصول میں لگ جائیں۔ اس طور پر دولت معبود کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ دولت کے ایسے پجاریوں اور غلاموں کے لئے ہی آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ :

((تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ))

اسی طرح ایک طرف اللہ کا حکم ہوتا ہے اور دوسری طرف نفس کی چاہت۔ مثلاً صبح سویرے کا وقت ہے' آنکھ بھی کھل گئی ہے' اذان بھی سنی ہے۔ یہ پکار کس کی ہے؟ مؤذن کی زبان سے ضرور نکلی ہے' لیکن پکار اس کی نہیں ہے' پکار تو اللہ کی ہے کہ ـــــ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اور اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔ علامہ اقبال کا بڑا پیارا شعر ہے جو اس بات کی تفہیم میں ممد ہو سکتا ہے ـــ

نکلی تو لبِ اقبال سے ہے کیا جانئے کس کی ہے یہ صدا
پیغامِ سکون پہنچا بھی گئی' دل محفل کا تڑپا بھی گئی!

تو زبان بے شک مؤذن کی ہے' لیکن صدا تو اللہ کی ہے۔ ایک طرف اللہ کی پکار ہے' دوسری طرف نفس کہتا ہے : "سوؤ ابھی آرام کرو"۔ یہ ہے وہ کشمکش جس سے اکثر لوگوں کا سابقہ پیش آتا ہے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ ہمیں معلوم نہ ہو۔ ہم میں سے اکثر کو اس کا تجربہ ہوا ہے۔ اب اگر مستقل طور پر یہ کیفیت ہو کہ اس وقت ہم نے اللہ کی پکار پر تو اپنے کان بند کئے اور نفس کی خواہش اور مرضی پر لبیک کہا تو ہمارا معبود کون ہوا؟ اللہ یا ہمارا نفس؟ معلوم ہوا کہ دلوں میں صنم خانہ آباد ہے۔ اسی بات سے متنبہ کیا گیا سورۃ الفرقان کی آیت ۴۳ میں : ﴿ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ط اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴾ "اے نبی! آپ نے اس شخص کے حال پر غور کیا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے! کیا آپ ایسے شخص کی نگرانی کر سکیں گے؟" غور کیجئے! یہاں لفظ الٰہ آیا ہے جو ہمارے کلمۂ شہادت کے جزوِ اول میں آتا ہے : لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ "کوئی معبود نہیں

سوائے اللہ کے"۔ پس معلوم ہوا کہ معبود دولت بھی بنتی ہے' معبود نفس بھی بنتا ہے۔ دل کے اس صنم خانے کو ختم کرنا آسان کام نہیں ہے۔ پتھر کے تراشیدہ باہر کے بتوں کی نفی اور مذمّت آسان ہے۔ قبر پرستی کی نفی اور مذمّت بھی آسان ہے ـــــ اور یہ نفی و مذمت بالکل صحیح ہے' یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے' یہ توحید کا لازمہ ہے' اس میں غلطی کا کوئی شائبہ نہیں ـــــ لیکن دل کے اندر جو صنم خانے ہیں' حُبِّ مال ہے' حُبِّ جاہ ہے' حُبِّ اقتدار ہے' نفس کی مرضیات و خواہشات اور چاہتوں کی بجاآوری ہے' یہ تمام چیزیں توحید کی ضد ہیں۔ اس مفہوم کی ادائیگی کے لئے بھی علامہ اقبال کا بڑا پیارا شعر ہے کہ ؎

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے!
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں

چنانچہ اندر کے اس صنم خانے کو بھی دیکھنا ہو گا۔ دل کے سنگھاسن پر براجمان ان بتوں کو بھی توڑنا ہو گا۔ جب واقعتاً یہ ہو جائے اور ساتھ ہی باہر کے بت بھی ختم کر دیئے جائیں تو ایسے شخص کو بجا طور پر سچّا موحّد کہلائے جانے کا استحقاق ہو گا۔ حقیقی موحّد بننے کے لئے لازم ہو گا کہ اللہ کی محبت بھی تمام محبتوں پر غالب آ گئی ہو اور دوسری تمام محبتیں اللہ کی محبت کے تابع ہو گئی ہوں۔ اسی طرح اللہ کی اطاعت تمام اطاعتوں سے اوپر ہو گئی ہو اور دوسری تمام اطاعتیں اللہ کی اطاعت کے تحت آ گئی ہوں۔ اگر اس طور سے کوئی موحد بن گیا ہو تو ہو نہیں سکتا کہ ایسے موحد کے وجود سے توحید دوسروں تک نہ پہنچے۔ یہ توحید لازماً متعدی ہو گی۔ ایک فرد سے دوسروں تک توحید پہنچنے کا یہ معاملہ ہے دعوت و تبلیغ ـــــ یعنی لوگوں کو بھی توحید کی طرف بلانا اور پکارنا ـــــ اور لوگوں تک بھی توحید کی دعوت کو پہنچانا۔

## اجتماعی توحید کا نقطۂ عروج

اس طور پر جب انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف قدم بڑھے گا تو اس کا اگلہ مرحلہ ہو گا پورے ماحول پر اللہ کی توحید کا سکّہ رواں کر دینا۔ یعنی پورا معاشرہ موحد بن جائے' پوری قوم موحد بن جائے' پورا ملک موحد بن جائے' ملک کا نظام موحد بن جائے' ملک کا

دستورِ توحید کا مظہر بن جائے۔ یہ مرحلہ سر کر لیا تو اس کا نام ہے اقامتِ دین۔

## خلاصہ

مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے کہ خالص انفرادی سطح پر توحید فی العباد ت اور توحید فی الدّعاء ـــــ پھر اجتماعی سطح پر دعوت و تبلیغ ـــــ پھر ان دونوں مراحل سے اگلا قدم اقامتِ دین ـــــ یہ ہے توحیدِ کامل۔ یہ اصطلاحات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں تو اگلی بات بخوبی سمجھ میں آ جائے گی جس کے تانے بانے اور تمہید کے طور پر یہ سب باتیں بیان کی گئی ہیں۔

قرآن حکیم کی اکیس سورتیں ایسی ہیں جن کا مرکزی مضمون و موضوع توحید ہے۔ ان میں چار سورتیں سورۃ الزمر' سورۃ المؤمن' سورۂ حم السجدۃ اور سورۃ الشوریٰ ہیں' ان میں اس عملی توحید کا تدریجاً بیان ہے جو بطورِ تانا بانا اور تمہید اوپر بیان ہوا۔ بطورِ مثال یوں سمجھ لیجئے کہ ان چار سورتوں کی ایک ڈور ہے جس میں توحید عملی کے موتی تدریجاً پروئے ہوئے ہیں اور یہ مضمون انفرادی توحید سے عملی توحید کی طرف تدریجاً بڑھتا چلا جاتا ہے۔

## قرآن میں انفرادی توحید کا بیان

سورۃ الزمر میں انفرادی توحید کا بیان ہے اور اس قدر شدّ و مد کے ساتھ' اتنی تاکید کے ساتھ اور اتنے اہتمام کے ساتھ ہے کہ میرے حقیر مطالعہ کے بموجب پورے قرآن مجید میں اس اسلوب کے ساتھ یہ بیان اور کہیں نہیں ملے گا۔ البتہ اس موقع پر اس بات کا اعادہ ضروری ہے کہ توحید کے موضوع پر جامع ترین سورت تو سورۃ الاخلاص ہی ہے جو بڑی مختصر سورت ہے۔ اس سورت کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ یہ توحید کا عطر ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ کوزے میں دریا بند کر دیا گیا ہے۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے اس سورۂ مبارکہ کو ثُلُثِ قرآن قرار دیا ہے۔ یہ اس اعتبار سے کہ تینوں بنیادی ایمانیات' یعنی ایمان باللہ' ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرۃ میں سے ایمان باللہ یعنی توحید کا بیان اس سورت میں انتہائی جامعیت کے ساتھ وارد ہوا ہے۔

مزید یہ کہ اس سورت کا اسلوب خبریہ و بیانیہ ہے' لیکن انشائیہ انداز اور شدّ و مد' انتہائی تاکید اور نہایت ہی پُرجلال اسلوب سے توحید عملی کا تدریجاً بیان ان چار سورتوں

میں ہوا ہے جس کا ابھی اوپر ذکر ہوا۔

## اصولی بات

اوپر بیان ہو چکا کہ توحید کے دو درجے ہیں' ایک توحید فی العلم یا توحید فی المعرفت یا توحید فی العقیدہ۔ دوسرا توحید فی العمل یا توحید فی الطلب۔ پھر اس توحید عملی کے بھی تین مرحلے ہیں۔ پہلا توحید فی العبادت اور توحید فی الدّعاء۔ دوسرا اسی توحید کی بندگانِ خدا کو دعوت' اسی کی تبلیغ —— اور تیسرا اسی توحید پر مبنی نظامِ حیات کا قیام و قرار' یعنی "اقامتِ دین"۔

## توحید فی العبادۃ

ان میں سے توحید فی العبادہ تمام انبیاء و رسل کی دعوت کا نکتۂ آغاز رہا ہے۔ اس بات کے لئے قرآن مجید کی متعدد آیات پیش کی جا سکتی ہیں' لیکن محدود وقت کے پیش نظر صرف چند آیات پیش ہیں —— سورۃ النحل میں فرمایا :

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ ﴾ (النحل : ۳۶)

"ہم نے ہر اُمّت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعے سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت (غیر اللہ) کی بندگی سے بچو۔"

سورۃ الانبیاء میں فرمایا :

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ ﴾ (الانبیاء : ۲۵)

"(اے نبیؐ) ہم نے آپؐ سے پہلے جو رسول بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں' لہٰذا صرف میری ہی بندگی کرو۔"

آخری پارے کی سورۃ البینہ میں واضح کیا گیا :

﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ ﴾

"اور ان کو حکم نہیں ہوا تھا مگر اس بات کا کہ وہ اللہ کی بندگی کریں اس کے لئے

اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے یک سُو ہو کر۔"

اس آخری آیت میں رسولوں اور ان کی اُمتوں کے لئے یہ ضابطہ بیان ہوا کہ سب کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ سب کے سب اللہ کی عبادت اسی کے لئے اپنی اطاعت خالص کرتے ہوئے بجالائیں۔ یہ نہ ہو کہ بظاہر بندگی اللہ کی ہو لیکن اطاعت اللہ کے دشمنوں کی ہو رہی ہو' سازباز اللہ کے باغیوں سے ہو رہی ہو' ان کے احکام کی تعمیل بھی ہو رہی ہو' ان کے سامنے سر بھی جھکائے جا رہے ہوں اور دعویٰ اللہ کی عبادت کا ہو —— یہ طرزِ عمل ہرگز مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ طرزِ عمل درکار ہے مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ والا۔ پھر آخر میں حُنَفَآءَ کا اضافہ کیا گیا ہے' یعنی یک سو ہو کر —— کئی رنگی طرزِ عمل مطلوب نہیں ہے۔ اللہ کو تو دو رنگی بھی پسند نہیں ہے' کئی رنگی تو بہت دور کی بات ہے۔ یہاں تو ایک رنگ چاہئے : ﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ﴾ انسان یک رنگ ہو جائے' یک سُو ہو جائے' وہ اپنے پورے وجود ظاہری و باطنی کے ساتھ فی الواقع اللہ کا بندہ بن جائے۔ اللہ ہی کی بندگی میں ہمہ تن رنگ جائے۔

اب سورۃ البیّنہ کی اسی آیت کے مضمون کو سورۃ الزمر میں دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ مضمون وہاں کس شدّومد اور کس تاکید کے ساتھ مختلف اسالیب سے بیان ہوا ہے۔ اور چونکہ اس میں انفرادی سطح پر توحید عملی کا بیان ہے لہٰذا آپ دیکھیں گے کہ وہاں صیغہ واحد کا آئے گا۔ خطاب نبی اکرم ﷺ سے ہو گا' لیکن اس اسلوب میں مخاطب اُمّت سے بھی ہے اور ان سے بھی جنہوں نے ابھی دعوت کو قبول نہیں کیا ہے۔ گویا تاقیامِ قیامت پوری نوعِ انسانی اس کی مخاطب ہے۔

## توحید فی العبادۃ —— انفرادی عملی توحید

سورۃ الزمر کا آغاز ہوتا ہے :

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ —— بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ ﴾ "اس کتاب کا نزول ہے اللہ کی طرف سے جو العزیز (نہایت زبردست) ہے' الحکیم (بے حد و حساب حکمت والا) ہے"۔

____ ﴿ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ ﴾ "ہم نے نازل کی ہے (اے نبیؐ) آپؐ کی طرف یہ کتاب (یعنی قرآن مجید) حق کے ساتھ"۔ یہ فیصلہ کن کتاب ہے' جیسا کہ سورۃ الطارق میں الفاظ وارد ہوئے : ﴿ اِنَّهٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ ﴾۔ اب اسی سے اقوامِ عالم کی قسمتوں کا فیصلہ ہو گا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے جس کے راوی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں :

((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتٰبِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ)) (مسلم)

"اللہ تعالیٰ اس کتاب کی وجہ سے کئی قوموں کو سربلند کرے گا اور کئی دوسری قوموں کو پست کرے گا"۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس کتاب کی وجہ سے ان قوموں کو عزّت و سربلندی عطا فرمائے گا جو اس کو اپنا امام بنائیں گی۔ اور دوسروں کو' جو اس کو پسِ پشت ڈال دیں گی' ذِلّت و نکبت سے دوچار فرمائے گا۔ یعنی قوموں کے عروج و زوال کی بنیاد یہ کتاب بنے گی۔

اب آگے وہ مضمون آرہا ہے جس کے لئے یہ پوری تمہید باندھی گئی : ﴿ فَاعۡبُدِ اللّٰهَ مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّيۡنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيۡنُ الۡخَالِصُ ﴾ یہ اسلوب اور مضمون آپ کو قرآن مجید میں کسی اور جگہ نہیں ملے گا ____ ان آیات کی ترجمانی یوں ہو گی : "(اے محمدؐ!) پس بندگی کرو اللہ کی' پوجو اللہ کو' پرستش کرو اللہ کی' اِس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ اور جان لو کہ خالص دین یعنی اطاعتِ کُلّی اللہ کا حق ہے"۔ اللہ کے لئے ملاوٹ والا دین قابل قبول نہیں ہے۔ ملاوٹ والا دین منہ پر دے مارا جائے گا۔ اللہ کے ہاں مقبول ہو گا دین خالص۔ ان آیات میں دو اہم الفاظ "عبادت" اور "دین" آگئے ہیں ____ اب یہاں توقف کر کے پہلے عبادت کے مفہوم اور معنی پر غور کیجئے۔ "دین" کے لفظ کی تشریح و توضیح آگے بیان ہو گی۔

## دینی اِصطلاح میں عبادت کا مفہوم

لفظ عبادت کے صحیح مفہوم کو مکمل طور پر سمجھنے کے لئے فارسی کے دو الفاظ جمع کر لیجئے تو بات پوری طرح سمجھ میں آجائے گی۔ وہ دو الفاظ ہیں بندگی اور پرستش ____ محض لفظ "بندگی" سے قرآن مجید کی اصطلاح "عبادت" کا مفہوم مکمل نہیں ہو گا اور محض

"پرستش" سے بھی نہیں ہوگا۔ دونوں کو جمع کریں گے تو عبادت کا مفہوم ادا ہو جائے گا۔ بندگی میں اصل زور ہے اطاعت کی طرف۔ غلامی اور محکومی بندگی کہلائے گی۔ غلام اور محکوم تو اپنے آقا اور حاکم کا مطیع اور فرمانبردار ہوتا ہے' اس کے دل کی کیفیت کچھ بھی ہو۔ دل میں وہ چاہے اپنے آقا اور حاکم کو گالیاں دے رہا ہو۔ چاہے وہ دل میں شدید باغیانہ جذبات رکھتا ہو۔ لہٰذا بندگی میں دل کی کیفیت سے بحث نہیں ہوتی۔ غلام اور محکوم کا کام ہے اپنے آقا اور حاکم کی اطاعت۔ گویا بندگی یا اطاعت عبادت کا جزوِ اعظم ضرور ہے' لیکن عبادت کی روح پرستش ہے۔ لفظ پرستش میں اصل زور محبّت پر ہے۔ پرستار کس کو کہتے ہیں؟ وطن پرست کون ہے؟ جس کے دل میں وطن کی محبّت ہر چیز کی محبّت سے بالاتر ہوگی وہ وطن پرست کہلائے گا۔ زرپرست کون ہے؟ جس کے دل میں دولت کی محبت دوسری محبتوں پر غالب ہو جائے وہ زرپرست ہے۔ اسی طرح آپ کہتے ہیں شہوت پرست' شہرت پرست۔ ایسے لوگوں کو اپنی اس پرستش یعنی محبت کی تسکین چاہئے' چاہے وہ صحیح طریق سے ہو چاہے غلط طور پر ہو۔ نفس پرست اسے کہا جاتا ہے جو نفس کا غلام بن کر رہ جائے اور اس کی خواہش اور تقاضے کو جائز و ناجائز کی تمیز کئے بغیر پورا کرنے کے لئے تگ و دو کر رہا ہو۔ پس جو چیز بھی انسان کو انتہائی عزیز ہوگی اس کا وہ پرستار کہلائے گا۔ لہٰذا جب بندگی اور پرستش اللہ ہی کے لئے جمع ہو جائیں' یعنی ہمہ تن' ہمہ وقت' ہمہ جہت اللہ ہی کی اطاعت اور اللہ ہی کی محبت سے انسان سرشار ہو جائے تو عبادتِ رب کا حق ادا ہوگا۔ شیخ سعدیؒ کا شعر ہے ؎

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

اس شعر میں اس آیہ مبارکہ ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ کی بڑی حد تک ترجمانی کی گئی ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں سورۃ البقرۃ کے بیسویں رکوع میں اللہ کی محبت والا مضمون آیا ہے۔ بہت پیارا مضمون ہے' اسے لوحِ دل پر کندہ کر لیجئے! فرمایا : ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ ﴾ "اور جو لوگ (حقیقی) صاحب ایمان ہیں ان کی سب سے زیادہ محبت اللہ ...

تبارک و تعالیٰ کی ذاتِ اقدس سے ہوتی ہے۔" اگر یہ نہیں ہے تو حقیقی ایمان سے محرومی ہے۔ پھر تو محض ایک موروثی عقیدہ (Dogma) یا ایک Racial Creed ہے۔ حالانکہ مطلوب یہ ہے کہ محبت اس درجہ کو پہنچ جائے ﴿ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ﴾ حقیقی اہل ایمان کے لئے محبوب ترین اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے۔

تو جب محبت اور اطاعت اللہ کے لئے مل جائیں تو یہ ہوگی اللہ کی کامل بندگی۔ اور یہی در حقیقت عبادت کی وہ تعریف ہے جو امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم رحمہما اللہ نے کی ہے۔ بلکہ حافظ ابن قیمؒ کے الفاظ اپنے استاذ سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ : العبادۃ تجمع اصلین : غایۃ الحُبِّ مع غایۃ الذل و الخضوع "عبادت دو بنیادوں کے جمع ہونے سے بنتی ہے۔ پہلی یہ کہ اللہ کے ساتھ انتہائی درجہ کی محبت ہو۔ دوسری یہ کہ انسان انتہائی درجہ میں اس کے سامنے اپنے آپ کو پست کر دے اور بچھا دے۔ ان دونوں کے اجتماع کا نام ہے "عبادت"۔[1]

## خالص اطاعت مطلوب ہے

فرمایا : ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰہَ ﴾ اب دیکھئے کہ یہ بات اپنی جگہ پر مکمل ہے۔ لیکن انسان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ بڑا جھگڑالو ہے۔ کچھ نہ کچھ منطق فطری طور پر انسان کو ملی ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے سورۃ الکھف کی آیت نمبر ۵۴ کے آخری حصہ میں کہ : ﴿ وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ۝ ﴾ "اور انسان بڑا جھگڑالو واقع ہوا ہے"۔ پس وہ طرح

(۱) حال ہی میں العلامہ الشیخ عبد الرحمٰن بن حسن آل شیخؒ کی ایک تصنیف راقم کی نظر سے گزری۔ الشیخ مرحوم نے عبادت کی تعریف و توضیح ان الفاظ میں کی ہے : والعبادۃ اسم یجمع کمال الحب للہ ونھایتہ فالحب الخلی عن ذل والذل الخلی عن حب لا یکون عبادۃ وانما العبادۃ ما یجمع کمال الامرین "عبادت ایسا اسم ہے جس میں کمالِ محبت اور اس کی انتہا اور اللہ کے سامنے کمال الذلہ اور اس کی انتہا پنہاں ہے۔ پس وہ محبت جس میں الذلہ نہ ہو اور وہ ذلت جس میں محبت نہ ہو عبادت کہلانے کی مستحق نہیں' بلکہ عبادت وہ ہے جس میں یہ دونوں چیزیں جمع ہوں"۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ عربی میں ذلت کے معنی پست ہو جانے اور بچھ جانے کے ہیں۔ (مرتب)

طرح سے اپنے لئے بہانے بناتا اور حیلے تراشتا ہے۔ تو قرآن حکیم یہاں ہر نوع کے بہانے اور حیلے کا سدِّباب فرماتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے اصل دعوت تو حضور ﷺ کی اُمّتِ اجابت ودعوت کو دی ہے۔ ﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ﴾ میں بات پوری آ گئی تھی، لیکن فرمایا : ﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝﴾ "پس (اے نبیؐ) عبادت کیجئے اللہ کی اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔" یہاں "دین" کا ترجمہ اطاعت ہے۔ اس لفظ میں اطاعت کا مفہوم بھی شامل ہے۔ اسی لئے تقریباً تمام ہی متقدمین و متاخرین قرآن مجید کے مفسرین نے یہاں دین کا مفہوم اطاعت ہی بیان کیا ہے۔

یہاں اس بات پر زور دینا مقصود ہے کہ اللہ کے لئے اطاعت خالص ہو۔ یہ نہ ہو کہ کچھ اطاعت کسی کی اور کچھ اطاعت کسی اور کی، کچھ اللہ کی اور کچھ نفس کی، کچھ اللہ کی اور کچھ ایسے حاکموں کی جو اللہ کے احکام سے آزاد ہو کر کوئی حکم دے رہے ہوں۔ تو ایسی اطاعت خلوص و اخلاص کے ساتھ نہیں ہے، یہ ملاوٹ والی اطاعت ہے۔ ملاوٹ والی کوئی شے ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہوتی تو غور کا مقام ہے کہ ملاوٹ والی اطاعت اس اللہ عزوجل کے لئے کیسے قابل قبول ہو گی جو خالق و مالک ارض و سماوات ہے، جو الغنی ہے، جو الحمید ہے، جو الغیور ہے! اسی تاکید کے لئے فَاعْبُدِ اللّٰهَ کے فوراً بعد فرمایا : مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ "پس اللہ کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے (اس کی عبادت کرو)"۔

نبی اکرم ﷺ نے اس ضمن میں نہایت جامع اور مختصر الفاظ میں ہمیں ایک فارمولا عطا فرما دیا ہے کہ ہم اس کو روزمرہ معاملات پر منطبق (apply) کر سکتے ہیں۔ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے : ((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ)) "مخلوق میں سے کسی کی (ایسے معاملہ میں) اطاعت نہیں کی جائے گی جس سے خالق کی نافرمانی ہوتی ہو۔" اللہ کا ایک حکم ہے، والدین اس کے خلاف کوئی حکم دیں تو اطاعت نہیں ہو گی۔ اللہ کے حکم کے خلاف کوئی حکم اساتذہ دیں تو اطاعت نہیں ہو گی۔ اللہ کے حکم کے خلاف اقتدارِ وقت حکم دے تو اطاعت نہیں ہو گی —— اس لئے کہ فرمانِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے کہ ((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ)) ہاں اللہ کے احکام کے دائرے

کے اندر اندر والدین کی بھی اطاعت ہو گی' اساتذہ کی بھی اطاعت ہو گی اور اقتدارِ وقت کی بھی۔ تمدنی زندگی میں اطاعت کا دائرہ بہت وسیع ہے جس میں اولی الامر بھی شامل ہیں' والدین بھی' اساتذہ بھی' مرشدین بھی' بیوی کے لئے اس کا شوہر بھی۔ ان کے علاوہ بہت سے اور بھی ـــــ ان سب کی اطاعت مباحات میں ہو گی۔ اللہ کے حکم سے آزاد ہو کر اطاعت کی جائے گی تو شرک لازم آئے گا۔

یہ ہے ان آیاتِ کریمہ کا اصل درس' حقیقی سبق' اصل دعوت اور واقعی انتباہ۔ ﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ﴾ "سنتے ہو! اچھی طرح سن لو آگاہ ہو جاؤ" ـــــ قرآن مجید میں جہاں بھی "اَلَا" آیا ہے شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے اس کا بڑا پیارا ترجمہ کیا ہے۔ یہ آج سے تقریباً دو سو سال پہلے کا انداز ہے۔ وہ ترجمہ کرتے ہیں "سنتا ہے!" تو یہ انداز بہت اچھا ہے۔ ﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ "سن رکھو' آگاہ ہو جاؤ! اللہ ہی کے لئے ہے خالص دین یعنی مخلصانہ اطاعت"۔ اگر کسی اور کی اطاعت اللہ کی اطاعت سے آزاد ہو کر کی گئی' اسی طرح اگر اللہ کی محبت سے آزاد ہو کر کسی اور کی محبت کی آلائش شامل ہو گئی تو معاملہ تلپٹ ہو گیا' دگرگوں ہو گیا' اس میں ملاوٹ آ گئی۔ ہاں! اللہ کی محبت کے تابع اولاد سے محبت کرو کوئی ہرج نہیں' وطن سے محبت کرو کوئی ہرج نہیں' اپنے گھر سے محبت کرو کوئی ہرج نہیں۔ لیکن یہ کہ اللہ کی محبت کے برابر اپنے دل کے سنگھاسن پر کسی کی محبت کو بٹھا لیا تو یہ شرک ہے ـــــ اور اگر کسی کی محبت اللہ کی محبت سے بڑھ گئی تو شرک سے بھی اوپر کا کوئی لفظ ایجاد کرنا پڑے گا' کیونکہ ایسا لفظ ہماری لغت میں نہیں ہے ـــــ برابر کا معاملہ ہو گیا تو یہ شرک ہو جائے گا۔

یہاں ایک بات اور جان لیجئے کہ اطاعت کے ساتھ محبت کا ذکر کس بنیاد پر کیا گیا ہے! اس کی پہلی بنیاد تو لفظ عبادت ہے' جس کی تشریح ہو چکی کہ اس میں تذلل کے ساتھ غایت درجہ کی دلی محبت کا مفہوم بھی شامل ہے۔ دوسرا بنیادی لفظ اطاعت ہے جو طوع سے بنتا ہے۔ ہم اردو میں بھی طوعاً و کرہاً بولتے ہیں۔ طوع کے معنی دل کی آمادگی کے ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ دل کی آمادگی مستلزم ہے محبت کو۔

## توحید فی العبادۃ کی اہمیت

سورۃ الزمر میں انفرادی توحید کا مضمون بڑی شدومد اور بڑی شان سے آیا ہے۔ ابتدائی تین آیات کا قدرے شرح و بسط کے ساتھ بیان ہو چکا۔ اب چند آیات مزید دیکھئے۔

کسی اہم بات کو emphasize کرنے کیلئے‘ اس پر زور دینے کیلئے‘ اس کو خوب اچھی طرح ذہنوں میں اتارنے کیلئے مختلف اسالیب سے اس کی تکرار اور اس کا اعادہ بھی ایک مؤثر ذریعہ بنتا ہے۔ وہی بات جو سورت کے آغاز میں آئی تھی آیت نمبر۱۱ میں دوبارہ آرہی ہے۔ وہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم دیا تھا اور انشائیہ انداز تھا کہ : ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ﴾ یہاں نبی اکرم ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے ﴿ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ ﴾ ”اے نبیؐ کہہ دیجئے کہ مجھے حکم ہوا ہے“ ﴿ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ﴾ ”کہ میں اللہ کی بندگی اور پرستش کروں اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے“۔ یہاں کس حکم کا ذکر ہے‘ اسی کا جو ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ﴾ کی صورت میں ابتدائے سورت میں آگیا تھا۔

اگلی آیت نمبر۱۲ میں اسی مضمون کے مفہوم و مقصود کو مزید واضح فرما دیا : ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ ”اور مجھے تو حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے فرماں بردار میں خود بنوں“۔ یعنی اللہ کے احکام پر سب سے پہلے عمل پیرا میں خود ہوں۔ اللہ کے نواہی سے رُک جانے والا اور اللہ کے اوامر کو دل و جان سے بجالانے والا سب سے پہلے میں خود بنوں۔

آگے چلئے اور دیکھئے کہ نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے‘ درآنحالیکہ آپؐ معصوم ہیں‘ کس طرح خشیت الٰہی اور اللہ کی نافرمانی پر خوفِ آخرت کا اظہار کرایا جا رہا ہے۔ فرمایا : ﴿ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴾ ”(اے نبیؐ) یہ بھی کہہ دیجئے کہ اگر میں اللہ کے حکم کی نافرمانی کروں تو مجھے یومِ عظیم (آخرت) کے عذاب کا خوف اور اندیشہ ہے“۔ کون سے احکام کی نافرمانی سے خوف کا اظہار ہو رہا ہے۔

ـــــ یہاں دو ہی تو حکم آئے ہیں' پہلا یہ کہ ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ﴾ دوسرا یہ کہ ﴿ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ لیکن ان دونوں احکام نے پوری زندگی کے فکر و نظر اور رویّہ و عمل کا احاطہ کر لیا ہے۔ اب اگر عملی زندگی میں اس توحیدِ عملی کی ذرا سی بھی خلاف ورزی ہو جائے تو اس پر محبوبِ ربّ العالمین سے کہلوایا جا رہا ہے : ﴿ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ○ ﴾ اس میں دراصل اہل ایمان کے لئے انتہائی مؤثر انتباہ ہے۔

آگے فرمایا : ﴿ قُلِ اللّٰہَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّہٗ دِیْنِیْ ○ ﴾ "اے نبی! (پھر) کہہ دیجئے کہ مَیں تو اللہ ہی کی بندگی اور پرستش کرتا ہوں اس کے لئے اپنے دین اور اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔"

اس آیت میں نبی اکرم ﷺ سے آپؐ کے اس عزمِ مصمّم اور ثبات و استقلال کا اعلان کرا دیا گیا کہ میری لائی ہوئی دعوتِ توحید کو کوئی قبول کرے یا نہ کرے' مَیں تو ہر حال میں اللہ ہی کی مخلصانہ بندگی اور پرستش کرتا ہوں اور کروں گا۔ اور میری اطاعت اسی کے لئے مخصوص ہے اور رہے گی۔

## تاکیدِ مزید

آگے اسی سورۂ مبارکہ کے ساتویں رکوع کی تین آیات (نمبر ۶۴' ۶۵ اور ۶۶) میں یہ مضمون پورے نقطۂ عروج (Climax) کو پہنچ گیا ہے۔ اس سے زیادہ تاکیدی اسلوب آپ کو کہیں نہیں ملے گا ـــــ فرمایا : ﴿ قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰہِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَیُّھَا الْجٰھِلُوْنَ ○ ﴾ "اے نبی (ﷺ)! کہہ دیجئے کہ اے جاہلو! (اے نادانو! اے حرص و ہوا کے بندو!) کیا تم مجھے یہ حکم (اور مشورہ) دے رہے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں؟" دیکھئے وہاں جو کشمکش چل رہی تھی' اور وہ کشمکش توحید اور شرک کے مابین ہی تھی' اس کشمکش میں نبی اکرم ﷺ پر دباؤ پڑ رہا ہے۔ سارے وفود جنابِ ابو طالب کے پاس کس لئے آئے تھے؟ ان کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ محمد (ﷺ) سے کہہ دو کہ ہم انہیں اپنا بادشاہ بنانے کے لئے بھی تیار ہیں' اگر انہیں دولت درکار ہے تو اس کے انبار بھی ان

کے قدموں میں لگا دیتے ہیں' جہاں چاہیں' جس خاندان میں چاہیں بس اشارہ کر دیں ہم آپؐ کا وہاں نکاح کرنے کے لئے بھی آمادہ ہیں' لیکن آپؐ اپنی اس دعوت سے باز آجائیں ـــــ یہاں قریش کے ان بڑے بڑے سرداروں سے خطاب کیا جا رہا ہے اور خطاب بھی نہایت تیکھا اور تند و تلخ انداز میں اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ کے الفاظِ مبارکہ سے۔ یہ بڑا ثقیل انداز ہے جو قرآن نے براہِ راست خطبات میں اختیار کیا ہے۔ عام طور پر خطاب کا یہ انداز نہیں ہے' لیکن یہ موقع ہی ایسا ہے کہ اندازِ تخاطب دو ٹوک ہو اور اس میں سختی ہو ـــــ ویسے لفظ جاہل کے عربی میں وہ معنی نہیں ہیں جو اُردو میں ہیں۔ اُردو میں جاہل اَن پڑھ کو کہتے ہیں۔ عربی میں جذبات اور خواہشات سے مغلوب کو جاہل کہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ کا لفظ ہے حلیم۔ حلیم اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ٹھنڈے دل و دماغ سے کام لیتا ہے' غور و فکر کرتا ہے' تحمل کرتا ہے' بردباری اختیار کرتا ہے اور عقل کی رہنمائی میں کوئی فیصلہ کرتا ہے' جبکہ جاہل وہ ہے جو اپنے جذبات اور خواہشات کے تابع ہو کر اقدام کرتا ہے ـــــ اس لئے اس کا ترجمہ کیا گیا ہے اے حرص و ہوا کے بندو! یعنی اے خواہشات کے غلامو! ـــــ کیا تم رسول اللہ ﷺ سے یہ توقع رکھتے ہو اور ان کو یہ حکم اور مشورہ دینے کی جسارت کرتے ہو کہ آپؐ اللہ کے سوا کسی اور کو پوجیں یا اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی اور پرستش کریں ـــــ معاذ اللہ

## توحید فی العبادۃ کی تاکید کی انتہا

آگے فرمایا : ﴿ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ ﴾ "اور (اے نبیؐ!) یقیناً آپ کی طرف بھی وحی کی جا چکی ہے اور ان کی طرف بھی جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں' اگر بالفرض آپ نے بھی شرک کیا تو جان لیجئے کہ لازماً آپ کے سارے اعمال حبط اور اکارت ہو جائیں گے اور آپ بھی لازماً خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے"۔ یہ بڑا چونکا دینے والا انداز ہے۔ اس کا ترجمہ کرتے ہوئے زبان لڑکھڑاتی ہے۔ اس میں شرک پر جس غیظ و غضب کا اظہار ہے وہ اس بات سے ظاہر ہے کہ انتہائی تاکید کے اسلوب [illegible]

یَحْبَطَ اور تَکُوْنَنَّ سے پہلے لام تاکید اور پھر مزید تاکید کے لئے آخر میں نون مشدد لایا گیا ہے ــــ میں نے ترجمہ میں یہ احتیاط کی ہے کہ لفظ "بالفرض" کا اضافہ کر دیا' کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے شرک کے ظہور کا کسی نوع کا کوئی امکان سرے سے نہیں ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ لیکن بات میں زور پیدا کرنے اور قرآن مجید کی دعوتِ توحید کے مخاطبین اوّل اور تاقیامِ قیامت آنے والی نوعِ انسانی کو شرک کی شناعت سے متنبہ کرنے کیلئے یہ اسلوب اختیار کیا گیا کہ "اے محمد (ﷺ) اگر آپ بھی شرک کریں تو آپ کا مقام اور آپ کا مرتبہ' آپ کے محبوبِ ربّ العالمین ہونے کی حیثیت بھی آپ کو اللہ کی پکڑ سے نہیں بچا سکے گی اور آپ کے تمام اعمال لازماً کارت ہو جائیں گے اور آپ بھی لازماً زمرۂ خاسرین میں سے ہو جائیں گے" ــــ یہ ہے توحید فی العمل کا تقاضا اور اس کی اہمیت ــــ قرآن مجید کے ایسے مقامات کے مطالعہ ہی سے شاید علامہ اقبال نے یہ شعر کہا تھا ؎

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را!

آگے فرمایا : ﴿ بَلِ اللّٰہَ فَاعْبُدْ وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ ○ ﴾ "لہٰذا (اے نبیؐ) آپ بس اللہ ہی کی بندگی کیجئے اور اللہ کے شکر گزار بندوں میں سے بن جایئے"۔ یہ عبادت کی تاکید' اللہ کی بندگی اور پرستش کا مؤکد حکم ہے۔ یہاں عبادت سے مراد محض ارکانِ اسلام یعنی شہادتین' صلوٰۃ' صوم اور حج نہیں' بلکہ پوری زندگی اللہ کی بندگی میں بسر کرنا مراد ہے۔ اسی رویہ کی ایک تعبیر شکر ہے۔

## خلاصۂ کلام

سورۃ الزمر کے تین مقامات سے تین' پھر چار اور پھر تین آیات' یعنی کل دس آیات کی قدرے تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انفرادی سطح پر عملی توحید کیا ہے۔ وہ ہے اللہ کا بندہ بن جانا ہمہ تن' ہمہ وقت' ہمہ جہت ــــ اطاعت اسی کے لئے خالص ہو۔ دوسروں کی اطاعت کی جائے تو اس کی اطاعت کے تابع ہو کر کی جائے' اس سے آزاد ہو کر نہ کی جائے۔ بنیادی اور حقیقی شدید ترین محبت اللہ تبارک و

# مسلمان کا طرزِ حیات(۷)

علامہ ابو بکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم: مولانا عطاء اللہ ساجد

**کتاب العقائد**

نواں باب

## جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان

(گزشتہ سے پیوستہ)

اور فرمایا:

((اِنَّ الْجَنَّةَ حُرِمَتْ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ كُلِّهِمْ حَتّٰى اَدْخُلَهَا' وَحُرِمَتْ عَلَى الْاُمَمِ حَتّٰى تَدْخُلَهَا اُمَّتِیْ)) (۹)

"تمام انبیاء کے لیے جنت میں داخلہ منع ہو گا جب تک میں داخل نہ ہو جاؤں' اور تمام اُمتوں کے لیے اس میں داخلہ منع ہو گا حتیٰ کہ میری اُمت داخل ہو جائے۔"

اور فرمایا:

((اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كُنْتُ اِمَامَ الْاَنْبِيَاءِ وَخَطِيْبَهُمْ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِهِمْ ' وَلَا فَخْرَ)) (۱۰)

"جب قیامت کا دن ہو گا تو میں انبیائے کرام کا امام ہوں گا' اور ان کا خطیب اور صاحب شفاعت ہوں گا' اور میں اس پر فخر نہیں کرتا۔"

اور فرمایا:

((اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ' وَاَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ' وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ)) (۱۱)

"قیامت کے دن میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا' اور قیامت کے دن سب سے پہلے میری قبر شق ہو گی' اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری

شفاعت قبول کی جائے گی۔"

(۴) تورات اور انجیل جناب رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور آنحضور ﷺ کی نبوت و رسالت کی گواہی دیتی ہیں۔ جناب موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کی خوشخبری دی تھی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ ﴾ (الصّف: ٦)

"اور جب عیسیٰ بن مریم نے فرمایا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں' اپنے سے پہلے والی تورات کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا' اس کا نام احمد ہو گا۔"

اور فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰۗىِٕثَ ... ﴾

(الاعراف: ۱۵۷)

"جو اس نبی اُمّی رسول (ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جسے وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں' وہ انہیں بھلائی کا حکم دیتا ہے اور بُرائی سے روکتا ہے' اور ان کے لیے پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور گندی چیزیں حرام کرتا ہے..."

اور تورات میں لکھا ہے:

"میں ان کے لیے انہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا' اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا' اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو' جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا' نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا۔"(۱۲)

یہ بشارت جو تورات میں آج بھی موجود ہے' وہ ہمارے نبی ﷺ کی رسالت اور ان کے واجب الاطاعت ہونے کی گواہی دے رہی ہے۔ یہ عبارت یہودیوں کے خلاف ایک

واضح دلیل ہے' اگرچہ وہ اس کا انکار کریں یا تاویل کریں۔ یہ ارشاد کہ "میں ان کے لیے تیری طرح ایک نبی برپا کروں گا" بلاشک وشبہ محمد ﷺ کی نبوت ورسالت پر دلالت کر رہا ہے' کیونکہ یہاں خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے اور وہ نبی اور رسول ہیں' اور جو کوئی ان کی مثل ہوگا وہ بھی نبی اور رسول ہی ہوگا۔ "ان کے بھائیوں میں سے" کے الفاظ بھی صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ اس بشارت سے جناب محمد ﷺ ہی مراد ہیں۔ اور یہ الفاظ کہ "میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا" حضرت محمد ﷺ کے علاوہ اور کسی پر صادق ہی نہیں آتے' کیونکہ آنحضور ﷺ ہی اللہ کا کلام قرآن پاک پڑھتے اور یاد کرتے تھے۔

اس کی تائید ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے: "وہ انہیں سب کچھ بتائے گا"۔[(۱۳)] کیونکہ نبی کریم ﷺ نے غیب کی وہ وہ خبریں دی ہیں جو کسی اور نبی نے نہیں دیں۔ اور آنحضرت ﷺ نے ماضی اور مستقبل کی بہت سی خبریں بیان کی ہیں۔

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق تورات میں آنحضور ﷺ کے اوصاف اس طرح بیان کیے گئے ہیں:

> "اے نبی! ہم نے تجھے خوشخبری دینے والا' ڈرانے والا اور اَن پڑھ قوم کا محافظ بنا کر بھیجا ہے' تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے' میں نے تیرا نام متوکّل رکھا ہے —— وہ نہ سخت گو ہوگا نہ سخت دل' نہ بازاروں میں شور مچانے والا۔ وہ برائی کا جواب برائی سے نہیں دے گا' بلکہ معاف کردے گا' درگزر کرے گا اور بخش دے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اس وقت تک فوت نہیں کرے گا جب تک ایک ٹیڑھی قوم کو اس کے ذریعے سیدھا نہ کردے کہ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے لگیں۔ اللہ اس نبی کی وجہ سے اندھی آنکھوں کو' بہرے کانوں کو اور بند دلوں کو کھول دے گا۔"[(۱۴)]

تورات میں یہ بھی وارد ہے:

> "انہوں نے مجھے اللہ کے سوا دوسروں کے ذریعے غیرت دلائی اور اپنے باطل معبودوں سے مجھے غصّہ دلایا۔ میں بھی انہیں دوسری قوموں کے ذریعے غیرت دلاؤں گا۔ میں انہیں جاہل قوم کے ذریعے غصّہ دلاؤں گا۔"

جاہل قوم سے واضح طور پر عرب قوم مراد ہے' کیونکہ بعثتِ نبویؐ سے قبل یہ قوم بالکل جاہل تھی' حتیٰ کہ یہودیوں نے عربوں کا نام ہی اُمّی یعنی "اَن پڑھ" رکھ دیا تھا۔

تورات کی ایک اور عبارت پیش خدمت ہے:

"یہودا سے سلطنت نہیں چھوٹے گی اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا جب تک شیوہ نہ آئے۔ اور قومیں اس کی منتظر ہوں گی۔"(۱۵)

سوچنے کی بات ہے کہ اقوامِ عالم کو ہمارے نبی جناب محمد ﷺ کے سوا کس کا انتظار تھا؟ خصوصاً یہود تو حضور علیہ السلام کا شدت سے انتظار کر رہے تھے، جیسے کہ ان کے واضح اعترافات سے معلوم ہوتا ہے، لیکن حسد نے انہیں حضور ﷺ پر ایمان لانے سے اور حضور ﷺ کی اتباع کرنے سے روک دیا۔ سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ ۸۹)

"اور اس سے پہلے وہ کافروں پر فتح کی دعا کرتے تھے، پھر جب ان کے پاس وہ آ گیا جسے انہوں نے پہچان لیا تو اس کا انکار کر دیا، تو کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔"

انجیل میں بھی رسول اللہ ﷺ کے متعلق بشارتیں موجود ہیں، مثلاً:

۱۔ "ان دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو، کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔"(۱۶)

اس عبارت "آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے" میں جناب رسول اکرم حضرت محمد ﷺ کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ خوشخبری موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کا وقت قریب آ گیا ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ہی آسمان سے نازل شدہ قانون کے مطابق ایک سلطنت قائم کی، جو بجا طور پر "آسمانی بادشاہت" کہلانے کی مستحق ہے۔

۲۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے شاگردوں کے سامنے ایک اور مثال بیان فرمائی، انہوں نے کہا:

"آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آ کر اس کی ڈالیوں پر بسیرا

کرتے ہیں۔"(۱۷)

انجیل مقدس کی عبارت بعینہٖ وہی مفہوم ادا کرتی ہے جو قرآن مجید کی اس آیۂ مبارکہ میں ارشاد ہوا ہے:

﴿... وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ﴾

(الفتح ۲۹)

"اور انجیل میں ان کی مثال ایک کھیتی کی طرح (بیان کی گئی) ہے جس نے اپنی سوئی نکالی' پھر اسے مضبوط کیا' پھر وہ موٹی ہو گئی' پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی' کاشت کرنے والوں کو اچھی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کا جی جلائے۔"

آیتِ مبارکہ میں مذکور اس کھیتی کے پودوں سے مراد جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

۳۔ "لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے' کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار (۱۸) تمہارے پاس نہ آئے گا' لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا' اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔"(۱۹)

انجیل کا یہ جملہ پوری صراحت سے حضرت محمد ﷺ کی بشارت دیتا ہے۔ اگر محمد ﷺ "فارقلیط" کے لقب کا مصداق نہیں تو پھر اور کون ہے؟ حضور ﷺ کے سوا اور کون ہے جس نے لوگوں کو ان کی غلطیوں پر ٹوکا اور جھڑکا ہو؟ جب دنیا شر و فساد کے سمندر میں غرق تھی' اور بت پرستی تمام لوگوں پر' حتیٰ کہ اہلِ کتاب پر بھی غالب آچکی تھی' اس وقت کس نے آکر انہیں گمراہی سے روکا؟ محمد ﷺ کے علاوہ اور کون ہے جس نے عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر چلے جانے کے بعد اللہ ربِ کائنات کی طرف بلایا ہے؟

## عقلی دلائل

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ سے پہلے سینکڑوں اور ہزاروں نبی مبعوث فرمائے' پھر محمد ﷺ کے مبعوث فرمانے میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے؟

جب اس سلسلہ میں کوئی عقلی یا شرعی مانع موجود نہیں، پھر آنحضرت ﷺ کے تمام لوگوں کی طرف نبی اور رسول بنا کر بھیجے جانے کا انکار کرنے کی کیا معقول وجہ ہو سکتی ہے؟

(۲) رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا کے حالات اس قسم کے تھے جو ایک نئی آسمانی رسالت کا تقاضا کرتے تھے، ان حالات میں ایک رسول کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ تمام انسانیت کو نئے سرے سے اپنے خالق سے روشناس کرایا جائے۔

(۳) اسلام جس تیزی سے دنیا میں پھیلا اور جس طرح تمام اطراف و اکناف کے لوگوں نے اسے قبول کیا اور دوسرے مذاہب کو چھوڑ کر اس کی طرف مائل ہوئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ واقعتاً اللہ کے نبی تھے۔

(۴) جناب رسول اللہ ﷺ نے جو اصول و ضوابط دنیا کے سامنے پیش کیے ان کا صحیح اور قابلِ عمل ہونا ثابت ہو چکا ہے، اور عملی طور پر ان کے انتہائی بابرکت اور مفید نتائج سامنے آ چکے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصول و قوانین اللہ کے نازل کئے ہوئے ہیں اور انہیں لانے والے واقعی اللہ کے رسول اور نبی ہیں (ﷺ)۔

(۵) آنحضرت ﷺ سے ایسے خرقِ عادت امور اور معجزات ظاہر ہوئے ہیں جن کا صدور کسی نبی اور رسول سے ہی ممکن ہے۔ اور عقل ان معجزات کا غیرنبی سے ظاہر ہونا محال قرار دیتی ہے۔

اب نبی کریم ﷺ کے چند ایک معجزات بطورِ مثال ذکر کیے جاتے ہیں جو بکثرت صحیح اسناد سے حدیثوں میں وارد ہیں۔ اور کثرتِ روایت کی وجہ سے یہ احادیث متواتر کے قریب پہنچ جاتی ہیں۔ ان کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو عقل و فہم کی نعمت سے محروم ہو۔

(۱) **شقِّ قمر:** ولید بن مغیرہ اور بعض دوسرے قریشی کافروں نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ کوئی معجزہ دکھایا جائے جس سے آپ کا دعویٰ نبوت و رسالت سچ ثابت ہو جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے اشارے پر چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا پہاڑ کے ایک طرف اور دوسرا پہاڑ کے دوسری طرف نظر آنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: "گواہ رہو"۔ قریش نے دوسرے علاقوں کے رہنے والے

لوگوں سے بھی پوچھا کہ کیا انہوں نے بھی شق قمر کا مشاہدہ کیا ہے؟ تو وہاں سے آنے والے لوگوں نے تصدیق کی کہ واقعی انہوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔[۲۰]
اس وقت یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴾ (القمر . ۱-۳)

"قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔ اگر یہ لوگ کوئی نشانی دیکھ لیں تو اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے۔ انہوں نے (حق کو) جھٹلا دیا ہے اور اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کی ہے۔"

(۲) غزوۂ احد میں جنگ کے دوران حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر زخم لگا اور وہ اپنے حلقہ سے نکل کر رخسار پر لٹک آئی، رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ سے اسے دوبارہ اس کی جگہ رکھ دیا اور وہ بالکل صحیح ہو گئی، بلکہ اس کی قوت پہلے سے بھی زیادہ ہو گئی۔

(۳) جنگ خیبر کے موقع پر حضرت علیؓ کی آنکھیں دکھتی تھیں، آنحضور ﷺ نے ان پر لعاب مبارک لگایا تو وہ ایسی ٹھیک ہو گئیں گویا کبھی کوئی بیماری تھی ہی نہیں۔[۲۱]

(۴) غزوۂ بدر میں حضرت ابنِ حکیم رضی اللہ عنہ کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی، رسول اللہ ﷺ نے پھونک ماری تو وہ فوراً صحیح ہو گئی اور کبھی اس میں تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔[۲۲]

(۵) ایک بدّو آنحضرت ﷺ کے پاس سے گزرا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "اے اعرابی! کہاں جا رہے ہو"؟ اس نے کہا: "گھر جا رہا ہوں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تمہیں کوئی بھلائی چاہیئے؟" اُس نے کہا: "کون سی بھلائی؟" نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اس بات کا اقرار کرلو کہ اکیلے لاشریک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔" اعرابی نے کہا: "آپ کی اس بات کی گواہی کون دیتا ہے؟" حضور علیہ السلام نے وادی کے کنارے اُگے ہوئے ایک درخت کی طرف اشارہ کرکے کہا: "یہ درخت"۔ وہ درخت فوراً زمین پھاڑتا ہوا آیا اور حضور علیہ السلام کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے تین بار اس درخت سے گواہی طلب کی اور درخت نے اسی طرح

گواہی دی جس طرح نبی ﷺ نے فرمایا تھا۔ (۲۳)

⑥ کھجور کا خشک تنا آنحضرت ﷺ کے فراق کی وجہ سے غم زدہ ہوا اور اس طرح آواز کے ساتھ رویا کہ مسجد نبوی میں موجود تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے رونے کی آواز سنی۔ (۲۴) واقعہ یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تھے تو کھجور کے اس تنے کو منبر کے طور پر استعمال فرماتے تھے۔ جب آنحضور ﷺ کے لیے منبر تیار ہو گیا تو کھجور کا تنا غم فراق کی وجہ سے رونے لگا۔ اور اس سے ایسی آواز آئی جیسے گابھن اونٹنی بولتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور اس پر اپنا ہاتھ رکھا' تب وہ خاموش ہوا۔

⑦ آنحضرت ﷺ نے ایران کے کافر بادشاہ کسریٰ کے متعلق دعا فرمائی کہ اس کی حکومت منتشر ہو جائے۔ چنانچہ اس کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ (۲۵)

⑧ آنحضور ﷺ نے جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو دعا دی (۲۶) کہ انہیں دین کا فہم حاصل ہو۔ چنانچہ یہ عظیم صحابیؓ "حِبر الأُمّة" یعنی "اُمت کے عالم" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

⑨ حضور علیہ السلام کی دُعا سے کھانا زیادہ ہو گیا۔ مثلاً ایک بار نصف صاع جَو کے آٹے سے تیار ہونے والی روٹی سے اَسّی آدمی سیر ہو گئے۔ (۲۷)

⑩ حضور علیہ السلام کی دعا سے پانی میں برکت واقع ہوئی۔ غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پانی کی قِلّت کا سامنا ہوا اور پینے کے لیے بھی پانی نہ رہا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آنحضور ﷺ ایک برتن میں موجود پانی سے وضو کر رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا: حضور! ہمارے پاس صرف یہی پانی بچا ہے جو آپ کے برتن میں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے برتن میں اپنا ہاتھ رکھا تو انگلیوں کے درمیان سے اس طرح پانی نکلنے لگا گویا چشمے جاری ہو گئے ہیں۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پانی سے وضو بھی کیا اور پیاس بھی بجھائی۔ اس سفر میں صحابہ کرامؓ کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی۔ (۲۸)

⑪ معراج کے موقع پر حضور ﷺ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے آسمانوں تک تشریف لے گئے حتیٰ کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ اور جب اس طویل سفر سے

واپس آئے تو حضور ﷺ کا بستر مبارک ابھی گرم تھا۔ (۲۹)

(۱۲) آنحضور ﷺ کا عظیم ترین معجزہ قرآن مجید ہے۔ اس میں سابقہ اقوام کے حالات بھی درج ہیں اور مستقبل کے واقعات بھی موجود ہیں۔ اس میں ہمارے اختلافات کا حل موجود ہے۔ اس میں دائمی راہنمائی اور نور ہے۔ چنانچہ قرآن مجید آپ ﷺ کا وہ عظیم ترین معجزہ ہے جو رہتی دنیا تک حضور ﷺ کی دائمی نبوت کی دلیل بنا رہے گا' اور قیامت تک بندوں پر اللہ کی حجت کے طور پر قائم رہے گا اور حضور ﷺ کی سچائی کی گواہی دیتا رہے گا۔

چنانچہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کو جتنے بھی معجزات عطا ہوئے قرآن مجید ان سب سے بڑا معجزہ ہے' اور آپ کی نبوت پر جو دلائل نازل ہوئے قرآن مجید ان سب سے بڑھ کر ہے۔ اسی مقدس کتاب کے بارے میں صاحبِ قرآن ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ اِلاَّ وَقَدْ اُعْطِيَ مِنَ الْاٰيَاتِ مَا مِثْلُهٗ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ' وَاِنَّمَا كَانَ الَّذِىْ اُوْتِيْتُهٗ وَحْيًا اَوْحَاهُ اللّٰهُ اِلَيَّ ' فَاَرْجُوْا اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (۳۰)

"ہر نبی کو معجزات دیئے گئے جن کی وجہ سے کم یا زیادہ لوگ ایمان لائے۔ مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ وحی ہے جو اللہ نے مجھ پر نازل کی۔ مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین سب نبیوں کے متبعین سے زیادہ ہوں گے۔"

## حواشی

(۹) سنن دار قطنی۔ اس کی متعدد سندیں ہیں' جن کی وجہ سے یہ حدیث حسن کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔

(۱۰) جامع الترمذی و سنن ابن ماجۃ و مسند احمد (۱۳۷/۵'۱۳۸)۔

(۱۱) صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب تفضیل نبینا ﷺ علی جمیع الخلائق۔

(۱۲) کتاب استثناء' باب ۱۸' فقرہ ۱۸'۱۹

(۱۳) عربی بائبل میں یہ الفاظ ہیں: "وَيُكَلِّمُهُمْ بِكُلِّ مَا اُوْصِيْهِ بِهٖ" جس کا ترجمہ یوں ہے: "وہ انہیں ہر بات بتائے گا جس کا میں اسے حکم دوں گا"۔ اردو بائبل میں عبارت یوں ہے: "اور جو کچھ

میں اسے حکم دوں گا وہی ان سے کہے گا"۔ مصنف نے عربی بائبل کی عبارت سے دلیل لی ہے۔

(۱۴) صحیح البخاری' کتاب البیوع' باب کراھیة الصخب فی السوق۔ بائبل میں کتاب "یسعیاہ" کے باب ۴۲ کے فقرات نمبر ۱ تا ۸ کی عبارت اس حدیث سے کافی مشابہ ہے۔

(۱۵) کتاب پیدائش' باب ۴۹ فقرہ ۱۰۔ "شیلوہ" عبرانی زبان کا لفظ ہے' جس کا معنی ہے "سلامتی" اور اس سے دین اسلام مراد ہے۔

(۱۶) انجیل متی' باب ۳' فقرہ ۱'۲

(۱۷) انجیل متی' باب ۱۳' فقرہ ۳۱'۳۲۔

(۱۸) یونانی بائبل میں لفظ "فارقلیط" ہے' جس کا مطلب ہے: "بہت تعریف والا" اور یہی مطلب "محمد" اور "احمد" کا ہے۔

(۱۹) انجیل یوحنا' باب ۱۶' فقرہ ۷' ۸۔

(۲۰) شقِ قمر کی احادیث صحیحین میں موجود ہیں۔ مثلاً صحیح البخاری' کتاب المناقب' باب سوال المشرکین ان یریهم النبی ﷺ آیةً فاراهم انشقاق القمر' کتاب التفسیر' باب تفسیر ﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴾ اور دیگر ابواب۔ کتاب صفات المسلمین' باب انشقاق القمر

(۲۱) صحیح البخاری' کتاب الجهاد' باب دعوة الیهود والنصاری (اور دیگر ابواب) صحیح مسلم' کتاب الجهاد' باب غزوة ذی قرد وغیرها۔

(۲۲) جنگ خیبر میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر پھونک ماری اور انہیں صحت ہوگئی۔ دیکھئے صحیح البخاری' کتاب المغازی' باب غزوة خیبر۔

(۲۳) سنن الدارمی' باب ما اکرم اللّٰہ به نبیه من ایمان الشجر به والبهائم والجن۔

(۲۴) تفصیلی واقعہ کے لیے دیکھئے صحیح البخاری' کتاب الجمعة' باب الخطبة علی المنبر۔

(۲۵) صحیح البخاری' کتاب العلم' باب ما یذکر فی المناولة۔

(۲۶) صحیح البخاری' کتاب الوضوء' باب وضع الماء عند الخلاء۔ صحیح مسلم' کتاب فضائل الصحابة' باب من فضائل عبد اللّٰہ بن عباس۔

# قیامِ اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر

## معروف سعودی دانشور ڈاکٹر سفرالحوالی کی تہلکہ خیز کتاب

### کی سلسلہ وار اشاعت ـــــ قسط اوّل

## عرضِ مترجم

اللہ کے لئے دوستی اور اسی کے لئے دشمنی کی کہانی اتنی ہی پرانی ہے جتنی انسانی گمراہی کی کہانی۔ ایک مدت تک راہ راست پر چلنے کے بعد یک لخت انسانوں کے ایک ٹولے نے شیطانی بہکاوے میں آکر گمراہی کی راہ اختیار کی اور عقائد و تصورات کی بنیاد پر ازلی معرکہ شروع ہو گیا۔ اُس وقت سے لے کر آج تک خیر اور شر کی قوتیں باہم برسر پیکار ہیں۔ اللہ پر ایمان لانے والوں کے ساتھ خیر کی تمام قوتیں ہیں۔ مؤمن اور پوری کائنات اطاعت کے بندھن میں فطرت کے اس آہنگ میں بندھے ہیں جس نے سرمو انحراف کرنا نہیں سیکھا۔ فرشتے اور خدا کی بنائی ہوئی پاک ارواح ان کی خیر خواہ ہیں اور صبح و شام ان کے لئے برکات نازل ہوتی ہیں۔ ﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ ﴾ دوسری طرف جاہلی تصورات اور جاہلی اقدار ہیں جو ابلیس کے جلو میں شر کی تمام قوتوں کے ساتھ صف آراء ہیں۔ جاہلی قوتوں میں بُت پرستوں کے علاوہ اہل کتاب بھی ہیں جو کبھی مؤمن تھے اور توحید پرستوں میں شامل تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی توحید میں انحراف کی وجہ سے انسان کی رہنمائی کی ذمہ داری اُمتِ محمّدیہ (علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام) کو سونپ دی اور یہودیوں پر خدا کا نہ ختم ہونے والا غضب نازل ہوا۔ نصاریٰ نے گمراہی کی راہ اپنائی۔ تب سے یہ نام نہاد توحید پرست خدا کے اختیار پر سیخ پا ہیں اور مؤمنین کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

جناب سفرالحوالی کا یہ خطبہ قیامِ اسرائیل کے تناظر میں عقیدہ "ولاء" اور "براء" یعنی دوستی اور بیزاری کو اجاگر کرتا ہے، جسے مسلمان سقوطِ خلافت کے بعد فراموش کر چکے ہیں۔ اُمتِ محمدیہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مسلمان اپنے ازلی دشمن کی پہچان سے محروم ہو

گئے ہیں جبکہ اہل کتاب زمین کے چپے چپے پر کمین گاہیں بنائے ہوئے ہیں۔

فاضل مقرر نے یہ خطبہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۱ء میں منعقد ہونے والی مشرقِ وسطیٰ امن کانفرنس کے پس منظر میں دیا تھا' جس کی افادیت میں کئی سال گزرنے کے بعد بھی ذرا کمی نہیں آئی' بلکہ حالات وواقعات نے ان خطرات کو نمایاں کر دیا ہے جن کی بابت خطبہ میں اشارہ کیا گیا تھا۔ مذکورہ بالا سہ روزہ کانفرنس سپین (اندلس) کے دارالحکومت میڈرڈ میں امریکہ اور روس کی مشترکہ کوششوں سے بلائی گئی تھی۔ کانفرنس کی اہمیت کا اندازہ شرکاء کی شمولیت سے لگایا جا سکتا ہے جن میں امریکہ کی جانب سے صدر بش اور وزیر خارجہ جیمز بیکر اور روس کی جانب سے میخائل گورباچوف اور وزیر خارجہ ایڈورڈ شیورڈ ناتزے' جبکہ اسرائیل کی نمائندگی وزیراعظم اسحاق شمیر نے کی۔ ۴۵ سال کے بعد پہلی مرتبہ عرب ممالک شام' مصر' اردن' لبنان اور فلسطین مذاکرات کی میز پر بیٹھے۔

مبصرین کے خیال میں مشرقِ وسطیٰ امن کانفرنس سے تین مقاصد حاصل کئے گئے تھے۔

ا) عرب ممالک کے مابین پھوٹ ڈلوانا اور پہلے سے بگڑے تعلقات کے بگاڑ میں مزید اضافہ کرنا۔

ب) اسلامی ملکوں سے اسرائیل کو تسلیم کروانے کی راہ ہموار کرنا۔

ج) اقوامِ متحدہ کی متفقہ قراردادوں کے علاوہ کسی اور پلیٹ فارم سے مسئلے کا نئی بنیادوں پر حل نکالنا۔

فلسطینی رہنما اس کانفرس کو "قدس کی فروخت" سے موسوم کرتے ہیں۔

اسلامی ممالک نے مسئلہ فلسطین کو ہمیشہ سیاسی اور نسلی رنگ دینے کی کوشش کی ہے جس سے عام مسلمان کے ذہن میں قبلہ اول کی بجائے مسئلہ فلسطین اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ فاضل مقرر کے نزدیک اسرائیل کا قیام نہ صرف "ولاء" و "براء" کے عقیدہ سے متعلق ہے' جس کی ابتداء نوح علیہ السلام کی نبوّت سے پڑی تھی' بلکہ موجودہ زمانہ میں نیوورلڈ آرڈر بھی اسی عقیدہ کا تسلسل ہے۔ مسئلہ فلسطین سیاسی نہیں ایمان کا مسئلہ ہے۔ یہود و نصاریٰ نے قبلہ اول پر کاری ضرب لگانے کے بعد قبلہ دوم پر بھی اپنا پنجہ استبداد ڈال دیا ہے۔ چنانچہ امریکی افواج حجاز کی مقدس سرزمین پر اپنے ناپاک قدم گاڑ چکی ہیں۔ نیوورلڈ

آرڈر فیلسٹین پر قبضے کے بعد فیلسٹین پر ایمان رکھنے والوں کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ مصر اور الجزائر کے بعد سعودی عرب کی جیلیں بھی بے گناہ مسلمانوں سے بھرتی جا رہی ہیں۔ امریکہ میں عمر عبدالرحمٰن پابندِ سلاسل ہیں تو فلسطین میں احمد یاسین' یہاں تک کہ فاضل مقرر کو بھی بلا کسی قانونی جرم کے جیل میں بند کر دیا گیا ہے۔ خطیبِ امّت کی زبان پر تالے ڈال دیئے گئے ہیں جن کی آڈیو کیسٹ سے دُنیا بھر کے مسلمان اپنے ایمان کی آبیاری کرتے رہے ہیں اور قریب تھا کہ اُمّت کے ہر فرد تک یہ کیسٹیں پہنچ جاتیں اور مسلمانوں کو بیدار کرنے میں فیصلہ کن کردار ادا کرتیں مگر آج ان کیسٹوں تک رسائی محال کر دی گئی ہے۔ دعوت بذریعہ کیسٹ کا رواج انہی کا مرہونِ منّت ہے۔ انہوں نے یہ طریقہ مسلمانوں پر الیکٹرانک میڈیا کے دروازے بند ہونے کی وجہ سے اختیار کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ کیسٹیں گھر گھر سنی جانے لگیں اور نیو ورلڈ آرڈر کے علم برداروں کو کھٹکنے لگیں اور چند سالوں کے بعد کیسٹوں پر پابندی عائد کر دی گئی اور ان کے خلاف سازشیں تیار ہونے لگیں۔ ان کے علاوہ دوسرے بے شمار علماء پر بھی سعودی حکومت کا عتاب نازل ہوا اور انہیں اُمّت کو بیدار کرنے کی پاداش میں جیل میں بند کر دیا گیا۔

فاضل مقرر کا پورا نام سفر بن عبدالرحمٰن الحوالی ہے۔ جائے پیدائش جنوبی طائف میں باحہ کا قصبہ اور تاریخ پیدائش ۱۳۷۰ھ الموافق ۱۹۵۰ء ہے۔ ان کا تعلق قبیلہ غامد سے ہے۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے بی اے کرنے کے بعد اُمّ القریٰ یونیورسٹی مکّۃ المکرمہ میں زیرِ تعلیم رہے۔ ۱۹۸۱ء میں ایم اے کے امتحان میں اوّل آئے۔ ایم اے میں ان کے مقالے کا موضوع سیکولرازم تھا جو اب تک اس موضوع پر لکھے جانے والے مقالات میں سب سے نمایاں مقالہ ہے۔ ۱۹۸۶ء میں پی ایچ ڈی کی سند اُسی یونیورسٹی سے حاصل کی اور اوّل آنے والے مقالے کا موضوع "الارجاء فی الاسلام" (اسلامی تصورات میں مرجئہ کے عقائد) تھا۔ اُمّ القریٰ میں ہی پہلے معلّم اور بعد ازاں "شعبۂ عقیدہ" کے چیئرمین بنے اور اسے یونیورسٹی کا ایک مثالی شعبہ بنا دیا۔

جناب سفر الحوالی پر مصائب اس وقت ٹوٹے جب انہوں نے اُمّت کو بیدار کرنے کے لئے پے در پے آڈیو کیسٹ' کتابچوں اور اپنے علمی مقالات سے مسلم دُنیا میں تہلکہ مچا دیا اور بیسویں صدی کے آخر میں مقبول ترین قائدین میں شمار ہونے لگے۔ جنگِ خلیج کر

دنوں میں انہوں نے عالمِ اسلام کو خبردار کرنے کی کوشش کی اور بتایا کہ یہ حملہ نیو ورلڈ آرڈر کا حصّہ ہے اور اسلامی ممالک کی بجائے امریکی افواج کو بلانا دراصل حرمین ان کے قبضہ میں دینا ہے' کیونکہ خلیجی ممالک پر قبضہ جمانا امریکہ کی دیرینہ خواہش رہی ہے اور برسوں سے اس کی منصوبہ بندی کی جارہی تھی۔ بعدازاں مجلس کبار علماء کو' جو حکومت سعودی عرب کی طرف سے مقرر کردہ علماء کرام کی کمیٹی ہے' ایک کھلا خط لکھا جو عربی متن میں ۷۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ خط کا عنوان "وعد کسنجر" تھا۔ خط کا متن حکومتی موقف کے خلاف تھا' اس لئے حکومت نے انہیں اُمّت کی خیرخواہی کے جرم میں ۱۶ ستمبر ۱۹۹۴ء کو جیل میں قید کردیا۔ عالم کی موت اس کی زبان بندی سے واقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جلد از جلد رہا ہو کر اصلاحِ اُمّت اور اس کی شیرازہ بندی کا فریضہ انجام دیں۔ (آمین)

زیرِ نظر ترجمہ آڈیو کیسٹ سے کیا گیا ہے جو طلب کرنے پر دستیاب ہوسکتی ہے۔ تقریر کا متن کتابی شکل میں "الوعد الحق والوعد المفتریٰ" کے عنوان سے شائع ہوچکا ہے۔

زیرِ نظر ترجمہ تقریر سے کیا گیا ہے جسے تحریری قالب میں ڈھالتے ہوئے کوتاہیاں سرزد ہونا یقینی امر ہے' تاہم حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ موضوع کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔ تقریر میں کتابوں اور شخصیات کے نام عربی میں بیان ہوئے تھے' ہم نے تلاش بسیار کے بعد کتابوں کے عنوان اور شخصیات کے نام انگریزی میں تحریر کئے ہیں۔

پاکستان میں بیشتر قارئین کے لئے سفر الحوالی کا نام نیا ہے۔ اگرچہ وہ بطور مصنّف' خطیب' داعی اور مفکر ایشیا سے یورپ تک جانے جاتے ہیں' لیکن ہمارے ملک میں انہیں اب تک متعارف نہیں کرایا گیا۔ ان جیسے دیگر مفکرین اور قائدین بھی عرصہ دراز سے اصلاحِ اُمّت کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں' جن سے رہنمائی حاصل کرنے میں نہ صرف ہمارے قائدین کی فہرست میں اضافہ ہوگا بلکہ جغرافیائی اور گروہی افکار سے نکل کر عالمی اور اُمّت کی سطح پر آنے کا موقع بھی ملے گا' برسوں سے چھائی مایوسی کے بادل چھٹ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ برابر مسلمانوں کی اصلاح کے لئے رہنما پیدا کررہا ہے جو آخرکار دنیا بھر کے مسلمانوں کو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے قیادت فراہم کرسکیں گے۔ (ان شاء اللہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عداوت کا آغاز

عزیز بھائیو! آج کا موضوع ہمارے روز مرہ کے حالات و واقعات سے دور از کار نہیں۔ یہ موضوع نہ صرف ہماری روزِ مرہ مجالس میں کی جانے والی گفتگو کا حصہ ہے بلکہ اخبار و رسائل اور دوسرے ذرائع ابلاغ بھی اس بڑے واقعے کو قلم بند کرنے میں مشغول و مصروف رہے ہیں' اس مسئلہ کو مشرق وسطیٰ امن کانفرنس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے' یعنی یہود و عرب کے مابین امن سمجھوتہ۔ آج ہم اسی امن کانفرنس کو زیر بحث لائیں گے۔

میڈرڈ کانفرنس میں جو کچھ ہوا بلاشبہ وہ اپنی نوعیت کا ایک تاریخی واقعہ ہے' جس کا اندازہ آپ نہ صرف مغربی ابلاغ عامہ سے لگا سکتے ہیں' جنہوں نے اس کانفرنس کو خوب کورَیج دی ہے' بلکہ دیگر ممالک کے ابلاغ عامہ نے ملکی اور داخلی مسائل کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنی تمام تر توجہ اس واقعے پر مرکوز رکھی۔ قائدین' صحافی' اخباری نامہ نگار' ادیب یہاں تک کہ عوام الناس سب کانفرنس کی کاروائی سے لحہ بہ لحہ باخبر اور منسلک رہے۔ عزیز بھائیو! آخر اس سارے انہماک میں کیا راز پوشیدہ تھا؟ شاید آپ سمجھتے ہوں کہ اس کانفرنس میں دو متنازع فریقین کے درمیان صلح کرائی گئی ہو گی؟ جبکہ ایسی کوئی بات نہیں۔

برادرانِ محترم! جو کچھ میڈرڈ کانفرنس میں ہوا وہ دراصل پیہم مرحلوں کی ایک طویل داستان ہے۔ میڈرڈ ایک لمبے سفر کی گاڑی کا درمیانی اسٹیشن ہے ـــــ وہ گاڑی جو آج سے دو ہزار سال پہلے روانہ ہوئی اور اگر زیادہ دور جانا چاہیں تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ گاڑی آج سے پانچ ہزار سال پہلے چلی ـــــ جیسا کہ ہم آگے چل کر ثابت کریں گے ـــــ اور قیامت تک چلتی رہے گی۔ میڈرڈ اور اس کے بعد واشنگٹن اس لمبے سفر میں مختصر دورانیے کے اسٹاپ ہیں۔ یہ طویل سفر دراصل اُس عہد کی طرف طے کیا جا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے باندھا اور آپؑ کے بعد آپؑ کی

صالح اولاد سے باندھا۔ یہ وہ عہد ہے جس پر اعتقاد رکھنے والے دُنیا کے تینوں آسمانی ادیان کے پیرو کار ہیں۔ مسلمان اپنے حق میں اس عہد کے دعوے دار ہیں جس کی تائید کتابُ اللہ سے بھی ہوتی ہے اور احادیث سے بھی' جیسا کہ ہم آگے چل کر ثابت کریں گے۔ دوسری طرف یہود و نصاریٰ ہیں جو اس عہد کی بابت ایک اور نقطۂ نظر رکھتے ہیں جو سراسر اللہ تعالیٰ پر بہتانِ عظیم ہے۔ نتیجتاً ان تینوں ادیان کے مابین کشمکش در آئی ہے جس کی نوعیت نہ تو قومی تعصبات جیسی ہے اور نہ ملکوں کے درمیان جو کھینچا تانی ہوتی ہے اس جیسی ہے' بلکہ یہ کشمکش دو وعدوں کے درمیان ہے' وعدۂ حق اور وعدۂ باطل۔ جس کے نتیجے میں یہ کشمکش دو عقیدوں کے درمیان بنتی ہے' عقیدۂ توحید جس کے داعی ابراہیم علیہ السلام تھے اور مجدّد محمد صلی اللہ علیہ وسلم' اور تجدیدِ نو کے لئے عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانے میں تشریف لائیں گے۔ اور دوسرا عقیدہ شرک' جھوٹ اور خرافات جس کے بانی عیسائی راہب اور یہودی پیشوا ہیں جنہوں نے من گھڑت باتیں بنا کر کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں' حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے ہرگز نہیں۔

سب سے پہلے اس تنازعے کی بنیاد رکھنے والے یہودی پیشوا ہیں' اس کے بعد سینٹ پال(Saint Paul)اور پھر دیگر گمراہ اور گمراہ کرنے والے پادری آتے ہیں' یہاں تک کہ تھیوڈور ہرتشل(Theodor Herzl)اور اس کے پیرو کاروں کا زمانہ آجاتا ہے۔ پھر آخری زمانے میں عیسیٰ علیہ السلام کے ظاہر ہونے پر اس تنازعے کا آخری مرحلہ مکمل ہوتا ہے۔ اور دونوں مسیحوں کے ٹکرانے سے یہ طویل اور ازلی معرکہ ختم ہو گا ــــــ مسیح ابنِ مریم اور مسیحِ دجّال' جو دراصل دو اُمتوں کے سردار ہیں اور دونوں ایک ہی وعدے کے اپنے حق میں ہونے کے دعوے دار ہیں۔ معرکے کا ایک فریق اُمّتِ مسلمہ ہے اور دوسرا فریق اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ ہیں۔

برادرانِ گرامی! اس کانفرنس کا انعقاد دراصل سچے وعدے کو جھٹلانے اور اس سے کفر کرنے کے لئے اور جھوٹے وعدے کی تائید اور اس پر ایمان قائم رکھنے کے لئے کیا گیا۔ اس لئے میڈرڈ کانفرنس میں جو کچھ طے پایا وہ کسی سنجیدہ شخص کے لئے نہ تو صلح کے بیانات ہیں اور نہ ہی صلح کی قرار دادیں' جیسا کہ ہم قطعی دلائل اور براہین سے ثابت

کریں گے۔ جھوٹے وعدے کی تائید ہی اس کانفرنس کا بنیادی اور اساسی نکتہ ہے۔ لہٰذا ہمیں اس بات سے زیادہ سروکار نہیں کہ کانفرنس میں کیا کہا گیا یا اس پر کتنا عمل درآمد کیا جائے گا۔ اگرچہ ہم کانفرنس کے مندرجات کو بھی تھوڑا بہت زیرِ بحث لائیں گے لیکن ہمارا اصل موضوع کانفرنس کا بنیادی اور اساسی نکتہ ہی رہے گا۔

محترم بھائیو! آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خطّہ شام کو خاص فضیلت بخشی ہے۔ سورۃ التّین میں ارشاد فرمایا : ﴿ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ ﴾ "قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طورِ سینا اور اس پُرامن شہر (مکہ) کی۔"

اسی خطّہ میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بسایا' جہاں سے اس عہد کا آغاز تقریباً پانچ ہزار سال پہلے ہوا اور اس معرکے کی بنیاد پڑی' وہ ابراہیمؑ جنہیں اللہ تعالیٰ نے پسند کیا اور انہیں انسانوں کا امام بنایا۔ ابراہیم علیہ السلام کی خطّہ شام میں آمد سے ہی اس تنازعے کی بنیاد پڑ گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو مکّہ مکرمہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم بھی اسی علاقے میں دیا جہاں پہنچ کر آپؑ نے بیت عتیق کی تعمیرِ نو فرمائی' جس کا قصّہ آپ سب جانتے ہیں۔ تینوں مذاہب کے پیروکاروں کی باہمی مخاصمت و محاربت کا آغاز ابراہیم علیہ السلام کی شام کے خطہ میں ہجرت سے ہی ہو گیا تھا۔ یہودی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں ابراہیم علیہ السلام سے یہ عہد باندھا تھا۔ مَیں آپ کے سامنے تورات کی اصل عبارت پڑھتا ہوں جن سے یہودی اس وعدے کی بابت استشہاد لیتے ہیں۔ جہاں تک سچے وعدے کا تعلق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء سے کر رکھا ہے تو اسے آپ سب جانتے ہیں۔ ابھی نماز کے دوران امام صاحب نے اس وعدے سے متعلقہ چند آیات بھی تلاوت کیں جن کی تفسیر تقریر کے آخر میں آئے گی۔ پہلے ہم یہودیوں کے اس وعدے کی تاریخی سند بیان کرتے ہیں جسے وہ ابراہیم علیہ السلام سے منسوب کرتے ہیں' پھر ہم اس کے متعلق مغرب کا موقف جاننے کی کوشش کریں گے اور یہ جاننے کی بھی کوشش کریں گے کہ اہلِ مغرب یہ موقف کیوں رکھتے ہیں۔

تورات کی "کتاب پیدائش" کے آغاز میں ایک عجیب و غریب واقعہ آتا ہے جس میں نوح علیہ السلام سے ایک عہد باندھنے کا قصّہ ذکر کیا گیا ہے۔ ہم اس عہد کی تاریخ [illegible]

زمانہ سے بیان کرتے ہیں' کیونکہ یہ اگلے واقعہ کو سمجھنے کے لئے کلید ہے جس میں یہی عہد ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بیان ہوگا۔ تحریف شدہ تورات کی عبارت ملاحظہ ہو :

"اور نوح کاشت کاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا۔ اور اس نے اس کی مے پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہو گیا۔ اور کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ کو برہنہ دیکھا اور اپنے دونوں بھائیوں کو باہر آکر خبر دی۔ تب سام اور یافث نے ایک کپڑا لیا اور اسے اپنے کندھوں پر دھرا اور پیچھے کو الٹے چل کر گئے اور اپنے باپ کی برہنگی ڈھانکی' سو ان کے مُنہ اُلٹی طرف تھے اور انہوں نے اپنے باپ کی برہنگی نہ دیکھی۔ جب نوح اپنی مے کے نشہ سے ہوش میں آیا تو جو اس کے چھوٹے بیٹے نے اس کے ساتھ کیا تھا اسے معلوم ہوا۔ اور اس نے کہا کنعان ملعون ہو' وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا۔ پھر کہا خداوند سام کا خدا مبارک ہو۔"(۱)

آیاتِ مذکورہ میں سام کے لئے تو برکت کی دعا ہے جبکہ کنعانیوں کو ملعون ٹھہرایا گیا ہے اور سامیوں کے لئے کنعانیوں کی غلامی کا ذکر بطورِ تاکید تین مرتبہ کیا گیا ہے۔

تورات کی اصطلاح میں کنعان سے مراد عربوں کا جدِّامجد ہے۔ عربوں میں کنعانی نسل کا ہونا گو تاریخی طور پر ثابت ہے' مگر کنعان کا ذکر بطورِ خاص کیا گیا ہے اور اسے ملعون ٹھہرایا گیا ہے' حالانکہ نوح علیہ السلام کی اس مذکورہ دعا کے وقت کنعان سرے سے پیدا ہی نہ ہوا تھا۔ تورات میں انبیاء کی بابت یہ توہین آمیز آیات کتاب کے ابتدائی ابواب میں درج ہیں جس سے اہلِ ایمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر امریکہ میں دینی مدارس کی ابتدائی کلاسوں میں پڑھنے والے لڑکوں کو صِغر سنی میں ہی اس قسم کے واقعات پڑھائے جاتے ہیں۔ امریکہ میں دینی مدارس کی تعداد بیس ہزار سے تجاوز کرتی ہے اور لاکھوں بچے ان میں زیرِ تعلیم ہیں جو ان واقعات سے اپنی پڑھائی کا آغاز کرتے ہیں۔

کتاب پیدائش کے مختلف ابواب میں کنعانی علاقے بھی بتلائے گئے ہیں۔ خود کنعانیوں کے اوصاف بھی بیان کئے گئے ہیں۔ محرف شدہ تورات کے دسویں باب کی آیات میں انہیں دو چیزوں کا ذکر ہے :

"اور کنعانیوں کی حد یہ ہے' صیدا سے غزہ تک' جو جرار کے راستے پر ہے' پھر

وہاں سے لسع تک جو صدوم اور عمورہ اور ادمہ اور ضبیان کی راہ پر ہے۔"(۲)

انہی آیات کی وجہ سے اسرائیل جولان کی پہاڑیوں سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ بارہویں باب میں آتا ہے :

"اور خداوند نے ابراہیم سے کہا کہ تو اپنے وطن اور اپنے ناتے داروں کے بیچ سے اور اپنے باپ کے گھر سے نکل کر اس ملک میں جا جو میں تجھے دکھاؤں گا۔ اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور برکت دوں گا اور تیرا نام سرفراز کروں گا' سو تو باعث برکت ہوا۔ جو تجھے مبارک کہیں ان کو مَیں برکت دوں گا اور جو تجھ پر لعنت کرے اس پر میں لعنت کروں گا اور زمین کے سب قبیلے تیرے وسیلہ سے برکت پائیں گے۔"(۳)

"اور ابراہیم اس ملک میں سے گزرتا ہوا مقامِ سکم میں مورہ کے بلوط تک پہنچا۔ اُس وقت ملک میں کنعانی رہتے تھے۔ تب خداوند نے ابراہیم کو دکھائی دے کر کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دوں گا۔"(۴)

تیرہویں باب میں آتا ہے :

"خداوند نے ابراہیم سے کہا کہ اپنی آنکھ اٹھا اور جس جگہ تو ہے وہاں سے شمال اور جنوب' مشرق اور مغرب کی طرف نظر دوڑا۔ کیونکہ یہ تمام ملک جو تُو دیکھ رہا ہے میں تجھ کو اور تیری نسل کو ہمیشہ کے لئے دوں گا۔ اور میں تیری نسل کو خاک کے ذروں کی مانند بناؤں گا۔"(۵)

سترہویں باب میں آتا ہے :

"اور مَیں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ان کی سب پشتوں کے لئے اپنا عہد جو ابدی عہد ہو گا باندھوں گا تاکہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا رہوں۔ اور مَیں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تُو پردیسی ہے ایسا دوں گا کہ وہ دائمی ملکیت ہو جائے۔"(۶)

یہ جان کر آپ حیران ہوں گے کہ اس سارے علاقے کے وارث بننے والوں کی نشانی کتاب پیدائش میں ختنہ بتلائی گئ ہے۔ ختنہ کی علامت ہمیں صحیح بخاری میں مذکور ایک واقعہ تک لے جاتی ہے جو روم کے بادشاہ ہرقل سے متعلق ہے۔ جب ہرقل نے کہا

کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ چھا گیا۔ آپ سب جانتے ہیں کہ عیسائی تو ختنہ نہیں کراتے۔ اسی لئے درباریوں نے ہرقل سے کہا کہ ختنہ یہودیوں کے علاوہ کوئی نہیں کرتا' ہم آپ کے ایک اشارے پر یہودیوں کو آپ کی سلطنت سے ختم کردیتے ہیں۔ اسی لئے جب ابوسفیانؓ اور چند عربوں کو ہرقل کے دربار میں لایا گیا تو وہ جان گیا اور کہا : "ہاں' وہ ان کا بادشاہ ہوگا" اور ابوسفیانؓ سے عجیب عجیب سوالات کر چکنے کے بعد ہرقل نے برملا کہا کہ مذکورہ بالا عہد محمد (ﷺ) کے لئے باندھا گیا ہے' لیکن یہودیوں نے ان پیشین گوئیوں میں تحریفات کرڈالی ہیں اور حق کو چھپالیا ہے۔ اس کی بابت مزید تفصیل شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تالیف "الجواب الصحیح" میں مل سکتی ہے۔

ارضِ موعود کا حدود اربعہ بھی تورات میں مذکورہ ہے۔ کتاب پیدائش کے پندرہویں باب میں ازلی ملکیت والی اراضی کا حدود اربعہ باقاعدہ متعین کرکے بتلایا گیا ہے۔ تورات میں لکھا ہے :

"اُسی روز خداوند نے ابراہیم سے عہد کیا اور فرمایا کہ یہ ملک دریائے مصر سے لے کر اس بڑے دریا یعنی دریائے فرات تک . . . . . میں نے تیری اولاد کو دیا ہے۔"(۷)

دوسرے مقام پر لکھا ہے :

"قومیں تیری خدمت کریں اور قبیلے تیرے سامنے جھکیں! تُو (یعقوب علیہ السلام) اپنے بھائیوں کا سردار ہو اور تیری ماں کے بیٹے تیرے آگے جھکیں! جو تجھ پر لعنت کرے وہ خود لعنتی ہو اور جو تجھے دعا دے وہ برکت پائے!"(۸)

تورات میں ایک اور جگہ لکھا ہے :

"اور یعقوب بئر سبع سے نکل کر حاران کی طرف چلا۔ اور ایک جگہ پہنچ کر ساری رات وہیں رہا........ اور اسی جگہ سونے کو لیٹ گیا (اور خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ اللہ تعالیٰ یعقوب سے مخاطب ہوا اور کہا : ) "میں خداوند تیرے باپ ابراہیم کا خدا اور اسحاق کا خدا ہوں۔ میں یہ زمین جس پر تو لیٹا ہے تجھے اور تیری نسل کو دوں گا۔ اور تیری نسل زمین کے گرد کے ذروں کی مانند ہوگی اور تُو مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب میں پھیل جائے گا اور زمین کے سب قبیلے تیرے

# جہاد اور مسلمان عورتیں

تحریر : مولوی انیس احمد مرحوم

صاحب مضمون مولوی انیس احمدؒ کا شمار شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے ان نوجوان اور سرگرم ساتھیوں میں ہوتا ہے جو جدید و قدیم کے جامع تھے۔ ۱۹۱۲ء میں ایم اے او کالج علی گڑھ سے بی اے کرنے کے بعد دہلی میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے قائم کردہ ادارے "ادارۂ نظارۃ المعارف" میں داخلہ لیا جو خاص طور پر گریجویٹ طلبہ کو قرآن کی تعلیم دینے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ یہاں سے تعلیم کی تکمیل کے بعد مولانا سندھیؒ نے انہیں اپنی خصوصی سند کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ کے پاس دیوبند بھیج دیا جہاں ایک سال سے بھی کم عرصے میں حضرت شیخ الہندؒ نے انہیں سند تبلیغ قرآن اور علوم دین عطا فرمائی۔ شیخ الہندؒ کی تحریک جہاد' جسے انگریز ریشمی رومال کی سازش یا بغاوت کہتے ہیں' شروع ہوئی تو مولوی انیس احمد حضرت کے اولین ساتھیوں میں سے تھے۔ اس تحریک کے تحت حیدر آباد دکن کی تنظیم انہی کے سپرد ہوئی۔ اس تحریک میں شرکت کی پاداش میں انگریزی حکومت نے مولوی انیس احمد کو حیدر آباد میں گرفتار کر کے دیگر قیدیوں کے ہمراہ آہنی پنجرے میں رنگون بھیج دیا۔ جنگ عظیم اول کے خاتمہ تک وہ حالت اسارت ہی میں رہے۔ ان کی بعد کی زندگی بھی درویشانہ اور مجاہدانہ شان سے گزری اور ستمبر ۵۴ء میں کراچی میں وفات ہوئی۔

مولوی انیس احمدؒ کے تعارف کی ایک خاص جہت یہ ہے کہ یہ امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی والدہ کے حقیقی پھوپھی زاد بھائی تھے' گویا رشتے میں ماموں لگتے تھے۔ موصوف کا قدرے مفصل تعارف قبل ازیں جولائی ۹۶ء کے "میثاق" میں شائع کیا جا چکا ہے۔

جہاد میں مسلمان خواتین کی شرکت کا معاملہ اس اعتبار سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ آزادی نسواں کی علمبردار خواتین اس کا خاص طور پر حوالہ دیتی

اور مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کے جواز کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ دوسری جانب ایک انتہاپسندانہ نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ عورتوں کا باہر نکلنا خواہ وہ خدمت دین کی خاطر اور جہاد فی سبیل اللہ کیلئے ہی کیوں نہ ہو' معیوب اور ناپسندیدہ ہے۔ زیر نظر مضمون میں تاریخی حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ قرنِ اول میں عورتوں کی جہاد میں شرکت ایک معمول کی بات تھی۔ ہم یہ مضمون ایک بحث کے آغاز کے طور پر بلا تبصرہ شائع کر رہے ہیں' اس موضوع پر موصول ہونے والی سنجیدہ علمی مقالات کو "میثاق" میں جگہ دینا ہمارے لئے باعث افتخار ہوگا۔ (ادارہ)

---

قرآن مجید کی دوسری سورۃ (البقرۃ آیت ۲۶) میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ﴿ کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ﴾ (تم پر جہاد اور جنگ فرض کیا گیا) اس حکم کے تحت مسلمان عورتیں بھی جنگ میں حصہ لیتی تھیں اور میدانِ جنگ میں مختلف کام کرتی تھیں۔ بخاری کی حدیث شریف ہے :

عن الرُّبیع بنت مُعوِّذ رضی اللّٰہ عنہا قالت : لَقَدْ کُنَّا نَغْزُو مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لِنَسْقِیَ الْقَوْمَ وَنَخدِمَھُم' وَنَرُدَّ الْقَتلٰی والجَرحٰی الی المدینۃ [1]

"ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوتیں' تاکہ مجاہدین کو پانی پلائیں اور ان کی خدمت کریں' اور ہم زخمیوں اور مقتولین کو مدینہ واپس لاتی تھیں"۔

بخاری میں ہے کہ غزوۂ احد میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھ سے مشک بھر بھر کر پانی پلاتی تھیں۔ ان کے ساتھ دو اور صحابیہ اُم سُلیم اور اُم سلیط رضی اللہ عنہما بھی اس خدمت میں شریک تھیں۔

مسلم میں حدیث شریف ہے :

عن أم عطِیَّۃ رضی اللّٰہ عنہا قالت : غَزوتُ مع رسولِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سبعَ غَزواتٍ ' اَخْلُفُھُم فِی رحالھم ' فَاَصْنَعُ لَھُمُ الطَّعَامَ ' وَأُدَاوِی الْجَرْحٰی ' وَاَقُوم عَلَی المَرضٰی [2]

"اُم عطیہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات جنگوں میں جہاد کیا۔ میں ان کے پیچھے ڈیرے میں رہتی' ان کے لئے کھانا تیار کرتی' زخمیوں کی دوا اور بیماروں کی تیمارداری کرتی تھی"۔

مسلم شریف میں ایک اور حدیث شریف ہے :

عن انس بن مالک رضی اللّٰہ عنہ قالَ : کانَ رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یَغْزُو بِاُمِّ سُلَیم وَنِسوۃٌ مِنَ الْاَنْصار مَعَہٗ' فَیَسْقِینَ الْمَاءَ' وَیُدَاوِینَ الْجَرْحٰی (۳)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اُم سلیم رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر جہاد کرتے تھے اور انصار کی عورتیں ان کے ساتھ ہوتی تھیں۔ جب رسول کریم ﷺ جنگ کرتے تھے وہ پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کی دوا کرتی تھیں۔"

مسلم اور ابو داؤد میں حدیث شریف ہے کہ اُم سُلیم رضی اللہ عنہا کے پاس حنین کی لڑائی کے دن ایک خنجر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا : اے اُم سُلیم! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا مَیں نے یہ خنجر اس واسطے رکھا ہے کہ مشرکین دشمن میں سے کوئی میرے نزدیک آجائے تو اس کا پیٹ پھاڑ دوں۔ رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے۔ اس حدیث شریف کے الفاظ عربی میں یہ ہیں :

عن انس بن مالک رضی اللّٰہ عنہ اَنَّ اُمَّ سُلَیمٍ اتَّخَذَتْ یَوْمَ حُنَینٍ خِنجَرًا فکَانَ مَعَھَا . . . فَقَالَ لَھَا رَسُولُ اللّٰہ ﷺ . مَا ھٰذِہِ الخِنجر؟ قَالت : اتَّخَذْتُہٗ اِنْ دَنَا مِنِّی اَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِکِینَ بَقَرْتُ بِہٖ بَطْنَہٗ ۔ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یَضْحَکُ (۴)

سکھوں نے تو حضرت اُم سُلیم رضی اللہ عنہا کی مثال سے یہ انتظام کیا کہ ان کی تمام عورتیں اپنے پاس کرپان یا خنجر رکھتی ہیں' لیکن مسلمانوں نے عمل نہ کیا اور اپنی عورتوں کو اسلحہ سے محروم کر دیا۔ اگر مسلمان عورتوں کو اسلحہ کے استعمال کے طریقے سکھائے جاتے اور ان کے پاس کم از کم خنجر ہی رہتے تو مسلمان عورت کا وہ حشر نہ ہوتا جو بہار' گڑھ مکتیشر' دہلی اور مشرقی پنجاب میں خصوصاً اور دوسرے بہت سے مقامات میں ہوا ہے۔

کہیں کہیں جہاں مسلمان عورتیں تلوار یا خنجر چلانا جانتی تھیں انہوں نے اس زمانہ میں جہاد کیا۔ چنانچہ فسادات بہار میں جب ایک مسلمان خاتون کو کافر دشمنوں نے گھیر لیا تو اس بہادر خاتون کے ہاتھ میں تلوار تھی' جس سے اس نے بیس دشمنوں کو قتل کیا اور اس کے بعد وہ شہید ہوئیں۔ تلوار کے قبضہ پر ان کی گرفت اس قدر سخت تھی کہ شہادت کے بعد جب ان کو دفن کیا جانے لگا تو باوجود سخت کوشش کے تلوار کا قبضہ ان کے ہاتھ سے نہ چھڑایا جاسکا اور وہ مع تلوار کے دفن کی گئیں۔ مسلمان عورتیں شجاعت اور بہادری میں کسی سے کم نہیں ہیں' لیکن ہم نے ان کے قوائے عملی کو بے حس اور مُردہ کر دیا ہے اور اس طرح قوم کی آدھی تعداد کو بیکار کر دیا ہے۔

رسول کریم ﷺ کے زمانے کے مندرجہ بالا واقعات سے صاف اور واضح طور پر ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں عورتیں بھی میدانِ جنگ میں جاتی تھیں اور جہاد کرتی تھیں' زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور شہیدوں کو میدانِ جنگ میں سے اٹھا کر دُور مقامات پر لے جاتی تھیں۔ ہم اس قسم کی اور مثالیں بھی دیں گے۔ اور ان کے علاوہ اس زمانہ میں مسلمان عورتیں فوج کے کھانے کا انتظام بھی کرتی تھیں۔ ضرورت کے وقت اسلامی فوج کو ہمت دلاتی تھیں اور ان کی امداد کرتی تھیں۔

مسلمانوں کو غور کرنا چاہئے کہ کیا انہوں نے اپنی عورتوں کی ایسی حالت بنا رکھی ہے اور ان کو ایسی تربیت دے رکھی ہے کہ وہ مندرجہ بالا کام کر سکیں؟ مسلمانوں کا ملک پاکستان اس وقت اس قسم کے خطرات سے گھرا ہوا ہے جیسے رسول کریم ﷺ کے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کی مسلم حکومت کو مشرک دشمنوں سے خطرہ تھا۔ ہندوستان کے مشرک دشمن پاکستان کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اور پاکستان کے ایک جزو کشمیر پر انہوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں تو اُمہات المؤمنین و ازواجِ مطہرات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بذاتِ خود جہاد کے لئے جنگوں میں شریک ہوتی تھیں اور ان کے علاوہ بہت سی مسلمان عورتیں جنگ میں شریک رہا کرتی تھیں۔ لیکن کیا عبرت کا مقام ہے کہ لاکھوں مسلمان عورتوں' مَردوں اور بچوں کے قتل عام اور عورتوں کی عصمت دری اور اغوا نے بھی مسلمانوں کی آنکھوں کو اب تک نہیں کھولا اور وہ مسلمان عورتوں کو جنگی

تعلیم اور نرسنگ کے کام اور اسلحہ کے استعمال کے طریقے سکھانے پر ابھی تک تیار نہیں ہوئے۔ کہیں کہیں اگر چند عورتیں یہ کام سیکھ رہی ہیں تو ان کی تعداد اس قدر کم ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

اگر مسلمان اپنی عورتوں کو ایسی جنگی تعلیم اور نرسنگ کے کام کی تربیت دینے کے لئے کچھ خصوصی انتظامات چاہتے ہیں تو وہ حکومت سے طے کر سکتے ہیں۔ لیکن سو برس کی غلامی نے اور کئی سو برس کی غلط اور مسموم تعلیم نے مُسلمانوں کو ایسا بے حس اور مُردہ کر رکھا ہے کہ قیامت خیز اور حشر انگیز واقعات نے بھی انہیں متحرک نہیں کیا۔ اور ہماری مثال ایسی ہے کہ جیسے جب جنگل میں مویشی چرتے ہیں اور شیر کی گرج سنتے ہیں تو تھوڑی دیر تو منہ اوپر کو اٹھا کر چاروں طرف دیکھتے ہیں اور پھر جب شیر نظر نہیں آتا تو منہ نیچے ڈال کر پھر گھاس چرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں اور شیر کے قرب کا احساس ان کو اپنی حفاظت کے انتظامات کرنے کے لئے تیار نہیں کرتا۔ پھر جب گرج سنتے ہیں تو اسی طرح کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب شیر سامنے آکر حملہ کر دیتا ہے تو اس کا لقمہ بن جاتے ہیں اور ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

پاکستان کے مسلمانوں کو جہاد کے لئے اس طرح تیار رہنا چاہئے کہ جس وقت دشمن حملہ کرے تو ایک منٹ بھی دیر نہ لگے اور سب مرد، عورتیں اور بچے جہاد کے لئے تیار ہوں اور جنگ کے اور دفاع کے سب سامان تیار ہوں۔

اللہ تعالیٰ پارہ واعلموا (نمبر۱۰) میں سورۂ توبہ کے چھٹے رکوع میں ارشاد فرماتا ہے :

﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالاً وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ ﴾ (التوبة : ۴۱)

"نکل کھڑے ہو ہلکے اور بوجھل، اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ اگر تم جانتے ہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔"

قرآن مجید کی اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی ہوں جس وقت جہاد کا اعلان سنیں فوراً میدانِ جنگ میں حاضر

ہونے کے لئے تیار ہو جائیں اور حکم پاتے ہی نکل کھڑے ہوں اور اپنی ہر چیز' جان اور مال' اللہ کی راہ میں جہاد میں قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔

امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں "اِنْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالاً" میں ثِقَالاً یعنی بوجھل یا بھاری ہونے کا مطلب یہ لکھا ہے کہ ہتھیار سے بوجھل ہوں۔ اس آیت شریف میں یہ حکم ہے کہ نکل کھڑے ہوں ہلکے اور بوجھل 'یعنی خواہ ہتھیار ہوں یا نہ ہوں فوراً جنگ کے لئے تیار ہو کر میدانِ جنگ میں جانے کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ جب پہلے سے ہتھیار نہ ہوں گے اور ان کو فراہم نہ کیا گیا ہو گا اور ان کا استعمال نہ سکھایا گیا ہو گا تو عین وقت پر ہتھیار کہاں سے ملیں گے' جبکہ جہاد کی جنگ کی شرکت ہر حال میں لازمی اور ضروری ہے تو پہلے سے ہر قسم کی تیاری کرنی چاہئے' ورنہ اپنا ہی نقصان ہو گا۔ اگر مسلمان مرد اور عورتیں اللہ تعالیٰ کے احکامِ قرآنِ مجید کے مطابق ہر طرح کی تیاری کریں اور تیار ہو جائیں تو پھر کسی دشمن کا حوصلہ نہ ہو گا کہ ہمارے ملک پاکستان کی طرف نظربد سے بھی دیکھ سکیں۔ اور جو کوئی دشمن اپنی حماقت سے حملہ بھی کرے گا تو وہ کامل طور پر تباہ و برباد کر دیا جائے گا اور پاکستان اس کے ملک کو فتح کر کے اپنے قبضے میں لے لے گا۔

اب ہم جہاد میں مسلمان عورتوں کی شرکت کے اور حالات بھی بیان کرتے ہیں۔ محدث ابو نعیم نے روایت کی ہے کہ جنگ خیبر میں فوج کے ساتھ چھ عورتیں بھی مدینہ منورہ سے روانہ ہوئیں تھیں۔ رسول کریم ﷺ کے دریافت فرمانے پر ان عورتوں نے عرض کیا : یارسول اللہ! ہمارے ساتھ دوائیں ہیں 'ہم زخمیوں کو مرہم لگائیں گی 'ان کے بدن سے تیر نکالیں گی 'کھانے کا انتظام کریں گی۔ جب خیبر فتح ہوا تو مجاہدین کے ساتھ ان عورتوں کو بھی رسولِ کریم ﷺ نے مالِ غنیمت سے حصہ دیا۔ (۵)

اُم رقیہ صحابیہ کا ایک خیمہ تھا جس میں وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں (ابو داؤد)۔ اُم زیاد اور دوسری پانچ عورتیں میدانِ جنگ سے تیر اٹھا کر لاتی تھیں اور سپاہیوں کو ستو پلاتی تھیں (صحیح مسلم)۔ حضرت اُم عطیہ نے سات غزوات میں مجاہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے کھانا پکایا تھا (طبری)۔ ابنِ جریر طبری ایک موقعہ پر لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے شہیدوں کو ایک جگہ جمع کر کے صف سے پیچھے کر دیا اور زخمیوں کو عورتوں کے سپرد کر کے

شہیدوں کو دفن کر دیا۔ اغواث اور ارماث کی لڑائیوں میں' جو فتح قادسیہ کے سلسلے میں لڑی گئی تھیں' عورتیں اور بچے قبریں کھودتے تھے۔[۶] (طبری)

قادسیہ کی لڑائی کا واقعہ ایک مسلمان عورت' جو موقع جنگ پر موجود تھی' اس طرح بیان کرتی ہے کہ جب لڑائی ختم ہو گئی تو ہم اپنے کپڑے کس کس کر میدانِ جنگ کی طرف چلے' ہمارے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں اور میدانِ جنگ میں جہاں کوئی مسلمان زخمی نظر آتا تھا ہم اس کو اٹھا کر لاتے تھے۔ (طبری)

اسلام کے بہترین زمانے یعنی قرنِ اوّل میں تمام جنگوں میں عموماً صف جنگ کے پیچھے عورتیں اپنا فرض ادا کرنے میں مشغول رہتی تھیں۔

غزوۂ خندق میں رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقابلہ مشرکین عرب کے ساتھ ساتھ یہودیون کے ایک قبیلے بنو قریظہ سے بھی تھا۔ دورانِ جنگ ایک یہودی اس مقام کے قریب پہنچ گیا جہاں مسلمان عورتیں اور بچے موجود تھے۔ قریب میں کوئی مسلمان فوج نہیں تھی جو مسلمان عورتوں اور بچوں کی حفاظت کر سکتی۔ خوف یہ تھا کہ اگر یہ یہودی بنو قریظہ کو خبر دے دے کہ اس طرف عورتیں اور بچے ہیں تو میدان خالی پا کر وہ عورتوں اور بچوں پر حملہ کر دیں گے۔ اس وقت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جو رسول کریم ﷺ کی پھوپھی تھیں اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں' خیمے کے ایک ستون سے اس یہودی کو وہیں مار کر گرا دیا۔ (اسد الغابہ)

جب رسول کریم ﷺ نے بیعت رضوان کے موقعہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کفارِ قریش سے لڑنے اور مرنے کے لئے بیعت لی تھی تو اُم عمارہ رضی اللہ عنہا اس بیعت میں بھی شریک تھیں . . . اور تلوار ہاتھ میں لے کر مشرک حملہ آوروں کو مار مار کر پیچھے ہٹا رہی تھیں [۷]۔ اس دن کئی زخم ان کے دست و بازو پر آئے تھے۔ اسی طرح دوسرے جہاد کے موقعوں پر بھی ان سے بے مثال بہادری کے کارنامے ظہور میں آئے تھے۔ (اسد الغابہ)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ مقامِ یمامہ میں خونریز لڑائی کے بعد وہ مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس جنگ میں اُم عمارۃ رضی اللہ عنہا کو بارہ زخم لگے تھے۔ (فتوحات اسلامیہ بلدان)

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جنگ قادسیہ کے موقع پر جس میں کئی ہزار مسلمان زخمی اور شہید ہوئے تھے' عورتوں نے زخمیوں کو میدانِ جنگ سے اٹھالانے کا کام کیا تھا اور ان کی تیمارداری کی اور عورتوں اور بچوں نے شہیدوں کی قبریں کھودیں۔ اسی جنگ قادسیہ میں جو چودہ ہجری میں مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان ہوئی تھی' عرب کی مشہور شاعرہ خنساء رضی اللہ عنہا بھی شریک تھیں' جن کے ساتھ ان کے چاروں بیٹے بھی شریک جنگ تھے۔ رات کو خنساء رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹوں کو اس طرح جوش جہاد دلایا :

"اے بیٹو! تم جانتے ہو کہ کس قدر ثواب عظیم خدا نے مسلمانوں کے لئے کافروں سے لڑنے میں رکھا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ آخرت جو ہمیشہ رہنے والی ہے' اس فانی دنیا سے بہتر ہے۔ کل جب تم صبح کرو تو تجربہ کاری کے ساتھ اور خدا سے فتح کی دعا مانگتے ہوئے دشمنوں پر جھپٹ پڑنا۔ اور جب دیکھو کہ لڑائی زوروں پر ہے اور ہر طرف اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں تو تم خاص جنگ کے مرکز کی طرف رُخ کرنا اور دشمن کے سپہ سالار پر ٹوٹ پڑنا"۔ (اسد الغابہ ابنِ اثیر جزری جلد نمبر ۷)

صبح کو جنگ شروع ہوتے ہی خنساء رضی اللہ عنہا کے چاروں بیٹے یکبارگی دشمنوں پر جھپٹ پڑے اور آخر کار بڑی بہادری سے جہاد کرتے ہوئے چاروں شہید ہو گئے۔ خنساء رضی اللہ عنہا کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا : "اس خدا کا شکر ہے جس نے بیٹوں کی شہادت کا شرف بخشا"۔ جنگ قادسیہ سے پہلے جنگ میں مسلمانوں کو ایرانیوں کا بہت سا سامان ہاتھ آ گیا تھا۔ مسلمان عورتیں میدانِ جنگ سے کسی قدر فاصلے پر تھیں۔ اور چونکہ مجاہدین کے کھانے کا انتظام عورتوں کے سپرد تھا اسلئے اسلامی فوج کے سپہ سالار مثنیٰ نے وہ سارا سامانِ رسد فوج کے ایک رسالے کی حفاظت میں عورتوں کے پاس بھیج دیا۔ جس وقت فوج کا رسالہ مع سامانِ رسد عورتوں کی قیام گاہ کے قریب پہنچا تو انہوں نے سمجھا کہ دشمن حملہ کرنے آئے ہیں۔ عورتوں نے بچوں کو کھڑا کیا اور خود خیموں کی چوبیں اور پتھر لے کر حملے کیلئے تیار ہو گئیں۔ اس رسالے کے افسر نے عورتوں کو اسلامی فوج کی خوشخبری سنائی اور رسد اُن کے سپرد کی۔ (تاریخ طبری)

دریائے دجلہ کے قریب اہل ایران اور مسلمانوں میں جنگ ہوئی۔ اسلامی فوج کے

سپہ سالار مغیرہ عورتوں کو میدانِ جنگ سے فاصلہ پر چھوڑ آئے تھے۔ جب دونوں فوجوں میں سخت جنگ شروع ہو گئی تو اروہ بنت حارث نے عورتوں سے کہا: اگر ہم اس وقت اپنے مجاہدین کی مدد کریں تو بہتر ہو۔ اور یہ کہہ کر انہوں نے اپنے دوپٹے کا ایک علم بنایا اور دوسری عورتوں نے بھی اپنے اپنے دوپٹوں کی جھنڈیاں بنائیں۔ دونوں طرف کے سپاہی بہت بہادری سے حملے کر رہے تھے کہ اس سامان کے ساتھ عورتیں پرچم اڑاتی ہوئی فوج کے قریب پہنچ گئیں۔ دشمن فوج نے یہ سمجھا کہ مسلمانوں کی مدد کو تازہ دم فوج کی کمک اور پہنچ گئی۔ اس سے ان کی ہمت ٹوٹ گئی اور بازو ست پڑ گئے اور وہ شکست کھا کر بھاگ گئے۔ (تاریخ طبری جلد ۲)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب مسلمانوں نے دمشق پر لشکر کشی کی تو چند لڑائیوں کے بعد اہل دمشق قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ نوے ہزار رومی بڑے ساز و سامان کے ساتھ اجنادین میں جمع ہو رہے ہیں۔ اس لئے اسلامی فوج کے افسر اپنی فوجیں لے کر اجنادین کی طرف بڑھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فوج کے آگے جا رہے تھے اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھوڑی فوج کے ساتھ عورتوں اور بچوں کو لئے ہوئے مع خیمے اور سامانِ رسد کے پیچھے چل رہے تھے۔ اہل دمشق نے مناسب موقع سمجھ کر قلعہ کا دروازہ کھول کر پیچھے سے ان پر حملہ کر دیا۔ قیصر روم نے بھی دمشق کی امداد کے لئے کچھ فوجیں بھیجی تھیں، وہ بھی آ پہنچیں اور انہوں نے مسلمانوں کی فوج کا ایک حصہ روک لیا۔ مسلمانوں کی زیادہ توجہ آگے کی فوج کی طرف تھی۔ اہل دمشق نے مسلمان عورتوں کو اپنی حراست میں لے کر قلعہ دمشق کی طرف رُخ کیا۔ مسلمان عورتوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ خولہ بنت ازور نے کہا "بہنو! کیا تم گوارا کر سکتی ہو کہ مشرکین دمشق کے قبضے میں آ جاؤ؟ میرے نزدیک تو مر جانا اس ذلت سے بہتر ہے"۔ ان کے ان فقروں سے عورتوں میں انتہائی جوش و خروش پھیل گیا اور وہ خیموں کی چوبیں لے کر باقاعدہ صفیں باندھ کر آگے بڑھیں۔ سب سے آگے خولہ بنت ازور ضرار کی بہن تھیں۔ ان کے پیچھے عفیرہ عفار، اُم ابان بنت عتبہ، سلمہ بنت نعمان بن مقرن وغیرہ تھیں۔ دمشقیوں نے جب یہ حال دیکھا تو ان کو سخت حیرت ہوئی اور بہت جلد

مسلمان عورتوں نے ان کی تین لاشیں گرادیں۔ دمشقیوں نے بھی حملہ کیا۔ اس عرصہ میں مسلمان فوجیں عورتوں کی مدد کے لئے پہنچ گئیں۔ دمشقی فوج شکست کھا کر بھاگ گئی اور پھر دمشق میں قلعہ بند ہوگئی اور اسلامی فوج اجنادین کی طرف روانہ ہوگئی۔

ایڈورڈ گبن نے اپنی تاریخ میں اس واقعے کو نقل کرکے مسلمان عورتوں کی عفت' دلیری اور بہادری کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو شمشیرزنی' نیزہ بازی' تیراندازی میں نہایت ماہر تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ خطرے کے نازک ترین موقعوں پر یہ اپنے دامن عفت اور عصمت کے محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتی تھیں۔

جنگ یرموک میں مسلمان چالیس ہزار تھے اور روم کی جمعیت دو لاکھ سے زیادہ تھی۔ رومیوں کے جوش کا یہ حال تھا کہ تیس ہزار رومیوں نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں کہ پیچھے ہٹنا چاہیں بھی تو نہ ہٹ سکیں۔ دو لاکھ رومیوں کا یہ لشکر مسلمانوں پر اس جوش و خروش سے حملہ آور ہوا کہ اسلامی فوج کا داہنا بازو ہٹتے ہٹتے عورتوں کے خیمہ گاہ تک پہنچ گیا۔ اسلامی فوج کے بائیں حصّے کی طرف زیادہ تر ایسے قبیلوں کے لوگ تھے جو مدت تک رومی عیسائیوں کی ماتحتی میں رہے تھے اور اب مسلمان ہو گئے تھے۔ رومیوں نے جب اس طرف حملہ کیا تو یہ مرعوب ہو کر بے ترتیبی سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ رومی مسلمان عورتوں کے خیموں تک پہنچ گئے تو عورتوں کے جوشِ جہاد اور غصے کی کوئی حد نہ رہی۔ فوراً خیموں سے نکل کر اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کا سیلاب جو نہایت تیزی سے بڑھ رہا تھا یکایک رُک گیا۔ پھر عورتوں نے بھاگتے ہوئے سپاہیوں کو روکا اور آگے بڑھایا اور فوج کی پشت پر آکر مسلمانوں کو غیرت دلا کر ان میں جوش پیدا کر دیا۔ مسلمان عورتوں کی ان کوششوں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے۔ قریش کی عورتیں تلواریں سونت سونت کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑیں۔ حملہ کرتے ہوئے مَردوں سے آگے نکل گئیں۔ (تاریخ طبری)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا عورتوں کا ایک دستہ لے کر آگے بڑھیں اور نہایت دلیری سے لڑ کر زخمی ہوئیں۔ (تاریخ طبری) مؤرخ طبری نے اس جنگ میں اُم حکیم بنت حارث کا نام

ابنِ اثیر جزری نے لکھا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی پھوپھی زاد بہن اسماء نے تنہا نو رومیوں کو مار ڈالا۔ جو عورتیں مردانہ وار جنگ یرموک میں لڑیں ابنِ عمرواقدی ان میں سے بعض کے یہ نام بتاتے ہیں : اسماء بنت ابوبکر صدیق' عبادہ بن صامت کی بیوی' خولہ بنت ثعلبہ' کعب بنت مالک' سلمیٰ بنت ہاشم' نعم بنت قناس' عفیرہ بنت عفارہ۔ دمشق کے قریب مرج الصفر میں جب رومیوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو اُم حکیم بھی اس جنگ میں رومیوں سے لڑیں اور رومیوں کے سات سپاہی ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ (اسد الغابہ)

شام کی فتوحات میں عورتوں کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ خصوصاً اُم حکیم' اُم کثیر' اسماء' اُم ابان' اُم عمارہ' خولہ' لبنیٰ' عفیرہ۔ ان مسلمان خواتین نے بعض موقعوں پر اس بہادری سے جنگی خدمات انجام دی ہیں کہ مَردوں سے بھی وہ نہ ہو سکتی تھیں۔

دمشق کے حملے میں جب ابان بن سعید شہید ہوئے تو ان کی بیوی اُم ابان بنت عتبہ اپنے شہید شوہر کے سارے جنگی ہتھیار پہن کر قصاص لینے کو نکلیں اور دیر تک دشمنوں کا مقابلہ کرتی رہیں۔ ان کو تیراندازی میں بڑا کمال حاصل تھا۔ جب لڑائی بہت سخت ہوئی تو اُم ابان نے تیروں سے رومیوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ حاکم دمشق جو پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتا تھا' اُم ابان نے تاک کر اس کی آنکھ میں ایسا تیر مارا کہ چیختا ہوا بھاگ گیا۔ اور اُم ابان جہاد کے وقت رجز کے یہ شعر پڑھ رہی تھیں :

"اُم ابان! تو انتقام لئے جا اور رومیوں پر حملے کئے جا! رومی تیرے تیروں سے چیخ اُٹھے۔"

یرموک کی سب سے خوفناک لڑائی یوم الغدیر میں مسلمانوں کو شکست ہو چکی تھی اگر مسلمان عورتیں تلوار کھینچ کر رومیوں کے منہ نہ پھیر دیتیں۔ خولہ' اُم حکیم اور بہت سی قریشی عورتوں نے بہادری سے حملے کئے تھے۔ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا گھوڑے پر سوار اپنے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ تھیں اور برابر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ لڑتی تھیں۔ (فتوح الشام از بہادر خواتین اسلام)

رسول اللہ ﷺ و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ اسلام اور مسلمانوں کا بہترین زمانہ ہے۔

اس زمانہ میں مسلمان عورتیں جس طرح جہاد میں شریک ہوتی تھیں اور جنگی خدمات انجام دیتی تھیں وہ مندرجہ بالا واقعات سے ظاہر اور واضح ہے۔ اس زمانہ میں مسلمان عورتیں تمام مروجہ اسلحہ جاتِ جنگ کے استعمال سے واقف تھیں۔ گھوڑوں پر سوار ہو کر دشمنوں پر تلوار اور تیروں سے حملہ کرتی تھیں' زخمیوں کا علاج کرتی تھیں' زخمیوں' شہیدوں کو میدانِ جنگ سے اٹھا کر لے جاتی تھیں' فوج کے کھانے پینے کا انتظام کرتی تھیں' اسلامی فوج کے دل بڑھانے کے لئے جوش دلاتی تھیں' جن کے پیر جنگ سے اکھڑ جاتے تھے ان کو غیرت دلا دلا کر میدانِ جنگ میں واپس بھیجتی تھیں اور شہیدوں کو دفن کرنے کا کام کرتی تھیں۔ الغرض موجودہ زمانہ میں جس طرح امریکہ' روس اور انگلستان وغیرہ کی عورتیں جس قدر کام میدانِ جنگ میں کرتی ہیں اور ان خدمات کے لئے مکمل تیار رہتی ہیں اسی طرح جب تک مسلمان اپنی عورتوں کو اور اپنے آپ کو قرنِ اول کے مسلمان مردوں اور عورتوں کی طرح جنگ کے لئے ہر وقت تیار نہ رکھیں گے اس وقت تک ان کی آزادی اور ان کا ملک خطرے میں رہے گا۔ اور جب مسلمانوں کا ملک ہی ان کے قبضہ میں نہ ہو گا تو پھر وہ اسلام کی حفاظت کیسے کر سکتے ہیں؟؟

## حواشی

(۱) صحیح البخاری ۶۰/۶' کتاب الجهاد' باب مدواة النساء الجرحى في الغزو

(۲) صحیح مسلم (ح ۱۸۱۲) کتاب الجهاد' باب النساء الغازيات يرضخ لهن ولا يسهم...

(۳) صحیح مسلم (ح ۱۸۱۰) کتاب الجهاد' باب غزوة النساء مع الرجال۔ وسنن الترمذی (ح ۱۵۷۵) أبواب السير' باب ما جاء في خروج النساء في الحرب' وسنن ابی داؤد (ح ۲۵۳۱) کتاب الجهاد' باب في النساء يغزون۔

(۴) صحیح مسلم (ح ۱۵۷۴) کتاب الجهاد' باب غزوة النساء مع الرجال

(۵) غزوۂ خیبر میں چھ عورتوں کی شرکت کا مذکورہ بالا واقعہ مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں تفصیل سے مذکور ہے۔ حشرج بن زیاد اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ غزوۂ خیبر کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ نکلیں۔ پانچ عورتوں کے ساتھ چھٹی وہ تھیں۔ کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو ہمارے نکلنے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ہمیں بلوایا۔ ہم حاضر ہوئیں تو ہم

نے آپؐ کو غضبناک پایا۔ آپؐ نے پوچھا: تم کس کے ساتھ نکلیں اور کس کی اجازت سے نکلیں؟ ہم نے عرض کیا: ہم چلی آئی ہیں' اون کاتتی ہیں' کچھ اللہ کی راہ میں خدمت کریں گی' ہمارے ساتھ کچھ مرہم پٹی کا سامان بھی ہے' ہم تیر پکڑاویں گی' ستو گھول کر پلا دیں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چلو' واپس جاؤ۔ پھر جب اللہ نے خیبر فتح کرا دیا تو نبی اکرم ﷺ نے ہمیں مَردوں کی طرح حصہ دیا۔ میں نے پوچھا: دادی جان! کیا چیز ملی تھی؟ انہوں نے کہا کھجوریں!"

(۶) طبری کے مطابق جنگ قادسیہ میں عورتیں اتنی کثیر تعداد میں شریک تھیں کہ صرف ایک قبیلہ نخع کی غیر شادی شدہ عورتوں کی تعداد سات سو تھی' جن کی شادیاں جنگ کے دوران ہوئیں۔ (ادارہ)

(۷) بیعت رضوان کے موقع پر مشرکین سے مسلمانوں کی کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی۔ دراصل یہ واقعہ جنگ یمامہ کا ہے کہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا تلوار ہاتھ میں لے کر مشرک حملہ آوروں کو مار مار کر پیچھے ہٹا رہی تھیں۔ غالباً کاتب کی غلطی سے یہاں جنگ یمامہ کا ذکر چھوٹ گیا ہے۔ مزید برآں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اُم عمارہ رضی اللہ عنہا غزوۂ احد میں بھی شریک ہوئی تھیں۔ (ادارہ)

---

## بقیہ : مسلمانوں کا طرزِ حیات

---

(۲۷) اسی طرح جنگ خندق کے موقع پر ایک صاع جَو اور ایک میمنے کے گوشت سے ایک ہزار مجاہد سیر ہو گئے۔ دیکھئے صحیح البخاری' کتاب المغازی' باب غزوۃ الخندق۔

(۲۸) صحیح البخاری' کتاب المغازی' باب غزوۃ الحدیبیۃ۔

(۲۹) مذکورہ بالا معجزات میں سے اکثر صحیحین میں مذکور ہیں۔ اور جو صحیحین میں نہیں وہ بھی صحیح احادیث پر مشتمل کتب میں موجود ہیں۔ جیسے کہ حوالہ جات کی تفصیل سے واضح ہے۔

(۳۰) صحیح البخاری' کتاب فضائل القرآن' باب کیف نزول الوحی واول ما نزل' و کتاب الاعتصام' باب قول النبی ﷺ بعثتُ بجوامع الکلم۔ و صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمد ﷺ

اور تیری نسل کے وسیلہ سے برکت پائیں گے۔"(۹)

سبحان اللہ! دُنیا میں سب سے کم آبادی والی قوم یہودیوں کی قوم ہے' لیکن تورات میں پے در پے کئی مقامات پر یہودیوں کے دشمنوں پر لعنت کی وعید آئی ہے اور خود ان کی اپنی نسل میں برکت و کثرت کے کئی وعدے ذکر کئے گئے ہیں' مگر اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ سب سے کم آبادی بھی یہودیوں کی ہے اور دُنیا میں پائے جانے والے کل یہودیوں میں یعقوب علیہ السلام کی نسل تو اور بھی کم ہو جاتی ہے' کیونکہ یہودیوں کی ایک نسل خزر سے ہے' ایک نسل عرب سے ہے اور یورپی نسل الگ ہے۔ باقی بچ جانے والے یہودی کتنے رہ جائیں گے جن کا شمار ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں ہوتا ہو۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہودی اپنی ان پیشین گوئیوں میں بھی جھوٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنے سے بھی نہیں شرماتے ہیں۔ تورات میں ہی ایک اور مقام پر آتا ہے :

> "اور قادرِ مطلق خدا تجھے برکت بخشے اور تجھے آبرومند کرے اور بڑھائے کہ تجھ سے قوموں کے جتھے پیدا ہوں۔ اور وہ ابراہیم کی برکت تجھے اور تیرے ساتھ تیری نسل کو دے کہ تیری مسافرت کی یہ سرزمین جو خدا نے ابراہیم کو دی تیری میراث ہو جائے۔" (۱۰)

تورات میں یہ بات مختلف الفاظ کے ساتھ بہت سی جگہوں پر آئی ہے' مثلاً اسرائیل علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا :

> "اور یہ ملک جو مَیں نے ابراہیم اور اسحاق کو دیا ہے سو تجھ کو دوں گا اور تیرے بعد تیری نسل کو بھی یہی ملک دوں گا۔"(۱۱)

تورات محرفہ کی مذکورہ بالا آیات ہی اس سارے مسئلے کی بنیاد ہیں۔

(جاری ہے)

## حواشی

(۱) کتابِ پیدائش' باب۹' آیت ۲۰۔۲۶
(۲) کتابِ پیدائش' باب۱۰' آیت ۱۹
(۳) کتابِ پیدائش' باب۱۲' آیت ۱۔۳
(۴) کتابِ پیدائش' باب۱۲' آیت ۶'۷
(۵) کتابِ پیدائش' باب۱۳' آیت ۱۴۔۱۷
(۶) کتابِ پیدائش' باب۱۷' آیت ۷'۸
(۷) کتابِ پیدائش' باب۱۵' آیت ۱۸۔۲۱
(۸) کتابِ پیدائش' باب۲۷' آیت ۲۹
(۹) کتابِ پیدائش' باب۲۸' آیت ۱۰۔۱۵
(۱۰) کتابِ پیدائش' باب۲۸' آیت ۳'۴
(۱۱) کتابِ پیدائش' باب۳۵' آیت ۱۲

# ملکی، ملی اور بین الاقوامی حالات پر امیر تنظیم اسلامی کا تبصرہ

## خطابات جمعہ (مسجد دار السلام لاہور) کے پریس ریلیز کے آئینے میں

☆ ☆ ☆

## تاجر برادری کو اس طرح چیلنج کرنا انتہائی غیر دانش مندانہ ہے

## پرویز مشرف پاکستان کے حال سے مخلص ہیں انہیں ماضی یا مستقبل سے کوئی سروکار نہیں

## دینی جماعتوں نے جب بھی خالص دینی ایشو پر تحریک چلائی انہیں ناکامی نہیں ہوئی

### ۲۶/ مئی کا خطاب جمعہ

چیف ایگزیکٹو کی حالیہ پریس کانفرنس سے واضح ہو گیا ہے کہ وہ ایک صاف گو انسان ہیں اور راتنی بات بھی یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ وہ پاکستان کے "حال" سے بھی مخلص نظر آتے ہیں یعنی دنیا میں جو نظام رائج ہے اس کے ساتھ سٹیٹس کو برقرار رکھتے ہوئے عزت سے جینے کے خواہشمند ہیں۔ تاہم ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نہ تو پاکستان کے پس منظر اور ماضی کے ساتھ ان کا کوئی ذہنی و قلبی تعلق ہے نہ مستقبل میں احیائے اسلام کے ضمن میں پاکستان کے کردار کا انہیں کوئی ادراک ہے۔

پاکستان کے ماضی اور مستقبل سے لاتعلقی صرف پرویز مشرف ہی کا معاملہ نہیں، ہمارے جدید تعلیم یافتہ اور سیکولر ذہن رکھنے والے طبقات کے ساتھ ساتھ بہت سے مذہبی مزاج رکھنے والے افراد کا معاملہ بھی کم و بیش یہی ہے۔ بلکہ ہمارے ہاں نوبت تو یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اب پاکستانیوں کی ایک بڑی اکثریت پاکستان کے وجود کو ہی صحیح نہیں سمجھتی جس کا مظہر یہ ہے کہ پاکستان کی ایک بڑی سیاسی جماعت کی رہنما اور دیہی صوبہ سندھ کی نمائندہ بے نظیر بھی وہی کچھ کہہ رہی ہیں جو کبھی جی ایم سید کے خیالات ہوا کرتے تھے۔ اسی طرح سندھ میں سندھی نیشنلزم کا ہوا پھر کھڑا ہو گیا ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ سندھ کے گورنر کو سندھی قومیت کی حمایت پر استعفیٰ دینا پڑا ہے۔ یہی نہیں بلکہ مہاجر رہنما الطاف حسین نے بھی ایک حالیہ بیان میں صاف لفظوں میں دو قومی نظریئے کی نفی کر دی ہے۔

علاوہ ازیں پرویز مشرف صاحب نے اپنی تقریر میں جس انداز سے تاجر برادری کو چیلنج کیا ہے وہ انتہائی غیر دانشمندانہ و غیر حکیمانہ ہے۔ اگر حکومت نے اپنی روش پر نظر ثانی نہ کی تو اندیشہ ہے کہ ملک سے سرمایہ بڑی تیزی سے باہر منتقل ہو جائے گا اور یہاں کچھ نہیں بچے گا۔ جہاں تک ٹیکس کلچر کی تنفیذ کے حوالے سے معیشت کی بحالی کا معاملہ ہے اگر موجودہ حکومت اپنا سارا زور بھی لگا لے اور عوام کو کولہو

میں پٹیل کران کا سارا تیل نکال لے تو بھی پاکستان کی معیشت درست نہیں ہو گی۔ اس مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ حکومت سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق اندرون و بیرون ملک ہر قسم کے سود کے خاتمے کا اعلان کردے۔ اس کے بعد بتدریج ٹیکس کلچر کو رواج دیا جائے۔ پرویز مشرف نے خود اپنی تقریر میں کہا ہے کہ پاکستان کی ترقی کے دوسرے کاموں میں وقت لگے گا تو پھر غور طلب بات ہے کہ ٹیکس کلچر ایک دن میں کیسے نافذ ہو جائے گا۔ ٹیکس کلچر کے تدریجی نفاذ کے ضمن میں سروے کے بجائے انہیں ویلتھ ٹیکس کے گوشواروں سے ابتداء کرنی چاہئے اور املاک اور جو اشیاء ویلتھ ٹیکس دہندگان نے اپنے گوشواروں میں ظاہر نہیں کیں، انہیں ضبط کر کے ملکی معیشت کی اصلاح اور بحالی کے عمل کا آغاز کرنا چاہئے۔ اگر حکومت کی تاجروں کے ساتھ کشمکش شروع ہو گئی تو اس کے بہت خطرناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کے لئے مذہبی و سیاسی جماعتیں بھی شامل ہو جائیں گی اور وہی حالات پیدا ہو سکتے ہیں جو ایوب اور بھٹو مخالف تحریکوں میں نظر آئے تھے۔ لیکن اس وقت حالات مختلف تھے۔ اب پاکستان اس قسم کی محاذ آرائی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اگر اس محاذ آرائی میں سندھی قوم پرست عنصر بھی شامل ہو گیا تو امریکہ جو پہلے ہی موقع کی تاک میں ہے، بھارت یا یو این او کے ذریعے پاکستان کے وجود کو ختم کرنے کی سازش کر سکتا ہے کیونکہ امریکہ میں بہت سی شخصیات اور ادارے بھارت کو پہلے ہی پاکستان پر حملے کی شہ دے رہے ہیں۔

## دینی جماعتوں کے سربراہان کا اجلاس

پشاور میں دینی جماعتوں کے سربراہان کا اجلاس بہت سے اعتبارات سے خوش آئند ہے۔ اس اجلاس میں نفاذ شریعت سمیت دیگر دینی امور کے ضمن میں حکومت سے جو مطالبات کئے گئے ہیں وہ بلاشبہ نہایت اہم اور نہایت معقول ہیں۔ ہم ان کی پورے طور پر تائید کرتے ہیں اور حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ان مطالبات پر بلا چون و چرا عمل پیرا ہو۔ میں دینی جماعتوں سے بھی اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے ان مطالبات کو مؤثر بنانے کے لئے ایک منظم متحدہ محاذ بنائیں جس کا ایک باقاعدہ دستور العمل ہو اور تمام ضروری قواعد و ضوابط پہلے سے طے شدہ اور معین ہوں۔ یہ اتحاد صرف دینی ایشوز پر تحریک چلائے اور سیاسی مقاصد سے خود کو الگ رکھتے ہوئے سیاسی جماعتوں یا کسی اور گروہ کا آلۂ کار بننے سے پرہیز کرے، کیونکہ ماضی میں جب بھی دینی جماعتوں نے سیاسی جماعتوں کے ساتھ مل کر کوئی تحریک شروع کی اس کا فائدہ صرف سیاسی طالع آزماؤں کو پہنچا ہے، دینی جماعتوں یا دین کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔ ویسے بھی پاکستان کی باون سالہ تاریخ گواہ ہے کہ دینی جماعتوں نے جب بھی خالص دینی تحریک چلائی انہیں ناکامی نہیں ہوئی۔ قرارداد مقاصد کی منظوری، قانون ختم نبوت اور قانون توہین رسالت ﷺ اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ ہمارے نزدیک دینی جماعتوں کو اپنے ان مطالبات میں ارتداد کی شرعی سزا کا نفاذ اور غیر

انگیزی کی جڑوں پر تیشہ چلایا جا سکے۔

اس وقت پاکستان میں ایک چو مکھی جنگ یا دوسرے لفظوں میں خانہ جنگی کی راہ ہموار ہو چکی ہے۔ اس صورتحال سے بچاؤ اور ہمارے موجودہ مسائل اور تمام بحرانوں کا حل یہ ہے کہ ہم اللہ اور اس کے دین کے وفادار بن جائیں اور قرآن کی طرف رجوع کریں۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہم اپنی ذات اور اپنے گھر پر دین نافذ کریں۔ اس کے بعد متحد ہو کر ملک میں دین کے نفاذ کے لئے کوشش کریں۔ اگر ہم اب بھی نہ سنبھلے تو ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اللہ کی سنت کے مطابق ہمیں متنبہ کرنے کے لئے ۱۹۷۱ء میں سقوط مشرقی پاکستان کی صورت میں چھوٹا عذاب آچکا ہے اور اگر ہم نے اب بھی اسلام کی طرف رُخ نہ کیا تو شاید وہ بڑا عذاب ہمارا مقدر بن جائے جس کے بعد مہلت ختم ہو جاتی ہے۔

☆ ☆ ☆

## قانون توہین رسالت : اصل کریڈٹ جماعت اہل سنت کو جاتا ہے

### دینی مطالبات کیلئے خالص دینی پلیٹ فارم سے تحریک چلانی چاہئے!

۱۹/ مئی کا خطاب جمعہ

قانون توہین رسالت کے طریق کار میں تبدیلی کا فیصلہ واپس لینے پر چیف ایگزیکٹو پرویز مشرف خراج تحسین کے حقدار ہیں' کیونکہ کسی بالغ نظر سیاستدان کی طرح انہوں نے دینی جماعتوں اور عوام کے مذہبی جذبات کا درست اندازہ لگایا اور فیصلہ واپس لیتے وقت اپنی انا یا ہٹ دھرمی کو راہ میں حائل نہیں ہونے دیا۔ پاکستان کی تاریخ میں کسی فوجی جرنیل کے ہاں ایسی دوسری مثال نہیں ملتی۔ اگرچہ قانون توہین رسالت کے طریق کار میں تبدیلی کے حکومتی فیصلے کے خلاف ملک کی قریباً تمام دینی و مذہبی جماعتوں نے صدائے احتجاج بلند کی تھی لیکن اس ضمن میں اصل کریڈٹ جماعت اہلسنّت کو جاتا ہے کہ جنہوں نے مضبوط موقف اختیار کر کے حکومت کو مجبور کر دیا۔ ملی یکجہتی کونسل کا بعض دوسرے مطالبات کی منظوری کے لئے تاجروں کے ساتھ ہڑتال میں شمولیت کرنا بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کے مترادف ہے۔ کیونکہ دینی جماعتوں کی کسی ایسے اتحاد میں شرکت کہ جس میں مختلف اور متضاد عناصر محض کسی حکومت کو گرانے یا غیر مستحکم کرنے کی خاطر جمع ہوں ہمیشہ منفی نتائج کی حامل ہوتی ہے۔ دینی جماعتوں کو نفاذ شریعت اور دیگر دینی مطالبات کے لئے خالص دینی پلیٹ فارم سے تحریک چلانی چاہئے اور کسی سیاسی ایشو کو دینی مطالبہ کے ساتھ گڈمڈ نہیں کرنا چاہئے۔ دینی معاملات کو سیاست سے الگ تھلگ رکھتے ہوئے تمام دینی و مذہبی جماعتوں کا ایک خالص دینی اتحاد وقت کی اہم ضرورت ہے۔

ماضی میں کئی بار دینی جماعتوں نے سیاسی جماعتوں کے ساتھ مل کر تحریک چلائی جس سے سیاسی طالع آزماؤں نے تو سیاسی فائدے حاصل کئے لیکن دین اور دینی جماعتوں کو کچھ حاصل نہ ہوا۔ لہٰذا ہم

دوبارہ اس تجربے کو دہرانے کی بجائے دینی معاملات کے لئے ایک الگ خالص دینی محاذ بنانا چاہئے۔ جس کا پی این اے کی طرح الگ دستورالعمل وضع کیا جائے اور اسے سیاستدانوں اور جاگیرداروں کے مفادات کا آلہ کار بنانے کے بجائے خالص دینی ایشوز تک محدود رکھا جائے۔ اس سے نہ صرف دینی جماعتوں کی ساکھ بحال ہوگی بلکہ ملک میں نفاذ شریعت کی منزل بھی جلد حاصل ہو جائے گی۔

☆ ☆ ☆

## قانون توہین رسالت کے ضمن میں علماء کا اتحاد خوش آئند ہے

## علماء دیگر دینی مطالبات کو بھی تحریک کے مقاصد میں شامل کریں!

### ۱۲/ مئی کا خطاب جمعہ

موجودہ فوجی حکومت اور مذہبی عناصر کے درمیان محاذ آرائی کا آغاز اسی نہج پر ہوا ہے جیسا کہ صدر ایوب خان کے خلاف عید کے چاند پر اختلاف کے باعث ایجی ٹیشن کا آغاز ہوا تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایوب خان کے دس سالہ دور حکومت کے بعد یہ تحریک چلی تھی جبکہ موجودہ حکومت کو برسر اقتدار آئے ابھی دس ماہ بھی نہیں ہوئے۔

یہ بات خوش آئند ہے کہ تمام علماء نے توہین رسالتؐ کے قانون میں کسی قسم کی تبدیلی قبول نہ کرنے پر اتفاق ظاہر کیا ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ جب تک پرویز مشرف خود ٹی وی پر قوم کے سامنے یہ اعلان نہیں کریں گے کہ حکومت مذکورہ قانون میں کسی قسم کی تبدیلی کا ارادہ نہیں رکھتی ہم اس وقت تک کسی حکومتی یقین دہانی کا اعتبار نہیں کریں گے۔ میں تمام دینی جماعتوں کے سربراہان اور کارکنوں سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنی تحریک کو صرف قانون توہین رسالتؐ کے تحفظ تک محدود نہ رکھیں بلکہ عائلی قوانین کو غیر اسلامی شقوں سے پاک کرنے، شریعت اسلامی کے مطابق مرتد کی سزا کے نفاذ اور آئین میں موجود اسلامی قوانین کو ان کی صحیح روح کے ساتھ نافذ کرنے کو بھی اپنی تحریک کے مقاصد میں شامل کیا جائے۔ اگر ہم نے مرتد کی شرعی سزا کا نفاذ نہ کیا تو ملک میں عیسائیت اور قادیانیت فروغ کے باعث ہمارا حال بھی انڈونیشیا جیسا ہوگا۔ جہاں عیسائیت بہت تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے اور وہاں ہزاروں مسلمانوں کو عیسائیوں نے محض اس جرم کی سزا میں قتل کر دیا کہ وہ اسلامی قوانین کا نفاذ چاہتے ہیں۔ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے لہٰذا یہاں دیگر مذاہب کی تبلیغ کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

میں حکومت کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ مغربی ممالک کی ڈکٹیشن کا راستہ اختیار نہ کرے ورنہ اسے زبردست عوامی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ پاکستانی عوام میں مذہب کی جڑیں بہت مضبوط ہیں اور وہ مذہب کے خلاف کسی سازش کو برداشت نہیں کریں گے۔ موجودہ حالات میں ہماری معیشت کی بحالی کے لئے واحد قابل عمل راستہ یہی ہے کہ ہم عالمی مالیاتی استعمار کے خلاف علم بغاوت بلند کریں اور

ان مالیاتی اداروں سے صاف کہہ دیں کہ ہمارا دین ہمیں سودی لین دین کی اجازت نہیں دیتا اس لئے ہم تمہارے قرضوں پر سود ادا نہیں کر سکتے۔ اور جس طرح امریکہ نے پاکستان کے ساتھ ایف ۱۶ کی فروخت کا معاہدہ کرنے کے بعد اور سودے کی رقم وصول کرنے کے بعد محض اس بنیاد پر اس معاہدے کو منسوخ کر دیا کہ سینٹ میں منظور ہونے والی پریسلر ترمیم اس راہ میں مزاحم ہو گئی تھی تو ہم بھی غیر ملکی قرضوں پر سود کی ادائیگی سے اس بنیاد پر انکار کا حق رکھتے ہیں کہ ہمارے دین میں سود حرام ہے اور ہماری اعلیٰ ترین عدالت نے فیصلہ دیا ہے کہ بنک انٹریسٹ بھی سود ہی کی ایک صورت ہے جو قطعی طور پر حرام ہے۔ یہ فیصلہ حکومت کو آج نہیں تو کل کرنا ہی ہو گا للذا اس میں تاخیر نہ کی جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ حکومت کے اسلام کی طرف اٹھنے والے اس قدم کی برکت سے پاکستان کے مسلمان اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے لئے ہر نوع کی قربانی دینے اور ہر تکلیف خندہ پیشانی سے جھیلنے کو تیار ہو جائیں گے۔

☆ ☆ ☆

## "بیجنگ پلس کانفرنس" بے حیائی کے فروغ کا عالمی ایجنڈا ہے

### دجالی تہذیب انسانیت اور عالم اسلام کے خلاف آخری وار کے لئے پر تول رہی ہے

**۵/ مئی کا خطاب جمعہ**

سابقہ حکومتوں کی طرح موجودہ حکومت کی مساعی کا حاصل بھی یہ ہے کہ عوام کا خون نچوڑ کر آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی قسط ادا کر دی جائے تاکہ ہم کہیں ڈیفالٹر نہ ہو جائیں حالانکہ ملک میں قادیانیت اور عیسائیت کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ لیکن کسی کو اس کے سدباب کی فکر نہیں۔ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ اگر ہم نے قادیانیوں کو کافر قرار دینے کے ساتھ ساتھ مرتد کی سزا کا بھی قانون بنا دیا ہوتا تو آج عیسائی مشنری اور قادیانی مبلغ اس دیدہ دلیری سے اپنے مذاہب کی تبلیغ نہ کر رہے ہوتے۔

آج جب کہ دینی و مذہبی جماعتیں سیاست اور فرقہ واریت کے گرداب سے نکلنے کو تیار نہیں اور ملک کے ایلیٹ طبقات بھی مغربی تہذیب کے دلدادہ ہیں اور انہیں دین اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں تو ایسے میں اب یہ عوام کا فرض بنتا ہے کہ وہ سلطنت خداداد پاکستان کے بقا و استحکام کی خاطر یہاں نفاذ اسلام کے لئے میدان میں اتر کر جہاد کریں۔ مغرب کی دجالی تہذیب پوری انسانیت بالخصوص عالم اسلام کے خلاف آخری حملے کی تیاری کر رہی ہے۔ چنانچہ قاہرہ اور بیجنگ کانفرنسوں کے بعد اب آنے والے جون میں اقوام متحدہ کے ذریعے ان معاشرتی اقدار اور شرم وحیاء کی روایات کی بیخ کنی کے لئے سازش تیار کی جا رہی ہے جن کی جڑیں بعض مشرقی ممالک اور بالخصوص عالم اسلام میں ابھی تک گہری ہیں۔ یہود اس سازش کے ذریعے نوع انسانی کو حیوان بنانے پر تلے ہوئے ہیں تاکہ ان کے نیو ورلڈ آرڈر کے قیام کی راہ ہموار ہو سکے۔ ۵ تا ۹ جون نیویارک میں بیجنگ پلس فائیو کے نام سے منعقد ہونے والے اقوام متحدہ کے

خصوصی اجلاس میں کامل مساواتِ مرد و زن' آزادانہ شہوت رانی اور بے حیائی کے فروغ کا ایجنڈا اگر عالمی سطح پر نافذ ہو گیا تو یہ ایک ایسا آئس برگ ثابت ہو گا جس سے ملت اسلامیہ کا جہاز ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گا۔

ہم اپنے ملک میں پہلے ہی اللہ سے کئے ہوئے وعدے میں خیانت کے مرتکب ہو رہے ہیں کیونکہ ہم نے یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا لیکن ابھی تک یہاں اسلام نافذ نہیں کیا۔ اسی طرح ہمارے آئین میں اگرچہ اللہ کی حاکمیت کا اقرار موجود ہے مگر ہمارا عمل اس کے برعکس ہے۔ عدالتی سطح پر سود کے خلاف فیصلہ دیا جا چکا ہے لیکن معیشت بدستور سود پر چل رہی ہے' اس اعتبار سے ہم ایک منافق قوم ہیں کہ ہم دین کے احکامات کا سیاسی' معاشی و معاشرتی سطح پر زبان سے تو اقرار کرتے ہیں مگر انہیں نافذ کرنے کے لئے تیار نہیں۔

اگر ہم اس نفاق سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی دو رنگی کو ختم کرنا ہو گا یعنی سب سے پہلے ہمیں خود اپنے وجود اور اپنے گھر پر دین نافذ کرنا ہو گا۔ اس کے بعد ملک میں نفاذ اسلام کے لئے سر بکف ہو کر میدان میں نکلنا ہو گا۔ کیونکہ قرآن و سنت کے مطابق صرف اسی صورت میں وہ منظم جمعیت وجود میں آ سکتی ہے جو منکرات کو چیلنج کرنے کی اہلیت رکھتی ہو۔ کسی وقتی تحریک سے متاثر ہو کر جذباتی انداز میں سینے پر گولی کھا لینا آسان ہے لیکن جب تک ہم خود جہد مسلسل کے ذریعے تقویٰ کی روش اختیار نہیں کریں گے اس وقت تک ملک میں اسلامی انقلاب کے لئے کوئی تحریک چلانا بے سود ہو گا۔

---

## بقیہ : توحید عملی

---

تعالیٰ سے ہو۔ دوسروں سے محبت اس سے نیچی نیچی اور ورے ورے اور اس کی محبت کے تابع ہو۔ گویا سب سے اونچی محبت اللہ ہی کی ہو۔ انفرادی توحید کی یہ شرط لازم ہے کہ عبادت' اطاعت اور محبت اسی کے لئے خالص کر لی جائے ـــــ اگر اس میں کہیں ملاوٹ آ گئی تو وہ توحید نہیں ہے۔ یہ ملاوٹ اور یہ کھوٹ شرک کے درجے میں آئے گی اور اگلے پچھلے تمام اعمال کے حبط اور اکارت بننے کا ذریعہ بن جائے گی۔ (جاری ہے)

# اِسلامی روایات سے روگردانی کے اثرات

—— تحریر: فرخ رشید☆ ——

برِّعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں نے علیحدہ وطن کا مطالبہ اس لئے کیا تھا کہ وہ اپنی زندگیوں کو اِسلامی شعائر کے مطابق بسر کر سکیں۔ اِسلام نہ صرف ایک دین ہے بلکہ یہ ایک مکمل ضابطہء حیات ہے جو زندگی کے ہر پہلو اور گوشے کی رہنمائی کرتا ہے۔ چنانچہ سیاست و حکومت جیسے اہم امور سے لے کر گھریلو زندگی تک کے بارے میں معلومات و رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اسی بات کے پیشِ نظر مسلمانانِ برعظیم نے علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا تاکہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اِسلامی تعلیمات کے تحت زندگی بسر کر سکیں' اِسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے روز و شب بسر کریں' خود اِسلام کے سچے پیرو کار بن سکیں اور پوری دُنیا میں اِسلام کو متعارف کروائیں۔ گویا اِسلام کا تحفظ اور اس کا بول بالا علیحدہ وطن کے قیام کا سبب تھا۔

آج ہمارے وطن کو قائم ہوئے تقریباً باون برس ہو چکے ہیں۔ ہمارے ذہنوں میں یہ سوال اُٹھتا ہے کہ ہم نے جس مقصد کے لئے علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا تھا کیا وہ مقصد پورا ہو رہا ہے؟ کیا ہم اپنی زندگیوں کو اِسلام کے سنہری ضابطہء حیات کے مطابق بسر کر رہے ہیں؟ کیا ہم نے اِسلام کو پوری دُنیا میں بطورِ دین متعارف کروانے کی سعی کی ہے؟ کیا ہم نے اپنے ملک میں اِسلامی قوانین کے نفاذ کی کوشش کی ہے؟ ان تمام سوالات کا جواب ہمیں یہی ملتا ہے کہ اپنے تمام تر دعوؤں کے باوجود ہم نے اِسلام کے لے کچھ نہیں کیا۔ قیامِ پاکستان کے وقت جو مقاصد ہمارے سامنے تھے انہیں ہم نے یکسر فراموش کر دیا ہے۔

اس بات کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ معاشرے میں فحاشی کس قدر تیزی سے پھیل رہی ہے! یہ بات ہم سب کے لئے انتہائی قابلِ افسوس اور قابلِ مذمّت

---

☆ گورنمنٹ نواز شریف کالج' چونیاں منڈی' لاہور

ہے۔ سینما گھروں کے باہر' ویڈیو شاپس کے باہر' چوراہوں پر' ریلوے اسٹیشن' ایئرپورٹ' ہسپتال' یہاں تک کہ مساجد کی دیواروں پر بھی خواتین کے نیم عریاں اور فحش قسم کے پوسٹر دکھائی دیتے ہیں' جن کو دیکھ کر آنکھیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔ ہمارے ذہنوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا ہم سب مسلمان ہیں؟ ہمارا دین تو ہمیں شرم و حیا کے دائرے میں رہ کر زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتا ہے' مگر ہم نے رحمٰن کی بجائے شیطان کی پیروی شروع کردی ہے۔ کیا ہم آج یہ کہنے کے قابل ہیں کہ ہم اِسلامی جمہوریہ پاکستان کے باشندے ہیں جہاں کا سرکاری مذہب اِسلام ہے؟ ہم خدا' اس کے رسول ﷺ' فرشتوں اور الہامی کتابوں پر ایمان کا دعویٰ کرکے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اِسلام کی کوئی بہت بڑی خدمت کررہے ہیں۔ ہمارے تمام دعوے زبانی کلامی ہیں' جبکہ عملی طور پر ہم نے دین کی فلاح و بہبود کے لئے کچھ نہیں کیا۔ ہم نے اِسلام کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ جبھی تو آج ہمارے معاشرے کی یہ تصویر نظر آرہی ہے۔

ہماری نوجوان نسل جو دین کے بقاء اور فروغ میں اہم کردار ادا کرسکتی تھی وہ بھی گمراہی کا شکار ہے۔ ہماری نوجوان نسل نے ناچ گانے کو اپنی زندگیوں کا مقصد بنالیا ہے۔ ہماری نوجوان نسل ان بے ہودہ اور فحش پروگراموں کی اس قدر عادی ہوچکی ہے کہ ہفتہ بھر ان کا بے تابی سے انتظار کیا جاتا ہے۔ ایسے فضول اور لغو پروگراموں کے لئے ایسی ہر مصروفیت یہاں تک کہ تعلیم کو بھی پسِ پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ والدین بھی اولاد کی ان سرگرمیوں پر ان کی سرزنش نہیں کرتے' انہیں اچھے برے میں تمیز کرنا نہیں سکھاتے اور نہ ہی اولاد کی روحانی تربیت کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک بچوں کا انگریزی تعلیم سیکھنا دینی تعلیم سیکھنے سے زیادہ ضروری ہے۔ ہمارا نصابِ تعلیم جو قرآن کی تعلیمات سے مزین ہونا چاہئے تھا' آج اس میں یہ چیزیں برائے نام شامل کی جارہی ہیں۔ آج ہم اپنے نصابِ تعلیم میں خاندانی منصوبہ بندی اور جنسی تعلیم کو شامل کرنے کی باتیں کررہے ہیں' حالانکہ یہ باتیں ہماری اخلاقی اقدار کے منافی ہیں۔ مغربیت سیکھنے کی ان ناکام کوششوں میں ہم اپنا وجود اور شناخت کھو بیٹھے ہیں اور اب ہم دین کے رہے ہیں نہ دُنیا کے۔

خود اعتمادی کا نام دے کر اپنے آپ کو جھوٹی تسلیاں دیتے ہیں اور اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ اس طرح ان کی بچیاں جدید معاشرتی طور طریقے سیکھ رہی ہیں۔

آج کے دور میں اگر کوئی صاحبِ ایمان اس بے دینی، بے حیائی اور فحاشی کے خلاف آواز اٹھائے تو ہم اس کو دقیانوسی اور فرسودہ خیالات کا مالک کہہ کر اس کے تصورات کو موجودہ دور کے ماڈرن تقاضوں کو پورا کرنے کے قابل نہیں سمجھتے۔

تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ جس قوم نے بھی خدا کی حدود و قیود کی خلاف ورزی کی قہرِ خداوندی اس قوم کا مقدر رہا۔ آج ہم مسلمان جس ذلّت اور پستی کا شکار ہیں اس کا بڑا سبب بے حیائی اور دین کے اصولوں سے انحراف ہے۔ ہر سیاسی جماعت عوام کو اِسلامی نظام کے نفاذ کی نوید تو سناتی ہے مگر یہاں کسی دور میں بھی اِسلامی اصولوں کا اطلاق نہیں کیا گیا، بلکہ اِسلامی نظام کے نفاذ کے علمبردار حکومت میں آتے ہی اپنے تمام وعدوں کو بھول کر دُنیا کی رنگینیوں میں کھو جاتے ہیں۔

آج پوری دُنیا میں مسلم قوم جس ذِلت اور پستی کا شکار ہے اس کا بڑا سبب بے دِینی کے سوا کچھ نہیں۔ اس کو مد نظر رکھتے ہوئے پاکستانی قوم کو چاہئے کہ اپنے طرزِ زندگی پر نظر ثانی کرے، اپنی غیرت و حمیّت کو بیدار کرے، بے حیائی کے اس عِفریت سے معاشرے کو پاک کرے، ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی اور آنے والی نسلوں کی زندگیوں کو اِسلام کے سنہری اصولوں کے مطابق ڈھالیں۔ بصورتِ دیگر قہرِ خداوندی ہمارا مقدر ہو گا۔ ترکی میں آنے والا زلزلہ اور اس کے نتیجے میں جو زبردست تباہی ہوئی ہے وہ اس بات کی علامت ہے کہ خداوند کریم اِسلامی تعلیمات سے انحراف پر مسلم اُمّہ سے ناراض ہے۔ پاکستان کی ڈگمگاتی ہوئی اقتصادی و معاشرتی صورت حال بھی اس چیز کی بخوبی عکاسی کر رہی ہے۔ اس سے پہلے کہ قہرِ خداوندی ہم پر نازل ہو، ہمیں اپنی اصلاح کر لینی چاہئے اور اپنی زندگیوں کو اِسلامی ضابطۂ حیات کے مطابق بسر کرنا چاہئے۔ بصورت دیگر مسلمان صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جائیں گے۔

---

MONTHLY
**Meesaq**
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 49 No. 6
June. 2000

تنظیمِ اسلامی کا پیغام نظام خلافت کا قیام

# تنظیمِ اسلامی

مروجہ مفہوم کے اعتبار سے

## نہ کوئی سیاسی جماعت ہے نہ مذہبی فرقہ

بلکہ ایک

## اسلامی انقلابی جماعت ہے

جو اولاً پاکستان میں اور بالآخر ساری دنیا میں دینِ حق یعنی

اسلام کو غالب یا بالفاظ دیگر نظامِ خلافت

قائم کرنا چاہتی ہے

امیر: ڈاکٹر اسرار احمد

جولائی ۲۰۰۰ء

ماہنامہ

# میثاق

لاہور


مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد


- توحید فی الدعاء (سلسلہ توحید عملی ۲)
- حزب اللہ
  بیسویں صدی کی پہلی اسلامی تحریک

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد : ۴۹
شمارہ : ۷
ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
جولائی ۲۰۰۰ء
فی شمارہ -/۱۰
سالانہ زر تعاون -/۱۰۰




## سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور


مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700 فون : 03-02-5869501
فیکس : 5834000 ای میل : anjuman@brain net pk
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور
فون : 6316638-6366638 فیکس : 6305110
پبلشر : ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع : رشید احمد چودھری، مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

# مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرض احوال

وفاقی بجٹ کے اعلان کے ساتھ ہی اندیشوں کے عین مطابق' اشیائے صرف کی قیمتوں میں اضافے کا آغاز ہو گیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق بجٹ کے اعلان کے بعد ۲۷ جون تک گرانی میں مجموعی طور پر ۱۵ فیصد اضافہ ہو چکا ہے۔ ایک جانب حکومتی ترجمان زبان و بیان کی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر عوام کو اس امر کی یقین دہانی کروانے میں مصروف ہیں کہ کوئی منی بجٹ نہیں آئے گا اور دوسری جانب بعض حکومتی اداروں کے ترجمان سوئی گیس اور بجلی کے نرخ بڑھانے کا عندیہ دے رہے ہیں۔ اس سب پر مستزاد ادویات کی قیمتوں میں یکلخت دس فیصد اضافے کا اعلان ہے جو عوام کی کمر توڑ دینے کے مترادف ہے۔ دوا ساز ملٹی نیشنل کمپنیوں نے پاکستان میں جو اندھیر نگری مچا رکھی ہے اس سے کون واقف نہیں۔ ہمارے ہمسایہ ممالک بھارت کے مقابلے میں پاکستان میں ادویات کی قیمت پہلے ہی چھ سات گنا یا دہ بتائی جاتی ہے۔ وہی ملٹی نیشنل کمپنیاں جن کے دباؤ کی تاب نہ لا کر ہماری حکومت ادویات کی قیمتوں میں اضافے پر مجبور ہوئی' بھارت اور بنگلہ دیش میں انتہائی ارزاں نرخوں پر ادویات مہیا کرتی ہیں۔ غریب طبقات تو ایک طرف رہے' ہمارا متوسط طبقہ بھی ادویات کی ہوش ربا گرانی کے باعث مناسب علاج معالجے کی سکت نہیں رکھتا۔

صاف نظر آ رہا ہے کہ ہماری حکومت اقتصادی بدحالی کے باعث شدید دباؤ میں ہے اور اپنے تئیں "باغباں بھی خوش رہے' راضی رہے صیاد بھی" کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ وہ پاکستان کو خوشحالی اور ترقی کی راہ پر گامزن بھی دیکھنا چاہتی ہے اور ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے مطالبات کو پورے کرنے کی خاطر عوام کی رگوں سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہونے پر بھی مجبور ہے۔ آخر ہمارے حکمران طبقات اس مومنانہ شعور سے کب بہرہ مند ہوں گے کہ ؎

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

یہ بات خوش آئند ہے کہ اس ایک سجدے کی طرف دھیان دینے کا عندیہ بھی حکومت کے بعض ترجمانوں کی جانب سے سامنے آیا ہے۔ آئندہ جون تک سود کے خاتمے کا اعلان اگر محض ٹال مٹول اور وقت گزاری کے خیال سے نہیں دیا گیا اور حکومت فی الواقع اس معاملے میں سنجیدہ ہے تو یقیناً لائق تحسین اور قابل صد مبارک باد ہے۔ اس ایک راہ کے سوا ہماری معاشی حالت کے سدھرنے کا دوسرا کوئی راستہ نہیں۔

☆ ☆ ☆

ملکی اور بین الاقوامی صورتحال پر امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی رائے سے آگاہی کی خاطر امیر تنظیم کے خطباتِ جمعہ کے پریس ریلیز ذیل میں ہدیہ قارئین کئے جا رہے ہیں :

**۲/جون کا خطاب جمعہ**

وزارت داخلہ کا اپنے اخباری اشتہار میں یہ دعویٰ کرنا کہ پاکستان کی تقدیر معیشت کی بہتری سے وابستہ ہے' حکومت کی ملحدانہ سوچ اور قیام پاکستان کے پس منظر سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ حکمرانوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ پاکستان کی تقدیر اسلام سے وابستہ ہے اور اس کے تمام مسائل کا حل اور مشکلات کا خاتمہ صرف اور صرف اسلام کے حقیقی نفاذ ہی سے ہو گا۔ پاکستان کی معیشت کی بحالی ناممکن ہے جب تک کہ سود سے چھٹکارا حاصل نہ کیا جائے۔ آج پوری دنیا میں یو این او' ورلڈ بنک' آئی ایم ایف اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے ذریعے ابلیسی نظام رائج کرنے کی سازش کی جا رہی ہے اور ہمارے موجودہ حکمران بھی اسی نظام سے وابستہ رہنا چاہتے ہیں' حالانکہ جب تک ہم اس ابلیسی نظام کے خلاف علم بغاوت بلند نہیں کریں گے معاملات ہرگز درست نہیں ہو سکتے۔

اس عالمی نظام سے ناطہ توڑنے کا اس سے بہتر وقت کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ حال ہی میں ہماری سپریم کورٹ نے سود کے خلاف فیصلہ دیا ہے اور ہم اس فیصلے کی بنیاد پر عالمی سودی نظام سے قطع تعلق کا اعلان کر سکتے ہیں۔ لیکن حکومت اس معاملے میں دورخی پالیسی پر عمل پیرا ہے حالانکہ سود کے خلاف بھی اسی سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا ہے جس نے ۱۲

اکتوبر کے اقدام کو وقت کی ضرورت قرار دیتے ہوئے موجودہ فوجی حکومت کو تین سال کی مہلت دی ہے۔ مگر ایک فیصلے پر تو بغلیں بجائی جا رہی ہیں جب کہ دوسرے فیصلے پر عمل در آمد کا دور دور تک کوئی ارادہ نظر نہیں آتا۔

موجودہ تاجر حکومت کشمکش کے ضمن میں یہ بات خوش آئند ہے کہ حکومت کا تاجر برادری کے نمائندوں سے گفت و شنید کا عمل جاری ہے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس کشمکش کے نتیجے میں تاحال کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ یہ بات بھی لائق صد شکر ہے کہ تاجروں کی اس جدوجہد میں سیاسی اور مذہبی عناصر شامل نہیں ہوئے کیونکہ اگر یہ اتحاد ثلاثہ وجود میں آگیا تو ان کے اتحاد سے جنم لینے والی کشمکش سے ملک شدید نوعیت کے بحران سے دوچار ہو سکتا ہے۔

☆ ☆ ☆

## ۹/جون کا خطاب جمعہ

حکومت پاکستان کی جانب سے یو این او کے "بیجنگ پلس فائیو" نامی خصوصی اجلاس میں دستخط نہ کرنے کی یقین دہانی لائق ستائش ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے ایلیٹ طبقات جن میں حکمران طبقہ بھی شامل ہے' کا تصور اسلام چونکہ مغرب گزیدہ ہے اس لئے اس اجلاس کے اختتام پر جو اعلامیہ جاری ہو گا ہمیں اس کا باریک بینی سے جائزہ لینا ہو گا کیونکہ ہو سکتا ہے ہمارے حکمران جس چیز کو اسلام سے ہم آہنگ سمجھ کر توثیق کرائیں وہ فی الاصل اسلام سے متصادم ہو۔ ہمیں بہر صورت عصمت و عفت اور خاندانی نظام کو تہہ و بالا کرنے کے اس شیطانی منصوبے کے بارے میں جاگتے رہنا ہو گا جو یہودیوں کے ذہن کی پیداوار ہے۔ اس لئے یہ ممکن ہے کہ پاکستان اور بعض اسلامی ممالک کی طرف سے مزاحمت کے پیش نظر یہودی اپنے اس ابلیسی پروگرام کو فی الحال موخر کر کے مسلمان ممالک کو مختلف ہتھکنڈوں سے اس کے نفاذ پر مجبور کرنے کا کوئی طویل المیعاد منصوبہ تشکیل دیں۔ یہودی جو واقعتاً اس زمین پر شیطان کے ایجنٹ کا روپ دھار چکے ہیں' انسان کو شرف انسانیت سے محروم کر کے حیوان بنا دینا چاہتے ہیں اور جس طرح ابلیس

نے آدم و حوا کو بہکا کر بے لباس کر دیا تھا' یہ بھی انسانیت کو شرم و حیا اور غیرت کے جذبات سے عاری کر دینا چاہتے ہیں۔ ان کا مشن یہ ہے کہ سیکولرازم' سود اور عریانی و فحاشی کے ذریعے انسانوں کا رشتہ اللہ اور اس کے دین سے کاٹ دیں اور انہیں انسانیت سے بیگانہ کر کے حیوان محض بنا دیں اور انہیں اپنی معاشی و ثقافتی غلامی کے شکنجہ میں کس لیں۔

جس طرح ابلیس جو کبھی اپنا مقام و مرتبے کے اعتبار سے فرشتوں کی صف میں شامل تھا' تکبر و حسد کے باعث شیطان اعظم بنا' اسی طرح یہود بھی تکبر و حسد کے باعث اس زمین پر شیطان کے سب سے بڑے ایجنٹ بنے بیٹھے ہیں حالانکہ یہ قوم وہ ہے جسے اللہ نے کتاب اور شریعت عطا کی تھی۔

حق و باطل کی کشمکش جو ابتدائے آفرینش سے جاری ہے' اب آخری مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ لیکن خیر و شر کی یہ جنگ بالآخر حق کی فتح پر منتج ہو گی۔ آج ہم میں سے ہر شخص کی خواہش ہے کہ اسلام نافذ ہو جائے اور ہمیں کوئی ایسا رہنما مل جائے جو ہمارے تمام مسائل حل کر دے لیکن ہم خود کو بدلنے کے لئے تیار نہیں اور جب تک ہم اپنے وجود اور اپنے گھروں میں دین نافذ نہیں کریں گے' ہمارے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔

طالبان کے نفاذ اسلام کی پاداش میں افغانستان پر عالمی پابندیوں کے بعد وہاں کے عوام بہت کسمپرسی سے زندگی گزار رہے ہیں لہٰذا ہمیں طالبان افغانستان کی ہر طرح سے مدد کرنی چاہئے اگر ہم جان سے ان کی مدد نہیں کر سکتے تو کم از کم مال سے ان کی مدد کرنا ہماری دینی ذمہ داری ہے اور ہمیں اس میں بڑھ چڑھ کر اپنا مالی تعاون پیش کرنا چاہئے۔

# توحیدِ عملی

## اخلاص فی العبادۃ اور اقامت دین کی اہمیت و فرضیت

### سورۃ الزمر تا سورۃ الشوریٰ کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

مرتب : شیخ جمیل الرحمٰن

(دوسری قسط)

## توحید فی الدعاء

انفرادی سطح پر توحید فی العبادۃ کے ساتھ ہی توحید فی الدعاء کا معاملہ ہے۔ یہ دونوں امور باہم گتھے ہوئے ہیں۔ ہم نبی اکرم ﷺ کی یہ احادیث بھی پڑھ چکے ہیں کہ : ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ)) اور ((اَلدُّعَاءُ ھُوَ الْعِبَادَۃُ)) ـــــ توحید فی العبادۃ کے ضمن میں سورۃ الزمر کے تین مقامات اور ان کی امکانی حد تک تشریح و توضیح کے بعد سورۃ المؤمن میں دو مقامات پر توحید فی الدعاء کا بڑے شدومد کے ساتھ ذکر ہے۔

دُعا در حقیقت انفرادی سطح کی عبادت کا ہی ایک باطنی پہلو ہے۔ جو آپ کا معبود ہے' جس کے بارے میں آپ کا ایمان اور یقین ہے کہ وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے ـــــ جس کے متعلق آپ کو یقین ہے کہ وہی عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے' وہی اَلسَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ہے' وہ ہر آن آپ کے ساتھ ہے ﴿ ھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ ﴾ ظاہر بات ہے کہ ایسی ہستی کو آپ پکاریں گے' اس سے استعانت و استمداد کریں گے ـــــ اس سے دعائیں کریں گے' اس سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے عرض و معروض کریں

گے۔ پس دُعا عبادت کا ایک باطنی رخ ہے۔ قرآن میں چار مقامات ہیں جہاں دُعا کے ساتھ ﴿ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ کے الفاظ آئے ہیں۔ ایک سورۃ العنکبوت آیت ۶۵ میں : ﴿ فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ "جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر کے اس سے دعا مانگتے ہیں" ـــــ دوسرے سورۂ لقمان کی آیت ۳۲ میں : ﴿ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ "اور جب (سمندر میں) ایک موج ان لوگوں پر سائبان کی طرح چھا جاتی ہے تو یہ اللہ ہی کو پکارتے ہیں اپنے دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے"۔ ان دو آیتوں میں سمندری سفر میں مشرکین کی اللہ سے مخلصانہ دعاء کا تذکرہ ہے۔ اس موقع پر انہیں نہ لات یاد آتا ہے نہ منات نہ ہبل۔ کسی دیوی اور دیوتا کے بجائے وہ خالص اللہ ہی کو مدد اور دستگیری کے لئے پکارتے ہیں[1]۔ لیکن سورۃ المؤمن کی آیت نمبر ۱۴ اور نمبر ۶۵ جس کا بیان آگے آئے گا، وہ مقام ہے جہاں انشائیہ انداز اور امر کے صیغہ میں دُعا کے ساتھ "مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ" کے الفاظ آئے ہیں ـــــ اللہ کو پکارو، لیکن کس طرح؟ کس شان سے؟ کس کیفیت میں؟ اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ یہ نہیں کہ کچھ اطاعت اللہ کی بھی ہو رہی ہے اور کچھ دوسروں کی بھی، لیکن پکار رہے ہیں اللہ کو۔ ایسی دُعا قبول ہونے والی نہیں ہے۔ اب وہ آیت دیکھئے۔ بڑی پیاری آیت ہے۔ فرمایا : ﴿ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ "پس اللہ ہی کو پکارو، اپنی اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے، خواہ یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے"۔ ظاہر بات ہے کہ اگر پورا نظام شرک پر قائم ہو اور اس میں آپ توحید کا نظام برپا کرنا چاہیں گے تو کافروں اور مشرکوں کو سخت ناگوار ہو گا۔ وہ سب روڑے اٹکائیں گے اور کسی نہ کسی بہانے آپ سے تصادم مول لینے کی کوشش کریں گے۔

یہاں دعاء کے لئے بھی مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کی شرط عائد کر دی گئی ہے، جیسے عبادت میں عائد کی گئی تھی۔ خلوص و اخلاص صرف اللہ ہی کے لئے نہ ہو تو اس سے دُعا کرنا، اسے پکارنا بے معنی ہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث ملاحظہ کیجئے جس سے دعاء کی قبولیت کی شرائط واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اور

امام مسلمؒ نے اس کو اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ حدیث کا دُعا سے متعلقہ حصہ یہ ہے کہ :

((ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ اِلَى السَّمَآءِ يَارَبِّ يَارَبِّ' وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ' فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ؟))

"پھر آنحضور ﷺ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ وہ بہت دُور دراز کا سفر کرتا ہے' اس کے بال اور کپڑے غبار آلود ہیں' اس پر بڑی بوسیدگی' بے چارگی اور درماندگی طاری ہے۔ وہ شخص اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا رہا ہے کہ اے رب! اے رب!..."

دیکھئے حالت سفر میں دعاء کی مقبولیت کی آنحضور ﷺ کی طرف سے خبر دی گئی ہے۔ مسافرت چونکہ مسکنت کی حالت ہوتی ہے' انسان بے یار و مددگار ہوتا ہے' اجنبیوں میں ہوتا ہے۔ تو واقعہ یہ ہے کہ سفر کی حالت میں دُعا دل سے نکلتی ہے اور جو دُعا دل سے نکلے وہ اثر رکھتی ہے اور قبول ہوتی ہے۔ اور عام طور پر گمان یہی ہے کہ یہاں نبی اکرم ﷺ کسی شخص کے سفر حج کا ذکر فرما رہے ہیں۔ حج کے لئے دور دراز سے اور مختلف مقامات سے لوگ آتے ہیں' تھکے ماندے۔ پھر مناسک حج بڑے کٹھن اور مشقت طلب ہوتے ہیں۔ منیٰ کا سفر ہے' وقوفِ عرفہ ہے' مزدلفہ میں پڑاؤ ہے' منیٰ واپسی ہے' رمی جمار ہے' نحر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دسویں تاریخ کا دن بڑا سخت اور مشقت سے پُر ہوتا ہے' ہر شخص تکان سے اس روز چور چور ہوتا ہے۔ ان دشوار اور دقت طلب مواقع کا تصور کیجئے اور دیکھئے کہ ان حالات میں ایک شخص اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف دُعا کے لئے اٹھاتا ہے اور کہتا ہے یا رب! یا رب! ـــــ جبل رحمت کا مقام سمجھ لیجئے' یا وقوفِ عرفہ کا نقشہ کھینچ لیجئے یا مقامِ ابراہیم کو خیال کر لیجئے یا ملتزم کا منظر تصور کی نگاہوں میں لے آیئے' جہاں اس سے چمٹے ہوئے لوگ گڑگڑا کر دعائیں کرتے ہیں ـــــ لیکن فانّٰی یُستجاب لذٰلک ایسے شخص کی دُعا قبول ہو تو کیسے ہو؟ و مطعمہ حرامٌ و ملبسہ حرامٌ و غذی بالحرام جبکہ اس کا کھایا ہوا بھی حرام کا ہے' اس کا پہنا ہوا بھی حرام کا ہے اور جس غذا سے اس کا جسم پروان چڑھا ہے وہ بھی حرام کا ہے ـــــ معلوم ہوا کہ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ والا معاملہ تو

ہے ہی نہیں۔ کمائی میں تو اللہ کا حکم مانتا نہیں' معاش میں تو حرام میں منہ مار رہا ہے اور یہاں آ رہا ہے دعائیں کرنے کے لئے۔ کیا منہ ہے اس کا کہ وہ اللہ سے کلام کرے!

یہی بات ہے جو سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمائی گئی ہے کہ ہم تو تمہاری دعائیں سننے اور قبول کرنے کے لئے تیار ہیں' لیکن ہمارے بندو! یہ بھی تو دیکھو کہ تم ہمارے احکام کے ساتھ کیا معاملہ کر رہے ہو!! فرمایا :

﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ○ ﴾

(البقرۃ : ۱۸۶)

"(اے نبیؐ!) جب میرے بندے آپؐ سے میرے بارے میں پوچھیں تو ان کو بتا دیجئے کہ میں قریب ہی ہوں[۲]۔ میں تو ہر پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں اور قبول کرتا ہوں' وہ جہاں اور جب مجھے پکارے' پس انہیں چاہئے کہ میری باتوں کو قبول کریں (میرے احکام پر عمل کریں' میری پکار پر لبیک کہیں) اور مجھ پر ایمان رکھیں' تاکہ وہ راہِ راست پالیں (کامیابی سے ہم کنار ہو جائیں)"۔

معلوم ہوا کہ یہ یک طرفہ معاملہ (One Way Traffic) نہیں ہے' یہ دو طرفہ معاملہ ہے۔ تم اللہ کا کہنا مانو گے' اس کے احکام پر چلو گے' اس کے مطیع بن کر رہو گے' اس پر ایمان رکھو گے تو اللہ تمہاری دعائیں قبول کرے گا۔ تم اللہ سے محبت کرو گے تو اللہ تم سے محبت کرے گا ﴿ یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ ﴾ یہ شان ہو گی اہل ایمان کی —— تم اللہ کو یاد کرو' اللہ تمہیں یاد کرے گا ﴿ فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ ﴾

حدیث میں اس کی وضاحت آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ اگر مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں' اور اگر میرا بندہ کسی محفل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے کہیں اعلیٰ محفل میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہ محفل ملائکہ مقربین ہی کی ہو سکتی ہے۔ اس محفل میں اللہ تعالیٰ اس بندے کا ذکر فرماتا ہے جو اس دنیا میں کسی محفل میں اس کا ذکر کرتا ہے۔ آگے حدیث میں آتا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : "اگر بندہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں' بندہ اگر

بالشت بھر میرے قریب ہوتا ہے تو میں ہاتھ بھر اس کے قریب ہو جاتا ہوں"۔

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ "تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا"۔ اللہ کی مدد بندے کی جانب سے کیا ہے؟ اس کے دین کے غلبے اور اقامت کے لئے مال اور جان کھپا دینا۔ جیسا کہ سورۃ الصف میں ارشاد فرمایا: ﴿تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ﴾ "تم ایمان پختہ رکھو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اس کی راہ میں اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ"۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے ساتھ معاملہ یک طرف کی بجائے دو طرفہ ہو گا۔

## اخلاص فی الدعاء

تو یہاں سورۃ المؤمن میں فرمایا: ﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾ "پس پکارو اللہ کو' دین یعنی اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے' چاہے یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو"۔ اسی سورۃ المؤمن کی آیت نمبر ۶۰ بھی اس موضوع پر بہت اہم ہے۔ فرمایا:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝﴾

"اور تمہارے رب نے یہ فرمایا ہے کہ مجھے پکارو! میں تمہاری پکار سنوں گا' (تمہاری دعائیں قبول کروں گا) حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ بربنائے تکبر اور گھمنڈ میں آکر میری عبادت سے اعراض کرتے ہیں (منہ موڑتے ہیں) وہ جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر"۔

اس آیت سے استدلال کیا جائے گا کہ عبادت اور دُعا ایک ہی ہے۔ ممکن ہے کہ اسی آیت کی تشریح و تفسیر میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہو کہ ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) اور ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ)) —— غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ کے پہلے حصہ میں دُعا کا اور دوسرے حصہ میں عبادت کا ذکر آیا ہے تو آپ خود بھی کسی تامل کے بغیر اس نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ دُعا اور عبادت ایک ہی عمل کے دو رُخ ہیں' اس میں کسی اشتباہ کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔

آگے اس سورۂ مبارکہ کی آیت نمبر ۶۵ ہے جس میں یہ بات پھر آئی۔ فرمایا :

﴿ هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ﴾

"وہ (اللہ) الحی ہے' ہمیشہ ہمیش زندہ رہنے والا ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس اسی کو پکارو دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ کل شکر و سپاس اور تعریف و ثناء اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا مالک اور پروردگار ہے"۔

دیکھئے یہاں اس آیت میں توحید کے ذکر سے آغاز ہوا اور توحید کے بیان پر ہی اس آیت کا اختتام ہوا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ شہادتین کا پہلا جزو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کلمۂ توحید ہے۔ اسی طرح جان لیجئے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ بھی کلمۂ توحید ہی ہے جو نہ صرف سورۃ الفاتحہ کی (جس کو اُم القرآن اور اساس القرآن کے نام بھی دیئے گئے ہیں) پہلی آیت ہے بلکہ قرآن مجید کی بھی پہلی آیت ہے۔

اسی سورۂ مبارکہ کی آیت نمبر ۶۶ میں بھی عبادت کے بدل کے طور پر دعا ہی کا ذکر آیا ہے۔ فرمایا :

﴿ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ﴾

"اے نبیؐ! ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ مجھے تو ان ہستیوں کی عبادت سے منع کر دیا گیا ہے جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو (میں یہ کام کیسے کر سکتا ہوں) جب کہ میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے بینات (کھلی کھلی نشانیاں) آ چکی ہیں۔ مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کے آگے سرِ تسلیم خم کر دوں اور اس کا فرماں بردار و مطیع بندہ بن کر رہوں"۔ (۳)

آپ نے دیکھا کہ سورۃ الزمر میں عبادت کا کس قدر تاکید اور شدومد کے ساتھ بیان ہے' اطاعت کو اللہ ہی کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ اور اگلی سورت سورۃ المؤمن میں دُعا کا ذکر آ گیا' لیکن دُعا بھی اللہ ہی کے لئے اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے۔ اس طرح انفرادی سطح کے خارجی اور باطنی دونوں پہلوؤں کا احاطہ ہو گیا۔

# دعوت اِلی اللہ : دعوتِ توحید

انفرادی توحید جب فرد سے آگے بڑھے گی تو یہ کام توحید کی دعوت کی شکل اختیار کرے گا۔ یعنی لوگوں کو اللہ کی توحید کی طرف بلانا اور پکارنا ـــــ چنانچہ اسی سورۃ المؤمن میں اس ضمن میں مؤمن آلِ فرعون کا ایک قول نقل ہوا ہے۔ ہوا یہ تھا کہ آلِ فرعون میں سے ایک بڑی باا ثر شخصیت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھی، جو بڑے پائے کے درباری بھی تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے ایمان کو چھپائے رکھا تھا، تا آنکہ جب وہ مرحلہ آیا کہ فرعون نے کہا کہ اب میں موسیٰ کو قتل کر کے رہوں گا۔ اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ میرے درباریوں میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کچھ حامی (Supporters) موجود ہیں۔ اگر اسے یہ اندازہ نہ ہوتا تو اسے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی بات رکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنے دربار میں تجویز پیش کرتا ہے کہ ﴿ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی ... ﴾ "مجھے چھوڑو! میں موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کئے دیتا ہوں"۔ حالانکہ خدائی کا دعوے دار ہے، دنیا میں بادشاہوں کا یہ حال ہوتا ہے۔ اگر اس کے منصب دار اس کا ساتھ نہ دیں، اس کے پنج ہزاری، بیس ہزاری، تیس ہزاری اس کی پشت پر نہ ہوں، اس کی فوج کے بڑے بڑے جرنیل اور سپہ سالار اور دوسرے باا ثر لوگ اس کے ساتھ نہ ہوں تو اکیلے بادشاہ سلامت کیا کریں گے! یہی وجہ ہے کہ جب فرعون کو اندازہ ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا اثر میرے چند درباریوں پر بھی ہو چکا ہے تو اس نے قدم اٹھانے سے پہلے ضروری سمجھا کہ اپنے درباریوں سے استصواب کر لے اور ان کی رائے اور تائید حاصل کر لے۔ اسی لئے اس نے دربار میں کہا : ﴿ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی ﴾ "اب مجھے اجازت دو کہ مَیں موسیٰ کو قتل کر دوں"۔

## مؤمن آلِ فرعون کی تقریر

اس موقع پر وہ مؤمن آلِ فرعون کھڑے ہو گئے ـــــ اس سورت کا نام ہی سورۃ "المؤمن" ہے۔ اس لئے کہ ان مؤمن آلِ فرعون کی تقریر اس سورت میں بڑی تفصیل سے آئی ہے ـــــ پورے قرآن مجید میں کسی نبی یا رسول کی اتنی طویل تقریر نقل نہیں

ہوئی ہے جتنی ان مؤمن آلِ فرعون کی ـــــ مؤمن آلِ فرعون اس موقع پر کھڑے ہو گئے' اس لئے کہ یہ بڑا نازک مرحلہ تھا۔

انہوں نے نہایت مؤثر تقریر کی جو قرآن میں نقل ہوئی ہے' جس کے نتیجہ میں فرعون کو' جو خدائی کا دعوے دار اور مدعی تھا' اپنا Resolution واپس لینا پڑا ـــــ ان کی تقریر کا پورے دربار پر اتنا اثر ہوا کہ پھر فرعون کو جرأت نہیں ہوئی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہاتھ ڈالے۔ اب آیئے مؤمن آلِ فرعون کے اس قول کی جانب جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔

## مؤمن آلِ فرعون کی دعوتِ توحید

اس تقریر میں وہ مؤمن آلِ فرعون کہتے ہیں : ﴿ وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۝ ﴾ اے میری قوم کے لوگو! کیا معاملہ ہے' غور کرو' میں تمہیں نجات کی دعوت دے رہا ہوں' میں تمہیں اس راستہ کی طرف پکار رہا ہوں جو فوز و فلاح اور رشد و کامرانی کی طرف لے جانے والا ہے اور تم مجھے آگ کی طرف بلا رہے ہو۔ ﴿ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۝ ﴾ تم تو مجھے دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور اس کے ساتھ شرک کروں جس کے لئے کوئی علم اور کوئی سند یا دلیل میرے پاس نہیں ہے۔ اور میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں اس ہستی کی طرف جو العزیز ہے الغفار ہے۔ ہر نوع اور ہر قسم کے اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہیں اور وہ بہت معاف فرمانے والا ہے۔

## دعوتوں کا فرق

مؤمن آلِ فرعون کے ان اقوال میں یہ بات بھی واضح طور پر آ گئی ہے کہ دنیا میں دونوں دعوتیں بیک وقت موجود رہتی اور چلتی ہیں۔ توحید اور ایمان کی دعوت بھی اور کفر و شرک کی دعوت بھی ـــــ قیامت تک یہ دعوتیں چلیں گی۔ جیسے علامہ اقبال نے اس شعر میں کہا ہے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز ۔۔۔ چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی!!

داعیانِ حق بھی رہیں گے اور داعیانِ باطل بھی رہیں گے' اور ان میں سے بھی رہیں گے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور کہلواتے ہیں۔ کیا جلال الدین اکبر اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتا تھا؟ کیا اِس دور میں بھی کچھ ایسے لوگ موجود نہیں ہیں جو مسلمانوں جیسے نام رکھ کر اور خود کو مسلمان کہلا کر الحاد' زندقہ' بے حجابی' بے پردگی' اباحیت اور نہ معلوم کس کس ضلالت کی طرف دعوت دینے میں نہایت منظم طریق اور بہترین تکنیک سے مصروف ہیں! ایسے لوگ موجود ہیں اور یقیناً موجود ہیں۔ ان کی اکثریت ذرائع ابلاغ اور بڑے بڑے کلیدی مناصب پر فائز ہے اور وہ ہمارے معاشرے میں اسلامی فکر اور اسلامی اقدار میں سرنگیں لگا رہے ہیں اور اسلام کی جڑیں کھود رہے ہیں۔ ہمارے اسی معاشرے میں حدود اللہ کا تمسخر و استہزاء اور اس سے بغاوت کرنے والے موجود ہیں اور اسی کی دعوت دینے اور ترویج میں لگے ہوئے ہیں' اسی کام میں وہ اپنی بہترین صلاحیتیں اور توانائیاں لگا رہے ہیں۔

لہٰذا دنیا میں دعوتیں ہمیشہ دونوں موجود رہی ہیں ـــــ ایک ہے توحید کی دعوت اور ایک ہے کفر کی دعوت۔ ایک دعوت ہے اسلام کی' ایک ہے شرک اور الحاد کی ـــــ اور ہمارے معاشرے میں بھی بالفعل و بالقوۃ یہ مختلف دعوتیں موجود ہیں' بلکہ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ باطل کی دعوت بہت منظم اور ہمہ گیر ہے۔ اس کے داعیان بڑے عیار اور چالاک ہیں' پھر ذرائع ابلاغ پر ان کی گرفت بہت مضبوط ہے جس کے ذریعے وہ معاشرے میں گمراہی پھیلا رہے ہیں۔ وہ ہماری ان کمزوریوں سے خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں جو ایک طرف ﴿ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ○ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ○ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ ○ ﴾ کے ذیل میں آتی ہیں' دوسری طرف ان کا سبب ڈیڑھ دو صدیوں تک انگریزوں کا سیاسی استیلاء ہے جس کے باعث سیاسی غلبہ ختم ہو جانے کے باوجود بھی ہماری ذہنی مرعوبیت اور غلامی میں کمی ہونے کے بجائے روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ دراصل ہمارا نصاب اور نظامِ تعلیم انہی فکری اساسات پر مبنی ہے جو ملحدانہ اور مادہ پرستانہ ذہنیت وجود میں لاتی ہیں' ان کی نشوونما کرتی ہیں اور مسلمان نما ملحدوں کی معاشرے میں کثرت کا باعث بنتی ہیں۔

## ایک مؤحد کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہئے؟

سورۃ حم السجدۃ کی آیت نمبر ۳۳ بڑی پیاری اور مہتم بالشان آیت ہے' فرمایا :

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾

"اس شخص سے بہتر بات اور کس کی ہو گی جو اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہو اور اس کا عمل بھی صالح ہو اور کہے میں بھی فرماں برداروں میں سے ہوں۔"

یوں تو سب کے پاس زبانیں ہیں اور آج کل قلم ہیں اور چھاپنے کے لئے اخبارات و رسائل ہیں۔ اخبارات اور رسائل اب انڈسٹری کی صورت اختیار کر چکے ہیں' یہ صحافت نہیں رہی۔ صحافت کا نام خواہ مخواہ بدنام ہو رہا ہے۔ یہ ایک کاروبار ہے۔ جس طرح ایک کاروبار اور انڈسٹری کا کام یہ ہے کہ معاشرے میں جس چیز کی طلب ہو اُسے وہ مہیا اور پیدا کریں گے' یا پھر کسی ایسی چیز کی معاشرے میں مانگ (demand) پیدا کریں گے جس میں ان کو غیر معمولی منفعت کا یقین ہو' چاہے وہ شے نفسانی خواہشات کو مہمیز کرنے والی ہی کیوں نہ ہو' پھر اس کو سپلائی کرنے کے لئے مسابقت کریں گے۔ اس لئے کہ معاشرے میں طلب اسی کی ہے۔ انہیں تو اپنا پرچہ بیچنا ہے' پیسہ کمانا ہے۔ اس کے سوا اُن کے سامنے کوئی اصول نہیں' کوئی اعلیٰ قدر نہیں' کسی ذمہ داری کا احساس نہیں۔ جو کسی نے لکھ کر بھیج دیا شائع کر دیا۔ پرچے کا پیٹ بھرنا ہے۔ قارئین کی تفریح اور دلچسپی کا سامان مہیا کرنا ہے۔ کچھ نہیں سوچنا کہ لکھنے والا کفر لکھ رہا ہے' شرک لکھ رہا ہے' فحش لکھ رہا ہے' اللہ کے دین کا مذاق اڑا رہا ہے' شعارِ دینی کا تمسخر اور اقدارِ دینی کا استہزاء کر رہا ہے۔ قرآنی آیات کے تراجم و مطالب میں تحریف کر رہا ہے اور احادیث کو بازیچۂ اطفال بنا رہا ہے۔ پھر اخبارات و رسائل میں کثرت کے ساتھ لوگوں کی نگاہوں کو دعوتِ زنا دینے والی تصاویر شائع کی جا رہی ہیں۔ انہیں زیادہ سے زیادہ دیدہ زیب اور دلکش بنایا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ اُس ملک میں دھڑلے سے ہو رہا ہے جس کے قیام کا مقصد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بتایا گیا تھا اور جس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے ـــــ اور جس میں کوئی دن نہیں جاتا کہ یہ نوید نہ سنائی جاتی ہو کہ اس ملک میں جلد ہی اسلامی نظام آ رہا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اس دَور میں بھی دعوتیں بہت سی ہیں' زبان بھی ہے' قلم بھی ہے۔ جو جس کے جی میں آرہا ہے کہہ رہا ہے اور لکھ رہا ہے۔ لیکن فرمایا : اس شخص سے بہتربات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہو' لوگوں کو بلا رہا ہو اور اس کے ساتھ اس کا عمل بھی دعوت کی مناسبت سے صالح ترین اور خلوص و اخلاص پر مبنی ہو۔ وہ خود اس پر کاربند ہو۔ یہ نہ ہو کہ اوروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت والا معاملہ ہو رہا ہے۔ بلکہ نقشہ یہ ہو کہ جو بات وہ کہہ رہا ہو اس پر سرتاسر خود عامل بھی ہو۔

یہ مفہوم و مطلب ہوا ان دو باتوں کا کہ : ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا ﴾ ـــــ آگے تیسری بات یہ فرمائی : ﴿ وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ "اور کہے میں بھی مسلمانوں میں سے ہوں" یعنی کوئی نیا فرقہ نہ بنایا جائے' بلکہ کہا جائے کہ میں بھی اللہ کے فرماں برداروں میں سے ایک ہوں' یعنی مَیں بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے پیرو کاروں اور اللہ کی توحید پر ایمان رکھنے والوں میں سے ایک ہوں۔ میں بھی یوم جزا کا یقین رکھنے والوں میں سے ایک ہوں ـــــ ان ہی باتوں کے اقرار کا نام اسلام ہے۔ اپنا ایک علیحدہ تشخص بنانا اور مسلمانوں میں ایک نئے فرقہ کی بنیاد ڈال دینا' اس سے بچنا چاہئے۔

## اجتماعی زندگی میں توحید کے تقاضے

انفرادی توحید سے عملی توحید کی طرف پیش رفت کے ضمن میں دعوت الی اللہ کا مرحلہ سورۂ حٰم السجدۃ میں آیا۔ اب آیئے سورۃ الشوریٰ کی طرف جہاں اجتماعی زندگی اور معاشرتی نظام میں بھی توحید ہی کے روح رواں ہونے کا تقاضا ہے۔

آیت نمبر ۱۳ سورۃ الشوریٰ کی مرکزی آیت ہے۔

﴿ شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ط کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ ط اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ○ ﴾ (الشوریٰ ۱۳)

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ ﴾ "(اللہ نے) مقرر کیا ہے تمہارے لئے دین"۔ یہاں پوری امت سے خطاب ہے کہ تم سب کے لئے یہی دین (اسلام) مقرر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا : ﴿ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ "بے شک اللہ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہے۔"

## اُمّت کا جامع اور ہمہ گیر مفہوم

صرف ہم ہی حضور ﷺ کی امت نہیں ہیں' بلکہ نبی اکرم ﷺ کی اُمت دعوت تو پوری نوعِ انسانی ہے۔ آپ تاقیامِ قیامت ہر مکان و زمان کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ازروئے آیاتِ قرآنیہ : ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ﴾ اور ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ ـــــ لہٰذا پوری نوع انسانی نبی اکرم ﷺ کی "اُمت دعوت" ہے۔ جن لوگوں نے آنحضور ﷺ کی دعوت کو قبول کر لیا یا آئندہ کریں گے وہ "امت اجابت" میں شامل ہیں یا ہو جائیں گے۔ امت اجابت کے معنی ہوں گے تصدیق و تسلیم کرنے والی امت ـــــ ہمارا حال کچھ بین بین ہے۔ عملاً تو ہم نے قبول کیا ہوا نہیں ہے۔ ہم نام کے اور نسلی مسلمان ہیں۔ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ ہماری عظیم اکثریت فرائض دینی کی تارک اور شعائر دینی کی پابندی سے عاری ہے۔ نفس پرستی' زرپرستی' قبرپرستی' تعزیہ پرستی اور نہ معلوم کتنی اور پرستیوں میں مبتلا ہے۔ زمانے کے چلن کی پرستش ہے۔ نظریاتی سطح پر ملحدانہ اور مادہ پرستانہ کئی نظریات ہمارے فہیم طبقے کے قلب و ذہن پر مستولی ہیں ـــــ ان اعتبارات کے پیش نظر ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ کی دعوت پر فی الواقع اور بالفعل لبیک کہا ہے' البتہ ہم دعوے دار اس بات کے ضرور ہیں کہ ہم جیسے کچھ بھی ہیں بہرحال محمد ﷺ کے نام لیوا اور آنحضورؐ کے امتی ہیں۔

## اُمّتِ دعوت اور اُمّتِ اجابت

جو بھی رسول اللہ ﷺ اور قرآن حکیم کا مخاطب ہے وہ امتِ دعوت میں سے ہے' اور جو بھی اس دعوت پر لبیک کہہ کر اور اس کو قبول کر کے اس میں شامل ہو گیا وہ امت اجابت میں سے ہے۔ امتِ اجابت کو قرآن حکیم فرقان حمید ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ سے

خطاب کرتا ہے ـــــ ان دونوں ہی سے سورۃ الشوریٰ کی اس آیت میں خطاب ہے۔

## آیت کی تفہیم و تشریح

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ ﴾ "(لوگو!) تمہارے لئے اللہ نے وہی دین مقرر کیا ہے" کونسا دین؟ ﴿ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا ﴾ "جس کی اس نے وصیت کی تھی نوح علیہ السلام کو" ﴿ وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ﴾ "اور جو ہم نے وحی کیا ہے (اے محمد ﷺ) آپ کی طرف" ـــــ یہاں اِلَيْكَ واحد کا صیغہ ہے' لہٰذا مراد ہوں گے محمد ﷺ ـــــ ﴿ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى ﴾ "اور جس کی وصیت کی تھی ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو" (علٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ) یہاں پانچ رسولوں کا ذکر آیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا اور حضرات نوح' ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کا۔ اور یہی وہ پانچ رسول ہیں جن کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ اولوالعزم من الرسل ہیں۔ بعض علماء اس فہرست میں حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کو بھی شامل کرتے ہیں' لیکن علمائے سلف کی اکثریت کا رجحان ان ہی پانچ رسولوں کی طرف ہے جن کا ذکر یہاں آیا ہے۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر حضور ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا گیا ہے : ﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ﴾ "پس (اے محمد ﷺ) آپ صبر کیجئے جیسے (ہمارے) باہمت اور صاحب عزیمت رسول صبر کرتے رہے ہیں"۔ یہاں اولوالعزم رسولوں سے یہی رُسل مراد ہیں۔ آیت کے اس ٹکڑے میں اہم بات یہ بیان ہوئی کہ ان سب رسولوں کا دین ایک ہی ہے۔ جو دین جناب محمد ﷺ لے کر آئے وہی دین لے کر آئے حضرت نوح علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ پس دین میں کوئی فرق نہیں۔ یہ بڑی اہم بات ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ رسولوں کی شریعتیں مختلف رہی ہیں' اس میں کوئی شک نہیں۔ نماز کی جو شکل ہمارے یہاں ہے یہ شکل شریعت موسوی میں نہیں تھی۔ روزے کے جو احکام ہمارے یہاں ہیں وہ بنی اسرائیل کے روزوں کے احکام سے مختلف ہیں۔ لہٰذا شریعتوں میں فرق رہا ہے۔ البتہ دین ایک ہی رہا ہے۔ یہ بات اچھی طرح نہ سمجھیں گے تو "اَقِيْمُوا الدِّيْنَ" کا حقیقی مفہوم سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اس

لئے اس فرق کو اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔

## جملہ انبیاء و رُسل کا دین ——— دین توحید

تمام انبیاء و رُسل کے مشترک دین کو واقعتاً ایک لفظ سے تعبیر کریں گے تو وہ ہو گا "دین توحید"۔ حضرت نوح کا دَور ہو' حضرت ابراہیم کا دَور ہو' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کا دَور ہو (علیٰ و نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام) اور نبی خاتم الرسل آخر الزمان جناب محمد ﷺ کی دعوت ہو' ان سب کا دین ایک ہی رہا ہے اور وہ ہے دین توحید۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب نبی اکرم ﷺ تک ہر نبی اور رسول اسی دعوت توحید پر مامور ہوتے رہے ہیں۔ توحید کی دعوت ایک نقطۂ واحدہ ہے جو سب کی دعوت میں مشترک ہے۔ اس میں کسی دور میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ توحید کیا ہے! یہ کہ انسان کو ہر معاملہ میں اللہ کا حکم ماننا ہے' اس کی ہدایت پر چلنا ہے۔ یہی تاکید جنت سے حضرت آدم علیہ السلام کے ہبوطِ ارضی کے موقع پر کر دی گئی تھی : ﴿ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○ ﴾ توحید کا اصل تقاضا یہ ہے کہ اس کی بھیجی ہوئی ہدایت اور اوامر و نواہی کے مطابق اس دنیا کی زندگی بسر کی جائے۔ تمام انبیاء و رُسل کی دعوت کا مرکزی نقطہ یہی توحید رہا ہے ——— قرآن مجید میں جن انبیاء و رُسل کا ذکر آیا ہے آپ ان سب کو پڑھ جایئے' سب کی دعوت یہی ملے گی کہ : ﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾

## شریعتیں جُدا رہی ہیں

مختلف رسولوں کے دَور میں شریعت کے احکام بدلتے رہے ہیں۔ اس ضمن میں اللہ کا حکم ایک وقت میں ایک ہے دوسرے وقت میں دوسرا ہے۔ لیکن توحید وہی ہے۔ اُس وقت اُس حکم کی اطاعت کر لینا توحید تھی' اِس وقت اِس حکم کی تعمیل کرنا توحید ہے۔ اس بات کی وضاحت کے لئے مختلف شریعتوں کے فرق کو بیان کرنے کے بجائے خود نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے ایک مثال پیش ہے جس سے ان شاء اللہ بات واضح طور پر سمجھ میں آ جائے گی۔ ہجرت کے بعد تقریباً سولہ مہینے آنحضور ﷺ نے بیت المقدس کی طرف

رخ کر کے نماز پڑھی' تا آنکہ حکم آ گیا : ﴿ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾
"پس آپ پھیر دیجئے اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف" اس پر بعض صحابہ کرامؓ میں ایک بے چینی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس لئے کہ ان کو خوب اندازہ تھا کہ نماز تو عماد الدین ہے' دین کا ستون ہے' رکنِ رکین ہے' بلکہ ایمان اور کفر میں امتیاز کرنے والی چیز در حقیقت یہ صلوٰۃ ہے۔ اس کی دین میں بہت اہمیت ہے۔ ان کو خیال آیا کہ اگر سولہ مہینے ہم نے غلط رخ پر نماز پڑھی تو ہماری ان نمازوں کا کیا ہو گا؟ دوسرے یہ کہ اس دوران جن مسلمانوں کا انتقال ہو گیا اب ان کا کیا ہو گا؟ پس منظر میں یہ تشویش موجود تھی جس کے ازالے کے لئے اسی مقام پر یہ الفاظ آئے ہیں : ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ﴾
"اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان ضائع کرنے والا نہیں ہے" فکر نہ کرو۔ اُس وقت تم نے اگر بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تو حکمِ خداوندی وہی تھا۔ اس وقت اسی اللہ کا حکم یہ ہے کہ مسجد حرام کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو۔ تو اُس وقت توحید کا تقاضا وہ تھا' اِس وقت اسی توحید کا تقاضا یہ ہے۔ گویا حکم بدل سکتا ہے' اصول نہیں بدلے گا۔ اصول یہ ہے کہ اللہ کے حکم پر چلنا ہے۔ جس وقت جو حکم ہے اسے ماننا ہو گا۔

اسی طریقے سے دوسری مثال سیرتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں دیکھئے۔ مکی دور میں حکم ہے کہ مشرکین اگر تمہیں دہکتے انگاروں پر لٹا رہے ہیں تو جھیلو' برداشت کرو' ہاتھ مت اٹھاؤ۔ اُس وقت اس حکم کی اطاعت کرنا اللہ کی اطاعت تھی۔ جبکہ مدنی دور میں آ کر حکم ہوا ہے : ﴿ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ ﴾ "اور جنگ کرو اللہ کے راستے میں ان سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں"۔ اب اِس حکم پر عمل کرنا توحید ہے' اللہ کی اطاعت ہے۔ اللہ کی اطاعت وہاں وہ تھی یہاں یہ ہے۔ اللہ کی اطاعت کا اصول قائم رہے گا اگرچہ حکم بدل گیا ــــــ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت کچھ اور تھی جس کا ہمارے پاس کوئی ریکارڈ نہیں۔ ہمارے پاس اگر ریکارڈ ہے تو وہ شریعت موسویؑ کا ہے۔ اور ان شریعتوں کے فرق کو عام طور پر لوگ جانتے ہیں۔ پس شریعتیں بدلی ہیں' جدا رہی ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ یہ الفاظ بھی آئے ہیں : ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾
"ہم نے تم (انسانوں) میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور راہِ عمل مقرر کی"۔

سابقہ امتیں اگر اُن کو دی ہوئی شریعتوں پر کاربند رہیں تو انہوں نے توحید کا تقاضا پورا کیا۔ اب شریعتِ محمدی ـــــ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ـــــ پچھلی تمام شریعتوں کی ناسخ ہے۔ اب اس پر چلنا توحید اور اطاعت الٰہی کا تقاضا ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ تورات کا ایک نسخہ لے آئے تھے اور اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنا شروع کیا۔ (میرا یہ گمان ہے کہ وہ کسی مسئلہ [illegible] کے طور پر تورات کو پڑھ رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا رہے تھے) وہ تو پڑھنے میں لگے رہے اور ان کو اندازہ نہیں ہوا کہ حضورؐ کے چہرۂ مبارک پر ناراضگی کے آثار ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قریب تھے، انہوں نے حضرت عمرؓ کو ٹوکا "دیکھتے نہیں ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کا کیا حال ہے!" ـــــ حضرت عمرؓ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا اور ان کو حضورؐ کے چہرۂ انور پر خفگی کے آثار نظر آئے تو فوراً ان کی زبان سے یہ الفاظ جاری ہو گئے : "رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلاً وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا" تین بار انہوں نے ان الفاظ کا اعادہ کیا۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ فرو ہوا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے عمر! اگر موسیٰؑ بھی اِس وقت زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اطاعت کئے بغیر چارہ نہیں تھا" اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ اس لئے کہ تمام سابقہ شریعتیں شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے آنے کے بعد منسوخ ہو چکی ہیں ـــــ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ اگرچہ انبیاء و رُسل علیہم السلام کی شریعتیں مختلف رہی ہیں، تاہم دین ایک ہی رہا ہے اور وہ ہے "دینِ توحید"۔

## دین اور شریعت میں ربط و تعلق

اب دیکھیں کہ دین اور شریعت میں کیا ربط و تعلق ہے۔ دیکھئے جدید سیاسیات میں دو اصطلاحات رائج ہیں۔ ایک دستور (Constitution)، دوسری قانون (Law)۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ دستور (Constitution) وہ دستاویز ہے جو کسی بھی ملک کے نظام کو متعین کرتی ہے۔ اساسی دستور میں طے ہوتا ہے کہ اس ملک میں حاکمیت کس کی ہے۔ حاکم (Sovereign) کون ہے؟ اور حاکمیت کس طرح استعمال (channelize)

ہوگی؟ وہ روبعمل (exercise) کس طور پر ہوگی۔ اس دستور کے تحت قانون سازی کا طریقہ کیا ہوگا؟ اس میں ردّوبدل کیسے ہوگا؟ انتظامیہ اور عدلیہ میں باہمی ربط و تعلق کیا ہوگا؟ ایک دوسرے کے محاسبہ اور توازن (checks and balances) کا نظام کیا ہوگا؟ ان بنیادی مسائل کے لئے رہنمائی دینے والی دستاویز اساسی دستور کہلاتی ہے۔ ہر ملک کے دستور میں اس بات کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ اساسی دفعات بہت پائیدار اور مضبوط ہوں۔ چونکہ دستور میں باربار ترمیم مناسب نہیں ہوتی للذا تبدیلی کا طریقہ (process) مشکل ترین رکھا جاتا ہے۔ اس دستور کے تحت حسب ضرورت اکثریت کی رائے سے قانون سازی ہوتی رہتی ہے' اور قانون صرف ۴۹ اور ۵۱ فیصد آراء کے فرق سے ہر وقت تبدیل بھی ہوسکتا ہے۔ ایک وقت میں لیجسلیٹو اسمبلی یا پارلیمنٹ ایک قانون منظور کرتی ہے اور دوسرے وقت میں اس کو تبدیل کر دیتی ہے یا اس میں ترمیم (amendment) کر دیتی ہے۔ وہ ترمیم چھپ جاتی ہے اور وکلاء حضرات اس طرح قانون کی کتاب میں چیپیاں لگاتے رہتے ہیں ـــــ ان دونوں اصطلاحات سے یہ بات سمجھ لیجئے کہ دستور کی حیثیت ہے دین کی اور قانون کی حیثیت ہے شریعت کی۔

## لفظ دین کا مفہوم

آگے بڑھنے سے قبل لفظ دین کے مفہوم کو بھی اچھی طرح سمجھ لیا جائے جس کی تشریح ابتدائی گفتگو میں مؤخر کی گئی تھی۔ عربی میں دین کے لغوی معنی ہیں "بدلہ"۔ ظاہر ہے کہ بدلہ کسی کام کے نتیجہ کے طور پر ملتا ہے۔ اچھے کام کا اچھا اور برے کام کا برا بدلہ ـــــ للذا لفظ دین میں جزا و سزا کا مفہوم پیدا ہوا۔ اس مفہوم سے لفظ دین میں قانون اور ضابطہ کا تصور شامل ہوا' کیونکہ جزا اور سزا مستلزم ہے کسی قانون اور ضابطہ کو۔ اس تصور کے مقتضیات و لوازم کے طور پر اسی لفظ دین میں ایک مقنن اور مطاع کا مفہوم داخل ہوا۔ اب بدلہ' جزا و سزا' قانون و ضابطہ اور مقنن و مطاع کے تمام مفاہیم کو جمع کیجئے تو حاصل جمع ہوگا اطاعت۔ للذا ان تمام مطالب و مفاہیم اور تصورات کے اجتماع سے قرآن مجید کی اصطلاح "دین" بنی۔ دین کے معنی ہوئے ایک دستور' ایک پورا نظامِ حیات' ایک

مکمل ضابطۂ زندگی جس میں ایک ہستی یا ادارے کو مطاع، مقنن اور حاکم مطلق تسلیم کر کے اس کی جزاء کی امید اور سزا کے خوف سے اس کے عطا کردہ یا جاری و نافذ کردہ قانون اور ضابطہ کے مطابق اس ہستی یا ادارے کی کامل اطاعت کرنا۔

ان تمام مفاہیم کو قرآن مجید میں ان الفاظ مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے : ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ﴾ بلاشبہ اللہ کا پسند کردہ نظامِ حیات تو اسلام یعنی مکمل فرماں برداری ہے۔ یہاں دین اور اسلام کے فرق کو بھی سمجھ لیجئے۔ "الدِّیْن" کے معنی یہاں ہیں "نظامِ حیات و اطاعت" اور الاسلام کے معنی ہوں گے تابعداری اور فرمانبرداری کرتے ہوئے زندگی بسر کرنا۔ نظامِ حیات اور دستور کے معنی میں یہ لفظ "دین" سورۃ النصر میں استعمال ہوا : ﴿یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا○﴾ غیراللہ کے بنائے ہوئے نظامِ حیات پر بھی اسی "دین" کی اصطلاح کا اطلاق ہو گا۔ جیسے سورۃ یوسف میں بادشاہ کے رائج نظام کے لئے "دین الملک" استعمال ہوا، کیونکہ ملوکیت میں حاکمیت مطلقہ بادشاہ کے ہاتھوں میں ہوتی ہے اور وہ کسی تحدید کا پابند نہیں ہوتا۔

## دستور و قانون کا باہمی تعلق

اب پھر رجوع کیجئے اس بات کی طرف کہ دستور تو اصل میں نظام کو طے کرتا ہے اور اس نظام کے تحت قانون کا عمل جاری و ساری رہتا ہے۔ لہٰذا دستور کی حیثیت ہے دین کی اور قانون کی حیثیت ہے شریعت کی۔ دستور طے کرتا ہے کہ حاکمیت کس کی ہے، اطاعت مطلقہ کس کی ہے؟ قانون سازی کا آخری اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ اللہ کے دین میں حاکمیت مطلقہ صرف اور صرف اللہ کے لئے ہے۔ اطاعت مطلقہ کی سزاوار اسی کی ذات عزوجل ہے۔ اس کی قائم کردہ حدود کے اندر اندر رہتے ہوئے اسلامی ملک کی پارلیمنٹ کو قانون سازی کا حق حاصل ہے۔

## جمہوریت

دورِ حاضر میں سب سے زیادہ مقبول اور روبعمل نظام جمہوریت ہے۔ گویا آج کل سب سے زیادہ رواں جمہوریت کا سکہ ہے۔ علامہ اقبال نے کہا تھا ؎ "سلطانیِ جمہور کا

آتا ہے زمانہ!" یہاں "آتا" کو "آیا" سے بدل دیجئے تو یہ دَورِ جمہوریت کا دَور ہے۔ یہ بھی ایک دین ہے' دینِ جمہور۔ اس کی اصل یہ ہے کہ حاکمیت مطلقہ عوام کی ہے۔ عوام کے منتخب کردہ نمائندے جو چاہیں گے قانون بنائیں گے۔ انہیں اختیار ہے کہ شراب پر پابندی لگائیں یا اسے قومی مشروب قرار دیں۔ ان کو اختیار ہے کہ زنا پر کوئی سزا طے کریں یا اس کی کھلی چھوٹ دے دیں۔ اسی جمہوریت نے یہ گل کھلائے ہیں کہ بعض مغربی ممالک میں فعل قومِ لوط کو نہ صرف جائز قرار دیا گیا ہے' بلکہ اس فعل کو اس طرح قانونی تحفظ دیا گیا ہے کہ دو مرد بھی آپس میں شوہر اور بیوی کا رشتہ قائم کر کے رہ سکتے ہیں' قانون ان سے کوئی تعرض نہیں کرے گا۔ چونکہ ان کا قانون اس جوڑے کو جائز رشتہ ازدواج میں منسلک قرار دیتا ہے لہٰذا ان پر شوہر اور بیوی کے تمام حقوق و فرائض کا اطلاق ہو گا۔ یہ ہے جمہوریت جس میں حاکمیت مطلقہ عوام کے ہاتھ میں ہے۔ ان کے نمائندے جو چاہیں قانون بنائیں' ان پر کوئی تحدید نہیں ہے۔

## دینِ اللہ

دین الملک اور دین جمہور کے مقابلے میں دین اللہ' یعنی دین اسلام کیا ہے؟ وہ یہ کہ مطاعِ مطلق اللہ ہے۔ قانون سازی کا مطلقاً اختیار اللہ کو ہے۔ ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ "حکمرانی اور فرماں روائی کا کلیتاً اختیار صرف اللہ کے لئے ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی بندگی کی جائے گی' اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں ہو گی۔ اسی طرزِ عمل اور رویہ کا نام دین قیم ہے"۔ اسلامی مملکت میں اللہ کی حاکمیت مطلقہ تسلیم کی جائے گی اور اللہ کے نازل کردہ دین و شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے حسب ضرورت قانون سازی ہوتی رہے گی۔ اصولِ دین سے کسی حال میں سرمو انحراف نہیں کیا جائے گا۔

## ہمارے دستور کی قراردادِ مقاصد

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور چند دوسرے اہل علم و دانش کے تعاون سے مرتب کردہ قراردادِ مقاصد ۱۹۴۹ء میں پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے منظور کی تھی جو

۱۹۷۳ء کے دستور تک ہر دستور میں بطورِ افتتاحیہ (Preamble) شامل ہے۔[۴] اس قرارداد میں یہ بات طے کی گئی تھی کہ اس سلطنتِ خداداد میں حاکمیت اللہ کی ہے اور عوام کے منتخب نمائندے اس کے نائب کی حیثیت سے امور و کاروبارِ حکومت چلائیں گے۔ وہ بہت اہم اور بڑا فیصلہ تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ فیصلہ دلی آمادگی سے نہیں کیا گیا تھا۔ یہ تو مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی شخصیت' ان کی علمیت' ان کی وجاہت اور ان کا پاکستان کی تحریک میں بھرپور حصہ' پھر عوام و خواص میں ان کی عزت و احترام اور ان کا اثر و رسوخ' ان سب باتوں کا رعب اتنا تھا۔ پھر یہ کہ نواب لیاقت علی خان مرحوم خود بھی مولانا کے کچھ زیر اثر تھے' لہٰذا قراردادِ مقاصد پاس ہو گئی' ورنہ مجھے امید ہے کہ اس مجلس میں چند لوگ ایسے ضرور ہوں گے جن کو یاد ہو گا کہ قراردادِ مقاصد کے منظور ہونے کے بعد دستور ساز اسمبلی میں کچھ نام نہاد مسلمانوں ہی نے کھڑے ہو کر یہ کہا تھا کہ اس قرارداد کے پاس ہونے پر آج ہماری گردنیں شرم کے مارے جھک گئی ہیں' آج ہم مہذب دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ حقیقت یہی ہے کہ بات چونکہ دل سے نہیں نکلی تھی لہٰذا اثر انگیز نہیں ہوئی۔ اندر خاص شخصیتوں کے دباؤ تھے' پھر خارج میں جماعت اسلامی کی برپا کردہ اسلامی دستور کی تدوین کے لئے کافی مؤثر تحریک تھی' جس کے نتیجہ میں اسمبلی میں خطوط' پوسٹ کارڈز اور تاروں نیز مختلف پلیٹ فارموں سے منظور شدہ مطالبوں کی قراردادوں کی نقول سے بوریوں پر بوریاں بھر گئی تھیں اور ان کا تانتا بندھا ہوا تھا' ملک نیا نیا بنا تھا' عوامی دباؤ کا بھی یہ نیا تجربہ تھا' لہٰذا برسراقتدار لوگ اس عوامی تحریک سے بھی کافی مرعوب ہو گئے تھے۔ رائے عامہ کا ظہور جس قدر بڑے پیمانے پر ہوا تھا اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ قراردادِ مقاصد منظور تو ہو گئی' لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ کام خارجی دباؤ کے تحت ہوا تھا۔ اصل میں دل سے یہ بات نہیں نکلی تھی' لہٰذا وہ صفحۂ قرطاس کی زینت تو بن گئی لیکن اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے جو پیش رفت ہونی چاہئے تھی وہ نہیں ہوئی۔ نہ اُس وقت ہوئی نہ آج تک ہوئی ہے۔

### ایک کثیفہ

اس ضمن میں ایک لطیفہ بلکہ کثیفہ ملاحظہ ہو۔ ایک صاحب جو اُس وقت اسلامی

جمعیت طلبہ میں شامل تھے اور مجھ سے بڑے تھے' اب بھی حیات ہیں اور ایک نامور سیاسی لیڈر کی حیثیت سے معروف ہیں' ہم دونوں ساتھ ساتھ لاہور کی مال روڈ پر جا رہے تھے تو ایک بڑی سی کار پاس سے گزری جس میں ایک بہت لمبی داڑھی والے ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے توجہ سے دیکھا کہ کون ہیں! انہوں نے کہا کہ کیا دیکھتے ہو؟ یہ "قرارداد مقاصد" ہے۔ میں بڑا حیران ہوا اور میں نے کہا کیا کہہ رہے ہو؟ وہ کار والے صاحب سے ذاتی طور پر واقف تھے۔ انہوں نے کہا کہ ان کو لوگ "قراردادِ مقاصد" کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا کیوں؟ بولے "جس طرح قرارداد مقاصد کی ہمارے ملک میں کوئی حیثیت نہیں ہے ویسے ہی ان صاحب کے کردار میں اس داڑھی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اپنے کردار کے لحاظ سے یہ نہایت بدنام شخص ہے۔ دینداری کے اظہار کے لئے بڑی سی داڑھی رکھی ہوئی ہے' بالکل اس طرح جیسے قرارداد مقاصد کی حیثیت محض ایک دکھاوے کی چیز کے سوا کچھ نہیں"۔ ان کی بات صدفی صد درست ثابت ہوئی۔ اس لئے کہ پینتیس [۵] سال گزر چکے ہیں' اور اس عرصہ میں اس قرارداد پر جو عمل ہوا ہے وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ تاہم قراردادِ مقاصد کی یہ دفعہ جو ہر دستور میں محض رہنما اصول (Directive Principle) کے طور پر درج ہوتی چلی آ رہی ہے اصولی طور پر بہت اہم ہے :

*(No legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah)*

"کوئی ایسی قانون سازی نہیں کی جائے گی جو قرآن و سنت کے خلاف ہو"۔

## اسلامی نظام کے مقتضیات

اگر قرارداد مقاصد اور یہ رہنما اصول ہمارے دستور کی نافذ العمل دفعہ (Operative Clause) بن جائے اور یہ دونوں واقعی اخلاص کے ساتھ صاحب اقتدار حضرات کے دلوں میں اتر جائیں' پھر ملک کی تمام ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ کو کھلا اختیار دے دیا جائے کہ اس ملک کا رہنے والا ہر مسلمان اس دفعہ کے تحت جس قانون کو بھی چیلنج کرے کہ یہ قرآن و سنت کے خلاف ہے تو وہ عدالتیں اس قانون کا جائزہ لیں

اور اس کے بارے میں فیصلہ دیں —— یہ دونوں چیزیں ملک کے دستور اور نظام کو اسلامی بنانے کے لئے کفایت کریں گی۔

باقی رہی یہ بات کہ انتخابات کا طریقہ کیا ہو! وہ جماعتی بنیاد پر ہو' متناسب نمائندگی کے اصول پر یا غیر جماعتی ہو؟ ملک کا نظام پارلیمانی ہو یا صدارتی ہو' وحدانی ہو یا وفاقی یا الحاقی ہو؟ یہ سارے مسائل مباحات کے دائرے کے ہیں۔ ہمارے ملک کے حالات کے اعتبار و لحاظ سے جو طریقہ مناسب نظر آئے اسے اختیار کر لیا جائے۔ اصل چیز یہ ہے کہ ملک کا نظام توحید پر استوار اور مبنی ہو۔ نظری طور پر تسلیم کیجئے اور عمل میں اس کا مظاہرہ کیجئے کہ حاکمیت کا اختیار صرف اللہ کا ہے۔ نظری طور پر یہ بات قرارداد مقاصد میں موجود ہے اور عملاً اس رہنما اصول کو نافذ العمل بنانے کی ضرورت ہے کہ اس میں ملک میں قرآن و سنت سے متصادم کوئی قانون سازی نہیں کی جا سکے گی۔

قانون سازی کا ہمیں اختیار ہے' لیکن یہ اختیار محدود ہے۔ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے اندر اندر اور ان کی روح کے مطابق قانون بنا سکتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام میں ردوبدل کرنے کے ہم ہرگز مجاز نہیں ہیں' نہ ہم ان سے تجاوز کر سکتے ہیں : ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ﴾ اور ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ﴾ "یہ اللہ کی حدود ہیں' ان سے تجاوز نہ کرو"۔ اور "یہ اللہ کی حدود ہیں' ان کے قریب نہ پھٹکو"۔ (۶) اس دائرے کے اندر آپ قانون بنائیے۔ اس کے لئے بھی قرآن نے ان الفاظ مبارکہ میں واضح ہدایت دے دی ہے ﴿ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾ لہٰذا ضروری ہے کہ معاملات باہمی مشاورت سے طے پائیں۔

## قابل صد افسوس بات

آپ کو معلوم ہے کہ اس دور میں شرعی عدالتیں بنی ہیں' لیکن ان کا حال کیا ہے؟ ان کے بھی ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ان کو حکم ہے کہ كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ اپنے ہاتھ بندھے رکھو۔ فلاں فلاں قوانین کی طرف نگاہ نہ اٹھانا۔ عائلی قوانین ان شرعی عدالتوں کے حیطۂ اختیار سے باہر ہیں۔ ان پر فیصلہ کرنے کی یہ عدالتیں مجاز نہیں کہ ان میں

شریعت کے خلاف کون کون سی دفعات ہیں۔ ان عائلی قوانین کو صاحبِ اقتدار حضرات کا تحفظ حاصل ہے۔ چونکہ ڈر ہے کہ اگر ان میں سے خلاف شرع دفعات حذف کر دی گئیں تو مغرب زدہ خواتین ناراض ہو جائیں گی۔ گویا ان کی ناراضگی کا اللہ کی ناراضگی سے زیادہ خوف ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ ان کی رضا اللہ کی مرضی و رضا سے زیادہ عزیز ہے۔ ان شرعی عدالتوں کو اس امر کا پابند بھی کر دیا گیا ہے کہ یہ مالی قوانین کے بارے میں بھی فیصلے دینے کی مجاز نہیں ہیں کہ کون سے قوانین اور طور طریقے خلافِ اسلام ہیں۔ حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ اہم ترین نظام تو مالیات کا نظام ہی ہوتا ہے۔ آج کی دنیا میں سارا دارومدار تو معاشی نظام پر ہے۔ وہ طے کرتا ہے کہ پورا نظام کن اصولوں پر چلے گا۔

آپ کو بادنیٰ تامل نظر آ جائے گا کہ ہمارے پورے نظامِ معیشت کا دارومدار حرام پر ہے۔ ہماری تمام بڑی بڑی صنعتیں اور ہماری تمام برآمدی و درآمدی تجارت سود کی بنیاد پر چل رہی ہے۔ ہماری زمین یعنی کاشت کاری کا اکثر و بیشتر بندوبست جاگیرداری اور زمینداری کی بنیاد پر چل رہا ہے۔ ایک ہے صنعت و تجارت کا سود اور ایک ہے زمین کا سود۔ معیشت کا کل کا کل معاملہ سود کی بنیاد پر چل رہا ہے۔ لیکن شرعی عدالتوں کے ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں کہ وہ ان مسائل کے متعلق کوئی فیصلہ (Verdict) نہیں دے سکتیں۔ ہو سکتا ہے کہ چند اور بھی مسائل ہوں جو ان عدالتوں کے حیطۂ اختیار سے باہر رکھے گئے ہوں۔ بہرحال عائلی قوانین اور مالی قوانین پر یہ عدالتیں کسی غور و فیصلہ کی مجاز نہیں ہیں۔ ان امور کو اگر دین کے تابع نہیں کیا گیا تو گویا بنیادی باتوں ہی سے اعراض و گریز کیا جا رہا ہے۔ پھر اسلام آئے گا تو کیسے آئے گا! اگر اسلام کو فی الواقع لانا ہے تو ان سب کو بدلنا ہو گا۔

## آیت کی مزید توضیح و تشریح

اب آیئے سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ کی طرف۔ اس آیت کی ابھی تک صرف دو باتوں کی شرح ہوئی ہے۔ ایک تو یہ کہ ان پانچ رسولوں کا دین ایک ہی ہے اور یہ پانچوں چوٹی کے رسول ہیں ـــــ معلوم ہوا کہ تمام انبیاء و رُسل کا دین ایک ہی رہا ہے' از آدم

علیہ السلام تا ایں دم' دینِ الٰہی ایک ہے۔ یہ دین کیا ہے؟ یہ ہے ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴾ انفرادی سطح پر اور اجتماعی سطح پر یہ بات مانو کہ اللہ ہی حاکم مطلق ہے۔ ﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ اسی کے قانون کی تنفیذ ہو۔ جہاں اس نے آزادی دے رکھی ہو وہاں تم حدود میں رہ کر قانون بنا سکتے ہو۔ یہ اسی کی دی ہوئی آزادی ہے' لیکن اس کی مقرر کردہ حدود سے ہرگز تجاوز نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان میں ردوبدل کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہو گا دین کو قائم کرنا۔ یہ ہے اقامتِ دین۔

اس کو سمجھنے کے لئے اب آیت مبارکہ کے اگلے حصّے پر آ جائیے۔ ﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ یہ دین اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کو قائم کرو۔ اس لئے تو نہیں دیا گیا کہ اس کی مدح کرو' اس کی تعریفیں کرو' اس پر کانفرنسیں کرتے رہو۔ کانفرنسیں اور محاضراتِ قرآنی ہم بھی کرتے ہیں' لیکن اگر ان کانفرنسوں اور محاضرات سے مقصود دین کو قائم کرنے کی جدوجہد میں کام لینا ہو تو ان کا انعقاد مبارک ہے' اور اگرچہ یہ چیزیں اپنی جگہ مقصود و مطلوب بن جائیں اور گفتن و برخاستن تک معاملہ رہے تو ان کا کوئی حاصل نہیں۔ کسی پیش نظر عظیم کام کے لئے ہو تو یہ احسن کام ہے۔ چونکہ ظاہر بات ہے کہ اس کے کچھ (Practical Aspects) ہوں گے۔ لہٰذا اصل مقصود ہی اس کام کا صحیح مقام متعین کرے گا ــــــ اقامت دین کی جدوجہد کے طور پر تبلیغ ہو رہی ہو تو وہ تبلیغ اور ہو گی۔ اور اگر تبلیغ برائے تبلیغ ہو رہی ہو تو وہ تبلیغ اور ہو گی۔ ان میں زمین و آسمان کا فرق ہو جائے گا۔ ایک ہے خالص مذہبی طرز کی تبلیغ اور ایک تبلیغ ہے انقلابی تبلیغ۔ ایک تبلیغ وہ ہے جو صرف عقیدہ کو پھیلاتی ہے' جیسے عیسائیت کی تبلیغ۔ وہاں نظام ہے ہی نہیں' دین ہے ہی نہیں' شریعت موجود ہی نہیں کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ اس کے احکام موجود ہی نہیں ہیں۔ ان کے ہاں صرف عقیدہ ہے یا اخلاقیات کی کچھ تعلیم ہے۔ اخلاقیات سب کے نزدیک مشترک چیزیں ہیں۔ ان کو آفاقی اخلاقیات (Universal Ethics) کہنا بجا ہو گا۔ شریعت ان کے ہاں سرے سے ہے نہیں تو نظام کیا بنے گا! لہٰذا اس کی تبلیغ صرف عقیدے اور چند اخلاقی اصولوں کی تبلیغ ہے۔ جس طرح

ایک بیل ہوتی ہے' وہ زمین پر پھیلتی ہے' سرے سے اوپر اٹھتی ہی نہیں' وہ خربوزے کی ہو' کدّو کی ہو' کسی چیز کی بھی ہو وہ زمین پر ہی رہ جائے گی' اوپر نہیں اٹھے گی۔ یہی مذہبی تبلیغ کا مزاج ہے۔ وہ زمین پر ہی پھیلتی چلی جاتی ہے۔ وہ کبھی نظام قائم نہیں کرتی۔ نظام کا قیام اس کے پیش نظر ہوتا ہی نہیں۔

اس کے برعکس انقلابی تبلیغ کسی نظام کو برپا کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ اس کی مثال ہمارے سامنے اشتراکی تبلیغ ہے۔ ایک اشتراکی اپنی جدوجہد اور تبلیغ کے ذریعے اپنے نظریات کو پھیلاتا ہے' لوگوں کو اپنا ہم خیال بناتا ہے' اپنا لٹریچر پھیلاتا ہے' غزلوں' نظموں' افسانوں اور بہت سے ذرائع سے وہ اپنے فکر کو پھیلانے کے لئے جدوجہد کرتا ہے' پھر اس فکر کو قبول کرنے والوں کو منظم کرتا ہے' اس لئے کہ اس کے پیش نظر انقلاب برپا کرنا ہے۔ اس کے پیش نظر ایک نظام ہے جسے وہ سمجھتا ہے کہ صحیح اور بہترین نظام ہے۔ وہ غلط سمجھتا ہے یا درست' اس سے قطع نظر وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ یہ وہ نظام ہے جو عدل پر مبنی ہے۔ وہ اس نظام کو برپا کرنے کے لئے تبلیغ کر رہا ہے۔ تو اس انقلابی تبلیغ میں اور اس مذہبی تبلیغ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی تبلیغ کو آپ دیکھیں گے تو اس میں آپ کو دونوں پہلو نظر آئیں گے۔ اللہ کی طرف دعوت بھی ہے' توحید کے عقیدے کی دعوت بھی ہے اور اقامتِ دین کی جدّوجُہد بھی ہے' نظام کو بدلنے کی سعی و کوشش بھی ہے۔ چنانچہ آگے چل کر جب ہم اس سورۂ شوریٰ کی اگلی آیات زیرِ بحث لائیں گے تو ان میں ہمیں دعوتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہ ہدف ملے گا :

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ "(اے محمد ﷺ) پس آپ اسی کی دعوت دیجئے"۔ یہاں "فَلِذٰلِكَ فَادْعُ" نہایت غور اور توجہ چاہتا ہے۔ دعوت کس چیز کی؟ دعوت اقامت دین کی —— اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ کی دعوت' دین کو بالفعل قائم کرنے کی دعوت۔ صرف عقیدے کی دعوت نہیں۔ ٹھیک ہے' نماز' روزے اور دوسرے نیکی کے کاموں کی دین میں بڑی اہمیت ہے' لیکن ان سب سے جو چیز مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کی توحید کو اجتماعی نظام پر قائم کرنے کے لئے ان سے مدد حاصل کی جائے ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ ﴾ "اے ایمان والو! مدد حاصل کرو (اللہ کی راہ میں مشکلات پر) صبر سے اور نماز سے"

—— آگے جہاد فی سبیل اللہ کی جو چوٹی ہے ‘یعنی قتال فی سبیل اللہ —— اس کے اعلیٰ و ارفع مقام کا ذکر ان الفاظ مبارکہ سے کر دیا گیا ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ صبر و صلوٰۃ سے مدد کس مقصد کے لئے حاصل کرنی ہے! وہ مقصد ہے اقامت دین کی جدوجہد!!

اسی کے متعلق نبی اکرم ﷺ سے فرمایا گیا : ﴿ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ ۚ ﴾ ”پس اے نبیؐ اسی کی دعوت دیجئے‘ اور جس چیز کا آپ کو حکم ہوا ہے اس پر جم جائیے اور ان (مشرکوں) کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے“۔ یہ ہے اقامت دین ﴿ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ ﴾

## تفرقہ کیا ہے؟

ایک لفظ ہے تفرقہ یا تفریق اور ایک ہے اختلاف۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اختلاف بالکل نیک نیتی سے بھی ہو سکتا ہے۔ اختلاف جزوی ہوتا ہے۔ اختلاف کی وجہ سے یہ نہیں ہوتا کہ من دیگرم تو دیگری۔ جبکہ تفرقہ یہ ہے کہ ایک دوسرے سے کٹ جائیں‘ آپس میں پھٹ جائیں‘ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں۔ اختلاف تو امام ابو حنیفہ سے کیا امام شافعی نے (رحمہما اللہ) —— امام ابو حنیفہؒ کے بعض فتاویٰ سے اختلاف کیا ہے خود امام موصوف کے شاگردوں نے۔ امام محمد اور امام قاضی ابو یوسفؒ نے بعض مسائل میں امام صاحبؒ کی آراء سے اختلاف کیا۔ ایک امام دوسرے امام کی رائے‘ تعبیر اور فتویٰ سے اختلاف کر سکتا ہے۔ ایک شاگرد اپنے استاذ کی رائے سے اختلاف کر سکتا ہے۔ ان سب کی نیتیں نیک ہیں‘ مبنی بر اخلاص ہیں۔ یہ سب دین الٰہی کا علم اور اس کی منشاء قیاس اور اجتہاد کے ذریعے سے معلوم کرنا چاہ رہے ہیں۔ پس اختلاف نیک نیتی سے بھی ہو سکتا ہے۔ اختلاف کوئی بری شے نہیں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسی اختلاف سے دنیا کی رونقیں ہیں۔ چنانچہ ذوق نے کہا ہے ؎

گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونقِ چمن
اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے!

ایک گلاب کا پودا ہے' اس میں جو پھول لگتے ہیں وہ سب ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ہر ایک کا رنگ اور انداز جدا جدا ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک ہی طرح کے تمام انسان ہوتے' رنگ ایک' شکل و صورت ایک' ناک نقشہ ایک' تو کتنی اُکتا دینے والی یکسانیت (monotony) ہو جاتی۔ ایک دوسرے کو پہچاننا مشکل بلکہ قریب قریب ناممکن ہو جاتا۔

## تفریق دین ایک نوع کا شرک ہے

تفرقہ کے متعلق جان لیجئے کہ امت میں تفرقہ اور دین میں تفرقہ کو شرک کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کہتا ہے : ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَ کَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ ﴾ "(اے نبیؐ!) جو لوگ اپنے دین کو پھاڑ دیں (ٹکڑے ٹکڑے کر دیں' اس میں تفرقہ ڈال دیں) اور گروہوں میں بٹ جائیں' یقیناً (اے نبیؐ!) ان سے آپؐ کا کوئی تعلق نہیں"۔ دین کو پھاڑنا کیا ہوگا؟ ـــــ نظامِ اطاعت کو تقسیم کر دینا۔ یعنی زندگی کے ایک حصہ میں اللہ کی اطاعت ہو رہی ہے اور دوسرے حصوں میں کسی اور کی اطاعت ہو رہی ہے۔ کہیں اطاعت ہو رہی ہے شریعت الٰہی کی اور کہیں اپنے نفس کی خواہشات کی' کہیں زمانے کے چلن اور فیشن کی' کہیں برادری کے رواج کی۔ یہ دین ہی پھاڑ دیا گیا ہے۔ یہاں "فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ" کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں۔ فَرَّقَ' یُفَرِّقُ' تَفْرِیْقًا آتا ہے پھاڑ دینے' کاٹ دینے' ٹکڑے ٹکڑے کر دینے اور جدا جدا کر دینے کے معانی میں۔

دوسرا ہے تَفَرُّقْ فِی الدِّیْنِ یعنی خود دین کے معاملے میں متفرق ہو جائیں۔ دین کے معاملہ میں متفرق ہونے کا تعلق ہے اقامت دین سے۔ مسلمان فرقوں میں منقسم ہو جائیں تو پھر دین کیسے قائم ہوگا؟ دین کو قائم کرنے کے لئے تو بڑی مضبوط جدوجہد کی ضرورت ہے۔ بڑی مجتمع قوتوں کی ضرورت ہے۔ مل جل کر کام کرنا اور زور لگانا ہوگا۔ آپ تصور کیجئے محمد ﷺ اور آپؐ کے جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محنت' جدوجہد اور ایثار و قربانی کا' جس کے نتیجے میں جزیرہ نمائے عرب میں اللہ کا دین بالفعل قائم اور نافذ ہوا' جس کی مدح قرآن مجید جگہ جگہ کرتا ہے۔ سورۃ الفتح میں فرمایا : ﴿ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی

وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا○ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ﴾ ”وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسولؐ کو بھیجا ہدایت اور دین حق کے ساتھ ' تاکہ اس کو پورے جنس دین (نظامِ اطاعت و نظامِ حیات) پر غالب کر دیں۔ اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر نہایت سخت اور آپس میں نہایت رحیم ہیں“۔ یہ شان نہ ہوتی تو دین قائم نہ ہوتا ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن!

## اقامتِ دین فرض ہے

﴿ اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ﴾ ”دین کو قائم کرو' اس معاملہ میں تفرقہ نہ ڈالو“۔ تم سب کا مقصود و مطلوب ایک ہو۔ تم سب کے سامنے یہی ہدف ہو کہ سب سے پہلے تو خود اللہ کا بندہ بننا ہے۔ یہ ہے انفرادی سطح پر توحید عملی۔ یہ توحید ہو گی اطاعت کو اللہ کیلئے خالص کرتے ہوئے۔ پھر اجتماعی جدوجہد کا آغاز ہو گا دعوت اِلی اللہ سے اور اس کا منتہا اور مقصود ہو گا کہ پورے نظامِ اجتماعی پر' ملک پر' پوری قومی زندگی پر اللہ کے دین کو قائم و نافذ کرنا ہے۔ یہ ہے اقامتِ دین جو سورۃ الشوریٰ کا مرکزی مضمون ہے۔

توحید عملی کے موضوع پر سورۃ الزمر' المؤمن' حٰم السجدۃ اور الشوریٰ کا گروپ بہت اہم ہے۔ سورۃ الزمر میں انفرادی سطح پر توحید عملی کا بیان ہوا۔ اسی کا باطنی پہلو توحید فی الدعاء سورۃ المؤمن میں بیان ہوا۔ پھر انفرادی سطح سے اجتماعی سطح کی طرف بڑھیں تو دعوتِ توحید کا یہ مرحلہ سورۂ حم السجدۃ میں ذکر ہوا ـــــــ اور اجتماعی سطح پر توحید عملی کا ہدف ہے اقامتِ دین جو سورۃ الشوریٰ میں بیان ہوا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس فیصلہ کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی توانائیاں اور اپنی قوتیں اس توحید عملی پر مرتکز کریں اور انفرادی سطح سے اجتماعی نظام تک اس توحید کو برپا کرنے کے لئے اپنی کمر کس لیں۔

## حواشی

(۱) اس ضمن میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابوجہل کے ایمان لانے کے واقعہ کا ذکر کرنا مناسب حال ہو گا۔ ان کی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ "جب مجھے علم ہوا کہ میرا نام ان مجرموں میں شامل ہے جن کے قتل کا حکم نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے موقع پر جاری فرما چکے تھے تو میں نے قتل کے خوف سے حبشہ منتقل ہونے کے لئے مکہ چھوڑ دیا۔ جب ساحل سے حبشہ جانے کے لئے کشتی میں سوار ہوئے تو اثنائے راہ میں زبردست طوفان آ گیا۔ مسافروں نے پہلے تو اپنے دیوی اور دیوتاؤں کو پکارا' لیکن طوفان شدید سے شدید تر ہوتا چلا گیا تو ان کی زبان سے نکلا کہ اب تو صرف "اللہ" ہی ہمیں بچا سکتا ہے' چنانچہ سب ہی نہایت الحاح و زاری کے ساتھ اللہ سے اس مصیبت سے نجات کی دعائیں کرنے لگے۔ دُعا قبول ہوئی اور طوفان تھم گیا' البتہ طوفان نے کشتی کو جدہ کی بندرگاہ ہی پر واپس دھکیل دیا" —— اس کے بعد حضرت عکرمہ اپنے دل کی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ: "اس موقع پر اچانک میرے دل میں روشنی پھوٹی کہ محمد (ﷺ) کی دعوت اسی توحید ہی کی تو ہے' اور یہ بُت انسان کے کام آنے والے نہیں' یہ تو ہمارے ہاتھوں کے تراشیدہ بے چارے اور معذور ہیں" —— آگے وہ کہتے ہیں کہ "مَیں نے دل میں اُسی وقت یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر میں طوفان سے بچ گیا تو آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لوں گا"۔ جب جدہ پر کشتی واپس آئی تو وہاں انہوں نے اپنی اہلیہ کو موجود پایا جو خود بھی مشرف باسلام ہو چکی تھیں اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے لئے نبی اکرم ﷺ کی جانب سے معافی کی نوید لائی تھیں۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو بڑا اطمینان ہوا کہ وہ معافی کی خوشخبری سننے سے قبل ہی اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ (مرتب)

(۲) اللہ تعالیٰ کی قربت اور معیت کی تفہیم کے لئے سورۂ ق کا یہ مقام: ﴿ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴾ اور سورۃ الحدید کا یہ مقام: ﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ﴾ پیش نظر رہیں۔ (مرتب)

(۳) دو آیات مزید ملاحظہ ہوں جن میں نہی کے اسلوب میں اللہ کے سوا یا اللہ کے ساتھ کسی اور سے دُعا کی ممانعت کی گئی ہے۔ مخاطب نبی اکرم ﷺ ہیں' لیکن آپ ﷺ کی وساطت سے پوری نوع انسانی بالعموم اور مدعیان ایمان بالخصوص مخاطب ہیں۔ پہلی آیت سورۂ یونس کی ہے۔ فرمایا: ﴿ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ ﴾ "اور (اے نبیؐ!) اللہ کو چھوڑ کر کسی ہستی کو نہ پکارو' (اللہ کے سوا) کوئی چیز نہ آپ کو فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان"۔ اگر (بالفرض) آپؐ نے ایسا کیا تو آپؐ بھی

ظالموں (یعنی مشرکوں) میں سے ہو جائیں گے" ـــــ دوسری آیت سورۃ الشعراء کی ہے' فرمایا : ﴿ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ○ ﴾ "پس (اے نبیؐ! اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو۔ اور اگر (بالفرض) آپؐ نے ایسا کیا تو آپؐ بھی سزا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے"۔ نہی کے اسلوب میں جو تاکید اور جو زور ہوتا ہے نیز "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" اور "مَعَ اللّٰهِ" میں جو تمیز و امتیاز اور فرق و تفاوت ہے وہ بادنیٰ تامل سمجھ میں آسکتا ہے۔

(۴) صدر ضیاء الحق مرحوم نے قرارداد مقاصد کو دستور میں دفعہ ۲۔الف کی حیثیت سے شامل کر دیا تھا۔

(۵) واضح رہے کہ یہ خطاب ۱۹۸۳ء کا ہے۔

(۶) ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ بندۂ مؤمن کے اختیار کی کیفیت اس گھوڑے کے مانند ہے جو ایک کھونٹے سے بندھا ہو۔ اب جتنی لمبی رسی ہے اُسی قدر وہ اس کھونٹے کے چاروں طرف جاسکے گا' اس رسی سے تجاوز نہیں کرسکے گا۔ یہی طرزِ عمل ایک مؤمن بندے کا ہونا چاہئے۔ (او کما قال) اس سے ایک صحیح اسلامی ریاست کی حدود اختیارات کو سمجھا جا سکتا ہے ـــــ اسلامی ریاست میں اختیارات کی حد بندی کے لئے سورۃ الحجرات کی یہ آیت کریمہ رہنمائی کرتی ہے کہ ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ○ ﴾ "اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسولؐ کے آگے (یعنی ان کے احکام سے) پیش قدمی نہ کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو۔ اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے"۔ اس آیت کی رو سے ایک اسلامی ریاست کو لازماً اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے تابع ہو کر کاروبارِ حکومت چلانا ہوگا۔ (مرتب)

# حِزبُ اللہ

## بیسویں صدی کی پہلی اسلامی تحریک

تحریر : ڈاکٹر عبید اللہ فلاحی، علی گڑھ

حکومت الٰہیہ کے قیام کی خاطر مولانا ابوالکلام آزاد کی قائم کردہ جماعت "حزب اللہ" کے بارے میں ایک تحقیقی مضمون جو برعظیم پاک و ہند کی اسلامی تحریکات کے لئے ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ مضمون ہم علی گڑھ (انڈیا) سے شائع ہونے والے سہ ماہی مجلے "تحقیقات اسلامی" کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

---

### ادارتی نوٹ از سید جلال الدین عمری، مدیر "تحقیقات اسلامی"

مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت ہماری حالیہ تاریخ کی عظیم شخصیت تھی۔ مولانا کے افکار و خیالات کی تشکیل جن حالات میں ہوئی انہیں سامنے رکھنا بہت ضروری ہے۔ اسی سے ان کی صحیح قدر و قیمت کے تعین میں مدد ملے گی اور ان سے استفادہ آسان ہو گا۔ مولانا آزاد کو ایک ایسی دنیا ملی جس میں ہر طرف مغرب کا، خاص طور پر انگریزوں کا نہ صرف سیاسی اقتدار قائم تھا، بلکہ ان کی فکر اور تہذیب کی بھی حکمرانی تھی۔ برصغیر بھی اسی اقتدار کے تحت تھا۔ اس اقتدار کے خلاف آزادی کی جدوجہد شروع ہو چکی تھی۔ مولانا آزاد اس میں پوری طرح شریک تھے، بلکہ اس کے ایک سرخیل تھے۔ برصغیر سے باہر کے مسلم ممالک بھی مغرب کے زیر تسلط تھے۔ ان ممالک میں بھی اس کے خلاف جذبات پرورش پا رہے تھے اور آزادی کی جدوجہد شروع ہو چکی تھی۔ خلافت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور اس کے احیاء کی خواہش اور کوشش جاری تھی۔ مغرب ان تمام کوششوں کو بزور دبانے اور کچلنے کے درپے تھا، ایک طرف جمہوریت، آزادی فکر و عمل اور مساوات کا درس دے رہا تھا، دوسری طرف اپنے حدودِ اختیار میں ان سب اقدار کی مسلسل خلاف ورزی کر رہا تھا۔ بادشاہت کو محدود کرنے کے باوجود آمرانہ روش اور استبداد کا رویہ اختیار کر رکھا تھا۔ ان حالات میں

مسلمانوں کے لئے مولانا آزاد نے جو خطوط کار اور طریقہء عمل تجویز کیا تھا اس کے کئی پہلو آج کے حالات میں نظرثانی کے محتاج ہیں۔ بعض باتیں اصولی ہیں' ان کی قدر و قیمت ہر دور میں باقی رہے گی' بعض باتیں اس وقت کے حالات کے زیر اثر کہی گئی ہیں' وہ اپنے وقت پر صحیح ہو سکتی ہیں' لیکن آج کے حالات پر ان کا پوری طرح انطباق نہیں ہوتا۔ اسی پہلو سے ذیل کے مضمون کا مطالعہ ہونا چاہئے۔

---

مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء۔ ۱۹۵۸ء) نے ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء کو ہفتہ وار الہلال کا اجراء کیا۔ ابھی اس کی اشاعت کو ایک سال اور دو ماہ مکمل ہوئے تھے کہ حکومت نے اس کی حق گوئی اور بے باکی سے گھبرا کر ۱۸ ستمبر ۱۹۱۳ء کو دو ہزار روپے کی ضمانت طلب کرلی۔ فاضل مدیر نے ۲۳ ستمبر کو یہ رقم جمع کرادی۔ حکومت نے مزید ستم یہ کیا کہ ۱۴ اور ۲۱ اکتوبر ۱۹۱۴ء کے مشترکہ شمارہ کو ضبط کرلیا۔ اس پر بھی الہلال کے صدائے احتجاج اور قوتِ پرواز میں کوئی کمی نہ آئی تو ۱۶ نومبر ۱۹۱۴ء کو حکومت نے پچھلی ضمانت ضبط کرلی اور دس ہزار روپیوں کی نئی ضمانت کا مطالبہ کرادیا۔ مطالبہ پورا نہ کرنے کی وجہ سے ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کی اشاعت کے بعد خود ہی الہلال بند کردیا۔ ۲ سال ۴ ماہ کی اس مختصر ترین مدت میں الہلال اور اس کے فاضل مدیر نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ان میں سرفہرست حزب اللہ جیسی اسلامی انقلابی تحریک کی تشکیل اور توسیع ہے۔

الہلال نے مسلمانوں میں جس پیغام کو عام کرنے کا بیڑا اٹھایا اس کے تین بنیادی نکات تھے :

① اسلام اور قرآن کسی شخصی اقتدار کو جائز تسلیم نہیں کرتے۔ وہ آزادی اور جمہوریت کا ایک مکمل نظام ہے جو نوعِ انسانی کو اس کی چھینی ہوئی آزادی واپس دلانے کے لئے آیا تھا۔[1] اور یہ کہ وہ ہاتھ نہایت مقدس ہے جس میں صلح کا جھنڈا لہرا رہا ہے' مگر زندہ وہی ہاتھ رہ سکتا ہے جس میں خونچکاں تلوار کا قبضہ ہو۔[2]

② مسلمانوں کی نجات و فلاح نہ تو دعوتِ تعلیم میں ہے نہ دعوتِ قومیت و سیاست میں' نہ انجمنوں کی کثرت میں ہے اور نہ محض مدرسوں اور کالجوں کے قائم کرنے میں' بلکہ جب تک حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ اور داعیء اسلام کی سنت

مقدسہ سے کوئی دعوتِ حق ماخوذ نہ ہوگی اس وقت تک کامیابی اور فلاح حاصل نہیں ہوسکتی۔ (۳)

(۴) ہندوستان کی آزادی اور ملک کی ترقی کا جھنڈا خود مسلمانوں کے ہاتھ میں ہونا چاہئے' کیونکہ اسلام آگے رہنے کے لئے ہے پیچھے رہنے کے لئے نہیں' اور اس کا مقصد نوعِ انسانی کو ہر قسم کی بیڑیوں سے آزاد کرنا اور انہیں مکمل آزادی دلانا تھا۔ (۴)

الہلال کے ان نکاتِ ثلاثہ کو اگر ایک لفظ میں سمیٹنا مقصود ہو تو اس کے لئے "اتباعِ کلمات اللہ اور جمیع ما جاء بہ القرآن" کے الفاظ استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ مولانا آزاد کے الہلالی پیغام میں "رجوع الی القرآن" کا مرکزی سبق بڑا نمایاں اور ممتاز مقام رکھتا تھا۔ وہ خود مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہیں :

"اگر اسلام ان کو پالیٹکس کی طرف بلائے تو لبیک کہہ کر دوڑ جائیں۔ اگر وہ اس سے اجتناب کی تعلیم دے تو اشارے کے ساتھ ہی مجتنب ہو جائیں۔ اگر وہ کہے کہ غلامی اور خوشامد دو ہی چیزیں اصلی ذریعۂ فوز و فلاح ہیں تو وہ سر سے پاؤں تک غلامی کی تصویر بن جائیں۔ اگر وہ کہے کہ آزادی و حقوق طلبی ہی میں قومی زندگی اور عزت ہے تو ان کا وجود یکسر پیکرِ حریت اور جہدِ حریت ہو جائے۔ اخلاق' تعلیم' تمدن' شائستگی' اصلاحِ معاشرت غرض یہ کہ ہر ایک متمدن زندگی کے جتنے اجزاء ہیں ان میں وہ جس طرف بلائے اسی طرف جھک جائیں۔ خود اُن کی کوئی خواہش' کوئی ارادہ' کوئی تعلیم' کوئی پالیسی نہ ہو۔ ان کی خواہش اور پالیسی صرف اتباعِ قرآن ہو۔"

الہلال نے اتباعِ قرآن کے ساتھ جہاد کی فرضیت کا فتویٰ بھی کھلے لفظوں میں صادر کیا اور اقرارِ شہادتین کو فرائض اسلامیہ میں سے پہلا فرض اور جہاد کو آخری فرض قرار دیا اور پانچ وقت کی نمازوں کی ادائیگی کی طرح حق و عدل کے قیام کیلئے اپنا نفس اور اپنا خون بہانے کو حکم اجباری سے تعبیر کیا۔ انگریزوں کے خوف اور بعض وقتی مصالح کے پیش نظر متعدد علماء و متجددین نے اس وقت فرضیت جہاد کی منسوخی کا فتویٰ دے دیا تھا (۶) اور بعض مصنفین نے اگر جہاد کی مشروعیت کو تسلیم کیا بھی تو اُسے دفاع کے اندر محصور

قرار دے دیا تھا۔ (۷) بعض عالموں نے قرآن کے حکم جہاد کو محض سعی و جہد اور زبانی و تحریری تبلیغ کے ہم معنی ہونے کا اعلان کر دیا تھا، مگر الہلال نے بغیر کسی معذرت اور حیلہ و بہانہ کے جہاد کے فرض ہونے کا بڑے دبدبہ سے اعلان کیا۔ مولانا آزاد نے لکھا کہ : "بلادِ اسلامیہ کے کسی حصہ پر جب بھی حملہ ہو گا دنیا کے ہر مسلمان پر احکامِ خمسہ کی طرح فرض ہو گا کہ جانی، مالی اور تبلیغی جہاد کے لئے اٹھ کھڑا ہو اور اگر ایسا نہ کرے گا تو اس کی تمام عباداتِ مالی و بدنی باطل و بے سود ہیں، کیونکہ نماز روزہ اسی وقت ہے جب تک کلمۂ توحید کو بقا ہے، لیکن جب جڑ خطرے میں ہو تو شاخیں قائم نہیں رہ سکتیں۔" (۸)

یہ تھی اس نظریاتی ہمواری اور فکری تیاری کی تلخیص، جس کے لئے مولانا آزاد الہلال کے اولین شمارہ سے ہی یکسو تھے۔ اسی ذہنی و فکری پس منظر کے ساتھ حزب اللہ کی تشکیل عمل میں آئی۔ چنانچہ الہلال میں مولانا نے "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ" (کون ہیں اللہ کی راہ میں میرے مددگار؟) کے عنوان کے ساتھ پہلے یہ نوٹ شائع کیا :

> "پھر کہتا ہوں، آج جبکہ ہماری قومی زندگی کا کوئی شعبہ بھی ایسا نہیں ہے جو محتاجِ احیاء نہ ہو، کاموں کی کوئی کمی نہیں ہے، کمی صرف مجاہدینِ حق اور جاں نثارانِ ملت کی ہے۔ آپ اگر اپنی زندگی میں سے، جس کے چوبیس گھنٹے روزانہ فکر نفس و جاں میں صرف ہوتے ہیں، کچھ وقت اپنے اسلام اور اپنے خدا کو بھی دینا چاہتے ہیں تو اٹھ کھڑے ہو جئے اور اپنے آپ کو ظاہر کیجئے۔ کاموں کا فیصلہ منٹوں اور لمحوں میں ہو جائے گا۔ پس میں اعلان کرتا ہوں کہ ابنائے ملت میں سے جو ابنائے درد آج کام کرنے کے لئے اپنے اندر کوئی سچی مستعدی اور اس کا اضطراب رکھتے ہیں وہ اس پرچے کو دیکھتے ہی صرف اتنی زحمت گوارا فرمائیں کہ اپنا اسم گرامی مع نشانی و شغل و پیشہ کے ایک کارڈ پر لکھ کر دفتر الہلال میں بھیج دیں، کیونکہ جو طریق کار پیش نظر ہے (اور جو اپنی ابتدائی منزلوں سے گزر بھی چکا ہے) اس میں پہلی چیز یہی سمجھتا ہوں کہ مجاہدینِ حق اور جاں نثارانِ ملت کی ایک فہرست جلد سے جلد تیار ہو جائے۔ یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میری دعوت سیرِ چمن اور تماشائے لالہ زار کی نہیں ہے، میں کانٹوں پر لوٹنا چاہتا ہوں اور ایسے ہی ایذا دوست اور زیاں پسند لوگوں کا طالب ہوں جن کو مرہم کی

راحت سے زخم کی شورش زیادہ محبوب ہو' کیونکہ میں عمل کی دعوت دیتا ہوں
اور راہِ عمل کبھی بھی پھولوں کی چادر نہیں رہی ہے۔ پس جو صاحب اپنا اسم
گرامی بھیجیں پہلے اپنی مستعدی اور اضطرابِ دل کا بھی پورا اندازہ کرلیں۔

گریزد از صفت ما ہر کہ غوغا نیست
کسیکہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست" (۹)

الہلال کے اگلے شمارہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اعلان کو پڑھ کر تقریباً آٹھ سو
آدمیوں نے اپنے نام اور پتے مولانا آزاد کی خدمت میں بھیجے۔ اسی شمارہ میں رکنیت فارم
کے چھپنے کا اعلان بھی شائع ہوا اور مولانا نے حزب اللہ کی تشکیل پر عام قارئین اور
متفقین کی تحسین و تبریک سے حیاتِ نو اور ولولۂ تازہ محسوس کیا :

"الحمد للہ کہ گزشتہ نمبر کی اشاعت میں جو پہلی آواز "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ"
کی بلند کی گئی تھی اس کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل کھول دیئے اور
اس جواب میں "نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ" کی صدائے ہمت افروز و امید نواز ہندوستان
کے ہر گوشے اور خطے سے بلند ہونے لگی ہے۔ آج منگل کی شام تک تقریباً آٹھ سو
ناموں سے فہرست کی ابتداء ہو گئی ہے۔ فالحمد للّٰہ علی توفیقہ و
کرمہ ولطفہ۔ آج کی اشاعت کے ساتھ ایک فارم بھی شائع کیا جاتا ہے'
صرف اس کی خانہ پری کر کے بھیج دیجئے۔ پچھلے دنوں کے اندر جو رفتار مجاہدین
خدمت اسلامی کی اللہ نے دکھلادی ہے اس نے میرے اندر ایک حیاتِ تازہ پیدا
کردی ہے اور امید ہے کہ دو ہفتے کے اندر اپنی پیش نظر تعداد کو پورا دیکھ لوں گا
اور اس کے بعد دوسری منزل کی طرف بڑھوں گا۔ فالسعی منی و الا تمام
من اللّٰہ تعالیٰ "(۱۰)

اگلے شمارہ میں اشاعت کے ساتھ رکنیت فارم بھی طبع ہوا جس کا نمونہ حسب ذیل ہے :

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ!

(ہم اللہ کے مددگار ہیں)

﴿ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ
لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ○ ﴾

(میری عبادت، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا غرضیکہ میری ہر چیز اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی قربانی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں پہلا مسلم ہوں۔)

نام ________________

پیشہ ________________

عمر ________________

پتہ ________________ (۱۱)

الہلال کے آئندہ شمارہ میں مولانا آزاد نے پھر ایک مختصر نوٹ لکھا :

"نفائسِ دل و دیں دہم بہ نیم نگاہ
بمن معاملہ کن کہ راست گفتارم

اکثر حضرات کو درخواست کے فارم کی کمی کی شکایت تھی، اس لئے اس کے پھر چار فارم حاضر ہیں۔ جن حضرات کو اور زیادہ مطلوب ہوں "عارضی ادارہ نظمیہ حزب اللہ" سے دفتر الہلال کے ذریعہ طلب فرمائیں۔ ۲۵، ۲۵ فارموں کی کتابیں مع مضامین دعوت و تبلیغ متعلقہ بھی چھپ رہی ہیں۔ العجل! العجل! العجل!
فَاِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ "(۱۲)

دو ہفتے تک الہلال کے صفحات میں حزب اللہ کے تعلق سے مزید کوئی اعلان یا خبر نامہ شائع نہیں ہوا۔ ۴ جون ۱۹۱۳ء کا شمارہ منظرعام پر آیا تو اس میں حسب ذیل طویل نوٹ موجود تھا :

"جن صاحبانِ ایقان اور جان نثارانِ اسلام نے ایک مبہم و مجمل صدائے دعوت کو سن کر اپنا نام بلا تامل بھیج دیا اور تمام خطرات و وساوس سے مرعوب نہ ہوئے جو ایسے موقع پر قدرتی طور پر نفس انسانی میں پیدا ہوتے ہیں، انہوں نے فی الحقیقت راہِ جاں سپاری و فدویت کا پہلا امتحان دے دیا۔ اس طریق دعوت میں فی الحقیقت ایک بہت بڑی حکمت پوشیدہ تھی۔ اس سے یہی مقصود تھا کہ سچی پیاس رکھنے والے اور جھوٹے مدعیانِ تشنگی میں تمیز ہو جائے۔ جن کو سچی پیاس ہوگی وہ پانی کا نام سنتے ہی دوڑیں گے اور پیاس کی شدت انہیں اس کا موقع ہی نہ دے گی

کہ عاقبت بینیوں اور مصلحت اندیشیوں میں مبتلا ہوں۔ پس جن لوگوں نے بلا تامل قدم بڑھایا وہ الحمد للہ کہ پہلی منزلِ امتحان سے کامیاب گزر گئے اور بعد کی آنے والی منزل سے گزرنے کا اپنے تئیں مستحق ثابت کر دیا ـــــ تائید الٰہی عنقریب اس دعوت کو ایک عظیم الشان جماعت کی صورت میں ظاہر کرنے والی ہے۔ لیکن جبکہ اغراض و مقاصد کی اشاعت ہو جائے گی تو پھر یاد رہے کہ اس کی طرف سبھی بڑھیں گے، لیکن اس کا اجر اُن لوگوں کا سا تو نہیں ہو سکتا جنہوں نے خطرات و خدشات کے ہجوم میں اس کا ساتھ دیا ہے۔"[۱۳]

اسی شمارہ میں یہ بھی اعلان تھا کہ حزب اللہ کے اغراض و مقاصد کی تفصیل و تشریح کے لئے ایک رسالہ الگ سے زیر طبع ہے اور یہ کہ ۱۵ جون سے اس رسالہ کی ترسیل شروع ہو جائے گی۔ اس کے بعد الہلال کے آئندہ کئی شماروں میں حزب اللہ سے متعلق کوئی زیادہ تفصیلات فراہم نہیں کی گئیں، البتہ بعض مختصر اعلانات اور نوٹ ضرور شائع ہوئے جن میں اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینے اور ہر دنیوی منفعت سے دست کش ہو جانے کی تلقین کی جاتی رہی۔[۱۴]

چند ماہ کے وقفہ کے بعد ۳ دسمبر ۱۹۱۳ء کے شمارہ میں مولانا نے حزب اللہ کے مقاصد اور طریق کار پر ایک مفصل مضمون رقم کیا۔ اغلب گمان ہے کہ یہی وہ مضمون ہے جس کا مولانا نے پچھلے شماروں میں متعدد جگہ حوالہ دیا ہے۔ اور اغراض و مقاصد کا جو رسالہ علیحدہ طبع ہوا تھا اس کے مشمولات بھی وہی تھے جو اس طویل مضمون میں زیر تحریر تھے۔ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی لائبریری میں ایک رسالہ محفوظ ہے جسے ناظم قومی دار الاشاعت محلّہ کوٹلہ شہر میرٹھ نے ۱۹۲۱ء میں حزب اللہ کے نام سے شائع کیا تھا، اس رسالہ پر مصنف کی حیثیت سے امام الہند مولانا آزاد کا نام طبع ہے۔ اس رسالہ کا لوازمہ بھی وہی ہے جو ۳ دسمبر ۱۹۱۳ء کے الہلال کے شمارہ کا ہے۔[۱۵] اس مضمون کی ابتداء حسب ذیل قرآنی آیت سے ہوتی ہے۔

﴿ رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا ﴾[۱۶]

یہ جماعت "حزب اللہ" کے نام سے موسوم ہو گی کہ خدا تعالیٰ نے مؤمنین کو اسی لقب سے ملقب فرمایا ہے۔

اس کے بعد مولانا نے اس جماعت کا مقصد وحید "اتباعِ اسوۂ ابراہیمی و محمدی علیہما الصلوٰۃ والتسلیم" قرار دیا، کیونکہ قرآن حکم دیتا ہے کہ :

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (۱۷) اور ﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ﴾ (۱۸)

اس کے بعد مولانا نے سورۂ توبہ کی حسب ذیل آیت کو حزب اللہ کی بنیاد قرار دیا ہے :

﴿ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ﴾ (۱۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سچے مسلمانوں کی آٹھ صفات گنائی ہیں :

اَلتَّآئِبُوْنَ (وہ جو توبہ کرنے والے ہیں) مولانا لکھتے ہیں کہ اصلاح و تزکیۂ نفس کا اولین مرتبہ توبہ و انابت ہے، یعنی بندے کا اپنے اعتقاد و اعمال کی تمام گمراہیوں اور غفلتوں سے کنارہ کشی کرنا اور اللہ کے حضور عہدِ واثق کرنا کہ وہ آئندہ اس کی مرضیات کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے گا۔

اَلْعَابِدُوْنَ (اللہ کے عبادت گزار ہیں) توبہ و انابت گزشتہ اعمال کا ترک تھا، عبادت حال و مستقبل کا عمل ہے۔

اَلْحَامِدُوْنَ (اس کی حمد و ثنا ہمیشہ وردِ زبان رکھتے ہیں) وہ لوگ جو دنیا میں انسانی اعمال کی حمد و ثنا اور اغراض و مقاصد نفسانیہ کے غلغلہ کی جگہ خدائے قدوس کی حمد و ثناء کی پکار بلند کریں اور جو توفیق الٰہی سے اس انقلاب کا وسیلہ بنیں کہ دنیا مادہ پرستی کے شور سے نجات پا کر حمد الٰہی کے ترانوں سے معمور ہو جائے۔

اَلسَّائِحُوْنَ (اس کی راہ میں اپنے گھروں کو چھوڑ کر سفر کرتے ہیں) یعنی جو لوگ حق و صداقت کی راہ میں اپنے گھر اور وطن کے قیام کو ترک کر کے، فرزند و عیال اور دوست و احباب کی الفت سے بے پروا ہو کے اور سفر کی تمام مصیبتوں اور تکلیفوں کو

خوشی خوشی جھیل کر نکلیں اور خدا اور اس کی صداقت کے عشق میں شہر شہر' کوچہ کوچہ گشت لگائیں۔ خدا کی دعوت کی صدا اُن کی زبانوں پر ہو اور ہدایت الٰہی کی امانت دلوں میں۔

مولانا آزاد نے یہاں "سیاحت" اور "سائح" کی اچھی تفہیم کی ہے' مگر راہِ خدا میں پھرنے کا یہ ترجمہ اس لفظ کے تمام اطراف و جوانب کا احاطہ نہیں کرتا اور نہ یہ اس جامع اصطلاح کی روح سے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنی تو زمین میں چلنے پھرنے ہی کے ہیں مگر اصطلاحی سیاحت کا مفہوم صاحب لسان العرب نے یوں ادا کیا ہے : الذھاب فی الارض للعبادة و الترھب[20] (عبادت و ریاضت کے لئے کسی سمت کو نکل کھڑے ہونا) اسلام سے پہلے اکثر مذاہب میں رہبانیت کے اس تصور کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے' مگر اسلام جو دینِ فطرت ہے' اس نے رہبانیت کو خلافِ فطرت قرار دے کر ممنوع ٹھہرایا اور زہد و توکل' ذکر و فکر' خلوت و تبتل' ریاضت و مجاہدہ' جستجوئے حقیقت' طلب علم اور دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ جیسے اطرافِ سیاحت کو مطلوب و محمود تسلیم کیا۔ سیاحت کے اس مثبت تصور کو اسلام نے روزہ' اعتکاف' عمرہ' حج اور دعوت و جہاد میں سمو دیا ہے۔ اسی لئے احادیث میں ایک طرف یہ ارشادِ گرامی موجود ہے کہ : ((لَاسِیَاحَةَ فِی الْاِسْلَامِ))[21] (اسلام میں سیاحت نہیں) اور دوسری طرف آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ : ((سِیَاحَةُ ھٰذِهِ الْاُمَّةِ الصِّیَامُ وَلُزُوْمُ الْمَسَاجِدِ))[22] (اس امت کی سیاحت روزے رکھنا اور مسجدوں کے ساتھ وابستگی ہے) ابوداؤد کی روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے سیاحت اختیار کرنے کی اجازت مانگی' آپ ﷺ نے فرمایا ((سِیَاحَةُ اُمَّتِیَ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ))[23] (میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلنا ہے)[24]

اَلرَّاکِعُوْنَ (جو رکوع میں رہتے ہیں) یعنی وہ اپنے روح و دل اور اپنی تمام قوتوں اور اپنے تمام جذبات اور تمام خواہشوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے آگے جھک جاتے ہیں۔

اَلسَّاجِدُوْنَ یہ دوسرا مرتبہ ہے۔ ایک مرتبۂ رکوع ہے اور ایک مرتبۂ سجود۔

رکوع صرف جھکنا تھا مگر سجود جھکتے جھکتے اس قدر جھک جانا ہے کہ بے اختیار و مضطر ہو کر زمین پر گر پڑنا اور پیشانی کو گرد و خاکِ ندامت سے آلودہ کر دینا۔ یہ انکسار و عبودیت کا انتہائی مرتبہ ہے۔

اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (جو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں) یہ درجۂ عالیہ تمام اوصافِ عظیمہ کے بعد مذکور ہوا۔ یعنی جو صداقت کا حکم دیتے ہیں اور راست بازی و عدالت کی طرف بلاتے ہیں اور لوگوں کو برائیوں سے روکتے اور خدا کی زمین کو نفس و شیطان کی پھیلائی ہوئی ضلالت سے بچاتے ہیں۔

وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ اس سے مقصود وہ جماعت ہے جو دنیا میں شریعت حقہ الٰہیہ کے قیام اور عدل و امن کے نظام کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اور جو حدود و قوانین اللہ تعالیٰ نے قوامِ عالم و امن انسانیت و نظامِ مدنیت صالحہ و حفظ حقوقِ اقوام و ملل کے لئے قائم کر دیئے ہیں' ایک بااختیار سلطان اور ایک مسئول والیٔ ملک کی طرح اُن کی محافظت کرتی ہے۔

مولانا آزاد نے مؤمنین صالحین کے ان آٹھ اوصاف کو آٹھ درجات سے تعبیر کیا ہے جن میں سے ہر درجہ پچھلے سے اعلیٰ و اکمل ہے۔ اور انہی درجات کو انہوں نے حزب اللہ کا دستور العمل قرار دیا ہے۔ مولانا کی اس ترتیب کے مطابق "اَلْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ" حزب اللہ کا آخری مرتبہ اور مقصد حقیقی ہے۔ اور ان مراتب ثمانیہ کو طے کرنے کے بعد اس جماعت کا فرض ختم ہو جاتا ہے۔ یہی قرآن حکیم کے وہ مقرر کردہ مراتب عمل ہیں جن کو حلقۂ حزب اللہ اختیار کرے گا۔(۲۵)

مولانا آزاد نے مسلمانوں کے قرآنی اوصافِ ثمانیہ کو حزب اللہ کے لئے مراتب عمل قرار دیا ہے اور ان اوصاف یا مراتب میں درجہ بندی ترتیب و تدریج کے ساتھ فرمائی ہے۔ یہ بات قرآن کے طالب علم کو کھٹکتی ہے' کیونکہ ان اوصاف یا مراتب کو بیان کرتے وقت خود قرآن نے کوئی تعقیبی ترتیب قائم نہیں کی ہے کہ پچھلا درجہ یا وصف اگلے درجہ یا وصف کے لئے ناگزیر ہو اور اگلی صفت پچھلی صفت سے اعلیٰ و اکمل ہو۔ اس

لحاظ سے ان اوصاف کو ترتیب وار درجات یا مراتب عمل قرار دینا زیادہ موزوں معلوم نہیں ہوتا۔ ان تمام اوصاف کا تذکرہ بغیر حرفِ عطف واؤ کے ہوا ہے جس کا مطلب ہے کہ ہر مسلمان میں انفرادی و اجتماعی حیثیت میں ان اوصاف کی موجودگی ناگزیر اور مطلوب ہے۔ اسی طرح رکوع اور سجدہ کی دو صفات یہاں بیان ہوئی ہیں' مگر دوسرے مقامات پر قرآن میں صرف رکوع یا صرف سجدہ کا تذکرہ کرکے عبادت و انابت اور خشوع و تبتل کی پوری کیفیت مراد لی گئی ہے۔ اسی طرح اِن اوصاف میں سے بیشتر کا تعلق فرد کی اپنی اصلاح و تربیت سے ہے' مگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے وصف میں قومی اور اجتماعی ذمہ داری واضح کی گئی ہے کہ سچے مؤمن دوسرے انسانوں کے خیر و شر سے بے تعلق ہو کر زندگی نہیں گزارتے' بلکہ دوسرے انسانوں کی اصلاح و تربیت کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔

اس کے بعد مولانا آزاد نے حسب ذیل آیت سے بحث کی ہے :

﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ ﴾ (۲۶)

"پھر پچھلی قوموں کے بعد ہم نے اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو کتاب الٰہی (قرآن) کا وارث ٹھہرایا جن کو ہم نے اپنی خدمت کے لئے اختیار کرلیا (یعنی مسلمانوں کو) پس ان میں سے ایک گروہ تو ان کا ہے جو اپنے نفوس پر (ترکِ اعمال اور ارتکابِ معاصی سے) ظلم کر رہے ہیں' دوسرا ان کا جنہوں نے معاصی کو ترک اور اعمال کو اختیار کیا ہے' پر خداپرستی اور ترک نفسانیت میں ان کا درجہ درمیانہ اور متوسطین کا ہے۔ تیسرے وہ جو اذنِ الٰہی سے تمام اعمالِ حسنہ و صالحہ میں اوروں سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور یہ خدا کا بہت ہی بڑا فضل ہے"۔

اس آیت میں اللہ نے انسانوں کے تین درجے قرار دیئے ہیں :

① وہ جو اپنے نفس پر ظلم کر رہے ہیں۔

(۲) درمیانی طبقہ جو غفلت سے متنبہ ہوا۔

(۳) خیرات و محاسن میں دوسروں سے پیش پیش رہنے والا۔

انسانوں کی اس قرآنی تقسیم کی بنیاد پر مولانا آزاد نے حزب اللہ کے بھی تین درجے قرار دیئے۔

(۱) ہر مسلمان جو راست بازی کا متلاشی' اصلاحِ حال کا متمنی اور اسلام کے اس دَورِ غربت میں خدمت و جہاد فی سبیل اللہ کی اپنے دل میں شورش و تپش رکھتا ہے' یعنی ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ سے نکل کر طبقۂ مقتصد میں آنا چاہتا ہے' یہیں سے اس کی آزمائش شروع ہو جاتی ہے۔

(۲) اربابِ اقتصاد کا طبقہ جو اپنے اعمال و افعال سے عہد الٰہی کے ایفاء اور دین حنیفی کے میثاق کی تعظیم کا ثبوت دے۔ اس طبقہ کے لئے امورِ ذیل کی پابندی کا مخلصانہ عہد کرنا ناگزیر ہوگا :

الف) احکامِ شریعت کی تمام ارکان و شرائط کے ساتھ پابندی کرنا۔

ب) صداقت الٰہی کی راہ میں سیر و سیاحت

ج) امربالمعروف و نہی عن المنکر سے کسی حال میں غافل نہ ہونا۔

د) ہر حکم اسلامی کی اطاعت کے لئے سراپا انتظار رہنا۔

(۳) سابق بالخیرات اور حافظ لحدود اللہ کا طبقہ' جو اپنے اعمال و افعال سے درجۂ مسابقت اور مرتبۂ علو و رفعت حاصل کرلے۔ یہی طبقہ حزب اللہ کا خلاصۂ مساعی و جہاد اور اس کا اصل حکمراں ہوگا۔(۲۷)

اس کے بعد الہلال کے کئی شمارے حزب اللہ کے سلسلے میں خاموش ہیں۔ ۸ جولائی ۱۹۱۴ء کی اشاعت میں تقریباً ایک سال کے طویل وقفہ کے بعد مولانا نے ایک مفصل اعلان شائع کیا جس سے اس جماعت کی سرگرمیوں پر بھی روشنی پڑتی ہے :

﴿اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ۱۳۳۱ھ

(۱) حزب اللہ کے مختلف مدارج اور جماعتوں میں سے ایک جماعت السَّائِحُوْنَ

الْعَابِدُوْنَ کی ہے جن کا کام یہ ہے کہ تبلیغ وہدایت اور نشرواشاعت تعلیم قرآن و سُنّت کے لئے ہمیشہ سفروگردش میں رہیں اور جس جگہ زیادہ ضرورت دیکھیں وہاں ایک روز سے لے کر سالہاسال تک کے لئے اس طرح مقیم ہو جائیں کہ

نشستہ ایم کہ ازما غبار برخیزد

(۲) جو چند طالبانِ حق اس جماعت میں منتخب ہوئے ہیں انہوں نے اپنی سیاحت شروع کر دی ہے۔

(۳) یہ سیاحت ہندوستان اور بیرونِ ہند دونوں کے لئے ہے' لیکن ہندوستان کو مقدم رکھاگیاہے اور اسی سے کام شروع کیاگیاہے۔

(۴) کن مقامات میں تبلیغ و تعلیم اور احتساب و دعوت کی زیادہ ضرورت ہے؟ اور کن مقامات میں کس قسم کی ضرورتیں مقدم ہیں؟ اس کی نسبت صحیح معلومات حاصل کرنے کے لئے حزب اللہ کے مفتشین سالِ گزشتہ اور سال رواں میں تحقیقات کر چکے ہیں' صرف دو صوبوں کے متعلق رپورٹ کی تکمیل باقی ہے۔ تاہم اس اطلاع کے ذریعہ اعلانِ عام کیا جاتا ہے کہ مختلف مقامات کے باخبر مسلمان اپنی مقامی معلومات کی بناء پر بھی ہمیں اطلاع دے کر دعاۃ و سیاحین طلب فرما سکتے ہیں۔

(۵) جن شہروں' قصبوں اور دیہاتوں میں مسلمانوں کی مذہبی حالت افسوس ناک ہو' اعمالِ دینیہ کی پابندی بالکل مفقود ہو' رسم و رواج' بدعات و روائد' فتنہ و فساد کا نسبتاً زیادہ ظہور ہو' عام اخوت و ہمدردی' مصائب اسلامی کا احساس' جماعتی کاموں کا شوق ناپید ہو' تو ایسے مقامات میں سب سے پہلے دعاۃ کو جانا اور قیام کرنا چاہئے۔ پس ہم چاہتے ہیں کہ اس طرح کے مقامات کے لوگ ہمیں فوراً اطلاع دیں اور حسب ضرورت ایک یا دو داعی طلب کریں۔

(۶) اس کے علاوہ جن مقامات کے مسلمان اپنے یہاں قرآن کریم کا باقاعدہ درس جاری کرنا چاہتے ہوں' مواعظ و خطبات صحیحہ و صادقہ کے آرزومند ہوں' مجالس میلاد اور عام تقریبات میں سچے اور حقیقی مواعظ کو سننا چاہتے ہوں وہ بھی ہمیں فوراً

اطلاع دیں۔ بحمد اللہ سال بھر کی سعی کے بعد ہم تیار ہیں کہ اپنے پیش نظر معیار سے نسبتاً اقرب اشخاص بھیج سکیں۔

⑦ دعاۃ و سیاحین طلب کرنے کے دو طریقے ہیں : پہلی صورت یہ ہے کہ جن مقامات کے مسلمان انہیں طلب کریں اولاً ان کے ضروری مصارف کا انتظام خود کرلیں' اور ایسا کرنا مشکل نہیں ہے' صرف ایک محلے کے مسلمان بھی جمع ہو کر چاہیں تو کرسکتے ہیں۔ اکثر مقامات پر اسلامی انجمنیں قائم ہیں اور وہ اتنا روپیہ فراہم کرسکتی ہیں جو ایک دو شخص کی ضروریات کے لئے کافی ہو۔ لیکن اگر اس مقام کے مسلمانوں کی حالت ایسی نہیں ہے کہ روپیہ کا انتظام ہو سکے یا کوئی انجمن اور جماعت کا رُکن موجود نہیں ہے کہ پورا انتظام کرسکے تو اس صورت میں ہمیں اطلاع دینی چاہئے کہ کم از کم اس قدر انتظام وہاں کے مسلمانوں سے ممکن ہے۔ باقی کا انتظام خود جماعت کرلے گی۔ اگر کسی وجہ سے ایسی حالت ہے کہ کچھ بھی انتظام ممکن نہیں ہے' مگر وہاں کام کی ضرورت بھی شدید ہے تو یہ تیسری صورت ہے' اور اس صورت میں متوکلا علی اللہ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم سے بلاتوقف خط و کتابت کی جائے۔ ان شاء اللہ تمام مصارف اپنے ذمہ لے کر حسب ضرورت دعاۃ و سیاحین کا انتظام کردیا جائے گا۔

⑧ حزب اللہ کے لئے کوئی فنڈ قائم نہیں کیا گیا ہے اور نہ اس کے شرکاء سے اب تک کوئی رقم دائمی یا یکمشت طلب کی گئی ہے۔ دنیا پہلے روپیہ مانگتی ہے پھر کام کرتی ہے' لیکن ہمارے نزدیک ترتیب برعکس ہونی چاہئے۔ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ جس طرح روپیہ کاموں کے لئے ضروری ہے اسی طرح سخت و شدید مہلکات و موانع میں سے بھی ہے۔ ہم ابتداء سے اس کام کو آج کل کی انجمنوں اور مجلسوں کے عام قواعد و رسوم سے بالکل الگ ہو کر کر رہے ہیں اور ہمارے پیش نظر اپنے گزشتہ اور بھلائے ہوئے نمونے ہیں۔ ؏

لب تشنگی زراہ دیگر بردہ ایم ما

⑨ ہم مختصراً یہ بھی بتلا دینا چاہتے ہیں کہ ان دعاۃ و سیاحین کا کام کیا ہو گا۔ کیونکہ اب تک اس کا کوئی نمونہ قوم کے سامنے نہیں آیا ہے' بہت ممکن ہے کہ وہ "وعظ و تعلیم" اور "تبلیغ و دعوت" کے نام سے کسی غلطی میں پڑ جائے۔

یہ محض وعظ فروشی کی بساطِ تجارت بچھانے والا کوئی گروہ نہ ہو گا جو چند دنوں کے لئے ایک دکاندارانہ دورہ کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں' بلکہ دعاۃ و سیاحین سے مقصود ایسے اربابِ صدق و خلوص ہیں جو ان شاء اللہ اپنے کاموں اور اپنی سچی اور راست بازانہ زندگی میں قوم کے لئے ایک نمونہ ثابت ہوں گے۔ وہ مجاہدین فی سبیل اللہ کا گروہ ہے۔ جس نے اپنی تمام بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ دنیوی اُمیدوں' توقعات اور تعلقات سے کنارہ کش ہو کر اور لذائذ و نعائم حیات کی امنگوں اور خواہشوں سے دل کو صاف کر کے اپنی پوری زندگی خدمت دین و ملت کے لئے وقف کر دی ہے اور اللہ اور اس کے ملائکہ مقربین کو اپنی قربانی اور جاں فروشی کے عہد و میثاق کا گواہ قرار دیا ہے۔ وہ نہ تو دنیا کے طالب ہو سکتے ہیں اور نہ دنیوی عزو جاہ کے خواستگار' نہ آرام و راحت کے متلاشی ہو سکتے ہیں نہ عمدہ بستروں اور لذیذ و قیمتی غذاؤں کے آرزومند' کیونکہ ان تمام چیزوں کو وہ پیچھے چھوڑ آئے ہیں' اگر اِن چیزوں کے وہ طالب ہوتے تو خود بخود کیوں چھوڑ دیتے؟ وہ اللہ کی رضا اور اس کے کلمۂ حق کی خدمت کی راہ میں سیر و سیاحت کریں گے' اور تمام دقتیں اور مصیبتیں جو اس راہ میں پیش آئیں گی انہیں خوشی خوشی برداشت کریں گے' کیونکہ یہی وہ کانٹے ہیں جن کی تلاش میں انہوں نے پھولوں کو چھوڑا ہے اور یہی وہ درد و بے قراری ہے جس کی محبت میں انہوں نے آرام و راحت کی زندگی کو اس کے دشمنوں کی طرح ٹھکرا دیا ہے۔

وہ فقیروں کی طرح نکلیں گے' دیوانوں کی طرح آوارہ گردی کریں گے اور جہاں کہیں ٹھہریں گے خاکساروں کی طرح ٹھہریں گے۔ نہ تو وہ کسی سے نذر و نیاز لیں گے اور نہ کسی پر ایک کا بار ڈالیں گے۔ ضرورت کے مطابق ان کے کام ہوں گے۔ وہ قرآن کریم کا درس دیں گے' حدیث نبوی کی تعلیمات بیان کریں گے' عام دینی مسائل و معتقدات

سے لوگوں کو باخبر کریں گے۔ تعلیم یافتہ اصحاب کے مذہبی شکوک اور موجودہ عہد کے اعتقادات و اعمالِ الحادیہ کی اصلاح کریں گے۔ عام مجلسوں میں' انجمنوں میں' مسجدوں میں ایک واعظ کی طرح جائیں گے۔ ذکرو میلاد کی مجلسوں میں مولود پڑھیں گے۔ مساجد کی جماعات وجمعہ کا صحیح و شرعی انتظام اور اس سے ہر طرح کے فوائد و نتائج کا حاصل کرنا ان کا ایک بہت بڑا کام ہوگا۔

صرف انہی کاموں تک ان کی ہمت ختم نہیں ہو جائے گی' بلکہ ضرورت پڑے گی تو وہ بیماروں کے شب باش تیماردار' ضعیفوں کے بلاعذر خادم' مسجدوں کے لئے بلا تنخواہ کے خطیب و مؤذن' بچوں کے مفت کے معلم' غرضیکہ ہر حال میں مسلمانوں کے خادم اور مخدوم دونوں ہوں گے اور ہر خدمت کو انجام دینے کے لئے مستعد رہیں گے۔

یہ تو ان کے کاموں کی ایک مختصر سی تفصیل تھی۔ جامع لفظوں میں ان کا مقصد یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے دینی معتقدات و اعمال کی اصلاح و درستگی اور انہیں اعتقاداً و عملاً ایک سچا مسلمان' راسخ الاعتقاد مؤمن اور اولوالعزم و بلند ارادہ مجاہد فی سبیل اللہ بنانے کی سعی کرنا اور مسلمانوں کے عام طبقات کے اندر وہ تمام معلومات ضروریہ اپنے وعظ و بیان سے پیدا کر دینا جو ایک عالم و صاحب علم' صاحب فضل شخص کو از روئے علم و کتاب حاصل ہیں۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسے لوگ مختلف مقامات میں رہ جائیں اور عرصے تک کے لئے اسی طرح مقیم ہو جائیں گویا وہی ان کا گھر ہے اور وہیں ان کو آخر تک بسنا اور زندگی گزارنا ہے۔ سلف صالحین کے داعیوں کا یہی اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے۔ محض ادعائی واعظوں کی چند روزہ گشتوں اور دَوروں سے نہ تو کبھی کوئی اثر پیدا ہوا ہے اور نہ کسی گروہ کے اندر اس سے کوئی تبدیلی پیدا ہوگی۔ تبدیلی تعلیم سے پیدا نہیں ہوتی' بلکہ ان چیزوں سے حاصل ہوتی ہے جن کے لئے محض شریعت کے بھیج دینے کی جگہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے ظہور و قیام کو اللہ نے ضروری قرار دیا تھا۔

پس وہ اپنے تمام تعلقات و محبوبات سے بے پروا ہو کر خدمت اسلام و مسلمین کے

رشتہ کو ترجیح دیں گے اور ایک روز سے لے کر سالہا سال تک کے لئے مقیم ہو جائیں گے، تا آنکہ ان کی خدمات کے قابل اطمینان نتائج پیدا ہو جائیں اور مزید قیام کی ضرورت باقی نہ رہے۔

ان کا طریق درسِ قرآن و سنّت و عمومِ تعلیم و تبلیغ انہی اصولوں کے ماتحت ہو گا جو دعوت الہلال کے اصل الاصول ہیں۔ (۲۸)

الہلال کے اس تفصیلی اعلان سے جماعت حزب اللہ کے دستور العمل، طریقہ کار اور سرگرمیوں پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس سے یہ نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں کہ :

(۱) جماعت حزب اللہ ایک دینی و اصلاحی تحریک تھی۔ اس کا اصل کردار احیاء و تجدید دین کا کردار تھا۔ مولانا آزاد اس تحریک کے ذریعہ مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کو قرآن و سنّت کی راہ پر گامزن کرنا چاہتے تھے۔ جماعت حزب اللہ پر وقتی و عارضی سیاست کی چھاپ لگانا اور اسے محض تحریک آزادی کی عینک سے دیکھنا صریح ناانصافی ہے۔ (۲۹) جن قلم کاروں نے جماعت حزب اللہ کے تئیں یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کا بنیادی مقصد استخلاصِ وطن کی خاطر مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف متحد اور مجتمع کرنا تھا اور یہ کہ اس پلیٹ فارم سے مولانا آزاد علماء کو مذہب کے نام پر اکٹھا کرنا چاہتے تھے، تاکہ وہ سیاسی محاذ پر مجاہدین وطن کے ہاتھوں کو مضبوط کر سکیں، ان لوگوں نے عدل اور راست بازی سے کام نہیں لیا ہے۔ یہ لوگ دراصل حزب اللہ کے آفاقی پیغام اور اس کے مستقل اسلامی کردار پر سیکولرزم کا لیبل لگا کر سرخ رو ہونا چاہتے ہیں۔

(۲) گاؤں گاؤں اور بستی بستی گشت کرنے اور عوامی مسائل و حالات سے واقف ہو کر ان کی اصلاح کرنے کا فریضہ تحریک کے کارکنوں کے سپرد تھا۔ یہ کوئی وقتی اور عارضی اُبال نہ تھا، بلکہ مدتوں کے غور و فکر اور بحث و تحقیق کا ماحصل تھا۔ مولانا آزاد کے نزدیک احیاءِ اسلام کی یہی واحد راہ تھی۔

(۳) مولانا نے کوئی نیا طریق عمل، نظام کار نہیں دیا، بلکہ جن اداروں سے مسلمان

معروف و مانوس تھے انہی کو اپنے مقاصد و مفاہیم کی تبلیغ کے لئے استعمال کیا، یعنی درسِ قرآن وحدیث، مواعظ و خطباتِ صحیحہ، جماعت وجمعہ، عیدین اور مجالس میلاد و تقریبات کے ذریعہ تفہیم و ترسیل۔

④ حزب اللہ نے عوامی چندہ کی مہم نہیں چلائی، بلکہ جماعتی مسائل و مصارف کو مخلص کارکنوں کے جذبۂ انفاق سے پورا کرنے کا منصوبہ بنایا۔

⑤ جماعت نے پورے ایک سال تک دعاۃ وسیاحین کی تربیت کی اور انہیں پیش نظر مقاصد کے حصول کے لئے تیار کیا۔ اس تربیت و تیاری کے مراحل کیا تھے، کیا ذرائع و وسائل اختیار کئے گئے اور اس تربیت کا خاکہ، نصاب اور نظام کیا تھا، سب پردۂ راز میں ہیں۔

⑥ حزب اللہ کا ایک منصوبہ مختلف مقامات اور آبادیوں میں مستقل دعاۃ اور مبلغین کو آباد کرنا تھا، تاکہ ان کے دیرپا اثرات معاشرہ پر مرتب ہوسکیں۔ (۳۰)

الہلال کے اگلے شمارہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کلکتہ سے ہٹ کر مضافاتی علاقہ میں ایک مرکزی دفتر "دارالجماعۃ" کی بنیاد بھی ڈال دی گئی تھی، کیونکہ ایک مرکزی دارالجماعۃ کی تاسیس حزب اللہ کے تمام کاموں کی تکمیل کے لئے ضروری تھی، اس کے بغیر نہ تو جماعت کے مختلف مدارج کی تعلیم و تربیت کا انتظام ہوسکتا تھا اور نہ اخوان جماعت کی مجتمعہ مجاہدات کا سلسلہ شروع ہوسکتا تھا۔ (۳۱) مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ اتنے بڑے منصوبہ کی تکمیل کے لئے مولانا آزاد نے عوام سے اعانت کی اپیل نہ کی، کیونکہ "انجمنوں کے چندوں اور ممبری کی فیس کے روپیوں سے کالج بن سکتے ہیں، اور لوگوں کو اسکولوں کے بورڈنگ ہاؤسوں میں کرایہ دے کر رکھوایا جاسکتا ہے، لیکن دین کی خدمت نہیں ہوسکتی۔ خدا کے کاموں کے لئے صرف خدا کے بخشے ہوئے جوش اور دل کے خودبخود اٹھے ہوئے ولولوں ہی کی ضرورت ہے، چندوں کی فہرستوں کی رقمیں دل کا ولولہ اور قربانی کا عزم کہاں سے لائیں گی؟" (۳۲)

الہلال ہی کی فائلوں سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کلکتہ شہر کے مشرقی کنارے پر

ایک غیر آباد قطعۂ زمین حاجی مصلح الدین صاحب نے وقف کیا۔ حاجی صاحب مولانا آزاد کے قدیم نیازمندوں میں سے تھے۔ انہوں نے نہ صرف ایک وسیع و عریض علاقہ دارالجماعۃ کی تاسیس کے لئے وقف کیا بلکہ اس کی عمارتوں میں سے ایک عمارت دارالارشاد کے تمام مصارف بھی انہوں نے اپنے ذمے لئے۔ اس عمارت کے بنیادی پتھر کی تنصیب حاجی صاحب کے ہاتھوں ماہِ رمضان میں افطار کے وقت سے ذرا پہلے عمل میں آئی۔ جو کاغذات بطور آثارِ اساس کے بنیاد میں رکھے گئے ان میں ایک بوتل کے اندر سورۂ حج کی آیت ۷۸ اور سورہ یونس کی آیات ۸۵ تا ۸۸ بھی تھیں۔

دارالارشاد کے بالکل سامنے ایک وسیع مسجد کی تعمیر بھی اسی سال مکمل ہو گئی۔ مولانا آزاد کا ارادہ تھا کہ دارالارشاد کے ساتھ ہی ایک کتب خانہ کی عمارت بھی تعمیر کرائیں گے اور اپنے ذاتی کتب خانہ کے دونوں جانب مسلسل کمروں کی قطاریں رکھنے کا منصوبہ تھا جن میں سامنے برآمدے، عقب میں غسل خانے اور وسط میں ایک کشادہ کمرے کی گنجائش رکھی گئی تھی جس میں کئی سو آدمیوں کی رہائش کا انتظام ہو سکتا تھا۔ یہ مولانا کی فوری منصوبہ بندی تھی جس پر عمل درآمد جماعت کے تربیتی و تنظیمی کام کے آغاز کے لئے ضروری تھا۔ (۳۳)

جماعت حزب اللہ کے مخاطب مَرد اور عورت دونوں تھے۔ آرہ (بہار) کی ایک خاتون صالحہ بنت سید محمد صالح مرحوم نے اس کی دعوت کی تائید کرتے ہوئے فرقہ نسواں کی شرکت و شمولیت کے متعلق استفسار کیا اور اس راہ کی ایک رکاوٹ پردہ کا بھی ذکر کیا تو مولانا آزاد نے انہیں جواب دیا کہ حزب اللہ کا مقصد مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنانا ہے اور اسلام مرد و عورت دونوں کیلئے آیا ہے، اس لئے جماعت کی رکنیت کیلئے بھی مرد اور عورت میں تفریق نہیں ہو سکتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کے تمام بڑے انقلابات کے پس پشت جنس مخالف کی کار فرمائی صاف دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ طبقہ گھروں کے اندر رہ کر وہ عظیم الشان تبدیلیاں پیدا کر سکتا ہے جو باہر کے مجمعوں اور مجلسوں میں بڑے بڑے واعظین و مصلحین نہیں کر سکتے۔ مولانا آزاد نے اس جواب میں یہ اطلاع بھی دی کہ

مقامی خواتین کے علاوہ دُور دراز کی بیگمات و خواتین بھی پارٹی میں شامل ہونے کا فیصلہ کر چکی ہیں۔ رہا پردے کا سوال تو اس کو اس مسئلے سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ خدا کا ہر بندہ اپنی جگہ پر رہ کر اپنے خدا سے مل سکتا ہے' اس کیلئے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (۴۴)

الہلال کی فائلوں سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جماعت کی توسیع ملک کے مختلف صوبوں میں ہوئی یا نہیں' اور اگر ملک کے مختلف حصوں میں اس دعوت کے اثرات رونما ہوئے تو تنظیمی ڈھانچہ کس طرح استوار ہوا۔ تاہم مولانا آزاد کی زندگی اور خدمات پر کام کرنے والے محقق جناب ابو سلمان شاہجہاں پوری کے ایک مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف صوبوں میں جماعت کی تنظیم کچھ اس طرح تھی :

① پنجاب میں مولانا داؤد غزنوی' مولانا عبد اللہ قصوری اور مولانا محی الدین قصوری مولانا آزاد کے خلفائے مجاز اور جماعتی امور کے ذمہ دار تھے۔
② سندھ میں پیر سید تراب علی شاہ راشدی مولانا کے خلیفہ مجاز اور تنظیم کے سربراہ تھے۔
③ یوپی میں مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی لکھنؤ کو مرکز بنا کر کام کر رہے تھے۔
④ صوبہ بنگال میں صدر مقام کلکتہ تھا جہاں خود مولانا کی ذات موجود تھی۔
⑤ صوبہ بہار میں مولانا ابو المحاسن محمد سجاد مرحوم تنظیم جماعت اور امارتِ شرعیہ کے قیام کے لئے متعین کئے گئے تھے۔

فاضل محقق نے مولانا آزاد کے چند مریدوں کے نام بھی شمار کرائے ہیں' جیسے خواجہ عبد الحئ فاروقی' مستری محمد صدیق کپور تھلہ' صوفی غلام مصطفیٰ تبسم امرتسر' شیخ قمر الدین لاہور' مولانا غلام رسول مہر اور مولوی محمد یونس خالدی لکھنؤ۔ (۴۵)

الہلال کے مطالعہ اور جماعت حزب اللہ کے اغراض و مقاصد اور طریقہ کار سے اتفاق و اطمینان کے بعد جب کوئی شخص احکامِ شرع کے مطابق زندگی بسر کرنے اور نظم جماعت کی پابندی کرنے کا عہد کرتا تھا تو مولانا آزاد اُس سے سُنّت نبویؐ کے مطابق عہد لیتے تھے جس میں پوری شریعت کی مخلصانہ پیروی اور خدا کی رضا کے آگے اپنی خواہشات

کو قربان کر دینے کی بیعت شامل ہوتی تھی۔ مولانا غلام رسول مہر نے مولانا آزاد کا وہ پیغام شائع کر دیا ہے جو انہوں نے ۱۹۲۱ء میں عزیزانِ پنجاب کے نام جاری کیا تھا۔ اس تحریر سے بیعت کا پورا مسودہ سامنے آجاتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں :

"جن عزیزوں نے گزشتہ سال یا امسال یا اس سے پہلے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے ان سب کی اطلاع کے لئے میں یہ سطریں شائع کرتا ہوں۔ انہوں نے میرے ہاتھ پر پانچ باتوں کا عہد کیا ہے :

اول ـــــ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور توصیۂ صبر کا، یعنی ہمیشہ نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے روکیں گے، صبر کی وصیت کریں گے۔

ثانیاً ـــــ اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَ الْبُغْضُ فِی اللّٰہِ کا، یعنی اس دنیا میں ان کی دوستی ہوگی تو اللہ کے لئے اور دشمنی ہوگی تو اللہ کے لئے۔

ثالثاً ـــــ لَا یَخَافُوْنَ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ کا، یعنی سچائی کے راستے میں وہ کسی کی پروا نہ کریں گے اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈریں گے۔

رابعاً ـــــ اس بات کا کہ اللہ اور اس کی شریعت کو دنیا کے سارے رشتوں، ساری نعمتوں اور ساری لذتوں سے زیادہ محبوب رکھیں گے۔

خامساً ـــــ اطاعت فی المعروف کا، یعنی شریعت کے ہر حکم کی اطاعت بجا لائیں گے جو ان تک پہنچایا جائے گا۔

میں ان کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ یہ ان کا قول تھا اور اب چاہئے کہ اپنے عمل سے بھی اس کی پوری تصدیق کریں اور کامل انقطاع اور راست بازی کے ساتھ اپنے تئیں اللہ کے سپرد کر دیں۔ ان کا یہ عہد مطالبہ کرتا ہے کہ حسب ذیل باتیں ان کی روزانہ کی زندگی میں نمایاں ہو جائیں اور ہر شخص اُن کو اُن کی خصلتوں اور طریقوں کی وجہ سے ممتاز دیکھ لے۔

(۱) ولایتی کپڑوں کا خریدنا، بیچنا، پہننا، پہنانا یک قلم ترک کر دیں اور دیسی کھدر کا لباس اختیار کر لیں۔

(۲) اسلامی خلافت اور بلادِ اسلامیہ کی حفاظت ہندوستان کی آزادی پر موقوف ہے۔ پس جہاں تک ان کے امکان میں ہے اپنے دل سے، اپنی زبان سے، اپنے مال سے، اپنے عمل سے اس کام میں مدد دیں۔

③ کسی مسلمان سے اپنے دل میں کینہ وعداوت نہ رکھیں' اگرچہ وہ اُن کا کیسا ہی دشمن ہو۔ تمام مسلمانوں سے صلح و محبت کا برتاؤ کریں اور اپنی جانب سے کسی مسلمان کے خلاف قدم نہ اٹھائیں۔ دوسرا اٹھائے تو جہاں تک بھی ان کے امکان میں ہو بخش دیں۔ کسی طرح بھی اپنے وجود کو تفریق کا سبب نہ بنائیں۔

④ احکام و مصالح شرعیہ کے مطابق ہندوؤں سے ہمارا اتحاد ہے۔ پس کامل اتفاق اور سازگاری کے ساتھ رہیں اور ان کی جانب سے اپنے دل میں کسی طرح کی کھوٹ نہ رکھیں اور کوئی بات لڑائی جھگڑے کی ایسی نہ کریں جس سے اتحاد کو نقصان پہنچے۔

تمام احکام وارکانِ اسلام کی پابندی اور ٹھیک ٹھیک بجاآوری ان چار باتوں کے علاوہ ہے اور ان سے مقدم ہے اور ان کی بابت وہ بیعت کرتے ہوئے سب سے پہلے عہد کر چکے ہیں۔

جو مسلمان مجھ سے اپنی بیعت کا رشتہ قائم رکھنا چاہتا ہے اس کا فرض ہے کہ ان باتوں پر کاربند ہو۔ جس نے اس پر عمل نہ کیا اس سے میرا کوئی رشتہ نہیں۔ "(۳۶)

دوسری تحریر بیعت کے وہ الفاظ ہیں جو مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کو مولانا آزاد نے لکھ کر دیئے تھے۔ اس سے بھی اس تحریک کی دینی واسلامی روح نکھر کر سامنے آتی ہے :

"اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَبِمَا جَاءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاٰمَنْتُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَبِمَا جَآءَ مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَسْلَمْتُ وَاَقُوْلُ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ

بیعت کرتا ہوں میں محمد ﷺ سے بواسطہ خلفاء و نائبین کے اس بات پر کہ :

① اپنی زندگی کی آخری گھڑیوں تک لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ کے اعتقاد و عمل پر قائم رہوں گا اگر استطاعت پائی۔

② پانچ وقت کی نماز قائم رکھوں گا' رمضان کے روزے رکھوں گا' زکوٰۃ اور حج

ادا کروں گا اگر استطاعت پائی۔

③ ہمیشہ زندگی کی ہر حالت میں نیکی کا حکم دوں گا' برائی کو روکوں گا' صبر کی وصیت کروں گا۔

④ میری دوستی ہوگی تو اللہ کی راہ میں اور دشمنی ہوگی تو اللہ کی راہ میں۔

⑤ اور بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ ہمیشہ زندگی کی ہر حالت میں اپنی جان سے' اپنے مال سے' اپنے اہل و عیال سے' دنیا کی ہر نعمت اور دنیا کی ہر لذت سے زیادہ اللہ کو' اس کے رسول کو' اس کی شریعت کو' اس کی امت کو محبوب رکھوں گا اور اس کی راہ میں جو حکم کتاب و سُنت کے مطابق دیا جائے گا سمع و طاعت کے ساتھ اس کی تعمیل کروں گا۔"(۳۷)

جماعت حزب اللہ آئینی اور جمہوری طریقہء کار پر یقین رکھتی تھی۔ الہلال کے ایک قاری کے سوال کے جواب میں مولانا آزاد نے واضح کر دیا تھا کہ نہ تو حکومت کی کاسہ لیسی جائز ہے نہ انتہاپسندوں کی خوں ریزی اور فتنہ و فساد کی اسلام اجازت دیتا ہے۔ ایک شخص اگر مسلمان ہے تو وہ فتنہ و فساد اور بغاوت کا مجرم نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اسلام ہر شخصی جبر و استبداد کا مخالف ہے اور اپنے پیروؤں کو جائز آزادی حاصل کرنے کے لئے ہر وقت حرکت میں دیکھنا چاہتا ہے۔(۳۸) تاہم مولانا آزاد نے ایک دوسرے موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ سے یہ نکتہ بھی نکالا تھا کہ "احیائے صداقت اور اقامت حق اور عدل کے لئے مخفی تدابیر بھی کرنی پڑتی ہیں' پوشیدہ طور پر کید و تدبیر سے بھی کام لینے کی حاجت پڑتی ہے اور اس مدعا کے لئے یہ تمام باتیں جائز و درست بلکہ ضروری و لازم العمل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بُت خانے میں کیا کیا تھا؟"(۳۹)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جمہوری و آئینی طریق کار کو اختیار کرنے کے باوجود اس بات کی گنجائش بہرحال رکھی گئی تھی کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِنِّیْ سَقِیْمٌ (میں بیمار ہوں) کہہ کر توریہ سے کام لیا تھا اور بعد میں چپکے سے بُت کدہ میں گھس کر بُتوں کو پاش پاش کر دیا تھا اور بڑے بُت کے گلے میں لٹکتی ہوئی کلہاڑی چھوڑ آئے تھے' اسی طرح جماعت حزب اللہ بھی بوقت ضرورت خفیہ تدابیر اور کید و مکر سے کام لے سکے۔

جماعت حزب اللہ سے متعلق ان تفصیلات کو دیکھ کر یہ کہنا مبالغہ آمیز نہ ہو گا کہ یہ ہندوستان میں بیسویں صدی کی وہ پہلی اسلامی تحریک تھی جس نے رجوع الی القرآن کی مہم چلائی' اصلاح و تجدید ملت کا نصب العین مسلمانوں کے سامنے روشن کیا' اسلام کی جامع اور مکمل تعلیمات کو مشعل راہ بنانے پر زور دیا اور مذہب و سیاست کو یکجا کر کے تحریک آزادی میں شمولیت کے ساتھ احیائے اسلام کی مختلف منازل و مراحل کے چراغ روشن کیے۔ لیکن یہ سوال آج بھی اطمینان بخش جواب کا طالب ہے کہ قید و بند کی صعوبتوں کے باوجود تحریک آزادی میں قائدانہ کردار ادا کرنے والے رہنما نے حزب اللہ کی بساط کیوں لپیٹ کر رکھ دی اور تجدید و احیائے دین کے اس عظیم الشان اور تابناک باب کو کیوں بند کر دیا؟[1] اس المناک صورتِ حال کا جو تجزیہ بھی پیش کیا جائے اس حقیقت سے صرفِ نظر کرنا مشکل ہے کہ بعد میں ہندوستانی مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے اٹھنے والی ہر تحریک اسلامی پر حزب اللہ کے کم و بیش اثرات مرتسم ہیں۔ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۳ھ۔۱۳۶۳ھ) کی جماعت تبلیغ ہو یا مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۰۳ء۔۱۹۷۹ء) کی قائم کردہ جماعت اسلامی دونوں اپنے پیغام' نصب العین اور طریق کار میں حزب اللہ سے متاثر نظر آتی ہیں۔ اس لئے جناب مالک رام کی یہ بات بالکل درست معلوم ہوتی ہے کہ :

> "مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں' کوئی اسے مانے یا نہ مانے' کہ یہ الہلال کی دعوت کا اثر تھا اور الہلال ہی نے وہ زمین تیار کی تھی جس پر بعد کو جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت نے اپنی اپنی عمارت کھڑی کی۔ افسوس ہے کہ یہ موضوع آج تک تشنۂ تحقیق ہے۔ تقابلی مطالعے سے دیکھنا چاہئے کہ جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت کے

---

[1] فاضل مضمون نگار نے یہاں جو سوال اٹھایا ہے اس کا انتہائی اطمینان بخش جواب امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے مضمون "مولانا ابو الکلام آزاد' جمعیت علماء ہند اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ" میں موجود ہے' جو اولاً میثاق ستمبر اکتوبر ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا اور اب محترم ڈاکٹر صاحب کی تالیف "جماعت شیخ الہندؒ اور تنظیم اسلامی" کے باب دوم "حضرت شیخ الہندؒ' مولانا ابوالکلام آزاد اور مسئلہ انتخاب و بیعتِ امام الہندؒ" میں شامل ہے۔ (ادارہ میثاق)

طریق کار اور مقاصد نے الہلال کی دعوت سے کس حد تک فائدہ اٹھایا۔ مطالعے کے دوران میں انحراف اور رد و بدل کے پہلو بھی سامنے آسکتے ہیں' لیکن اس سے نہ الہلال کی دعوت کی اہمیت کم ہوتی ہے نہ ان تحریکوں کی اس سے متاثر ہونے کی تغلیط۔"(۴۰)

## تعلیقات و حواشی

۱۔ مقالاتِ الہلال' اولستان لاہور' ۱۹۵۵ء' ص ۹۷' ۹۸ نیز ۱۳۹' ۱۴۰

۲۔ خطباتِ آزاد' مرتبہ مالک رام' ساہتیہ اکادمی نئی دہلی' ص ۲۷

۳۔ البلاغ ۱۷ مارچ' ۲۴ مارچ اور ۳۱ مارچ ۱۹۱۶ء کا مشترکہ شمارہ

۴۔ الہلال' جلد اول' شمارہ ۲۳' ۱۸ دسمبر ۱۹۱۲ء' ص ۶

۵۔ نفس مصدر' جلد اول' شمارہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۲ء' ص ۷' ۸

۶۔ مثال کے طور پر مولانا محمد حسین بٹالوی (۱۸۴۰ء۔۱۹۲۰ء) نے جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد فارسی زبان میں تصنیف فرمایا اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع کرائے۔ مولانا مسعود عالم ندوی کے بقول پوری کتاب تحریف و تلبیس کا نمونہ ہے۔ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک' دہلی ۱۹۸۱ء' ص ۲۰' ۲۱

۷۔ اس نکتہء نظر کی وضاحت کے لئے سر سید احمد خاں مرحوم (۱۸۱۷ء۔۱۸۹۸ء) کی تفسیر القرآن دیکھئے۔ رفاہِ عام پریس' لاہور' جلد اول' ص ۲۵۳' ۲۵۴' سورۂ بقرہ آیت ۱۸۶ کی تشریح

۸۔ الہلال' جلد اول' شمارہ ۱۶' ۱۷' ۶ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۳

۹۔ نفس مصدر' جلد دوم' شمارہ ۱۶' ۲۳/ اپریل ۱۹۱۳ء' ص ۲۵۷۔۲۵۸

۱۰۔ نفس مصدر' جلد دوم' شمارہ ۱۷' ۳۰/ اپریل ۱۹۱۳ء' ص ۳۱۳

۱۱۔ نفس مصدر' جلد دوم' شمارہ ۱۸' ۲ مئی ۱۹۱۳ء' ص ۳۱۳

۱۲۔ نفس مصدر' جلد دوم' شمارہ ۱۹' ۱۴ مئی ۱۹۱۳ء' ص ۳۱۳

۱۳۔ نفس مصدر' جلد دوم' شمارہ ۲۲' ۴ جون ۱۹۱۳ء' ص ۳۷۴

۱۴۔ مثال کے طور پر الہلال کی مندرجہ ذیل اشاعتیں دیکھئے : جلد ۳ شمارہ ۱۵' ۲ جولائی ۱۹۱۳ء' ص ۷' جلد ۲' شمارہ ۲۵' ۲۵ جون ۱۹۱۳ء' ص ۹' ۴۳۹' جلد ۳' شمارہ ۲' ۹ جولائی ۱۹۱۳ء' ص ۲۶

۱۵۔ اس لئے پروفیسر مشیر الحق کے اس اظہارِ شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ ہمارے پاس اس بات کا پتہ چلانے کا کوئی یقینی ذریعہ نہیں ہے کہ آیا اغراض و مقاصد پر مشتمل کوئی رسالہ شائع ہوا اور ممبروں کے پاس بھیجا گیا یا نہیں۔ دیکھئے مضمون حزب اللہ۔ مولانا آزاد کی انقلابی

کتابِ حیات کا ایک ورق' ایوانِ اردو دہلی' مولانا ابوالکلام آزاد نمبر' جلد ۲' شمارہ ۸' دسمبر ۱۹۸۸ء' ص ۹۶-۱۰۴

۱۶۔ قرآن کریم' بنی اسرائیل : ۸۰

۱۷۔ قرآن کریم' الاحزاب : ۲۱

۱۸۔ قرآن کریم' الممتحنہ : ۴

۱۹۔ قرآن کریم' التوبہ : ۱۱۲

۲۰۔ ابن منظور افریقی' لسان العرب' ج ۲' ص ۴۹۳' ۴۹۲' بیروت ۱۹۵۵ء

۲۱۔ حوالہ دستیاب نہیں ہو سکا۔

۲۲۔ حوالہ دستیاب نہیں ہو سکا۔

۲۳۔ سنن ابوداؤد' کتاب الجہاد ٦

۲۴۔ مولانا امین احسن اصلاحی' تدبر قرآن' جلد سوم' فاران فاؤنڈیشن' لاہور ۱۹۸٦ء' ص ٦۴٦' ٦۴۷

۲۵۔ الہلال' جلد سوم' شمارہ ۲۳' ۳ دسمبر ۱۹۱۳ء' ص ۴۲۱-۴۲۳

۲٦۔ قرآن کریم' فاطر : ۳۲

۲۷۔ الہلال' جلد سوم' شمارہ ۲۳' ۳ دسمبر ۱۹۱۳ء' ص ۴۲۴

۲۸۔ نفس مصدر' جلد پنجم' شمارہ ۲' ۸ جولائی ۱۹۱۴ء' ص ۲۸' ۲۹

۲۹۔ اس نقطۂ نظر کی بھرپور ترجمانی کے لئے پروفیسر مشیر الحق کا مضمون دیکھئے : حزب اللہ —— مولانا آزاد کی انقلابی کتاب حیات کا ایک ورق' حوالہ بالا' ص ۹٦-۱۰۴

۳۰۔ عبید اللہ فہد فلاحی' سیاست الہلال اور ہندوستانی مسلمان' ہلال پبلی کیشنز' کلکتہ ۱۹۹۰ء' ص ۱۳۷-۱۳۹

۳۱۔ الہلال' جلد پنجم' شمارہ ۵' ۲۹ جولائی ۱۹۱۴ء' ص ۸۹

۳۲۔ نفس مصدر' ص ۸۹

۳۳۔ نفس مصدر' ص ۹۱' ۹۲

۳۴۔ نفس مصدر' جلد دوم' شمارہ ۲۱' ۲۸ مئی ۱۹۱۳ء' ص ۳٦۷

۳۵۔ ماہنامہ برہان دہلی' ستمبر ۱۹۷۰ء' ص ۱٦۳' ۱٦۵

۳٦۔ مولانا غلام رسول مہر' نقش آزاد' لاہور' دوسرا ایڈیشن ۱۹۵٦ء' ص ۳۴۳-۳۴۵

۳۷۔ عبدالرزاق ملیح آبادی' ذکر آزاد' کلکتہ ۱۹٦۰ء' ص ۲۵' ۲٦

۳۸۔ الہلال' جلد اول' شمارہ ۳' ۲۷ جولائی ۱۹۱۲ء' ص ۲

۳۹۔ نفس مصدر' جلد سوم' شمارہ ۵' جولائی ۳۰' ۱۹۱۳ء ص ۸۴

۴۰۔ ایوانِ اردو' دہلی میں مالک رام کا مضمون "ابوالکلام آزاد۔ کچھ کرنے کے کام" جلد ۲' شمارہ ۸' دسمبر ۱۹۸۸ء' ص ۱۰' ۱۱ (یہ مقالہ اردو اکیڈمی گجرات کے سیمینار منعقدہ ۱۱-۱۲ اکتوبر ۱۹۸۸ء گاندھی نگر میں شرکت کی دعوت پر لکھا گیا)

# قیامِ اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر

## معروف سعودی دانشور ڈاکٹر سفر الحوالی کی تہلکہ خیز کتاب

### کی سلسلہ وار اشاعت —— قسط دوم

## نصاریٰ پر یہودی عقائد کا غلبہ

یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عیسائیوں کو یہودیوں کا ہم نوا بننے کی کیا ضرورت ہے؟ ہونا تو یہ چاہئے کہ عیسائی مسلمانوں کے ساتھ ہوتے' کیونکہ عیسائی عقیدہ کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کو سولی چڑھانے والے یہودی ہیں' البتہ ہمارا عقیدہ تو واضح ہے ﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ ﴾ مگر عیسائی تو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے نبی کو قتل کرنے والے اور حواریوں کو اذیت میں مبتلا کرنے والے یہودی ہیں۔ اور اولین عیسائیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے والے بھی یہی ہیں۔

جبکہ دوسری طرف یہودی عیسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا اور فریبی سمجھتے ہیں اور نزولِ مسیح کے بھی قائل نہیں۔ یہودیوں کے خلاف عیسائیوں کا مسلمانوں کی طرف جھکاؤ یقیناً معقول رویہ ہوتا' مگر یہودیوں نے اپنے مکرو فریب' چالاکی و دھوکہ بازی سے اور عیسائیوں کی ناسمجھی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں اپنا ہم نوا بنالیا ہے اور یہ موقع یوں کہہ کر نکال لیا کہ ہم دونوں یہود و نصاریٰ ایک ہی کتاب کے پیرو کار ہیں' یعنی کتابِ مقدس۔

آپ جانتے ہیں کہ کتابِ مقدس دو حصوں پر مشتمل ہے۔

عہدِ قدیم (Old Testament) جو دراصل تورات ہے اور عہد نامہ جدید (New Testament) —— مذکورہ بالا موضوعات اپنی طوالت کے ساتھ عہد نامہ قدیم میں آتے ہیں' جس کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ کتابِ مقدس پڑھنے والا اپنی ابتداء تورات سے کرتا ہے اور سب سے پہلے مذکورہ بالا موضوعات اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ مبتدی کے ذہن میں واضح ہو جاتے ہیں' جس کے نتیجے میں اس کا وہی عقیدہ بنتا ہے جو یہودیوں کا

اپنا عقیدہ ہے۔ عیسائیوں کی مسلمانوں کے ساتھ نہ ملنے کی ایک وجہ تو یہ ہے' اور دوسری وجہ قرآن مجید میں آتی ہے اور وہ اہلِ کتاب کا اُمتِ محمدیہ کے ساتھ حسد ہے جو اُن کی گھٹی میں پڑا ہے۔ قرآن کی رو سے عیسائی حقیقت کو جانتے ہیں۔ نجاشی کے اسلام لانے سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں' انہیں معلوم ہے کہ ہرقل قریب تھا کہ ایمان لے آتا' اور بے شمار عیسائی جو عیسائیت چھوڑ کر اسلام لائے ان سے بھی خوب واقف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کی رسالت کو بھی یہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں' مگر حسد کی بیماری انہیں گھن کی طرح چاٹ گئی ہے۔ بہرکیف دونوں مسیحوں میں معرکہ ٹھن چکا ہے۔ مسیح دجال پر یہودیوں کا ایمان ہے جسے وہ امن کا علم بردار کہتے ہیں اور اس کی آمد کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ اور یہودیوں کے جلو میں عیسائی بھی یہی ایمان رکھتے ہیں۔

یہاں ایک اور اشکال پیدا ہوتا ہے۔ آپ حضرات میں سے کوئی سوال کرنا چاہے کہ عیسائی تو عیسیٰ ابن مریمؑ کی آمد کا عقیدہ رکھتے ہیں' وہ کس لئے مسیح دجال کا انتظار کریں' جبکہ دونوں مسیحوں میں سخت عداوت ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہودی اپنے "مسیح" کو مسیح دجال نہیں کہتے' دجال کا اضافہ ہم مسلمان کرتے ہیں' دوسرا یہودیوں کے پیشوا اس الجھن کو خباثت اور چال بازی سے سلجھاتے رہے ہیں۔ اس کوشش میں عیسائی بھی برابر کے شریک کار ہیں۔ اس مشکل کا حل یہودیوں نے یہ تلاش کیا ہے کہ جہاں تک نزولِ مسیح کے عقیدہ کا تعلق ہے ہم دونوں تفصیلات میں الجھے بغیر اُس پر ایمانِ مجمل لاتے ہیں اور آئندہ کی سیاسی و عملی پالیسی اس عقیدہ کے تحت بناتے ہیں اور باقی امور نزولِ مسیح تک اٹھا رکھتے ہیں کہ نزولِ مسیح کے وقت دیکھا جائے گا' آیا یہودی اس پر ایمان لاتے ہوئے عیسائی مذہب اپناتے ہیں یا وہ یہودیوں کا مسیح ہوگا جو عیسائیوں کو ٹھکانے لگائے گا۔ ابھی تک یہ مسئلہ تعطل کا شکار ہے اور یہود و نصاریٰ اسے زیر بحث نہیں لاتے۔ عیسائی اختلافی عقائد کے باوجود یہودیوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔

## اہل کتاب اور عہد شکنی کی تاریخ

موجودہ واقعات کو سمجھنے میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ مسلم ممالک ٹھیک اس وقت

مغرب سے پینگیں بڑھا رہے ہیں جب مغرب پوری طرح سے دشمنی اور عداوت پر اتر آیا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے میں آپ کے سامنے ماضی قریب کی چند مثالیں لاتا ہوں۔ پہلی جنگ عظیم میں عربوں نے اتحادیوں کا ساتھ دیا اور انگریز کے جھنڈے تلے بیت المقدس کو فتح کیا اور جنرل ایلن بی نے جبل زیتون پر اپنا نیزہ گاڑتے ہوئے اعلان کیا کہ صلیبی جنگیں آج ختم ہوئی ہیں۔ درآں حالیکہ عرب اس کی فوج کا حصہ تھے اور جنگ کے اختتام پر سائکس پیکو معاہدہ ہوا جس سے عربوں کے تمام خواب چکناچور ہو گئے۔ شریف حسین کو خلافت سونپنے کا وعدہ بھی وعدۂ فردا ثابت ہوا اور وہ شیرازہ منتشر ہوا کہ شام جو پہلے عثمانی خلافت کا ایک صوبہ تھا تقسیم ہو کر چار مستقل ملکوں میں بٹ گیا' یعنی اردن 'لبنان' سوریا اور فلسطین۔ رہی سہی کسر اعلانِ بالفور (Balfour Declaration) نے نکال دی۔ ایک طرف عرب دوستی گانٹھنے میں انگریزوں سے مل کر برسرپیکار تھے اور دوسری طرف اعلانِ بالفور پر عملدرآمد ہو رہا تھا۔

دوسری دلیل جنگ عظیم دوم کی ہے جبکہ مسلمانوں کے بیشتر علاقوں پر یا تو برطانوی سامراج تھا یا فرانسیسی سامراج۔ جب جنگ کے لئے فوجیں بھرتی ہوئیں تو ہندوستان سے برطانیہ کے لئے جوان بھرتی ہوئے اور شمالی افریقہ کے اسلامی ممالک سے فرانس کے لئے بھرتی عمل میں لائی گئی۔ علمائے سوء سے حکمرانوں نے مسلمانوں کے لئے فتویٰ حاصل کیا کہ جرمنی کے خلاف لڑنا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اور مصر میں جب برطانیہ اور جرمنی کے مابین مشہور جنگ چھڑی تو ہندوستان کے علمائے سوء نے مصر پہنچ کر مسلمانوں کو جنگ میں شرکت کرنے پر اُبھارا اور اس جنگ کو جہاد فی سبیل اللہ کا عنوان دیا۔ مصر کی سرزمین میں لڑی جانے والی اس جنگ کا انجام قیامِ اسرائیل کی صورت میں ظاہر ہوا اور اعلانِ بالفور کا بالفعل نفاذ عمل میں لایا گیا۔ پردہ پوشی کے لئے پہلی جنگ عظیم میں اتحادی عصبیت اور صدر ولسن (Wilson Woodrwo) کے مرتب کردہ نکات کو ہوا دی گئی اور دوسری جنگ عظیم میں اقوامِ متحدہ کے منشور اور حقوقِ انسانی کے خوشنما نعروں کا راگ الاپا گیا۔ جس سال حقوقِ انسانی کا ڈھنڈورا پیٹا گیا' ٹھیک اسی سال اسرائیل کا قیام عمل میں لایا گیا' تا کہ دُنیا پر یہ ثابت کیا جائے کہ حقوقِ انسانی سے کیا مراد ہے اور ان حقوق کا مستحق کون

ہے؟ تیسری دلیل حالیہ خلیج کی جنگ ہے۔ اور جو ڈراما اس جنگ میں رچایا گیا وہ آپ سب پر واضح ہے۔ ڈھاک کے وہی تین پات 'عرب ابھی تک مغرب کے بہی خواہ ہیں اور ان کے خوشنما وعدوں پر آس لگائے بیٹھے ہیں۔ زیادہ عرصہ نہیں 'چند سالوں میں ہم بچشم سر دیکھیں گے کہ مغرب ہمارے ساتھ کیا برتاؤ کرنے والا ہے۔ جو کچھ ہو گا وہ پہلے سے مختلف نہ ہو گا۔ یہ تین دلیلیں ماضی قریب کی ہیں 'پرانی تاریخ اس کے علاوہ ہے۔ لَاحَوْلَ وَلاَ قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہِ

اب ہم اپنی گفتگو کا رُخ عیسائیوں پر مرکوز کرتے ہیں 'کیونکہ فی زمانہ ہم ان کے کہے پر چل رہے ہیں 'خواہ انہوں نے ہمیں ہر بار دھوکہ ہی کیوں نہ دیا۔ عیسائیوں کا ایک عقیدہ جان لیجئے! جب عیسٰی علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے تو اس زمانے کے عیسائیوں نے دعویٰ کیا کہ عنقریب ایک سال بعد نزولِ مسیح ہو گا 'پھر وہ دُنیا پر ایک ہزار سال حکمرانی کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ سن ایک ہزار عیسوی کے اختتام پر دُنیا کے بیشتر عیسائی نزولِ مسیح کے منتظر رہے۔ اب پھر عیسوی جنتری کے حساب سے دو ہزار سال مکمل ہونے والے ہیں اور مذکورہ بالا عقیدہ پھر سے منظرعام پر آگیا ہے جس کی رو سے نزولِ مسیح مملکت اسرائیل یعنی فلسطین میں ہو گا جو اُن کا آبائی وطن ہے اور یہودیوں کا فلسطین میں آباد ہونا نزولِ مسیح کا پیش خیمہ ہے۔ اس عقیدہ کو عہدِ ہزار سالہ (Millenarian) کہتے ہیں۔ اس لئے چار دہائیاں پہلے عیسائیوں نے ارضِ فلسطین میں یہودی آباد کاری کی بنیاد رکھی نزولِ مسیح کی تمہید کے طور پر۔ یہودیوں سے پہلے عیسائیوں نے اسرائیل کی بنیاد ڈالی۔ یہ عقیدہ عیسائیوں کے بنیادی عقائد میں سے ہے جس پر وہ پختہ ایمان رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں جو پیش رفت ہو چکی ہے اس کا خلاصہ میں بیان کرتا ہوں۔

امریکہ میں ایک مشہور کتاب چھپی ہے جس میں مصنف نے پیشین گوئی کی ہے کہ دو ہزار عیسوی کے قریب دُنیا کی تہذیب اور اس کا تمدن تباہ ہو جائے گا۔ اور مصنف منصوبہ بندیوں کو ترک کرنے کا مشورہ دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ امریکہ کو قرضوں کی واپسی کا تقاضا کرنے کی بھی ضرورت نہیں اور نہ امریکہ میں مہنگائی کا رونا پیٹنے کی ضرورت ہے۔ چند سالوں میں سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ ہرمجدون (Armageddon) کی عظیم ترین جنگ

چھڑنے والی ہے جو بت پرستوں اور عیسائیوں کے درمیان ہوگی۔ جن دنوں خلیج کی جنگ ہو رہی تھی آپ نے ذرائع ابلاغ سے اس جنگ کا ذکر ضرور سنا ہوگا۔ اور امریکیوں کو باور کرایا گیا کہ خلیج کی جنگ ہی ہرمجدون یا سہل مجدون ہے۔[1]

سہل مجدون فلسطین میں ایک جگہ کا نام ہے۔ مصنف لکھتا ہے کہ اس فیصلہ کن معرکہ میں لڑنے والے فوجیوں کی کل تعداد چالیس کروڑ ہوگی۔ گوکہ اتنی بڑی تعداد میں فوج ہونا ممکن نہیں' مگر عیسائی اسی طرح سمجھتے ہیں اور عنقریب یا دو ہزار عیسوی تک اس معرکہ کے بپا ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ایٹمی جنگ ہوگی جس میں نزولِ مسیح ہوگا اور ایمان والے ان کے ساتھ بادلوں سے اوپر چلے جائیں گے اور بت پرست مشرکوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ آپ حیران نہ ہوں' امریکہ میں بھی ایسی بحثیں ہوتی ہیں۔ عیسائی اس مقدس جنگ پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ ہمارے پاس اُن کے اِس عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے کئی دلائل ہیں۔

گیارہ سے زائد مرتبہ صدر ریگن نے اس عقیدہ پر اپنے ایمان کا اظہار کیا ہے۔ صدر ریگن کے علاوہ صدر بش اور دیگر سربراہان نے بھی اس عقیدہ پر اپنے ایمان کا اظہار کیا ہے۔ دانشور طبقہ ان کے علاوہ ہے۔ اور ظاہر ہے مذہبی حضرات کا اس عقیدہ پر ایمان تو ہونا ہی ہے۔ ان شخصیات میں معرکہ ہونے کے وقت میں اختلاف تو پایا جاتا ہے' لیکن خود معرکہ کے وقوع پذیر ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

آپ شاید اس بات کو نہ جانتے ہوں کہ عیسائی کنعانیوں یعنی مسلمانوں کو بت پرست کہتے ہیں اور انہی کا خاتمہ مقصود ہے' جبکہ مسیح کی مدد سے پوری دُنیا کے عیسائی سرفراز ہوں گے' یعنی شکاگو اور پیرس کی برہنہ طوائفیں شریف زادیاں کہلائیں گی۔ یہ جنگ کنعانیوں کے نیست و نابود ہونے پر ختم ہوگی اور مسلمان صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے۔ یہ ہے وہ عقیدہ جس پر عیسائی کاربند ہیں۔

---

[1] عیسائی عقیدہ کی رو سے مستقبل میں ایک مقدس جنگ کا نام۔ حدیث میں ایسی لڑائیوں کو ملاحمِ کبریٰ کہا گیا ہے۔

## امریکہ کے بنیاد پرست قائدین

صدر نکسن (Nixon) کو امریکہ کے فکری اور نظریاتی لوگوں میں سے ایک اہم شخصیت سمجھا جاتا ہے۔ اس نے اپنی کتاب کا نام ہی "Victory without War 1999" رکھا ہے' یعنی سال ۱۹۹۹ء تک امریکی پوری دُنیا کے حکمران ہوں گے اور یہ فتح انہیں بلا جنگ حاصل ہو گی' اور پھر امورِ مملکت مسیح سنبھال لیں گے۔ گویا مذکورہ سال تک موعود مسیح کے انتظامات مکمل ہو چکے ہوں گے اور امریکیوں کی ذمہ داری ان انتظامات کے مہیا کرنے تک ہے۔ اس کے بعد نظام مملکت مسیح چلائیں گے۔ مذکورہ کتاب ان دنوں منظرعام پر آئی تھی جب روسی سابقہ صدر گورباچوف امریکی دَورے پر تھے' کیونکہ اسلام کے خلاف مغربی اور مشرقی دونوں بلاکوں کا اتفاق ہے۔ اس کتاب کے چند اقتباسات بطورِ نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

"روس اور امریکہ کو اسلامی بنیاد پرستی کے خلاف متفقہ معاہدہ کرنا چاہئے"۔ صدر نکسن اسلامی بنیاد پرستی کے خلاف تو گورباچوف اور ریگن کو متفقہ معاہدہ کا مشورہ دے رہے ہیں اور دوسری طرف انہیں بڑھتی ہوئی عیسائی بنیاد پرستی سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا جس کی تفصیل آگے چل کر آ رہی ہے۔ صدر نکسن آگے چل کر یہودیوں اور عربوں کے باہمی تعلقات میں خوشگوار تبدیلی کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

> "عربوں اور یہودیوں کے درمیان پائی جانے والی عداوت میں کمی آئی ہے۔ اس تبدیلی کی نوعیت یہ ہے کہ ایک طرف بنیاد پرست مسلمانوں کا ٹولہ ہے اور دوسری طرف اسرائیل اور معتدل عرب ممالک ہیں"۔

مراد ہے کہ اسلامی بنیاد پرستی کے قلع قمع کے لئے اسرائیل کے ساتھ عرب ممالک بھی صف بستہ ہیں۔ اور آنے والے نئے معرکے میں ایک طرف امریکہ' اسرائیل اور معتدل عرب ہیں اور دوسری طرف مسلمان بنیاد پرست ہیں۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ :

> "عالم اسلام میں مراکش سے انڈونیشیا تک نیا کیمونزم اسلامی بنیاد پرستی کی صورت میں ابھر رہا ہے جو تبدیلی بذریعہ خونی انقلاب لانا چاہتے ہیں"۔

مراد ہے کہ پہلے جس جنونیت اور انتہاپسندی کا اطلاق ہم روس پر کیا کرتے تھے اس

کا اطلاق مسلمانوں پر ہونا چاہئے۔ اب اس جنونیت کی وارث اُمت مسلمہ ہے' مراکش سے انڈونیشیا تک۔

کتاب کے اختتامیئے پر نکسن جذباتی انداز میں لکھتا ہے :

"گزشتہ دو صدیوں میں امریکہ ایک مفلس اور کمزور ملک تھا' اور اس پورے عرصہ میں ہماری بقاء کا ضامن ہمارا عقیدہ تھا۔ اب جبکہ ہم اکیسویں صدی میں داخل ہو رہے ہیں اور اپنی تاریخ کی تیسری صدی کا آغاز کرنے والے ہیں ہمیں اپنے عقیدہ کا پھر سے جائزہ لینا ہے اور اس میں نئی روح اور امنگ پیدا کرنی ہے۔"

گویا خود نکسن بھی بنیاد پرستی پر ایمان رکھتا ہے' مگر بنیاد پرستی کی اصطلاح صرف مسلمانوں پر چسپاں ہو سکتی ہے' اس لئے صدر نکسن کو انتہا پسند نہ کہا جائے گا۔

عہد ہزار سالہ کا عیسائی عقیدہ امریکی سربراہان کے پیش نظر رہا ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کتاب "البعد الدِّینی" کا مؤلف لکھتا ہے کہ صدر جمی کارٹر نے اپنے اس عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی نوعیت صرف خاص ہی نہیں بلکہ یہ اپنی نوعیت کے منفرد تعلقات ہیں جس کی جڑیں ہمارے دلوں میں' ہمارے اخلاقیات میں اور ہمارے عوام کے اعتقادات میں ہیں۔ دونوں ممالک کے قیام میں اوائل مہاجرین کا ہاتھ ہے اور یہ انعام تورات کی پیشین گوئی کے مصداق ہے۔ کتاب کا مؤلف مزید لکھتا ہے کہ سات امریکی سابقہ سربراہان معرکہ ہرمجدون پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ عرب یہود تنازعہ کی نوعیت وہی ہے جو داؤد اور جالوت' جسے وہ گولتھ (Goliath) کہتے ہیں' کے مابین تھی۔ جالوت سے عرب مراد ہیں اور داؤد علیہ السلام سے یہودی۔ معاذ اللہ۔

صدر ریگن نے واضح لفظوں میں کہا کہ جنگ ہرمجدون کی ہلاکت انگیزی قریب ہے۔ اور جب کیتھولک فرقہ کے ایک امیدوار نے انتخابی مہم کے دوران صدر ریگن کو بدنام کرنے کے لئے یہ کہا کہ تم جیری فول ویل کے عقیدہ پر یقین رکھتے ہو' تو اس کے جواب میں ریگن نے زور دے کر کہا کہ دُنیا فنا ہونے والی ہے۔

صدر ریگن نے اپنے اس عقیدہ کا اظہار گیارہ سے زائد مرتبہ کیا ہے' خواہ کیلیفورنیا کی گورنری کا زمانہ ہو خواہ امریکہ کی صدارت کا۔ اس عقیدہ کا ذکر انہوں نے اپنے گھر میں کیا' وائٹ ہاؤس میں کیا' عشائیے اور دوپہر کے کھانے میں کیا' عام لوگوں سے کیا' جن حضرات نے ٹیلی فون پر استفسار کرنا چاہا ان سے بھی یہی عقیدہ بیان کیا' مذہبی اور دیگر سیاسی قائدین کے درمیان یہ عقیدہ دہرایا' اپنے دفتری عملے سے اور یہاں تک کہ فاتر العقل لوگوں سے بھی یہی بات کہی' یعنی ہر مجدون اور عنقریب دُنیا کے فنا ہونے کا عقیدہ۔

صدر بش نے جیری فول ویل کی مدح سرائی میں کہا "میں پوری دیانتداری سے اس یقین کا اظہار کرتا ہوں کہ اگر جیری فول ویل جیسی شخصیات پیدا ہوتی رہیں تو ہمیں آئندہ یہودیوں کے قتل عام جیسی رسوائی پھر نہ دیکھنا پڑے گی"۔

جیری فول ویل عیسائی بنیاد پرستی کا بڑا قائد باور کیا جاتا ہے جو یہودیوں کے ارضِ مقدس میں لوٹنے اور موعود مسیح کا قائل ہے اور جارج بش کے قریبی ساتھیوں میں سے ایک ہے۔ جارج بش اپنی کتاب (Looking Forward) میں لکھتا ہے کہ اس کا دادا ایک پادری تھا اور ان کا گھرانہ مذہبی تھا جس کے افرادِ خانہ ہر روز کتابِ مقدس کا مطالعہ کرتے تھے۔ چین میں انہیں اپنی سفارتی ذمہ داریوں کے دوران نوزائیدہ بچی کی پیدائش پر بپتسمہ دینے کے لئے کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا' کیونکہ چین میں کلیسا کم ہی ہوتا ہے۔ یہ مشکل صرف مذہبی لوگوں کو پیش آتی ہے' کیونکہ بپتسمہ کا جھنجھٹ صرف مذہبی لوگوں نے پال رکھا ہے۔ اس طرح کے اور واقعات بھی انہوں نے خود بیان کئے ہیں۔

عیسائی مذہب میں دیندار کہلانا ایسا نہیں ہے جیسا ہمارے ہاں دینداری سے سمجھا جاتا ہے۔ عیسائی مذہب کسی قاعدے ضابطے کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اس مذہب میں کوئی ٹھوس اور جامع شریعت سرے سے ہے ہی نہیں۔ صرف چرچ جانے اور پادری کو راضی کرنے کی پابندی کا نام عیسائیت ہے۔ یہ بات دہرانے کے بعد کہ سات امریکی سربراہانِ مملکت تورات کی پیشین گوئیوں پر یقین رکھتے ہیں' میں اپنی گفتگو کا موضوع صیہونی تحریک کی طرف پھیرتا ہوں۔ صیہونی تحریک کی بنیاد کس طرح پڑی! صیہونی تحریک فلسطین پر اپنے حق

کی دعویدار کیوں بنی اور کیونکر لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے جو عہد باندھا تھا وہ یہودیوں کے حق میں ہے اور مسلمانوں کے حق میں نہیں! یہ وہ موضوعات ہیں جن پر مجھے گفتگو کرنا ہے۔

تاریخ کی کتب میں اس تحریک کا بانی یہودی نژاد تھیوڈور ہرتشل (Theodor Hertzel) کو باور کرایا جاتا ہے' مگر حقیقت کچھ اور ہے۔ دراصل یہودیوں کو متحد کرنے کی بنیاد عیسائیوں نے رکھی تھی' کیونکہ عیسائی تورات کی پیشین گوئیوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس پیش رفت پر چار صدیاں گزر چکی ہیں۔ اگر ہمیں اس حقیقت کا ادراک نہ ہوا کہ صیونی تحریک سے پہلے یہودیوں کو متحد کرنے والے عیسائی ہیں تو ہمیں مغرب کے موجودہ موقف کو سمجھنے میں غلطی لگ سکتی ہے۔ خاص کر امریکہ کا اس سہ فریقی تنازعہ کے متعلق جو موقف رہا ہے اسے بھی اسی تناظر میں دیکھا جائے۔

صیونی تحریک کے اصل بانی کو جاننے کے لئے ہمیں یہودیوں کی یورپ میں پرانی حیثیت جانئی ہوگی' کیونکہ اس تحریک کا اصل بانی مارٹن لوتھر (Martin Luther) ہے۔ یہودیوں پر انجیل اور قرآن دونوں میں لعنت کی گئی :

﴿ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○ ﴾ (المائدة . ۷۸)

"بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی' کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے۔"

یہودی عیسائیوں کے ہاں لعنتی سمجھتے جاتے ہیں' لیکن اس کا سبب قرآن میں مذکورہ آیات نہیں' بلکہ وہ عقیدہ ہے جس کی رو سے ان کے رب مسیح کو قتل کرنے والے یہودی تھے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔

کلیسا جس کا صدر مقام روم میں ہے' یہودیوں اور ان کی دعوت پر ایسی لعنت کرتا رہا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ کلیسا کی یہودیوں سے نفرت کا اندازہ آپ اس واقعہ سے لگا سکتے ہیں کہ جب یورپ میں ایک بیماری وبائی شکل اختیار کر گئی جسے یورپی تاریخ میں

سیاہ طاعون یا کالی وباء (Bubonic Plague) سے موسوم کیا جاتا ہے' اس وباء سے لاکھوں باشندے ہلاک ہوئے' یہاں تک کہ شہروں کے شہر اور بستیوں کی بستیاں ویران ہو گئیں' جس پر پاپائے روم نے اپنے سرکاری بیان میں اس وباء کا سبب یہودی نامرادوں کو قرار دیا۔ بعد ازاں یہ فتویٰ یورپ کے بیشتر علاقوں میں زبان زد ہر خاص و عام ہوا' در آں حالیکہ خود یہودی اس وباء کا اسی طرح شکار ہوئے جس طرح عیسائی ہوئے' لیکن یہودیوں سے شدید نفرت کے اظہار کے طور پر ہر بری چیز کی نسبت یہودیوں سے کرنا ایک روایت بن گیا تھا اور کئی تنظیمیں محض معاشرے کو یہودیوں کے وجود سے پاک کرنے کے لئے وجود میں آئیں جن کی سرپرستی پاپائے روم کیا کرتا تھا اور اسی بناء پر برطانیہ اور جرمنی سے یہودی نکالے گئے۔ اسی طرح فرانس سے یہودیوں کو ملک بدر کیا گیا۔ جلاوطنی کی یہ رسم تیرھویں صدی سے شروع ہو کر پندرھویں صدی تک رہی۔ یہ تحریک Jewish Expulsion یا Spanish Inquisition کہلائی' جس سے عموماً یہودیوں سے پاک معاشرہ مراد لیا جاتا' کیونکہ عیسائی یہودیوں کی بابت یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ کی پیدا کردہ مخلوقات میں خبیث ترین اور شریر ترین مخلوق یہودی ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے۔

یہودیوں کی جلاوطنی (Diaspora) کے اس دور میں یہودیوں نے اولاً اسلامی اندلس میں پناہ لی جہاں جا کر انہیں چین نصیب ہوا' کیونکہ مسلمان یہودیوں کو اہل کتاب باور کرتے ہیں اور ذمیوں کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ اس لئے اندلس میں یہودیوں کو کوئی گزند نہ پہنچی۔ لیکن جب اسلام کا دور قِصّہ' پارینہ ہوا اور اندلس عیسائیوں کی عملداری میں آیا اور اسلامی میڈرڈ عیسائیوں کے تسلط میں چلا گیا تو ایک مرتبہ پھر یہودیوں کے لئے جلاوطنی کا دور آ گیا۔ انہیں سخت تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اگرچہ عیسائیوں نے مسلمانوں پر بھی ظلم کے پہاڑ توڑے لیکن ہماری گفتگو کا موضوع چونکہ یہودی ہیں اس لئے اسلامی اندلس اور مسلمانوں پر کیا بیتی؟ زیر بحث نہ آئے گا۔

## امریکہ ایک مذہبی ریاست

ظلم و جبر کے مارے یہودیوں کے لئے یورپ کے دور دراز علاقوں میں پناہ لینے کے

علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب قدرتِ خداوندی سے نئی دنیا امریکہ دریافت ہوئی اور یہودیوں کے لئے امریکہ جانے کا موقع نکل آیا۔ دوسری طرف پروٹسٹنٹ فرقے اور کیتھولک فرقے بھی آپس میں دست و گریباں تھے جس کی بناء پر پروٹسٹنٹ فرقے کے حامی بے شمار عیسائیوں نے بھی امریکہ کی جانب ہجرت اختیار کی اور آج تک یہی فرقہ امریکہ میں غالب چلا آرہا ہے۔

یہاں پر پروٹسٹنٹ فرقے کے عقائد بھی جان لیجئے۔ اس فرقہ نے سب سے پہلے پوپ کو نشانہ تنقید بنایا اور ان سے مناظرے کئے۔ یہ فرقہ اللہ اور بندے کے درمیان پادری کے وسیلہ کو نہیں مانتا۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر شخص کو کتابِ مقدس پڑھنے کا حق حاصل ہے اور ضرور پڑھنی چاہئے اور کتابِ مقدس پر بلاواسطہ ایمان لانا چاہئے۔ پروٹسٹنٹ فرقہ کے عقائد میں یہ تبدیلی دراصل صلیبی جنگوں کی وجہ سے آئی تھی جس کے دوران انہوں نے دیکھا کہ مسلمان بغیر کسی وسیلے واسطے کے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ پروٹسٹنٹ فرقہ کی تحریک سے یورپ میں مذہبی رجحانات کے اندر ایک نئی رو چلی اور لوگ براہِ راست تورات سے رجوع کرنے لگے اور مارٹن لوتھر نے، جو دراصل اس تحریک کا بانی تھا، کتابِ مقدس کا ترجمہ انگریزی اور جرمنی زبان میں کر ڈالا، اور یہی وجہ ہے کہ یہ فرقہ جرمنی اور برطانیہ میں خوب پھیلا۔ اس تحریک کی وجہ سے عیسائی کتابِ مقدس کی حرفیت پر ایمان لائے اور تورات کی عصمت کے قائل ہوئے اور اسے وحی تسلیم کیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر آئی ہے۔ تورات سے براہِ راست رجوع کرنے کے نتیجے میں انہیں ابراہیم اور یعقوب علیہ السلام کے ساتھ باندھے گئے عہد کے متعلق علم ہوا جس کا خلاصہ میں گزشتہ گفتگو میں بیان کر چکا ہوں۔

پروٹسٹنٹ تحریک کے اثر سے ہی عیسائی اس بات کے قائل ہوئے کہ فلسطین یہودیوں کی سرزمین ہے۔ اور اس وقت سے عیسائی یہودی باہمی تعلقات سدھرنے لگے۔ یہودیوں کی طرح پروٹسٹنٹ فرقے نے بھی امریکہ کی طرف ہجرت کی، کیونکہ اس فرقہ کے حامی کیتھولک فرقے کے ستائے ہوئے تھے۔ اور انہوں نے اپنی اس ہجرت کو بنی اسرائیل کی ہجرت سے تشبیہہ دی اور کہا کہ جیسے بنی اسرائیل ارضِ مقدس میں وارد

ہوئے تھے ویسے ہم امریکہ میں وارد ہوئے ہیں۔ انہوں نے شہروں کے نام انہی ناموں پر رکھے جن کا ذکر تورات میں آیا۔ یہ امریکی اپنے آپ کو تورات کی تعلیمات پر مانتے ہیں اور سرزمین امریکہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت مانتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض امریکی بنیاد پرست فلسطین کے بجائے امریکہ کو ارضِ موعود سمجھتے ہیں۔

امریکی معاشرے کی اٹھان پروٹسٹنٹ افکار پر ہوئی جن میں نہ کلیسا کی کوئی اہمیت ہے اور نہ پادری کا فیصلہ مانا جاتا ہے۔ یہ فرقہ مذکورہ بالا عہد پر پختہ ایمان رکھتا ہے۔

جس زمانے میں ـــــ خصوصاً گزشتہ صدی میں ـــــ امریکہ اور برطانیہ میں پروٹسٹنٹ تحریک فروغ پا رہی تھی اس زمانہ میں صیہونی تحریک کی فکری بنیادوں کا آغاز ہوا' جس کے کچھ عرصہ بعد صیہونی تحریک کی بنیاد پڑ گئی ہے' جسے تھیوڈور ہرتشل کی صیہونی تحریک سے امتیاز رکھنے کے لئے صیہونی نصرانی تحریک کا نام دیا گیا۔ بر سبیل مثال ملکہ وکٹوریہ کے عہد حکومت میں برطانیہ میں "دریافت فلسطین" کے لئے ایک فنڈ قائم کیا گیا جس کا نگران کنٹربری (Canterbury) کے لاٹ پادری کو مقرر کیا گیا۔ وہ برطانیہ کا بشپ اعظم تھا جسے تورات میں مذکورہ ارضِ موعود اور اس کی حدود کی تلاش کا کام سونپا گیا۔ اس کے بعد بالفور نمودار ہوا (مشہور زمانہ اعلانِ بالفور کا بانی)۔ بالفور کی بھانجی نے اس کی سوانح حیات مرتب کی ہے جس میں وہ لکھتی ہے کہ بالفور تورات پر پختہ ایمان رکھتا تھا' وہ اس کی تلاوت سے رطب اللسان رہتا اور تورات کی حرف بحرف تصدیق کیا کرتا۔ اور اعلان بالفور دراصل اس کے پختہ ایمان کا ثمرہ ہے۔ اعلان بالفور کے وقت برطانیہ کا وزیر اعظم جارج لوئیس (George Louis) تھا جس نے اپنے متعلق صراحت سے کہا کہ وہ صیہونی ہے اور تورات میں یہودیوں کی ارضِ مقدس میں یقینی دروس کے متعلق جو ذکر آیا ہے اس پر پختہ ایمان رکھتا ہے۔ اور ارضِ مقدس میں یہودیوں کی واپسی نزولِ مسیح کا پیش خیمہ ہے۔

ادھر امریکہ میں بھی اس زمانے میں یہی صورتحال تھی۔ صدر ولسن (Wilson) نے یہودیوں کے مطالبے کی پر زور حمایت کی۔ بلکہ صدر ولسن کی حمایت سے پہلے بلیک اسٹون نے فلسطین میں یہودیوں کی آباد کاری کا مطالبہ کیا۔ بلیک اسٹون اسرائیل کی

پسندیدہ شخصیات میں سے تھا جو کوئی متشدد صیہونی نہیں بلکہ امریکہ کا ایک کٹر عیسائی تھا' لیکن اس کے باوجود اس نے ارضِ مقدس میں یہودیوں کی آباد کاری کے لئے پر زور مہم چلائی۔ یہ واقعہ صدر ولسن کا صدارتی عہدہ سنبھالنے سے پہلے کا ہے' بلکہ اس وقت تک خود صیہونی تحریک کی بنیاد نہ پڑی تھی' کیونکہ بلیک اسٹون کی تاریخ پیدائش ۱۸۴۱ء ہے۔ بلیک اسٹون "Jesus is Coming" نامی کتاب کا مؤلف ہے جو انیسویں صدی میں اشاعت کے ریکارڈ توڑنے والی چند کتابوں میں نمایاں کتاب تھی۔ اس کتاب کے لگ بھگ دس لاکھ سے زائد نسخے فروخت ہوئے اور اڑتالیس سے زائد زبانوں میں اس کتاب کا ترجمہ ہوا' جس میں سے ایک ترجمہ عبرانی زبان میں بھی تھا۔ صیہونی تحریک سے پہلے قیامِ اسرائیل کا مطالبہ کرنے والے عیسائی تھے نہ کہ یہودی۔ بلیک اسٹون اپنی کتاب میں لکھتا ہے : "فلسطین میں یہودی مملکت کے قیام کے سلسلہ میں صیہونی تحریک کامیاب ہو یا نہ ہو' تورات کی رو سے صیہونی مملکت نے بنناہی ہے'

بعد ازاں بلیک اسٹون نے اپنے رفقاء کی مدد سے ایک یادداشت مرتب کی اور ۴۱۳ سے زائد اہم امریکی شخصیات سے اس یادداشت کی حمایت میں دستخط لینے میں کامیاب ہوا جن میں منتخب ارکانِ اسمبلی' جج' وکیل اور دوسری امتیازی حیثیت کی حامل شخصیات شامل تھیں۔ یادداشت کو امریکی صدر بنجمن ہیریسن کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ یادداشت میں اسرائیلی مطالبات کو تسلیم کرنے کی سفارش کی گئی تھی اور یہودیوں کو ارضِ فلسطین میں بسانے کے لئے امریکی صدر سے اپنا بھرپور تعاون اور اثر و رسوخ استعمال کرنے کی درخواست کی گئی تھی ۔ مذکورہ یادداشت ۱۹۱۹ء میں مرتب کی گئی۔

بنجمن کے بعد صدر ولسن کا دور آیا۔ اس زمانہ میں پہلی جنگ عظیم چھڑی ہوئی تھی' عرب اتحادیوں کے حمایتی بنے ہوئے تھے۔ اس زمانے میں صدر ولسن نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ "خادمِ کلیسا (یعنی ولسن) پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ارضِ مقدس اس کے صحیح مستحقین (یہودیوں) کو واپس دلانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے"۔

یہودیوں کی ایک کتاب میں صدر ولسن کی تعریف میں لکھا ہے "صدر ولسن نے یہودی مفادات کے لئے دُور رس اقدامات کئے۔ صیہونی نصرانی فکر سے ان کے لگاؤ کی یہ

حالت تھی کہ وہ سیاسی اور اخلاقی نتائج کو بالائے طاق رکھ دیا کرتے تھے۔"

آپ کو تعجب ہو گا کہ مہذب دنیا کا صدر یعنی ولسن دنیا میں یہودیوں کی کل آبادی دس کروڑ سمجھتا تھا۔ یہ واقعہ ایک مؤرخ نے تحریر کیا ہے۔ در آں حالیکہ اس وقت یہودیوں کی کل آبادی ایک کروڑ دس لاکھ تھی۔ غور فرمائیں کس قدر عیاری سے امریکی صدر کے ذہن میں غلط اعداد و شمار بٹھائے گئے۔

ایک اور شخصیت کا بیان نقل کئے بغیر بات ادھوری رہے گی۔ اس کا شمار امریکہ کی چند سربر آوردہ شخصیات میں ہوتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد وہ کانگریس کی خارجہ کمیٹی کا چیئرمین بھی رہ چکا ہے۔ ۱۹۲۲ء میں بوسٹن کے اندر اپنی ایک تقریر میں یہودیوں کو ایک تجویز دیتے ہوئے کہا "یہ عمل نہایت قابل ستائش ہو گا کہ پوری دنیا کے واپسی کے خواہش مند قوم پرست یہودی اپنے آبائی وطن میں قومی مملکت تشکیل دیں' وہ آبائی وطن جس میں وہ ہزاروں سال پلے بڑھے۔ اور یہ بات مجھے سخت ناگوار ہے کہ قدس یعنی یروشلم اور فلسطین کے علاقے محمدیوں کی عملداری میں چلے جائیں۔

تاریخ کا عام طالب علم بھی اس دروغ گوئی کو بھانپ سکتا ہے جو موصوف نے یہودیوں کی بابت کہی ہے' کیونکہ ارض فلسطین میں یہودیوں کا قیام معدودے چند سو سال سے زائد نہ تھا۔

اپنے اختتامی کلمات میں اس نے کہا "میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ قدس اور فلسطین میں محمدیوں کا قبضہ ہو"۔

یہ الفاظ کانگریس کی خارجہ کمیٹی کے چیئرمین کے ہیں اور یہ بات ۱۹۲۲ء کی ہے' یعنی اسرائیل بننے سے ۲۶ سال پہلے۔ وہ بار بار اپنی نفرت کا اظہار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "مجھے ہرگز گوارا نہیں کہ قدس پر محمدیوں کی حکومت ہو"۔ آپ کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اس آگ کو بھڑکانے والے یہودیوں سے پہلے عیسائی تھے۔ فلسطین میں قیام اسرائیل کی ضرورت پر عیسائی پہلے ایمان لائے تھے' جبکہ یہودی بعد میں۔

(جاری ہے)

# متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کے
# عہدیداروں کا سالانہ انتخاب

## برائے سال ۲۰۰۱ ـ ۲۰۰۰ء

(مرتب : ڈاکٹر عبدالخالق 'ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان)

متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کے دستور کے مطابق عہدیداروں کا انتخاب ایک سال کے لئے ہوتا ہے۔ محاذ میں شامل چار جماعتوں کے تین تین نمائندوں پر مشتمل مرکزی شوریٰ کے اراکین خفیہ رائے دہی سے عہدیداروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ اس طریقہ سے تین عہدیدار منتخب کئے جاتے ہیں 'یعنی صدر 'نائب صدر اور ناظم مالیات۔ معتمد اور ناظم نشرو اشاعت کا تقرر صدر محاذ شوریٰ کے مشورے سے کرتے ہیں۔

مئی ۹۹ء میں متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کی تشکیل ہوئی تھی اور ۶ جون کو شوریٰ کے پہلے اجلاس میں عہدیداروں کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔ ایک سال مکمل ہونے پر ۵ جون ۲۰۰۰ء کو مرکزی شوریٰ کے اجلاس میں سال ۲۰۰۱۔ ۲۰۰۰ء کے لئے عہدیداروں کا انتخاب ہوا۔ گزشتہ سال صدر محاذ کے طور پر تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا انتخاب عمل میں آیا تھا' چنانچہ تنظیم اسلامی کے اراکین شوریٰ برائے متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کے مابین یہ طے ہوا کہ اب صدر محاذ کے لئے محاذ میں شامل کسی اور دوسری جماعت کے سربراہ کو ووٹ دیا جائے۔

شوریٰ کے اجلاس میں سب سے پہلے صدر محاذ کا انتخاب عمل میں آیا اور کل ۱۲ اراکین شوریٰ میں سے ۹ اراکین نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے حق میں ووٹ دیا۔ گویا سوائے تنظیم اسلامی کے دیگر جماعتوں کے تمام اراکین نے ڈاکٹر صاحب کو ووٹ دیا۔ اس انتخاب پر امیر تنظیم اسلامی نے شوریٰ کے اراکین سے درخواست کی کہ آپ صدر محاذ کے طور پر کسی دوسرے فعال شخص کا انتخاب فرمائیں۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے

فرمایا کہ میں کسی تکلف سے کام نہیں لے رہا۔ گزشتہ سال جب آپ نے صدر محاذ کے طور پر مجھے منتخب کیا تو میں نے کسی پس و پیش کے بغیر اس ذمہ داری کو قبول کر لیا تھا' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ گزشتہ سال کے دوران میں محاذ کو متحرک نہیں کر سکا اور اس لحاظ سے میں اپنی ناکامی کا اعتراف کرتا ہوں۔ ثانیاً محاذ کی اب تک کی کارکردگی اور دیگر جماعتوں کی عدم دلچسپی کے باعث محاذ کے حوالے سے مجھ پر مایوسی کی سی کیفیت ہے' اور ظاہر ہے کہ ایک مایوس شخص محاذ کو کیسے متحرک کر سکے گا۔ چنانچہ ایک تو آپ صدر محاذ کے طور پر کسی نسبتاً متحرک شخصیت کا انتخاب کریں' دوسرا یہ بھی ہے کہ ایسا تاثر سامنے نہیں آنا چاہئے کہ محاذ پر تنظیم اسلامی کی اجارہ داری ہے' درآنحالیکہ محاذ کی تشکیل کے ضمن میں کوشش کرتے ہوئے تنظیم اسلامی نے یہ طے کیا تھا کہ وہ کوئی عہدہ قبول نہیں کرے گی۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ان گزارشات کو اراکین شوریٰ نے سنا تو سہی لیکن قبول نہیں کیا۔ چنانچہ بقیہ تینوں جماعتوں کے اکابرین نے اس بات پر اصرار کیا کہ ڈاکٹر صاحب محاذ کا صدر بننا قبول کر لیں اور اراکین شوریٰ کے انتخاب کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے ذاتی احساسات کی قربانی دیں اور اجتماعی فیصلے کو قبول کر لیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ محاذ کی عمر فقط ایک سال ہوئی ہے' ابھی سے اس کی کارکردگی پر مایوسی مناسب نہیں ہے۔ اراکین شوریٰ میں سے کچھ حضرات نے ڈاکٹر صاحب کے لئے تحسین کے الفاظ بھی استعمال کئے جن کا تنظیم اسلامی کی جانب سے ذکر مناسب نہیں۔

صدر محاذ کے انتخاب کے بعد نائب صدر کا انتخاب ہوا۔ تحریک اسلامی کے امیر مولانا مختار گل صاحب کو نائب صدر منتخب کر لیا گیا اور ناظم بیت المال مرکزی جمعیت اہلحدیث کے جناب مولانا مبشر احمد مدنی (اس عہدے کے سابقہ ذمہ دار) دوبارہ منتخب ہو گئے۔ صدر محاذ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے تحریک اسلامی کے جناب جلیل خان صاحب کو معتمد محاذ مقرر فرمایا اور ناظم نشرواشاعت مرکزی جمعیت اہل حدیث کے جناب ریاض احمد فیضی مقرر ہوئے۔

اس اجلاس شوریٰ میں مندرجہ ذیل فیصلے بھی کئے گئے :

طے کیا گیا کہ محاذ کو متحرک کرنے کے لئے اس میں شامل ہر جماعت اپنی سطح پر ایک

ایسے جلسۂ عام کا اہتمام کرے جس کے انتظامی معاملات کی ذمہ دار تو متعلقہ جماعت ہو لیکن اسے محاذ کا جلسہ تصور کیا جائے اور اس میں چاروں جماعتوں کے اکابرین خطاب فرمائیں۔

دیگر جماعتوں کو محاذ میں شمولیت کی دعوت کے لئے وفود تشکیل دئے جائیں۔ ہر وفد میں کم از کم دو جماعتوں کے نمائندے ضرور شریک ہوں۔

یہ بھی طے کیا گیا کہ شوریٰ کے فیصلوں پر عملدر آمد کا جائزہ لینے نیز محاذ کی کارکردگی کو مؤثر بنانے کے لئے ایک مجلس عاملہ تشکیل دی جائے جس کا اجلاس ہر ماہ ہو۔ اس عاملہ میں پانچ عہدیداروں کے علاوہ تنظیم الاخوان کے جناب کرنل (ر) عبدالقیوم صاحب کو شامل کیا گیا ـــــ شوریٰ کے اجلاس کے بارے میں طے ہوا کہ اس کا اجلاس ہر تین ماہ بعد لازماً ہوا کرے گا۔

دعائے خیر پر یہ اجلاس اختتام پزیر ہوا۔

ONTHLY
Meesaq
AHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 49 No. 7
July 2000

تنظیمِ اسلامی کا پیغام نظامِ خلافت کا قیام

# تنظیمِ اسلامی

مروجہ مفہوم کے اعتبار سے

## نہ کوئی سیاسی جماعت ہے نہ مذہبی فرقہ

بلکہ ایک

## اسلامی انقلابی جماعت ہے

جو اولاً پاکستان میں اور بالآخر ساری دنیا میں دینِ حق یعنی

اسلام کو غالب یا بالفاظ دیگر نظامِ خلافت

قائم کرنا چاہتی ہے

امیر: ڈاکٹر اسرار احمد

اگست ۲۰۰۰ء

بنی آدم کو شرف انسانیت سے محروم کرنے کے لئے

# ابلیس اور یہود کا مشترکہ مشن

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کے

# ایک سالہ رجوع اِلی القرآن کورس

میں داخلوں کے لئے طالبانِ علم قرآن سے درخواستیں مطلوب ہیں :

- واضح رہے کہ یہ کورس بنیادی طور پر گریجویٹس اور پوسٹ گریجویٹس کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔ پیش نظر یہ ہے کہ وہ حضرات جو کم از کم گریجویشن کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہشمند ہوں' انہیں اس کورس کے ذریعے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے ——— تاہم بعض استثنائی صورتوں میں ایف اے کی بنیاد پر بھی اس کورس میں داخلہ لیا جاسکتا ہے۔
- یہ بھی نوٹ کر لیا جائے کہ کورس کا دورانیہ یکم ستمبر سے 31 مئی' قریباً 9 ماہ بنتا ہے۔ جون' جولائی' اگست کے تین مہینے ابتداء میں کورس میں شامل تھے لیکن گرمی کی شدت کے پیش نظر تدریسی نصاب کو condense کر کے کورس کا دورانیہ کم کر دیا گیا۔

——— داخلوں کا شیڈول اس سال ان شاء اللہ حسب ذیل رہے گا : ———

- داخلہ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ 26 اگست ہے۔
- داخلہ کے لئے انٹرویو 31/ اگست کو قرآن اکیڈمی لاہور میں ہوں گے۔ (شرکاء کی سہولت کے پیش نظر داخلہ فارم بروقت جمع نہ کرانے والوں کو براہ راست انٹرویو میں شریک کیا جاسکے گا)
- کورس کا آغاز ان شاء اللہ یکم ستمبر سے ہو جائے گا۔ پہلے دو روز تعارفی نوعیت کی کلاسز ہوں گی اور باقاعدہ تدریس کا آغاز ان شاء اللہ سوموار 4 ستمبر سے ہو گا۔

## کورس کا تفصیلی پراسپکٹس

جس میں داخلوں سے متعلق ضروری معلومات کے علاوہ کورس میں شامل مضامین کی تفصیل' طریق تدریس اور نظام الاوقات کی وضاحت بھی شامل ہے' درج ذیل پتے سے حاصل کریں :

ناظم قرآن کالج' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور (فون : 03-5869501)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

| | |
|---|---|
| جلد : | ۴۹ |
| شمارہ : | ۸ |
| جمادی الاولیٰ | ۱۴۲۱ھ |
| اگست | ۲۰۰۰ء |
| فی شمارہ | -/۱۰ |
| سالانہ زرِ تعاون | -/۱۰۰ |




**سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک**

- ○ امریکہ 'کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- ○ سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' عرب امارات بھارت' بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا' یورپ' جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ○ ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق' الجزائر' مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور


مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700 فون . 03-02-5869501

فیکس : 5834000 ای میل : anjuman@brain net pk

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور

فون : 6316638-6366638 فیکس : 6305110

# مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## عرض احوال

"مشرف حکومت ان مسائل سے بہت حد تک نکل آئی ہے جن کا وہ قریباً ایک ماہ پہلے شکار تھی اور اب ملک میں بظاہر کسی ایجی ٹیشن کے آثار نظر نہیں آتے۔ اگرچہ کلثوم نواز تن تنہا حکومت مخالف تحریک کا علم اٹھائے ہوئے آگے بڑھ رہی ہیں جس میں انہیں بڑی حد تک کامیابی بھی نصیب ہوئی ہے مگر حکومت کی کچھ مثبت پالیسیوں کے باعث ملک میں فوری طور پر کسی بڑے ہنگامے کا کوئی اندیشہ موجود نہیں۔

حکومت کے بعض اقدامات بلاشبہ قابل تحسین ہیں۔ مثلاً تمام تر مشکلات کے باوجود غیرجانبدارانہ احتساب کو جاری رکھنا ایک قابل تعریف امر ہے۔ اگرچہ اس احتساب کی رفتار سست ہے مگراس کے باوجود لوٹی ہوئی دولت تدریجاً واپس آ رہی ہے۔ ایمنسٹی سکیم اور ٹیکس سروے کی دو دھاری تلوار کا بھی یہ فائدہ ہوا ہے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ ایمنسٹی سکیم کی طرف رجوع کر رہے ہیں اور یہ بھی حکومت کی بڑی کامیابی ہے کہ ۹۰ ارب روپے کا کالادھن باہر آگیا ہے۔ اسی طرح پیرس کلب سے حکومت کا مطالبہ کہ ہمارے قرضے ری شیڈول کرنے کے بجائے معاف کئے جائیں' درست سمت میں اٹھایا گیا ایک قدم ہے ـــــ حکومت نے کشمیر' طالبان اور نیوکلیئر پروگرام کے بارے میں بھی دلیرانہ' پراعتماد اور مضبوط موقف اختیار کیا ہے جو پاکستان کی سلامتی اور بقاء کا تقاضا اور عوام کے دل کی آواز ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ تشویشناک حد تک بڑھتی ہوئی مہنگائی کے باوجود تاحال حکومت کے خلاف کسی تحریک میں شامل ہونے پر آمادہ نظر نہیں آتے۔

تاہم ایک پہلو نہایت تشویشناک ہے کہ نفاذ شریعت کی طرف حکومت کی کوئی توجہ نہیں ہے' حالانکہ پاکستان کے قیام اور بقا کی بنیاد اسلام کے سوا کوئی نہیں۔ لسانی اور علاقائی عصبیتوں کا خاتمہ صرف اسلام کی بدولت ممکن ہے۔ اگر اس رخ پر پیش قدمی نہ کی گئی تو فوجی حکومت کی جزوی اصلاحات غیرمؤثر ہو کر رہ جائیں گی اور ملکی بقا اور سالمیت خطرے

میں پڑ جائے گی۔ پاکستان نے اگر نفاذ شریعت کی طرف مثبت پیش رفت نہ کی تو اس بات کا خدشہ بھی موجود ہے کہ ہماری پختون بیلٹ کٹ کر افغانستان میں شامل ہو جائے۔ دوسرا تشویشناک پہلو یہ ہے کہ جمعہ کی چھٹی کا اعلان ہونے والا تھا مگر یہ اعلان بوجوہ روک دیا گیا۔ اس طرح ایک تکلیف دہ معاملہ یہ ہے کہ ایئر فورس میں ایک نوٹیفکیشن جاری کیا گیا ہے کہ آفیسر کیڈر میں کسی داڑھی والے نوجوان کو نہ لیا جائے۔ اگر یہ سب کچھ امریکہ کی خوشنودی اور مغرب کے دباؤ پر کیا جا رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت دنیا کے سامنے اسلام کے ساتھ اپنی شناخت نہیں کروانا چاہتی۔ اگر ایسا ہے تو پھر حکومت کے بحالی معیشت' سیاست کی صفائی اور احتساب کے پروگرام تیج ورک سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ پاکستان کے اصل مرض' فرقہ واریت' صوبائیت پرستی' اور لسانی تفریق کا علاج اسلام کے بغیر ناممکن ہے۔ لہٰذا حکومت اگر اسلام کی طرف پیش رفت کرتی ہے تو اسے دوسرے شعبوں میں بھی کامیابی نصیب ہو گی ورنہ خاکم بدہن اگر ملک ہی نہ رہا تو اس کے یہ پروگرام کس کے کام آئیں گے۔"

مذکورہ بالا خیالات و تاثرات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی' محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے حالیہ سفر امریکہ سے واپسی کے بعد ۱۴/ جولائی کو مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں اپنے خطاب قبل از جمعہ میں فرمایا۔ امیر تنظیم کا یہ سفر قریباً ایک ماہ پر محیط تھا۔ یہ دورہ اصلاً تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ (TINA) کے سالانہ مشاورتی و تربیتی اجتماع برائے ملتزم رفقاء کے سلسلے میں ترتیب دیا گیا تھا جو کیم تا چھ جولائی پرنسٹن (نیو جرسی) میں منعقد ہوا۔ جس میں TINA کے لائحہ عمل اور مستقبل کی تنظیمی ہیئت کے حوالے سے بعض اہم پالیسی امور زیر بحث آئے اور ان کے بارے میں اہم فیصلے اس اجتماع میں کیے گئے۔ تاہم اضافی طور پر نیویارک میں بعض عمومی دعوتی پبلک پروگرام بھی ترتیب دیے گئے تھے۔ مزید برآں پٹس برگ کے اسلامک سینٹر میں بھی ایک عمومی دعوتی پروگرام میں امیر تنظیم نے خطاب فرمایا۔ زیادہ تر خطابات انگریزی زبان میں ہوئے۔

۲۱/ جولائی کے خطاب جمعہ میں بعض دیگر اہم قومی و ملی امور بھی زیر بحث آئے جن۔۔۔

میں دستور پاکستان میں اسلامی دفعات کی بحالی کا معاملہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس خطاب جمعہ کا پریس ریلیز بھی ذیل میں ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے:۔

"ایٹمی اسلحہ کے حوالے سے حالیہ حکومتی بیان سے ظاہر ہو گیا ہے کہ موجودہ پاکستانی حکمران ملک کے دفاع و تحفظ کے بارے میں کسی دباؤ کو خاطر میں لانے کو تیار نہیں۔ اسی طرح کشمیر کے بارے میں موجودہ دور حکومت میں جو پر اعتماد موقف اختیار کیا گیا ہے ماضی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

دستور کی اسلامی دفعات کا پی سی او میں شامل کیا جانا بھی بہت مستحسن اور قابل صد مبارک باد اقدام ہے مگر جب تک ملک میں نفاذ شریعت کی جانب واضح پیش قدمی نہیں کی جاتی' پاکستان اسی طرح اندرونی و بیرونی مسائل میں الجھا رہے گا۔ پاکستان میں معیشت کی بحالی کے مقابلے میں قومیت کی بحالی کا کام زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ جبکہ قومیت کی بحالی اور یکجہتی کی بنیاد ہمارے لئے اسلام کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہم نے قیام پاکستان کے وقت اللہ سے عہد کیا تھا کہ ہم یہاں اسلامی ریاست قائم کریں گے مگر ہم نے عہد شکنی کی جس کی پاداش میں نفاق باہمی کی سزا ہم پر مسلط کر دی گئی۔

اس نفاقِ باہمی سے چھٹکارا پانے کا واحد حل یہ ہے کہ ہم اپنی اصل قومیت یعنی اسلام سے رابطہ استوار کریں۔ پاکستان کے دستور میں نفاذ اسلام کے لئے پورا مکینزم موجود ہے۔ اسے بروئے کار لانے اور فعال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ نفاذ اسلام کی راہ میں موجود رکاوٹوں کو دور کیا جائے۔ مثلاً فیڈرل شریعت کورٹ پر عائد پابندیاں ختم کی جائیں۔ شرعی عدالت کے ججوں کی تعداد بڑھا کر مزید بنچ تشکیل دیئے جائیں۔

ایک نہایت تکلیف دہ امر یہ ہے کہ ہمارے ملک میں کچھ نام نہاد دانشور سیکولرازم کی حمایت میں تمام حدود و قیود کو پھلانگ گئے ہیں۔ وہ یہ بھول رہے ہیں کہ اگر پاکستان ایک سیکولر سٹیٹ بن گیا تو سیکولر بھارت اس کو بڑی آسانی سے ہڑپ کر جائے گا کیونکہ پاکستان کا وجود بھارت سے علیحدہ اسلامی تشخص کی بنیاد پر قائم ہے۔ انہوں نے کہا اس مسئلے میں ایک انگریزی اخبار کافی سرگرم کردار ادا کر رہا ہے اور ایسے سیکولر دانشوروں

کے خیالات کو عام کر رہا ہے جو پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کو کھودنے پر کمربستہ ہیں۔ ایسے نام نہاد دانشوروں اور اخبارات کے خلاف عوامی ردعمل سامنے آنا چاہئے۔

سورۃ البقرہ میں وارد شدہ اللہ کے حکم "رکوع کرو، رکوع کرنے والوں کے ساتھ" کے مصداق ہمیں اپنے پڑوسی ملک افغانستان کی طرح بلا تاخیر اپنے ملک میں بھی نفاذ شریعت کے عمل کو تیز تر کر دینا چاہئے۔ اگرچہ طالبان کے ہاں کچھ تنگ نظری کا معاملہ ہے جس کی اصلاح ضروری ہے تاہم یہ بات تسلیم کرنی چاہئے کہ انہوں نے افغانستان میں امن و امان قائم کرنے اور جرائم سے پاک معاشرہ تشکیل دینے کا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ پاکستان میں ایک اسلامی فلاحی جمہوری ریاست کے قیام کے امکانات روشن ہیں۔ اگر پاکستان میں اسلام نافذ ہو جائے تو بقول علامہ اقبال ہمیں یہ سعادت حاصل ہو گی کہ دور ملوکیت کی وجہ سے اسلام کے چہرے پر جو گرد و غبار آ گیا ہے اسے صاف کر کے دنیا کو اسلام کی حقیقی تصویر دکھا سکیں۔ اس کے لئے میں دردمند احباب سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ علمائے کرام اور ماہرین قانون کی ایک کانفرنس بلائیں جس میں طے کیا جائے کہ عہد حاضر میں ایک جدید اسلامی ریاست کا دستوری ڈھانچہ کیا ہو۔ موجودہ دور میں یہ اسلام کی بہت بڑی خدمت ہو گی۔" ○○

بنی آدم کو شرفِ انسانیت سے محروم کرنے کے لئے

# ابلیس اور یہود کا مشترکہ مشن

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

کا ۹ جون ۲۰۰۰ء کا خطابِ جمعہ

○

خطبۂ مسنونہ کے بعد سورۃ الاعراف کی آیات ۱۱ تا ۲۷ کی تلاوت اور ادعیۂ ماثورہ کے بعد فرمایا :

آج اقوامِ متحدہ کے زیر اہتمام اس کی جنرل اسمبلی کا خصوصی اجلاس ہو رہا ہے۔ اس اجلاس کو بیجنگ پلس فائیو اور Women 2000 کے نام دیئے گئے ہیں۔ آج اس کا اختتامی اجلاس ہونے والا ہے۔ الحمد للہ کہ اس شیطانی منصوبے کے متعلق ہمیں بروقت آگاہی ہوئی اور ہم نے لوگوں کو اس کے متعلق عین وقت پر معلومات بہم پہنچائیں اور لوگوں میں بیداری (Awareness) پیدا کی۔ چنانچہ خالد بیگ صاحب جو اس وقت امریکہ میں مقیم ہیں، ہم سب کے شکریئے کے مستحق ہیں، جنہوں نے ای۔ میل کے ذریعے سے مجھے اس کانفرنس کے مقاصد سے آگاہ کیا اور اس کے مسوّدے کا متن بھی ارسال کیا، جو ۲۰/ اپریل کو تیار ہو چکا تھا اور جس پر دستخط کروانے کے لئے یہ اجلاس منعقد ہو رہا ہے۔ اس مسوّدے کے وہ اہم نکات کہ جو ہماری اخلاقی و دینی تعلیمات سے متصادم تھے، ان کو باقاعدہ اصل حوالوں کے ساتھ انہوں نے بیان کر دیا تھا۔ چنانچہ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے اس کے متعلق جمعہ کے خطبہ میں بھی بیان کر دیا تھا اور ندائے خلافت میں بھی اس کی تلخیص شائع کرادی تھی۔

پھر "Impact" کا وہ شمارہ بھی آگیا کہ جس کے لئے اصل میں انہوں نے یہ مضمون

لکھا تھا' لیکن اس رسالے کو یہ مضمون بھیجنے سے پہلے ہی انہوں نے یہ مجھے ای۔ میل کر دیا تھا۔ پھر اصل مضمون کو ہم نے دو ورقے کی صورت میں دس ہزار کی تعداد میں پورے پاکستان میں تنظیم اسلامی کی شاخوں کے ذریعے سے پھیلایا اور پھر بیس ہزار کی تعداد میں اس کا اُردو ترجمہ کر کے عام کیا۔ اس کے علاوہ یہ مضمون نوائے وقت کے اتوار کے انگریزی ایڈیشن اور پھر بعد میں اُردو ایڈیشن میں بھی شائع ہوا۔ اسماعیل قریشی صاحب جو ہمارے ہاں کے سینئر ایڈووکیٹ ہیں' انہوں نے رٹ پٹیشن دائر کی کہ حکومت پاکستان اوّل تو اس کانفرنس میں شرکت نہ کرے' اور اگر کرے تو پھر کسی بھی ایسی شق کی توثیق نہ کرے جو شریعت سے متصادم ہو۔ الحمد للہ کہ اس کے نتیجے میں ڈپٹی اٹارنی جنرل نے اس بات کی یقین دہانی کروائی کہ ہم کسی بھی ایسی بات کی توثیق نہیں کریں گے جو شریعت کے خلاف ہو۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر محمود غازی صاحب جن کا تعلق نہ صرف علماء کے حلقے سے ہے' بلکہ وہ دانشور بھی ہیں' اور سیکیورٹی کونسل کے رکن ہیں' ان کی طرف سے بھی بیان آگیا تھا کہ ہم اس کانفرنس کی کسی ایسی بات کو کہ جو اسلامی اصولوں کے منافی ہو' نہیں مانیں گے۔ اس ضمن میں ہم نے اسلامی کانفرنس کی تنظیم سے بھی رابطہ کیا ہوا ہے اور ان شاء اللہ وہاں ہمارا متفقہ موقف سامنے آئے گا۔

یہ ساری بات بیان کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس واقعے سے یہ بات سامنے آئی کہ ابھی امت مسلمہ پوری طرح سوئی ہوئی نہیں ہے۔ ویسے یہ بھی ہو سکتا تھا کہ عدم واقفیت کی بناء پر لوگوں کو پتا ہی نہ چلتا اور ایک کانفرنس منعقد بھی ہو جاتی اور اس کی سفارشات پر دستخط بھی ہو جاتے' پھر بعد میں جب پتا چلتا تو کہہ دیتے کہ یہ تو مقدّر تھا' یہ تو وہ بات تھی کہ جو ہونی ہی تھی۔ لیکن الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک شکل پیدا فرمادی اور بروقت خبردار کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائی۔

تاہم ابھی ہمیں مطمئن نہیں ہونا چاہئے' بلکہ اس بات کی ضرورت ہو گی کہ باریک بینی کے ساتھ جائزہ لیا جائے کہ وہ آخری مسودہ جو وہاں منظور ہونا ہے وہ کیا ہے؟ اس لئے کہ ہماری اصل دشمن وہ شیطانی قوتیں ہیں کہ جو بہت ہوشیار ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ابھی سے ملتوی کر دیں کہ چونکہ ابھی ان معاملات میں اتفاقِ رائے پیدا نہیں ہو رہا

ہے لہٰذا کسی اگلی کانفرنس میں ہم دوبارہ اس پر گفتگو کریں گے' اور پھر اس دوران وہ ہر طرح کے ذرائع سے جو اُن کے پاس ہیں دباؤ ڈالنے کی کوشش کریں اور اس طرح مسلمان ممالک کی مزاحمت کو ختم کریں۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ جو بھی اعلامیہ آئے اس کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے۔ اس لئے کہ وہ لوگ جو اس وقت اس کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کر رہے ہیں ان کا تعلق بھی اسی elite طبقے سے ہے کہ جو خود مغرب زدہ ہے اور اُن کے ذہنوں پر مغرب کے بہت گہرے اثرات ہیں۔ اُن کی اقدار (values) وہی ہیں جو مغرب کی ہیں اور اُن کا تصوّرِ اسلام بھی مغرب گزیدہ ہے' جیسا کہ "مار گزیدہ" ہوتا ہے جسے سانپ نے ڈس لیا ہو' اسی طرح ان کا اسلام بھی "مغرب گزیدہ" ہے' کیونکہ انہوں نے اسلام مستشرقین کے ذریعے اور یہودی اور عیسائی دانشوروں کے ذریعے سیکھا ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ تو کچھ چیزوں کے بارے میں یہ سمجھ رہے ہوں کہ اُن میں اسلام کے خلاف کوئی بات نہیں' لیکن درحقیقت وہ اسلام کے منافی ہوں۔ بہرحال ہمیں جاگتے رہنا ہے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہنا ہے کہ وہ ہمیں بروقت مطلع کر کے لوگوں کو اس کے متعلق خبردار کرنے کی توفیق دے۔

## قرآن مجید کا فلسفۂ کائنات و انسان

آج میں اس موضوع پر ایک اور حوالے سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ ایک بہت بڑا سوال سامنے آتا ہے کہ یہ سب کچھ کہاں اور کیوں ہو رہا ہے؟ آخر اس کا مقصد کیا ہے؟ اور حیوانیت اور شیطنت کا یہ جال کون پھیلا رہا ہے؟ ع

کون سیاہی گھول رہا ہے وقت کے بہتے دریا میں!

آخر اس حد تک انسان دشمنی میں اور انسان کو انسانیت کی سطح سے اتار کر حیوانیت کی سطح پر لے آنے میں کس کا فائدہ ہے؟ کون ہے کہ جو اس سازش کا منصوبہ تیار کر رہا ہے؟

اصل میں بنیادی مسئلہ جو آج ہمیں سمجھنا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا فلسفۂ کائنات و انسان کیا ہے اور عالم انسانیت میں جو کشاکشِ حق و باطل اور خیر و شر ہے اور جو ازل سے مسلسل جاری ہے' اس کے پیچھے کون سا فلسفہ کارفرما ہے؟

ستیزہ کار رہا ہے اَزل سے تا اِمروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی!

اس ضمن میں سب سے پہلی بات نوٹ کرنے والی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ فی الارض کی حیثیت سے تخلیق فرمایا اور انسان کو خلافت الٰہی عطا کی گئی۔ یعنی پہلے یہ اتنی بڑی کائنات بنی اور پھر اس میں زمین کا ایسا نظام بنا کہ جس میں حیات کا امکان تھا' پھر اس میں حیاتِ ارضی کا آغاز ہوا اور اس کے بعد کچھ مراحل طے کرتے ہوئے انسان کا ظہور ہوا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خلافت ارضی عطا فرمائی۔ چنانچہ فلسفۂ تاریخ اور فلسفۂ خیر و شر کا یہ بنیادی پتھر ہے کہ آدم کی تخلیق خلافت ارضی کیلئے ہوئی ہے۔

تو پہلے نمبر پر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر آدم کو زمین کی خلافت دی گئی تو یہ کل کائنات اس کے لئے مسخر کر دی گئی۔ قرآن مجید میں بار بار یہ بات آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سورج اور چاند مسخر کر دیئے۔

﴿ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴾

(ابراهیم ۳۳)

"اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ لگاتار چلے جا رہے ہیں' اور رات اور دن کو تمہارے لئے مسخر کیا۔"

اللہ تعالیٰ نے یہ رات اور دن تمہاری خدمت میں لگا دیئے ہیں' تمہارے لئے یہ دریا بہا دیئے ہیں' زمین کے اندر روئیدگی کی صلاحیت تمہارے لئے پیدا کی ہے۔ تو اس طرح کی آیات تو بے شمار مرتبہ آئی ہیں' لیکن ایک مضمون جو قرآن مجید میں دو مرتبہ آیا ہے وہ بہت ٹھوس اور Profound انداز میں آیا ہے۔ چنانچہ سورۂ لقمان میں فرمایا گیا :

﴿ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ﴾

"کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔"

یعنی انسان کے لئے صرف زمین اور اس کے دریا یا صرف یہ نظامِ شمسی مسخر نہیں کیا گیا بلکہ کل کائنات مسخر کی گئی ہے۔ ملاحظہ کیجئے کہ "مَافِى السَّمٰوٰتِ" کہا گیا ہے' صرف "سماء"

نہیں کہا گیا ہے۔ چنانچہ اسی کا یہ مظہر ہے کہ انسان چاند کو بھی اپنے قدموں تلے روند آیا ہے اور ابھی کچھ معلوم نہیں کہ کہاں کہاں تک اس کی رسائی ہو گی۔ اسی طرح سورۃ الجاثیہ میں فرمایا :

﴿ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ﴾

"اور اس نے تمہارے لئے مسخر کر دیا جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے کل کا کل۔"

یعنی یہاں اور زیادہ زور دے کر کہا گیا ہے "جَمِيْعًا مِّنْهُ" کہ یہ نہ کوئی سمجھے کہ کوئی چیز مستثنیٰ رہ گئی ہے' بلکہ کل کا کل۔ تو پہلی بات تو یہ کہ اگر آدم کو خلافتِ ارضی دی تو ساری کائنات کو اس کے تابع کر دیا۔ جیسے ہندوستان میں جب وائسرائے مقرر ہو کر آتا تھا تو ساری انتظامی مشینری اس کے تابع کر دی جاتی تھی' ورنہ ظاہر ہے کہ پھر وائسرائے کس کام کا؟

اور دوسری بات یہ کہ ساری ذی شعور مخلوق' جن میں فرشتے سب سے برتر ہیں کہ وہ نوری مخلوق ہیں اور کائنات کا سارا انتظام ان کے ذریعے سے ہی ہو رہا ہے اور ان کے علاوہ جِنّات کہ جو اُن سے ذرا کم تر درجے کی مخلوق ہے' لیکن صاحب ارادہ اور ذی شعور ہے' ان سب کو آدم علیہ السلام کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور آدم علیہ السلام کے آگے جھکا دیا گیا' تاکہ وہ سب اس کے تابع فرمان ہو جائیں۔ اس میں اگرچہ سجدہ کا حکم تو فرشتوں اور جِنّوں سب کو تھا لیکن فرشتوں کا ذکر بر سبیلِ تغلیب کیا گیا کہ جب برتر مخلوق کو حکم دے دیا گیا تو کم تر مخلوق اس میں خود بخود شامل ہو گئی۔ بہرحال ان میں سے عزازیل نامی ایک جن جس کا قرآن مجید میں سات مقامات پر ذکر آتا ہے' اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور بغاوت پر اتر آیا۔

یہ جن فرشتوں میں کیوں شامل ہو گیا؟ اس کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ ایک رائے کا ذکر تو پہلے آ چکا ہے کہ سجدے کا حکم تمام جِنّوں کے لئے تھا جن میں یہ بھی شامل تھا اور اس نے سرتابی کی۔ بعض اور جِنّوں نے بھی کی ہو گی لیکن یہ ان کا سرخیل تھا' اس لئے اس کا ذکر قرآن مجید میں آ گیا۔

ایک اور رائے یہ ہے کہ اگرچہ یہ جن تھا' لیکن اپنے زہد' علمیت' تقویٰ اور عبادت گزاری کی بنیاد پر فرشتوں میں شامل ہو گیا تھا ـــــ اور پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ فرشتوں اور جنوں میں مادۂ تخلیق کی بنیاد پر فرق بہت تھوڑا ہے۔ وہ نوری مخلوق ہیں اور یہ ناری۔ نار میں بھی نور تو ہوتا ہی ہے' بلکہ عربی قواعد کی رو سے دونوں کا مادہ تو ایک ہی ہے' "الف" اور "واؤ" حروفِ علّت ہیں اور یہ ایک دوسرے کی جگہ بدلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ "نار" اور "انور" میں فاصلہ تھوڑا ہی ہے۔ اس اعتبار سے تو جنّات کو فرشتوں کے ساتھ قرب حاصل ہے۔ بہرحال ابلیس نے انکار کر کے علمِ بغاوت بلند کیا اور پھر اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی کہ پروردگار! تُو مجھے قیامت تک کے لئے مہلت دے کہ میں یہ ثابت کر دوں کہ یہ آدم اور اس کی ذریت اس منصب کی اہل نہیں' میں انہیں گمراہ کر کے چھوڑوں گا اور انہیں غلط راستوں پر لے کر جاؤں گا' انہیں تیری توحید کی صراطِ مستقیم سے موڑ کر مختلف پگڈنڈیوں پر لے جاؤں گا اور تو دیکھے گا کہ اِن کی اکثریت تیرے فرمانبردار اور شکر گزار بندوں کی نہیں ہے۔

اس واقعہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ قرآن مجید میں سات مرتبہ آیا ہے اور استعارے کے طور پر نہیں بلکہ واقعے کی حیثیت سے آیا ہے۔ اس کے باوجود جب سائنس کے زیر اثر ایک نیا دور شروع ہوا اور Newtonion دور کے آنے کے بعد ہمارے ہاں سر سید احمد خان (اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے) نے نیا علمِ کلام شروع کیا تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ نہ فرشتوں کا کوئی وجود ہے اور نہ جنّات کا۔ حقیقت یہ ہے کہ فرشتوں کا اپنا صاحب تشخص وجود ہے' اگرچہ غیر مرئی ہے' ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے' لیکن فرشتہ انسانی شکل اختیار کر سکتا ہے' اور حضرت جبرئیل علیہ السلام بارہا انسانی شکل میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ حدیثِ جبرئیل تو "اُمُّ السُّنَّة" کہلاتی ہے' جس میں حضرت جبرائیلؑ نے انسانی شکل میں آ کر حضور ﷺ کو تعلیمِ اُمّت کیلئے دین کے بنیادی حقوق بتلائے۔ اسی طرح جنّات آگ سے پیدا کئے گئے' تاہم وہ آگ نہیں ہیں۔ جیسے ہم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں' لیکن ہم مٹی نہیں ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ مرنے کے بعد ہمارا جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا' لیکن اس وقت یہ پروٹوپلازم

ہے اور Living Matter ہے۔ اسی طرح جنات کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے' لیکن وہ آگ نہیں ہیں' یہ بھی غیر مرئی ہیں اور انسانی شکل اختیار کر کے انسانی معاشرے میں آسکتے ہیں۔ تو درحقیقت یہ ہیں وہ عقائد کہ جن کے بارے میں جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہن متزلزل ہیں۔ فزکس کے نیوٹونین (Newtonion) دور کے شروع ہوتے ہی اس طرح کے شبہات پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ جیسے قرآن مجید میں منکرین قیامت کا قول نقل ہوا ہے کہ ﴿ اِنْ نَّظُنُّ اِلاَّ ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴾ یعنی کچھ گمان سا تو ہوتا ہے کہ جو آپ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا اور حساب کتاب ہو گا تو بات معقول ہے کہ جزا و سزا ہونی چاہئے' نیکو کاروں کو ان کی نیکی کا بدلہ ملنا چاہئے اور بدکاروں کو ان کی بدکاری کی سزا ملنی چاہئے' تو گمان کی حد تک تو آپ کی بات سمجھ میں آتی ہے' لیکن اس پر دل نہیں ٹھکتا' یقین نہیں آتا۔ اسی طرح آج کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی اِن چیزوں کو مانتا تو ہے کہ قرآن و حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے اور تمام علماء بھی کہتے ہیں کہ یہ چیزیں عقائد میں شامل ہیں' انہیں تسلیم کیا جانا ضروری ہے' لہٰذا مان تو لیتے ہیں لیکن وہ پختہ یقین پیدا نہیں ہوتا کہ واقعتاً یہ حقائق ہیں' حالانکہ اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ واقعہ سات مرتبہ آیا ہے کہ فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ آدمؑ کے آگے جھکیں اور وہ سب کے سب جھکے سوائے ابلیس کے۔ ﴿ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلاَّ اِبْلِيْسَ ﴾

تو یہ قصہ قرآن مجید میں سات مرتبہ آیا ہے' ایک مدنی سورۃ یعنی سورۃ البقرہ میں اور باقی چھ مکی سورتوں میں' یعنی الاعراف' الحجر' بنی اسرائیل' کہف' طٰہٰ اور صٓ۔

## قصۂ آدم و ابلیس —— سورۃ الاعراف کے آئینے میں

سورۃ الاعراف میں اس واقعے کا ذکر اس طرح ہے :

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلاَّ اِبْلِيْسَ ط ﴾

"اور (دیکھو اے انسانو!) ہم نے تمہاری تخلیق کی اور پھر تمہاری ایک خاص صورت گری کر دی' پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ جھک جاؤ آدم کے آگے تو وہ سب کے سب جھک گئے سوائے ابلیس کے"

اس کے ضمن میں سورۂ کہف میں وضاحت آئی ہے کہ :

﴿ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ﴾

"وہ جنوں میں سے تھا' لہٰذا اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی"۔

اس لئے کہ کوئی فرشتہ اپنے رب کے حکم سے سرتابی نہیں کرتا' ان کی شان تو یہ ہے کہ :

﴿ لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ○ ﴾

(التحریم : ۶)

"وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے (بلکہ اللہ کا ہر حکم بجالاتے ہیں) اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے"۔

لیکن یہ جن تھا' صرف اپنے زہد و عبادت اور تقویٰ کی وجہ سے فرشتوں میں شامل ہو گیا تھا' تو اس موقع پر اس کے اندر وہ شیطنت پیدا ہو گئی کہ اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ ﴿ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ○ ﴾ "وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہیں ہوا"۔

﴿ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ﴾ "(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہیں کیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا؟" ﴿ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ﴾ "کہا میں اس سے بہتر ہوں"۔ ﴿ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ○ ﴾ "مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے"۔

اب یہ سمجھ لیجئے کہ درحقیقت یہ اپنی برتری کا احساس ہی تھا کہ تکبر' گھمنڈ' غرور اور سرکشی کی وجہ سے اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ تو اصل میں ابلیسیت کا حقیقی سبب یہی تکبر اور گھمنڈ ہے۔ اور اس تکبر اور گھمنڈ کی وجہ سے اس میں حسد بھی پیدا ہو گیا۔ دیکھئے یہاں ابلیس کے معنی نوٹ کریں۔ اَبْلَسَ' یُبْلِسُ انتہائی مایوس ہو جانے کو کہتے ہیں۔ اس لئے کہ جب اس نے اللہ کے حکم سے سرتابی کی تو اللہ کی رحمت سے دور ہو گیا' اللہ کی لعنت کا مستحق قرار پایا' راندۂ درگاہِ حق ہو گیا اور اسے اپنے لئے خیر اور بھلائی کی کوئی امید نہیں رہی۔ مُبْلِس اسے کہتے ہیں کہ جو بالکل مایوس ہو چکا ہو۔ اِبلیس' اِفعیل کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے "انتہائی مایوس شخصیت"۔ چنانچہ اس

مایوسی کے عالم میں اب اس نے اس بات پر کمر کس لی کہ "ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے!" کہ میرا تو جو بیڑا غرق ہونا تھا وہ ہو گیا' اب میں آدم اور اس کی نسل کو بھی گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ اس کو یہ درجہ کیوں ملا کہ مجھے اس کے آگے جھکایا گیا؟ تو یہ دراصل حسد ہے کہ جس کی آگ میں وہ جل رہا ہے۔ ایک تو وہ خود بھی آگ سے بنا ہوا ہے اور دوسرے اس پر مزید حسد کی آگ' تو یہ "نَارٌ عَلٰی نَارٍ" والا معاملہ ہو گیا۔ قرآن مجید میں آیا ہے "نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ" لیکن ابلیس کا معاملہ "نَارٌ عَلٰی نَارٍ" کا ہے۔ لہٰذا ایک تو حسد اور اس کے علاوہ گھمنڈ اور تکبر نے اسے انتہا تک پہنچا دیا۔ اس کے گھمنڈ اور تکبر کا ذکر سورۃ البقرہ کے چوتھے رکوع میں بھی آیا ہے کہ : ﴿ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ﴾ "اس نے انکار کیا اور گھمنڈ کیا اور انکار کرنے والوں میں سے ہو گیا۔"

اس کے بعد فرمایا : ﴿ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا یَکُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَکَبَّرَ فِیْهَا ﴾ : "اللہ نے فرمایا کہ تم یہاں سے نیچے اترو' تمہیں یہ حق نہیں کہ تم اس میں تکبّر کرو"۔ یعنی یہ جنت ہی میں مقیم تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے وہاں سے نکال دیا۔ ﴿ فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِیْنَ ○ ﴾ "پس نکل جاؤ' اب تم چھوٹے اور رذیل و رسوا لوگوں میں سے ہو گئے۔"

﴿ قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ ﴾ "(اس نے ایک عرضداشت پیش کی اور) کہا پروردگار! مجھے اس دن تک کے لئے مہلت دے دے کہ جس دن یہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے"۔ یعنی جس دن سارے انسان دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور بعث بعد الموت کا مرحلہ پیش آئے گا' اُس دن تک کے لئے میری زندگی دراز کر دے!

یہ نوٹ کر لیجئے کہ جنّات کی زندگیاں ہماری زندگیوں سے کہیں زیادہ طویل ہیں۔ ان کی زندگی ہزار برس کی بھی ہو سکتی ہے' دو ہزار برس کی بھی ہو سکتی ہے' لیکن ابدی زندگی ان میں سے کسی کی بھی نہیں ہے' سوائے اس خاص جن ابلیس کے کہ جس کا اصل نام عزازیل تھا اور جس نے اللہ تعالیٰ سے اس بات کی خصوصی مہلت مانگی کہ میں اس آدم اور اس کی نسل کو تباہ و برباد اور گمراہ کر کے تجھے دکھا دوں گا اور ثابت کر دوں گا کہ یہ اس منصب کے اہل نہیں ہیں کہ جو تُو نے انہیں عطا کیا ہے۔ ﴿ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ○ ﴾ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جاؤ تمہیں مہلت دے دی گئی!"

اب اس کی ابلیسیت اس طرح اس کی زبان پر آئی کہ اس نے کہا کہ پروردگار! جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ـــــ یعنی تو نے ہی آدم کو یہ شرف' مقام اور مرتبہ عطا کیا کہ مجھے اس کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا اور تیرے ہی اس حکم کی نافرمانی کی وجہ سے میں راندۂ درگاہ ہو گیا' چنانچہ تیرا ہی فعل ہے کہ جو میری اس گمراہی کا سبب بنا۔ تو گویا تو نے ہی مجھے گمراہ کیا۔

﴿ قَالَ فَبِمَا اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ﴾ "کہنے لگا : اچھا تو جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے تو اب میں تیری (توحید کی) صراطِ مستقیم پر ان انسانوں کی گھات میں بیٹھوں گا (اور ان پر تاک لگا کر حملہ کروں گا)"۔ ﴿ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ ﴾ "پھر میں اُن پر سامنے سے بھی حملہ آور ہوں گا اور ان کے پیچھے سے بھی' اور ان کے دائیں جانب سے بھی اور بائیں جانب سے بھی"۔ ﴿ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ ﴾ "اور تو اُن میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔"

﴿ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ ﴾ "اللہ نے فرمایا : تو دفع ہو جا یہاں سے مذمت زدہ ہو کر ٹھکرایا ہوا" ﴿ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ﴾ "ان میں سے جو بھی تیری پیروی کرے گا تو میں لازماً تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا"۔ یعنی جنّات میں سے سب سے پہلے تو خود تمہیں اور پھر جنات میں سے جو تیری پیروی کریں گے اور انسانوں میں سے بھی جو تیری پیروی کریں گے' ان سب سے میں جہنم کو بھر دوں گا' یہ میرا فیصلہ ہے۔

اب یہ فیصلہ سنانے کے بعد فرمایا :

﴿ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا ﴾ "اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنّت میں رہو اور جنّت میں جہاں سے جو چاہو کھاؤ" ﴿ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ "مگر (ایک درخت کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس درخت کے قریب مت پھٹکنا' ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔"

﴿ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ ﴾ "اب شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ اندازی

کی" ـــــ اس وسوسہ اندازی کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے شیطان اور اس کے چیلوں کو دے رکھی ہے' جیسا کہ سورۃ الناس میں فرمایا : ﴿ اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴾ "وہ کہ جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ اندازی کرتا ہے" تو اسی طرح کی وسوسہ اندازی اس نے آدم اور حوا کے دلوں میں بھی کی۔

﴿ لِیُبْدِیَ لَهُمَا مَا وٗرِیَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا ﴾ "تاکہ کھول دے اُن پر اُن کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں"۔ یعنی آدم اور حوا کو جنت کی رہائش کے دَوران اللہ تعالیٰ نے جنت کا کوئی لباس عطا کر رکھا تھا' جس کے بارے میں اِس وقت ہم نہیں جان سکتے کہ وہ کیسا تھا' لیکن اس درخت کے پھل کھانے کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ وہ عریاں ہو گئے اور اُن پر اُن کی شرمگاہیں نمایاں ہو گئیں۔ سورۃ طٰہٰ میں یہ بھی آتا ہے کہ جب انہیں اپنے برہنہ ہونے کا احساس ہوا تو انہوں نے جنت کے پتّوں سے اپنی شرمگاہوں کو ڈھانکنا شروع کر دیا ـــــ بہرحال یہاں شیطان کی وسوسہ اندازی کا ذکر ہو رہا ہے : ﴿ وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَیْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ ○ ﴾ "(شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتے ہوئے) کہا کہ تمہارے رب نے تو تمہیں اس درخت سے محض اس لئے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تمہیں ہمیشگی کی زندگی نہ حاصل ہو جائے۔" حالانکہ خود فرشتوں سے تو آدم علیہ السلام کو سجدہ کروایا گیا تھا ـــــ لیکن ایک تو انسان کی سرشت میں نسیان کا مادہ رکھا گیا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ شیطان کے اغواء سے اثر قبول کر لیتا ہے' اگرچہ شیطان کو اس پر اختیار نہیں ہے' تاہم وہ وسوسہ اندازی کے ذریعے اور طرح طرح کے خیالات پیدا کر کے انسان کو غلط راستے پر ڈال سکتا ہے۔

﴿ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ○ ﴾ "اور اس نے ان دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ میں تو تمہارا سچّا خیر خواہ ہوں"۔ میں تمہاری خیر خواہی میں یہ بات کہہ رہا ہوں کہ اس درخت کے پھل کو کھا لو۔ ﴿ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ ﴾ "پھر ان دونوں کو اس نے دھوکے سے پھسلا لیا۔"

﴿ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ

الْجَنَّةِ ؕ ﴾ "پھر جب ان دونوں نے اس درخت کا مزہ چکھ لیا تو ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ جنت کے پتوں سے اپنی شرمگاہوں کو ڈھانکنے لگے"۔

اس سے آگے چند آیات کے بعد بنو آدم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

﴿ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا ﴾ "اے بنی آدم! بے شک ہم نے تمہارے لئے لباس اتارا جس سے تم اپنی شرمگاہوں کو چھپاتے ہو اور یہ تمہارے لئے آرائش بھی ہے"۔

یہ کاٹن بھی اللہ تعالیٰ نے بنایا اور ریشم کا کپڑا بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے' اور جو بھی فائبرز وغیرہ جس سے تم کپڑا بنتے ہو یہ سب اللہ تعالیٰ نے ہی عطا کیا ہے۔ ان سب کا مقصد لباس بنانا ہے اور لباس کا پہلا مقصد ستر پوشی ہے' لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ آرائش بھی ہے۔ یعنی ستر کا تقاضا تو یہ ہے کہ مَردوں کا جسم ناف سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک ڈھکا ہوا ہونا چاہئے' باقی جسم اگر کھلا ہوا ہو تو اس سے حکم کی خلاف ورزی نہیں ہو گی' لیکن اس کے ساتھ یہ آرائش ہے کہ جیسے آپ چاہیں قمیض شلوار یا کوئی بھی اور پورا لباس بنا سکتے ہیں۔ عورت کا ستر پورا جسم ہے' سوائے چہرے کی ٹکیہ' دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کے' جو ستر میں داخل نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ پورا جسم ستر ہے' اسے مستور اور ڈھکا رہنا چاہئے۔ اسی لئے عورتوں کو مستورات کہا جاتا ہے کہ یہ چھپی ہوئی مخلوق ہیں۔ چنانچہ لباس کا پہلا مقصد ستر کا ڈھانکنا ہے اور اس کے بعد اضافی طور پر اس کا ایک مقصد آرائش بھی ہے۔

﴿ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ ؕ ﴾ "اور ان سب سے اوپر ایک لباس تقویٰ کا ہے جو بہت ہی بہتر ہے"۔ یہ درحقیقت انسان کی شخصیت میں شرم' حیا' عفت و عصمت کی صفات ہیں۔ اور انہی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ "اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ" یعنی حیا ایمان کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔ چنانچہ حیا کی صفت تو سب سے اعلیٰ ہے۔ ﴿ ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ○ ﴾ "یہ اللہ کی آیات میں سے ہیں (جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں) تاکہ یہ نصیحت اخذ کریں"۔

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ﴾ "اے بنی آدم! کہیں یہ شیطان تمہیں بھی اسی طرح فتنے میں مبتلا نہ کردے جیسا کہ اس نے تمہارے والدین (حضرت آدم اور حضرت حوا) کو جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس ان سے اتروا دیئے تھے تاکہ ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھول دے"۔ ﴿ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ﴾ "وہ اور اس کے ساتھی (یعنی عزازیل نامی جن ابلیس اور اس کے ساتھ اس گروہ کے دوسرے جنات' کیونکہ جنوں میں سے اکثریت سرکشوں کی ہے) تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں (تمہیں تاکتے ہیں' تم پر حملہ آور ہوتے ہیں) جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے"۔ کیونکہ یہ جن غیر مرئی ہیں' نظر نہیں آتے۔ کوئی انسان دوسرے پر حملہ کرے تو اگر وہ اور کچھ نہ کرسکے تو کم از کم مدافعت کے لئے ہاتھ پاؤں تو مار سکتا ہے اور جس چیز سے بھی حملہ کیا جا رہا ہو اس سے بچاؤ کی کوئی نہ کوئی تدبیر کرسکتا ہے' لیکن اس شخص سے بچاؤ کی کیا صورت ہوگی کہ جو نظر ہی نہ آرہا ہو؟ چنانچہ یہ جن تو ایسی جگہ سے حملہ کرتے ہیں کہ ان کو دیکھا ہی نہیں جا سکتا۔ ﴿ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ "ہم نے ان شیطانوں کو دوست اور پشت پناہ بنا دیا ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان نہیں لاتے۔" چنانچہ ایمان سے تہی دست لوگ کہ جو اللہ پر' فرشتوں' آخرت' کتابوں اور نبیوں پر ایمان نہیں رکھتے' پوری طرح سے شیطان کے قابو میں ہوتے ہیں کہ وہ انہیں جس کھائی میں چاہے جا کر پٹخ دے' جس کنوئیں میں چاہے لے جا کر پھینک دے' کیونکہ انہوں نے ایمان نہ لا کر خود شیطان کو اپنا ولی اور پشت پناہ بنا لیا ہوتا ہے۔

## بنی آدم کے لئے ابلیس کا چیلنج

مذکورہ بالا آیات قرآن مجید میں سورۃ الاعراف میں وارد ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ مضمون قرآن مجید میں تین جگہوں پر شیطان کے چیلنج کے ساتھ آیا ہے' جبکہ سات میں سے بقیہ تین مقامات پر یہ واقعہ تو بیان ہوا ہے' لیکن شیطان کا چیلنج ذکر نہیں ہوا۔

سورۃ بنی اسرائیل (آیات ۶۱ تا ۶۵) میں یہی بات ذرا مزید وضاحت کے ساتھ آئی

ہے۔ وہاں ابلیس کے آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کے بعد اس کے الفاظ نقل ہوئے ہیں :
﴿ قَالَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ○ ﴾ "شیطان نے کہا کہ پروردگار! یہ جو تُو نے اس آدم کو مجھ پر برتری دی ہے تو اگر تو مجھے قیامت کے دن تک کے لئے مہلت دے دے تو میں اس کی اولاد کو ڈھاٹی دے دوں گا (یعنی جیسے گھوڑے یا کسی جانور کے منہ کے اندر لوہے کی کوئی شے باندھ دی جاتی ہے اور پھر اسے کسی بھی طرف لے جایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ شیطان نے یہ کہا کہ میں انہیں ڈھاٹی دے دوں گا اور پھر جدھر چاہوں گا لے جاؤں گا) بس تھوڑے ہی لوگ مجھ سے بچ سکیں گے"۔

﴿ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ○ ﴾ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اچھا دفع ہو جا! ان میں سے جو بھی تمہاری پیروی کرے گا تو پھر جہنم ہی تم سب کے لئے بھرپور بدلہ ہو گا"۔ ﴿ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ﴾ "ان انسانوں میں سے جس کے معاملے میں بھی تیرے لئے ممکن ہو اُسے (صراطِ مستقیم سے) اپنی چیخ وپکار اور اپنی آوازوں سے ڈگمگانے کی کوشش کر اور ان پر چڑھا لا اپنے سوار اور اپنے پیادے بھی' اور ان کے مال اور اولاد میں مشارکت کر لے"۔ چنانچہ جب مال حرام طریقے سے کمایا جاتا ہے تو شیطان ایسے مال کے اندر حصّہ دار بن جاتا ہے اور جب اولاد زنا کے ذریعے سے پیدا ہو تو شیطان ایسی اولاد کے اندر شریک ہو جاتا ہے۔ ﴿ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ○ ﴾ "اور ان سے وعدے کر (یعنی انہیں سبز باغ دکھا) اور شیطان کے وعدے تو ایک دھوکے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔"

﴿ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ ﴾ "(یہ بات سمجھ لے کہ) بے شک میرے بندوں پر تجھے کوئی اختیار نہیں ہو گا"۔ تو انہیں زبردستی غلط راستے پر نہیں لے جا سکتا' صرف وسوسہ اندازی کر سکتا ہے' برائی کو مزین کر کے دکھا سکتا ہے' اخلاق باختہ تہذیب کو ثقافت کے نام پر دنیا میں عام کر سکتا ہے' لیکن زبردستی کسی کو راہِ ہدایت سے ہٹا کر کفر اور شرک کی حالت میں نہیں لے جا سکتا۔ ﴿ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ○ ﴾ "اور کافی ہے (اے

نبی ﷺ) آپ کا رب کارساز کے طور پر" ـــــ وہ اپنے بندوں کی مدد اور سہارے کے لئے کافی ہے' کیونکہ وہی ان کا پُشت پناہ اور دوست ہے۔

دو اور سورتوں یعنی الحجر اور ص میں تقریباً ایک جیسے الفاظ میں یہ مضامین آئے ہیں۔

﴿ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيْمٌ ○ ﴾ "اللہ نے فرمایا کہ (اے ابلیس!) نکل جا یہاں سے' کیونکہ تُو مردود ہے (لعنت زدہ ہے)"

یہ آیت دونوں مقامات پر جوں کی توں آئی ہے۔

﴿ وَاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ○ ﴾

"اور اب جزا و سزا کے دن تک کے لئے تجھ پر لعنت ہے"۔

یہ تو سورۃ الحجر میں فرمایا' لیکن سورۃ ص میں ایک لفظ کا فرق ہے: ﴿ وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ○ ﴾ "اور اب تجھ پر میری لعنت جزا و سزا کے دن تک رہے گی"۔

﴿ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ ﴾ "شیطان نے کہا کہ پروردگار! مجھے مہلت دے دے اس دن تک کے لئے کہ جس دن تو انہیں دوبارہ اٹھائے گا"۔ ﴿ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ○ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ○ ﴾ "فرمایا: تمہیں مہلت دے دی گئی اُس معلوم وقت کے دن تک کے لئے"۔

یہ تینوں آیات سورۃ الحجر اور ص میں بالکل ایک ہی طرح دہرائی گئی ہیں۔ ﴿ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ ﴾ "اس نے کہا کہ پروردگار! جیسا کہ تو نے مجھے بہکایا اسی طرح اب میں ان کے لئے زمین میں دل فریبیاں پیدا کر کے ان سب کو لازماً بہکا دوں گا"۔ یہ بھی اسی طرح کے الفاظ ہیں جو سورۃ الاعراف میں آئے ہیں۔

قرآن حکیم میں سورۃ الکہف کے حوالے سے یہ بات آئی ہے کہ انسان کی دلفریبی کے لئے سب سے بڑی چیز زمین کی زیبائش' اس کی چمک دمک اور اس کی رونقیں' دولت' بلڈنگیں اور ساز و سامان ہے کہ آدمی جن کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو جاتا ہے اور اس طرح دنیا کا اور اس کے ظواہر کا پرستار بن جاتا ہے۔ ابلیس نے یہ بات بڑی زور دے کر کہی تھی کہ ﴿ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ "اور میں انہیں ضرور اغوا اور گمراہ کر کے

چھوڑوں گا"۔

سورۂ ص میں ﴿ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾ کے الفاظ نہیں ہیں' بلکہ وہاں فرمایا : ﴿ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ ﴾ "(اے پروردگار!) میں تیری عزّت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان سب کو گمراہ کر کے رہوں گا"۔ ﴿ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ ﴾ "سوائے ان میں سے تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے اپنے لئے خاص کر لیا ہو" یعنی ان پر تو میرا اختیار نہیں ہو گا' باقی پوری نوعِ انسانی کو میں ڈھا نئی دے دوں گا۔

مذکورہ بالا بیان سے اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید کے نزدیک یہ مضمون کتنا اہم ہے کہ سات مقامات پر اس واقعے کا ذکر آیا ہے اور پھر سات میں سے چار مقامات پر شیطان کے اس واضح چیلنج کا ذکر آیا ہے کہ میں نوعِ انسانی کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ اور اس کے علاوہ یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ وہ تکبّر کی وجہ سے گمراہ ہوا اور آدم کے مقام' مرتبہ اور عزت کی وجہ سے اس کے اندر حسد پیدا ہوا۔ اور یہی دو بنیادی بیماریاں ہیں کہ جن کی وجہ سے اس کے اندر نوعِ انسانی کے لئے شدید دشمنی ہے' چاہے اس دشمنی میں اس کا اپنا فائدہ نہ ہو۔ چنانچہ یہی چیز معلوم بھی ہوتی ہے کہ اس کا اس میں اپنا کوئی فائدہ نہیں ہے' لیکن اپنے غصے اور حسد کی وجہ سے نوعِ انسانی کی دشمنی اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ سورۂ فاطر میں فرمایا :

﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ﴾

"بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے' تو تم بھی اسے دشمن ہی خیال کرو۔"

اور سورۂ کہف میں ارشاد فرمایا :

﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ﴾

"کیا تم نے شیطانِ لعین اور اس کی ذریت کو مجھے چھوڑ کر دوست بنا لیا ہے' حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں"۔

تو درحقیقت یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اس دنیا میں بدی' شر' برائی' بے حیائی کی ترغیب اور خاص طور پر لوگوں کو عریاں کر دینا' ان کا لباس اتروا دینا' یہ سب گویا شیطان

کی اسی مہلت کا مظہر ہے کہ جو اس نے اللہ تعالیٰ سے لی ہوئی ہے' اور وہ اس مہلت کو اسی کام کے لئے پوری طرح سے استعمال کر رہا ہے۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا عہد

اب دوسرے نقطے پر غور کیجئے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور نسلِ آدم کو اللہ تعالیٰ نے خلافت فی الارض کا منصب عطا فرمایا اور اس نسل آدم میں امامت کا منصب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمایا۔

﴿ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

(البقرۃ : ۱۲۴)

"اور یاد کرو کہ جب ابراہیم کو اس کے رب نے بڑے بڑے کٹھن امتحانوں میں آزمایا' پس وہ ان سب میں پورے اترے (کامیاب ہوئے) اللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں' ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا کہ کیا میری اولاد میں سے بھی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا یہ عہد ظالموں کے ساتھ نہیں ہے"۔

یعنی جو لوگ غلط راستوں پر نکل جائیں گے ان کے لئے امامت کا منصب نہیں ہے۔

اب ذرا اس بات کو سمجھ لیجئے! امام سے ہی امت کا لفظ بنا ہے۔ دونوں کا مادہ ایک ہی ہے "ا م م۔" "اَمَّ يَؤُمُّ" سے مراد ہے قصد کرنا یا ارادہ کرنا۔ امام وہ ہے کہ جس کا لوگ ارادہ کرتے ہیں اور جس کے پیچھے چلتے ہیں۔

ایک "اُمّتِ مُسلمہ" حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے بنی اسرائیل کی شکل میں گزری ہے کہ جس کو امامت النّاس کا منصب ملا۔ یہ اسی وعدے کی عملی شکل تھی جو ابراہیم علیہ السلام سے کیا گیا تھا۔ چنانچہ انہیں دنیا میں فضیلت دی گئی' جس کا دو مرتبہ صرف سورۃ البقرۃ میں ذکر فرمایا گیا :

﴿ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

"اے اولادِ یعقوب! ذرا میری اُس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی تھی' اور یہ

کہ میں نے تمہیں تمام جہان والوں پر فضیلت بخشی تھی"۔

ظاہر ہے کہ جب امامت دی گئی تو فضیلت تو آپ سے آپ ہی مل گئی۔ اس کے علاوہ تین کتابیں اور بے شمار صحیفے دیئے گئے۔ تورات انہیں دی گئی' زبور اور انجیل انہیں دی گئی' ان کے مابین چودہ سو برس تک نبوّت و رسالت کا تار ٹوٹا ہی نہیں' ایک نبی فوت ہوتا تو دوسرا فوراً اس کی جگہ لے لیتا۔ یعنی ۱۴۰۰ ق م سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام تک نبوّت کی ڈور بالکل نہیں ٹوٹی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ ہیں :

((كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ))

"(بنی اسرائیل میں) جب بھی کوئی نبی فوت ہوتا تو کوئی دوسرا اس کی جگہ لے لیتا"۔

حضرت داؤد علیہ السلام فوت ہوئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے جانشین ہوئے۔ دونوں نبی تھے اور خلیفہ بھی۔ لیکن اس کا ایک منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ بنی اسرائیل میں یہ گھمنڈ پیدا ہو گیا کہ ہم کوئی نرالی شے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ کچھ دیا ہے' ہمیں نوازا ہے' فضیلت دی ہے اور ہمیں چن لیا ہے' تو گویا ہمارا کوئی ذاتی وصف ہے' ہماری ذاتی قدر و قیمت ہے کہ جس کی وجہ سے ہمیں یہ مقام عطا ہوا ہے۔ چنانچہ اس گھمنڈ' غرور اور تکبر کا یہ نتیجہ نکلا کہ یہ چیز اُن کے شعور کے رگ و پے اور ریشے ریشے میں سرایت کر گئی کہ :

*We are the chosen people of the Lord*

"ہم خدا کے برگزیدہ اور چنے ہوئے لوگ ہیں"۔ یہ بات ہر یہودی بچے کی گھٹی میں ڈال دی جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں ان کا قول نقل ہوا : ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ "ہم تو اللہ کے بیٹوں کی مانند ہیں اور اس کے لاڈلے اور چہیتے ہیں"۔ تو ایک زاویئے سے تو یہ بات درست تھی کہ فضیلت تو واقعتاً انہیں دی گئی تھی' لیکن اس بات کا دوسرا حصّہ ان کے ذہن سے نکل گیا کہ یہ فضیلتِ محض نہیں ہے' بلکہ مشروط ہے کہ اگر تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے راستے پر چلو گے تو یہ فضیلت تمہارے پاس رہے گی' لیکن اگر اس راستے کو چھوڑ کر دنیا پرستی اور شہوت پرستی میں گر جاؤ گے اور شریعت کو چھوڑ کر غلط راستہ اختیار کرو گے' اللہ کے دین کی طرف پشت کر لو گے اور اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دو

گے تو پھر فضیلت کا کوئی وعدہ نہیں ہے۔ پھر تم Chosen People of the Lord نہیں ہو۔ لیکن یہ بات ان کے ذہنوں سے نکل گئی اور صرف یہ بات سامنے رہ گئی کہ :

*"We are the chosen people of the Lord"*

اس خیال اور عقیدے کے جراثیم تو ابتدا ہی سے بنی اسرائیل کے ذہن میں جڑ پکڑ چکے تھے' لیکن جب تالمود کا زمانہ آیا تو ان کا یہ عُجبِ نفس یہاں تک پہنچ گیا کہ انسان تو صرف ہم ہیں۔ اور تالمود کے بارے میں یہ بات جان لینی چاہئے کہ یہ کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے' بلکہ یہودی علماء کے فتاویٰ ہیں۔ ہمارے ہاں تو عقائد' سیرت' فقہ' حدیث وغیرہ کی کتابیں علیحدہ علیحدہ ہیں' لیکن یہود کے ہاں ان سب کا مجموعہ تالمود ہے۔ تو تالمود میں آ کر بات یہاں تک پہنچ گئی کہ انسان تو صرف ہم ہیں' باقی جو نوعِ انسانی نظر آتی ہے یہ انسان نما حیوان ہیں' یہ محض انسان نظر آتے ہیں' لیکن اصلاً دو ٹانگوں پر چلنے والے حیوان ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے Gentiles اور Goyems کے الفاظ ایجاد کر لئے کہ یہ کم تر درجے کی مخلوق ہیں۔

اس ذہنیت کی بناء پر اُن پر جو اخلاقی زوال آیا اس کی انتہا حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت پر ہوئی' یعنی اس قوم کا ضمیر اس قدر بگڑ گیا' طبائع میں اتنا فساد آ گیا اور شخصیتیں اتنی مسخ ہو گئیں کہ اللہ کے جلیل القدر نبی کو وَلَدُ الزِّنَا کہہ دیا' جادوگر' مرتد اور واجب القتل قرار دے دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس قوم کو ملعون قرار دے دیا گیا۔

﴿ لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ﴾ (المائدہ : ۷۸)

"بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی"۔

جیسے ابلیس پر لعنت ہوئی تھی' ایسے ہی ان پر لعنت ہوئی اور یہ مَغْضُوْب عَلَیْہِمْ قرار پائے۔ اگرچہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک رعایت برتی کہ انہیں مہلت دی اور انہیں عاد اور ثمود کی طرح ہلاک نہیں کیا' بلکہ زمین پر زندہ رکھا —— اور پھر جب چھ سو برس بعد حضور ﷺ کی بعثت ہوئی اور دوسری اُمّتِ مُسلمہ سامنے آئی یعنی اُمّتِ محمدؐ تو انہیں

ایک دوسرا موقع دیا گیا اور یہ رعایت دی گئی کہ اگرچہ تم نے اپنے رسول یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے بس پڑتے سولی پر چڑھا دیا تھا' یہ علیحدہ بات ہے کہ ہم انہیں زندہ آسمانوں پر لے گئے' لیکن تم نے تو اپنی طرف سے انہیں سولی دے دی تھی' تو اس جرم کی پاداش میں تم اس بات کے مستحق ہو گئے تھے کہ تمہیں ہلاک کر دیا جاتا' لیکن ہم تمہیں پھر ایک اور موقع دے رہے ہیں کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول بن کر آئے ہیں جو تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں' تم ان کی رحمت کے سائے میں آ جاؤ تو پروردگار اب بھی تم پر رحمت فرمانے کے لئے تیار ہے۔ ﴿عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ﴾ لیکن اس بدبخت قوم نے اس موقع سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بدترین دشمن یہی یہودی لوگ بن گئے' لہٰذا اب ان کے مردود' مغضوب علیہم' ملعون اور رجیم ہونے پر مہرِ تصدیق ثبت ہو گئی۔ اب گویا کہ وہ مجموعی طور پر "ابلیس" بن گئے۔ یعنی انسانوں میں ابلیس۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں ابلیس کے معنی ہی یہ ہیں کہ جسے کوئی امید نہ رہ جائے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور پھر اللہ کی رحمت کے دائرے میں آنے کا جو موقع انہیں ملا تھا اسے ان لوگوں نے گنوا دیا۔ اب یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں کسی خیر کی کوئی توقع نہیں ہے' کسی بھلائی کی انہیں کوئی امید نہیں ہے۔

## مشترک مقصد کے لئے ابلیس اور یہود کا گٹھ جوڑ

اب اس بات کا نتیجہ سمجھ لینا چاہئے کہ ابلیسِ لعین عزازیل اور اس کے شیاطینِ جن کا لشکر اور انسانوں میں سے یہودی' یہ سب مل کر ابلیسی قوت بنے ہیں۔ ان سب کا آپس میں گہرا گٹھ جوڑ ہے۔ انسانوں میں ابلیسیت کی سب سے بڑی ایجنسی یہودیوں کے پاس ہے۔ بالکل وہی غصہ اور حسد جو ابلیسِ لعین کو حضرت آدم علیہ السلام کے خلیفہ بنائے جانے پر ہوا تھا اس یہودی قوم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ہوا کہ آپ کو نبوت کیوں ملی' نبوت کے اصل حقدار تو ہم ہیں! یہ اَن پڑھ قوم میں نبوت کیسے آ گئی؟ چنانچہ اسی حسد کی بناء پر حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں پر ایسا کاری وار کیا کہ جس کا اثر آج تک موجود ہے۔ عبداللہ بن سبا جو یہودی تھا اور یمن سے آیا تھا اس نے اسلام کا لبادہ اوڑھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

کے دور میں مسلمانوں کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا اور یہ تقسیم آج تک قائم ہے۔ پہلے ان کا نام شیعانِ عثمان اور شیعانِ علی تھا' اب اہلسنّت اور شیعہ کے نام سے یہ تقسیم موجود ہے' اور یہ سب اسی یہودی عبداللہ بن سبا کا کیا دھرا ہے۔ تو جس طرح ابلیس نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ وہ اپنے ساتھ انسانوں کی اکثریت کو جہنم رسید کروا کے چھوڑے گا اسی طرح انسانوں میں ابلیس کے یہ ایجنٹ یعنی یہودی اسی پر ادھار کھائے ہوئے ہیں کہ مسلمانوں کا بیڑا غرق کر کے چھوڑیں گے۔

چنانچہ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اصل گٹھ جوڑ تو ابلیسِ لعین عزازیل اور اس کے ساتھی شیاطینِ جن کے لشکر اور زمین پر یہودی قوم' خاص طور پر Zionists کہ جو صیہونیت کی تحریک کو لے کر چل رہے ہیں ان کے درمیان ہے' لیکن ان کا سب سے زیادہ تشویش ناک پہلو یہ ہے کہ اس وقت عالم عیسائیت ان کا آلۂ کار بن چکا ہے۔ یہودیوں نے جس طرح مسلمانوں میں شیعہ اور سُنّی کی تقسیم کروائی اسی طرح عیسائیوں میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی تقسیم کروائی اور پھر پروٹسٹنٹ کو اپنا آلۂ کار بنایا۔ WASP (White Anglo Saxon Protestants) کے سب سے بڑے مراکز اِس وقت امریکہ اور انگلستان ہیں' جو یہودیوں کے سب سے بڑے ایجنٹ ہیں' لیکن اب تو کیتھولک عیسائیوں نے بھی ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور پوپ نے بھی یروشلم کو اسرائیل کا دارالخلافہ تسلیم کر لیا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کا جو الزام یہودیوں پر ہے اس سے بھی ان کو بری کر دیا ہے۔

چنانچہ اب دوبارہ یہ بات سمجھ لیں کہ ایک طرف غیر مرئی عزازیل جن اور شیاطین جن کا غیر مرئی لشکر اور زمین پر انسانوں میں یہودی اور یہودیوں میں سرفہرست صیہونی تحریک کے علمبردار اور پھر ان کا آلۂ کار سارا عالم عیسائیت اور ان میں خاص طور پر WASP ـــــ ان سب کے پیش نظر نوعِ انسانی کے لئے "نیو ورلڈ آرڈر" کی صورت میں دوگونہ پروگرام ہے۔ اس پروگرام کی تکمیل کے لئے مختلف ادارے کام کر رہے ہیں' یو این او' آئی ایم ایف' ورلڈ بینک' ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن اور اس کا ذیلی ادارہ TRIPS' پھر Women 2000 کانفرنس' قاہرہ کانفرنس' بیجنگ کانفرنس' بیجنگ +۵

قاہرہ کانفرنس' اور ابھی ان کانفرنسوں کا سلسلہ چلے گا' کیونکہ اب اگر مسلمانوں نے اس میں کوئی رکاوٹ ڈالی تو اس رکاوٹ کو ختم کرنے کے ذرائع سوچے جائیں گے۔ ان کے ہاتھ میں بہت طاقت ہے اور وہ بہت سے ذرائع استعمال کر کے بہت سے مسلمانوں کو جھکنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔

چنانچہ یہ بات سمجھ لیں کہ ان کے پیش نظر دو طرفہ پروگرام ہے۔ ایک طرف تو یہ کہ آخرت کی تباہی جو اُن کیلئے تو مقدّر ہو ہی گئی ہے اب زیادہ سے زیادہ انسانوں کو اپنے ساتھ اس تباہی میں شریک کریں' لہٰذا اُن کو انسانیت کے مقام سے نیچے گرا کر ان میں سے شرم' حیاء' عِفّت و عصمت کا احساس ختم کر دیا جائے' ان کے لباس اتروا کر انہیں برہنہ کر دیا جائے' یعنی وہی کام کہ جو ابلیس کا ہے' جس کی تنبیہہ اللہ تعالیٰ نے فرمادی تھی کہ :

﴿ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْھُمَا لِبَاسَھُمَا لِیُرِیَھُمَا سَوْاٰتِھِمَا ط ﴾

"اے بنی آدم! شیطان کہیں تمہیں بھی اسی طرح فتنے کا شکار نہ کر دے کہ جیسے اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوا دیا تھا اور ان پر سے ان کے لباس اتروا دیئے تھے' تاکہ ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھول دے"۔

تو خبردار! کہیں یہ تمہارے لباس بھی نہ اتروا دے! لہٰذا آج ابلیس کے مشن کے مطابق اصل منصوبہ اسی کا ہے اور پھر زمین پر اس کے ایجنٹ یہودی بنے ہوئے ہیں کہ انہوں نے عفّت و عصمت ختم کر کے خاندانی نظام کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے ـــــ اور پھر اسی کا مظہر ہیں جو پے در پے کانفرنسیں ہو رہی ہیں' قاہرہ کانفرنس اور پھر بیجنگ کانفرنس اور بیجنگ پلس فائیو کانفرنس۔ تو ایک پروگرام تو یہ ہے کہ انسان کو برہنہ کر کے اسے شرفِ انسانیت سے محروم کر دیا جائے۔

دوسری طرف یہود کا منصوبہ یہ ہے کہ سود کے ذریعے سے پوری نوعِ انسانی کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا جائے۔ اسی مقصد کے لئے ورلڈ بینک' آئی ایم ایف اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن جیسے ادارے قائم کئے گئے' اور اب ایک ادارہ TRIPS بیج پر اجارہ داری قائم کرنے کے لئے بنایا گیا ہے کہ بیج کے معاملے میں بھی لوگ ان کے محتاج ہو جائیں کہ

جسے یہ بیج دیں گے تو وہ اپنے کھیتوں میں کاشت کر سکیں گے۔ گویا ان کے پیش نظر یہ ہے کہ رزق کے سارے خزانے اپنے ہاتھ میں لے لیں کہ ہماری شرائط مانو گے تب ہم تمہیں کھانے کو دیں گے' ورنہ نہیں دیں گے۔

تو سمجھ لیجئے کہ یہود نے سیاسی سطح پر سیاست کو مذہب سے علیحدہ کر کے سیکولرزم کا نعرہ بلند کر کے "انسانی حاکمیت" کا ڈنکا بجا دیا اور معاشی سطح پر عالمی معیشت میں سود اور جوئے کو تانے بانے کی طرح پرو دیا۔ سٹاک ایکسچینج بھی جوئے ہی کی ایک شکل ہے' اور یہ اس وقت ان کا سب سے بڑا نشانہ ہے کہ ایک دفعہ بہت بڑا سرمایہ یہاں لا کر ڈال دیں' پھر جب حصص کی قیمت کم ہو جائے تو اپنا سرمایہ نکال لیں اور اس طرح پوری کی پوری سٹاک ایکسچینج بیٹھ جائے گی۔ ملائیشیا اور انڈونیشیا کے ساتھ انہوں نے یہی کیا ہے۔ اسی طرح معاشرتی سطح پر عریانی اور بے حیائی پھیلا دی۔ چنانچہ سیاست میں سیکولرازم' معیشت میں سود اور جوا اور معاشرت میں بے حیائی عام کر کے دجالیت کے فتنے کو عام کیا۔

ہمیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اصل میں یہ سب کھیل کون کھیل رہا ہے اور کس کا ہاتھ اس کے پیچھے کام کر رہا ہے' اس کا کیا مقصد ہے؟ تو دراصل یہ حسد کی بناء پر ہے جس میں غیر مرئی طور پر ابلیسِ لعین جل رہا ہے اور مرئی طور پر انسانوں میں یہودی' کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ٹھکرا کر محمد ﷺ کی اُمت کو یہ مقام کیوں عطا کیا کہ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ہماری تو اس "خیرِ اُمت" کے منصب پر اجارہ داری تھی' ہمارے پاس یہ منصب دو ہزار برس تک رہا' ہم سے یہ منصب چھین کر انہیں کیوں دے دیا گیا۔ چنانچہ اس حسد کی آگ میں وہ پوری نوعِ انسانی سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔

علامہ اقبال نے ایک نظم میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ابلیس کی عرضداشت کے الفاظ اس طرح نقل کئے ہیں ؎

کہتا تھا عزازیل خداوندِ جہاں سے
پرکالۂ آتش ہوئی آدم کی کفِ خاک

یعنی عزازیل اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض کرتا ہے کہ اب میری تو اس جہاں میں

ضرورت نہیں رہی' کیونکہ انسانوں میں میرے ایسے ایسے ایجنٹ پیدا ہو گئے ہیں کہ جو میرے بھی کان کترسکتے ہیں' یہ جو آدم کو تونے خاک کی مٹی سے بنایا تھا اب اس کے اندر ہی میں نے شیطنت کی آگ بھردی ہے ۔

جاں لاغر و تن فربہ و ملبوس بدن زیب
دل نزع کی حالت میں خرد پختہ و چالاک

آج کا انسان ایسا ہی ہے کہ جاں یعنی روح لاغر ہے کہ جس کے اندر زندگی ہی نہیں ہے اور جسم انتہائی فربہ کہ اس پر موٹی موٹی چربی چڑھی ہوئی ہے اور لباس انتہائی اعلیٰ کہ امریکہ اور فرانس کا بنا ہوا ہے۔ دل نزع کی حالت میں ہے اور روح دم توڑ رہی ہے' لیکن عقل بڑی پختہ اور چالاک ہے کہ مادی علوم کو اُس نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے' ٹیکنالوجی اپنی انتہا کو چھو رہی ہے کہ ۔

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

اب اس نظم کا درمیانی شعر ملاحظہ ہو۔

ناپاک جسے کہتی تھی مشرق کی شریعت
مغرب کے فقیہوں کا یہ فتویٰ ہے کہ ہے پاک!

مشرق کی شریعت تو عملِ قومِ لوط کو بہت بڑی گندگی کہتی تھی' لیکن مغرب کے فقیہوں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ پاک ہے۔ چنانچہ بیجنگ کانفرنس کے ایجنڈے میں یہ بات موجود ہے کہ یہ بھی ایک نارمل جنسی رجحان ہے' اس کے بارے میں خواہ مخواہ بہت زیادہ حساس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

تجھ کو نہیں معلوم کہ حورانِ بہشتی
ویرانیٔ جنت کے تصوّر سے ہیں غمناک

اب یہ شاعرانہ تصور بیان کر رہے ہیں کہ بہشت کی حوریں بڑی غمناک حالت میں یہ کہہ رہی ہیں کہ اے اللہ! یہ جنت تو ویران رہ گئی' اس میں تو کوئی آنے والا رہ ہی نہیں گیا' انسان تو سارے کے سارے شیطان کے پیچھے چلے گئے' اب ہم تو یہاں اکیلی رہ جائیں

گی' ہمارے لئے تو کوئی ازدواج رہا ہی نہیں ۔

جمہور کے ابلیس ہیں ارباب سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہہِ افلاک!

کہ اے اللہ! اب آسمان کے نیچے اس زمین پر میری تو ضرورت ہی نہیں رہی۔ ان سیاست کے ارباب سے بڑا ابلیس کون ہو سکتا ہے؟ میرا کام کرنے والے یہ سیاستدان موجود ہیں جو سب ایک دوسرے سے بڑھ کر ابلیس ہیں۔

## حق وباطل کی کشمکش کا آخری مرحلہ

حق و باطل کی یہ کشمکش جو روزِ ازل سے شروع ہو گئی تھی اب آخری مرحلے میں آ گئی ہے اور تاریخ انسانی کا سب سے بڑا تصادم اب ہونے والا ہے ۔

دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردیِ مؤمن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

یہ معرکہ اب زیادہ دور نہیں ہے' اس لئے کہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ اس نے دنیا پر اپنا دین غالب کرنا ہے' جس کا ذکر قرآن مجید میں دو دفعہ آیا ہے۔ سورۃ الصّف میں الفاظ آئے ہیں : ﴿ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ "اللہ تو اپنے نور کا اتمام فرما کر رہے گا' خواہ یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے"۔ غالب تو آخر کار اللہ ہی کو آنا ہے۔ اَلْحَقُّ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى عَلَيْهِ ـــــ "یقیناً 'الحق' ہی غالب ہو گا' کسی اور کی اس پر غالب آنے کی حیثیت نہیں ہے"۔ یہ حق اور باطل' خیر اور شر کی جنگ بالآخر حق کی فتح پر منتج ہو گی ـــــ اور سورۃ التوبہ میں یہ مضمون بایں الفاظ آیا ہے : ﴿ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ○ ﴾ "اللہ کو بالکل منظور نہیں ہے مگر یہ کہ اپنے نور کا اتمام فرمائے' چاہے یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔" جس کو علامہ اقبال نے کہا ؏

یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے!

توحید کی شاہراہ پر ابلیس نے جو چھاپے مارے ہیں اور جس طرح اس نے کمین گاہ بنا کر نوعِ انسانی پر حملہ کیا ہے اب وہ وقت یقیناً آنے والا ہے کہ شرک اور ضلالت کی یہ ساری ظلمتیں کافور ہوں گی۔

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی!

چنانچہ اس معرکہ حق و باطل کا آخری نتیجہ آدم کی خلافت کی صورت میں برآمد ہو گا جہاں سے یہ کہانی شروع ہوئی تھی۔ عالمی نظامِ خلافت پر منتج ہو کر پھر اس دنیا کی تاریخ ختم ہو جائے گی اور پھر قیامت آجائے گی' لیکن یہ خلافت پورے روئے ارضی پر یقیناً قائم ہو گی۔ از روئے حدیثِ نبویؐ :

((لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ))

حضرت مقداد بن اسودؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا : "اس روئے ارضی پر نہ تو اینٹ گارے کا بنا ہوا کوئی مکان باقی رہے گا اور نہ کوئی کمبلوں کا بنا ہوا خیمہ رہے گا' مگر یہ کہ اس میں کلمۂ اسلام داخل ہو کر رہے گا"۔ یہ حق کا بول بالا ہو کر رہنا ہے۔ اس لئے کہ :

﴿ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ○ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ○ ﴾ (الطارق : ۱۶' ۱۷)

"یہ لوگ (یعنی کفار) کچھ چالیں چل رہے ہیں اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں ' پس ان کافروں کو اک ذرا سی دیر اُن کے حال پر چھوڑ دو!"

یہ ابلیس اور شیطان اور زمین پر ان کے ایجنٹ یہودی اپنی سی چالیں چل رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی چال چل رہا ہے۔

﴿ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ○ ﴾

(آل عمران : ۵۴)

"انہوں نے بھی چالیں چلیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی چال چلی ' اور اللہ بہترین چال چلنے والا ہے"۔

## پس چہ باید کرد

اس عالمی خلافت کے قیام کے لئے لائحہ عمل یہ ہے کہ پہلے ہم میں سے ہر شخص اپنی ذات میں اللہ کا خلیفہ بنے۔ خلیفہ کا کام چونکہ اصل مالک کا حکم نافذ کرنا ہوتا ہے' اس لئے ہم میں سے ہر ایک سب سے پہلے اپنی ذات میں اللہ کا حکم نافذ کرے' اپنے گھر میں اور اپنے دائرہ اختیار میں اللہ کے حکموں کا نفاذ کرے ـــــ اور یہی منزل سب سے کٹھن اور مشکل ہے۔ ؏

منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں!

اور تنظیم اسلامی چونکہ اسی بات پر سب سے زیادہ زور دیتی ہے اس لئے اس کی رفتار سست ہے۔ اگر محض جوش دلوا کر گولیوں کے آگے گریبان کھلوانا ہوتے تو یہ کام کبھی کا ہو چکا ہوتا۔ لیکن ہمیں یہ معلوم ہے کہ جب تک خود ٹھیک نہیں ہوں گے اُس وقت تک بات نہیں بن سکتی۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ﴾

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی!
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا!

تو پہلی بات یہ کہ افراد اپنے طرز عمل کی اصلاح کریں۔ پھر وہ جمع ہوں اور کسی ایک شخص کے ساتھ بیعت کے منصوص' ماثور اور مسنون تعلق کے ذریعے منسلک ہو کر بنیانِ مرصوص بنیں اور ایک حزب اللہ کی شکل اختیار کر لیں۔ پھر جب یہ حزب اللہ اتنی طاقتور ہو جائے کہ شیطان اور اس کے پورے نظام کو چیلنج کر سکے تو پھر وہ میدان میں آئے اور گردنیں کٹوانے کے لئے تیار ہو کہ ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصود مؤمن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

لیکن اس میں سب سے اہم وہی بات ہے کہ سب سے پہلے اپنے آپ کو بدلنا ہوگا اور یہی سب سے مشکل کام ہے۔ کیونکہ اپنے آپ کو بدلنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہے۔

خواہشیں ہیں کہ نظام بدل جائے اور اسلام آ جائے‘ لیکن مَیں نہیں بدلوں گا‘ مَیں تو جوں کا توں رہوں گا‘ میرا اگر کوئی سودی کاروبار ہے تو وہ جاری رہے گا‘ میرے گھر میں بے پردگی ہے تو وہ جاری رہے گی‘ میں اپنی جگہ سے ہرگز نہیں ہلوں گا۔ ”زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد“

بہرحال اصل طریقہ وہی ہے کہ جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے اور تنظیم اسلامی اسی کے مطابق چل رہی ہے اور جمی ہوئی ہے‘ چاہے کوئی response ملے یا نہ ملے۔ یہ کام کرتے چلے جانا ہے‘ جیسا کہ سورۃ الشوریٰ میں حضور ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ﴾ کہ جو حکم آپؐ کو ملا ہے اس پر جمے رہیے‘ ڈٹے رہیے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو اگر ۹۵۰ برس تک قوم کی طرف سے کوئی response نہیں ملا تو اس میں ان کے لئے ناکامی کی کوئی بات نہیں تھی۔ ناکام تو اصل میں قوم ہو گئی جو صراطِ مستقیم پر گامزن نہ ہو سکی اور شرک و گمراہی کی تباہ کن گھاٹیوں میں گر کر برباد ہو گئی ـــــ اور پھر دُنیوی اعتبار سے بھی وہ قوم کسی کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی بلکہ اللہ کے عذاب کی گرفت میں آ گئی اور طوفانِ نوح میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئی۔ سچ فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے:

﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝﴾ (آل عمران: ۱۸۵)

”کامیاب اصل میں وہ ہے جو وہاں آتشِ دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔ رہی یہ دنیا تو یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے“۔

بارک اللّٰہ لی ولکم فی القرآن العظیم ونفعنی وایّاکم بالآیات والذّکر الحکیم

(ترتیب و تسوید: علاؤ الدین خان)

# توحیدِ عملی

## کا فریضۂ اقامتِ دین سے ربط و تعلق

### سورۃ الشوریٰ آیات ۱۳ تا ۲۱ کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

مرتب : شیخ جمیل الرحمٰن

(تیسری قسط)

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰۤى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ○ وَمَا تَفَرَّقُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ○ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ○ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ○ اَللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ○ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِيْنَ

يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ○ اَللّٰهُ لَطِيْفٌ ۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ○ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ○ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞

(الشوریٰ : ۱۳-۲۱)

یہ سورۃ الشوریٰ کی نو آیات ہیں۔ ان نو آیات میں تین آیات حجم کے اعتبار سے نسبتاً بڑی ہیں اور مضامین کے اعتبار سے بڑی اہم بھی' بلکہ اقامتِ دین کے موضوع پر یہ مقام قرآن مجید کا ذروۂ سنام (Climax) یعنی چوٹی ہے۔

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ ﴾ میں لکُمْ خطاب کی ضمیر ہے اور اس کی مخاطب پوری نوعِ انسانی ہے' جو کہ اُمّتِ محمد ﷺ ہے۔ قبل ازیں یہ وضاحت کی جاچکی ہے کہ جو لوگ آپؐ کی تصدیق کرتے ہیں' آپؐ پر ایمان رکھتے ہیں' آپؐ کو اللہ کا آخری نبی و رسول مانتے ہیں' خود کو آپؐ کی ذاتِ اقدس سے منسوب کرتے ہیں وہ اُمّتِ اجابت ہیں اور باقی تمام انسان اُمّتِ دعوت ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت پوری نوعِ انسانی کے لئے ہوئی ہے۔ حضور ﷺ کی بعثت سے لے کر تا قیامِ قیامت جتنے انسان بھی اس دنیا میں آئیں گے وہ سب آپؐ کی امت دعوت میں شامل ہیں۔ "شَرَعَ" کے معنی ہیں "کسی چیز کو مقرر کر دینا۔" ہمارے یہاں عام طور پر استعمال ہوتا ہے یہ "شارع عام" نہیں ہے' یا سڑکوں کے نام "شارع" کے ساتھ رکھے جانے لگے ہیں' جیسے "شارع فیصل"۔ چونکہ سڑک اور راستہ چلنے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے اس لئے شارع کہلاتا ہے۔ تو کسی چیز کا تعین اور مقرر ہو جانا لفظ "شَرَعَ" کا اصل مفہوم ہے۔ ﴿ شَرَعَ لَكُمْ ...... وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ کا ترجمہ ہو گا : "مقرر کیا تمہارے لئے دین میں سے وہی کچھ جس کی وصیت کی تھی (اللہ نے) نوح (علیہ السلام) کو اور جس کی وحی کی ہم نے (اے محمد ﷺ) آپؐ کی طرف' اور جس کی ہم نے وصیت کی تھی ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو (علیٰ نبینا و علیہم الصّلوٰۃ والسلام) کہ دین کو قائم کرو (یا قائم رکھو) اور اس کے بارے میں کسی تفرقہ میں مبتلا نہ ہو جانا" ـــــ "قائم

کرو دین کو" یا "قائم رکھو دین کو" یہ دونوں ترجمے ہوں گے۔ یعنی دین قائم ہو تو اسے قائم رکھو! قائم نہ ہو تو اس کو قائم کرو!!

## اقامتِ دین کا حکم

"اَقِیْمُوْا" کا لفظ اَقَامَ' یُقِیْمُ' اِقَامَۃً (باب افعال) سے فعل امر جمع مذکر مخاطب ہے۔ معنی ہوں گے کسی چیز کو کھڑا کرنا یا کھڑا رکھنا۔ تفہیم کیلئے خیمہ پر قیاس کریں تو اگر خیمہ کھڑا ہے تو کھڑا رکھا جائے گا اور اگر گر گیا ہے تو اُسے کھڑا کیا جائے گا ـــــ کھڑا ہے اور آندھی آرہی ہے' طوفان آرہا ہے' تو اُسے کھڑا رکھنے کا اہتمام کرنا ہو گا کہ کھونٹے مضبوط ہوں۔ رسّوں کو مضبوطی سے تھام کر رکھنا ہو گا کہ کہیں خیمہ گر نہ جائے۔ پس خیمہ کھڑا ہے تو اسے کھڑا رکھو اور اگر گر گیا ہے تو کھڑا کرو۔ تو یہ دونوں مفہوم اَقِیْمُوْا کے فعل امر میں شامل ہیں۔ مَیں نے یہ دونوں مفہوم اس لئے بیان کئے ہیں کہ تراجم میں اگر یہ لفظی فرق آپ کو نظر آئے تو اس کی وجہ سے پریشان نہ ہو جائیں کہ ترجمہ "کھڑا رکھو" درست ہے یا "کھڑا کرو" ـــــ دونوں ترجمے درست ہیں۔ دونوں مفاہیم اَقِیْمُوا الدِّیْنَ میں موجود ہیں۔ "دین کو قائم رکھو یا قائم کرو"۔

## قابلِ غور مقام

آیت کے اس حصہ کے آخر میں فرمایا: ﴿وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ﴾ "اور اس کے بارے میں کسی تفرقہ میں مبتلا نہ ہو جانا"۔ یہاں "فِیْہِ" کا لفظ بہت اہم ہے' اس کو اچھی طرح سمجھنا ہو گا۔ اس مقصد کے لئے لفظ "دین" کو ایک مرتبہ پھر اچھی طرح جان لیجئے کہ "دین" کس کو کہتے ہیں اور دین میں تفرقہ کے معانی کیا ہوں گے؟ اگرچہ دین اور تفرقہ کی تشریح پہلے ہو چکی ہے تاہم چونکہ اس سورۂ مبارکہ کا یہ عمود اور مرکزی مضمون ہے لہٰذا ایک بار پھر ان کو اچھی طرح سمجھنا اور ذہن نشین کرنا ضروری ہو گا۔

## لفظ "دین" کی مزید تشریح

عربی زبان میں دین کا لفظ بنا ہے دَانَ یَدِیْنُ سے۔ اس کے بنیادی معنی ہیں بدلہ اور جزا و سزا۔ جیسے سورۃ الفاتحہ میں فرمایا: ﴿مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ "بدلے یا جزا کے دن کا

مالک"۔ سورۃ الماعون میں فرمایا : ﴿ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ○ ﴾ "کیا تم نے دیکھا اُس شخص کو جو (آخرت کے) بدلہ اور جزا کو جھٹلاتا ہے"۔ سورۃ الانفطار میں فرمایا : ﴿ کَلَّا بَلْ تُکَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ○ ﴾ (آیت ۹) "ہرگز نہیں' بلکہ (تمہارے اعراض کی اصل وجہ یہ ہے کہ) تم بدلہ اور جزا و سزا (کے دن) کو جھٹلاتے ہو"۔ قرآن مجید کی ان تین آیات کے حوالے سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ ان میں "دین" کے معنی بدلہ اور جزا و سزا کے ہیں۔ یہ اس لفظ کا بنیادی مفہوم ہے۔ اسی معنی میں لفظ "دَین" آتا ہے' جس کے معنی قرض کے ہیں۔ آپ کسی کو کوئی چیز ہبہ کر دیں تو وہ واپس نہیں لی جاتی۔ وہ ہدیہ ہے' عطیہ ہے۔ لیکن دَین کیا ہوتا ہے؟ آپ نے کسی کو قرض دیا' اب اسے آپ نے واپس لینا ہے۔ دَین اور دِین میں حروف کا فرق نہیں ہے' دونوں میں د' ی' ن استعمال ہوئے ہیں۔ فرق پہلے حرف پر زبر اور زیر کا ہے۔ حروفِ اصلی ایک ہی ہیں۔ ہبہ' ہدیہ' عطیہ' آپ اسے جو بھی کہیں' وہ واپس نہیں ملتا' جبکہ اس کے بالمقابل دَین واپس ملتا ہے۔ لہٰذا جزا و سزا عمل کا واپس آنا ہے۔ نیک عمل کا بدلہ جزا کی صورت میں ملے گا۔ یہ اس عمل کا return یعنی اس کا واپس آ جانا ہے۔ بدی کی ہے تو سزا کی شکل میں بدلہ ملے گا۔ یہ بھی اُس بُرے عمل کا واپس آ جانا ہے۔ پس دین کے اندر بھی یہ بنیادی مفہوم موجود ہے۔

لفظ "دین" کا دوسرا بنیادی مفہوم ہے اطاعت۔ اس کا تعلق بھی بدلہ اور جزا و سزا سے قائم رہتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جزا و سزا کسی قانون کے تحت ہی دی جاتی ہے۔ جنگل کا قانون ہو تو دوسری بات ہے' لیکن مہذّب اور متمدن معاشرے میں جزا و سزا کسی قانون کو مستلزم ہے کہ قانون کے مطابق کام ہو رہا ہو تو جزا اور تحسین ملے اور اگر اس کے خلاف کام ہو رہا ہو تو سزا اور نفرین ملے۔ پھر اس کے ساتھ کسی ایسی ہستی کا تصور لازماً ہو گا جو قانون دینے والی ہو' جس کی اطاعت کی جائے تو جزا ملے اور اس کی نافرمانی کی جائے تو سزا ملے ـــــ لفظ دین کے یہ بنیادی مفاہیم ہیں۔ ایک شاعر کا ایک مصرع ہے : "دِنَّاھُمْ کَمَا دَانُوْا" "جیسا انہوں نے ہمارے ساتھ کیا تھا اس کا ہم نے بھرپور بدلہ لے لیا"۔ اسی طرح عربی کا ایک مقولہ ہے : کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ۔ اس کے معنی بالکل وہی ہیں جو

اُردو کے اس محاورے کے ہیں "جیسا کرو گے ویسا بھرو گے"۔ ہندی میں اسے "کرنی کا پھل" کہا جاتا ہے۔

ان بنیادی مفاہیم کی توضیحات سے یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ "دین" کے اساسی معنی ہوئے جزا و سزا کی شکل میں کسی قانون اور ضابطہ کے تحت بدلہ' جبکہ کوئی ہستی جو قانون دینے والی ہو اس کی اطاعت ہو تو جزا ملے' نافرمانی ہو تو سزا ملے۔

## قرآنی اصطلاحات

یہ بات تو ہم سب کو معلوم ہے کہ عربی زبان تو نزولِ قرآنِ حکیم سے پہلے موجود تھی۔ اسی عربی مبین میں قرآن نازل ہوا۔ پس عربی ہی کے الفاظ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز کے لئے چن لیا اور معتدبہ الفاظ کے مفاہیم و معانی میں وسعت دے کر اصطلاحات کی شکل عطا فرمادی۔ جیسے لفظ صلوٰۃ پہلے بھی تھا' زکوٰۃ پہلے بھی تھا' صوم پہلے بھی تھا' لیکن جب ان الفاظ نے قرآنی اصطلاحات کی شکل اختیار کی تو اب اِن الفاظ کو جب اصطلاحاً بولا جائے گا تو اس کے معنی و مفہوم وہی پیش نظر رہیں گے جو قرآن مجید میں اصطلاحات کی صورت میں ان میں شامل کئے گئے ہیں۔ اسی طرح لفظ "دین" کو قرآن مجید نے اپنی اہم اصطلاح بنایا۔ اب یہ اصطلاح کیا بنی؟ یہ کہ :

> "کسی ہستی کو مطاعِ مطلق مان کر اُس کی کامل اطاعت کے اصول پر جو نظامِ زندگی بنے گا وہ اس ہستی کا دین قرار پائے گا"۔

غور فرمایئے کہ جہاں بھی کوئی نظام ہو گا وہاں پہلے یہ طے ہو گا کہ کون ہے مطاعِ مطلق اور مختارِ مطلق؟ کون ہے اصل قانون ساز؟ کون ہے حقیقی مقنّن؟ یہ طے ہو جانے کے بعد اس کی اطاعت کے اصول پر پورا نظام بنے گا اور قوانین مدوّن ہوں گے۔ اس کے جو احکام ہوں گے ان ہی کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی کے معاملات چلائے جائیں گے۔ اس طرح جو نظام بنے گا وہ اس ہستی کا دین ہو گا۔

چنانچہ بادشاہی نظام کیا ہے! بادشاہ Sovereign ہے۔ حاکمیت اس کی ہے' اس کی زبان سے نکلا ہوا لفظ قانون ہے۔ لہٰذا اس اصول پر جو نظام بنے گا اسے کہیں گے دین الملک' بادشاہ کا نظام۔ یہ لفظ قرآن مجید میں اُس موقع پر سورۂ یوسف میں آیا ہے جب

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائی بن یامین کو روکنا چاہتے تھے' لیکن وہاں بادشاہی قانون نافذ و رائج تھا جس کے تحت ان کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا ـــــ حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے بادشاہ نہیں تھے' بعض لوگوں کو یہ مغالطہ ہو گیا ہے' بلکہ اس حکومت میں بہت بڑے عہدے پر تھے۔ وزیر خوراک کہہ لیں' وزیر خزانہ کہہ لیں۔ خود حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے کہا تھا : ﴿ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ (یوسف : ۵۵) "ملک کے خزانے میرے سپرد کر دو' (میں ان کا صحیح انتظام کروں گا) میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں"۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک بہت بڑے عہدے دار تھے' چیف سیکرٹری کہہ لیجئے' لیکن بادشاہ تو نہیں تھے۔ بادشاہِ وقت کے خواب کی تعبیر بتا کر تو آپ" جیل خانے سے رہا ہوئے تھے۔ چونکہ وہاں شاہی نظام تھا' لہٰذا اس کی رو سے بلا کسی سبب کے کسی غیر ملکی (Foreigner) کو روکنا ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا ایک خاص شکل اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا فرمائی۔ چنانچہ فرمایا :

﴿ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ ﴾ (یوسف : ۷۶)

"اس طرح ہم نے یوسف کیلئے تدبیر فرمائی (ان کیلئے اپنے بھائی کو روکنے کیلئے ایک سبب پیدا فرمادیا)' اس (یوسف) کیلئے بادشاہ کے دین (یعنی مصر کے شاہی قانون) کے تحت اپنے بھائی کو پکڑنا ممکن نہ تھا' اِلّا یہ کہ اللہ ہی نے ایسا چاہا"۔

قرآن کے حوالے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بادشاہی نظام کو بھی قرآن "دین" کہتا ہے' مگر یہ "دین الملک" کہلاتا ہے۔

موجودہ دَور میں دنیا جمہوریت کی دیوانی ہے۔ دیکھئے دین الملک اور دین اللہ تو قرآنی اصطلاحات ہیں' البتہ دینِ جمہور کی اصطلاح ہمیں قرآن وحدیث میں نہیں ملتی۔ چونکہ اس وقت جمہوریت کا زمانہ نہیں تھا' اس کا تصور موجود نہیں تھا' لہٰذا جو چیز عوام کے ذہن اور ادراک میں تھی ہی نہیں' جس کا چلن تو ایک طرف رہا تصور تک موجود نہیں تھا اِس کو قرآن وحدیث میں لا کر لوگوں کے ذہن پر بوجھ نہیں ڈالا گیا' البتہ دو انتہائیں بیان فرما دیں : دین الملک اور دین اللہ۔ اب اس کے درمیان آپ خود خانہ پُری

کریں۔ "ایں قدر گفتیم باقی فکر کن" کے مصداق آپ کو اوّل و آخر بتادیا گیا' درمیانی کام آپ خود کیجئے۔ نظامِ جمہوریت کے اصول و مبادی چونکہ وہی ہیں جو دین الملک اور دین اللہ کے ہیں تو ان پر قیاس کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ جمہوریت فی الواقع ایک دین ہے۔

ہوا یہ ہے کہ جب مذہب کو انسان کی زندگی کا محض ایک نجی معاملہ (Private Affair) بنادیا گیا اور ملوکیت کا دور قریباً ختم ہوا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ نظام کے لئے انسانی ذہن کوئی راہ تلاش کرے اور کوئی اصول وضع کرے۔ لہٰذا طے کیا گیا کہ ہر ملک کے رہنے والے اپنے ملک میں Sovereign ہیں۔ حاکیت جمہور کی یعنی عوام کی ہے۔ قانون سازی اور نظام کی ہیئت' اس کے اصول و مبادی طے کرنے کا اختیار بالکلیہ عوام کو حاصل ہے۔ ان کے منتخب کردہ نمائندے پارلیمان یا اسمبلی میں اکثریت رائے سے ہر نوع کا قانون بنانے کے مجاز و مختارِ کل ہیں۔ ان کے لئے کسی آسمانی شریعت و ہدایت اور کسی اخلاقی قدر کی پابندی کی ضرورت نہیں۔ ان کے نزدیک فیصلہ کن اور حتمی و قطعی بات اپنے عوام کی پسند و ناپسند ہے۔ عوام کا منتخب ایوان مجاز ہے کہ اکیاون فیصد اکثریت سے جو چاہے قانون بنائے ، وہ ہم جنسی جیسے مکروہ فعل کو بھی جائز قرار دے۔

پارلیمان چاہے تو شارع عام پر' پارکوں میں' کلبوں میں' ڈراموں میں' اسٹیج پر جنسی فعل اور اختلاط کو جائز قرار دے دے' جیسا کہ یورپ کے اکثر ممالک اور امریکہ کی اکثر ریاستوں میں اس فحاشی پر کوئی قدغن نہیں' بلکہ اس شیطانی فعل کو قانونی تحفظ حاصل ہے ـــــ وہ چاہے تو شراب نوشی' قمار بازی' سٹہ' لاٹری اور اسی قبیل کے منکرات کو تفریح یا ضرورت کا نام دے کر قانونی طور پر جائز قرار دے دے۔ جیسا کہ دُنیا کے اکثر ممالک میں عملاً یہ ہو رہا ہے۔ یہ ہے اصل جمہوریت جس میں جمہور کے نمائندوں کو قانون سازی کے لامحدود اختیارات حاصل ہیں۔ ان پر کوئی تحدید (Limitation) نہیں ہے۔ چونکہ جمہوریت میں اصل حاکیت (Sovereignity) عوام کی ہے' لہٰذا اسمبلی ان عوام کی نمائندگی کرتی ہے ـــــ اسلامی جمہوریہ کی بات چھوڑ دیجئے۔ اوّل تو فی الوقت صحیح معنوں

میں یہ کہیں قائم ہی نہیں۔ اگر ہو گی تو ظاہر بات ہے کہ اس میں دستور ساز اسمبلی (Legislative Assembly) یا پارلیمنٹ کو اس محدود دائرہ میں قانون سازی کا اختیار حاصل ہو گا جو اللہ اور اُس کے رسولؐ نے ان کے لئے چھوڑ رکھا ہے۔ اس میں بھی وہ شریعت کے کسی حکم سے نہ تجاوز کر سکتے ہیں نہ اعراض ـــــ پارلیمنٹ کو لامحدود (unlimited) اختیارات کسی طور پر حاصل نہیں ہوں گے۔

جب اللہ کو مان لیا جائے کہ مطاعِ مطلق وہ ہے' حاکمیتِ مطلقہ اس کی ہے' بادشاہِ حقیقی صرف وہ ہے تو پھر قانون دینے کا اصل مجاز وہی ہے' شارع حقیقی وہی ہے' رسول اس کے نمائندے کی حیثیت سے ہیں' لیکن اصلاً حکومت اللہ کی ہے' مطلقاً اطاعت اس کی ہے' اور یہ اطاعت بواسطہ رسول اللہ ﷺ ہو گی۔ اس بات کو قرآن مجید میں واضح طور پر فرمادیا گیا کہ : ﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی"۔ یہاں الرّسول سے مراد ہیں جناب محمد ﷺ۔ ایک جگہ فرمایا : ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ "اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اذنِ الٰہی کی بناء پر اُس کی اطاعت کی جائے"۔ اس آیت میں قاعدہ کلیہ کے طور پر یہ بات آگئی ہے کہ اللہ کی اطاعت کا واسطہ رسول ہی ہوا کرتے ہیں۔

قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ کا مختلف اسالیب سے بیان ہوا ہے۔ یہاں ان سب کا احصاء ممکن نہیں' لہٰذا چند آیات پیش ہیں۔ سورۂ یوسف میں ایک جگہ حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا گیا : ﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ـــــ ﴾ (یوسف : ۴۰) "فرماں روائی اور حکم دینے کا اختیار اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی سیدھا طریق زندگی ہے"۔ اسی سورۂ یوسف میں دوسرے مقام پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان سے ادا کرایا گیا : ﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ ﴾ (یوسف : ۶۷) "حاکمیت اللہ کے سوا کسی کی نہیں' اُسی پر میں نے بھروسہ کیا اور جس کو (کسی پر) بھروسہ کرنا ہے تو اسے چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ کرے"۔ سورۃ الانعام میں ایک دوسرے انداز سے اِ . بات کا اظہار فرمایا گیا کہ :

﴿ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝ ﴾ (الانعام : ۶۲) "آگاہ ہو جاؤ! حقیقی حاکمیت اللہ ہی کی ہے اور وہ حساب لینے میں بڑا تیز ہے"۔ "لَهُ الْحُكْمُ" قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے۔ مزید برآں یہ مضمون مختلف اسالیب سے قرآن مجید میں بار بار آیا ہے کہ ﴿ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اور ﴿ لَهُ الْمُلْكُ ﴾ ـــــ یہاں دونوں جگہ جو حرفِ جار لام آیا ہے یہ لامِ تملیک بھی ہے اور لامِ استحقاق بھی ـــــ یعنی De-Facto and De-jure اُسی کی بادشاہت ہے۔ اور یہ بادشاہت دنیا کے عام بادشاہوں کی طرح نہیں ہے' بلکہ اس شان سے ہے کہ وہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے : ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾ "نہایت بزرگ و برتر و بالا ہے وہ ہستی (اللہ) جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) حکومت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے"۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے' اس کے آڑے آنے والا کوئی نہیں ہے۔

اللہ کی حاکمیتِ مطلقہ پر جو نظام بنے گا وہ دین اللہ ہو گا۔ آخری پارے کی مختصر سورت سورۃ النصر میں یہ اصطلاح آتی ہے :

﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ ﴾ (النصر : ۱، ۲)

"(اے نبی!) جب اللہ کی مدد آ گئی اور فتح نصیب ہو گئی تو آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں"۔

ان آیات میں فتحِ مکّہ کے بعد کا نقشہ کھینچا گیا ہے جب جزیرہ نمائے عرب کے چہار اطراف سے قبائل مدینۃ النبیؐ میں چلے آ رہے تھے' اللہ کو اپنا مالک و آقا اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو بحیثیتِ رسول اور اللہ کا نمائندہ تسلیم کر رہے تھے' آپ کا ہر حکم ماننے کے لئے آمادہ تھے اور جوق در جوق اسلام (دین اللہ) میں شامل ہو رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کو عمل کی جو تھوڑی سی آزادی دی ہے اور اُسے یہ اختیار دیا ہے کہ ﴿ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴾ "چاہے شکر گزار بندہ بن کر رہے چاہے ناشکرا" تو اللہ کا مطالبہ یہ ہے کہ اپنی آزاد مرضی سے انسان اللہ کا مطیع' فرماں بردار' اطاعت گزار بن کر رہے اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر گوشے میں اسی کی ہدایت پر

عمل پیدا ہو۔ یہ ہے لفظ "دین" کا حقیقی مفہوم اور "مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ" کا اصل تقاضا۔

## ہر دین غلبہ چاہتا ہے

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ "دین" اس نظامِ زندگی کو کہتے ہیں جس میں انفرادی سے لے کر اجتماعی زندگی تک کلی زندگی ایک مطاع کی اطاعت کے تابع ہو تو ایک حقیقت مزید سمجھ لیجئے کہ ہر "دین" اپنی فطرت کے اعتبار سے یہ چاہتا ہے کہ وہ قائم ہو اور غالب ہو۔ بادشاہ کا دین قائم و نافذ ہو تو بادشاہ کا دین کہلائے گا' بادشاہ مغلوب ہو گیا تو پھر بادشاہ کا دین کہاں رہا! وہ تو ختم ہوا۔ جب تک بادشاہت قائم ہے اس وقت تک دین الملک ہے' ورنہ نہیں ـــــ سورۃ الزخرف میں دیکھئے جہاں فرعون کا قول نقل ہوا ہے' اس نے اپنی قوم کو منادی کرائی : ﴿ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ﴾ (الزخرف : ۵۱) "اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی اور کہا اے میری قوم کے لوگو! کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے؟ اور کیا یہ سارا آب پاشی کا نظام میرے اختیار میں نہیں ہے؟" یعنی میں جس کو چاہوں پانی دوں جس کے لئے چاہوں پانی روک لوں۔ پھر سورۃ البقرۃ میں اُس محاجّہ کو دیکھئے جو نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا تھا : ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ﴾ "(اے نبی) کیا آپ نے اس شخص (نمرود) کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑا کیا تھا اُن کے رب کے بارے میں' اس بناء پر کہ اللہ نے اسے حکومت دے رکھی تھی"۔ اس حکومت کی بنیاد پر اُس کو زعم ہو گیا تھا کہ مختارِ مطلق اور علی الاطلاق حاکم و بادشاہ وہ ہے۔ وہ بھی خدائی کا مدّعی تھا ﴿ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ﴾ "جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اس سے کہا کہ میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے' تو وہ سرکش بولا : زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے"۔ روایات میں آتا ہے کہ اس نے دو قیدی جیل سے بلوائے' اُن میں سے ایک کو آزاد کیا کہ جاؤ تم بَری ہو اور دوسرے کی دربار ہی میں گردن اڑا دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا دیکھو میں نے ایک کو زندہ رکھا اور ایک کو مروا دیا' تو میرے پاس زندگی اور

موت کا اختیار ہوا کہ نہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ تو کج بحثی پر اتر آیا ہے تو انہوں نے آخری بات کہہ دی کہ ﴿فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ﴾ "میرا رب تو وہ ہے جو سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے، تو ذرا اسے مغرب سے نکال لا" اگر تجھے واقعی اختیار حاصل ہے تو یہ کر کے دکھا۔ اس بات پر وہ کافر مبہوت، حیران اور ششدر ہو کر رہ گیا۔ ﴿فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ﴾ وہ لاجواب ہو گیا، بغلیں جھانکنے لگا۔ جس طرح نمرود نے کہا تھا کہ زندگی اور موت میرے قبضہ میں ہے، اسی طرح فرعون نے کہا تھا کہ آب پاشی کا نظام اور حکومت کا انصرام میرے ہاتھ میں ہے۔ ﴿أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي﴾ ـــــ لہٰذا میرا حکم چلے گا۔ تو جب تک اس کا حکم چل رہا ہے تو یہ اس کا دین ہے، یہ نہیں تو دین کہاں رہا! ختم ہو گیا۔ اسی طرح جب جمہور کو انتخاب کا حق حاصل ہے اور وہ اپنے نمائندوں پر مشتمل پارلیمان یا اسمبلی منتخب کرتے ہیں اور یہ منتخب پارلیمان جمہور کی حاکمیت کے اصول پر کاروبار حکومت چلاتی ہے تو جمہوریت بالفعل قائم ہے، لیکن اگر کوئی فوجی سربراہ اپنے ساتھیوں کے تعاون سے اسمبلی یا پارلیمنٹ کو توڑ دے اور مارشل لاء نافذ کر کے بحیثیت چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر حکومت کا انتظام و انصرام اور جملہ اختیارات سنبھال لے تو جمہوریت کہاں رہی! دینِ جمہور ختم ہو گیا، اس لئے کہ نظام تو وہی ہے جو بالفعل قائم ہو اور واقعتاً اس کے اختیارات کا سکّہ چل رہا ہو۔ بالکل اسی طرح دین اللہ قائم و نافذ اسی وقت سمجھا جائے گا جب امرِ واقعہ میں وہ نظام قائم ہو جس میں بالفعل اللہ ہی کو حاکم مطلق مانا گیا ہو اور مطاعِ مطلق فی الحقیقت اللہ ہی کو تسلیم کیا گیا ہو، اسی کے احکام کے آگے سب کے سر جھکے ہوئے ہوں اور عملاً صورت حال یہ ہو کہ ﴿لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ کہ اللہ کا کلمہ سب سے اونچا ہو جائے، اللہ کی بات، اس کا فرمان بالاترین ہو جائے اور یہ ہو پورے نظامِ زندگی پر ـــــ جزوی نہیں، کُل کا کُل نظام اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت میں جکڑا ہوا ہو۔

## کامل غلبہ درکار ہے

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ انفرادی توحید جزوی مطلوب نہیں ہوتی، بلکہ کُلّی مطلوب

ہوتی ہے۔ ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ○ ﴾ "پس بندگی کرو اللہ کی' اطاعت کو اُس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ اور آگاہ ہو جاؤ! اللہ کے لئے تو دینِ خالص مطلوب ہے"۔ اسی طرح اجتماعی توحید بھی کلی مطلوب ہے۔ اللہ اس بات کے لئے تیار نہیں ہے کہ آدھا دین میرا مان لو' کچھ اطاعت میری کر لو اور آدھا دین کسی اور کا مان لو' اس کی اطاعت بھی کر لو۔ یہ طرزِ عمل در کار نہیں ہے۔ اللہ کا مطالبہ تو یہ ہے کہ کُل کا کُل دین' کامل اطاعت اسی کے لئے خالص ہو جائے اور دین میں انسان پورا کا پورا داخل ہو جائے۔ ﴿ اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ﴾ "فرماں برداری میں (دین میں) پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔" چنانچہ سورۃ الانفال میں جو بتایا گیا ہے کہ قتال کی آخری منزل کیا ہے؟ قتال و جہاد فی سبیل اللہ کا آخری ہدف کیا ہے! فرمایا : ﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾ (الانفال : ۳۹) "(اے مسلمانو!) ان (کافروں اور مشرکوں) سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ و فساد بالکل فرو ہو جائے اور دین کُل کا کُل اللہ کے لئے ہو جائے"۔ یہ نہیں کہ اس کا کوئی جز و مان لیا جائے۔ مسجد میں تو اللہ کی مرضی چل رہی ہو' پارلیمنٹ میں نہ چلتی ہو' سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس اور ماتحت عدالتوں میں نہ چلتی ہو' ذرائع ابلاغ میں نہ چلتی ہو' بازار میں نہ چلتی ہو' منڈی میں نہ چلتی ہو' گھر میں نہ چلتی ہو۔ یہ تو معاذ اللہ تم نے اللہ کو ٹرخا دیا ہے۔ ایک بڑا ہی جزوی اور چھوٹا سا حصّہ تو اُس کو دیا ہے' باقی سب دوسروں کو الاٹ کر دیا۔

## تفریقِ دین کی ممانعت

اس آیہ مبارکہ میں وارد الفاظ ﴿ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ پر بھی گہرائی میں اتر کر غور کرنا ہو گا۔ خاص طور پر یہاں فِيْهِ قابل توجہ ہے۔ فَرَّقَ' يُفَرِّقُ' تَفْرِيْقًا کے معنی ہیں : ٹکڑے ٹکڑے کر دینا' علیحدہ علیحدہ کر دینا' پھاڑ دینا۔ دین ایک وحدت ہے۔ پورا نظامِ زندگی' انفرادی بھی اور اجتماعی بھی' ایک وحدت بن کر اللہ کے تابع آ جائے تو یہ ہے دین اللہ۔ گویا کہ مکمل دین قائم ہو گیا۔ اگر یہ نہیں ہے' اور حال یہ ہے کہ ﴿ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ ﴾ —— دین کو پھاڑ دیا' کچھ حصّہ میں نے لے لیا' کچھ آپ نے لے لیا' کچھ کسی اور کو دے دیا

—— دین کے ٹکڑے کر دیئے کہ کچھ حصے کو ہم مانیں گے کچھ کو نہیں مانیں گے تو یہ ہے تفریقِ دین —— ﴿ اَلَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ﴾ "(اے محمد ﷺ) جو لوگ اپنے (اس) دین کے ٹکڑے کر دیں' (اس کو پھاڑ دیں' اس کے حصے بخرے کر دیں) اور خود تفرقے میں بٹ جائیں تو ایسے لوگوں سے آپ کا کوئی تعلق نہیں' (ان سے آپ کو کوئی سرو کار نہیں)"۔ لرز جانا اور ڈرنا چاہئے اس وعید سے کہ کس طور پر اللہ عزّوجلّ ایسے لوگوں سے اعلانِ براءت فرمار ہے ہیں جو اللہ کے اس دین میں' جو تمام انبیاء و رُسل کا دین ہے' تفرقہ ڈالنے کی روش اختیار کریں کہ ان سے ہمارے نبی ﷺ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ فِیْهِ میں یہ مفہوم غالب ہے۔

اس کا ایک مفہوم اور بھی ہے' وہ یہ کہ اقامتِ دین کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے اُمّت کو بنیانِ مرصوص بن جانا لازم ہے۔ فقہی مسائل میں رائے اور تعبیر کا اختلاف دوسری چیز ہے۔ یہ اختلاف صرف فقہ کے چار مشہور و معروف ائمہ کرام امام ابو حنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ یا اہل سنت کے علماء کرام کے درمیان نہیں ہوا' بلکہ صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کے مابین بھی رہا ہے۔ یہ فقہی مسالک کے اختلافات اگر اقامتِ دین کے فریضہ کی ادائیگی میں روک بن جائیں' گروہ بندی ہونے لگے' "من دیگرم تو دیگری" والا معاملہ ہو جائے تو یہ وحدتِ ملّی ہی کے لئے مہلک نہیں بلکہ اقامتِ دین کے فریضہ کی انجام دہی میں بھی رکاوٹ بن جائے گا۔ ﴿ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ﴾ میں اس نوع کے تفرقے سے بچنے کا بھی نہی کے اسلوب میں حکم دیا گیا ہے۔ فریضۂ اقامتِ دین کی ادائیگی کے لئے پوری امت کی اجتماعی قوت در کار ہے —— دین دُنیا کے صرف ایک حصہ پر قائم کرنا تو مطلوب نہیں' بلکہ پورے کرۂ ارض پر اللہ کا دین قائم کرنے کی جدّوجُہد کرنی ہے' پوری دنیا کو نورِ توحید سے منور کرنا ہے۔ گروہ بندی اور تفرقہ بازی کیوں ہوتی ہے! اس کی وجہ کیا ہے! اس کی تصریح و توضیح آگے آئے گی۔

## فقہی اختلافات حدود کے اندر رہوں تو تفرقہ نہیں

دین ایک ہو' اور وہ ہو دینِ توحید' اس کے تحت تفصیلی قوانین میں تھوڑا تھوڑا

فرق ہو' تعبیر(Interpretation) کا فرق ہو' استنباط کا فرق ہو' اجتہاد کا فرق ہو' لیکن توحید کا اصول سب کے نزدیک ایک ہی ہو تو یہ تفرقہ نہیں۔ ہمارے تمام فقہاء اور سلفی المسلک ائمہ کے نزدیک اصول ایک ہی ہے کہ حکم دینے کا اختیار صرف اللہ کو ہے اور اس کے نمائندے کی حیثیت اس کے رسول کی ہے۔ اللہ اور رسول' یہ ہیں اصل ستون جن پر دین قائم ہے ﴿ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ○ ﴾ (التغابن : ۱۲) اس اصول کے تحت مختلف نئے مسائل میں استنباط کیا جا سکتا ہے۔ ہر مجتہد اور ہر فقیہہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے منشاء کے مطابق کسی نئے مسئلہ میں حکم تلاش کر سکتا ہے اور اس میں کچھ نہ کچھ فرق بھی واقع ہو سکتا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ بھٹو صاحب کے خلاف قتل کا مقدمہ جب سپریم کورٹ میں آیا (یہ الگ بات ہے کہ یہ مقدمہ تو پاکستان کی تاریخ کا ایک حصّہ بنے گا) تو اس کے باوجود کہ قانون ایک ہی ہے' نئی شہادتیں سپریم کورٹ میں پیش نہیں ہوئیں۔ وہ تو ہائی کورٹ میں مقدمہ کی جو مثل تیار ہوئی تھی اور اس پر جو فیصلہ ہوا تھا اسی پر بحث و تمحیص اور جرح و تعدیل ہوئی اور اس نوع کے مقدمات کے سابقہ فیصلوں اور نظائر سے استدلال و استشہاد ہوا۔ پھر مختلف شہادتوں کے مابین تضادات کی نشاندہی کرنے کی کوشش ہوئی۔ چنانچہ مثل پر جو مختلف شہادتیں ریکارڈ ہوئی تھیں ان میں سے ہر شہادت میں تضاد تلاش کیا گیا۔ سابقہ فیصلے کے سقم بیان کیے گئے ان تمام امور پر فریقین کے وکلاء نے بحث کی اور اپنے اپنے دلائل دیئے ـــــ اب دیکھئے قانون ایک' ساری مثل ایک' لیکن سپریم کورٹ کے جج صاحبان نے فیصلہ دینے میں اختلاف کیا۔ جنہوں نے پھانسی کی سزا کا حکم دیا اور جنہوں نے بَری کرنے کا فیصلہ دیا ان میں سے کسی نے اصول سے اختلاف نہیں کیا۔ وہ سب قانون کو بھی تسلیم کر رہے ہیں' لیکن شہادتوں سے استنباط و استدلال میں اختلاف کر رہے ہیں ـــــ پوری دنیا کو معلوم ہے' کوئی یہ نہیں کہتا کہ فیصلہ کرنے والوں نے بدنیتی سے مختلف فیصلے دیئے ہیں۔ اور تو اور صرف دو جج ایک قانون کے تحت ایک ہی مقدمہ کو سنتے ہیں تو ان کی آراء میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے۔

پس اختلاف شے دگر ہے۔ لیکن جہاں اصول بدل جائیں گے' وہ تفرقہ فی الدین ہو

جائے گا۔ البتہ جب اصول یہ ہو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے تمام واضح احکام یعنی نصوصِ قرآن و سنّت کی اطاعت اور تابع داری کی جائے گی اور صرف اسی دائرے میں رہ کر جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے مقرر کر دیا ہے' معاملات طے کئے جائیں گے تو یہ تفرقہ نہیں ہو گا' بلکہ دین اللہ ہو گا۔

## دین ہمیشہ سے ایک رہا ہے

دین ہمیشہ سے ایک ہی ہے' اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ دین جو حضرت آدم علیہ السلام کا تھا وہی دین محمد ﷺ کا ہے۔ یہ دین ہے دین توحید یعنی اللہ کو ایک مان لینا' اسے وحدہٗ لا شریک لہ جان لینا۔ جب اس توحید کو آپ عملاً انفرادی زندگی میں لے آئیں گے تو وہ ہو گی اللہ کی عبادت کرنا' اپنی کل اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے ــــــ اور اسی توحید کو جب آپ اجتماعی نظام کے ذیل میں لائیں گے تو یہ ہو گا پورے نظام زندگی کو اللہ کے حکم کے تابع کر دینا۔ یعنی دین اللہ کو بالفعل قائم کر دینا۔ اور یہی اقامت دین ہے' بالفاظِ مبارکہ : "اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ"۔

## ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہمارے ہاں جو فقہی اختلاف پائے جاتے ہیں اُن سب میں اصل الاصول توحید ہی ہے۔ مسلّماتِ دین سب کے نزدیک مشترک ہیں۔ سب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اطاعتِ مطلقہ کی سزاوار صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے اور یہ اطاعت بواسطۂ رسولؐ ہو گی۔ جناب محمد ﷺ بحیثیت رسول اللہ ﷺ مطاع ہیں۔ آپؐ کے احکام' آپؐ کے فیصلے' آپؐ کی سنّت' آپؐ کے فرمودات واجبِ اطاعت اور واجبِ اتّباع ہیں۔ از روئے آیاتِ قرآنیہ : ﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ "جس نے بھی رسول اللہ کی اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی"۔ اور

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ ﴾ (الاحزاب : ۳۶)

"کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو پھر اسے اپنے معاملہ میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا"۔

سورۃ النساء میں فرمایا :

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ﴾

(النساء . ٦٥)

"(اے محمدؐ!) آپؐ کے رب کی قسم! یہ کبھی مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپؐ ہی کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں . . . . "

علاوہ ازیں ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ کا حکم قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ اللہ کی اطاعت اور اس کے رسولؐ کی اطاعت دین کے دو ستون ہیں جن پر دینِ توحید قائم ہے۔ لہٰذا تمام فقہاء اور ائمہ دین رحمہم اللہ کا دین یہی دینِ توحید ہے۔ وہ چاہے امام ابو حنیفہؒ ہوں' امام مالکؒ ہوں' امام شافعیؒ ہوں' امام احمد بن حنبلؒ ہوں' امام بخاریؒ ہوں وغیرہم۔ کتاب و سُنّت سے استدلال کرتے ہوئے جو تفاصیل طے کی جائیں گی تو بعض مسائل کے استنباط' تعبیر اور بعض میں اجتہاد و قیاس' راجح و مرجوح' افضل و مفضول کی آراء میں اختلاف ہو سکتا ہے اور ہوا ہے۔ ان ائمہ عظام کے مابین معاذ اللہ دین کے معاملہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ فقہی مذاہب اور مسالک ہیں۔ سب کا دین' دینِ اسلام ہے۔ مسلکوں کے اختلافات میں کوئی حرج نہیں' سب حق ہیں۔ لیکن دین میں تفرقہ درست نہیں ہے' یہ تو کفر ہو جائے گا۔

اس بات کو اس طرح بھی سمجھ لیجئے اور فرض کیجئے کہ کسی ملک میں غالب اکثریت امام مالکؒ کے مسلک پر چلنے والوں کی ہے تو جب وہ اپنے ملک میں اللہ کا دین قائم کریں گے تو وہاں مالکی فقہ رائج ہو جائے گی۔ کسی جگہ پر احناف کی عظیم اکثریت ہے تو وہ جب اپنے یہاں اللہ کا دین قائم کریں گے تو وہاں فقہ حنفی نافذ ہو گی۔ وَقِس عَلٰی ذٰلِكَ۔ لیکن فقہ کے اختلافات کے علی الرغم سب کا دین ایک ہی ہو گا اور وہ ہو گا دینِ اسلام' دینِ توحید ـــــ

# مسلمان کا طرزِ حیات(۸)

## علامہ ابوبکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

## "منہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

**کتاب العقائد**

دسواں باب

# قیامت پر ایمان

ہر مسلمان اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ ایک وقت آئے گا جب یہ دنیا ختم ہو جائے گی' وہ دنیا کا آخری دن ہو گا جس کے بعد دنیا کا کوئی دن نہیں ہو گا۔ اس کے بعد دوسری زندگی شروع ہو جائے گی جس کا تعلق عالمِ آخرت سے ہو گا۔ اس دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو دوبارہ زندہ کرے گا اور تمام لوگ اس کی جناب میں حاضر ہو کر حساب دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو جنت میں ابدی نعمتیں عطا فرمائے گا' اور بدکاروں کو جہنم میں رسوا کُن سزا بھگتنا پڑے گی۔

قیامت سے پہلے کچھ ایسے واقعات پیش آئیں گے جو قربِ قیامت کی علامتیں شمار ہوتے ہیں۔ مثلاً دجّال کا ظہور' یاجوج وماجوج کا نکلنا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول' دابّہ کا خروج' سورج کا مغرب سے طلوع ہونا وغیرہ۔ اس کے بعد صور میں پھونک ماری جائے گی جس سے لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور مر جائیں گے۔ اس کے بعد صور پھونکا جائے گا تو لوگ زندہ ہو کر قبروں سے نکل آئیں گے اور اللہ رب العالمین کو حساب دینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ پھر اعمال نامے دیئے جائیں گے' کسی کو دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملے گا' کسی کو بائیں ہاتھ میں۔ پھر اعمال تولنے والا ترازو نصب کیا جائے گا اور حساب کتاب ہو گا۔ جہنم پر پل صراط رکھ دیا جائے گا' اور یہ سلسلہ اہلِ جنت کے جنت میں' اور اہلِ جہنم کے جہنم میں پہنچ جانے پر ختم ہو گا۔

ان عقائد کے نقلی اور عقلی دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

## نقلی دلائل

① اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر ان امور کا ذکر فرمایا ہے' مثلاً ارشاد ہے:

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ○ ﴾
(الرّحمٰن: ۲۶'۲۷)

"جو بھی زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے اور تیرے رب کی عظمت و شان والی ذات باقی رہنے والی ہے"۔

اور فرمایا:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاْئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ○ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ○ ﴾ (الانبیاء ۳۴'۳۵)

"ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کو دوام نہیں بخشا' اگر آپ فوت ہو گئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں؟ ہر جان موت کو چکھنے والی ہے' اور ہم برائی اور بھلائی سے تمہاری آزمائش کرتے ہیں' پھر تم ہماری طرف ہی لوٹائے جاؤ گے۔"

نیز ارشاد ہے:

﴿ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○ ﴾ (التغابن ۷:۶۴)

"کافر یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا' فرما دیجئے: ہاں' ہاں' میرے رب کی قسم! تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا' پھر تمہیں بتایا جائے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے' اور یہ کام اللہ کے لیے آسان ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ○ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ

لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ ﴾ (المطففین : ۴-۶)

"کیا ان لوگوں کا یہ خیال نہیں کہ وہ اٹھائے جائیں گے' ایک عظیم دن میں' جس دن لوگ ربّ العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔"

ایک مقام پر فرمایا :

﴿ وَتُنْذِرَ یَوْمَ الْجَمْعِ لَارَیْبَ فِیْهِ ؕ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ○ ﴾ (الشورٰی : ۷)

"اور تاکہ آپ اکٹھا ہونے کے دن سے آگاہ کریں جس میں کوئی شک نہیں۔ ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ بھڑکتی آگ میں۔"

نیز ارشاد ہے :

﴿ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا○ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا○ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا○ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا○ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰی لَهَا○ یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ○ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ○ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ○ ﴾ (الزلزال ۱-۸)

"جب زمین اس کے زلزلہ سے ہلادی جائے گی۔ اور زمین اپنے بوجھ نکال دے گی۔ اور انسان کہے گا: اسے کیا ہوگیا؟ اُس دن وہ اپنی خبریں بتائے گی' کیونکہ اُس کے ربّ نے اُسے وحی کی (یعنی حکم دیا)۔ اُس دن لوگ الگ الگ آئیں گے تاکہ انہیں ان کے عمل دکھاوئیے جائیں۔ تو جو شخص ایک ذرہ برابر نیکی کرتا ہے اسے دیکھ لے گا۔ اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کرتا ہے اسے دیکھ لے گا۔"

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ یَاْتِیَ رَبُّكَ اَوْ یَاْتِیَ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ؕ ﴾ (الانعام ۱۵۸)

"یہ لوگ تو صرف اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں' یا تیرا ربّ آجائے' یا تیرے ربّ کی کچھ نشانیاں آجائیں۔ جس دن تیرے ربّ کی کچھ نشانیاں آئیں گی اُس دن کسی جان کو اس کا ایمان لانا فائدہ نہ دے گا جس

نے پہلے ایمان قبول نہیں کیا تھا یا ایمان لا کر اچھے کام نہیں کیے تھے۔"
اس کے علاوہ ارشاد ہے:

﴿ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ۝ ﴾ (النمل ۸۲)

"اور جب ان پر بات واقع ہو جائے گی تو ہم زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا کہ لوگ ہماری نشانیوں کا یقین نہیں کرتے تھے۔"

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

﴿ حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ ۝ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا ﴾

(الانبیاء: ۹۶، ۹۷)

"حتیٰ کہ جب یاجوج و ماجوج کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی پر سے تیزی سے اتر رہے ہوں گے۔ اور سچا وعدہ قریب آ جائے گا تو اچانک کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ۝ وَقَالُوا أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم مَّلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ۝ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا ﴾ (الزخرف ۵۷-۶۱)

"جب ابنِ مریم کی مثال بیان کی جائے تو اچانک آپ کی قوم کے لوگ اس سے چلّانے لگتے ہیں، اور کہتے ہیں: کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ (ابنِ مریمؑ)۔ یہ لوگ محض جھگڑے کے لئے یہ مثال بیان کرتے ہیں، درحقیقت وہ تو ہیں ہی جھگڑالو قوم۔ وہ تو محض ہمارا ایک بندہ ہے، ہم نے اس پر انعام کیا اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ایک مثال بنا دیا۔ اگر ہم چاہیں تو فرشتوں کو زمین میں تمہاری جگہ لینے والے بنا دیں۔ وہ (عیسیٰ) تو قیامت کی ایک نشانی ہے، تو تم اس (قیامت)

میں ہرگز شک نہ کرو....."

ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ○ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ○ ﴾ الزمر ۶۸-۷۰)

"اور صور پھونکا جائے گا تو جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی بھی زمین میں ہے غش کھا جائے گا' مگر جسے اللہ تعالیٰ (محفوظ رکھنا) چاہے۔ پھر دوبارہ اس میں پھونک ماری جائے گی تو اچانک وہ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی' اور کتابِ اعمال لا کر رکھ دی جائے گی' اور نبیوں اور گواہوں کو لایا جائے گا اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا' اور ان پر ظلم نہیں ہو گا۔ اور ہر کسی کو جو کچھ اس نے عمل کیا تھا (اس کا) پورا پورا (بدلہ) دے دیا جائے گا' اور وہ ان کے کاموں سے بہت باخبر ہے۔"

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ○ ﴾

(الانبیاء ۴۷)

"قیامت کے دن ہم انصاف والی ترازو رکھیں گے۔ اگر کوئی رائی کے دانے کے وزن جتنا (عمل) بھی ہوا تو ہم اسے لے آئیں گے۔ اور حساب لینے والے ہم کافی ہیں۔"

اس کے علاوہ ارشاد ہے:

﴿ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ○ وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ○ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ○ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ○ وَالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ

يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ○ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ○ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتَابِيَهْ ○ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ○ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ○ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ○ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ○ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ○ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ○ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ○ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ○ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ○ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ○ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ○ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ○ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ○ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ○ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ○ (الحآقّۃ ۱۳۔۳۴)

"پھر جب صور میں ایک ہی بار پھونک ماری جائے گی۔ اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ایک بار ہی توڑ پھوڑ دیا جائے گا۔ تو اُس دن واقع ہو جانے والی واقع ہو جائے گی۔ اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اس دن کمزور ہو گا۔ اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور تیرے رب کے عرش کو اُس دن آٹھ (فرشتے) اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اُس دن تم پیش کیے جاؤ گے تو تمہارا کوئی راز چھپا نہ رہے گا۔ پھر جس کی (عملوں والی) کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں دی گئی وہ کہے گا: لو میری کتاب پڑھ لو۔ مجھے یقین تھا کہ مجھے میرا حساب مل جائے گا۔ پس وہ پسندیدہ زندگی میں ہو گا۔ اونچے باغوں میں' جن کے خوشے قریب ہوں گے۔ (کہا جائے گا) تم نے گزشتہ ایام میں جو کچھ آگے بھیجا تھا اس کے بدلے میں کھاؤ' پیو (اور وہ کھانا پینا تمہارے لیے) خوشگوار ہو۔ اور جسے اس کی کتاب بائیں ہاتھ میں دے دی گئی' وہ کہے گا: کاش مجھے میری کتاب نہ ملتی۔ اور مجھے پتہ نہ چلتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش وہ (موت) ختم کر دینے والی ہوتی۔ میرا مال میرے کچھ کام نہیں آیا۔ میرا اقتدار تباہ ہو گیا۔ (کہا جائے گا) اسے پکڑ لو' اسے طوق پہنا دو' پھر اسے جہنم کی آگ میں ڈال دو' پھر اسے اس زنجیر میں جکڑ دو جس کی پیمائش ستر ہاتھ ہے۔ وہ عظمت والے اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اور وہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا۔"

ایک مقام پر ارشاد ہوا:

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا○ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا○ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا○ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا○ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا○ (مریم: ۶۸-۷۲)

"آپ کے رب کی قسم! ہم ضرور انہیں بھی اور شیاطین کو بھی اٹھائیں گے' پھر ہم انہیں جہنم کے گرد اس طرح حاضر کر دیں گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ پھر ہم ہر گروہ میں ان (افراد) کو الگ کر لیں گے جو رحمن کی زیادہ سرکشی کرنے والے ہیں۔ پھر ہمیں خوب معلوم ہے کہ کون پہلے اس (جہنم) میں داخل ہوں گے۔ اور تم میں سے ہر شخص کو اس پر پہنچنا ہے' یہ تیرے رب کا پختہ فیصلہ ہے۔ پھر ہم ان لوگوں کو نجات دے دیں گے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرے رہنے دیں گے۔" (جاری ہے)

---

## بقیہ: توحیدِ عملی

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ دین اور شریعت یا دین اور فقہ میں کیا فرق ہے؟ یہاں بات دین کی ہو رہی ہے' شریعت کی نہیں۔ دین کے معاملہ میں متفرق نہ ہو۔ اس پر جمے رہو' اللہ ہی کو مطاعِ مطلق ماننا ہے' اسی کی حاکمیت تسلیم کرنی ہے' اسی کی تابع داری اور فرمانبرداری کرنی ہے۔ اسی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہے' اس کی اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت پر مبنی اپنا نظامِ حیات بنانا ہے۔ یہ ہے اقامتِ دین' اس کے بارے میں تفریق میں نہ پڑ جانا۔ (جاری ہے)

# وسیلہ کیا ہے؟

## قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز وسیلے کون سے ہیں؟
## وسیلہ کے بارے میں فقہاء احناف کا حقیقت پسندانہ موقف!

——— تحریر: مولانا عبدالجبار سلفی ———

"ایک بہتی ہوئی بڑی نہر کے کنارے میں چھوٹا سا شگاف پڑ جائے تو اسے فوراً ہی مٹھی بھر مٹی سے بند کر دینا عین دانش مندی ہے۔ اگر اس موقع پر سستی یا لاأبالی پن کا مظاہرہ ہو جائے تو وہ شگاف چند گھنٹوں بعد بڑا اور گہرا ہو جائے گا اور نہر کے کنارے کو تیزی سے بہالے جائے گا اور آن کی آن میں بستیاں غرقاب ہو جائیں گی۔"

اس مثال کی روشنی میں آپ بخوبی سمجھ جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ نے کمالِ مہربانی سے نہ صرف یہ کہ اُمّتِ مسلمہ کو مہلک اعمال سے روکا بلکہ اُن راستوں کو بھی بند کر دیا جو ہلاکت گاہوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

(( مَا تَرَكْتُ شَيْئًا يُقَرِّبُكُمْ إِلَى اللّٰهِ إِلَّا وَقَدْ اَمَرْتُكُمْ بِهٖ ، وَمَا تَرَكْتُ شَيْئًا يُبْعِدُكُمْ عَنِ اللّٰهِ وَيُقَرِّبُكُمْ إِلَى النَّارِ إِلَّا وَقَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ )) (1)

"میں نے ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑی جو تمہیں اللہ کے قریب کرتی ہو، مگر میں تمہیں بتا چلا ہوں، اور کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو تمہیں اللہ سے دُور کرتی ہو اور جہنم کے قریب کرتی ہو، مگر تمہیں اس سے روک چلا ہوں۔"

سیّد البشر حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ: "(ثواب سمجھ کر اپنی طرف سے کوئی) نیا عمل دین اسلام میں داخل کرنا بدعت ہے، اور ہر بدعت ضلالت ہے اور ہر ضلالت و گمراہی جہنم میں ہے۔"

زیر بحث مسئلۂ وسیلہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد

جس نے سب سے زیادہ دُور اندیشی سے کام لیا ہے وہ حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حنفی بزرگانِ دین ہیں۔ چنانچہ انہوں نے قرآن و سنت کی روشنی میں اسی وسیلہ کو اپنانے کا حکم دیا ہے جس کا اللہ اور رسول ﷺ نے حکم دیا اور نہر میں شگاف والی مثال کی طرح اس وسیلے سے روک دیا جو لاشعوری طور پر مسلمانوں کو کفر و شرک کے گڑھے میں دھکیل دیتا ہے۔

## وسیلہ کا لغوی معنی

"لباب التاویل" میں ہے :

"الوسیلة فعیلة من وسّل الیه اذا تقرب"

(وسیلہ فعیلہ کے وزن پر ہے وسّل الیہ سے 'جب کوئی قرب حاصل کرے۔)

"قاموس اللغة" میں ہے :

"وسّل الی اللّٰہ توسیلا' عمل عملا تقرب به الیه کتوسل"

(اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی عمل کیا۔)

اس سے معلوم ہو گیا کہ وسیلہ کے معنی "قرب حاصل کرنا" ہے

## وسیلہ کا شرعی مفہوم

امام ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ قرآن حکیم کی تفسیر میں ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ﴾ (المائدة . ۳۵) "اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو"۔ کے تحت فرماتے ہیں کہ :

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وسیلہ کا معنی قرب ہے' یعنی وہ عمل کرنا جو اللہ کے قریب کر دے۔ اس کے بعد انہوں نے جمہور مفسرین قرآن مثلاً امام حسن بصری' امام قتادہ' ابو وائل' عبداللہ بن کثیر رحمہم اللہ وغیرہم جلیل القدر ائمہ تفسیر کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ ان سب کی تفسیر یہی ہے :

"تقربوا الیه بطاعته و العمل بما یرضیه" (اللہ کا قرب حاصل کرو اس کی اطاعت کر کے اور اس کو خوش کرنے والے عمل کر کے)"[۲]

مرغوب شے تک پہنچنے کے لئے کوئی نیک عمل کرنے کو وسیلہ کہتے ہیں۔ جبکہ پنجابی

زبان میں وسیلہ اس سے مختلف معنی میں استعمال کیا جاتا ہے' یعنی بزرگوں کے آستانوں پر جا کر اُن سے حصولِ منفعت اور دفعِ ضر کی درخواست کرنا۔ افسوس کا مقام ہے کہ بعض پڑھے لکھے علماء بھی اس آیت سے پنجابی زبان میں مستعمل وسیلہ کا مفہوم مراد لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ میں دعائیں قبول کروں گا :

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (المؤمن ۶۰)

"اور تمہارے ربّ نے کہا کہ مجھے پکارو مَیں قبول کروں گا"۔

اور اُن لوگوں کو عذاب کی دھمکی دی ہے جو اُس کی پکارنے سے روگردانی کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دعا کی ترغیب کے ساتھ ساتھ وہ اعمال و وسائل بھی بتائے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور دعائیں یقینی طور پر قبول ہوتی ہیں۔ اور ہمیں چاہئے کہ ہم وہی وسیلے اپنائیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتائے ہیں اور من گھڑت وسیلوں سے بچیں' کیونکہ وہ بدعتِ سیّئہ ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان سے روکا ہے۔

## جائز اور مستحب وسیلے

### ① اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کا وسیلہ

ارشادِ ربانی ہے :

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾ (الاعراف ۱۸۰)

"اور اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں' تم اُن کے وسیلے سے اللہ کو پکارو"۔

چنانچہ مسلمان کو چاہئے کہ دعا کی جلد قبولیت کے لئے اللہ کے اسماءِ حسنیٰ کے ذریعے دعا کرے۔ مثلاً :

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ وَاللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ اَنْ تُعَافِيَنِيْ (۳)

"اے اللہ میں تجھ سے اس ذریعے سے سوال کرتا ہوں کہ تو رحمٰن اور رحیم ہے اور لطیف اور خبیر ہے کہ مجھے سلامتی نصیب فرما"۔

یا یوں کہے :

اَللّٰھُمَّ اَسْئَالُکَ بِرَحْمَتِکَ الَّتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ اَنْ تَرْحَمَنِیْ وَتَغْفِرَلِیْ (۴)

"اے اللہ! میں تیری رحمت کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جو ہر چیز سے وسیع ہے کہ تو مجھ پر رحم فرما اور مجھے بخش دے"۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو سنا کہ وہ نماز میں اس طرح دعا کر رہا تھا :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ یَا اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ اَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (۵)

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں' اے اکیلے اور یکتا اور بے نیاز اللہ جو نہ جنا گیا' اور نہ اس نے کسی کو جنا' نہ کوئی اس کا شریک ہے' کہ تو میرے گناہ بخش دے! تو بخشنے والا مہربان ہے"۔

ایک آدمی کو آنحضرت ﷺ نے ان الفاظ میں دعا مانگتے سنا :

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ وَحْدَکَ لاَ شَرِیْکَ لَکَ الْمَنَّانُ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلاَلِ وَالْاِکْرَامِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اَسْاَلُکَ الْجَنَّةَ وَ اَعُوذُ بِکَ مِنَ النَّارِ" (۶)

"اے اللہ! میں تجھ سے اس وسیلے سے دعا مانگتا ہوں کہ سب تعریفیں تیرے لئے ہیں' اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو اکیلا ہے' تیرا کوئی شریک نہیں۔ اے شفقت و محبّت کرنے والے' اے احسان کرنے والے' اے زمین و آسمان پیدا کرنے والے' اے جلالت اور بزرگی والے' اے ہمیشہ زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والے! میں تجھ سے جنّت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں"۔

حضرت سرورِ دوعالم ﷺ نے صحابہ سے پوچھا کہ اس نے کس وسیلہ سے دعا کی ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا : اللہ ورسولہ اَعلم! . . . تو رسول اکرم ﷺ نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ اس

نے اسمِ اعظم کے وسیلے سے دعا کی ہے جس کے ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ دعا قبول کرتا ہے۔

اسی طرح وہ انصاری جسے پیشہ ور قاتل ڈاکو نے جنگل میں گھیر لیا اور وہ ہر صورت میں اسے قتل کرکے اس کا مال اور خچر لینا چاہتا تھا تو انصاری نے اس طرح دعا کی :

(( یَا وَدُوْدُ یَا ذَا الْعَرْشِ الْمَجِیْدِ یَا فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ اَسْاَلُکَ بِعِزَّتِکَ الَّتِیْ لاَ تُرَامُ وَبِمُلْکِکَ الَّذِیْ لاَ یُضَامُ وَبِنُوْرِ الَّذِیْ مَلأَ اَرْکَانَ عَرْشِکَ اَنْ تَکْفِیَنِیْ شَرَّ ھٰذَا اللِّصِّ یَا مُغِیْثُ اَغِثْنِیْ )) (۷)

"اے محبت کرنے والے' بزرگ عرش والے' اے جو چاہے سو کرنے والے! میں تیری ہمیشہ رہنے والی عزت اور بادشاہی کے وسیلے سے اور تیرے عرش کے ارکان کو بھرنے والے نور کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں' کہ مجھے اس چور (ڈاکو) سے بچا' اے فریاد رس! میری مدد فرما"۔

تو اس نے دیکھا کہ سفید کپڑوں میں ملبوس کوئی گھوڑ سوار آیا' اس نے ڈاکو کو سینے میں نیزہ مار کر ہلاک کر دیا۔

الغرض بزرگانِ دین کی دعاؤں کی قبولیت کا یہ راز تھا کہ وہ حلال کمانے کے ساتھ ساتھ اسماءِ حسنیٰ کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے۔ اگر آپ ایسی بے شمار دعائیں دیکھنا چاہیں تو الورد المصفّٰی المُختار من کلام اللّٰہ و کلام سیّد الابرار اور کتاب الاذکار از امام نووی ؒ دیکھیں' لیکن ایک دعا جسے میں درج کئے بغیر نہیں رہ سکتا' وہ یہ ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا : جب کسی آدمی کو غم واندوہ لاحق ہو تو وہ یہ دعا پڑھے :

(( اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ وَابْنُ اَمَتِکَ نَاصِیَتِیْ بِیَدِکَ مَاضٍ فِیَّ حُکْمُکَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَائُکَ اَسْاَلُکَ بِکُلِّ اسْمٍ ھُوَ لَکَ سَمَّیْتَ بِہٖ نَفْسَکَ اَوْ اَنْزَلْتَہٗ فِیْ کِتَابِکَ اَوْ عَلَّمْتَ بِہٖ اَحَداً مِنْ خَلْقِکَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِہٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَنُوْرَ صَدْرِیْ وَجِلاَءَ حُزْنِیْ وَذِھَابَ غَمِّیْ ))

"اے میرے اللہ! میں تیرا بندہ' تیرے بندے کا بیٹا' تیری بندی کا بیٹا' میری

پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے' تیرا حکم مجھ پر جاری و ساری ہے' میرے متعلق تیرا
فیصلہ عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ میں تجھ سے تیرے سب اسماءِ حسنیٰ (کے وسیلے)
سے سوال کرتا ہوں جو تو نے اپنی ذات کے لئے رکھے' یا کسی کتاب میں نازل کئے'
یا کسی مخلوق کو سکھائے یا اپنے پاس ہی رکھنے پسند کئے' تو قرآن کو میرے دل کی
بہار اور سینے کا نور بنادے اور اسے میرے غم و اندوہ کا مداوا بنادے"۔

تو اللہ اس آدمی کے غم و اندوہ دُور کر کے خوشی و فرحت اور سرور نصیب کرے گا"۔ (۸)

ان آیات اور احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ اپنے اسماء اور صفات جمیلہ کے وسیلے کو پسند کرتا ہے' اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ہمیں نیک اعمال کا وسیلہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

## ② نیک اعمال کا وسیلہ

اس طرح کا وسیلہ بھی جائز اور مشروع ہے کہ بندہ یوں کہے :

"اے اللہ! میں اس وجہ یا وسیلہ سے کہ تجھ پر ایمان رکھتا ہوں' یا تیرے پیغمبر
حضرت محمد ﷺ سے محبت رکھتا ہوں اور آپ کا تابعدار ہوں تو میرے گناہ معاف
کردے' یا مجھے معاف کردے' یا میری حاجت پوری کردے یا میری مشکل حل
کردے"۔

اس قسم کے وسیلے کو اللہ نے پسند فرمایا ہے۔ قرآن میں ہے کہ میرے بندے یوں کہتے ہیں :

﴿ رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

(آلِ عمران ۵۳)

"اے ہمارے رب! ہم تیری نازل کردہ کتاب پر ایمان لائے اور تیرے رسول
ﷺ کی تابعداری کی (اس وسیلہ سے) ہمیں بھی (اپنی وحدانیت کے) گواہوں میں
لکھ لے"۔

اس جیسی دیگر آیات "قرآنی دعائیں" نامی کتاب میں دیکھیں جن میں ایمان کو وسیلہ بنایا گیا ہے' کیونکہ ایمان بھی نیک عمل ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ :

"تم سے پہلے تین آدمی پہاڑ میں سفر کر رہے تھے کہ بارش سے بچنے کے

لئے غار میں داخل ہو گئے' اچانک اس غار کے دہانے پر بڑا وزنی پتھر آ گیا' اس طرح وہ گویا زندہ ہی قبر میں دفن ہو گئے۔ اس غار سے نکلنے کی کوئی امید نہ رہی۔ لاچار ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ پتھر اتنا گراں اور بھاری آ پڑا ہے کہ ہم سے ہرگز ہٹایا نہیں جا سکتا' اب سوائے اللہ کی ذات کے اور کوئی ہمیں یہاں سے زندہ سلامت نہیں نکال سکتا' لہٰذا اپنے صالح اعمال یاد کرو اور انہیں اللہ کے ہاں وسیلہ بناؤ' شاید کہ اللہ ہمیں نجات دے دے۔

ایک کہنے لگا : اے اللہ! میں بکریاں چرایا کرتا تھا اور ہر شام کو میں واپس آ کر اس وقت تک اپنے بال بچوں کو دودھ نہیں پلاتا تھا جب تک میں اپنے بوڑھے ماں باپ کو دودھ نہ پلا لیتا۔ ایک دن میں اپنی بکریاں دور لے گیا' عشاء کے بعد گھر واپس آیا' کیا دیکھتا ہوں کہ بوڑھے ماں باپ سو گئے ہیں اور میرے بچے بھوکے میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میں نے دودھ دوہا اور پیالہ بھر کر والدین کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ میرے بچے میرے قدموں میں رو رہے تھے' لیکن میں نے انہیں اس وقت تک دودھ نہ پلایا جب تک میرے بوڑھے والدین خود بیدار نہ ہوئے اور دوبارہ دودھ پی کر سو نہ گئے۔ اے اللہ! اگر تو سمجھتا ہے کہ میں نے یہ عمل تیری خالص رضا کے لئے کیا ہے تو ہم سے پتھر ہٹا دے۔ چنانچہ پتھر تھوڑا سا سرک گیا' لیکن وہ نکل نہ سکتے تھے۔

دوسرے نے کہا : اے اللہ! میں اپنے چچا کی لڑکی کو دنیا و مافیہا سے زیادہ چاہتا تھا' لیکن وہ کسی طرح بھی میرے دام فریب میں نہ پھنستی تھی' ایک سال اسے بے پناہ غربت نے گھیر لیا' وہ مجبور ہو کر میرے پاس آئی تو میں نے چند دیناروں کے عوض اسے زنا پر آمادہ کر لیا' لیکن جب میں اس جگہ بیٹھ گیا جہاں آدمی اپنی بیوی کی مخصوص جگہ پر بیٹھتا ہے تو وہ لرز گئی اور کانپتی ہوئی بولی : اللہ کے بندے ڈر اور بغیر حق کے مہر نہ کھول۔ اے اللہ میں تیرے خوف سے ڈر گیا اور گناہ سے باز آیا اور سارے دینار اسے بخش دیئے۔ اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے یہ گناہ تیرے خوف سے چھوڑا تھا۔ اے اللہ! اس نیک عمل کے ذریعے اس پتھر کو ہٹا دے۔ پتھر تھوڑا سا اور سرک گیا اور باہر کا جہاں نظر آنے لگا' لیکن وہ ابھی تک نکل نہ سکتے تھے۔

تیسرے نے کہا : اے اللہ! میرے ہاں کسی مزدور نے کام کیا' میں نے مزدوری دی لیکن اس نے کم سمجھ کر نہ لی اور ناراض ہو کر چلا گیا' لیکن میں نے اس مزدوری کو اپنی تجارت میں شامل کر لیا' اس طرح وہ مال بڑھتا بڑھتا بہت زیادہ ہو گیا' کئی سال بعد اس مزدور کو کسی مجبوری نے گھیر لیا تو وہ میرے پاس آیا اور مزدوری مانگنے لگا۔ میں نے کہا : اے اللہ کے بندے! یہ سب اونٹ' گائیں اور بھیڑ بکریاں جو جنگل میں چر رہی ہیں تیری ہیں۔ وہ غریب آدمی کہنے لگا ۔ "اللہ کے بندے! مجھ غریب سے مذاق نہ کر" میں نے اسے کہا کہ اے اللہ کے بندے! خدا کی قسم یہ مذاق نہیں ہے' بلکہ یہ تیرا ہی مال ہے جو میں نے تجارت کر کے بڑھایا ہے۔ چنانچہ اس نے سارے کے سارے جانور ہانک لئے اور مجھے کچھ نہ دیا۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل خالص تیرے لئے کیا تو پتھر کو ہٹا دے۔ چنانچہ پتھر ہٹ گیا اور وہ صحیح سلامت باہر نکل آئے"۔ (۹)

اس صحیح روایت سے معلوم ہو گیا کہ نیک اعمال کا وسیلہ بھی جائز ہے اور اللہ اور رسول ﷺ نے اسے پسند کیا ہے۔

## (۳) نیک آدمی سے دُعا کرانا

اور اس کی صورت یہ ہو گی کہ زندہ اور موجود آدمی سے دعا کرائی جائے۔ یہ صورت بھی جائز اور مشروع ہے۔

(۱) ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمرہ ادا کرنے کیلئے رخصت ہونے لگے تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا :

((لَا تَنْسَنَا يَا أَخِيْ فِيْ دُعَائِكَ)) (۱۰)

"اے میرے بھائی! ہمیں اپنی دعا میں نہ بھلانا"۔

(۲) ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک وفد آیا اور خشک سالی کی شکایت کی اور بعد میں دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا : "اے اللہ! انہیں بارش عطا فرما . . . ."

رئیسِ وفد کہنے لگا : "یا رسول اللہ ﷺ! اپنے ہاتھ اٹھائیے' کیونکہ یہ بہترین اور اعلیٰ طریقہ ہے۔ آپ مسکرائے اور ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔ چنانچہ انہیں واپس جا کر خبر ملی کہ

ٹھیک اس وقت یہاں بارش ہو گئی تھی۔ (۱۱)

(۳) بخاری شریف میں ہے کہ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی نے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مویشی ہلاک ہو گئے' راستے خشک ہو گئے۔ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بارش عطا فرمائے۔ آپؐ نے ہاتھ اٹھائے اور ان الفاظ سے دعا کی :

(( اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا ))

"اے اللہ! ہمیں بارش عطا فرما (تین مرتبہ یوں فرمایا)"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "اللہ کی قسم! ہم آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ دیکھتے تھے کہ اچانک کوہِ سلع کے پیچھے سے چھتری کی طرح بادل نمودار ہوا' آن ہی آن میں ہم پر بلند ہوا اور پھیل گیا اور بارش شروع ہو گئی۔ اور اتنی بارش ہوئی کہ ہفتہ بھر سورج نظر نہ آیا۔ اگلے جمعہ پھر اعرابی کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ "اے اللہ کے رسول ﷺ! مال ہلاک ہو گئے' راستے بند ہو گئے' اللہ سے دعا کریں کہ بارش بند کر دے۔ تو آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی :

(( اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلاَ عَلَیْنَا اَللّٰھُمَّ عَلَی الْاٰکَامِ وَالظِّرَابِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِیَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرَةِ )) (۱۲)

"اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش برسا اور ہم پر بارش نہ کر۔ اے اللہ! زمین کی تہوں پر' پہاڑوں کے درمیان' وادیوں اور درخت اگانے والی جگہوں پر برسا"۔

چنانچہ فوراً ہی بادل چھٹ گیا اور ہم دھوپ میں چل کر واپس آئے۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب بھی قحط (خشک سالی) پڑتا آپؓ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے دعا کرواتے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو منبر پر ساتھ لے جاتے اور کہتے :

"اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا ﷺ فَتَسْقِیْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا" (۱۳)

"اے اللہ! ہم بارش طلب کرنے کے لئے تیرے نبی ﷺ کے ذریعے تیری طرف وسیلہ پکڑتے تھے تو تو ہمیں بارش عطا کرتا تھا' اور اب بھی تیرے نبی ﷺ کے چچا کے ذریعے تیری طرف وسیلہ پکڑتے ہیں' تو ہمیں بارش عطا فرما"۔

یہ وسیلہ پکڑنے کی صورت کیا تھی' اس کا جواب حدیث فتح الباری' جلد ۲' ص ۳۹۹ میں ہے :

"كَانُوْا اِذا قُحِطُوْا عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ اسْتَسْقَوْا بِه فَيَسْتَقِيْ لَهُمْ فَيَسْقَوْنَ فَلَمَّا كَانَ فِيْ اِمَارَةِ عُمَرَ الحدیث"

"وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بوقت خشک سالی اور قحط رسول اللہ ﷺ سے دعا کراتے' پس آپ ﷺ ان کے لئے دعا کرتے تو ان پر بارش ہو جاتی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قحط آتا (ہوتا) تو آپ رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کراتے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان الفاظ میں دعا کرتے :

"اَللّٰهُمَّ اِنَّهُ لَمْ يَنْزِلْ بَلَاءٌ اِلاَّ بِذَنْبٍ وَلَمْ يَكْشِفْ اِلاَّ بِتَوْبَةٍ وَقَدْ تَوَجَّهَ الْقَوْمُ بِيْ اِلَيْكَ لِمَكَانِيْ مِنْ نَبِيِّكَ وَهٰذِهٖ اَيْدِيْنَا اِلَيْكَ بِالذُّنُوْبِ وَنَوَاصِيْنَا بِالتَّوْبَةِ فَاسْقِنَا الْغَيْثَ"

"اے اللہ! کوئی آفت نازل نہیں ہوتی مگر گناہوں کی وجہ سے' اور نہیں دور ہوتی مگر توبہ کے ساتھ۔ یہ لوگ مجھے تیرے سامنے (توبہ و استغفار کے لئے) لائے ہیں' کیونکہ میں تیرے نبی ﷺ کا قرابت دار ہوں۔ یہ ہمارے گنہگار ہاتھ تیری طرف بلند ہیں اور ہماری پیشانیاں تیری طرف اٹھی ہوئی ہیں۔ اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما"۔

چنانچہ پہاڑوں کی طرف بادل اٹھے' زمین پر بارش کی وجہ سے ہریالی ہوئی اور لوگ خوش ہو گئے۔

(۵) اسی طرح خلیفۃ المسلمین اور رسول اللہ ﷺ کے برادر نسبتی کاتبِ وحی الٰہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت یزید بن اسود مستجاب الدعوات تابعی سے دعا کرواتے اور لوگ بھی ان کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تو فوراً بارش ہو جاتی۔ (۱۴)

ان حوالہ جات سے درج ذیل مسائل معلوم ہوئے :

اگر فوت شدہ پیغمبروں اور بزرگوں کا وسیلہ جائز ہوتا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کبھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کو وسیلہ نہ بناتے۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی اور زندگی کے بعد بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ تو کجا سب پیغمبروں اور ولیوں سے افضل ہیں اور خدا کے مقرب رسول ہیں۔ اسی لئے کسی شخص کے وصال کے بعد اس کا وسیلہ جائز نہیں۔ اس لئے تو تمام صحابہ اور انصار و مہاجرین اصحابِ بیعتِ رضوان آپ کے روضۂ اطہر کو چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کرانے جاتے تھے۔ اگر کسی برگزیدہ ہستی / ذات کا وسیلہ جائز ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے گھروں، دکانوں، کھیتوں میں جہاں کہیں بھی ہوتے، وہیں کہتے: "اے اللہ! ہمیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ یا حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش عطا کر!" لیکن سب کو معلوم ہے کہ انہوں نے ہرگز ایسا نہ کیا، بلکہ پاس جا کر ان سے دعا کرائی ہے۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔

کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اور خصوصاً اولوالعزم پیغمبروں اور حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام وغیرہ کو خطرناک بیماریوں اور مصیبتوں نے گھیرا۔ انہوں نے کبھی اپنے سے پہلے گزرنے والے پیغمبروں کا وسیلہ نہیں پکڑا۔ اگر یہ جائز ہوتا تو کم از کم ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمّت کی تعلیم کی خاطر کبھی تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ یا حضرت اسماعیل علیہ السلام یا دیگر انبیاء علیہم السلام کی قبروں پر جا کر وسیلہ پکڑتے۔ لیکن معلوم ہے کہ انہوں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ قرآن مجید اور ساری صحیح احادیث پڑھ لیں، بھلا کسی پیغمبر نے سوائے اسماءِ الٰہی اور اعمالِ صالحہ یا زندہ آدمی سے دعا کرانے کے کوئی وسیلہ پکڑا ہے؟

## ☆ وسیلہ کے متعلق امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حنفی بزرگانِ دین کا موقف

وسیلہ بالذات کے متعلق حضرت امام ابو حنیفہ اور حنفی بزرگان دین کا موقف بڑی دُور اندیشی اور حکمت پر مبنی ہے۔ گردوپیش میں روز افزوں آستانوں کی کثرت اور وہاں ہونے والے شرکِ اکبر کی ابتداء غالباً اسی چھوٹے سے شگاف سے ہوئی۔ امام ابنِ قیمؒ "تبعید الشیطان" میں فرماتے ہیں کہ:

"عام آدمی پہلے تو بزرگان دین کے وسیلے سے اللہ سے فریاد کرتا ہے، پھر اگلا مرحلہ

یہ ہوتا ہے کہ وہ ان سے فریاد کرتا ہے کہ میرے لئے اللہ سے دعا کرو' پھر اگلا مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ یہ سمجھ کر کہ اللہ نے خزانے اسی کے سپرد کر رکھے ہیں' وہ ان سے فریادیں کر کے ان کے نام نذرانے دے کر اسی شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے جس میں ابو جہل اور دیگر مشرکین مکہ گرفتار تھے۔"

(۱) حضرت امام ابو حنیفہ' امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمہم اللہ فرماتے ہیں :

یکرہ ان یقول الرجل اسالک بحق فلان او بحق انبیائک و رسلک و بحق بیت الحرام و المشعر الحرام اذ لیس لاحد علی اللہ حق (۱۵)

"کسی آدمی کا اس طرح سے مانگنا مکروہ ہے کہ اے اللہ! میں تجھ سے فلاں کے وسیلے یا نبیوں اور رسولوں کے وسیلے سے اور بیت اللہ یا مشعرالحرام کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں' کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں"۔

(حق کی تشریح آگے آ رہی ہے)

(۲) فقہ حنفی کی اہم ترین کتاب الھدایۃ ہے اور حنفی علماء کرام نے اس کتاب کے متعلق کہا ہے : "الھدایۃ کالقرآن" کہ ہدایہ قرآن کی طرح ہے' یعنی جس طرح قرآن نے پہلی آسمانی کتابیں منسوخ کر دیں' اسی طرح ہدایہ نے فقہ کی پہلی کتابیں منسوخ کر دیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں :

"و یکرہ ان یقول فی دعاء بحق فلان و بحق انبیائک و رسلک اذ لا حق للمخلوق علی الخالق" (۱۶)

"اور کسی آدمی کا اپنی دعا میں یہ کہنا مکروہ ہے کہ فلاں کے وسیلے یا نبیوں اور رسولوں کے وسیلے سے یہ سوال کرتا ہوں' کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں"۔

(۳) فقہ حنفی کی مبسوط کتاب "البحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں امام ابنِ نجیم حنفی فرماتے ہیں :

**لا یجوز ان یقول بحق فلان و کذا بحق انبیائک و اولیائک ورسلک و البیت الحرام و المشعر الحرام لانه لا حق للمخلوق علی الخالق' وانما یخص برحمته من یشاء من غیر و جوب علیه** (۱۷)

"اس طرح کہنا جائز نہیں کہ میں فلاں کے وسیلے سے 'اس طرح تیرے رسول اور تیرے ولیوں اور رسولوں' بیت اللہ اور مشعرالحرام کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں' کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی احسان / حق نہیں۔ وہ اپنی رحمت سے جس کو چاہے (ولایت یا رسالت) کے لئے خاص کر دے"۔

(۴) فتاویٰ عالمگیری میں جسے پانچ صد (۵۰۰) حنفی علماء کرام کے بورڈ نے مرتب کیا تھا' لکھا ہے :

**ویکره ان یقول فی دعاء بحق فلان و کذا بحق انبیائک و اولیائک او بحق رسلک الخ** (ص ۳۸)

"اس طرح دعا مانگنا مکروہ ہے کہ میں فلاں کے وسیلے اور اسی طرح تیرے نبیوں اور تیرے ولیوں یا رسولوں کے وسیلے سے دعا مانگتا ہوں "

(۵) الدرالمختار (ج ۲/۶۳۰) حنفی فقہ کی چوٹی کی کتاب میں ہے :

**و عن ابی حنیفة لا ینبغی لاحد ان یدعو اللّٰہ الا به و الدعاء الماذون فیه المامور به من قوله تعالی ﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾**

"اور حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کسی آدمی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اللہ کو اس کے (اسماء و صفات کے) سوا کسی کی ذات کو پکڑ کر پکارے۔ جس کا چیز اذن ہے اور اس کا حکم ہے وہ اللہ کے اس قول سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے : اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں' تم ان کے وسیلہ سے اللہ کو پکارو"۔ (۱۸)

(۶) فقہ حنفی کی مایہ ناز کتاب (در مختار) میں حنفی بزرگوں کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں :

**و اعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام و ما یوخذ من**

الدراهم و الشمع والزيت و نحوها الى ضرائع الاولياء الكرام تقربا اليهم فهو باطل و حرام بالاجماع (۱۹)

"جان لو کہ عوام کی وہ نذریں اور نیازیں جو فوت شدگان بزرگوں کے نام پر دیتے ہیں' اور وہ درہم اور شمع اور تیل اور اسی طرح کے دیگر نذرانے جو وہ اولیاء کرام کے آستانوں پر دیتے ہیں' وہ بالاتفاق باطل اور حرام ہیں"۔

اس عبارت کی شرح میں علامہ ابنِ عابدین حنفی فرماتے ہیں کہ ان کے باطل اور حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ:

(۱) "وہ نذرانے مخلوق کی نذریں ہیں اور مخلوق کے نام پر نذر جائز نہیں' کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ کے لئے ہے' مخلوق کے لئے نہیں۔

(۲) جس کو نذر دی وہ فوت شدہ ہے' جو مالک نہیں ہوتا۔

(۳) نذر دینے والوں نے یہ سمجھ کر دی ہے کہ یہ بزرگ نفع و نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور یہ اعتقاد کفر ہے"۔ (۲۰)

(بشکریہ: ماہنامہ محدث لاہور)

## حواشی

۱) مشکوٰۃ
۲) ابنِ کثیر ۵۲/۳' ۵۳
۳) التوسل وانواعہ از البانیؒ' ص ۲۸
۴) التوسل وانواعہ از البانیؒ' ص ۲۸
۵) ابوداؤد' نسائی' احمد
۶) ابوداؤد' نسائی' احمد باسناد صحیح
۷) الاصابہ' ص ۸۲' بحوالہ حیاۃ الصحابہ
۸) مسند احمد' ابنِ حبان بسند صحیح
۹) بخاری و مسلم
۱۰) ابوداؤد' ترمذی
۱۱) زاد المعاد
۱۲) صحیح بخاری' ص ۱۳۸
۱۳) صحیح بخاری' ص ۳۹
۱۴) ابنِ عساکر جلد ۵۱/۸/۱ از سلیم بن عامر خبائری
۱۵) شرح فقہ اکبر' ص ۶۱
۱۶) ہدایہ اخیرین: ۴۷۳
۱۷) البحر الرائق' ج ۸' ص ۲۰
۱۸) مزید تحقیق کے لئے امام زبیدی کی شرح احیاء العلوم ج ۲' ص ۲۵۸ اور امام ابو الحسین قدوری حنفی کی شرح کرخی دیکھیں۔
۱۹) الدر المختار' ص ۱۳۱
۲۰) الدر المختار' ص ۱۳۱

# قیامِ اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر

## معروف سعودی دانشور ڈاکٹر سفر الحوالی کی تہلکہ خیز کتاب
## کی سلسلہ وار اشاعت —— قسط سوم

## امریکہ میں مذہبی بیداری

اب ہم اپنی گفتگو کا رُخ حالاتِ حاضرہ کی طرف پھیرتے ہیں۔

پروٹسٹنٹ تحریک کے نتیجہ میں جس کے چند قائدین کا ذکر میں اُوپر کر آیا ہوں امریکہ میں مذہبی بیداری عجیب طریقے سے پیدا ہوئی۔ آپ مذہبی بیداری کے لفظ سے حیران نہ ہوں' امریکی خود اس تبدیلی کو مذہبی بیداری یا بنیاد پرستی یا بیداری انجیل سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ حضرات انجیل کی پیشین گوئیوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اسرائیل کے قیام کی پُرزور حمایت کرتے ہیں' اسرائیل کے ساتھ تعاون و مدد کرتے ہیں اور مسلمانوں کو ختم کرنے پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ ایک نہایت اہم موضوع ہے کیونکہ اس کے اثرات مسلمانوں پر ان کے مستقبل میں پڑیں گے۔ ہمیں یہ بات خوب سمجھ لینی چاہئے کہ ہم اب تک غفلت میں رہے ہیں' ہمارے قائدین اور ذرائع ابلاغ بھی اپنے عوام کو غافل رکھنا چاہتے ہیں' وہ ہمیں ان حقائق سے آگاہ نہیں کرتے جو روز بروز ہمارے لئے خطرہ بنتے جا رہے ہیں اور ان میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ امریکہ جیسے ملکوں میں جو سیکولر اور ملحد معاشرہ ہے مذہبی بیداری پیدا ہو رہی ہے اور اس مذہبی بیداری میں سیاسی عنصر نہایت مؤثر کردار ادا کر رہا ہے جبکہ ہمیں اس کا احساس نہیں دلایا جا رہا ہے۔ یہ باتیں تفصیل طلب ہیں لیکن میں انہیں حتی الامکان اختصار سے پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ خوب سمجھ لیں کہ امریکی اتنے لادین لوگ نہیں جتنا ہم سمجھتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ مذہب کا تصور ان کے ہاں چند رسم و رواج کے ادا کر لینے سے زائد نہیں۔ چرچ کی بات اور اس

کے فتوؤں پر ایمان لانا ہی ان کے ہاں مذہب کہلاتا ہے' مذہب سے زندگی گزارنے کا ہمہ گیر تصوّر مراد نہیں لیا جاتا۔

عالمی سطح پر ہونے والے ایک سروے کے نتائج کچھ اس طرح تھے کہ عیسائی اکثریت والے ممالک میں سب سے زیادہ مذہبی لوگ آئرلینڈ کے باشندے ہوتے ہیں اور اس کے بعد امریکہ دوسرے نمبر پر آتا ہے۔ سروے کرنے والا ادارہ Gallop Polls اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے کہ امریکہ میں ۹۰ فیصد سے زائد لوگ وجود باری تعالیٰ کے قائل ہیں۔ یہ ایک غیر متوقع نتیجہ ہے کہ ۹۰ فیصد سے زائد امریکی اللہ تعالیٰ کے ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس ایمان کی نوعیت ان کے عقیدہ اور معاشرتی چلن کے لحاظ سے ہے۔ اس رپورٹ کی رو سے ۷۱ فیصد امریکی موت کے بعد جی اٹھنے پر ایمان رکھتے ہیں۔

ایک اور رپورٹ کے مطابق ۱۹۷۰ء میں کلیسائی عبادت خانوں کی کل امریکی ممبران کی تعداد تیرہ کروڑ دس لاکھ تھی۔ ۱۹۸۰ء میں یہ تعداد بڑھ کر تیرہ کروڑ پچاس لاکھ ہو گئی' لیکن اگلے دو سالوں میں ایک زبردست اضافے کے ساتھ یہ تعداد تیرہ کروڑ ساٹھ لاکھ ساٹھ ہزار تھی۔ آپ خود اندازہ لگالیں کہ باقی ماندہ امریکی کتنے رہ جاتے ہیں۔

کلیسا سے تعلق رکھنے والے یہ لوگ آپ کے خیال میں کتنا چندہ دیتے ہوں گے؟ ۱۹۸۲ء کی رپورٹ کی رو سے' جو کہ کافی پرانی رپورٹ ہے' یہ رقم ساٹھ ارب ڈالر سے زائد بنتی ہے' اس رقم سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آج کل کیا صورتحال ہو گی۔

## مشنری ذرائع ابلاغ

قدرے اختصار سے انجیلی اسکولوں کا حال بھی جان لیجئے۔ انجیلی اسکولوں اور دانش گاہوں کی تعداد آپ کے خیال میں امریکہ جیسے ملک میں کتنی ہو گی؟ اسی طرح عیسائی تعلیمات کے لئے ٹی وی نیٹ ورک کی تعداد کتنی ہو گی؟

کیا آپ کے خیال میں امریکہ میں مذہبی بیداری کی وہی کیفیت ہو گی جو ہمارے ہاں پائی جاتی ہے کہ جس کا کوئی قابل قادر میگزین ہے نہ اخبار نہ ریڈیو اسٹیشن نہ ٹی وی اسٹیشن اور نہ مصنوعی سیارے کی مدد سے دور دراز علاقوں میں نشریات بھیجنے کا کوئی انتظام

ہے۔ اسلامی ممالک کے برعکس امریکہ میں ابلاغِ عامّہ کی صورت حال انتہائی ترقی یافتہ ہے۔ چرچ کے پادریوں کی ملکیت میں جو ذرائع ابلاغ ہیں اس کی ایک رپورٹ ملاحظہ فرمائیں :

امریکہ میں چرچ کے زیر کنٹرول کئی سو کالج' انسٹی ٹیوٹ اور یونیورسٹیاں ہیں۔ ۸۲۔۱۹۸۱ء کی رپورٹ کے مطابق' جسے اب پندرہ سال ہو چکے ہیں' اعلیٰ تعلیمی اداروں کی تعداد ۱۹۷۸ تھی۔ انجیلی اسکول جو ۵۵۔۱۹۵۴ء میں صرف ۱۲۳ ہوا کرتے تھے' ۱۹۸۰ء کی رپورٹ کے مطابق ان کی تعداد بڑھ کر ۱۸۰۰ تک پہنچ گئی۔

میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں' آپ اس کا جواب سوچیں۔ کیا وجہ ہے کہ امریکہ کی طرف جانے والے مسلمان آج سے بیس بائیس سال پہلے انحراف اور لادینیت کی طرف مائل تھے مگر بعد میں ان کی بیشتر تعداد کا رجحان مذہب کی طرف رہا؟ اس سوال پر غور کریں۔ آپ ان لوگوں سے پوچھ لیجئے جو آج سے بیس سال پہلے امریکہ میں تھے' اس وقت عیسائی مذہب کے موضوع پر ایک بات سننا گوارا نہ کرتے تھے۔ عیسائی مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم کیوں ہماری طرح دین سے بغاوت نہیں کرتے؟ ہماری طرح تمہیں بھی مذہب سے آزاد ہونا چاہئے۔ پس ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بہت سے مسلمانوں نے مذہب کا انکار کیا' لیکن بعد کے سالوں میں جب کوئی تعلیمی وظائف پر جانے والا طالب علم امریکہ کی کسی یونیورسٹی میں داخل ہوتا تو اس کے گرد امریکی جمگھٹا بنا لیتے' جن میں ہم جماعت طالب علموں کے علاوہ اساتذہ اور معلّمات بھی ہوتیں۔ سب اس سے دین کے موضوع پر بحث و تمحیص شروع کر دیتے۔ جب یہ روش چل پڑی تو قرآن و انجیل کے موازنے میں گیا گزرا مسلمان بھی قرآن کے برحق ہونے کا برملا اظہار کرتا۔ سبحان اللہ! اگر ادیان کے موازنے کی بات ہو یا انجیل و قرآن میں سے کسی ایک کے برحق ہونے کی بحث چل نکلے تو پھر گیا گزرا مسلمان بھی اسلام کی حقانیت اور اس کی سچائی کا اعتراف کرتا ہے اور پورے اعتماد سے کہتا ہے کہ اسلام ہی برحق ہے۔

اس زمانے سے اب تک دین امریکہ کا ایک اہم موضوع رہا ہے اور اس وقت سے امریکہ میں مذہبی بیداری آ چکی ہے۔ اس بیداری کی ایک مثال ہارورڈ یونیورسٹی

(Harward University) ہے جو پروٹسٹنٹ فرقے کی تعلیم دینے میں مشہور ترین یونیورسٹی سمجھی جاتی ہے۔ شروع میں پروٹسٹنٹ فرقے نے اسے انجیلی کالج کا درجہ دیا تھا جو بعدازاں ہارورڈ یونیورسٹی کہلائی' اور اسی شہرت کی حامل Christian University Abilene ہے۔ ان دو کے علاوہ اور بھی جامعات ہیں جو دراصل چرچ کے زیر کنٹرول ہیں۔ واشنگٹن میں ایک یونیورسٹی ہے اور ایک یونیورسٹی جارج ٹاؤن میں ہے۔ اسی طرح ڈیلارڈ یونیورسٹی (Dillard University) اور فلپس یونیورسٹی (Philips University) ہے۔ اس کے علاوہ ٹیکساس' اٹلانٹا اور بوسٹن میں بھی مختلف جامعات ہیں جو عالمی شہرت کی حامل سمجھی جاتی ہیں۔ یہ دراصل مذہبی یونیورسٹیاں ہیں جو الٰہیات کی تعلیم دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ عیسائی پادریوں کی ملکیت میں دو ہزار سے زائد دینی مدرسے' انسٹی ٹیوٹ یا کالج ہیں اور ان میں لاکھوں طالب علم زیر تعلیم ہیں جو مذکورہ بالا عقائد پر ایمان رکھتے ہیں' یعنی تورات اور توراتی پیشین گوئیوں پر ایمان رکھتے ہیں جو ہمارے زیر بحث ہیں۔

ماضی کے امریکی انتخابات سے علماء اور دانشوروں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امریکی معاشرہ بتدریج مذہب کی طرف مائل ہو رہا ہے۔ ان انتخابات میں امریکی عوام نے صدر بش کے علاوہ لگاتار دو مذہبی شخصیات کا چناؤ کیا' یعنی جمی کارٹر اور ریگن۔

جمی کارٹر کٹر عیسائی ہے اور آج بھی تبلیغی مشن پر کاربند ہے۔ کبھی افغانستان جاتا ہے تو کبھی حبشہ یا سوڈان' مختلف علاقوں میں جمی کارٹر کا آنا جانا لگا رہتا ہے' جن میں وہ عیسائیت کی تبلیغ کا دفاع کرتا ہے اور عیسائیت پھیلانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جمی کارٹر کا عیسائی مبلغ ہونا ہر اُس شخص پر واضح ہے جو اُس کی سرگرمیوں پر نظر رکھتا ہے۔ دوسری اہم شخصیت رونالڈ ریگن کی ہے' اور جیسا کہ میں نے کیتھولک فرقے کی رپورٹ سے آپ کو آگاہ کیا کہ گیارہ سے زائد مرتبہ ریگن نے تورات کی پیشین گوئیوں اور ہرمجدون کی جنگ پر اپنے ایمان کا اظہار کیا۔

مذہبی کتابوں کی خریداری میں زبردست اضافہ بھی امریکہ میں مذہبی بیداری کی ایک دلیل ہے۔ ۱۹۸۴ء کی سروے رپورٹ کے مطابق اس سال سب سے زیادہ مذہبی

کتابیں فروخت ہوئیں۔ ہمارے ہاں بھی صورتحال یہی رہی اور سب سے زیادہ دینی کتابیں فروخت ہوئیں جو ایک خوش آئند بات ہے۔ مذکورہ رپورٹ کے مطابق ۱۹۸۴ء میں فروخت ہونے والی کل کتابوں کی ایک تہائی مذہبی کتابیں تھیں۔ ان دینی کتب کی مالیت تقریباً ایک بلین ڈالر تھی جبکہ خریداروں کی تعداد تین کروڑ ستّر لاکھ بتائی گئی۔ اس سے زیادہ حیران کن صورتحال ابلاغِ عامّہ میں دیکھنے میں آئی جہاں مذہب کے اثرات انتہائی اہم رہے۔ ابلاغِ عامّہ سے ہماری مراد وہ ٹی اسٹیشن اور ریڈیو اسٹیشن ہیں جو چوبیس گھنٹے تورات اور تورات میں مذکورہ شخصیات کے متعلق نشریات جاری رکھتے ہیں۔ امریکہ کے مشہور ہفت روزہ شماروں میں ریڈیو، ٹی وی کے انجیلی واعظوں کے لئے اسی طرح صفحات مختص کئے گئے ہیں جس طرح فلمی ستاروں کے لئے صفحات مختص ہوتے ہیں۔ ان انجیلی واعظوں کو Evangelist کہا جاتا ہے، جیسے بلی گراہم (Billy Graham) اور جیری فول ویل جن کی تصویریں آئے روز ہفت روزوں اور اخبارات کی زینت بنتی ہیں۔ ان ٹی وی واعظوں کی امریکیوں پر دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ یہ واعظ جن میں جمی سواگرٹ (Jimmy Swaggert) سب سے نمایاں ہے اپنی مقبولیت اور شہرت میں فلمی ستاروں اور کھلاڑیوں سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ جمی سواگرٹ نے شیخ احمد دیدات کے ساتھ مشہور مناظرہ کیا تھا جس کی وجہ سے یہ شخص ہمارے ہاں بھی جانا جاتا ہے۔ جمی سواگرٹ کے بارے میں ہم آگے چل کر تفصیلی گفتگو کریں گے۔ ٹی وی واعظوں کی مقبولیت ہر اُس شخص پر عیاں ہے جو امریکہ کے ہفت روزوں اور اخبارات سے شغف رکھتا ہے۔ ۱۹۸۰ء کی سروے رپورٹ کے مطابق ۴۷ فیصد امریکیوں نے عیسائی بنیاد پرست پروگراموں کو دیکھا یا سنا۔ اسی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں ہر ہفتہ کم از کم ایک ریڈیو چینل اور ہر ماہ ایک ٹی وی چینل کا افتتاح ہوتا ہے۔ یہ پندرہ سال پہلے کی رپورٹ ہے، اب کی صورتحال کیا ہوگی!

امریکہ میں ایک ملک گیر جانا پہچانا ادارہ ہے جو پورے امریکہ کے سامعین اور ناظرین کے درمیان باہمی رابطے کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ یہ مشہور و معروف ادارہ "The 700 Club" کہلاتا ہے۔ ۱۹۴۴ء میں جب اس کلب کی بنیاد پڑی تو اُس وقت

نشریاتی اسٹیشنوں کی تعداد صرف ۴۹ تھی' لیکن ۱۹۸۰ء میں یہ تعداد آٹھ سو تھی اور اگلے دو سالوں میں آٹھ سو سے بڑھ کر ایک ہزار تک پہنچ گئی۔ یہ سب دینی اور مذہبی نشریات پیش کرنے والے اسٹیشن ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں جب سامعین اور ناظرین کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا تو اس کلب نے اپنے سامعین اور ناظرین کے لئے سالانہ اجتماع کا اہتمام کیا۔ ہر سالانہ اجتماع میں دعائے فجر ہوتی اور اس میں اسرائیل کے حق میں التجائیں کی جاتی تھیں۔ ان سالانہ اجتماعات میں جیری فول ویل اور پاٹ رابرٹسن (Pat Robertson) چندہ اکٹھا کرنے کی مہم چلاتے ہیں جس کی مالیت اس سے بھی زائد بنتی ہے جو دونوں سیاسی پارٹیاں ڈیموکریٹک اور ری پبلکن اپنے کارکنوں کے توسط سے اکٹھا کرتی ہیں۔ ان نشریاتی اسٹیشنوں پر عیسائی بنیاد پرست تحریک کے حامیوں کا قبضہ ہے۔ یہ سب حقائق ہم نے امریکی صحافت سے جمع کئے ہیں۔

بیسیوں صدی میں عیسائی بنیاد پرست تحریک امریکی سیاست میں خاصی مؤثر رہی اور دانشوروں نے اس نمایاں تبدیلی کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا۔

جنسی امراض اور مذہبی بیداری کے درمیان ایک ربط دینا ضروری ہے کیونکہ ان خبیث امراض کے پھیلنے سے لوگوں کو دینی تعلیمات کی افادیت کا اندازہ ہوا۔ ایک زمانہ میں جب چرچ کی سرگرمیاں محدود ہوا کرتی تھیں اور انجیلی پیرو کاروں کی تعداد دس لاکھ سے زیادہ نہ تھی اس زمانہ میں چرچ کے پیشرو زنا کاری سے سختی سے منع کیا کرتے اور اپنی اولاد لو زنا کاری کی لعنت سے ذور رکھتے تھے۔ ان موذی امراض میں اضافہ کے ساتھ کلیساؤں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا اور کلیسا کی آواز کو پذیرائی حاصل ہوئی۔ نیز دیگر معاشرتی امراض جیسے نشہ آور اشیاء کا استعمال' اضطراب' بے چینی' بے سکونی' نفسیات اور روحانی امراض کی کثرت بھی مذہبی بیداری کا باعث بنی۔ اب مذہبی پیرو کاروں کی تعداد لگ بھگ آٹھ کروڑ بتلائی جاتی ہے۔ بیسویں صدی میں عیسائیت ایک مؤثر تحریک بن کر اٹھی۔ ایک تجزیہ نگار کے نزدیک عیسائی تحریک آئندہ پانچ سو سال تک چل سکتی ہے' یعنی اگر مذہبی بیداری کی رفتار اسی طرح رہی تو آئندہ پانچ سو سال تک عیسائی تحریک میں کوئی کمی نہ آئے گی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت سے پہلے اسے نیست و نابود

کرے' آمین! لیکن ان کے اپنے تخمینے صدیوں کے لئے ہیں۔

امریکہ میں مذہبی ٹی وی اسٹیشنوں کی نشریات میں اس قدر اضافہ ہوا ہے کہ مکمل اعداد و شمار مہیا کرنا مشکل ہے' لیکن دی سیون ہنڈرڈ کلب کی رپورٹ کے مطابق اس کے پاس ایسے نشریاتی اسٹیشنوں کی تعداد ایک ہزار ہے جو بیک وقت ٹی وی اور ریڈیو دونوں کے لئے پروگرام پیش کرتے ہیں اور ایک ہفتہ میں اوسطاً گیارہ کروڑ پچاس لاکھ امریکی یہ نشریات دیکھتے یا سنتے ہیں۔ بعض رپورٹوں کے مطابق ان میں ۴۵ فیصد "ٹی وی کلیسا" دیکھتے ہیں۔ ٹی وی کلیسا نئی عیسائیت کی ایجاد ہے جو مذہبی سہل پسندی کا شاخسانہ ہے جس میں اتوار کے روز چرچ جانے کی بجائے ٹی وی کا بٹن دبا کر مذہبی شوق پورا کیا جاتا ہے۔ اس حیلے سے چرچ جانے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اور یہ ضرورت اس لئے پیش آئی کہ عیسائیت میں عبادت کے لئے چرچ جانے کی شرط ہے جو آج کل کے عیسائیوں سے پوری ہونے سے رہی' اس لئے اتوار کے روز چرچ کی رسومات ٹی وی کے ذریعے نشر کی جاتی ہیں۔ یہاں آپ اسلام کے فطری اصولوں میں اور دیگر ادیان کی بے جا سختیوں میں فرق سمجھ سکتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا : ((وَ جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَ طَهُوْرًا)) "اور میرے لئے پوری زمین جائے نماز اور پاک بنائی گئی ہے"۔

۱۹۸۲ء کی سروے رپورٹ کے مطابق پانچ کروڑ بیس لاکھ امریکی اس قسم کے ٹی وی کلیساؤں کے ایک یا ایک سے زائد پروگرام ہر ماہ دیکھتے ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں یہ تعداد بڑھ کر چھ کروڑ ہو گئی اور اسی سال ایڈز کا مرض پھیلا جو مذہبی بیداری کا باعث بنا۔

۱۹۸۵ء میں مذہبی ٹی وی اسٹیشن ڈیڑھ ہزار اور ریڈیو اسٹیشن ایک ہزار دو سو کے قریب تھے جو روزانہ ۱۷ گھنٹے کی نشریات دیتے' جبکہ ہمارے ہاں تلاوت قرآن پاک کے لئے انتہائی محدود وقت رکھا گیا ہے' جبکہ امریکہ میں ایک ہزار سے زائد نشریاتی ادارے روزانہ ۱۷ گھنٹے الحاد اور گمراہی کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ نشریاتی اسٹیشن انتہائی جدید آلات سے لیس ہیں جن میں آدھے سے زائد اسٹیشن مصنوعی سیارہ کی مدد سے دور دراز تک اپنی نشریات پہنچاتے ہیں۔ یہ ۱۹۸۵ء کی صورتحال ہے۔ ہو سکتا ہے اب تمام اسٹیشن مصنوعی سیارے استعمال کرتے ہوں اور پوری دنیا تک اپنی نشریات پہنچاتے ہوں۔

ان میں سے چند اہمیت کے حامل اسٹیشنوں کا ذکر کرنا چاہوں گا جو ہمارے چند بھائیوں نے خود دیکھ کر بتلائے ہیں اور میں مریکہ میں رہنے والے ان حضرات سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ ہمیں ان کی موجودہ سرگرمیوں سے مطلع کریں' خصوصاً امن کانفرنس کے بعد کی صورتحال سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔

ان نشریاتی اداروں میں سے دس اسٹیشن چرچ کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان میں سے سب سے مشہور "The 700 Club" ہے جسے مشہور و معروف پادری پاٹ رابرٹسن چلاتا ہے' اسے CBN کہتے ہیں' یعنی کرسچین براڈ کاسٹنگ نیٹ ورک۔ دوسرا بڑا نشریاتی ادارہ جمی سواگرٹ کی ملکیت ہے۔ ایک پروگرام Hour of Power رابرٹ شلر چلاتا ہے۔ اس کے بعد جیری فول ویل کا ٹی وی اسٹیشن ہے'" اورل" رابرٹ کا ٹی وی اسٹیشن ہے۔ بلی گراہم نے تین ٹی وی پروگرام شروع کئے جن کے نام بالترتیب World Wide' Burbank Picture اور Calif ہیں اور ان کے بعد باقی ماندہ ٹی وی اسٹیشن آتے ہیں[1]۔ جمی سواگرٹ نے اپنے عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ :

"امریکہ اسرائیل کے ساتھ جنم جنم سے اَن دیکھے بندھن کے ساتھ وابستہ ہے' اس وابستگی کی تاریخ خود امریکہ کے اپنے وجود سے بھی پہلے پڑ چکی تھی' اسی طرح میرا ایمان ہے کہ عیسائی صیونی فکر (Messianic Jewish) کی جڑیں حضرت ابراہیم تک اور اس کے ساتھ عہدِ ربانی تک پہنچتی ہیں"۔

جمی سواگرٹ امریکہ میں سب سے بڑے ٹی وی اسٹیشن کا مالک ہے' وسیع نشریاتی نیٹ ورک اور صحافت اس کے علاوہ ہے اور وہ ان خیالات کا برملا اظہار کرتا ہے۔ وہ مزید کہتا ہے : "میرا اس بات پر ایمان ہے کہ ابراہیمی عہد کا اطلاق اسرائیل کے علاوہ امریکہ پر بھی ہوتا ہے کیونکہ خداوند اب بھی پکار رہا ہے کہ جو اسرائیل پر برکت بھیجیں میں ان پر برکت بھیجوں گا اور جو تجھ پر لعنت کرے اس پر میں لعنت کروں گا اور خداوند کی رحمت کی بدولت آج امریکہ مضبوط ہے اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ اس کی وجہ امریکہ

---

[1] ایک پروگرام Old Time Gospel Hour پیش کیا جاتا ہے۔

کا اسرائیل سے تعاون کرنا ہے اور میری خداوند سے دعا ہے کہ یہ تعاون جاری رہے"۔

یہ جمی سواگرٹ کا عقیدہ ہے۔ ایک اور امریکی نے اس سے بھی زیادہ کھلے لفظوں میں کہا کہ امریکہ پوری دنیا میں اس دعا کی وجہ سے مضبوط سمجھا جاتا ہے جو تورات میں مذکور ہے : جو تجھے مبارک کہیں (یعنی اسرائیل کو) ان کو میں برکت دوں گا اور جو تجھ پر لعنت کرے میں اس پر لعنت کروں گا۔ چونکہ امریکہ اسرائیل کی پشت پناہی کرتا ہے اس لئے وہ مبارک اور نیک بخت ہے۔

(جاری ہے)

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 49 No. 8
Aug. 2000

ستمبر ۲۰۰۰ء

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

## علامہ اقبال اور قائد اعظم کا تصورِ پاکستان:
## سیکولر نیشن سٹیٹ یا خلافت راشدہ!؟

ڈاکٹر اسرار احمد

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

| | |
|---|---|
| جلد : | ۴۹ |
| شمارہ : | ۹ |
| جمادی الاخریٰ | ۱۴۲۱ھ |
| ستمبر | ۲۰۰۰ء |
| فی شمارہ | -/۱۰ |
| سالانہ زر تعاون | -۱۰۰ |




**سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک**

| | |
|---|---|
| ○ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ | 22 ڈالر (800 روپے) |
| ○ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان | 17 ڈالر (600 روپے) |
| ○ ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر | 10 ڈالر (400 روپے) |

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور


**مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور** رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700 فون : 03-02-5869501

فیکس ۔ 5834000 ای میل : anjuman@brain net pk

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور

فون : 6316638-6366638 فیکس ۔ 6305110

پبلشر : ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع : رشید احمد چودھری مطبع ۔ مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

# مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## عرض احوال

# ع اِک دیا اور بجھا.....!
# تنظیم اسلامی کے بزرگ ترین بانی رفیق کی رحلت!

امیر تنظیم اسلامی کے دیرینہ رفیق کار، تنظیم اسلامی کے بزرگ ترین رفیق اور میثاق کے ادارۂ تحریر کے سینئر ترین رکن شیخ جمیل الرحمٰن صاحب طویل علالت کے بعد سوموار ۲۸ اگست کو بوقت عصر کراچی میں انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ شیخ صاحب کی وفات پر فوری تاثر کے طور پر راقم السطور نے "ندائے خلافت" کے اداریئے کے طور پر جو تحریر سپرد قلم کی تھی، قارئین میثاق کی خدمت میں بھی پیش ہے۔

"شیخ صاحب مرحوم کی وفات سے تحریکی کتاب زندگی کا ایک درخشاں باب ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ وہ تنظیم اسلامی کے بانی ارکان میں سے تو تھے ہی، تنظیم کی فکری بنیادوں کو مضبوط کرنے اور اسے جماعتی شکل میں آرگنائز کرنے میں جن چند افراد نے فیصلہ کن کردار ادا کیا ان میں بھی نمایاں ترین نام بلاشبہ شیخ جمیل الرحمٰن صاحب ہی کا تھا۔ تنظیم کی تاسیس کے بعد ابتدائی ۱۵ سالوں میں انہیں محاورتاً نہیں، حقیقی معنوں میں امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے دست راست کی حیثیت حاصل تھی۔ اس عرصے کے دوران امیر تنظیم کے معتمد ترین مشیر کا درجہ بھی انہی کو حاصل رہا۔ بعد میں خرابی صحت اور مختلف عوارض کے باعث کہ جو بڑھاپے کا لازمہ ہوتے ہیں، انہیں لاہور چھوڑ کر واپس کراچی منتقل ہونا پڑا۔ کراچی منتقلی کے بعد بھی وہ اپنی پیرانہ سالی اور ناموافق صحت کے باوجود بھی سال گزشتہ تک اپنی بساط سے بڑھ کر نہ صرف تنظیمی کاموں میں حصہ لیتے رہے بلکہ کراچی میں انجمن خدام القرآن سندھ کی قائم کردہ "قرآن اکیڈمی" میں اہم انتظامی امور میں فنی و مشاورتی معاونت کی گرانقدر ذمہ داری بھی بھرپور طور پر نبھاتے رہے۔ تاہم اس عرصے کے دوران ان کی تحریکی سرگرمیوں کا دائرہ چونکہ شہر کراچی تک محدود ہو کر رہ گیا تھا لہٰذا ملک کے دیگر حصوں سے تعلق رکھنے والے رفقاء جو گزشتہ آٹھ دس برسوں کے دوران تنظیم میں شامل ہوئے، وہ ان

سے زیادہ متعارف نہیں تھے۔ تاہم تنظیم کے تمام پرانے ساتھی نہ صرف یہ کہ شخصی طور پر شیخ صاحب مرحوم سے بھرپور طور پر متعارف ہیں بلکہ تنظیم میں ان کی غیر معمولی خدمات اور ان کے مرتبہ و مقام سے بھی بخوبی آگاہ ہیں۔

شیخ صاحب مرحوم کو گزشتہ کم و بیش ۲۰ سالوں سے انجائنا یعنی عارضہ قلب کی شکایت تھی، تاہم انہوں نے اپنے اس عارضے کو کبھی تحریکی و دعوتی کاموں میں رکاوٹ نہیں بننے دیا۔ گزشتہ ۳ سالوں کے دوران پے بہ پے صدمات جن میں بڑی صاحبزادی طاہرہ خاتون اور صاحبزادے خالد جمیل کی وفات کے صدمات بالخصوص قابل ذکر ہیں، اور ان کے عارضہ قلب میں اضافے کے باعث شیخ صاحب جسمانی طور پر بہت کمزور ہو گئے تھے اور گزشتہ کم و بیش ایک سال سے مسلسل بستر علالت پر تھے۔ آج سے قریباً چار ماہ قبل راقم کے نام اپنے ایک خط میں انہوں نے صاف لفظوں میں یہ لکھ دیا تھا کہ وہ اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ وہ بستر علالت پر نہیں بستر مرگ پر ہیں اور موت کے استقبال کے لئے ذہناً پورے طور پر تیار ہیں۔ اگرچہ دو ماہ قبل ان کی طبیعت قدرے سنبھل گئی تھی اور صحت کی بحالی کے مدھم سے امکانات پیدا ہو چلے تھے لیکن افسوس کہ طبیعت کا یہ سنبھلا عارضی ثابت ہوا اور انہوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی اور یوں "عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا" کے مصداق شیخ جمیل الرحمٰن صاحب ایک بھرپور اور ہنگامہ خیز زندگی جس پر ایک نہایت فعال تحریکی رنگ غالب تھا، گزارنے کے بعد قریباً ۸۵ برس کی عمر میں شہر خموشاں میں جا آباد ہوئے۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ فی رحمتک وحاسبہ حسابا یسیراً۔

شیخ صاحب مرحوم و مغفور کی شخصیت رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر غلبہ و اقامت دین اور قیام نظام خلافت کی جدوجہد کو مقصد حیات بنانے والے خادمانِ دین کے لئے بہت سے اعتبارات سے ایک روشن مثال کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ ایک تحریکی مزاج رکھنے والے، صاحب بصیرت اور اصول پسند انسان تھے جن کی پوری زندگی محنت اور جدوجہد سے عبارت تھی۔ ان کا تعلق سوداگران دہلی کے ایک معزز گھرانے سے تھا۔ ان کی پرورش ایک ایسے گھرانے میں ہوئی جہاں روایتی شرافت اور وضع داری کے ساتھ ساتھ دین و مذہب کی جڑیں بھی بہت گہری تھیں۔ ان کے والد سنی العقیدہ مسلمان تھے اور والدہ کا تعلق اہلحدیث مسلک کے ایک نہایت اونچے علمی گھرانے سے تھا۔ مسالک کا یہ امتزاج بچپن ہی سے فقہی معاملات میں ان

کے قلب و نظر کی وسعت کا موجب بنا ــــ شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کی ابتدائی تعلیم دہلی کی مشہور درس گاہ جامعہ ملیہ میں ہوئی جہاں انشاپردازی میں انہیں مولانا ابوالکلام آزاد جیسے نابغہ عصر سے بھی براہ راست استفادے کا موقع ملا ــــ شیخ صاحب مرحوم و مغفور نے اپنی عملی زندگی میں قدم رکھا تو ابتداء میں خاندانی روایات سے بغاوت کرتے ہوئے "الجمیل" کے نام سے ایک فلمی جریدے کا اجراء کیا جس میں روزنامہ جنگ کے بانی میر خلیل الرحمٰن مرحوم بھی ان کے ساتھ بطور معاون شریک تھے' لیکن خاندانی شرافت اور بچپن میں والدین سے ملنے والی دینی و اخلاقی تربیت نے بہت جلد اثر دکھایا اور بزرگوں کے سمجھانے پر انہوں نے کمال سعادت مندی کا ثبوت دیتے ہوئے فلمی صحافتی لائن کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہا اور حصول معاش کے لئے تجارت کو بطور پیشہ اختیار کرلیا ــــ بعد ازاں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تحریروں سے متاثر ہو کر جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار کی اور بہت جلد اپنی فعالیت اور فکری پختگی کی بنا پر نمایاں مقام حاصل کرلیا ــــ قیام پاکستان کے بعد کراچی منتقل ہو کر وہ ایک طویل عرصہ جمعیت سوداگران دہلی کے دفتر میں آفس سیکرٹری کے طور پر کام کرتے رہے اور یہاں بھی انہوں نے اپنی اعلیٰ فنی و انتظامی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

تحریکی فکر کو انہوں نے علیٰ وجہ البصیرت قبول کیا تھا۔ چنانچہ تحریکیت ان کے مزاج کا حصہ بن گئی اور تحریکی فکر ان کے دل و دماغ میں سرایت کر گئی ــــ تاہم وہ کسی بھی درجے میں اندھے بہرے مقلد نہیں تھے بلکہ ایک کھلا ذہن رکھنے والے اور مسلسل غور و فکر کرتے رہنے والے باشعور اور ہوشمند انسان تھے۔ جماعت اسلامی کے ۱۹۵۷ء کے سانحہ ماچھی گوٹھ کے بعد کہ جس میں امیر تنظیم اسلامی' محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے جو اُن دنوں جماعت اسلامی منٹگمری کے امیر تھے' اپنا مفصل اختلافی بیان مولانا مودودی مرحوم کی موجودگی میں پیش کیا تھا' جماعت کے بہت سے دیگر کارکنوں کے ساتھ شیخ جمیل الرحمٰن نے بھی جماعت سے علیحدگی اختیار کرلی ــــ تاہم "جو اشکوں نے بھڑکائی ہے اُس آگ کو ٹھنڈا کون کرے" کے مصداق جماعتی فکر اور تحریکی جذبے نے انہیں چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ چنانچہ ۱۹۶۷ء میں جب محترم ڈاکٹر صاحب کی کوششوں سے جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے بعض اکابر نے مل جل کر تنظیم اسلامی کے قیام کی پہلی کوشش کی تو اس موقع پر بھی شیخ صاحب مرحوم پیش پیش تھے۔ اس کوشش میں ناکامی کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنے طور پر دعوتی و تحریکی کام کا

بیڑا اٹھانے کا فیصلہ کیا اور آغاز کار کے طور پر لاہور شہر میں درس قرآن کے متعدد حلقے قائم کئے تو غالباً ۱۹۷۰ء میں شیخ صاحب مرحوم اپنے تین عزیز دوستوں (بھائی عبدالخالق چاندنہ' حکیم سلطان احمد اور جناب محمد یوسف باڑی) کے ہمراہ محترم ڈاکٹر صاحب کے کام کا جائزہ لینے اور اس ضمن میں تبادلہ خیال کرنے کے لئے بطور خاص لاہور تشریف لائے اور تین چار روز والد محترم 'ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ کرشن نگر میں واقع ان کی رہائش گاہ میں قیام کیا۔ بعد ازاں ۱۹۷۲ء میں مسجد خضریٰ لاہور میں منعقد ہونے والی قرآنی تربیت گاہ میں شرکت کیلئے بطور خاص لاہور کا سفر کیا۔ شیخ صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ لاہور کی ایک نواحی بستی ڈھولن وال کی مسجد میں محترم ڈاکٹر صاحب کے سورۂ تغابن کے درس نے انہیں اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا اور انہوں نے اس تحریکی سفر میں محترم ڈاکٹر صاحب کا بھرپور ساتھ دینے اور بہت سے اعتبارات سے سینئر ہونے کے باوجود اپنے سے کم عمر ڈاکٹر اسرار کو اپنا دینی و تحریکی رہنما تسلیم کر کے ان کے معاون کے طور پر کام کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ـــــ اور واقعہ یہ ہے کہ اس کے بعد وہ آئے تو کشتیاں جلا کر آئے۔ بقول شاعر "جس ڈھب سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے"۔ ۱۹۷۵ء میں وہ تنظیم کے تاسیسی اجتماع میں شریک ہوئے اور پھر انہوں نے اپنی صلاحیتیں اور اوقات تنظیمی کاموں کیلئے وقف کر دیئے اور وہ فی الواقع فیض کے ان اشعار کی مجسم تصویر بن گئے کہ ؎

واپس نہیں پھیرا کوئی فرمان جنوں کا
تنہا نہیں لوٹی کبھی آواز جرس کی
خیریت جاں ' راحت تن ' صحت داماں
سب بھول گئیں مصلحتیں اہل ہوس کی!

عمر میں بڑے ہونے کے باوجود انہوں نے بیعت کے تقاضوں کو کچھ اس طور پر نبھایا کہ ایک مثالی "مامور" کا قابل تقلید نمونہ بن گئے۔ وہ اپنے امیر کا احترام ہی نہیں کرتے تھے ان سے شدید محبت بھی رکھتے تھے۔ تاہم وہ مشورہ دینے میں کبھی بخل سے کام نہ لیتے اور اپنی رائے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر کھل کر بیان کرتے۔ بہت سے مواقع پر امیر محترم اپنی کوئی حساس تحریر اشاعت سے قبل انہیں برائے مطالعہ بھیجتے اور ان کے مشوروں کو قبول کرتے ہوئے اس میں مناسب رد و بدل فرما دیا کرتے تھے۔ وہ امیر تنظیم کے لئے ایک ایسے بزرگ

اور مشیر خاص کا درجہ رکھتے تھے جن کے خلوص و اخلاص اور اصابت رائے پر امیر تنظیم کو غیر معمولی اعتماد تھا۔

شیخ صاحب مرحوم کے گھریلو حالات اگرچہ موافق نہ تھے اور ان کی دو بیویوں میں سے کسی ایک کے لئے بھی کراچی سے لاہور منتقل ہونا ممکن نہ تھا' تاہم انہوں نے امیر محترم کے حکم پر ۱۹۷۷ء میں کراچی سے لاہور ہجرت کی اور پھر مسلسل ۱۵ برس سائے کی طرح امیر محترم کے ساتھ رہے اور تنظیم کی فکری اور تنظیمی و انتظامی بنیادوں کو استوار کرنے میں شب و روز امیر تنظیم کے معاون کار اور دست راست کے طور پر کام کیا۔ وہ فکری و نظری اعتبار سے تنظیم میں نہایت بلند مقام رکھنے کے باوجود ایک انتھک ورکر بھی تھے۔ فکر و عمل کا یہ امتزاج کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

شیخ صاحب مرحوم کی اہم ترین تحریکی خدمت تنظیم کے تحریکی لٹریچر کی تیاری ہے۔ امیر تنظیم کے دروس و خطابات کو جس والہانہ شوق سے وہ تحریری صورت میں مرتب کرتے اور بلا تکان مسلسل گھنٹوں کام کئے چلے جاتے اس کی کوئی دوسری مثال پیش کرنا ناممکن ہے ــــ تنظیم کا فکری و تحریکی لٹریچر بہت حد تک انہی کی کاوشوں کا مرہون منت ہے۔ امیر محترم کی تصانیف تو انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں' تحریکی لٹریچر کا بڑا حصہ امیر محترم کے دروس و خطابات پر مشتمل ہے' جس کے ایک قابل قدر حصے کو شیخ صاحب نے تحریری انداز میں مرتب کر کے زیور طباعت سے آراستہ کرنے کا اہتمام کیا۔ مرحوم کے قیام لاہور کے دوران ماہنامہ "میثاق" کی تمامتر ادارتی ذمہ داری بھی انہی کے کاندھوں پر تھی جسے انہوں نے عمدگی اور تسلسل کے ساتھ نبھایا۔ مرحوم کی کاوشوں سے تنظیم اسلامی کا جو دعوتی و تحریکی لٹریچر وجود میں آیا اس میں سے مطالباتِ دین' نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں' شہید مظلومؓ اور منہج انقلاب نبوی پر انہیں خصوصی طور پر ناز تھا اور مؤخر الذکر دو کتابوں کو بالخصوص وہ اپنی کاوشوں کا شاہکار شمار کرتے تھے۔

مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ تحریکی فکر مجھے مولانا مودودی مرحوم سے ملا اور قرآن سے تعلق محترم ڈاکٹر صاحب کی بدولت حاصل ہوا اور ان دونوں چیزوں یعنی تحریکی فکر اور تعلق بالقرآن کو فی الواقع ان کی زندگی میں عزیز ترین متاع کا درجہ حاصل تھا۔ شیخ صاحب مرحوم کو قریب سے جاننے والے اعزہ و احباب اس امر کے گواہ ہیں کہ ان دونوں کے ساتھ ان کا گہرا

قلبی و ذہنی تعلق زندگی کے آخری سانس تک برقرار رہا۔ آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے!"○○

☆ ☆ ☆

# شیخ جمیل الرحمٰن صاحب مرحوم و مغفور کا آخری مکتوب

## جو انہوں نے "میثاق" کے نائب مدیر کے نام ارسال کیا

۱۶/۱ اگست ۲۰۰۰ء

مکرم و محترم جناب حافظ عاکف سعید صاحب دامت اقبالکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ بات میرے لئے نہایت مسرت انگیز ثابت ہوئی ہے کہ آپ "توحید عملی" کی کمپوزنگ کرا کر قسط وار میثاق میں شائع کرا رہے ہیں۔ اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ امیر محترم کے کتنے جواہر ریزے آؤٹ آف پرنٹ ہیں۔

اس ضمن میں مَیں آپ کی توجہ اس طرف دلاؤں گا کہ حقیقت و اقسامِ شرک والے خطاب پر بھی نظر ثانی کر کے اسے بھی جلد شائع کرنے کی طرف توجہ دیجئے۔ اسی طور پر امیر محترم کا "داعیِ انقلاب" والا خطاب بھی آپ کی توجہ کا مستحق ہے۔

ندائے خلافت میں "بولیں اماں محمد علی کی' جان بیٹا خلافت پہ دے دو" میں نے اس مضمون کو ایک کتابی صورت میں شائع کرنے کی تجویز پیش کی تھی جو آپ نے اور امیر محترم نے منظور بھی کرلی تھی' یہ بات بھی آپ کی توجہ کی مستحق ہے۔

امیر محترم اور جملہ پرسانِ حال کی خدمت میں سلام مسنون پیش ہے۔ مزید برآں ربّ کریم سے اُمید واثق ہے کہ گھر میں سب طرح خیریت ہوگی۔ سب کو میری طرف سے درجہ بدرجہ سلام و دعا ـــــ میری طبیعت کی کیفیت دھوپ چھاؤں کی طرح چل رہی ہے۔ آپ سے اس امر کی درخواست ہے کہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان پر خاتمہ فرمائے ـــــ یہ خط میں نے اپنے پوتے (فرزند انور جمیل) سے لکھوایا ہے۔ والسلام

خاکسار
جمیل الرحمٰن

تذکرہ و تبصرہ

# علامہ اقبال اور قائدِ اعظم کا تصوّرِ پاکستان

## سیکولر نیشن سٹیٹ یا خلافتِ راشدہ؟

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

کا ۱۰/ اگست ۲۰۰۰ء کو فورسیزن ہال لاہور میں خطاب

خطبہ ماثورہ اور ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا :

محترم حاضرین! آج کے اس اجتماع کے لئے جو دعوت نامہ آپ تک پہنچا ہے اس میں اس اجتماع کے انعقاد کا پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ ہمارے ملک میں قائم موجودہ حکومت کے ذمہ دار حضرات کی جانب سے گزشتہ دنوں وقتاً فوقتاً کچھ ایسے اشارات سامنے آئے ہیں کہ ان کے پیش نظر اس ملک کو ایک سیکولر ریاست بنانا مقصود ہے۔ اس پر اس ملک کے دینی عناصر فطری طور پر مضطرب اور پریشان ہوئے تو اس کے ردعمل کے طور پر ہمارے ہاں کے سیکولر مزاج دانشوروں نے پوری طرح کمر کس کے تلبیس کی پوری کوشش کی۔ وہ تلبیس کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں روکا ہے۔ فرمایا :

﴿ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

(البقرۃ ۴۲)

"اور حق کو باطل کا لباس نہ پہناؤ اور حق کو جانتے بوجھتے نہ چھپاؤ"

اس اعتبار سے ہمارے ہاں کے انگلش اخبارات کے چوٹی کے کالم نویس مسٹر اردشیر کاؤس جی نے بہت زوردار مقالے لکھے۔ ان کے حوالے سے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ چونکہ پارسی ہیں لہٰذا اسلامی ریاست کو پسند نہیں کریں گے' انہیں تو سیکولر سٹیٹ ہی راس آتی ہے' لیکن کچھ اور حضرات نے بھی اس موضوع کو چھیڑا' اور خاص طور پر

قائداعظم کی ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر کے چند جملوں کی بنا پر ان لوگوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ قائداعظم اس ملک کو ایک سیکولر نیشن سٹیٹ بنانا چاہتے تھے۔ یہ وہ جملے تھے کہ جن پر بنیاد اٹھا کر ایک موقع پر جسٹس منیر صاحب نے ایک پوری کتاب لکھ دی تھی۔ وہ چیف جسٹس آف پاکستان تھے اور غالباً قادیانی تھے۔ اسی لئے اینٹی قادیانی تحریک کا جو انکوائری کمیشن بنا تھا وہ اس کے سربراہ تھے' اور اس کمیشن میں شامل دوسرے جج صاحبان کی حیثیت گویا subordinate ججوں کی تھی۔ انہوں نے پوری کتاب لکھی تھی "From Jinnah to Zia"۔ گویا جناح کے پیش نظر پاکستان کو ایک سیکولر نیشن سٹیٹ بنانا تھا نہ کہ کوئی مسلمان اور مذہبی ریاست' یہ تو ضیاء الحق نے آ کر معاملات کو غلط رُخ پر ڈال دیا ہے اور اسلام کی رٹ لگانا شروع کر دی ہے۔ قائداعظم کے وہی جملے ہیں کہ جنہیں اب یہ دانشور لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اور شاید آپ کو یاد ہو کہ مارچ کے مہینے میں جب یہاں صدرِ امریکہ مسٹر کلنٹن آئے تھے تو انہوں نے بھی قائداعظم کے انہی جملوں کا حوالہ دیا تھا۔ بہرحال اس وقت اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ اس معاملے پر ذرا گہرائی میں اتر کر غور کیا جائے اور دلائل کے ساتھ' غیر جذباتی انداز سے' معروضی طور پر سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ پاکستان کے قیام کا پس منظر کیا ہے' اور مشیت الٰہی میں جو دو شخصیتیں اس کے معرض وجود میں آنے کا ذریعہ بنی ہیں' یعنی علامہ اقبال اور قائداعظم' ان کے پیش نظر پاکستان کے لئے کیسا نظام حکومت تھا' یہاں پر وہ کس نظریئے اور کس نظامِ زندگی کا بول بالا چاہتے تھے' آج مجھے اسی سلسلے میں آپ سے گفتگو کرنی ہے۔

جہاں تک پاکستان کے قیام کا تعلق ہے تو ظاہر بات ہے کہ یہ ایک زبردست عوامی تحریک کے ذریعے معرضِ وجود میں آیا۔ کسی ایک یا دو یا چند افراد کی مساعی سے اتنی بڑی تبدیلی نہیں ہو سکتی تھی۔ جبکہ آپ کے علم میں ہے کہ ہندو جیسی منظم' سرمایہ دار اور تعلیم یافتہ قوم پوری طرح پاکستان کے خلاف تھی کہ ہم کسی حال میں بھارت کے بٹوارے کو تسلیم نہیں کریں گے' ہمارے لئے تو یہ مقدس گائے ہے' گاؤ ماتا ہے' ہم اس کے ٹکڑے

ہر گز نہیں ہونے دیں گے۔ وہ قوم بہت منظم بھی تھی اور سرمایہ دار بھی۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی کوئی جمعیت نہیں تھی' وہ منتشر تھے' پیسہ بھی ان کے پاس کم تھا۔ اس کے باوجود ایک عوامی تحریک چلی ہے کہ جس کے نتیجے میں یہ ملک وجود میں آیا۔ یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ اگر پاکستان اس وقت بنتا جب کہ برطانیہ میں کنزرویٹو پارٹی کی حکومت ہوتی تو کہا جا سکتا تھا کہ اس کے قیام میں انگریزوں کی سیاست کو بھی دخل حاصل ہے۔ اس لئے کہ کنزرویٹو پارٹی کی پالیسی ہمیشہ "divide and rule" کی رہی تھی۔ یعنی یہاں اپنی حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے لوگوں کو تقسیم کرو' آپس میں لڑاؤ بھڑاؤ اور حکومت کرو۔ اور یقیناً اُس زمانے میں مسلم لیگ کی کچھ نہ کچھ حوصلہ افزائی کنزرویٹو پارٹی کی طرف سے ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ ہمارے ہاں کے ایک بہت بڑے سیاست دان ولی خان انڈیا آفس لائبریری سے اور پچھلے ریکارڈوں سے نکال کر بہت کچھ خطوط وغیرہ لاتے رہے ہیں' جس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ انگریزوں نے مسلم لیگ کو سپورٹ کیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جب پاکستان قائم ہوا ہے تو اس وقت برطانیہ میں لیبر پارٹی کی حکومت تھی' جو کھلم کھلا کانگریس کی پشت پناہی کرتی تھی اور مسلم لیگ سے نفرت کرتی تھی۔ اس وقت کے برطانوی وزیراعظم لارڈ اٹیلی قائداعظم سے نفرت کرتے تھے۔ اور اس سے بڑھ کر معاملہ یہاں کے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا تھا جو گاندھی کا کھلم کھلا چیلا بنا ہوا تھا اور نہرو فیملی کے ساتھ اس کے تعلقات کچھ نامناسب بھی بیان کئے جاتے ہیں کہ نہرو صاحب کے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی بیوی ایڈوائنا کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے۔ واللہ اعلم۔ لیکن اس کے باوجود پاکستان وجود میں آیا۔

ظاہر بات ہے قیامِ پاکستان میں دو عوامل کار فرما تھے۔ ایک تو مشیت ایزدی' لیکن میں آج اس موضوع کی طرف نہیں جاؤں گا۔ مشیت ایزدی میں مستقبل کا کیا نقشہ اللہ تعالیٰ کے پیش نظر ہے' اللہ کی اپنی طویل المیعاد سکیمیں ہیں جن کے مطابق کائناتی سطح پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے نافذ ہوتے ہیں۔ اس پر میں نے بارہا گفتگو کی ہے کہ پوری دنیا میں نظامِ خلافت کا قیام شدنی ہے' اٹل ہے' یقینی ہے' مشیت الٰہی میں طے شدہ ہے اور محمدؐ رسول

اللہ ﷺ نے اس کی صریح پیشین گوئیاں فرمائی ہیں۔ اور یہ کہ اس کا نقطۂ آغاز جزیرہ نمائے عرب کے مشرق میں کوئی ملک بنے گا۔ مشرق میں افغانستان بھی ہے' پاکستان بھی اور ایران بھی۔ یہ تینوں ممالک جزیرہ نمائے عرب کے مشرق میں واقع ہیں۔ میں نے اس پر بہت تقریریں کی ہیں اور اسی نظریئے کے تحت ہم نے تحریک خلافت کا آغاز کیا۔ "خطبات خلافت" میں بھی اس کی پوری وضاحت موجود ہے اور "سابقہ اور موجودہ مسلمان اُمتوں کا ماضی' حال اور مستقبل" میں بھی اس کی پوری تفصیل موجود ہے لیکن آج میں اس کی تفصیل میں نہیں جارہا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی یہ ہے کہ جب تک لوگ اس دنیا میں کسی کام کے لئے محنت کا حق ادا نہ کردیں اُس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کے نتیجے کو ظاہر نہیں کرتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو دین حق کے غلبے کے لئے مبعوث کیا تھا' لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ دین حق کا غلبہ آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کی جدوجہد سے ہوا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس جدوجہد میں بڑے بڑے کٹھن مرحلے آئے۔ شعب بنی ہاشم کی قید اور بائیکاٹ کا تصور کیجئے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یوم طائف بھی آپ ﷺ کی زندگی میں آیا' غارِ ثور بھی آیا' غزوۂ بدر اور اُحد بھی آیا ہے۔ خود آنحضور ﷺ کا خون طائف کی گلیوں میں بھی جذب ہوا ہے اور دامن احد کے اندر بھی۔ اس جدوجہد میں تقریباً ۲۵۰ صحابہ کرام ؓ نے جامِ شہادت نوش کیا ہے۔ یہ ساری مشقتیں جھیل کر اسلام قائم ہوا ہے۔

گویا عالم مادی میں انسانی سطح پر جدوجہد' محنت' مشقت اور اس کے ساتھ اللہ کی مشیت' اس کی حکمت اور فیصلہ' جب یہ دونوں چیزیں باہم مل جاتی ہیں تب کوئی چیز عالم واقعہ میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ چنانچہ پاکستان یونہی قائم نہیں ہوگیا' بلکہ زبردست عوامی تحریک کے نتیجے میں قائم ہوا ہے جس میں لاکھوں لوگوں نے کام کیا ہے' بڑوں نے بھی کیا' چھوٹوں نے بھی کیا۔ مَیں خود اُس وقت چودہ پندرہ برس کا نوجوان تھا' ہائی سکول کا طالب علم تھا' مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن ضلع حصار کا جنرل سیکرٹری تھا. ہم نے تحریک پاکستان میں خوب بھاگ دوڑ کی۔ میں ضلع حصار کے دیہاتوں کے دورے کرکے طلبہ کو متحرک کرتا

تھا۔ ہم جمعہ اور عیدین کے اجتماعات میں' خاص طور پر جمعۃ الوداع کے اجتماعات میں دعائیں مانگا کرتے تھے۔ "نوائے وقت" اُن دنوں تحریک پاکستان اور تحریک مسلم لیگ کا نقیب تھا۔ ہم ریلوے اسٹیشن پر منتظر رہا کرتے تھے کہ کب نوائے وقت کا بنڈل آئے اور ہم اس کو لے کر پورے شہر میں گھوم جائیں۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ' اسلامیہ کالج لاہور' اسلامیہ کالج پشاور اور نہ جانے کتنے ادارے تھے جہاں کے نوجوانوں نے دن رات ایک کئے اور ۱۹۴۶ء میں پوری قوم مسلم لیگ کے جھنڈے تلے اس طرح جمع ہو گئی کہ الیکشن میں مسلم لیگ کو مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ ظاہر بات ہے کہ اتنا عظیم کام عوامی تحریک کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا' چند لوگوں کی خواہش سے نہیں ہو سکتا تھا' چند لوگوں کی مساعی سے بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ تو یہ یقیناً ایک بڑی عظیم تحریک تھی۔ تاہم اس میں بعض افراد کا اہم حصہ بھی ہے۔

## علّامہ اقبال اور قائداعظم — ایک تقابل

میں آپ کو علامہ اقبال کے دو اشعار سنا رہا ہوں' جن میں ایک متضاد بات سامنے آتی ہے۔ ایک تو یہ کہ ؎

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں!

یعنی فرد کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہوتی' وہ تو ایک قوم اور عوامی تحریک کے ریلے کے اندر ایک موج کی مانند ہے' اور موج کی حیثیت تو دریا کے اندر ہی ہوتی ہے' دریا کے باہر تو اسکی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ لیکن دوسری طرف اقبال نے یہ بات بھی بیان کی ہے کہ ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملّت کے مقدّر کا ستارا!

ہر فرد تو قوم کے مقدر کا ستارہ ہو یا نہ ہو لیکن کچھ شخصیات ضرور ایسی ہوتی ہیں کہ جو پوری قوم کے مقدر کا ستارہ بنتی ہیں اور ان کی تقدیر اور مستقبل کو تبدیل کر دیتی ہیں۔ تو

یہ جان لیجئے کہ دو عظیم شخصیات جن کی جدوجہد اور جن کے خیالات اور نظریات کے نتیجے میں عوامی تحریک ظاہر ہوئی اور پھر اس تحریک کے نتیجے میں پاکستان وجود میں آیا' وہ علامہ اقبال اور قائداعظم ہیں۔ میرے نزدیک عالم واقعہ میں تحریک مسلم لیگ کے عوامی شکل اختیار کرنے اور پھر پاکستان کے قیام میں ان دو شخصیتوں کا فیصلہ کن دخل ہے۔ اب آپ ذرا اس کا تجزیہ کیجئے اور غور کیجئے! میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں شخصیات میں ایک تقابل آپ کے سامنے آجائے۔

پہلی بات تو یہ کہ دونوں ہم عصر بھی ہیں اور تقریباً ہم عمر بھی۔ جناح ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو پیدا ہوئے اور علامہ اقبال ۱۱/ نومبر ۱۸۷۷ء کو۔ گویا علامہ اقبال قائداعظم سے ایک سال چھوٹے تھے۔ پھر یہ کہ دونوں مسلم لیگ کے تاسیسی اجلاس میں شریک نہیں تھے۔ مسلم لیگ کی تاسیس ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں ہوئی۔ اُس وقت علامہ اقبال انگلستان میں تھے۔ وہ اپنی پی ایچ ڈی اور بار ایٹ لاء کی تعلیم کے لئے ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک ملک سے باہر تھے۔ قائداعظم بھی اُس وقت مسلم لیگ کے بجائے کانگریس کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ چنانچہ اس بات کو نوٹ کر لیجئے کہ ۱۹۰۶ء میں قائداعظم کانگریس میں شامل ہوئے' مسلم لیگ میں نہیں۔ اور اُس وقت کے کانگریس کے جو صدر تھے' دادا بھائی نوروجی' قائداعظم ان کے سیکرٹری کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ یہ تو ۱۹۱۳ء میں ہوا کہ اس وقت مسجد کانپور کی شہادت کا جو واقعہ ہوا تھا اور اس پر جو بہت بڑا ہنگامہ اٹھا تھا تو اس کے سلسلے میں انگلینڈ میں اجلاس ہو رہا تھا' محمد علی جوہر اس اجلاس میں شرکت کے لئے انگلستان گئے ہوئے تھے کہ وہاں پر انہوں نے قائداعظم کو مسلم لیگ میں شامل ہونے پر آمادہ کیا۔

تیسری بات یہ کہ دونوں ہی شروع سے کچھ نیشلسٹ قسم کے آدمی تھے۔ علامہ اقبال کا جو شاعری کا ابتدائی دور ہے' جس میں وہ ایک نوخیز شاعر کی صورت میں سامنے آئے' اس وقت ان کی شاعری کے موضوعات بھی وہی تھے جو عام طور پر شاعروں کے ہوا کرتے ہیں' یعنی گل و بلبل کے افسانے' ہجر و وصال اور عشق و محبت کی داستانیں' لیکن اسی زمانے میں انہوں نے "ترانہ ہندی" کہا:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا!

اور ؎

آ اِک نیا شوالہ اس دیس میں بسائیں

برہمن سے خطاب کر کے کہا کہ آؤ یہاں ہم ایک نیا مسلک قائم کریں کہ جس میں ہندو مسلم ایک ہوں۔ تو علامہ اقبال پر بھی یہ دَور آیا ہے' لیکن وہ بہت مختصر دَور تھا۔ اس کے بعد علامہ اقبال کے خیالات و نظریات میں تبدیلی یورپ جا کر ہوئی ہے۔ علامہ اقبال خود کہتے ہیں کہ ؏ "مسلمان کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے!" علامہ اقبال جو ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک انگلستان اور جرمنی میں رہے ہیں تو یہ دَور اُن کی transformation کا ہے۔ اب وہ ایک عام شاعر کی بجائے قافلہ ملی کے حدی خوان نظر آتے ہیں۔ ملت اسلامیہ اور امت مسلمہ کی عظمت رفتہ کی بازیابی اور اسلام کے غلبہ و احیاء کا جذبہ اُن کے اندر وہاں جا کر پیدا ہوا۔

یہ آج بھی نظر آتا ہے کہ ہمارے بہت سے نوجوان جب تک یہاں پر ہوتے ہیں ان کا دین سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا' جبکہ ان کے والدین کی طرف سے ان کی ابتدائی تربیت میں دین موجود ہوتا ہے' لیکن امریکہ جا کر یہ دینی جذبہ پوری شدت کے ساتھ ابھرتا ہے۔ میں ۷۰ء میں پہلی مرتبہ انگلستان گیا تھا تو وہاں یہ phenomenon دیکھ کر آیا تھا۔ اور آج بھی آپ برطانیہ اور امریکہ میں جا کر دیکھیں کہ جو لوگ کبھی یہاں سے گئے تھے' اور جن کو امریکہ میں First generation immigrants کہتے ہیں' وہ اکثر و بیشتر تعلیم کے لئے گئے تھے اور پھر وہیں سیٹ ہو گئے' لیکن ان کے اندر اگر والدین کی طرف سے کچھ مذہبی جذبات تھے تو وہ وہاں جا کر اس طرح بھڑکے کہ انہوں نے پہلے وہاں مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن (M.S.A) قائم کی' پھر اسی کے نتیجے میں اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (ISNA) وجود میں آئی۔ اب تو وہاں لمبی لمبی داڑھیوں والے نوجوان نظر آتے ہیں جن کی اسلامی مقاصد سے بڑی گہری وابستگی ہے اور ان کا اسلام کے ساتھ

تعلق بڑا مضبوط ہے۔ یہی معاملہ علامہ اقبال کے ساتھ پیش آیا کہ ؎ "نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحرخیزی!"

میرے نزدیک علامہ اقبال کی زندگی میں جو بڑا موڑ آیا ہے وہ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک انگلستان میں قیام کے دوران آیا ہے' لیکن اس کے بعد کی پوری زندگی یعنی تیس برس پوری یک رنگی اور یکسانی ہے۔ وہ امت مسلمہ کی وحدت کے سب سے بڑے نقیب اور حُدی خوان ہیں' وحدتِ ملی کے سب سے بڑے پرچارک جمال الدین افغانی کے بعد اس ضمن میں سب سے بڑی شخصیت علامہ اقبال کی ہے۔ اور پھر یہ کہ اسلام کے احیاء کی جو اُمید انہوں نے دلائی وہ کسی اور کے ہاں نظر نہیں آتی ؎

کتابِ ملّتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا
نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا!

اور

سبق پھر پڑھ صداقت کا' عدالت کا' شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا!

ان اشعار میں اقبال مسلمان نوجوانوں کو ایک مثبت پیغام دے رہے ہیں اور اُن کے اندر یہ جذبہ اُبھار رہے ہیں۔ پھر انہوں نے مستقبل کی پیشین گوئیاں بھی کی ہیں ؎

آبِ روانِ کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کے خواب!

جب وہ سپین میں تھے تو احیاءِ اسلام اور غلبہ اسلام کے خواب دیکھ رہے تھے۔ وہ خواب پھر بالِ جبریل کی اس نظم میں واضح طور پر سامنے آتا ہے کہ ؎

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی!

پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے!

نغمۂ توحید سے یہ دنیا پوری طرح جگمگا اٹھے گی' اور یہ معاملہ بہرحال ہو کر رہے گا۔ پھر اس ضمن میں خاص طور پر یہ جو وادیٔ سندھ ہے اس کو ایک بہت اہم کردار ادا کرنا ہے۔ ؎

خضرِ وقت از خلوتِ دشتِ حجاز آید بروں
کارواں زیں وادیٔ دُور و دراز آید بروں!

اس شعر میں ان احادیث کی طرف اشارہ ہے جن میں آتا ہے کہ عرب میں ایک عظیم لیڈر کا ظہور ہو گا' جنہیں ہم حضرت مہدی کہتے ہیں۔ وہ مجدد ہوں گے جیسے اور مجددینِ اُمت پیدا ہوئے ہیں۔ ہر صدی کا ایک مجدد ہوتا ہے' ہو سکتا ہے کہ وہ اسی پندرہویں صدی کے مجدد ہوں۔ واللہ اعلم۔ ان کی مدد کے لئے فوجیں یہاں سے جائیں گی۔ یہ بھی حضور ﷺ کی حدیث میں مذکور ہے : یخرج ناسٌ من المشرق فیوطئون للمھدی یعنی سلطانہ "مشرق سے فوجیں آئیں گی جو کہ مہدی کی حکومت کو قائم کریں گی۔" اور یہی بات علامہ اقبال کہہ رہے ہیں۔ "خضرِ وقت از خلوتِ دشت حجاز آید بروں" یعنی حجاز میں مہدی کا ظہور ہو گا۔ اگلے مصرعے میں ہے کہ ان کی مدد کے لئے فوجیں اس دُور دراز وادی سے چلیں گی۔ "کارواں زیں وادیٔ دُور و دراز آید بروں" یعنی یہ وادیٔ سندھ جس کا ایک حصہ پاکستان میں اور ایک افغانستان میں ہے' یہاں سے قافلے برآمد ہوں گے۔ یہ بات سمجھ لیجئے کہ جیسے دریائے ستلج' بیاس' راوی' چناب' جہلم' یہ سارے دریائے سندھ میں گر رہے ہیں اسی طرح متعدد دوسرے دریا مثلاً دریائے گومل' دریائے کابل اور دریائے ٹوچی بھی دریائے سندھ میں گر رہے ہیں۔ افغانستان کے مشرق کا جتنا

بھی ڈھلوان یعنی پہاڑی علاقہ ہے اس کا سارا پانی دریائے سندھ میں گرتا ہے۔ تو یہ وادیٔ سندھ دو طرف سے ہے۔ ایک تو یہ جو اس وقت ہمارا پاکستان ہے اور دوسری طرف افغانستان کا ملحق علاقہ' یہاں سے وہ کاروان چلے گا۔ اس اعتبار سے علامہ اقبال کا معاملہ ۱۹۰۸ء سے یہ ہوا کہ احیائے دین یعنی دین اسلام کے دنیا میں دوبارہ زندہ ہونے کی پیشین گوئی و خوشخبری اور ملت کا اتحاد' یہ ان کی شاعری کے بنیادی موضوعات بن گئے۔ چنانچہ بیسویں صدی میں دنیا میں مسلم اُمہ کے اتحاد کے سب سے بڑے نقیب اور احیائے دین کے سب سے بڑے داعی علامہ اقبال تھے۔ اس حوالے سے دیکھئے' فرماتے ہیں ؎

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

ترکی میں خلافت کا نظام جب ختم ہوا تو کس قدر دکھ کے ساتھ کہا کہ ؎

چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ' اوروں کی عیّاری بھی دیکھ!

یعنی یہ سارا کام کروایا یہودیوں نے اور صیہونیت نے' لیکن یہ کہ مصطفیٰ کمال ان کی عیاری میں آگیا۔ جیسے کہ عراق کا صدر صدّام گلاسپائی کے بھرے میں آگیا تھا جو وہاں اُس وقت امریکہ کی سفیر تھی۔ اسی طرح صیہونیت کے چکر میں آکر مصطفیٰ کمال نے خلافت ختم کردی۔ علامہ اقبال کہتے ہیں۔ ؎

لادینی و لاطینی کس پیچ میں الجھا تو؟
دارو ہے غلاموں کا لا غالب اِلاّ ھو!

ترکی کا دستور جس چیز کو سب سے زیادہ تحفظ فراہم کرتا ہے وہ وہاں کا سیکولرزم یعنی لادینیت ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ قوموں کا عروج سیکولر نظام اپنانے سے نہیں ہوتا۔ اصل میں عروج تو اس بات میں ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غالب نہیں ہے' یعنی حاکمیت مطلقہ اللہ کی ہے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلاَّ لِلّٰہِ اور لاَ یُشْرِكُ فِیْ حُکْمِہٖ اَحَدًا۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن سے گری ہوئی اور پامال قومیں بامِ عروج پر پہنچ سکتی ہیں۔

اس اعتبار سے علامہ اقبال کا ۱۹۳۰ء کا خطبہ ایک بہت بڑا لینڈ مارک ہے۔ یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اس وقت مسلم لیگ کو قائم ہوئے ۲۴ برس گزر چکے تھے' لیکن مسلم لیگ کی حیثیت ابھی تک کسی عوامی جماعت کی نہیں تھی۔ بڑے بڑے زمیندار' نواب اور جاگیردار لوگ تھے کہ جو مسلم لیگ کو چلا رہے تھے۔ اور مسلم لیگ کا اس وقت تک طرزِ عمل محض دفاعی تھا۔ ہندوستان کے ایک وائسرائے نے کہا تھا "Will you begoverned by the sword or by the pen" تو اب انگریز تلوار کے بجائے قلم سے حکومت کر رہا تھا اور اس میں مقامی لوگوں کو بھی شریک کیا جا رہا تھا' ان کے حقوق کی بات بھی ہو رہی تھی۔ چنانچہ پہلے انہیں میونسپل کمیٹیوں میں شریک کیا گیا' پھر صوبائی وزارتیں بنیں اور ان میں کچھ نہ کچھ حصہ مقامی قومیتوں کا رکھا گیا۔ تو مسلم لیگ کے پیش نظر اس وقت مسلمانوں کے حقوق کو محفوظ کرنے کی کوشش تھی' اس لئے کہ مسلمان ہندوؤں سے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ لہٰذا بڑے تعلیمی اداروں میں کسی مسلمان کا داخلہ بہت مشکل تھا۔ یہاں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں کسی مسلمان کا داخلہ آسان نہیں تھا۔ ہندو تعلیم کے میدان میں آگے تھے۔ لہٰذا مسلمان کا داخلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح یونیورسٹیوں میں بھی مسلمان داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے کوٹہ سسٹم منظور کرایا گیا۔ چنانچہ پنجاب میں کوٹہ سسٹم آیا کہ مسلمان اگر یہاں تعداد میں ۵۶ فیصد ہیں تو پھر اُن کو داخلہ بھی اسی تناسب ملنا چاہئے۔ تو گویا ہندو زیادہ نمبر والا رہ جاتا تھا اور مسلمان کم نمبر والا داخل ہو جاتا تھا۔ یہ سارے کام مسلم لیگ کر رہی تھی کہ وائسرائے اور حکومت سے مل کر کسی طرح مسلمانوں کے حقوق کو محفوظ کیا جائے' اور یہ جو ہندوؤں کا غلبہ ہے اس کی وجہ سے ایسا نہ ہو جائے کہ مسلمان ہر میدان میں پیچھے رہ جائیں۔

سر سید احمد خان نے جو تحریک شروع کی تھی اس سے پیش نظر یہی تھا کہ مسلمان اگر انگریزی نہیں پڑھیں گے تو وہ پلے دار یا گوشت فروش قصائی رہ جائیں گے' یا چمڑے کا کاروبار ان کے پاس رہ جائے گا' باقی مسلمانوں کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔ چنانچہ

انہوں نے کوشش کی' پہلے علی گڑھ میں اینگلو اورینٹل سکول قائم کیا' پھر وہی کالج اور پھر ۱۹۲۰ء میں یونیورسٹی بنا۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں میں ایک نئی بیداری پیدا ہوئی۔ لیکن اس سب کا حاصل یہ تھا کہ ہمیں بھی یہاں ہندوؤں کے اگر برابر نہیں تو کم از کم عددی حیثیت کے تناسب سے حقوق ملیں۔ یہ ساری کی ساری دفاعی سکیم تھی کہ کہیں ہندو غالب نہ آجائے اور ہمارے تشخص کو ختم نہ کردے' ہماری زبان کو نہ بگاڑ دے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کہیں ہمیں ہندو نہ بنا لے' کیونکہ شدھی کی تحریک شروع ہو گئی تھی کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان تو اصل میں ہندو ہی تھے' ان کے آباء و اجداد ہندوؤں سے مسلمان ہو گئے تھے' لہٰذا انہیں دوبارہ ہندو کیا جائے۔ پھر اسی شدھی کی تحریک کے ردِّ عمل کے طور پر ہمارے ہاں تبلیغی جماعت کی تحریک شروع ہوئی تھی۔ اور اس کا طریقہ کار اسی لئے انتہائی سادہ رکھا گیا تھا' کیونکہ دیہاتیوں کو لمبا چوڑا فلسفہ تو پڑھانا نہیں تھا' بس انہیں کلمہ یاد کراؤ' نماز سکھاؤ' مسجدوں کو آباد کرو۔ یہ کام انہوں نے کیا ہے' اور شدھی کی تحریک کے آگے بند باندھا ہے' ورنہ دہلی کے گردونواح میں مسلمان بڑی تیزی کے ساتھ دوبارہ ہندو ہو رہے تھے۔ میو قوم بڑی تیزی کے ساتھ واپس ہندومت کی طرف جا رہی تھی۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کئی تحریکیں سرگرمِ عمل ہو گئی تھیں۔ شدھی کی تحریک' سنگھٹن کی تحریک' آریہ سماج کی تحریک' ہندو مہا سبھا اور آر ایس ایس یہ ساری اس چکر میں تھیں کہ مسلمانوں کو ہم reclaim کر لیں اور اسلام کا نام و نشان ہندوستان سے مٹا دیں' یا انہیں اتنا دبا کر رکھیں کہ وہ شودروں کی طرح ہمارے کمی کاری ہو کر رہ جائیں' اس کے سوا اُن کی کوئی حیثیت نہ رہے۔ یہ خوف تھا اور یہ کشمکش تھی کہ جس میں مسلم لیگ نے وائسرائے سے اپنے کچھ حقوق منوائے۔

ان حالات میں علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں ایک انجکشن دیا۔ جیسے آپ نے دیکھا ہو گا کہ مریض ہسپتال میں لیٹا ہوا ہے اور اسے گلوکوز کی بوتل لگی ہوئی ہے' اسے انجکشن دینا ہوتا ہے تو اسی ٹیوب کے اندر انجکشن لگا دیا جاتا ہے اور اسی ٹیوب کے ساتھ انجکشن کی دوائی بھی جسم میں چلی جاتی ہے۔ علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے

اجلاس میں جو خطبہ صدارت ارشاد فرمایا یہ مسلم لیگ کی تاریخ میں بہت بڑا Turning Point ہے۔ انہوں نے پہلی دفعہ یہ کہا کہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ "یہ تقدیر مبرم(destiny) ہے کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہوگی"۔ اسی وجہ سے میں نے علامہ اقبال کے لئے مصور پاکستان اور مفکر پاکستان کے ساتھ ایک تیسرے لفظ "مبشر پاکستان" کا اضافہ بھی کیا ہے۔ یہ بشارت انہوں نے دی' اگرچہ اس میں آگے چل کر مطالبے کے الفاظ بھی آئے ہیں' اور قائداعظم نے بھی علامہ اقبال کے لئے "seer" کے الفاظ استعمال کئے ہیں کہ وہ مستقبل میں پیش آنے والے حالات کو دیکھنے والے تھے ۔

کھول کر آنکھیں مرے آئینہ افکار میں
آنے والے دَور کی دھندلی سی اِک تصویر دیکھ!

تو اقبال کو اللہ تعالیٰ نے وہ بصیرت عطا کی تھی جس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ ((اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ)) "مؤمن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔ تو یقیناً انہوں نے یہ پیشین گوئی کی ہے کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد ریاست کا قیام تقدیر مبرم ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ بھی ہیں کہ "اس بنا پر میں مطالبہ کرتا ہوں کہ برصغیر اور اسلام کے مفاد کے پیش نظر ایک مستحکم مسلم ریاست قائم ہو"۔ تو گویا اس میں ایک مطالبہ بھی تھا۔ اگرچہ مسلم لیگ کی قرارداد تو کہیں دس سال بعد ۱۹۴۰ء میں پاس ہوئی' لیکن یہ الفاظ علامہ اقبال کے ۱۹۳۰ء کے خطبے میں موجود ہیں۔ لیکن اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ فرمائی کہ "اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں یہ موقع مل جائے گا کہ اسلام کے چہرے پر جو بدنما داغ عرب دَورِ ملوکیت میں لگ گئے تھے (علامہ اقبال نے انگریزی میں Arab Imperialism کا لفظ استعمال کیا ہے) ہم ان داغ دھبوں کو دھو کر اسلام کی ایک صحیح شکل دنیا کے سامنے پیش کر سکیں گے"۔

یہ ہے احیائے اسلام اور قیامِ خلافت راشدہ کا ایک تصور کہ جو علامہ اقبال نے تحریک مسلم لیگ میں اس انجکشن کے ذریعے شامل کیا ہے' اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ

اصل اسلام تو وہ ہے جو دَورِ نبوی ﷺ اور دَورِ خلافت راشدہ میں تھا۔ باقی دَورِ بنو اُمیّہ میں کوئی اصل اسلام تو نہیں تھا' اس میں تو ملوکیت اور خاندانی حکومت جیسی خرابیاں آ گئی تھیں' جن کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام کا اصول تو "اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ" پر مبنی ہے' یعنی باہمی مشورے سے امیرالمؤمنین کا انتخاب ہو۔ لیکن اب ایک خاندان اور قبیلے کی حکومت قائم ہو گئی۔ اور یہ معاملہ تو اسلام کا نہیں ہے۔ پھر جاگیرداری شروع ہو گئی اور پھر بیک ڈورے سرمایہ داری آ گئی۔ پھر جو دَور آیا ہے بنو عباس کا وہ تو یوں سمجھئے کہ اصل امپیریلزم کا دَور ہے جس میں دنیا کی دوسری بادشاہتوں کے نظام سے کوئی فرق نہیں تھا۔ وہی بڑے بڑے محل اور عیاشیاں اُن کے ہاں بھی تھیں' اور اُن کے محلات کے اندر کوہِ قاف کے علاقے کی عورتیں' جن کا حسن پوری دنیا میں مشہور ہے' سینکڑوں کی تعداد میں کنیزوں کی صورت میں رکھی جاتی تھیں' اور وہاں پر پینے پلانے اور رقص و سرود کا بازار گرم رہتا تھا۔ تو یہ اسلام نہیں ہے۔ اسی طرح بعد میں جو ترکوں کی خلافت قائم ہوئی ہے اس میں کچھ اچھے لوگ بھی تھے' لیکن ان میں بھی بد ترین قسم کی ملوکیت تھی۔ چنانچہ علامہ اقبال کی بات کو سمجھئے کہ دَورِ بنو امیّہ و بنو عباس اور عثمانی ترکوں کے دَورِ سلاطین سے اسلام کے بارے میں جو تصور وجود میں آتا ہے اور اسلام کی جو تصویر دنیا کے سامنے آتی ہے وہ بہت گمراہ کن (misleading) ہے۔ وہ تو اسلام کو بدنام کرنے والی شے ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے خطبے میں کہا' جیسے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ برصغیر کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہو گئی تو ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اصل اسلام دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ اصل اسلام عرب امپیریلزم سے پہلے کا اسلام ہے اور وہ دَورِ خلافت راشدہ کا اسلام ہے۔ گویا خلافت راشدہ کا لفظ اگرچہ علامہ اقبال نے استعمال نہیں کیا' لیکن ان کی عبارت کا تجزیہ کیجئے تو وہ یہی کہہ رہے ہیں۔ یہ خطہ ارضی اسلام کے لئے یہ موقع فراہم کرے گا کہ وہ اپنے اوپر سے اس نقش کو اتار پھینکے جو اسے عرب بادشاہت نے پہنا دیا تھا اور اپنے قانون' اپنی تعلیم' اپنی ثقافت کو ترقی دے اور انہیں اصل اسلامی روح اور دَورِ جدید کے تقاضوں

سے ہم آہنگ کردے۔

دوسرے لفظوں میں آپ اسے "نظریہ پاکستان" (The Idealogy of Pakistan) کہہ سکتے ہیں۔ یہ نظریہ اس سے پہلے مسلم لیگ کے سامنے نہیں تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اس وقت تک مسلم لیگ صرف ہندو کے غلبہ کے خلاف' اور مسلمانوں کے شہری حقوق حاصل کرنے کے لئے ایک جدوجہد تھی۔ اب اس کے اندر احیائے اسلام کا جذبہ' علامہ اقبال کی ملی شاعری اور ملی فکر کا عنصر بھی شامل ہو گیا تھا۔ اور اس کے لئے جو سب سے بڑا لینڈ مارک ہے وہ علامہ اقبال کا خطبہ آلہ آباد ہے جس میں مسلم قومیت کو فلسفیانہ انداز میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ خطبہ اس اعتبار سے اہم ترین ہے کہ مسلمان علیحدہ قوم میں جو کسی بڑی قومیت میں ضم نہیں ہو سکتے۔ اس میں دو ٹوک انداز میں واضح کر دیا گیا کہ ہم ہندوستانی قومیت کا جزو نہیں بن سکتے' ہم ہندوؤں کے ساتھ مل کر ایک قوم نہیں بن سکتے' ہماری قومیت جدا ہے' اور ہماری قومیت مذہب کی بنیاد پر قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے ایک سیاسی تصور کی حیثیت سے وطنیت کی بڑی شدت کے ساتھ نفی کی۔ "بانگ درا" میں ان کی یہ نظم موجود ہے ؎

اِس دَور میں مے اور ہے ' جام اور ہے ' جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بُت کو ملا دے!

یہ ہے مصورِ پاکستان اور مفکرِ پاکستان علامہ اقبال کا "قومیت" کا تصور۔ معلوم ہے کس قدر بڑی تحریک تھی جمعیت علمائے ہند' اور کتنا اونچا مقام حاصل تھا اُس وقت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو' لیکن جب انہوں نے دہلی میں ایک تقریر کرتے ہوئے یہ تصور پیش کیا کہ "قومیں آج کل وطن کی بنیاد پر بنتی ہیں" گویا کہ انہوں نے کانگریس کے موقف کی تائید کی کہ جب ہم ایک ہندوستان میں رہتے ہیں تو سب ہندی قوم ہیں' مذہب تو انفرادی معاملہ ہے' کوئی مسلمان ہے' کوئی ہندو ہے' کوئی سکھ ہے' کوئی پارسی ہے' لیکن ہم ہندوستانی ایک وحدت کے طور پر ایک قوم ہیں' تو اس پر علامہ اقبال نے جو اشعار کہے ہیں' واقعہ یہ ہے کہ اسی سطح کا شخص تھا کہ جو یہ بات کہہ سکتا تھا' ورنہ کسی عام آدمی کے لئے تو یہ کہنا ممکن ہی نہیں تھا ۔

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سرِ منبر کہ ملّت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر با او نرسیدی تمام بولہبی است

یعنی حقیقت یہ ہے کہ عجم نے ابھی تک دین کی اصل حقیقت کو نہیں سمجھا' ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ دیوبند جیسے عظیم دارالعلوم کا شیخ الحدیث یہ بات کہہ دیتا' یہ بڑی بوالعجبی ہے' بڑی حیرت کی بات ہے کہ انہوں نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ راگ الاپا ہے کہ قومیں وطن کی بنیاد پر بنتی ہیں' یہ بات کہنے والا محمدِ عربی ﷺ کے مقام سے کس قدر بے خبر ہے۔ یہ جملہ اقبال نے مولانا حسین احمد مدنی کے بارے میں کہا کہ جو حدیث کے استاد ہیں' انہوں نے مسجد نبوی میں حدیث کے درس دیئے ہیں' لیکن جس جرأت کے ساتھ یہ بات کہی ہے وہ

کوئی اور نہیں کہہ سکتا تھا۔ آخری شعر میں کہا کہ تمہیں تو چاہئے کہ نبی اکرم ﷺ کے قدموں تک اپنے آپ کو پہنچادو' کیونکہ دین تو وہی ہے جو آپ نے پیش کیا' اگر ایسا نہیں کرو گے تو پھر یہ سب بولہبی ہے' یہ اسلام نہیں ہے' چاہے تمہارا لباس اور وضع قطع مسلمانوں جیسی ہو' لیکن اگر یہ غیراسلامی نظریات قبول کرلئے گئے تو پھر ہم مسلمان نہیں ہیں۔ مسلمان تو تب ہی ہوں گے جب کہ ہمارے نظریات' ہماری فکر' ہماری سوچ ساری کی ساری رسول اللہ ﷺ کے سانچے میں ڈھل جائے۔ یہ ہے درحقیقت "نظریہ پاکستان"۔

علامہ اقبال کے ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد کے اہم نکات یہ ہیں :

(۱) انہوں نے اپنے خطبے میں مسلم قومیت (Muslim Nationhood) کو فلسفیانہ دلائل سے ثابت کیا کہ مسلمان ایک قوم ہیں۔

(۲) انہوں نے پاکستان کی بشارت دی بایں الفاظ کہ یہ تقدیر مبرم ہے (it is destiny) کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہوگی۔ حالانکہ اُس وقت اس کا تصور بھی بہت بعید تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر ۱۹۴۷ء میں ہمیں دو خطوں پر مشتمل پاکستان دے دیا۔ علامہ اقبال نے صرف مغربی پاکستان کا خواب دیکھا تھا' مشرقی پاکستان انہیں نظر نہیں آیا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کہا کہ "وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ" جو تم کہتے ہو ہم تمہیں وہ بھی دیتے ہیں اور اس کے ساتھ مزید بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کے شمال مشرق کے اندر بھی ایک پاکستان بن گیا اور شمال مغرب کے اندر بھی۔

(۳) اپنا ایک تصور دیا کہ اگر ایسا ہوگیا تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ ہم یہاں اسلام کو زندہ کریں' اسلام کا وہ نظام یہاں قائم کریں جو دورِ خلافت راشدہ میں تھا' تاکہ اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں (misconceptions) ہیں ان کو دور کریں اور دورِ بنوامیہ' دورِ بنوعباس یا ترک خلفاء کے زمانے میں اسلام کا جو بھی نقشہ دنیا کے سامنے قائم ہوا ہے اس کے بجائے اسلام کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے پیش کریں۔

اب چند باتیں قائداعظم کے بارے میں سمجھ لیجئے۔ ۱۹۲۷ء سے لے کر ۱۹۳۰ء تک قائداعظم ہندو مسلم اتحاد کے سب سے بڑے سفیر رہے ہیں۔ چنانچہ یہ بیک وقت کانگریس اور مسلم لیگ کے رکن رہے ہیں۔ ۱۹۱۳ء میں' جبکہ یہ کانگریس کے بھی رکن تھے' مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ گویا اس وقت ان کا دو کشتیوں میں پاؤں تھا۔ کانگریس میں تو ۱۹۰۶ء میں ہی آ گئے تھے۔ اس طرح کانگریس میں شمولیت کی عمر سات سال زیادہ ہے۔ پھر ان کی کوشش سے ۱۹۱۵ء میں کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کے سالانہ اجلاس ایک مقام پر بمبئی میں منعقد ہوئے' تاکہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے نزدیک آئیں' ایک دوسرے کی باتیں سنیں اور ہندو مسلم اتحاد کی کوئی شکل بن سکے۔ پھر ان ہی کی کوششوں کے نتیجے میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان ایک معاہدہ "میثاقِ لکھنؤ" کی صورت میں طے پایا۔ یہی وجہ ہے کہ گوکھلے نے کہا کہ یہ شخص ہندو مسلم اتحاد کا سفیر اعظم ہے۔ اس کے بعد ۱۹۲۷ء میں قائداعظم نے تجاویز دہلی دیں کہ کانگریس اگر مسلمانوں کے حقوق کی ان اعتبارات سے ضمانت دے تو بہت اچھا ہو گا' لیکن اس کے برعکس جب نہرو رپورٹ آئی تو وہ اس کے متضاد تھی۔ پھر قائداعظم نے ۱۹۲۹ء میں اپنے چودہ نکات پیش کر کے آخری کوشش کی کہ کانگریس یعنی ہندو مسلمانوں کے یہ حقوق منظور کرلیں اور پھر دونوں قومیں مل کر آزادی کی جدوجہد کریں اور ایک ملک کی حیثیت سے آزاد ہو جائیں۔ لیکن اس ضمن میں مسلمانوں کو یہ ضمانتیں ملنی چاہئیں تاکہ ان کا تشخص ختم نہ ہو جائے' وہ دوسرے درجے کے شہری بن کر نہ رہ جائیں اور ان کی تہذیب' ان کا کلچر' ان کے اصول یہ سب کے سب دب کر نہ رہ جائیں۔ تو چودہ نکات کی صورت میں قائداعظم نے یہ ضمانتیں طلب کیں' لیکن پھر ہندوؤں کے طرزِ عمل کو دیکھ کر قائداعظم انتہائی مایوس ہو گئے۔ یہ بات میں اس لئے بتا رہا ہوں کہ علامہ اقبال اور قائداعظم کے مابین یہ فرق ہے۔ علامہ اقبال میں ہندی قوم پرستی کا جو جذبہ تھا وہ بہت ہی عارضی سے وقت کے لئے تھا۔ اس کے فوراً بعد ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء کے دوران وہ انگلستان اور جرمنی میں رہے اور ان کی قلب ماہیت ہو گئی۔ اب وہ مسلمانوں کی وحدتِ ملی کے حدی خوان اور مسلمانوں کے

علیحدہ تشخص کے علمبردار بن گئے اور انہوں نے مستقبل میں مسلمانوں کے ایک عظیم رول اور دنیا میں احیائے اسلام کی پیشین گوئیاں کیں ۔

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا!
دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا!
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا!

تمہاری یہ تہذیب ختم ہو جائے گی اور اسلام کا بول بالا ہو گا۔ تو اقبال ان معاملات میں بہت سینئر ہیں۔ قائداعظم فکری اعتبار سے ادھر نہیں آئے' بلکہ ہندو کے طرز عمل سے مایوس ہو کر آئے (ان دونوں چیزوں کا فرق سمجھ لیجئے) ان کی آخری کوشش یہی تھی کہ ہندو مسلم اتحاد برقرار ہے' ہندو مسلمان مل جل کر آزادی کی جنگ لڑیں اور آزاد ہو جائیں' لیکن اس کے لئے ہندو ہمیں یہ یہ ضمانتیں دے دیں' اس طرح ہمیں اپنا راستہ جدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے' ہم مل کر انگریز کے خلاف جدوجہد کر سکتے ہیں۔ لیکن ۱۹۲۹ء میں وہ انتہائی مایوس ہو گئے اور انگلستان میں جا کر بیٹھ گئے۔ وہاں پھر تین گول میز کانفرنسیں ہوئیں' پہلی ۱۲ نومبر ۱۹۳۰ء کو' دوسری ۷ نومبر ۱۹۳۱ء کو اور تیسری ۱۷ نومبر ۱۹۳۲ء کو۔ ان میں سے دوسری گول میز کانفرنس میں قائداعظم کو شریک نہیں کیا گیا' حالانکہ وہ انگلستان میں موجود تھے' لیکن وہ اس درجے مایوس ہو چکے تھے کہ اس وقت انہوں نے آکسفورڈ میں شیخ محمد اکرام (جن کی مسلم انڈیا کی سیاسی' ثقافتی اور مذہبی تاریخ پر آبِ کوثر' رودِ کوثر اور موجِ کوثر کے نام سے بڑی مشہور کتابیں ہیں) سے کہا کہ میں کیسے اس قوم کی قیادت کروں؟ جہاں تک ہندو ہے وہ بہت تنگ نظر ہے' اس کا سینہ بہت ہی تنگ ہے' وہ مسلمان کے ساتھ صحیح طرزِ عمل اختیار کرنے کو تیار نہیں ہے اور مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان کے لیڈر صبح مجھ سے جو بات کرتے ہیں شام کو ڈپٹی کمشنر کے پاس جا کر رپورٹ بھی

کرتے ہیں اور ان سے مشورہ مانگتے ہیں کہ کیا کرنا چاہئے۔ کیونکہ مسلم لیگ میں اس وقت سر تھے' نواب زادے تھے' بڑے بڑے فیوڈل لارڈز تھے' اور ظاہر بات ہے کہ یہ لوگ تو حکومت وقت کے ساتھ بنا کر چلتے ہیں' یہ اے سی' ڈی سی اور گورنر کو کیسے ناراض کریں گے؟ تو قائداعظم نے کہا کہ میں ایسی قوم کی کیسے قیادت کروں۔ لیکن بہرحال ۱۹۳۲ء میں جو تیسری گول میز کانفرنس ہوئی علامہ اقبال اس میں گئے تھے۔ اس موقع پر علامہ اقبال اور قائداعظم کا قریبی رابطہ ہوا اور قریبی مراسم قائم ہوئے' اور پھر علامہ اقبال ہی کے زور دینے پر ۱۹۳۴ء میں قائداعظم ہندوستان واپس آئے اور انہیں مسلم لیگ کا تاحیات صدر بنایا گیا۔

## تخلیق پاکستان میں اقبال اور جناح کا کردار

علامہ اقبال اور قائداعظم کی شخصیات کا یہ جو تقابل پیش کیا گیا اس کا نتیجہ کیا ہے؟ اب میں یہ الفاظ ایک دوسرے کے مقابلے پر استعمال کر رہا ہوں۔ علامہ اقبال مفکرِ پاکستان' مصورِ پاکستان' مبشرِ پاکستان ہیں اور قائداعظم معمارِ پاکستان' مؤسّسِ پاکستان' بانیٔ پاکستان۔ آپ کو معلوم ہے آج کل آرکیٹیکٹ (Architects) ہوتے ہیں جو کسی مکان' بنگلے' کوٹھی کا نقشہ بناتے ہیں اور نقشے کے ساتھ اس کا پورا کا پورا detailed structure بھی بنا دیا جاتا ہے کہ یہ سامنے سے کیا نظر آئے گا اور سائیڈ سے کیسا ہوگا' کیا اس میں خوبصورتی ہوگی' یہ سب آرکیٹیکٹ کا کام ہے۔ لیکن اس کے بعد ٹھیکیدار یا معمار اس کو تعمیر کرتا ہے۔ تو پاکستان کے وجود میں آنے میں دو شخصیتوں کے رول کو ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ قائداعظم فلسفی تھے نہ عالم دین' نہ ہی وہ کوئی مصنف تھے' ان کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ یہ تو اب کراچی میں جو قائداعظم اکیڈمی ہے اس نے قائداعظم کے اخباری بیانات اور تقاریر کو چار جلدوں میں جمع کیا ہے۔ ان میں سے کچھ اقتباسات میں آج آپ کے سامنے پیش کروں گا کہ قائداعظم کا اصل تصور پاکستان کیا تھا' وہ سامنے آنا چاہئے۔ علامہ اقبال کا معاملہ یہ ہے کہ زمانہ طالب علمی میں وہ مولوی

میر حسن کے زیر تربیت رہے' ان کے والد گہرے صوفی منش انسان تھے۔ پھر یہ کہ انہوں نے اس زمانے میں بی۔ اے تک عربی پڑھی تھی' لہٰذا قرآن اور حدیث ان کے سامنے کھلے ہوئے تھے۔ چونکہ وہ عربی سے واقف تھے' لہٰذا چاہے کسی دارالعلوم کے مستند عالم نہیں تھے' لیکن واقعتاً بہت بڑے عالم تھے۔ آپ ان کے اشعار پڑھیں تو معلوم ہو گا کہ کس طریقے سے قرآن مجید کی آیات سے استشہاد کرتے ہیں اور کس انداز سے انہیں اپنے شعروں میں سمو دیتے ہیں۔ ان کی شاعری کی سب سے بڑی تاثیر ہی یہ ہے کہ انہوں نے اس کے اندر قرآن مجید کو سمو دیا۔ تو علامہ اقبال کا معاملہ اور ہے' وہ مفکر اور فلسفی ہیں۔ قائداعظم کا معاملہ یہ ہے کہ وہ بانی پاکستان ہیں۔ قائداعظم ۱۹۳۴ء میں مسلم لیگ کے صدر بنے۔ اس کے بعد تین سال تک انہوں نے جو محنت کی اس کے کوئی نتائج ظاہر نہیں ہوئے۔ ۱۹۳۶ء کے الیکشن میں مسلم لیگ کا حال بہت پتلا تھا۔ ۱۹۳۷ء میں جو گورنمنٹ بنی وہ کانگریس کی بنی۔ بہرحال مسلم لیگ اس وقت بھی ابھی عوامی تحریک نہیں بنی تھی۔ لیکن ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک دس برس قائداعظم نے انتھک محنت کی۔ اور ان کے اندر بہترین صلاحیتیں تھیں' یعنی بہترین قانون دان' بہترین پارلیمنٹرین' بہترین وکیل اور پھر صاحب کردار' نہ بکنے والا' نہ جھکنے والا۔ ان کے اندر کردار کی قوت موجود تھی۔ پھر اُن کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ انہوں نے ایسا نہیں کیا کہ اگر میں اسلامی لباس پہنوں تو مسلمان مجھے پسند کریں گے۔ نہیں' قطعاً نہیں۔ انہوں نے اپنے بود و باش' رہن سہن' وضع قطع اور لباس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ وہ ویسے کے ویسے بہترین سوٹ پہنا کرتے تھے' ان کا انداز وہی تھا کہ جو اُس زمانے میں مغربی بود و باش کا انداز تھا۔ انہوں نے کہیں بھی اپنے اوپر کوئی مصنوعی پردہ نہیں ڈالا اور اپنی شخصیت کے اوپر کوئی ملمع سازی نہیں کی۔ انہوں نے جو کہا وہی کر کے دکھایا۔ یہ نہیں کہ کرنا کچھ اور کہہ کچھ اور رہے ہوں' جو عام سیاستدانوں کا انداز ہوتا ہے۔ یہ ہے فرق علامہ اقبال اور قائداعظم میں۔

قائداعظم کی شخصیت کے بارے میں بہترین بات وہ ہے جو پیر سید جماعت علی شاہؒ نے کہی۔ ان کے کسی مرید نے ان سے کہہ دیا کہ حضرت آپ اتنی بڑی روحانی' علمی اور دینی

شخصیت ہیں اور آپ نے ایک داڑھی منڈے کے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے! ان کا جواب آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ میرے نزدیک یہ بہترین اور صحیح ترین تعبیر ہے اور میں ان کی ذہانت کو بھی خراج تحسین اور داد تحسین پیش کرتا ہوں' ایک جملے کے اندر انہوں نے ایسی بات کہی ہے کہ واقعتاً قائداعظم نہ اس سے کم تھے اور نہ اس سے زائد۔ ان کی شخصیت کا صحیح صحیح نقشہ پیش کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ بھائی میں نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ہے' اصل میں میرا ایک مقدمہ ہے جس کی حیثیت قومی مقدمہ کی ہے' یہ ہندو قوم کے خلاف مسلمان قوم کا مقدمہ ہے' مجھے مسلمانوں کے اس قومی مقدمے کے لئے ایک وکیل چاہئے' لیکن وہ وکیل ایک ماہر قانون دان ہونا چاہئے' اس میں یہ صلاحیت ہونی چاہئے کہ اپنے دلائل کو موثر طور سے پیش کرسکے۔ پھر یہ کہ وہ بکنے والا نہیں ہونا چاہئے کہ فریق ثانی اسے خرید لے' اور مجھے ایسی شخصیت قائداعظم کی صورت میں ملی ہے' لہٰذا میں نے اپنا قومی مقدمہ ان کے حوالے کردیا ہے' ان کی حیثیت ہندوستان کے مسلمانوں کے وکیل کی ہے۔

## علامہ اقبال اور قائداعظم ایک دوسرے کی نظر میں

اب میں یہ چاہتا ہوں کہ ان دونوں شخصیتوں کے آپس کے ربط و تعلق کو آپ کے سامنے بیان کروں اور میں آپ کے سامنے کچھ حوالے رکھوں گا۔ اقبال' جناح کی نظر میں کیا تھے' اسے ذرا اس حوالے سے سمجھئے کہ جب ۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال کا انتقال ہوا تو اس پر قائداعظم نے جو الفاظ کہے وہ "Star of India" میں ۲۲/اپریل ۱۹۳۸ء کو شائع ہوئے۔ یہ الفاظ اسی کتاب میں محفوظ ہیں جو قائداعظم اکیڈمی نے چار جلدوں میں شائع کی ہے۔ کتاب کا عنوان ہے :

*Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jinnah-The Nation Voice*

یہ الفاظ اس کتاب کی جلد اوّل میں ہیں :

***Mr. M.A. Jinnah said that the sorrowful news of the death of Dr. Sir. Muhammad Iqbal had plunged the***

*world of Islam in gloom and mourning. Sir Muhammad Iqbal was undoubtedly one of the greatest poets, philosophers and seers of humanity of all times.*

قائداعظم نے فرمایا کہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی افسوسناک موت نے پورے عالم اسلام کو رنج و غم میں مبتلا کر کے ماتم کدہ بنا دیا ہے۔ سر محمد اقبال پوری انسانی تاریخ میں ایک بہت بڑے شاعر' بہت بڑے فلاسفر اور Seer تھے' جو مستقبل کو دیکھتے تھے۔ گویا ۔

گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود
گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہّمات میں

اس کے بعد قائداعظم نے جو الفاظ کہے وہ نوٹ کرنے کے قابل ہیں۔ میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ قائداعظم نے علامہ اقبال کے گویا ایک شاگرد کی حیثیت اختیار کی' ان سے inspiration لی اور ان سے فکر لیا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے قائداعظم کے پاس کچھ نہیں تھا۔ قائداعظم خود نہ فلسفی تھے' نہ ہی مفکر اور عالم اور نہ ہی مصنف تھے۔ انہوں نے صرف مسلمانوں کی ہمدردی اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے اپنی پوری زندگی لگائی تھی۔ ۱۹۰۶ء سے کانگریس میں شامل تھے اور ۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے جس کے بعد وہ ۱۹۳۰ء کے قریب آ کر ہندوؤں سے مایوس ہو گئے کہ یہ کوئی بھی عدل اور اعتدال پر مبنی تصور قائم نہیں کر سکتے۔ قائداعظم کے اگلے الفاظ ملاحظہ کیجئے۔

*To me he was a personal friend, philosopher and guide and as such the main source of my inspiration and spiritual support.*

یعنی میرے لئے تو وہ ذاتی دوست بھی تھے' میرے فلسفی بھی (یعنی میں نے ان سے فلسفہ اخذ کیا ہے) میرے رہنما تھے' اور مجھے جو جذبہ ملا ہے اور جو مجھے روحانی تقویت حاصل ہوئی ہے وہ اقبال سے ہوئی ہے۔ غور کیجئے کہ یہ الفاظ قائداعظم کہہ رہے ہیں اور قائداعظم ایسے نہیں تھے کہ کسی عام آدمی کے لئے بہت زیادہ الفاظ استعمال کر دیتے۔ ان کا ایک ایک لفظ بہت سوچا سمجھا ہوا کرتا تھا۔

اس بات کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے کہ ان دونوں شخصیتوں کا ایک دوسرے کے

بارے میں کیا تصور تھا۔ ظاہر بات ہے کہ علامہ اقبال نے یہ تو سمجھا تھا کہ مسلمانانِ ہند کی سیاسی قیادت کرنے والا اب کوئی نہیں سوائے جناح کے' اور یہی تصور انہوں نے قائداعظم کو دیا اور وہ واپس ہندوستان آنے پر آمادہ ہوئے۔ اس میں اور لوگوں کا بھی دخل تھا' لیکن فیصلہ کن دخل علامہ اقبال کا تھا۔ تو علامہ اقبال نے یہ سمجھ لیا تھا' جیسے پیر جماعت علی شاہ نے یہ سمجھا' کہ اس وقت ہندوستان میں مسلمان قوم کی وکالت اور رہنمائی سیاسی میدان میں سوائے محمد علی جناح کے' اور کوئی نہیں کر سکتا۔

لاہور میں ۲۵ مارچ ۱۹۴۰ء کو یوم اقبال کے ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا :

*If I live to see the ideal of a Muslim state being achieved in India and I were then offered to make a choice between the works of Iqbal and rulership of Muslim state, I would prefer the former.*

"اگر میں اس مقصد کے حصول تک زندہ رہا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک علیحدہ ریاست قائم ہو جائے اور تب اگر مجھے یہ اختیار دیا جائے کہ یا تو اس مسلم سٹیٹ کے حکمران بن جاؤ یا علامہ اقبال کی کتابیں لے لو تو میں علامہ اقبال کی کتابوں کو ترجیح دوں گا"۔ یہ ہیں وہ الفاظ جو قائداعظم ۱۹۴۰ء میں پاکستان ریزولوشن کے فوراً بعد کہہ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کہتے ہیں :

*Continuing Mr. Jinnah said that in April 1936 he thought of transforming the Muslim League which was then only an academical institution into a parliament of Muslims of India.*

"مجھے ۱۹۳۶ء میں خیال آیا تھا کہ مسلم لیگ جو ابھی تک ایک اکیڈمک ادارہ بنی ہوئی ہے میں اسے مسلم انڈیا کی ایک پارلیمنٹ کی شکل دے دوں۔"

*From that time to the end of his life, he continued, Iqbal stood like a rock by him. Iqbal, Mr. Jinnah said, was not only a great poet who had a permanent place in the history of world's best literature, he was a dynamic*

*personality, who during his lifetime, made the greatest contribution towards rouing and developing of Muslim national consciousness.*

یہ دو اقتباسات مَیں نے آپ کے سامنے پیش کئے ہیں' تاکہ یہ جو دو شخصیتیں تھیں ان کا ایک دوسرے کے بارے میں کیا گمان تھا سامنے آسکے۔ چنانچہ میں نے تقسیم کی ہے کہ مفکر پاکستان' مصور پاکستان' مبشر پاکستان اور پاکستان کی آئیڈیالوجی دینے والا تو اقبال تھا' لیکن اس نقشے پر پاکستان کی تحریک کو چلانا' سیاست کی پُر پیچ وادیوں میں سے لے کر اِس قافلے کو آگے بڑھانا' اسے کامیابی کی منزل تک پہنچانا اور مسلمانوں کے قومی مقدمے کی وکالت' اس کا سہرا یقیناً قائداعظم کے سر ہے' وہ بانی پاکستان اور معمارِ پاکستان ہیں' لیکن وہ نظریہ دینے والے نہیں تھے' نظریہ (idealogy) کے لئے اگر آپ کو دیکھنا ہے تو اقبال کی طرف دیکھنا ہوگا۔ ہمیں دراصل ہر شخص کو اور ہر شے کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا چاہئے۔ عربی زبان میں ظلم اسی کو کہتے ہیں کہ "وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ" یعنی ایک شے کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کہیں اور رکھ دیا جائے تو یہ ظلم ہے۔

## قائداعظم کا تصورِ اسلام

اب میں آپ کو تین اقتباسات دینا چاہتا ہوں جس میں قائداعظم نے کہا ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔

سب سے پہلے ۱۰/ جنوری ۱۹۳۸ء کا ایک بیان ملاحظہ ہو :

*Many people misunderstand us when we talk of Islam particularly our Hindu friends When we say this flag is the flag of Islam, they think we are introducing religion into politics; a fact of which we are proud.*

یعنی جس بات پر وہ ہمیں الزام دیتے ہیں کہ ہم سیاست کے اندر مذہب کو لا رہے ہیں ہم اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہمارے دین میں سیاست دین کے تابع ہے۔

*Islam gives us a complete code of life. It is not only religion but it contains laws, philosophy and politics. In fact it contains everything that matters to a man from*

*morning to night. When we talk of Islam we take it as an all-embracing word. We do mean any ill will. The foundation of our Islamic code is that we stand for liberty, equality and fraternity.*

اب میرا خیال یہ ہے کہ مجھے ہر چیز کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سب کا حاصل یہ ہے کہ ہم اسلام کو محض ایک مذہب نہیں سمجھتے۔ (مذہب میں ہوتے ہیں صرف عقائد، عبادات اور کچھ رسومات) اسلام ایک مکمل نظریۂ حیات ہے۔ اس میں قوانین ہیں، تہذیب ہے، فلسفہ ہے، آئیڈیالوجی ہے اور صبح سے لے کر رات تک کی انسانی زندگی کے لئے ہدایات ہیں۔ اور اس کی بنیادیں کیا ہیں liberty, equality اور fraternity۔ حریت، مساوات اور اخوت۔ یہ تینوں چیزیں ہیں کہ جو بنیاد ہیں اسلامی نظام کی۔

اس طرح کا ایک اور اقتباس قائداعظم کے "عید کے پیغام" سے نقل کیا جا رہا ہے جو "ڈان" کراچی میں ۱۱/ ستمبر ۱۹۴۵ء کو شائع ہوا۔

*The Musalmans are realizing more and more their responsibilty in every direction. Every Musalman knows that the injunctions of the Quran are not confined religious and moral duties. From the Atlantic to the Ganges, says Giben, The Quran is acknowledged as the fundamental code, not only of theology, but of civil and criminal jurisprudence, and the laws which regulate the action and the property of mankind are governed by the immutable sanctions of the will of God. Every one, except those who are ignorant, knows that the Quran is the general code of the Muslims. a religious, social, civil, commercial, military Judicial, criminal perol code. It regulates everything from the ceremonies of religion to those of daily life; from the salvation of the sole to the health of the body; from the rights of all to those of each individual; from morality to crime; from punishment here to that in the life to*

*come, and our Prophet has enjoined on us that every Musalman should possess a copy of the Qura'n and be his own priest. Therefore Islam is not merely confined to the spiritual tenets and the doctrines or rituals and ceremonies. It is a complete code regulating the whole Muslim society, every department of life, collective and individually.*

ذرا اندازہ کیجئے کہ جو شخص یہ باتیں کہہ رہا ہو وہ کوئی سیکولر ذہن کا مالک ہو سکتا ہے؟ اور یہ ۱۹۴۵ء ہے' پاکستان بننے سے صرف دو سال قبل۔

اس ضمن میں ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو۔ بیورلے نکس ہندوستان آیا تو اس نے ۱۱/ جنوری ۱۹۴۴ء کو قائداعظم سے بمبئی میں انٹرویو لیا۔ اس انٹرویو کے دوران قائداعظم نے فرمایا :

*You must remember that Islam is not merely a religious doctrine but a realistic and practical code of conduct*

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ اقبال کی طرح قائداعظم کا تصور اسلام بھی یہ ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات (Code of Life) ہے۔ ذرا اندازہ کیجئے' قائداعظم کہہ رہے ہیں کہ اسلام صبح سے لے کر رات تک کے سارے معمولات سے بحث کرتا ہے اور زندگی کے تمام گوشوں کے بارے میں ہمیں ہدایات دیتا ہے۔

اس کے بعد ایک اقتباس ملاحظہ ہو ے جون ۱۹۳۸ء کے Tribue کی نیوز رپورٹ کا' جس میں عالمی ملت اسلامیہ کے ساتھ اظہار یکجہتی کیا گیا۔

*Mr M.A. Jinnah unfurling the League flag, observed that it was not a new flag. It was several centuries old and was given to them by the Prophet. The disorganisation among the Muslims made them forget their own flag. But a new awakening among the Muslims had come about which had kept the flag*

*afloat. He declared that no power on earth could bring their flag down.*

اسی طرح اسلام کے قانون کی ان کے نزدیک عصر حاضر میں کیا اہمیت تھی ' ملاحظہ کیجئے۔ یہ ان کا ۲۲ نومبر ۱۹۳۸ء کا ایک اخباری بیان ہے :

*Mr. M A Jinnah, President All India Muslim League, in a statement to the Associated Press says--------- I find and I have no hesitation in saying this that Islamic code of law with regard to succession is most equitable, most just, most advanced and most progressive. I therefore, say that let the Muslims at least be governed by it*

ذرا یہ الفاظ نوٹ کیجئے کہ :

*most successful, most equitable, most just, most advanced and most progressive*

پوری ملت اسلامیہ کی وحدت کے بارے میں جو بات کہہ رہے ہیں وہ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ مسئلہ فلسطین کے حوالے سے ان کا یہ بیان Star of India میں ۸/ اپریل ۱۹۳۹ء کو شائع ہوا۔

*No geographical limits can divide the children of Islam (cheers) About our ideals there was no doubt now.*

ذرا اندازہ کیجئے کہ سب کے سب مسلمان جو اس دنیا میں ہیں یہ اسلام کی اولاد ہیں۔ (اس پر تالیاں بجیں) ہماری قوم ایک ہے ' اس کے بارے میں اب کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں۔

خود اپنے بارے میں جو کہا ہے یہ بھی Star of India میں ۱۷/ اگست ۱۹۳۹ء کو شائع ہوا ہے۔

*"So far as I am concerned, I am willing to be branded so for doing my duty to Muslims, I was born a Muslim; I am a Muslim and I shall die a Muslim".*

یعنی میں مسلمان پیدا ہوا تھا ' مسلمان ہوں اور مسلمان مروں گا۔

اب ایک بات بہت اہم ہے۔ علامہ اقبال کے بارے میں تو آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے مغربی جمہوریت پر کس شدومد سے تنقیدیں کی ہیں۔

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

لیکن قائداعظم کے بارے میں شاید آپ کا یہ گمان ہو کہ وہ سو فیصد مغربی جمہوریت کے قائل تھے۔ یہ جملہ ملاحظہ ہو جو ۹ نومبر ۱۹۳۹ء کو سول اینڈ ملٹری گزٹ میں شائع ہوا :

*Mr Jinnanh next refuted the cry that the Muslım League had demounced democracy. Democracy in the abstract was quite different from democracy as practiced. Democracy was like the chameleon, changing its complexıon according to the environment*

یعنی ڈیموکریسی تو گرگٹ کی طرح ہے کہ جن حالات میں اور جس ماحول میں ہوتی ہے اس کے مطابق وہ اپنا رنگ بدل لیتی ہے۔

*Democracy was not the same in England as it was in France and America. Islam believes in equality, liberty and fraternity, but not the democracy of western type.*

اب اگر اس شخص کے بارے میں کہا جائے کہ وہ پاکستان کو سیکولر نیشن سٹیٹ بنانا چاہتا تھا جو مغرب کے ذہن کی پیداوار اور مغربی فلسفے کا نتیجہ ہے، تو یہ سارے بیانات آپ کہاں لے کر جائیں گے؟

*A demodratic parliamentary system in which party government was the basıc principle of the constitution.*

یہ ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

قائداعظم کا ایک اور "پیغام عید" بھی ہے جس میں انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا تذکرہ کیا ہے۔ عید کا یہ پیغام ۱۲ نومبر ۱۹۳۹ء کے Star of India میں شائع ہوا' جس میں نماز روزہ کی حکمتیں اس انداز سے بیان کی گئی ہیں جیسے مولانا مودودیؒ جیسا کوئی مصنف اور متکلم بیان کر رہا ہو کہ روزے کی یہ حکمتیں ہیں اور نماز کی یہ حکمتیں ہیں۔ محلے کے اندر لوگ پانچ وقت جمع ہوتے ہیں' پھر ذرا بڑی سطح پر جمعے کو' پھر عیدین میں' پھر حج میں۔ یہ سارا وعظ قائداعظم کے اس بیان میں موجود ہے۔

> *Man has indeed called God's caliph in the Quran, and if that description of man is to be of any significance it imposes upon us a duty to follow the Quran, to behave towards others as God behaves towards His mankind. All social regeneration and political freedom must finally depend on something that has a deeper meaning in life And hat, if you will allow me to say so, is Islam and Islamic spirit.*

قراردادِ پاکستان پاس ہونے سے چند دن پہلے ۹ مارچ ۱۹۴۰ء کو ان کا ایک انٹرویو ٹائم اینڈ ٹائیڈ لندن میں "Two Nations in India" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس میں فرماتے ہیں :

> *"India is inhibited by many races.. often as distinct from one another in origin, tradition and manner of life as are the nations of Europe. Two thirds of its inhabitants profess Hinduism in one form or another as their religion, over 77 millions are followers of Islam; and the difference between the two is not only of religion in the stricter sense but also of law and culture. They may be said, indeed, to represent two distint and separate civilizations. Hindusism is distinguished by the phenomenon of its caste, which is the basis of its religious and social system, and save in a very*

*restricted field, remains unaffected by contact with the philosiphies of the west; the religion of Islam, on the other hand, is based upon the conception of the equality of man."*

قرار داد پاکستان کے منظور ہونے پر ۲۶/مارچ کے سول اینڈ ملٹری گزٹ میں قائداعظم کا یہ بیان چھپا:

*Finally, he appealed to the Muslims of Punjab to organize the League in the province and carry its message from village to village and house to house. He exhorted workers, peasants, intelligentsia, landlords and capitalists to speak with one voice -- that of Islam.*

"اب پوری قوم کو ایک آواز میں بات کرنی چاہئے' وہ بات اسلام کی ہو گی"۔ ۲۶/مارچ کو مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن سرحد کے لئے اپنے ایک پیغام میں جو ۴/اپریل ۱۹۴۳ء کو شائع ہوا' انہوں نے کہا:

*You have asked me to give you a message. What message can I give you? We have got the greatest message in the Quran for our guidance and enlightenment.*

یعنی ہمارے لئے تو اصل پیغام قرآن ہے' اس کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی اور پیغام کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔

## قائداعظم کا تصور پاکستان

۱۷/جنوری ۱۹۴۶ء کو خواتین کے اجتماع میں اپنی ایک تقریر میں قائداعظم نے بتایا کہ اگر پاکستان نہ بنا تو کیا ہو گا۔ یہ تقریر ۱۸/جنوری ۱۹۴۶ء کو سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور میں شائع ہوئی ہے۔

*If we do not succeed in our struggle for Pakistan the very trace of Muslims and Islam will be obliterated from the face of India.*

"اگر ہم پاکستان کے حصول میں ناکام رہے تو سن لو کہ ہندوستان سے اسلام اور مسلمانوں

کا نام و نشان مٹا دیا جائے گا"۔

ہندو ذہنیت کو جس قدر قائداعظم نے قریب سے دیکھا وہ کسی نے نہیں دیکھا۔ خاص طور پر ہمارے علماء چاہے وہ مولانا مدنی" تھے یا ابوالکلام آزاد تھے' وہ ہندو کے ظاہری طرز عمل کو دیکھتے تھے کہ مہاراج ہاتھ جوڑ کر نمستے کر رہے ہیں' بچھے جا رہے ہیں' لیکن اس کی اصل ذہنیت کیا تھی اسے قائداعظم صحیح سمجھتے تھے جنہیں ہندو لیڈر گوکھلے نے ہندو مسلم اتحاد کے سب سے بڑے سفیر کا لقب دیا تھا۔ ہندوؤں کے تعصب کا اندازہ کرنے کے لئے آپ ذرا یاد کیجئے' ۱۹۷۱ء میں جب سقوط ڈھاکہ ہوا ہے تو موتی لال نہرو کی پوتی' جواہر لال نہرو کی بیٹی اندرا گاندھی کہہ رہی ہے کہ We have avenged our thousand years defeat "ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا دیا"۔ اس سے ذرا اندازہ کریں کہ ہندو مہا سبھا کے عزائم کیا ہوں گے' آر ایس ایس کے عزائم کیا ہوں گے' اور کانگرس کے اندر بھی جو ذرا اکٹر قسم کے ہندو تھے' مثلاً سردار بھائی پٹیل وغیرہ ان کے کیا عزائم ہوں گے۔ قائداعظم نے ان کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ لہٰذا وہ مایوس ہو کر انگلستان چلے گئے تھے۔ یہ تو اقبال تھے جو انہیں دوبارہ واپس لائے۔ میرے نزدیک واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے علامہ اقبال کے ہاتھ پر معناً بیعت کی ہے' وہ انہیں اپنا Spiritual guide اور Source of inspiration قرار دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے مفکر پاکستان' مصور پاکستان اور پاکستان کا نظریہ دینے والے علامہ اقبال ہیں۔ اقبال سے اخذ کردہ ان تصورات کے پیش نظر قائداعظم نے کہا تھا :

> *If we do not succeed in our struggle for Pakistan the very trace of Muslim and Islam will be oblitrated from the face of India.*

اسی طرح عربوں کے "کاز" کے بارے میں اب دیکھئے قائداعظم کیا کہہ رہے ہیں۔ ان کا NewYork Times میں ۱۳/ فروری ۱۹۴۶ء کو ایک انٹرویو شائع ہوا ہے۔ واضح رہے کہ یہ تو میں "مشتے از خروارے" یا بالفاظِ دیگر دیگ کے چند چاول آپ کو دکھا رہا ہوں' ورنہ قائداعظم کے نظریہ پاکستان اور اسلام کے حوالے سے خیالات و تصورات

چار جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے صرف دو حصوں میں سے یہ اقتباسات پیش کر رہا ہوں۔ کراچی میں میرے ایک ساتھی ہیں۔ انہوں نے یہ ساری محنت کی ہے اور یہ سارے اقتباسات انہوں نے مجھے فراہم کئے ہیں۔ نیویارک ٹائمز کا نامہ نگار قائداعظم سے پوچھ رہا ہے کہ عربوں کے ساتھ آپ کی ہمدردی کا کیا تصور ہے۔ قائداعظم نے جواب دیا :

*The Indian Muslim will do everything in his power to help the Arabs He will go to every length, because we do not want Palestine to go out of Muslim hands when asked to define "any length" Mr. Jinnah said, it means what ever we can do, violence if necessary.*

یعنی ہمیں عربوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے طاقت بھی استعمال کرنی پڑی تو کریں گے۔ اس سے ذرا اندازہ کرنا چاہئے کہ القدس کا مسئلہ اب جس سطح پر پہنچ چکا ہے 'یوں سمجھئے کہ مشرق وسطیٰ آتش فشاں کے دہانے پر پہنچا ہوا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئی دن کی بات ہے کہ وہاں بہت بڑی جنگ ہونے والی ہے' اس جنگ میں پاکستان کا رول کیا ہونا چاہئے' قائداعظم کے مذکورہ بالا الفاظ جو ۱۳/ فروری ۱۹۴۶ء کو نیویارک ٹائمز کے اندر چھپے ہیں' اس ضمن میں ہماری بھرپور راہنمائی کر رہے ہیں۔ چنانچہ ہمیں آنے والے سخت حالات میں عربوں کی ہر ممکن مدد کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

اب ان کے یہ خیالات ملاحظہ کریں جو انہوں نے پاکستان بننے کی صورت میں اقلیتوں کے لئے ظاہر کئے تھے۔ قائداعظم نے انہیں اطمینان دلایا تھا کہ تمہارے ساتھ ہم بہت عمدہ سلوک کریں گے' تم ڈرو نہیں کہ تمہارا معاملہ شودروں کا ہو جائے گا' ہمیں اسلام نے جو تعلیمات دی ہیں وہ بہت بلند ہیں۔ اس ضمن میں ۲۹/ مارچ ۱۹۴۴ء کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو جو سول اینڈ ملٹری گزٹ کے اندر چھپا ہے۔

*Mr. Jinnah assured the Non Muslim minorities that if Pakistan was established they would be treated with fairness, justice and even generosity.*

یعنی پاکستان اگر بن گیا تو ہم غیر مسلموں کے ساتھ عدل و انصاف ہی کا نہیں بلکہ احسان اور سخاوت کا رویہ اختیار کریں گے۔

*This was enjoined upon them by the Quran. And this was the lesson their history had taught them with a few exceptions in which some individual may have misbehave.*

اسلام میں جبر نہیں ہے۔ اسلام غیر مسلموں کو کھلی اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزاریں۔ مسلمان فوجیں عرب سے جب نکلی تھیں تو وہ جہاں بھی گئے تین متبادل پیش کرتے تھے۔ سب سے پہلے اسلام لے آؤ تم ہمارے برابر کے ساتھی بن جاؤ گے۔ تمہاری جان' مال سب محفوظ ہو گا۔ اگر یہ نہیں تو اسلام کی بالادستی قبول کر لو' جزیہ دے دو' چھوٹے بن کر رہو۔ اگر تمہیں اسلام کی برتری منظور نہیں تو پھر تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ لہٰذا جہاں تک مذہبی آزادی کا تعلق ہے اسلام پوری گارنٹی دیتا ہے کہ جو بھی غیر مسلم اقلیتیں ہوں وہ جو عقیدہ بھی چاہے رکھیں ان کی عبادت گاہوں کی پوری حفاظت کی جائے گی' بلکہ مسجدوں سے بڑھ کر کی جائے گی۔ سورۃ الحج میں ارشادِ ربانی ہے :

﴿ وَلَوْ لاَ دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴾ (الحج : ۴۰)

"اگر اللہ تعالیٰ بُرے لوگوں کو وقتاً فوقتاً دنیا سے دفع نہ کرتا رہتا تو فساد مچ جاتا' تمام صومعے' گرجے' خانقاہیں اور مسجدیں سب کی سب برباد ہو جاتیں"۔

یہاں دیکھئے مسجد سے بھی پہلے صوامع اور سینیگاگ کا' یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے معابد کا ذکر ہے۔

## ۱۱/اگست ۴۷ء کا خطاب اور اس کی تاویل

اصل میں یہی وہ بات تھی جو قائداعظم نے ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کی اپنی تقریر میں کی' جس کو یہ معنی پہنائے جا رہے ہیں کہ گویا انہوں نے وہاں سیکولرزم کا پرچار کیا ہے۔ اس

تقریر کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے :

*You are free to go to your temples, you are free to go to your mosques or tc any other places of worship in this state of Pakistan*

اس کے ساتھ آگے چل کر یہ الفاظ بھی فرمائے :

*Now I think we should keep that in front of us as our ideal and you will find that in course of time Hindus would cease to be Hindus and Muslims would cease to be Muslims, not in the religious sense, because that is the personal faith of each individual, but in the political sense as citizens of the state*

ان الفاظ کی بنا پر پوری دس سالہ تاریخ' یعنی قائداعظم نے ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک جو کہا ہے' اس کی نفی نہیں کی جاسکتی۔ ۱۱/ اگست ۱۹۴۷ء کی اس تقریر میں انہوں نے وہی بات کہی ہے جو ۱۹۴۶ء میں کہی تھی کہ غیر مسلم اقلیتوں کو اسلامی ریاست میں پوری آزادی ہوگی۔ آپ جو چاہیں عقیدہ رکھیں' جو آپ کی عبادات کی رسوم ہیں آپ ان پر چلیں' جو آپ کے معبد ہوں گے ان کی حفاظت ہوگی' کیونکہ اسلامی ریاست آپ کے جان' مال' عزت و آبرو' جائیداد ہر شے کی حفاظت کا ذمہ لیتی ہے۔ غیر مسلموں کو ذمی اسی لئے کہتے ہیں' ذمی کوئی گالی نہیں' اس کے معنی ہیں جن کی جان' مال' عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ اسلامی ریاست نے لیا ہے۔ اور یہ بھی نوٹ کرلیجئے کہ اسلامی ریاست میں ہر مسلمان پر فوجی سروس لازم ہے کہ ہر مسلمان سپاہی ہے' لیکن غیر مسلم کو اس کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا' بلکہ ان کی حفاظت مسلمان کریں گے' اس لئے انہیں جزیہ دینا ہوگا۔ جزیہ ایک نوع کا ٹیکس ہے۔ مسلمان زکوٰۃ و عشر دے گا جبکہ غیر مسلم جزیہ دے گا' بس یہی فرق ہوگا۔ لیکن جہاں تک مذہبی آزادی کا تعلق ہے' عائلی قوانین کا تعلق ہے' رسومات کا تعلق ہے' اس میں اقلیتوں کو پوری آزادی ہوگی' یعنی آپ شادی بیاہ جیسے چاہیں کریں' نکاح و طلاق کے معاملے میں بھی آپ اپنے طریقے اختیار کریں' آپ جیسے چاہیں بچے کی پیدائش پر جشن منائیں' آپ اپنے مُردے کو جلائیں' دفنائیں یا کسی اونچی جگہ پر رکھ دیں' جیسے

پارسی رکھ دیتے ہیں تاکہ اونچی جگہ پر پرندے نوچ نوچ کر کھا جائیں۔

اسی طرح سرکاری ملازمتوں' پروفیشنز اور کاروبار میں کوئی پابندی نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسلامی ریاست میں قانون سازی قرآن و سُنّت کی بنیاد پر ہو گی' اور غیر مسلم چونکہ قرآن و سُنّت پر یقین نہیں رکھتا اس لئے اس معاملے میں اس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ دوسرے اسلامی ریاست کی اعلیٰ ترین ترجیح یہ ہو گی کہ اسلام پوری دنیا میں پھیلے اور نظامِ خلافت کل روئے ارضی پر قائم ہو' اور ظاہر بات ہے کہ غیر مسلم کی تو یہ خواہش نہیں ہو گی۔ کیونکہ وہ اس نظام کو مانتا ہی نہیں' اس لئے قانون سازی اور پالیسی بنانے کی اعلیٰ ترین سطح پر غیر مسلم شریک نہیں ہو سکتا۔ غیر مسلموں کے لئے باقی تمام ملازمتیں ہیں' فوج میں بھی آنا چاہیں تو آئیں۔ یہ بات ہے جس کا قائداعظم نے ان کو یقین دلایا ہے۔ اگرچہ واقعتاً اس تقریر کے اس جملے میں سیکولرزم کی کچھ جھلک محسوس ہوتی ہے :

*because religion is the private individual affair*

کیونکہ یہاں وضاحت نہیں کی گئی۔ لیکن میں نے اسی لئے آپ کو وہ سارے اقتباسات سنائے ہیں کہ قائداعظم کے نزدیک اسلام صرف مذہب نہیں ہے بلکہ ایک دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس جملے سے ان کی مراد ہے کہ جیسے مسلمان کو اجازت ہے کہ جو چاہے مسلک اختیار کرے' کوئی شافعی ہے' کوئی حنفی ہے' کوئی حنبلی ہے' کوئی مالکی ہے' کوئی شیعہ اور کوئی اہل حدیث ہے' ہر مسلک کا پیرو کار آزاد ہے کہ جیسے چاہے نماز پڑھے' جہاں چاہے ہاتھ باندھے یا ہاتھ کھول کر پڑھے' شیعہ اگر ذرا دیر میں روزہ کھولنا چاہتے ہیں یا ذرا پہلے سحری ختم کر دیتے ہیں تو کوئی اعتراض نہیں۔ جیسے انہیں آزادی ہے ایسے ہندوؤں کو' سکھوں کو' بدھوں کو مذہبی سطح پر ہر قسم کی آزادی ہے۔ ان سب کے جو مذہبی معاملات ہیں یعنی عبادات' عقائد اور رسومات' اس میں تو سب برابر ہیں' لیکن اسلام صرف ایک مذہب نہیں ہے۔ یہ ہے وہ بات جس کے لئے میں نے مندرجہ بالا اقتباسات پیش کئے۔ قائداعظم نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسی لئے تو پاکستان حاصل کیا گیا ہے' ورنہ مذہب کا معاملہ تو ہندوستان کے اندر بھی

چل سکتا تھا۔ آج بھی تو مسلمان وہاں بستے ہیں' نمازیں پڑھتے ہیں' مسجدیں بناتے ہیں۔ ہندوستان ہی میں نہیں امریکہ میں مسجدیں بنا رہے ہیں۔ سیکولرازم میں مذہب کو تحفظ حاصل ہوتا ہے' لیکن سیکولرازم کا بحیثیت نظام مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ پاکستان ہم نے اس لئے بنایا کہ یہاں نظام اسلامی ہوگا البتہ مذہب کی سطح پر سب کو آزادی ہوگی۔ چنانچہ قائداعظم کے ایک جملے کو لے کر اُن کے دس سال کے فرمودات' اعلانات' تصریحات کی نفی کر دینا حقیقت سے آنکھیں چرانے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے؟ جبکہ وہ سارے حقائق اپنی جگہ پر موجود ہیں۔

البتہ میں یہاں آپ سے عرض کردوں کہ درحقیقت اس جملے کی ایک تاویل بھی میرے پاس ہے' جو میں آج سے پندرہ سال پہلے اپنی کتاب "استحکام پاکستان" میں تفصیل کے ساتھ پیش کرچکا ہوں۔ قائداعظم کا وہ جملہ یہ ہے :

*In course of time you will see that Hindus will cease to be Hindus and Muslims will sease to be Muslims not in the religious sense because religion is the private affair of the induudual but in the political sense as citizens of the state*

اگر آپ سیاق و سباق نہ دیکھیں' پچھلی تقریریں' صراحتیں یا فرمودات نہ دیکھیں تو اس جملے میں کچھ نہ کچھ سیکولرازم کی بو ہے' لیکن یاد رہے کہ قرآن مجید بھی اگر آپ سیاق و سباق کے بغیر پڑھیں تو مفہوم بدل جائے گا مثلاً ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ "نماز کے قریب مت جاؤ۔" اس سے اگلے الفاظ اگر ساتھ شامل نہ کریں ﴿وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی﴾ "جب کہ تم نشے کی حالت میں ہو" تو آپ یہ دلیل نکال سکتے ہیں کہ بس نماز کے قریب نہیں جانا کیونکہ قرآن میں لکھا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کا کوئی حکم منسوخ ہوگیا ہو اور آپ اس کو لے کر بیٹھے ہوئے ہوں۔ مثلاً پہلے وصیت فرض تھی کہ ہر مسلمان اگر وہ کوئی مال چھوڑ رہا ہو تو مرتے وقت وصیت کر کے جائے اپنے والدین کے لئے بھی اور رشتہ داروں کے لئے بھی۔ اس کے بعد قانون وراثت آگیا اور یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ اب اگر کوئی شخص اس

منسوخ شدہ حکم کو لے کر بیٹھا ہوا ہے تو یہ در حقیقت اس کی غلطی ہے جو وہ جان بوجھ کر کر رہا ہے' وہ دھوکے باز ہے یا جاہل ہے۔ بعینہٖ قائداعظم کے اس ایک جملہ کو اگر سیاق و سباق کے بغیر دیکھا جائے تو اس سے سیکولرازم کی بو آتی ہے۔ اس جملے کی اب میں وہ تاویل آپ کو بتاتا ہوں۔

قائداعظم اور علامہ اقبال کے ایک بہت بڑے عاشق تھے غلام احمد پرویز' مدیر طلوع اسلام۔ اگرچہ ہمیں ان سے شدید اختلاف ہے' وہ منکر سُنّت تھے' جن کے نزدیک صرف قرآن کافی ہے' سُنّتِ رسول صرف اپنے دور میں واجب الاطاعت تھی' اس لئے کہ حضور ﷺ امیر کی حیثیت سے مرکزِ ملّت تھے' لہٰذا قرآن حکیم میں اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ جہاں آتا ہے وہاں ان کے نزدیک صرف صحابہ سے خطاب ہے' ورنہ بعد کے مسلمانوں کے لئے حضور ﷺ کی سُنّت لازم نہیں ہے' بلکہ صرف قرآن لازم ہے۔ اس بنا پر ہم انہیں گمراہ سمجھتے ہیں۔ تقریباً ۳۰ سال پہلے بنوری ٹاؤن سے ۵۰۰ علماء کا فتویٰ چھپا تھا جس میں غلام احمد پرویز کی تکفیر کی گئی تھی اور اسے غیر مسلم قرار دیا گیا تھا' جو بالکل درست تھا' کیونکہ سُنّت کا اس طرح سے انکار دائرہ اسلام سے خارج دیتا ہے۔ لیکن یہ ان کی شخصیت کا ایک پہلو ہے۔ ان کی شخصیت کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ کٹر مسلم لیگی تھے' ابتدا میں وہ سرکاری ملازم تھے' دہلی سکرٹیریٹ میں کام کرتے تھے اور سکرٹیریٹ کی مسجد میں خطیب تھے۔ پاکستان اور مسلم لگ کے حق میں بڑی تقریریں کرتے تھے' بڑے اچھے انشاء پرداز تھے۔ قائداعظم اور علامہ اقبال دونوں کے انتہائی عاشق تھے اور مرتے دم تک رہے۔ انہوں نے اس جملے کے بارے میں عجیب بات کہی ہے۔ انہوں نے یہ کہا کہ محسوس ایسا ہوتا ہے کہ قائداعظم پر تقسیم ہند کے واقعات کا بہت اثر تھا۔ یعنی جو خون کی ندیاں بہیں اور جو مہاجرین کا سیلاب آیا تھا' دوسری طرف خزانہ خالی تھا (وہ تو سر آدم جی نے قائداعظم کو ایک بلینک چیک دیا جس سے مرکزی ملازمین کی تنخواہیں ادا ہو سکیں) فنڈز انڈیا نے روک لئے تھے' ہمارے ہتھیار بھی انڈیا نے روک لئے تھے۔ وہ تو بعد میں گاندھی نے مرن بھرت رکھوا کر ہمارے فنڈز ریلیز کروائے تھے۔ تو پرویز کا کہنا یہ ہے کہ ان حالات میں قائداعظم

کے اعصاب جواب دے گئے اور اس گھبراہٹ میں اور اس اعصابی کمزوری میں یہ جملہ ان کی زبان سے نکل گیا۔ میں اس سے اختلاف کرتا ہوں۔ میرے نزدیک قائداعظم بہت مضبوط شخصیت کے حامل آہنی اعصاب کے مالک تھے۔

میرے نزدیک ان کے اس جملے کی تاویل یہ ہے کہ ان کا خیال یہ تھا کہ جب ہم نے مسلم اکثریت کا ملک بنالیا تو اب سیکولرازم یا مغربی ڈیموکریسی کے اصول سے بھی یہاں اسلام آسکتا ہے۔ آخر مغربی ڈیموکریسی کا اصول یہی تو ہے کہ جو عوام کی اکثریت چاہے گی وہ قانون بن جائے گا۔ اگر عوام کے ۵۱ فیصد نمائندے کہتے ہیں کہ شراب پر پابندی لگادی جائے تو لگ جائے گی۔ وہی ۵۱ فیصد کہہ دیں کہ ہٹادو تو پابندی ہٹ جائے گی۔ اگر ۵۱ فیصد کہہ دیں کہ زنا پر پابندی ہونی چاہئے تو قانون بن جائے گا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر ہندوستان متحدہ صورت میں آزاد ہوتا تو وہاں اسلامی قانون کے نفاذ کا اور اسلامی نظام کے قیام کا کوئی امکان نہیں تھا کیونکہ وہاں ہندو اکثریت میں تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ قائداعظم اس کا منفی پہلو بھی دیکھ رہے تھے کہ اگر پاکستان نہ بنا تو ہندوستان سے مسلمان اور اسلام کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ میرا بھی خیال ہے کہ اگر ہم نے پاکستان میں اسلام نافذ نہ کیا تو اس خطے میں مسلمانوں کا وجود باقی نہیں رہے گا اور یہ بالکل ایسے ہوگا جیسے ہسپانیہ میں ہو چکا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ہسپانیہ میں بھی ۸۰۰ برس مسلمانوں نے حکومت کی اور یہاں بھی ہندوستان کے اکثر حصے پر مسلمانوں نے ۸۰۰ برس حکومت کی۔ اور آپ کے علم میں ہوگا کہ یہ آر ایس ایس اور بی جے پی کے لوگ ہسپانیہ وفد بھیجتے رہے کہ وہاں جاکر ریسرچ کریں کہ انہوں نے مسلمانوں کو کیسے ختم کیا تھا' مسلمانوں کا نام ونشان کیسے مٹایا تھا' تاکہ ہم بھی یہاں ان کا نام و نشان مٹادیں۔ ان ہندوؤں کے یہ عزائم تھے اور اب بھی ہیں۔

دوسری طرف مثبت طور پر سوچئے کہ اگر ان کے یہ عزائم نہ بھی ہوں تب بھی سیدھی سی بات ہے کہ مسلمان اگر وہاں پارلیمنٹ کے اندر آبھی جائیں تو وہاں اقلیت میں ہوں گے' وہ کوئی اسلامی قانون کیسے بنائیں گے؟ لیکن جب ہم نے ایک ملک بنالیا جہاں

مسلمان واضح اکثریت میں ہیں تو میرا یہ خیال ہے کہ قائداعظم نے یہ خیال کیا کہ ہم نے اس وقت اگر اسلام کا زیادہ ڈھنڈورا پیٹا جبکہ پوری دنیا میں اس وقت سیکولرازم کی رو چل رہی ہے تو عالمی سطح پر ہماری مخالفت ہو گی۔ اور شاید قائداعظم کو یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ اس وقت صیہونیت جس عروج پر آگئی ہے اور اس نے فرنگ کی رگِ جاں اپنے پنجے میں لے لی ہے۔ چنانچہ قائداعظم یہ دیکھ رہے تھے کہ اگر ہم نے اسلام کا زیادہ راگ الاپا تو پوری دنیا ہمارے خلاف متحد ہو جائے گی۔ لہٰذا انہوں نے مصلحت اس میں سمجھی کہ اب چونکہ یہاں اکثریت مسلمانوں کی ہو گی تو سیکولر ڈیموکریسی کے اصول کے تحت بھی اسلام یہاں آ سکتا ہے' کیونکہ جب مسلمان چاہیں گے تو لازماً اسلامی قوانین ہی بنیں گے' جب پارلیمنٹ میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گی تو قرآن و سنت کے مطابق قانون سازی سے کون روک سکتا ہے۔ مغربی جمہوریت کا اصول تو یہی ہے کہ اکثریت ہی حاکم ہو گی اور اکثریت ہی قانون سازی کرے گی۔ اس حوالے سے انہوں نے سمجھا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ اس وقت فوری طور پر اسلام کا ڈھنڈورا نہ پیٹیں بلکہ وہی جو دنیا میں اصول کار فرما ہے اسی کو اختیار کر لیں' اس کے تحت خود بخود اسلام آ جائے گا۔ میں اسے یوں کہتا ہوں "Establishment of Islam through democracy through secularism" قائداعظم کا اندازہ بھی یہی تھا اور آپ کو معلوم ہے کہ یہی ہوا' جب اکثریت نے ۱۹۴۹ء میں مطالبہ کیا تو قراردادِ مقاصد پاس ہو گئی اور اُس دور میں جبکہ پوری دنیا میں سیکولرازم کا ڈنکا بج رہا تھا' پاکستان کی پارلیمنٹ نے زبانِ حال سے گویا یہ اعلان کیا ؎

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری!

وہ بھی عوامی دباؤ ہی تھا جس کے تحت ۱۹۵۶ء کے دستور میں کچھ اسلامی دفعات شامل ہوئیں۔ اسی طرح یہ بات آگے چلتی۔ وہ تو ایوب خان نے اس دستور کا بستر ہی لپیٹ دیا اور از سرِ نو بنیادی جمہوریت کا نظام لے کر آئے۔ ایوب خان تو چاہتا تھا کہ پاکستان کے نام

کے ساتھ بھی اسلام کا لفظ استعمال نہ ہو' یعنی اسلامی جمہوریہ پاکستان نہیں بلکہ صرف جمہوریہ پاکستان' لیکن یہ عوامی دباؤ ہی تھا جس کی وجہ سے باوجود ڈکٹیٹر ہونے کے وہ ایسا نہیں کر سکا۔

البتہ اُس وقت مذہبی جماعتوں سے ایک بہت بڑی بھول ہوئی کہ بجائے اس کے کہ پریشر گروپس کی حیثیت سے ایوب حکومت کو مطالبات کے ذریعے اسلام کی طرف دھکیلتے رہتے' مثلاً مطالبہ کیا جاتا کہ اسلامی قانون بناؤ' دستور میں قرآن و سُنّت کو سپریم لاء قرار دو' لیکن اس کی بجائے انہوں نے الیکشن اور پاور پالیٹکس کے کھیل میں شامل ہو کر اپنی ساری توانائیاں ضائع کر دیں۔ یہ نہ ہوتا اور عوامی مطالبات چلتے رہتے' جیسے مولانا مودودیؒ نے اسلامی دستور کے اصولوں کا مطالبہ کیا تھا کہ اب اسلامی دستور کے اصول طے کر لینے چاہئیں' تو دستور کی گاڑی اسلام کی پٹڑی پر چڑھ جاتی۔ اُس وقت تک چونکہ جماعت اسلامی نے کسی الیکشن میں حصہ نہیں لیا تھا اور وہ معروف معنی میں پولٹیکل پارٹی نہیں تھی' چنانچہ مسلم لیگیوں نے اس کا ساتھ دیا اور جماعت اسلامی کا مطالبہ عوامی مطالبہ بن گیا' بوریاں بھر بھر کر خطوط دستور ساز اسمبلی کے سپیکر کی میز پر رکھے جانے لگے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تو جماعت کے آدمی نہیں تھے' لیکن انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ذریعے قرارداد مقاصد پاس کروانے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ یہ مسئلہ اگر انہی خطوط پر چلتا رہتا تو بہت سارے مطالبات منظور کروائے جا سکتے تھے' لیکن ان جماعتوں کا یہ خیال تھا کہ اگر ہمارے ہاتھ میں حکومت آ گئی تو نظام تعلیم بھی ہمارے ہاتھ میں ہوگا' ذرائع ابلاغ بھی ہمارے ہاتھ میں ہوں گے' پھر ہم قوم کو transform کر لیں گے' قوم کی سوچ اور اس کے اخلاق و کردار کی تعمیر کر لیں گے' لیکن حکومت آج تک ہاتھ نہیں آئی' ۵۴ برس گزر چکے ہیں اور ابھی تک اس کے کوئی آثار بھی نہیں ہیں۔ بہرحال یہ مذہبی جماعتوں کا بہت بڑا blunder تھا۔ اور مولانا مودودیؒ نے جو بہت بڑا سنہری کارنامہ سرانجام دیا تھا یعنی دستور کا مطالبہ لے کر اٹھے' جس کے نتیجے میں قرارداد مقاصد پاس ہوئی' انہی سے یہ ہمالیہ جیسی بڑی غلطی بھی ہو گئی کہ ۱۹۵۱ء میں انہوں نے پنجاب کے الیکشن میں حصہ لیا جس سے

جماعت اسلامی ایک پولٹیکل پارٹی بن گئی۔ اب ظاہر بات ہے کہ مسلم لیگ یا کوئی اور جماعت ان کا ساتھ کیسے دیتی؟ ان کے دیکھا دیکھی دوسرے مذہبی گروپ بھی میدان سیاست میں اتر آئے۔ جمعیت علماء پاکستان نے سمجھا کہ ہم سواد اعظم ہیں' اگر جماعت اسلامی والے اسلام کے نام پر ووٹ مانگ سکتے ہیں تو ہمارا حلقہ تو زیادہ بڑا ہے۔ اسی طرح سب اس پاور پالیٹکس میں آگئے۔ اب وہ سب کے سب اسلام کے نام پر ووٹ مانگنے لگے تو جو اسلامی ذہن رکھنے والے ووٹ تھے وہ تقسیم ہو گئے۔ اس کا فائدہ سیکولر قوتوں کو ہوا اور سیکولر ووٹ کے نتیجے میں جمہوریت آگئی۔

حاصل یہ ہوا کہ میں نے قائداعظم کے اس جملے کی جو توجیہہ آپ کے سامنے بیان کی ہے وہ بھی یہی تھی کہ قائداعظم بظاہر اس سیکولر اور ڈیمو کریٹک اصول کے تحت چاہتے تھے کہ اسلام آجائے' بجائے اس کے کہ ہم اسلام کا ڈھنڈورا پیٹیں۔ اگرچہ مجھے اس سے اختلاف ہے۔ دیکھئے اختلاف ہونا اور بات ہے' قائداعظم کی کسی بات سے ہم اختلاف کر سکتے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے کوئی مسلمان اختلاف کر سکتا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے بھی کوئی مسلمان اختلاف کر سکتا تھا اور انہوں نے کیا۔ قائداعظم تو ظاہر ہے کوئی صحابی نہیں' امام معصوم نہیں' ان سے اختلاف ہم کر سکتے ہیں۔ مجھے اختلاف ہے کہ انہیں یہ نہیں کرنا چاہئے تھا بلکہ پہلے دن سے انہیں اپنے ہاتھ سے اسلامی نظام کی بنیاد رکھ دینی چاہئے تھی۔ بہرحال انہوں نے مصلحت یہ سمجھی کہ جب مسلمان اکثریت میں ہیں' مسلمان چاہیں گے تو یہاں لازماً اسلام آئے گا' انہیں کون روک سکتا ہے۔ یہ میری توجیہہ ہے اس جملے کے متعلق۔ حال ہی میں مجھے ایک برطانوی کا قول ملا ہے کہ جو سو فیصد میری اس توجیہہ کی تائید کر رہا ہے کہ دراصل ۱۹۴۶ء میں تقسیم ہند سے ڈیڑھ سال پہلے برطانوی پارلیمنٹ کا ایک دس رکنی وفد یہاں کے سیاسی حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے ہندوستان آیا کہ کون کون سی جماعتیں ہیں' لوگوں کے موقف کیا ہیں؟ اس وفد کا قائد رابرٹ رچرڈ تھا۔ اس وفد کے ایک رکن مسٹر سورنسن (Sorenson) نے برطانیہ واپس جا کر ایک کتاب لکھی "My Impression in India" اس نے لکھا ہے

۱۰ جنوری ۱۹۴۶ء کو اس کی ملاقات قائداعظم سے ہوئی۔ قائداعظم کے بارے میں اس نے جو الفاظ لکھے ہیں وہ ملاحظہ کیجئے۔ میں حیران رہ گیا کہ میری مذکورہ بالا توجیہہ جو میں نے اپنی "استحکام پاکستان" نامی کتاب میں کی ہے سو فیصد اس کے مطابق ہے۔ سورنسن لکھتا ہے :

*"He (Mr Jinnah) is a sword of Islam resting in a secular scabbard sheath"*

"یہ شخص (محمد علی جناح) اسلام کی تلوار ہے' اگرچہ یہ تلوار جس نیام میں رکھی ہوئی ہے وہ سیکولر ہے"۔ یعنی مزاج' بود و باش' وضع قطع کے اعتبار سے قائداعظم کوئی مولوی نہیں تھے' مغربی تہذیب کا سارہن سہن تھا۔ لیکن اس انگریز مصنف نے دیکھ لیا کہ وہ اسلام کی تلوار تھے۔ میرے نزدیک اس نے واقعتاً حقیقت کو دیکھا ہے۔

## مغرب کا معاشی نظام' قائداعظم کی نظر میں

میں نے آپ کے سامنے مغربی جمہوریت کے بارے میں قائداعظم کے تصورات رکھ دیئے ہیں' اسی طرح میں چاہتا ہوں کہ مغرب کے معاشی نظام کے بارے میں قائداعظم کے خیالات بھی آپ کے سامنے رکھوں۔ اقبال نے بھی مغرب کے معاشی نظام کی دھجیاں بکھیری ہیں۔ اقبال کی عقابی نگاہیں تو یہاں تک پہنچی ہیں کہ وہ کہتے ہیں ؎

ایں بنوک ایں فکر چالاکِ یہود
نورِ حق از سینہ ء آدم ربود

کہ یہ جو بینکنگ سسٹم ہے یہ یہودیوں کے دماغ کی پیداوار ہے۔ ان بینکوں نے آدم کے سینے سے نورِ حق نکال کر پھینک دیا ہے۔ اس کی نورانیت اور روحانیت ختم کر دی ہے۔

تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام
دانش و تہذیب و دیں سودائے خام!

جب تک یہ بینکوں کا نظام تہ و بالا نہیں ہو گا یعنی جب تک اسے ختم نہیں کیا جائے گا' اس کی دھجیاں نہیں بکھیریں جائیں گی' اس وقت تک دانش (Wisdom) تہذیب اور دین

کے اثرات ظاہر ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں۔

اب دیکھئے قائداعظم نے یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو سٹیٹ بینک آف پاکستان کے ایک ریسرچ سیل کے افتتاح کے موقع پر اپنے خطاب میں کیا فرمایا۔ دراصل قائداعظم نے سٹیٹ بینک میں ایک شعبہ قائم کیا تھا تاکہ ریسرچ کی جائے کہ ملک کا معاشی نظام اسلام کی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ اس موقع پر قائداعظم فرمارہے ہیں :

"میں اشتیاق اور دلچسپی سے معلوم کرتا رہوں گا کہ آپ کی مجلس تحقیق بینکاری کے ایسے طریق کیونکر وضع اور اختیار کرتی ہے جو معاشرتی اور اقتصادی زندگی کے اسلامی تصورات کے مطابق ہوں۔ مغرب کے معاشی نظام نے انسانیت کیلئے لاینحل مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ مغربی نظام افراد انسانی کے مابین انصاف کرنے اور بین الاقوامی میدان میں آویزش اور چپقلش دور کرنے میں ناکام رہا ہے۔ اگر ہم نے مغرب کا معاشی نظام اور نظریہ اختیار کیا تو عوام کی پُرسکون خوشحال زندگی حاصل کرنے کے اپنے نصب العین میں ہمیں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ اپنی تقدیر ہمیں اپنے منفرد انداز میں بنانی پڑے گی۔ ہمیں دنیا کے سامنے مثالی معاشی نظام پیش کرنا ہے جو مساوات اور معاشرتی انصاف کے سچے اسلامی اصولوں اور تصورات پر قائم ہو۔ ایسا نظام پیش کر کے گویا ہم مسلمان کی حیثیت میں اپنا فرض سرانجام دیں گے' اور انسانیت کو سچے اور صحیح امن کا پیغام دیں گے۔"

یہ نقشہ قائداعظم کے ذہن میں تھا جس کی بنیاد پر وہ یہاں کا معاشی نظام چاہتے تھے۔ اسی طرح وہ یہاں ڈیموکریسی کا ایسا نظام چاہتے تھے جس کے ذریعے یہاں اسلام کے مکمل کوڈ آف لائف کو قائم کیا جاسکے۔ ۳۷ء سے ۴۷ء تک ان کی ساری جدوجہد کے دوران سوائے اس ایک جملے کے کوئی ایسی بات نہیں ملتی جو سیکولرازم کی حمایت کرتی ہو' لیکن افسوس پہلے اس جملے کو لے کر جسٹس منیر صاحب ناچتے رہے' اب اسی جملے کو لے کر مسٹر کاؤس جی ناچ رہے ہیں۔ ان کے خیالات کو اخبارات میں کوریج دی جارہی ہے اور ایک دانشور ہونے کے ناطے سے "ڈان" جیسا اخبار جو مسلم لیگ کا نقیب تھا' جسے قائداعظم محمد علی جناح نے جاری کیا تھا' اس میں ان کے تصورات کے بالکل منافی تصورات پیش کئے جا

رہے ہیں۔ اصل حقیقت کے اوپر پردے ڈال دیئے گئے ہیں، ملمع چڑھا دیا گیا ہے۔ میں نے آغاز ہی میں سورۃ البقرہ کی اس آیت کا حوالہ دیا تھا : " وَلاَ تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ " آج کی صورت حال میں اس آیت کی تعبیر یہ ہوگی کہ تمہیں معلوم ہے کہ پاکستان کا کیا نظریہ تھا، تم حقیقت کے اوپر جھوٹ کا لباس نہ چڑھاؤ، پردے نہ ڈال دو اور اصل حقیقت کو مت چھپاؤ۔

## وقت کی اہم ضرورت اور ہماری ذمہ داری

آج اس بات کی ضرورت ہے کہ نظریہ پاکستان کے تحفظ کے لئے ایک مہم چلائی جائے، اس کی ایک جدوجہد ہو، اس کے لئے لوگ وقت نکالیں، پیسے خرچ کریں۔ ورنہ اگر ہمارا نظریہ ہم سے چھن گیا تو جان لیجئے پاکستان کی وجہ جواز کیا رہ جائے گی؟ پاکستان کی واحد وجہ جواز اسلام ہے۔ اس سے ہم نے پیٹھ دکھادی تو ایک حصہ تو ہم سے پہلے ہی علیحدہ ہو گیا تھا، اب پتا نہیں اس کے کتنے حصے اور ہوں گے اور ع "اڑائے کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے" کے مصداق اللہ نہ کرے کہ کوئی سندھو دیش، کوئی پختونستان، کوئی کراچی کے اندر لیاقت پور قائم ہو جائے۔ لیکن اگر یہاں اسلام نہ آیا، جیسے قائداعظم نے کہا تھا کہ اگر پاکستان نہ بنا تو ہندوستان کی سرزمین سے اسلام اور مسلمانوں کا نام ونشان مٹا دیا جائے گا، اسی طرح جان لیجئے میں دعوے سے کہہ رہا ہوں کہ اگر یہاں اسلام نہ آیا اور قائداعظم اور علامہ اقبال کے نظریات کے مطابق یہاں حریت و اخوت و مساوات کے اصولوں پر مبنی خلافت راشدہ کا نظام قائم نہ ہوا تو یہ ملک باقی نہ رہ سکے گا۔

اسلام کے عادلانہ نظام کے اصولوں کے بارے میں قائداعظم کے یہ الفاظ آپ نے ملاحظہ کئے :

*"Liberty, equality, fraternity, freedom and justice"*

اسلام کے ان اصولوں کے ضمن میں میں نے اپنی سیرت کی تقاریر میں بارہا ایچ جی ویلز کا حوالہ دیا ہے۔ ایچ جی ویلز جیسا شاتم رسول جس نے حضور ﷺ کی ذات گرامی پر

اس طرح کے رکیک حملے کئے ہیں جیسے سلمان رشدی نے کئے ہیں' لیکن وہ بھی ایک وقت پر آ کر گویا گھٹنے ٹیک کر آپ ﷺ کی تعریف کرنے پر مجبور ہے۔ اس نے اپنی کتاب "A Concise History of the World" میں خطبہ حجتہ الوداع کا کافی بڑا حصہ نقل کیا ہے اور اس کے بعد وہ لکھتا ہے :

> *"Although the sermons of human fraternity, freedom and equality were said before also. We find a lot of such sermons in Jesus of Nazarat, but it must be admitted that it was Muhammad (P.B.U.H) who for the first time in history established a society based on these principles.*

یعنی اگرچہ انسانی اخوت' حریت اور مساوات کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کہے گئے ہیں اور مسیح ناصریؑ کے ہاں بھی ایسے بہت سے وعظ ملتے ہیں' لیکن یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ یہ کارنامہ محمد (ﷺ) کا ہے کہ آپؐ نے تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ ان اصولوں پر مبنی ایک معاشرہ قائم کر کے دکھایا ہے۔ اس نے گویا گھٹنے ٹیک کر یہ خراج تحسین ادا کیا ہے۔ البتہ میں یہ نوٹ کرا دیا کرتا ہوں کہ اب جو کتاب دستیاب ہے اس میں نئے مرتبین نے edit کرتے ہوئے یہ جملہ نکال دیا ہے۔ ان کے حلق سے یہ کڑوی گولی نہیں اتری کہ ایچ جی ویلز نے اچھی اور سچی بات کیسے کہہ دی۔ آپ کو پنجاب یونیورسٹی لائبریری یا پنجاب پبلک لائبریری میں پرانے ایڈیشنوں میں یہ الفاظ مل جائیں گے۔

آج کا ہمارا تحریک خلافت کا جلسہ منعقد کرنا ایک کوشش ہے کہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کیا جائے۔ از روئے الفاظ قرآنی ﴿ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ "کہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کیا جائے چاہے یہ مجرموں کو کتنا ہی ناگوار ہو"۔ آج مجرم وہ ہیں جو اسلام کے عادلانہ نظام کے بجائے سیکولرازم چاہتے ہیں۔ قادیانی سیکولرازم چاہتے ہیں' عیسائی' پارسی اور ہندو سیکولرازم چاہتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ یہاں اسلام کا نظام آئے۔ یہودی نہیں چاہتے' امریکہ نہیں چاہتا۔ پوری دنیا میں اسلامی بنیاد پرستی کا خوف ہے اور پاکستان سے بھی انہیں یہ خوف لاحق ہے۔ اگرچہ انہیں معلوم ہے کہ حکومتیں تو یہاں سیکولر قسم کی رہی ہیں' لیکن یہاں کے عوام کے اندر بنیاد پرستی کے

"جراثیم" موجود ہیں اور کسی بھی وقت یہ لاوا پھٹ سکتا ہے۔ لہٰذا وہ تو نہیں چاہتے' لیکن ہمیں تو حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کرنا ہے' چاہے یہ مجرموں کو کتنا ہی ناپسند ہو۔ میں یہ چاہوں گا کہ اس تحریک میں آپ بھی حصہ لیں اور اس خطاب کے ویڈیو اور آڈیو کیسٹ کثیر تعداد میں لوگوں تک پہنچائیں۔ اپنے طور پر اجتماع منعقد کیجئے' لوگوں کو بلایئے' کھانا کھلایئے' چائے پلایئے اور ویڈیو کیسٹ دکھایئے۔ حضور ﷺ نے جب پہلی مرتبہ دعوت دی تھی تو دو مرتبہ بنوہاشم کے لوگوں کو کھانا کھلایا تھا۔

دوسرے یہ کہ تحریک خلافت' جس کے تحت یہ جلسہ ہوا ہے یہ تحریک خلافت ہم نے قائم کی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ تحریک پاکستان کو جو جماعت لے کر چل رہی تھی اس کا نام مسلم لیگ تھا۔ اس حوالے سے نظام خلافت کے قیام کے لئے جو جماعت میں نے قائم کی ہے وہ تنظیم اسلامی ہے۔ لیکن تنظیم اسلامی کے نظم کی بنیاد بیعت سمع و طاعت فی المعروف ہے اور یہ معاملہ لوگوں پر ذرا کٹھن گزرتا ہے۔ اس کے لئے آدمی بہت سوچ سمجھ کر ہی قدم اٹھاتا ہے۔ اس لئے بھی کہ اس ضمن میں لوگ بہت سے مغالطوں کا شکار ہیں' ان پر میں اس وقت گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن جماعت سازی کی جو منصوص' ماثور اور مسنون بنیاد ہے وہ بیعت ہے اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ہم نے اس تحریک خلافت کا آغاز کیا ہے۔ آپ اس میں شمولیت اختیار کریں اور اس راہ میں انفاق کریں۔ ہمیں پبلک کو ایجوکیٹ کرنا ہے اور اب جو یہ ایسے مغالطے پیدا کئے جائیں گے تو انہیں رفع کرنا ہے' اور مثبت طور پر لوگوں کو بتانا ہے کہ نظام خلافت کیا ہے۔ اس ضمن میں میں نے پانچ "خطبات خلافت" دیئے تھے' جو اب ایک کتاب کی شکل میں مطبوعہ موجود ہیں۔ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ عام کیجئے' میری آج کی تقریر کے حوالے سے کتاب "استحکام پاکستان" کو عام کیجئے۔ اس کے لئے اول تو آپ تنظیم اسلامی میں شامل ہوں' جس کی بنیاد بیعت سمع و طاعت فی المعروف ہے۔ یعنی شریعت کے دائرے کے اندر اندر جو حکم میں دوں گا ماننا پڑے گا' اس کا عہد کرنے والا آدمی تنظیم اسلامی میں آسکتا ہے۔ لیکن آپ اگر ابھی اس کے لئے ذہناً تیار نہیں ہیں تو تحریک خلافت کا فارم پُر کیجئے۔ ایک کاڈر اس کے محسنین کا ہے جو ۵۰۰ روپے ماہانہ ادا کرتے ہیں۔ اور ایک اس کے عام ارکان ہیں جو ۱۰۰ روپے ماہانہ ادا کرتے ہیں۔ اس تحریک میں زیادہ سے

زیادہ تعداد میں شامل ہوں تاکہ اس کے جمع ہونے والے فنڈ سے ہم خلافت کی برکات بھی لوگوں میں عام کریں' خلافت کو قائم کرنے کا طریقہ کار بھی بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ خلافت کی اصل حقیقت کیا ہے اور حضور ﷺ پر ختم نبوت کے بعد خلافت کی نوعیت میں کیا تبدیلی آئی ہے' عصر حاضر میں اب جو خلافت قائم ہو گی اس میں خلافت راشدہ سے کوئی فرق ہو گا یا نہیں ہو گا؟ چودہ سو برس بیت گئے ہیں' بہت سا پانی وقت کے دریا میں بہہ گیا ہے' لہٰذا اس کے نقشے کے اندر کیا تبدیلی آئے گی۔ یہ ساری چیزیں ہمیں عام کرنی ہیں اور اس کے لئے یہ تحریک خلافت ہے۔

تحریک خلافت کے زیر اہتمام ہم نے بہت سی مطبوعات بھی شائع کی ہیں۔ "نوید خلافت" کے نام سے ہمارا ایک پمفلٹ ہے جو میں ایک لاکھ سے زیادہ شائع کر چکا ہوں' جس میں احادیث کی روشنی میں خبر دی گئی ہے کہ پوری دنیا میں قیامت سے قبل نظام خلافت راشدہ (خلافت علیٰ منہاج النبوہ) قائم ہو گا اور یہ کہ اس کا نقطۂ آغاز یہی خطہ ہے جس میں مجھے اور آپ کو اللہ نے پہنچایا ہے۔ یہ ہمارے لئے بہت بڑا موقع ہے۔ ہم کبھی کبھی سوچا کرتے ہیں کہ کاش ہم حضور ﷺ کے زمانے میں پیدا ہوئے ہوتے تو ہمیں صحابی ہونے کا شرف حاصل ہو جاتا۔ لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی مثال بارش کی سی ہے' جس کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا پچھلا حصہ زیادہ بہتر ہوتا ہے یا پہلا' یعنی میری امت کا آخری حصہ بھی بہت بلند مقام کا حامل ہو گا۔ اس لئے کہ اس کے دور میں پھر پوری دنیا میں خلافت کا نظام قائم ہو گا۔ تو اب ہمارے لئے موقع ہے کہ اس کے لئے جدوجہد کریں۔ ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ یعنی ہم طے کر لیں کہ جیسے میری نماز اور میری قربانی اللہ کے لئے ہے ایسے ہی میرا جینا اور مرنا بھی اللہ ہی کے لئے ہے۔ اللہ میری اس محنت کو قبول فرمالے اور آپ نے بھی یہاں جو وقت لگایا ہے' جو مشقت جھیلی ہے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور آپ کو اس تحریک خلافت کا متحرک کارکن بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

# توحیدِ عملی

## کا فریضہ اقامتِ دین سے ربط و تعلق

### سورۃ الشوریٰ ۱۳ تا ۲۱ کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

مرتب : شیخ جمیل الرحمٰن مرحوم

(چوتھی قسط)

## دین اللہ کا قیام مشرکین پر بھاری ہوتا ہے

### نزول قرآن کا پس منظر اور تاویل خاص

اولاً قرآن مجید ایک خاص دور (۶۱۰ عیسوی سے لے کر ۶۳۲ عیسوی تک) جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ دوسرے یہ کہ ایک خاص ملک یعنی عرب میں پورا کا پورا قرآن نازل ہوا۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کے اوّلین مخاطب محمد رسول اللہ ﷺ' پھر آنحضورؐ کے توسط سے اوّلین مخاطب وہی لوگ تھے جو عرب میں آباد تھے۔ لہٰذا قرآن حکیم کی ایک تفسیر اس انداز میں کریں گے کہ جب فلاں آیت یا فلاں سورت نازل ہوئی تو اس خاص پس منظر (Immediate Spectacle) میں اس کا کیا مفہوم سمجھا گیا؟ ہمیں اس آیت یا آیات یا سورت کو اس خاص پس منظر میں رکھ کر غور کرنا ہوگا کہ یہ کب نازل ہوئی! کس مرحلہ پر نازل ہوئی! اُس وقت اس کا مفہوم کیا سامنے آیا! اس پر کیا عمل ہوا! یہ ہوگی تاویل خاص۔

### تاویل عام

لیکن قرآن حکیم صرف اس دور کے لئے نازل نہیں ہوا' بلکہ ابدالآباد تک کے لئے

ہدایت و رہنمائی ہے۔ صرف عربوں کے لئے نہیں پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے۔ هُدًى لِلنَّاسِ ہے۔ لہٰذا دوسری تاویل ہوگی تاویلِ عام ــــــ جس کے لئے مفسرین کا اصول یہ ہے کہ الاعتبار لعموم اللفظ لا لخصوص السبب۔ خاص حالات جن میں آیتیں یا سورتیں نازل ہوئیں' ان کو سامنے رکھ کر نہیں' بلکہ الفاظ کو دیکھ کر اُن کے عموم سے جو مطلب اخذ کیا جائے گا وہ قرآن مجید کا ابدی مفہوم و مطلب ہوگا۔ لیکن اس تاویلِ عام کے لئے ضروری ہے کہ انسان تاویلِ خاص کو سمجھ لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عام تاویل میں قرآن کے منشاء سے بہت دور چلا جائے۔ اس کا امکان ہے اور غالب امکان ہے۔ لہٰذا پہلے تاویلِ خاص کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔ پھر یہ کہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اس سے جو عام اصول نکل رہے ہوں یا استنباط کئے جا سکتے ہیں تو ان کو پلے باندھ لینا چاہئے کہ یہ ہے قرآن مجید کی ابدی رہنمائی ــــــ یہ ربط و تعلق ہے تاویلِ خاص اور تاویلِ عام کا۔

اب تاویلِ خاص کے اعتبار سے اس پس منظر کو دیکھئے کہ جب یہ آیت نازل ہو رہی ہے کہ اے محمد (ﷺ) کے مخاطبو! جن تک حضور ﷺ دعوتِ توحید پہنچا رہے ہیں' یا اے محمد ﷺ کے نام لیواؤ! جنہوں نے اس دعوتِ توحید پر لبیک کہا ہے' اسے قبول کر لیا ہے' "تمہارے لئے ہم نے وہی دین مقرر کیا ہے جو حضرت نوح کو دیا' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ کو دیا (علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام) اور جو اب ہم نے وحی کیا ہے محمد (ﷺ) کی جانب۔ اور تمہارا فرض کیا ہے؟" "یہ کہ اس دین کو قائم کرو اور اس کے بارے میں تفرقہ میں نہ پڑو" ــــــ اب سمجھئے کہ کون کون لوگ اُس وقت عرب میں تھے جو نبی اکرم ﷺ کے مخاطبین تھے۔

## اوّلین مخاطب مشرکین عرب

سب سے پہلے مخاطب تو مشرکین عرب تھے جو ہدایتِ ربانی سے بہت دور جا چکے تھے۔ ان کے پاس کوئی آسمانی ہدایت یا کوئی آسمانی کتاب موجود نہیں تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اکثر و بیشتر عرب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ یہ عرب مستعربہ کہلاتے ہیں۔ ان میں کچھ عرب عاربہ ہیں' یعنی اصل عرب کے پرانے رہنے والے۔ اس لئے کہ حضرت

اسمٰعیل علیہ السلام تو اصل عرب کے رہنے والے نہیں تھے۔ وہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے ہیں جن کا اصل وطن تو عراق تھا۔ جنہوں نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو عرب میں آباد کیا تھا۔ بمصداقِ آیت قرآنی : ﴿ رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ...... ﴾ (ابراہیم : ۳۷) لہٰذا خود حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور اُن کی ذریت عرب مستعربہ کہلاتی ہے۔ یعنی عرب بن گئے ہیں' اصل عرب نہیں ہیں۔ یمن وغیرہ سے جو قبائل نکلے وہ اصل عرب ہیں۔ مدینہ میں اوس و خزرج کے دونوں قبیلے اصلاً یمنی تھے جو وہاں آ کر آباد ہوئے۔ ان کا تعلق عرب عاربہ سے تھا۔ ایک تو یہ قبائل ہیں۔ لیکن ان پر اور عرب کے تمام قدیم قبائل پر حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کا اتنا اثر ہوا کہ ان سب لوگوں نے اپنے آپ کو دین ابراہیمی پر ہی قرار دے دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک لقب حنیف بھی تھا۔ قرآن میں بھی آنجناب ؑ کے ساتھ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا تمام عرب خود کو ملت حنیفی پر عمل پیرا قرار دیتے تھے اور بنی اسمٰعیل کہلاتے تھے۔ پھر یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس نسل میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد نبی کوئی نہیں آیا' قریباً ڈھائی ہزار برس کے دوران کوئی نبی نہیں' کوئی رسول نہیں' کوئی کتاب نہیں۔ جبکہ آپ ؑ کی دوسری نسل میں نبی آئے' رسول آئے' کتابیں نازل ہوئیں' ہدایت الٰہی کا سلسلہ جاری رہا' جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام سے چلی اور جو فلسطین کے علاقے میں آباد ہوئی۔ حضرت اسحٰق نبی ہیں' ان کے بعد اُن کے بیٹے حضرت یعقوب نبی ہیں' ان کے بارہ بیٹوں میں سے حضرت یوسف نبی ہیں' علیہم السلام چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا لہٰذا اب یہ بنی اسرائیل کہلائے۔ اب نبوت و رسالت کا سلسلہ اسی نسل میں چلتا رہا۔ ان ہی میں حضرت موسیٰ ہیں' حضرت داؤد ہیں' حضرت سلیمان ہیں' علیہم السلام۔ ان ہی میں سے حضرت عزیر ہیں' حضرت زکریا ہیں' حضرت یحییٰ ہیں اور بے شمار نبیوں کا سلسلہ ہے جن کا ذکر تورات میں ہے۔ علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام ــــــ اور اس سلسلہ کے آخری نبی و رسول ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کو روح اللہ بھی کہا جاتا ہے۔

بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے موقع پر عرب میں عربوں کے یہ دو گروہ

عرب مستعربہ اور عرب عاربہ موجود تھے جو اپنے آپ کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ وہ دین اور توحید سے بہت دُور جا چکے تھے۔ کہنے کو وہ کہتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیرو کار ہیں' لیکن بدترین شرک میں مبتلا تھے۔ بت پرستی' ستارہ پرستی اُن کے یہاں ہو رہی تھی' فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا ہوا تھا' توحید کی کوئی رمق اُن میں باقی نہیں تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حج کے جو مناسک اُن کے یہاں چھوڑ گئے تھے اُن میں بھی ردوبدل کر لیا تھا۔ مادر زاد برہنہ ہو کر طواف کرنے کو بڑی نیکی کا کام سمجھ رہے تھے۔ نہ معلوم ان کے یہاں اور کیا کیا خرافات آ گئی تھیں! عربوں کے یہ دو گروہ ہیں جن کو قرآن مجید کہتا ہے اُمِّیِّین اور مشرکین۔

## دوسرے مخاطبین : اہلِ کتاب

دوسرا گروہ جو قرآن حکیم کا مخاطب تھا وہ نسل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام سے چلی تھی جن کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے۔ یہ بھی آگے چل کر دو حصّوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک وہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے نبیوں کو تو مانتے تھے' لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتے تھے۔ یہ یہود کہلائے۔ دوسرے وہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان رکھتے تھے کہ آنجناب اللہ کے نبی و رسول تھے' البتہ ان کی اکثریت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بھی قرار دے رکھا تھا' وہ نصاریٰ (عیسائی) کہلائی ـــــ یہ دونوں گروہ بھی عرب میں آباد تھے۔ یہود کے مدینہ میں تین قبیلے تھے۔ خیبر میں اِن یہود کا بہت بڑا گڑھ تھا' جبکہ نجران میں نصاریٰ آباد تھے۔

لہٰذا بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے وقت عرب میں دو جماعتیں تھیں۔ ایک تو وہ جو دین سے بہت بعید تھی' جاہل تھی' ان کے پاس نہ شریعت تھی' نہ کوئی آسمانی کتاب اور یہ بدترین شرک میں مبتلا تھی۔ دوسری جماعت وہ تھی جن کے پاس آسمانی کتاب بھی تھی اگرچہ وہ کافی حد تک محرف ہو چکی تھی اور شریعت بھی تھی۔ ان کے یہاں علماء تھے' فضلاء تھے' مفتی تھے' قاضی تھے۔ ان کا سارے کا سارا نظام برقرار تھا۔ اسی طرح نصاریٰ تورات کو بھی مانتے تھے اور ان کے پاس انجیل بھی تھی گو اُس میں بھی کافی

تحریف ہو چکی تھی۔ ان کے یہاں بھی بڑے بڑے علماء تھے' احبار بھی تھے اور رہبان بھی۔ ان دونوں طبقوں کو ذہن میں رکھیے۔ اب اس پس منظر میں دعوتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے اسے سمجھئے!

## دعوتِ محمدیؐ کی مخالفت

نبی اکرم ﷺ نے جب دعوت شروع کی اور آپؐ نے دیکھا کہ لوگ اس مطابقِ فطرت دعوت کو قبول نہیں کر رہے' ایمان نہیں لا رہے' مخالفت ہو رہی ہے' کشمکش ہو رہی ہے' مٹھی بھر جو سعید روحیں ایمان لے آئی ہیں اُن پر تشدد ہو رہا ہے' ان کو شدید ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے' حالانکہ اسی مکہ کے رہنے والے اجرائے وحی اور آغازِ دعوتِ توحید سے قبل آنحضور ﷺ سے انتہائی مَحبّت کرتے تھے اور آپؐ کو الصادق اور الامین کے القابات سے پکارتے تھے' وہ تو آپؐ کے قدموں تلے اپنی آنکھیں بچھاتے تھے۔ لیکن ہوا یہ کہ جب آنحضور ﷺ نے دعوتِ توحید شروع کی تو وہی مکّہ والے جو جان چھڑکتے تھے' اب وہی خون کے پیاسے ہو گئے۔

## بنو ہاشم کی حمایت

ابو طالب کو نبی اکرم ﷺ سے نہایت مَحبّت تھی' طبعی اور قلبی مَحبّت۔ وہ اگرچہ ایمان نہیں لائے تھے لیکن اس مَحبّت کی وجہ سے آنحضور ﷺ کو ان کی حمایت حاصل تھی۔ ابو طالب چونکہ بنو ہاشم کے قبیلہ کے سردار تھے لہٰذا قبائلی دستور کے مطابق پورا قبیلہ سردار کے ساتھ تھا۔ چنانچہ بنو ہاشم کی حمایت حضور ﷺ کو حاصل تھی جو قریش کا سب سے بااثر قبیلہ تھا۔ اس لئے قریش کو نبی اکرم ﷺ کے خلاف کوئی براہِ راست اقدام کی جرأت نہیں ہوئی۔ قریش جانتے تھے کہ اگر ہم نے محمد (ﷺ) کو نقصان پہنچایا تو اس نظام کے تحت بنو ہاشم کا پورا قبیلہ خون کا بدلہ لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہو گا' چاہے وہ قبیلہ ایمان نہ لایا ہو گا۔ اس طرح ایک خون ریز خانہ جنگی شروع ہو جائے گی جس کا وہ تحمل نہیں کر سکتے۔ پورے عرب میں ان کا رعب اور دبدبہ قریش کے تمام قبیلوں کے متحد ہونے کے سبب سے تھا۔ آپس کی جنگ ان کے لئے بڑی نازک صورت حال پیدا کر دیتی۔ قریش کو

اندیشہ تھا کہ اگر ہمارے مابین تفرقہ ہو گیا تو ہماری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اس لئے وہ آنحضور ﷺ کے خون کے پیاسے ہونے کے باوجود آپ کی جان لینے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے ' لیکن مخالفت شدید تھی اور طرح طرح سے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو تکلیفیں پہنچانے کا سلسلہ جاری تھا۔

## اہل کتاب کی مخالفت

دوسری طرف دعوتِ توحید قبول کرنے کی توقع اہل کتاب سے ہو سکتی تھی کہ چلو قریش تو جاہل ہیں ' ان کے پاس کتاب نہیں ' شریعت نہیں ' وحی کا نور نہیں ' لیکن اہل کتاب تو وہ لوگ ہیں جن کے پاس کتاب بھی ہے ' شریعت بھی ہے ' دین کا علم بھی ہے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو نبی آخر الزمان ﷺ کے منتظر تھے ' ان کی بعثت کے لئے دعائیں مانگا کرتے تھے کہ اللہ! تیرے آخری نبی کے ظہور کا وقت کب آئے گا۔ یہود کی جب اصل عربوں سے لڑائی ہوتی تھی تو وہ مار کھاتے تھے ' پٹتے تھے۔ جیسے آپ کو معلوم ہے کہ سرمایہ دار تو مار کھاتا ہے ' جس طرح ہندوستان میں مسلمان چاہے تھوڑے ہوتے تھے ' اقلیت میں ہوتے تھے ' لیکن جب فساد ہوتا تھا تو بنیا مار کھاتا تھا۔ یہی معاملہ یہودیوں کا ہوتا تھا ' وہ طبعی طور پر بزدل تھے لہٰذا وہ مار کھاتے تھے۔ لیکن جب وہ پٹتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ ٹھیک ہے ' اس وقت تو ہم تم سے پٹ گئے ہیں ' لیکن آخری نبی کے ظہور کا وقت قریب ہے ' جب ہم ان کی زیر قیادت تم سے جنگ کریں گے تو تم ہم پر غالب نہیں آسکو گے ـــــ یثرب میں رہنے والے اوس و خزرج کے عرب قبائل کو بھی یہودی دھمکیاں دیا کرتے تھے ـــــ یہود کی یہی دھمکیاں (جس کو Irony of Fate کہیں گے) مدینہ والوں کے ایمان لانے میں سبقت کا ذریعہ بن گئیں۔ انہوں نے سن رکھا تھا کہ ہمارے یہاں یہود کے بڑے بڑی علماء ہیں ' وہ یہ کہا کرتے ہیں کہ آخری نبی کے ظہور کا وقت ہے۔ لہٰذا جیسے ہی رات کی تاریکی میں مکہ کی وادی عقبہ میں مدینے سے آئے ہوئے چھ اشخاص کی نبی اکرم ﷺ سے ملاقات ہوئی جہاں آپ تبلیغ کے لئے گشت فرما رہے تھے ' تو آپ نے ان کے سامنے توحید پیش فرمائی ' ان لوگوں نے ایک دوسرے کو کنکھیوں سے دیکھا کہ ہو نہ ہو یہ

وہی نبی ہیں جن کی بعثت کا یہود ذکر کیا کرتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے طے کیا کہ ہم سبقت کر کے آپؐ کے ہاتھ پر ایمان لے آئیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہودی سبقت کر جائیں۔ یہود کی دی ہوئی خبروں کے ذریعہ سے ان چھ حضرات کو تو ہدایت حاصل ہو گئی اور یہ ایمان لے آئے۔ لیکن یہود کے علماء کا حال وہ رہا جس کے متعلق قرآن مجید کہتا ہے : ﴿یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ﴾ یہ اگرچہ محمد (ﷺ) کو اور قرآن مجید کو اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، لیکن اس کے باوجود آنحضور ﷺ کی دشمنی میں یہود سب سے آگے بڑھ گئے ـــــ وجہ یہ تھی کہ ان کا خیال تھا کہ نبی آخرالزمان بنی اسرائیل میں سے مبعوث ہوں گے۔ اس لئے کہ ڈھائی ہزار برس سے نبوت ہمارے ہاں چلی آ رہی ہے، یہ تار کبھی ٹوٹا ہی نہیں۔ لیکن ان کی توقع کے خلاف خاتم النبیین و المرسلین کا ظہور بنی اسمٰعیل میں ہو گیا۔ یہ بات ان کے لئے بہت بڑی آزمائش بن گئی کہ ہم بنی اسمٰعیل کے ایک فرد کے آگے کیسے جھک جائیں! وہ تو اُمی قوم ہے، اَن پڑھ قوم ہے، ان میں دین نہیں، ان کے پاس کوئی علم نہیں، کہیں سے فارغ التحصیل نہیں، ان کے پاس کسی دارالعلوم کی سند نہیں، ان کے پاس کسی صاحبِ علم کی جانب سے کوئی Testimonial نہیں ہم ان کو نبی کیسے مان لیں! ہم تو پھر بہت گھٹیا ہو جائیں گے، ہماری علمیت، ہماری سیادت، ہماری قیادت ختم ہو جائے گی۔ ان کا یہ استکبار اور پندار اُن کے قبولِ حق کی راہ میں آڑے آگیا۔

## نبی اکرم ﷺ کی تشویش

اس پس منظر میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی دعوت کے نتیجے کو دیکھ کر کچھ تشویش میں ہیں کہ لوگ کیوں ایمان نہیں لا رہے! آخر انہیں کیا ہو گیا ہے! میری دعوت کتنی صاف اور سادہ ہے، کتنی مطابق فطرت ہے، انسان کی فطرت کی بدیہیات کو اپیل کرنے والی ہے ـــــ! پھر کیا وجہ ہے کہ لوگ ایمان نہیں لا رہے؟ اس پس منظر کو پیش نظر رکھئے اور اگلے حصے کو پڑھئے۔ فرمایا :

﴿كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ﴾ (الشوریٰ : ۱۳)

"اے محمد (ﷺ) بہت بھاری ہے مشرکین پر وہ چیز جس کی طرف آپؐ انہیں بلا رہے ہیں دعوت دے رہے ہیں۔"

آپ اسے سادہ بات سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ دعوت توحید ان کے رائج نظام کو درہم برہم اور تلپٹ کر دینے والی ہے' کیونکہ ان کا پورا نظام شرک پر قائم ہے' ان کے مفادات اس کے ساتھ وابستہ ہیں' ان کی چودھراہٹیں اسی مشرکانہ نظام کی رہین منت ہیں۔

## مشرکانہ نظام سے وابستہ مفادات

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ دعوتِ توحید ہزار مطابق فطرت ہو' لیکن اس کے جو لوازم' مقتضیات اور متضمنات ہیں ان کو وہ لوگ خوب سمجھتے ہیں جو مشرکانہ نظام میں قیادت و سیاست کے مناصب پر فائز ہوتے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ اس دعوت توحید کی ان کے مفادات پر کہاں کہاں ضرب پڑتی ہے! دیکھئے اگر کسی بُت کا استھان ہے اور لوگ وہاں آکر چڑھاوے چڑھاتے ہیں تو کیا وہ بُت کے پیٹ میں جاتے ہیں؟ وہ تو مجاوروں کے پیٹوں میں جاتے ہیں۔ وہاں کے جو پجاری اور Priests ہیں سارے چڑھاوے تو اُن کو مل رہے ہیں۔ کہنے کو وہ بُت پر چڑھاوا ہے۔ اسی طور پر جو چڑھاوے قبروں پر چڑھائے جاتے ہیں' ان کے متعلق آپ نے کبھی سوچا کہ وہ کہاں جاتے ہیں؟ وہ سب مجاوروں اور گدی نشینوں کے پاس جاتے ہیں۔ وہ تو جب سے محکمہ اوقاف قائم ہوا ہے تو ایسی درگاہوں پر مقفل صندوق رکھ دیئے گئے ہیں کہ نقد نذر و نیاز اُن میں ڈالی جائے۔ لیکن شاید آپ کو معلوم ہو کہ جب محکمہ اوقاف کا نظام زیر ترتیب تھا اسی دوران بڑی بڑی درگاہوں کے جو حضرات پشتی سجادہ نشین تھے' وہ ان زمینوں کو جو درگاہوں اور مقبروں کے نام وقف تھیں' اپنے ناموں پر منتقل کرا چکے تھے۔ گویا اصل دولت تو محکمہ اوقاف کے سرگرم عمل ہونے سے قبل ہی وہاں سے جا چکی تھی۔ یہ بڑے بڑے پیر جو بڑے بڑے زمیندار اور وڈیرے بنے نظر آتے ہیں' وہ کہاں سے بنے ہیں؟ انہی زمینوں کی بدولت بنے ہیں جو اُن مقبروں اور درگاہوں کے نام وقف کی گئی تھیں اور اب وہ ان کی ذاتی ملکیت بنی ہوئی ہیں ـــــ پس معلوم ہوا کہ شرک کا پورا نظام ہوتا ہی ہے مفادات کا ـــــ اس نظام میں تو صرف اوپر کی دکھاوے کی چیزیں ہوتی ہیں کہ یہ منادر و مقابر ہیں ـــــ یہ دیوتا اور دیویوں کے بُت ہیں' یہ اولیاء اللہ کی قبور ہیں۔ اصل مقصد تو

ان ناموں' ان استھانوں اور ان درگاہوں کی آڑ میں قیادت و سیادت اور حصول دولت ہوتا ہے۔ سومنات کے مندر کے اندر جو دولت تھی وہ کس کی ملکیت تھی؟ وہاں کے پجاریوں کی ملکیت تھی! لہٰذا مشرکین کبھی برداشت نہیں کرسکتے تھے کہ نظامِ توحید قائم و نافذ ہو۔

آیت کے اس حصّہ کے بین السطور نبی اکرم ﷺ کو تسلی و تشفی دی جارہی ہے کہ اے نبی (ﷺ)! ٹھیک ہے کہ آپؐ جو دعوت دے رہے ہیں وہ فطرت کے مطابق اور بالکل سیدھی بات ہے ـــــ توحید سے بڑھ کر سیدھی بات اور کونسی ہوگی! توحید کے سوا مطابق فطرت بات کون سی ہوگی! توحید سے بڑھ کر مطابق عقل بات کون سی ہوگی! لیکن کسی بات کا مطابق فطرت و عقل ہونا اس کے قابل قبول ہونے کے لئے کافی نہیں۔ یہاں تو مسئلہ آتا ہے مفادات کا' چودھراہٹ کا' اس بات کا کہ مسند اور سجادہ محفوظ رہتا ہے کہ نہیں! وجاہت اور قیادت پر تو آنچ نہیں آرہی! اور ظاہر بات ہے کہ دعوتِ توحید ان تمام بتوں کو' خواہ وہ مٹی اور پتھر کے ہوں' خواہ مفادات' قیادت' سیادت کے ہوں توڑ پھوڑ کر اور ملیامیٹ کرکے رکھ دیتی ہے۔ لہٰذا مشرکین پر یہ دعوت بہت بھاری ہے۔ یہ اُسے آسانی سے ہرگز برداشت نہیں کرسکتے۔ لہٰذا فرمایا :

﴿ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ﴾ (الشوریٰ ۱۳)

"مشرکین پر یہ چیز بہت بھاری ہے جس کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں۔"

## اضطراب کا فطری سبب

ایک کریم اور شریف النفس انسان جبکہ رسالت کی ذمہ داری بھی اس کے سپرد ہو' یہ سوچتا ہے کہ کہیں میرے اندر تو کوئی نقص نہیں! لوگ جو ایمان نہیں لا رہے تو میری کوشش میں تو کوئی کمی نہیں! میری محنت میں تو کوئی کوتاہی نہیں! دعوت دینے کے میرے انداز میں تو کوئی خامی نہیں! انبیاء و رُسل علیہم السلام تو اس بارے میں بے نہایت تشویش میں مبتلا ہوتے ہیں کیونکہ اُن کو یہ ضابطہ الٰہی معلوم ہوتا ہے کہ : ﴿ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾ (الاعراف : ٦) "پس یہ لازماً ہو کر رہنا ہے کہ ہم ان

لوگوں سے بازپرس کریں گے کہ جن کی طرف ہم نے رسول بھیجے ہیں اور رسولوں سے بھی پوچھیں گے۔" یعنی یہ کہ انہوں نے رسالت کے فرضِ منصبی کو کہاں تک اور کس طرح انجام دیا؟ لہٰذا حضور ﷺ کو یہ تشویش ہوتی تھی کہ کہیں میری کوئی کوتاہی نہ ہو جس کے باعث مجھے اللہ کے ہاں جواب دہی کرنی پڑ جائے۔

## نبی اکرم ﷺ کی دلجوئی

قرآن مجید میں بار بار نبی اکرم ﷺ کو مختلف اسالیب سے جو تسلی دی گئی ہے اور آپ کی دلجوئی فرمائی گئی ہے وہ اسی لئے کہ آنحضور ﷺ لوگوں کے ایمان نہ لانے پر تشویش میں مبتلا ہو کر اپنی جان کو نہ گھلائیں : ﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (الشعراء : ۳) (اے نبی!) شاید آپ رنج' صدمے' تشویش اور غم میں اپنی جان کھو دیں گے کہ یہ لوگ ایمان (کیوں) نہیں لاتے۔" حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ﴿ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ﴾ (الروم : ۵۲'۵۳) "(اے نبیؐ!) آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے نہ بہروں تک اپنی دعوت' اپنی پکار پہنچا سکتے ہیں جو پیٹھ پھیر کر بھاگے جا رہے ہوں' اور نہ ہی آپ اندھوں کو سیدھا راستہ بتا کر بھٹکنے سے بچا سکتے ہیں"۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ : ﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ ﴾ (البقرة : ۷) (ان کے کفر پر اڑے رہنے کے باعث) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے' ان کے کانوں اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔" بظاہر یہ چلتے پھرتے نظر آ رہے ہیں' لیکن حقیقت میں یہ مر چکے ہیں۔ ان کی معنوی موت واقع ہو چکی ہے۔ بظاہر ان کے پاس سماعت بھی ہے' بصارت بھی ہے' لیکن معنوی اعتبار سے یہ بہرے اور اندھے ہیں۔ یہ چلتے پھرتے مقبرے ہیں' چلتے پھرتے حیوانات ہیں۔ ان کے اندر کا انسان مر چکا ہے ـــــ آپ کی تبلیغ و دعوت میں کوئی کمی نہیں ہے' لہٰذا آپ تشویش نہ کریں' آپ یہ فکر دامن گیر نہ کریں کہ یہ ایمان کیوں نہیں لا رہے!!

اس آیت مبارکہ کے آخری حصے میں علمی اعتبار سے ایک اہم مضمون آ رہا ہے۔

جسے ذہن نشین کرنا ضروری ہے :

﴿ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ ﴾

(الشوریٰ ۔ ۱۳)

"اللہ ہی کھینچ لیتا ہے اپنی طرف جسے چاہتا ہے' اور ہدایت دیتا ہے اپنی جانب اس کو جو اُس کی طرف رجوع کرتا ہے۔"

یہ بڑی اہم بات ہے۔ کسی شخص کے راہِ ہدایت پر آنے کے دو طریقے ہیں۔ یہ مختلف طبائع اور مزاج کی بات ہو رہی ہے۔ بعض لوگوں کو تو اللہ ہی فیصلہ کرکے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور بعض لوگ محنت' کوشش کرکے اور رجوع کرکے اللہ کے راستے کی طرف آتے ہیں۔

## اجتباء

اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان یہ بھی ہے کہ وہ چاہے تو کسی راہ چلتے کو بلا لے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدین سے مصر جا رہے تھے کہ راستہ ہی سے کھینچ بلایا اور کوہ طور پر نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا۔ آپؑ سے کلام فرمایا : ﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾ وہ کلیم اللہ ہو گئے۔ حضرت عمر گھر سے ننگی تلوار لے کر آنحضور ﷺ کے قتل کے پختہ ارادے سے نکلے تھے' لیکن راستہ ہی سے اُن کا رخ اپنی ہمشیرہ کے گھر کی طرف پھیرنے کے اسباب پیدا فرما دیئے' جو خود اور ان کے شوہر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما ایمان لا چکے تھے۔ بہن کی عزیمت دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل موم ہوا۔ کلامِ الٰہی سننے کی خواہش کی اور سن کر دل کی کایا پلٹ گئی' حجابات دُور ہو گئے۔ وہی ننگی تلوار جو قتل کے ارادے سے لے کر گھر سے نکلے تھے' غلاموں کی طرح گلے میں ڈال کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہو کر جاں نثارانِ محمد ﷺ میں شامل ہو گئے۔ دربارِ نبویؐ سے فاروق کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا بھی اجتباء ہوا۔ آنحضور ﷺ کو مکہ میں دعوتِ توحید دیتے ہوئے چھ سال بیت گئے تھے۔ آپؐ کی شدید مخالفت ہو رہی تھی' لیکن حمزہ اِن سب سے بے نیاز اپنے مشاغل میں لگے رہتے تھے' جن میں نمایاں شوق تیر کمان لے کر علی الصبح شکار کو نکل

جانااور شام کو واپس آتا تھا۔ ایک شام جب واپس آئے تو لونڈی نے اس زیادتی کا ماجرا سنایا جو اس روز ابو جہل نے آنحضور ﷺ کے ساتھ کی تھی۔ قرابت داری کے جذبے نے جوش کھایا۔ پہلے تو جا کر کمان سے ابو جہل کا سر پھاڑا اور کہا لو میں بھی محمد (ﷺ) پر ایمان لاتا ہوں' پھر حضورؐ کی خدمت میں آکر فی الواقع مشرف باسلام ہوئے۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَاَرْضَاہُ۔ اسد اللہ واسد رسولہ اور سید الشہداء کے القاب سے ملقب ہوئے۔

## انابت

دوسری قسم کے لوگ خود ہدایت کے طالب ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ جو ہدایت کا طالب ہے اسے ہم ہدایت دیں گے۔ اس نے تو گویا ہم پر اپنا حق قائم کر دیا۔ اس لئے کہ وہ خود طالب ہدایت ہے۔ ﴿ وَالَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ﴾ (العنکبوت : ۶۹) جو لوگ ہمارے لئے محنتیں کریں' کوشش کریں' ہدایت کے طالب بنیں' اِس کے لئے قربانیاں دیں ان کے لئے ہمارا پختہ وعدہ ہے کہ ہم انہیں لازماً اپنے راستہ کی ہدایت دیں گے ـــــ یہی بات یہاں فرمائی کہ ﴿ وَیَهۡدِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ یُّنِیۡبُ ﴾ "اللہ ہدایت دیتا ہے اپنی جانب اس کو جو اُس کی طرف رجوع کرتا ہے" جو بھی حق کا طالب اور متلاشی ہے' جس کے دل میں بھی انابت ہے' جس میں حق کی طلب صادق ہے' جو کسی تعصب اور عصبیت میں مبتلا نہیں ہے اسے اللہ تعالیٰ راہِ ہدایت دکھاتا ہے اور اس پر اس کو لے آتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ اس کی درخشاں مثال ہیں۔ وہ اپنی فطرت سلیمہ اور طلب حق کی بنیاد پر صدیق اکبرؓ کے مقام ارفع پر فائز ہوئے۔ عشرہ مبشرہ میں اکثر وہی حضراتِ گرامی شامل ہیں جو راہِ حق کے از خود جویا تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ ہیں جو طلب حق میں کہاں سے روانہ ہوئے' کن کن منازل پر ٹھہرے اور پھر کس طرح دامنِ محمدیؐ سے وابستہ ہوئے! یہ انابت الی اللہ کی درخشاں مثالیں ہیں۔

(جاری ہے)

# تنظیم اسلامی شمالی امریکہ کے ملتزم رفقاء کا چار روزہ تربیتی و مشاورتی اجلاس ـــــ ایک مختصر جائزہ

مرتب : عمر مظفر' جنرل سیکرٹری تنظیم اسلامی شمالی امریکہ

تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ (TINA) کی روایت رہی ہے کہ وہ ہر سال اپنا سالانہ اجلاس (کانفرنس) منعقد کرتی ہے۔ گزشتہ سالانہ کانفرنسیں ملک کے مختلف مقامات پر منعقد ہوتی رہی ہیں اور اُن کی ترتیب اور موضوع تنظیم کی ضروریات کے مطابق تبدیل ہوتا رہا ہے۔

اس سلسلے کی پہلی کانفرنس ۱۹۹۵ء میں کولمبس اوہیو (Ohio) میں اس وقت جبکہ اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (ISNA) کا سالانہ اجتماع بھی ساتھ ہی ہو رہا تھا' ہفتہ یومِ مزدوراں کے دوران منعقد کی گئی۔ دوسری کانفرنس کا انعقاد ۱۹۹۶ء میں مسلم سنٹر آف نیویارک میں ہوا' جس میں مختلف مسلمان رہنماؤں کو خطاب کی دعوت دی گئی تھی۔ یہ ایک طرح کی "ٹاؤن میٹنگ" تھی۔

تیسری کانفرنس ۱۹۹۷ء میں اسلامک سنٹر آف گریٹر ہوسٹن کے مقام پر منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں کچھ یہودی اور عیسائی عالموں کو بھی مدعو کیا گیا تھا تاکہ وہ "زمین پر خدا کی بادشاہت" کے حوالے سے اپنے نظریات اور عقائد پر روشنی ڈالیں۔

اگلی کانفرنس ۱۹۹۸ء میں سانتا کلاز میں منعقد ہوئی' جس میں ترتیب تو وہی رہی لیکن اس کانفرنس کا عنوان "قرآن کا تصورِ انصاف" تھا۔ ۱۹۹۹ء میں اسلامک فاؤنڈیشن آف شکاگو میں ہونے والی کانفرنس جس کا عنوان "اندھیروں سے اجالوں کی طرف ـــــ قرآن کی پکار" تھا' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اگرچہ پہلی کانفرنس میں زیادہ تر آئندہ کی منصوبہ بندی زیرِ غور رہی تاہم بعد کی کانفرنسیں اکثر ان نکات پر مرکوز رہیں :

① تنظیمی امور کے بارے میں مشاورت

② رفقاء کی باہم ملاقات

③ دعوتی و تربیتی پروگرام

④ تنظیم میں شمولیت کی دعوت

⑤ انتظامی امور کی انجام دہی

ہر کانفرنس الحمد للہ نتیجہ خیز اور اگلی کانفرنس کے لئے تجربہ کی حامل تھی' لیکن اس سال ۴ جولائی ۲۰۰۰ء کے اختتامِ ہفتہ پر پرنسٹن (نیو جرسی) میں ہونے والی کانفرنس میں تنظیم اسلامی شمالی امریکہ ایک نیا رخ اختیار کرتی نظر آتی ہے جس کی اسے ضرورت بھی تھی۔ پاکستان میں ہونے والے سالانہ اجلاس کی طرح اگرچہ اس کانفرنس کا مقصد بھی مشاورت اور تربیت تھا اور اس کانفرنس میں بلاشبہ وہ مقاصد بھی شامل تھے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے' لیکن یہ کانفرنس دو لحاظ سے پچھلی کانفرنسوں سے مختلف تھی۔

اولاً اس کانفرنس میں شرکاء کی تعداد محدود تھی۔ اس سے پہلے TINA کے تمام رفقاء کا شامل ہونا ضروری تھا' چاہے وہ مبتدی ہوں یا ملتزم' لیکن اس دفعہ ماسوائے چند مبتدی رفقاء کے صرف ملتزم رفقاء کو شامل ہونے کی اجازت تھی' چنانچہ اس مرتبہ تنظیم کی دعوت پروگرام میں شامل نہیں تھی۔

ثانیاً اس کانفرنس کا اصل محور مشاورت و تربیت تھا۔ تاکہ ہم خود احتسابی کے عمل سے گزرتے ہوئے یہ دیکھیں کہ TINA نے اب تک کیا کیا ہے' اب کہاں ہے اور کس طرف جا رہی ہے اور ہمیں اس ضمن میں کیا کرنا ہے؟ چنانچہ سوائے بعض انتظامی نوعیت کی ہدایات کے کسی قسم کی تقاریر کا پہلے سے انتظام نہیں کیا گیا تھا' خود امیر تنظیم اسلامی جناب محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بھی ایک سامع کی حیثیت سے اجلاس کی صدارت کی' جس میں رفقاء نے باری باری اپنے خیالات پیش کئے۔

تربیت کے حوالے سے اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ رفقاء کی قرآن کے منتخب نصاب کے ذریعے دوبارہ تربیت کی جائے اور انہیں دوبارہ یاددہانی کرائی جائے کہ ایک مسلمان کی حیثیت

سے ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں اور اُن ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہمیں کیسے منظم ہو کر کام کرنا ہے۔

آغاز سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ ایک کامیاب کانفرنس ثابت ہو گی۔ جناب نصر شریف کی قیادت میں نیو جرسی کے رفقاء نے ایک "انٹرنیٹ ویب سائیٹ" (Internet Website) ڈیزائن کی تھی جسے ابتدائی طور پر رجسٹریشن اور کچھ اہم اعلانات کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس سے رجسٹریشن اور فارم وغیرہ پُر کرنے کا عمل صرف ۱۰ منٹ میں مکمل ہو سکتا تھا۔ کانفرنس کا انعقاد نووٹل ہوٹل (Novotel Hotel) پرنسٹن' نیو جرسی میں ہوا۔ انتظامات نہایت عمدہ تھے۔ ہوٹل میں ملک کے مختلف حصوں سے آنے والے رفقاء کے لئے مل جل کر ٹھہرنے کا بندوبست کیا گیا تھا۔

## کانفرنس میں اجتماع کی کارروائی

کانفرنس کا آغاز تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ نائب امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب نے سورۃ الصف کی آیات کی تلاوت کا شرف حاصل کیا۔

کانفرنس کے چیئرمین اور سنٹرل نیو جرسی تنظیم کے امیر ڈاکٹر نصر شریف نے اپنے ابتدائی خطاب میں تمام حاضرین کو خوش آمدید کہا اور ان تمام افراد کی کوششوں کو سراہا جن کی بدولت اس کانفرنس کا انعقاد عمل میں آسکا۔ انہوں نے اس کانفرنس کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ خیالات کو پیش کرنے میں صلاحیتوں کا بڑا گہرا عمل دخل ہوتا ہے۔ انہوں نے ایک شخص کی کہانی بیان کی جس نے خواب دیکھا کہ اس کے تمام دانت گر گئے ہیں۔ اس خواب کا مطلب جاننے کے لئے وہ ایک عامل کے پاس گیا' جس نے بتایا کہ اس خواب کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سارے عزیز مر جائیں گے۔ اس شخص کی تسلی نہ ہوئی اور وہ کسی دوسرے عامل کے پاس گیا' اس نے بتایا کہ وہ اپنے تمام عزیزوں سے لمبی عمر پائے گا۔ اس پر وہ مطمئن ہو گیا۔ مطلب یہ کہ اپنے خیالات بہتر طریقے سے بھی دوسروں تک پہنچائے جاسکتے ہیں۔

کانفرنس کے وائس چیئرمین اور ساؤتھ نیو جرسی تنظیم کے امیر برادر حسن بیگ نے ڈاکٹر نصر شریف کے خیالات کو آگے بڑھاتے ہوئے تنظیم کا موازنہ لیزر لائیٹ سے کیا' جس طرح لیزر کی روشنی کا ہر ذرہ ساتھ والے ذرے کو تقویت دیتا ہے اسی طرح تنظیم کا ہر رفیق ایک دوسرے کے

لئے تقویت کا باعث ہے۔

لانگ آئی لینڈ نیو یارک کے رفیق اور کانفرنس کے وائس چیئرمین برادر عرفان اقبال نے اس کانفرنس کا پس منظر بیان کرتے ہوئے بتایا کہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امریکہ میں بھی نومبر ۱۹۹۹ء میں پاکستان میں منعقد ہونے والے تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کے طرز پر ایک کانفرنس کا انعقاد چاہتے تھے۔ لہٰذا یہ کانفرنس اسی کی روشنی میں منعقد کی جارہی ہے۔

TINA کے امیر برادر عطاء الرحمٰن نے سورۃ الصف کی آیت ۸ اور ۹ کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ ہمیں اپنے ماضی اور حال سے باخبر رہنا چاہئے۔ انہوں نے ڈاکٹر اسرار احمد کے اس خط کا بھی ذکر کیا جس میں محترم ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا تھا کہ ہمیں ماضی کی غلطیوں کے ازالہ کے لئے تنظیمی معاملات اور پالیسیوں کا از سرِ نو جائزہ لے کر انہیں قابلِ عمل بنانا چاہئے۔ انہوں نے یاددہانی کرائی کہ ہمیں مسائل کے حقیقی اور واضح حل کی ضرورت ہے۔

برادر عطاء الرحمٰن نے حاضرین کی توجہ اس امر کی طرف بھی دلائی کہ کچھ معاملات میں TINA میں نظم و ضبط کا فقدان ہے۔ کچھ رفقاء کے درمیان کھچاؤ کی سی کیفیت بھی موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ بشری تقاضوں کے عین مطابق کچھ معاملات میں اختلاف رائے ہونا ایک فطری عمل ہے' لیکن ہمیں تمام اختلافات ختم کر کے ایک مشترک فرض کی ادائیگی کرنی چاہئے۔ اس ضمن میں انہوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا کہ جب انہیں فلسطین میں مسلمان فوج کی قیادت سے سبکدوش کیا گیا تو اگرچہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خلیفۂ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے پر متفق نہیں تھے لیکن ان کے پیش نظر چونکہ صرف اللہ کی رضا جوئی تھی۔ لہٰذا انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کو قبول کر لیا اور فوج کی قیادت سے سبکدوش ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں دیگر دوسرے رفقاء کی آراء کا احترام کرنا چاہئے اور اختلاف کی صورت میں متعلقہ نقیب یا امیر کے پاس جانا چاہئے' بجائے اس کے کہ ہر معاملے میں امیر تنظیم اسلامی سے رجوع کریں۔ انہوں نے سورۃ الصف کی آیت نمبر ۴ کا حوالہ دیا اور کہا کہ ہمیں اس مشین کی طرح کام کرنا چاہے جو کسی خرابی کی صورت میں اپنے آپ کو خود صحیح کر لیتی ہے۔

ایگزیکٹو بورڈ کے ڈائریکٹرز نے اپنی اپنی رپورٹ پیش کی' اس اعتبار سے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تنظیم کا صرف ۵/۱ حصہ حرکت میں ہے تاہم جیسا کہ امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے بھی اپنے خط میں ذکر کیا تھا' آہستہ آہستہ یہ تعداد بڑھ رہی ہے۔

ان ابتدائی تقاریر کے بعد امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے اس کانفرنس کے انعقاد کی ضرورت بیان کی۔ انہوں نے اپنے خطاب کا آغاز سورۃ الحجرات کی ایک آیت مبارکہ سے کیا اور بتایا کہ جب انہیں اس قسم کی کانفرنس کا خیال آیا تو ان کے ذہن میں دو مسئلے تھے، یعنی

۱۔ ہمیں اپنے آپ کو نئے سرے سے متحرک کرنے کی ضرورت ہے، بعض اوقات اصل منزل نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور بعض اوقات رخ صحیح نہیں رہتا، چنانچہ ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ آیا ہم درست سمت کی طرف جا رہے ہیں، اگر ہم محسوس کریں کہ ہماری سمت تبدیل ہو گئی ہے تو ہمیں فوراً اپنی اصلاح کر لینی چاہئے۔

۲۔ میری زندگی میں تو TINA پاکستان کی تنظیم اسلامی کے ساتھ کہ جسے mother organization کا مقام حاصل ہے، منسلک ہے اور تنظیم اسلامی پاکستان کے امیر کے ہاتھ پر TINA کے ارکان نے بھی بیعت کی ہے لیکن کیا میرے بعد بھی یہ صورت اسی طرح برقرار رہے گی یا بعد میں اس کا نظم بالکل جدا ہونا چاہئے؟ مولانا مودودیؒ کبھی داعی کے طور پر امریکہ نہیں آئے تھے، وہ صرف بطور لیکچرار یہاں آتے رہے۔ ان کا فکر امریکہ میں پہلے سے موجود تھا، اسی پر ایک بہت بڑی تحریک شروع ہو گئی۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کچھ رفقاء کے درمیان پائے گئے اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ اختلافات اب ختم ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اب اُسے بھول جانا چاہئے ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کے بارے میں انہوں نے کہا کہ وہ بار بار امریکہ نہیں آ سکیں گے کیونکہ انہوں نے اب لندن میں ایک اسلامک سنٹر کے ڈائریکٹر کا عہدہ قبول کر لیا ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ تنظیم اسلامی واحد اسلامی جماعت نہیں ہے، اور بھی کئی جماعتیں کام کر رہی ہیں، ہمارے سامنے تنظیم کا خصوصی ہدف رہنا چاہئے۔ مولانا مودودیؒ نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ "میرا مقصد صرف یہ ہے کہ زمین پر اللہ کا دین قائم ہو جائے اور یہ کوئی آسان کام نہیں ہے"۔ چنانچہ ہمیں بعض بنیادی نکات کے معاملے میں بالکل واضح ہونا چاہئے۔

(۱) دعوت صرف قرآن کی دی جائے۔ ہمیں لوگوں کے جذبات کو نہیں ان کے ذہنوں کو اپیل کرنا ہے۔

(۲) ہمیں اپنا طریق کار سیرتِ نبویؐ سے اخذ کرنا ہے، اگر کوئی معاملہ اُس دور کے حالات سے مختلف ہو تو صرف اس پر الگ سے غور کیا جا سکتا ہے۔

بیعت کے نظام کے بارے میں امیر محترم نے کہا کہ اگرچہ اسلام کی رو سے یہ ایک بہترین نظام ہے تاہم شمالی امریکہ کے لئے اس پر نظرثانی کی جاسکتی ہے۔

## کانفرنس کا ایجنڈا

کانفرنس کے ایجنڈے میں مندرجہ ذیل نکات شامل تھے :

(۱) تنظیم اسلامی کے مقاصد اور اہداف

(۲) تنظیم اسلامی شمالی امریکہ اور تنظیم اسلامی پاکستان کے مابین تعلق۔

(۳) TINA میں بیعت کا نظام۔

(۴) TINA کے نئے امیر کا تقرر۔

(۵) TINA میں رفیقات کا کردار۔

(۶) TINA کے ارکان کا سودی لین دین کے بارے میں کردار۔

(۷) امریکہ کی سیاست میں TINA کا کردار۔

① رفقاء تنظیم اسلامی پاکستان کے نام ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ۱۴ تا ۱۷/۱۱ اکتوبر ۱۹۹۹ء کے ندائے خلافت میں شائع ہونے والے خط کا انگریزی ترجمہ TINA کے رفقاء کو بھی برائے مطالعہ ارسال کیا گیا تھا۔ یہ خط بھی تنظیم کے مقاصد اور اہداف کے ایک بھرپور جائزے پر مشتمل تھا۔ اس کے مندرجات کے بارے میں شاید ہی کسی کو اختلاف تھا۔ چنانچہ اس پر اتفاق ظاہر کیا گیا کہ چند چھوٹی چھوٹی ترامیم کے ساتھ اس خط کے مندرجات کو تنظیم اسلامی کے مقاصد کے طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ یہ دو نکات کہ ہمارا محور و مرکز قرآن ہے اور ہمارا طریقہ کار سیرت رسولؐ سے ماخوذ ہے' ہمیشہ کے لئے طے ہیں۔

② تنظیم اسلامی شمالی امریکہ (TINA) اور تنظیم اسلامی پاکستان کے درمیان تعلق کے حوالے سے بھی کئی آراء موصول ہوئیں۔ اکثر رفقاء کا خیال تھا کہ ہم ایک ہی وحدت ہیں اور ہمیں ایک ہی وحدت رہنا چاہئے' تاہم ایک رائے یہ بھی تھی کہ پاکستان میں قائم مرکز چونکہ بیرونِ ملک بالخصوص امریکہ اور انڈیا کے باشندوں کو صحیح طور پر ہینڈل نہیں کر سکتا لہٰذا TINA کو ایک الگ تنظیم رہنے دیا جائے۔ لیکن رفقاء کی غالب اکثریت کی تجویز پر تنظیم اسلامی شمالی امریکہ کو تنظیم اسلامی پاکستان ہی کا حصہ قرار دے دیا گیا۔ یعنی TINA تنظیم اسلامی پاکستان ہی کے تحت کام

کرے گی۔

③ TINA میں بیعت کے طریق کار کے حوالے سے بھی مختلف آراء موصول ہوئیں۔ کچھ رفقاء اس بات کے حق میں تھے کہ شخصی بیعت کے بجائے دستوری بیعت بھی کافی ہے۔ جبکہ رفقاء کی اکثریت اس بات پر متفق تھی کہ دستوری یا کاغذی بیعت کے بجائے شخصی یا ذاتی بیعت ضروری ہے۔ اس ضمن میں دوسرا قابل غور نکتہ یہ تھا کہ بیعت بالکل ابتداء میں لی جانی چاہئے یا کوئی دوسری صورت اختیار کی جائے۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مطلع کیا کہ پاکستان میں اب بیعت کے دو مرحلے ہیں۔ پہلی بیعت تو اللہ کے ساتھ عہد بندگی استوار کرنے اور اس کی راہ میں جان و مال کھپانے پر مشتمل ہے جبکہ دوسری بیعت جس میں سمع و طاعت کا عہد ہوتا ہے' اس وقت ہوتی ہے جب رفیق ملتزم بن جاتا ہے۔ مختلف آراء موصول ہوتی رہیں اور اس معاملے کو اسی ہفتے ہونے والی شوریٰ کی میٹنگ میں بھی زیر بحث لایا گیا۔ شوریٰ کے اراکین نے تین مراحل پر مشتمل نظام کے حق میں رائے دی' پہلا مرحلہ ایسوسی ایٹ ممبر کا ہے' اس پر کوئی تنظیمی ذمہ داری نہیں ہو گی لیکن وہ TINA کے پروگرام attend کرے گا۔ دوسرے مرحلے میں ابتدائی بیعت لی جائے گی اور ایسا شخص مبتدی رفیق شمار ہو گا اور تیسرے اور آخری مرحلے میں بیعت سمع و طاعت کرنے پر کوئی رفیق ملتزم قرار پائے گا۔ یہ بات بھی نوٹ کی گئی کہ بیعت کے اس طریقے سے امریکی مسلمانوں کے لئے اس تحریک میں شامل ہونا آسان ہو جائے گا۔

④ اجلاس کے دوران ہی تمام رفقاء کو فارم تقسیم کئے گئے تھے کہ وہ TINA کا نیا امیر منتخب کرنے کے لئے اپنی تجاویز دیں۔ ان فارموں کے جائزہ کے بعد امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے برادر ظفر خان کو TINA کا نیا امیر مقرر کیا۔ اس وقت برادر ظفر خان نیویارک سٹی تنظیم کے امیر ہیں اور نیویارک ریجن کے ڈائریکٹر بھی ہیں۔ وہ برادر عطاء الرحمٰن کی جگہ یہ عہدہ سنبھالیں گے جو ۱۹۹۰ء میں TINA کے آغاز کے وقت سے ہی اس کے امیر چلے آ رہے تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے عطاء الرحمٰن صاحب کو TINA کا ایگزیکٹو ڈائریکٹر مقرر کیا۔ یہ عہدہ تنظیم میں چیف آرگنائزر کے عہدے کا نیا نام ہے۔ جس پر امیر تنظیم اسلامی کی طرف سے تقرری کی جاتی ہے۔

⑤ ایک اہم موضوع TINA میں رفیقات کے نظم کا تھا۔ TINA میں اس حوالے سے خاصا "confusion" رہا ہے کہ مقامی ناظمات آگے تنظیم اسلامی کی ناظمہ کو رپورٹ کریں یا امیر تنظیم اسلامی کی گزشتہ ہدایت کے مطابق تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کے امیر کو رپورٹ کریں گی۔ اس

معاملے میں مختلف آراء پیش کی گئیں۔ ان تمام تجاویز کا باریک بینی سے جائزہ لیا گیا جس کے بعد امیر محترم نے فیصلہ کیا کہ مقامی ناظمات اسی علاقہ کے لوکل امیر کو رپورٹ کریں گی جس کا کوئی مناسب طریق کار بعد میں واضح کر لیا جائے گا۔

(۶) TINA کے ان رفقاء کے بارے میں جاننے سے پہلے جو سودی معاشرے میں رہتے ہوئے سودی معاملات چلانے میں مجبور ہیں' یہ جاننا ضروری ہے کہ سب رفقاء اس بات پر متفق ہیں کہ ربا میں سادہ جدید سود شامل ہے۔ اس موضوع کو کانفرنس کے ایجنڈے میں شامل کرنے کی اصل وجہ شریعہ سکالرز ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ (SSANA) کے حالیہ اجلاس میں دیئے گئے بعض فتوے تھے۔ اس کانفرنس میں شامل کچھ مذہبی رہنما اس خیال کے حامی تھے کہ ہر قسم کا سودی لین دین حرام ہے جبکہ بعض علماء کا خیال تھا کہ کسی غیر اسلامی ملک میں اس کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ بعض "نظریہ ضرورت" کے قائل نظر آتے تھے۔ TINA میں بہت کم ایسے ملتزم رفقاء ہیں جو ربا میں ملوث ہیں۔ لیکن آیا مستقبل میں تنظیم میں شامل ہونے والے رفقاء مذکورہ فتویٰ کے حوالے سے سود پر گھر وغیرہ خرید سکتے ہیں یا نہیں' اس بارے میں ایگزیکٹو بورڈ کی میٹنگ میں کئے گئے فیصلہ کا تفصیلی ذکر بعد میں اسی رپورٹ میں آئے گا۔

ایک اور اہم پہلو جو اس کانفرنس میں زیر بحث آیا وہ TINA کے لئے ایک مستقل اور ہمہ وقتی دفتر کے لئے کسی عمارت کا تھا۔ یہاں بھی متفرق آراء موصول ہوئیں۔ یہ آراء تنظیم کے دفتر اور اس کی ضرورت کے بارے میں تھیں۔ امیر محترم نے فیصلہ کیا کہ ایسی ایک عمارت فوری طور پر خرید لی جائے' ضروری نہیں کہ یہ عمارت اس علاقے میں ہو جہاں رفقاء کی زیادہ تعداد ہے' بلکہ یہ کہیں بھی ہو سکتی ہے۔ اگر نیویارک میں بھی دفتر کی ضرورت ہے تو فی الحال کرایہ پر اور بعد میں قیمتاً حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(۷) اس کانفرنس کے ایجنڈے کا اگلا موضوع یہ تھا کہ آیا تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ (TINA) کو امریکہ کی سیاست میں حصہ لینا چاہئے یا نہیں۔ یہ موضوع بھی SSANA کانفرنس کے اجلاس میں زیر بحث آ چکا تھا جہاں تمام مذہبی رہنما اس بات پر تو متفق تھے کہ مسلمانوں کو جس معاشرے میں وہ رہتے ہیں' اسے بہتر بنانے کے لئے کام کرنا چاہئے' لیکن ان میں سے کوئی بھی امریکی نظام کے تحت عملی سیاست میں حصہ لینے کے حق میں نہ تھا۔ TINA کانفرنس میں اس موضوع پر مختلف آراء موصول ہوئیں۔ اگرچہ ان میں سے اکثر سیاست میں حصہ لینے کے خلاف تھیں لیکن یہ تجویز بھی

موصول ہوئی کہ چونکہ ہمارے ٹیکسوں کو یہاں استعمال کیا جاتا ہے' لہٰذا ہمیں سیاست میں حصہ لینا چاہئے تاکہ ہم ٹیکس کے نظام پر کچھ نہ کچھ قابو پاسکیں۔ امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے فیصلہ کیا کہ اگرچہ سیاست دین کا حصہ ہے' لیکن عملی اور انتخابی سیاست میں حصہ لینا تنظیم اسلامی کی پالیسی کے خلاف ہے۔ ہماری سیاست' انقلابی سیاست ہے' تاہم ہمیں سیاسی رہنماؤں کو حق کی تلقین کرتے رہنا چاہئے۔

دیگر اہم موضوعات جو زیر بحث آئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ امیر محترم نے فرمایا کہ وہ TINA کے بعض اہم رفقاء کی اس رائے کے حق میں ہیں کہ نائب امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کو ایک سال کے لئے امریکہ بھیجا جائے تاکہ وہ یہاں کی کسی نمایاں یونیورسٹی میں بھی ایم اے کرلیں جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ نہ صرف جدید مکاتب فکر سے براہ راست واقف ہو جائیں گے بلکہ یہاں رہ کر ان کے لئے اپنی انگریزی کو بہتر بنانا بھی ممکن ہوگا مگر اس کے لئے ابھی وقت کا تعین نہیں کیا گیا۔ مزید برآں امریکہ کے بعض اہم تعلیمی اداروں کی طرف سے موصول ہونے والے ان دعوت ناموں کے بارے میں غور کیا گیا جن میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد کو بطورِ visiting scholar خطاب کی دعوت دی گئی ہے لیکن فیصلہ کیا گیا کہ ان سے معذرت کرلی جائے' تاہم انہوں نے فرمایا کہ وہ نومبر ۲۰۰۰ء میں ہارٹ فورڈ سیمیناری (Hartford Seminary) میں دس روزہ پروگرام میں شرکت کی دعوت کے جواب میں امریکہ آنے پر رضامند ہوں گے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے برادر عطاء الرحمٰن صاحب کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ TINA کے ایک اہم جزو اور اس کے آرکیٹیکٹ ہیں۔ TINA کے تمام معاملات انہیں ازبر ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ چند سال پہلے جب میں نے یہ اعلان کیا کہ آئندہ میں اُس وقت تک امریکہ نہیں آؤں گا جب تک کوئی سینئر رکن ہمہ وقت یہاں میرے نائب کے طور پر ذمہ داری سنبھالنے کے لئے تیار نہ ہو تو صرف عطاء الرحمٰن صاحب ہی تھے جنہوں نے اپنی آدھی تنخواہ کے برابر وظیفے پر اس ذمہ داری کو نبھانا قبول کیا تھا۔ لہٰذا انہیں کسی نہ کسی اہم حیثیت میں مثلاً سیکرٹری جنرل کے طور پر TINA میں اپنا عملی کردار ادا کرتے رہنا چاہئے۔ اس موقع پر ایک نئی شوریٰ کے انتخاب کے علاوہ نئے ایگزیکٹو بورڈ کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔

برادر نصیرالدین محمود نے اپنے ایک مفصل لیکچر میں حکمت عملی سے متعلقہ امور کی دیکھ بھال کے بارے میں اپنے خیالات پیش کئے' اس سیمینار کا مقصد TINA کو بہتر بنانے کے طریقے تلاش کرنا

تھا۔ اگرچہ بہت سارے رفقاء اس کانفرنس کے دوران پروگراموں کی کثرت کے باعث تھکاوٹ کا شکار ہو چکے تھے' اس کے باوجود بھی انہوں نے اپنی دلچسپی برقرار رکھی اور خیال ظاہر کیا کہ آئندہ بھی ایسے سیمینار ہوتے رہنے چاہئیں۔

تنظیم کے ایگزیکٹو بورڈ کی از سرنو تشکیل کی گئی ہے۔ ماضی میں دو قسم کے عہدے تھے' یعنی امراء (علاقائی ناظمین) اور ناظم دعوت' ناظم مکتبہ' ناظم خط و کتابت وغیرہ' لیکن اب اصل توجہ منصوبوں پر ہو گی۔ چنانچہ علاقائی ناظمین کا عہدہ ختم کر کے انہیں مختلف منصوبوں کی تکمیل کی ذمہ داری سونپی گئی ہے جس کا مطلب ہے تنظیم میں بیورو کریسی کو پروان چڑھانے کی بجائے حرکت پر زور دیا جائے گا۔

آخر میں اجتماع کے بارے میں رفقاء کی آراء کا جائزہ لیا گیا۔ اکثریت نے بحیثیت مجموعی اجتماع کے انتظامات کو سراہا اور خیال ظاہر کیا کہ ہر کام سلیقے سے کیا گیا تھا' یہ عمل ان شاء اللہ جاری رہے گا۔

اے ہمارے رب! ہماری ان خدمات کو قبول فرما! صرف تو ہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اور ہماری اولادوں کو اپنا سچا تابع فرمان بنا اور ہم سب کو اپنا سیدھا راستہ دکھا اور ہمارے گناہوں کو بخش دے۔ بے شک آپ اور صرف آپ معاف کرنے والے' مہربان ہیں۔ آمین

---

# ملکی‘ ملی اور بین الاقوامی حالات پر امیر تنظیم اسلامی کا تبصرہ

## خطابات جمعہ (مسجد دار السلام لاہور) کے پریس ریلیز کے آئینے میں

☆ ☆ ☆

### ۱۸/ اگست کا خطاب جمعہ

علماء کے ایک طبقے کی طرف سے قیام پاکستان کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ انہیں ہندوؤں کے عزائم کا درست اندازہ نہیں تھا۔ جبکہ عام مسلمانوں کو قدم قدم پر ہندو کی متعصبانہ ذہنیت کے باعث نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے علمائے کرام کے بجائے مسلم لیگ کے علیحدہ ملک کے قیام کے موقف کی بھرپور حمایت کی‘ جس کے نتیجے میں پاکستان قائم ہو گیا۔ قیام پاکستان کے مخالف علماء کا اخلاص ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر تھا‘ یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک موقع پر کہا تھا کہ پاکستان کی عزت سے اسلام کی عزت وابستہ ہے‘ اب اس کو مستحکم کرنا ہماری دینی ذمہ داری ہے‘ جبکہ مولانا حسین احمد مدنیؒ نے بھی اپنے ایک خطاب کے دوران پاکستان کو مسجد سے تشبیہہ دیتے ہوئے اس کی حفاظت کو ایمان کا تقاضا قرار دیا تھا۔

ہمارا دین ہمیں ایک دوسرے سے اختلاف کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اس لئے قیام پاکستان کے حوالے سے علماء کرام اور مسلمانوں کا یہ اختلاف کوئی گناہ نہیں تھا۔ لیکن ہم اس ملک میں اسلام نافذ نہ کر کے اللہ سے وعدہ خلافی کے عظیم گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں کیونکہ ہم نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اے اللہ! تو ہمیں انگریزوں اور ہندوؤں کی دہری غلامی سے نجات دلا دے اور ہمیں ایک علیحدہ خطہ عطا کر دے جہاں ہم تیرے دین کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنے اس وعدہ میں خیانت کا ارتکاب کر کے اللہ کے غضب کو دعوت دیتے رہے ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں پاکستان کا دولخت ہونا اسی وعدہ خلافی پر ہماری سزا تھی تاکہ ہم سنبھل جائیں لیکن اگر ہم نے اب بھی اپنی روش ترک نہ کی تو ہو سکتا ہے کہ ۱۹۷۱ء جیسی کوئی اور سزا ہمیں بھگتنا پڑے جس کے آثار بھارت کے حالیہ عزائم سے صاف نظر آ رہے ہیں۔

### ۲۵/ اگست کا خطاب جمعہ

پاکستان بکا اصل مسئلہ اسلام کی بحالی ہے‘ معیشت کی بحالی نہیں۔ پاکستان کا استحکام نفاذ اسلام

کے سوا کسی اور راستے سے ممکن نہیں۔ ماضی کی دوسری حکومتوں کی طرح ہماری موجودہ حکومت بھی پاکستان کو ڈیفالٹ ہونے سے بچانے کے لئے عالمی مالیاتی اداروں کے آگے جھکتی چلی آئی ہے لیکن اب آئی ایم ایف نے فتویٰ جاری کر دیا ہے کہ پاکستان ڈیفالٹ ہو چکا ہے اور موجودہ حکومت بھی بحالی معیشت میں ناکام ہو چکی ہے۔ ان حالات میں بھی اگر ہمارے حکمرانوں کو یہ سمجھ نہ آیا کہ پاکستان کی ترقی و خوشحالی کا راز اسلام سے وابستگی میں مضمر ہے تو ملک عزیز کبھی مستحکم نہیں ہو سکتا۔ پرویز مشرف اپنی سی ہر کوشش کر چکے' اب وہ ملک میں حقیقی اسلامی نظام قائم کر کے بھی دیکھ لیں۔ ان شاء اللہ حقیقی اسلام کے نفاذ کے بعد اس قوم سے وہ جیسی قربانی طلب کریں گے قوم پیچھے نہیں ہٹے گی۔ معیشت کی بحالی کا معاملہ ثانوی ہے لیکن اس کا معاملہ بھی دین اسلام پر عمل کرنے ہی سے حل ہو گا۔ چنانچہ حکومت کو چاہئے کہ اندرونی و بیرونی تمام قرضوں پر سود کے خاتمہ کا اعلان کر دے اور عالمی مالیاتی اداروں کو صاف بتا دے کہ ہمارے اللہ اور رسول نے سود سے منع کیا ہے لہٰذا ہم سود ادا نہیں کریں گے۔ اس کے سوا معیشت کی بحالی کا کوئی راستہ نہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ہاتھ اپنے اثاثے بیچ کر قرضے ادا کرنے سے ملک بحال نہیں بے حال ہو گا۔

مسئلہ فلسطین کی تازہ ترین صورتحال یہ ہے کہ اس مسئلے میں امریکہ نے واضح طور پر اسرائیل نواز پالیسی اختیار کر لی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ امریکی دباؤ کے باعث اب فلسطینیوں کی کمر قدرے جھک گئی ہے اور انہوں نے سابقہ موقف میں نرمی اختیار کرتے ہوئے یہ شرط رکھی ہے کہ اگر آئندہ ایک ماہ میں اس مسئلے کے حل کی کوئی راہ نکالی جائے تو وہ خود مختار فلسطین کے قیام کی طے شدہ تاریخ یعنی ۱۳ ستمبر کو ملتوی کر دیں گے۔ اسی طرح فلسطین کے ایک نمائندے نے یہ امید بھی ظاہر کی ہے کہ جلد ہی کیمپ ڈیوڈ طرز کے سہ فریقی مذاکرات جلد منعقد ہو سکتے ہیں۔ گویا فلسطینی اس معاملے میں شدید دباؤ کا شکار نظر آ رہے ہیں۔ تاہم یروشلم کے معاملے میں اگر فلسطینیوں نے کوئی لچک دکھائی تو یہ عالم اسلام اور دین کے ساتھ غداری کے مترادف ہو گا۔ امید ہے کہ فلسطینی یروشلم اور بیت المقدس سے کبھی دستبردار نہیں ہوں گے۔ مشرق وسطیٰ کے حالات بڑی تیزی سے ان حالات کی طرف جا رہے ہیں جن کا احادیث میں تذکرہ ہے اور اب بڑی جنگ کے لئے بھٹی گرم ہو رہی ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ نیٹو کی افواج نے جرمنی سے اٹھ کر کوسوو کو اپنا اڈا بنا لیا ہے اور اس طرح وہ اب مشرق وسطیٰ سے زیادہ قریب ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو بھی اب خواب غفلت سے بیدار ہو کر اس معرکہ حق و باطل کے لئے اس انداز میں تیاری کرنی چاہئے جیسی تیاری کفر کی طاقتیں اسلام کو مٹانے کے لئے ایک عرصہ سے کر رہی ہیں۔

MONTHLY
**Meesaq**
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 49 No. 9
Sep. 2000

اکتوبر ۲۰۰۰ء

ماہنامہ

# میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

قیامِ پاکستان کے مخالف علماء کا موقف

حقیقت پسندانہ جائزہ اور منصفانہ تجزیہ

ڈاکٹر اسرار احمد

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

| | |
|---|---|
| جلد : | ۴۹ |
| شمارہ : | ۱۰ |
| رجب المرجب | ۱۴۲۱ھ |
| اکتوبر | ۲۰۰۰ء |
| فی شمارہ | ۱۰/- |
| سالانہ زر تعاون | ۱۰۰/- |


## سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

| | |
|---|---|
| ○ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ | 22 ڈالر (800 روپے) |
| ○ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات<br>بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان | 17 ڈالر (600 روپے) |
| ○ ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر | 10 ڈالر (400 روپے) |


ادارۂ تحریر

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر



ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

مقام اشاعت : 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700 فون 03-02-5869501

فیکس : 5834000 ای میل : anjuman@brain.net.pk

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور

فون : 6316638-6366638 فیکس : 6305110

پبلشر : ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع : رشید احمد چودھری مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

# مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## عرض احوال

"موجودہ فوجی حکومت معیشت کی بحالی اور احتساب کے عمل میں بری طرح ناکام ہو چکی ہے۔ لہٰذا فوجیوں کو جلد از جلد جمہوری سیٹ اپ قائم کر کے واپس چلے جانا چاہئے ورنہ عوام کے دلوں میں فوج کی جو رہی سہی عزت ہے وہ بھی جاتی رہے گی"۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دار السلام باغ جناح لاہور میں خطاب جمعہ کے اختتام پر کہی۔

امیر تنظیم نے فرمایا کہ ملکی حالات میں ۱۲/اکتوبر کے بعد جو بظاہر سکون کی کیفیت تھی وہ اب ختم ہونے کو ہے اور حالات بڑی تیزی سے ہمہ جہت افراتفری کی طرف جا رہے ہیں۔ مہنگائی برداشت کی حدوں کو پھلانگ چکی ہے اور عوام کا ضبط جواب دینے کو ہے۔ سیاسی سطح پر بھی بڑی ہلچل کے آثار ظاہر ہو چکے ہیں۔ قاضی حسین احمد صاحب نے پلاٹ کیس میں فوجیوں کے ملوث ہونے کا عندیہ دھماکہ خیز انداز میں دیا ہے۔ اسی طرح طاہر القادری نے حکومت کو اپنے ۱۲ نکات پر ایک ماہ میں عملدرآمد کا الٹی میٹم دے دیا۔ دوسری طرف کلثوم لیگ ۱۲/اکتوبر کو یوم سیاہ منانے پر تلی ہوئی ہے۔ ان حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہنگائی سے تنگ آکر عوام اگر باہر نکل آئے تو سیاسی قوتوں کے ساتھ مل کر یہ لاوا ایک آتش فشاں کی صورت میں پھٹے گا جس کی زد میں آکر سب کچھ ختم ہو جائے گا۔

فلسطین کی تازہ ترین صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ اگرچہ اسرائیلی وزیراعظم ایہود بارک نے کچھ نرمی کا اظہار کرتے ہوئے یروشلم کو فلسطین اور اسرائیل کا مشترکہ دارالحکومت بنانے پر رضامندی ظاہر کی ہے لیکن گنبد صخرہ کو فلسطین کی تحویل میں دینے کا مطالبہ چونکہ انہوں نے رد کر دیا ہے لہٰذا یہ مسئلہ جوں کا توں ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہودی دراصل اس جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ جس فارمولے کے تحت فلسطین اور اسرائیل کی تقسیم ہوئی اس کے مطابق اس پر مسلمانوں کا حق ہے۔ انہوں نے کہا اسرائیلی وزیراعظم کی مشترکہ دارالحکومت بنانے کی تجویز کو مذہبی یہودی کبھی تسلیم نہیں کریں گے اور اس بات کا امکان موجود ہے کہ خود یہودیوں میں اس مسئلے پر پھوٹ پڑ جائے۔ دوسری طرف بیت المقدس کے معاملے میں تمام عرب ممالک متحد ہو گئے ہیں اور وہ بیت المقدس سے کسی قیمت دستبردار ہونے کو تیار نہیں۔ چنانچہ گنبد صخرہ پر اسرائیلی وزیراعظم کی ہٹ دھرمی کے باعث اس علاقے میں قیام امن کے امکانات اب بالکل معدوم ہو گئے ہیں۔ اور ایک بڑی جنگ کا خطرہ سروں پر منڈلا رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

# میاں شریف اور ان کے خاندان کی خدمت میں ایک مخلصانہ مشورہ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے حسب ذیل خط میاں محمد شریف کو ۲۰ ستمبر کو بذریعہ فیکس ارسال کیا تھا:

"محترم میاں صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مسلم لیگ کے دوسرے دور حکومت کے دوران آپ نے متعدد بار میرے پاس تشریف لانے کی زحمت گوارا فرمائی۔ ان ملاقاتوں میں جو وعدے ہوئے تھے اور جن کے ایفاء کی نوبت نہ آسکی اس وقت ان کا کوئی ذکر مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ فی الوقت آپ کی خدمت میں صرف یہ مخلصانہ مشورہ پیش کرنا مقصود ہے کہ پاکستان اور اسلام کے مستقبل کی خاطر آپ حضرات مسلم لیگ میں نئے انتخابات کرا کے پاکستان کی خالق جماعت میں جمہوری اور مشاورتی کلچر کا سنگ بنیاد رکھ دیں۔ تاکہ اس طرح پاکستان میں صحت مند سیاست کی داغ بیل پڑ سکے۔

ان شاء اللہ العزیز' یہ اقدام پاکستان اور اسلام کے لئے تو بابرکت ہوگا ہی خود آپ حضرات کیلئے بھی مفید نتائج کا حامل ہوگا۔

آپ کے علم میں ہے کہ میں نہ انتخابی سیاست کے میدان کا کھلاڑی ہوں' نہ ہی کشاکش اقتدار میں کسی کا حلیف یا حریف ہوں۔ میرا آپ کو یہ مشورہ خالصتاً نبی اکرم ﷺ کے فرمان مبارک "الدین النصیحۃ" کی تعمیل کے لئے ہے۔

چند ہفتے قبل میں نے آپ سے ملاقات کے لئے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی تاکہ بالمشافہ آپ کی خدمت میں عرض کر سکوں مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اب بھی اگر آپ مزید وضاحت کے لئے مجھے طلب فرمائیں تو بسرو چشم حاضر ہو جاؤں گا۔ فقط والسلام

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

اس خط کے جواب میں میاں شریف صاحب نے میاں نواز شریف کے داماد کیپٹن صفدر کو ڈاکٹر صاحب سے ملاقات اور گفتگو کے لئے بھیجا۔ جس کے دوران ڈاکٹر صاحب نے اپنی رائے کے حق میں مفصل دلائل دیئے اور بالآخر کیپٹن صاحب نے فرمایا کہ وہ یہ ساری باتیں میاں شریف صاحب کو بھی بتا دیں گے۔ اور چونکہ جلد ہی وہ میاں نواز شریف سے ملاقات کے بھی جانے والے ہیں چنانچہ یہ پیغام انہیں بھی پہنچا دیں گے۔

## ظروف واحوال

# ملکی' ملی اور بین الاقوامی حالات پر امیر تنظیم اسلامی کا تبصرہ

## خطابات جمعہ (مسجد دار السلام لاہور) کے پریس ریلیز کے آئینے میں

☆ ☆ ☆

## موجودہ حکومت ملک میں نفاذِ اسلام سے خوف زدہ ہے

### ۸ ستمبر کا خطابِ جمعہ

مذہبی امور کے وفاقی وزیر ڈاکٹر محمود غازی کا یہ کہنا خلافِ واقعہ ہے کہ نفاذ اسلام میں سب سے بڑی رکاوٹ عوام ہیں کیونکہ پاکستان میں اسلام کا نفاذ اگر عوام کی خواہش نہ ہوتی تو بھٹو جیسے سیکولر حکمران کو ۱۹۷۳ء کے آئین میں اسلامی دفعات شامل کرنے اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی ضرورت نہ پڑتی۔ ڈاکٹر محمود غازی کی یہ بات بھی مغالطہ انگیز ہے کہ سودی نظام کے خاتمے کی صورت میں جو پابندیاں اور سختیاں آئیں گی انہیں ۱۴ کروڑ کی آبادی میں سے ۱۴ آدمی بھی برداشت نہیں کر سکیں گے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ حقیقی اسلام کے نام پر قوم سے کوئی بھی قربانی مانگی جائے قوم کبھی پیچھے نہیں ہٹے گی۔ تاہم اسلام کا کھوکھلا نعرہ اب کام نہیں دے گا۔

اسی طرح ڈاکٹر محمود غازی کا قادیانیوں سے متعلق بنائے جانے والے قانون کو عوام کا جذباتی فیصلہ قرار دینا بھی محل نظر ہے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ عوامی تحریکیں جذبات کی بنیاد پر چلتی ہیں لیکن وہ علماء جن کی پکار پر عوام اس تحریک میں شامل ہوئے انہوں نے تو مرزا غلام احمد قادیانی کی تصانیف کے بغور مطالعہ کے بعد سوچ سمجھ کر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اس مسئلے میں تمام مسالک کے علماء کا جتنا بڑا اجماع ہوا تھا' پاکستان کی تاریخ میں کسی اور معاملے میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ لہٰذا قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دلانے کی تحریک کو جذباتی فیصلہ کہنا درست نہیں۔

موجودہ حکومت ملک میں نفاذ اسلام سے شاید اس لئے خوف زدہ ہے کہ کہیں دستوری و ریاستی ڈھانچہ درہم برہم نہ ہو جائے۔ حالانکہ یہ خدشہ بے بنیاد ہے' کیونکہ ہمارے دستور میں ایک اعتبار سے مکمل اسلام موجود ہے' صرف ان اسلامی شقوں پر سے اگر غیر ضروری پابندیاں ہٹالی جائیں اور دستور میں موجودہ بعض رخنے اگر بند کر دیئے جائیں تو ملک میں بہت آسانی سے قوانین اسلامی کی

تنفیذ ہو سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ نظام پارلیمانی جمہوری ہو یا صدارتی' اس سے اسلام کو کوئی بحث نہیں' یہ سب مباح کے درجے میں ہیں۔ اسلام میں اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے اندر رہتے ہوئے باہم مشورے سے تمام امور سرانجام دیئے جاسکتے ہیں۔ ان حدود کے اندر رہتے ہوئے دنیا میں رائج کسی بھی سیاسی نظام کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

واضح رہے کہ اسلامی نظام صرف قوانین اسلامی ہی کی تنفیذ کا نام نہیں بلکہ یہ ہمیں ایک عادلانہ اجتماعی نظام بھی دیتا ہے جو اس کی اصل روح ہے۔ اگر دستور میں موجودہ میکنزم کو چالو کر دیا جائے تو ہمارے ملک میں کم از کم سیاسی سطح پر عادلانہ نظام ضرور قائم ہو جائے گا جبکہ انسانی زندگی کے دوسرے اجتماعی گوشوں میں عدل لانے کے لئے حکومت کو مزید اقدامات کرنا ہوں گے۔ ان میں سب سے اہم اقدام معاشی سطح پر سودی نظام اور جاگیرداری کا فی الفور خاتمہ ہے۔

اقوامِ متحدہ کے میلینیم اجلاس میں چیف ایگزیکٹو کی تقریر اور دیگر ممالک کے سربراہان سے ملاقاتیں بہت کامیاب رہی ہیں۔ اگرچہ بھارت نے اس موقع پر پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ کے لئے ایک کثیر رقم خرچ کی تھی' لیکن پاکستان کی عمدہ حکمت عملی کے باعث اسے دفاعی پوزیشن اختیار کرنا پڑی ہے۔ اسی طرح چیف ایگزیکٹو نے بڑی عمدگی سے کشمیر کے مسئلے کو اس پلیٹ فارم پر دوبارہ زندہ کیا اور یہ کہہ کر کہ اگر بھارت اپنی فوج اور اسلحے میں تخفیف کرنے یا اپنا ایٹمی اسلحہ تباہ کرنے پر رضامند ہو تو ہم بھی اس کی تقلید کریں گے' عالمی برادری کے سامنے بھارت کی ہٹ دھرمی کو نمایاں کر دیا ہے۔

مسلم لیگ کے موجودہ بحران کے پیش نظر میاں محمد شریف صاحب سے میری اپیل ہے کہ وہ ملک کی بہتری کے لئے پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ میں خالص جمہوری انداز میں الیکشن کرا دیں' کیونکہ ملک میں جمہوری نظام کو عمدگی سے چلانے کے لئے دو مضبوط جماعتوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک طویل عرصے کے بعد پیپلز پارٹی کے مقابلے میں مسلم لیگ برابر کی چوٹ بن کر ابھری تھی۔ بصورت دیگر مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ کر ایک بار پھر کمزور ہو جائے گی۔ یہ صورت حال نہ صرف ملک اور مسلم لیگ کے لئے بلکہ خود شریف فیملی کے لئے نقصان دہ ہو گی۔ امیر تنظیم نے کہا کہ یہ بات میں شریف خاندان اور مسلم لیگ کی خیر خواہی کے جذبے سے کہہ رہا ہوں کیونکہ میاں شریف صاحب اگر مسلم لیگ کی صدارت پر اپنے خاندان کے کسی فرد کی قربانی دے کر جمہوری روایات کو فروغ دیں گے تو اس سے مسلم لیگ مضبوط ہو کر پیپلز پارٹی سے بہت آگے نکل جائے گی اور یوں مضبوط مسلم لیگ کی نئی قیادت ان کی ممنون احسان ہو کر ان کے کام بھی آسکے گی۔

# اگر ہم اب بھی نہ جاگے تو تباہی و بربادی ہمارا مقدر ہو گی

## ۱۵ ستمبر کا خطاب جمعہ

بھارتی وزیراعظم واجپائی کے پانچ روزہ دورۂ امریکہ کے بعد پاکستان دوبارہ اسی فیصلہ کن دوراہے پر آ کھڑا ہوا ہے جس سے چھ ماہ قبل صدر کلنٹن کے دورۂ جنوبی ایشیا کے بعد دوچار ہوا تھا۔ لیکن اس بار بھی اگر ہم نے حالات و واقعات کا صحیح تجزیہ کر کے اپنے لئے درست راہ کا تعین نہ کیا تو شاید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں سنبھلنے کا مزید موقع نہ ملے۔ اقوامِ متحدہ کے میلینیم اجلاس میں تمام سربراہانِ مملکت نے شرکت کی، لیکن جس طرح واجپائی کے سرکاری دورے کا اہتمام کیا گیا اور بھارتی وزیراعظم کو کانگریس اور سینٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کا جو غیر معمولی اعزاز بخشا گیا اس سے امریکہ کی نظر میں بھارت کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف پرویز مشرف صاحب کی اس درجے بے وقعتی کی گئی کہ نہ صرف یہ کہ امریکی صدر بل کلنٹن نے ان سے دانستہ ملاقات نہیں کی بلکہ ایک اتفاقی مڈبھیڑ کی خبر اخبارات میں شائع ہونے پر امریکی میڈیا نے باقاعدہ تردید جاری کی کہ یہ کوئی باقاعدہ ملاقات نہ تھی۔ عالمی سطح پر اب اس بات کا چرچا ہے کہ دنیا کی دو عظیم جمہوریتیں ایک دوسرے کے قریب آ رہی ہیں اور بقول شخصے پاکستان دنیا میں تنہا رہ گیا ہے۔ ان حالات میں اگر ہم اب بھی نہ جاگے تو شدید اندیشہ ہے کہ امریکی وزارت دفاع کے پالیسی ونگ کی تیار کردہ حالیہ رپورٹ کا یہ تجزیہ حرف بحرف صحیح ثابت ہو گا کہ ۲۰۲۰ء میں پاکستان دنیا کے نقشے سے غائب ہو جائے گا۔

اب ہمارے پاس بقا کے دو ہی راستے ہیں۔ پہلا یہ کہ اگر ہم امریکہ کی ڈکٹیشن لیں اور اس کے مطالبات کو یکے بعد دیگرے تسلیم کرتے ہوئے اپنی ایٹمی صلاحیت سے دستبردار ہو جائیں اور اسلام سے ترکِ تعلق اور جہاد کو اپنی لغت سے خارج کرنے کا اعلان کریں تو دنیا کے نقشے پر پاکستان قائم تو رہ سکتا ہے لیکن اس صورت میں ہمیں ذلت و رسوائی قبول کرتے ہوئے بھارت اور امریکہ کا تابع مہمل بن کر رہنا ہو گا۔ دوسرا صحیح اور باوقار راستہ یہ ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کے تابع بن کر رہیں اور امریکہ اور اس کے ایجنٹ اداروں یعنی ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کے سامنے ڈٹ جائیں۔ اس صورت میں گو ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن اللہ کی مدد ہمارے شاملِ حال ہو گی اور نہ صرف ہم اپنے وسائل پر اکتفا کرتے ہوئے بتدریج اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں گے بلکہ پوری دنیا کی رہنمائی کا فریضہ بھی سرانجام دے سکیں گے۔

ہمیں حقائق کا نہایت گہرائی میں جا کر تجزیہ کرنا ہو گا اور خوب سوچ سمجھ کر اپنا آئندہ لائحہ عمل

مرتب کرنا ہو گا۔ تاہم اگر ہم نے اب بھی اللہ کی طرف رجوع نہ کیا تو پھر ہم ان کفار و مشرکین سے بھی بد تر ٹھہریں گے جو کم از کم مصیبت کے وقت تو تمام معبودوں کو بھلا کر خالصتاً اللہ کو پکارتے تھے۔ چنانچہ موجودہ حالات میں اگر ہم نے اللہ کو نہ پکارا تو شاید ہم سے زیادہ کوئی بد بخت نہ ہو گا اور بربادی و تباہی ہمارا مقدر بن جائے گی۔

اللہ سے رجوع کرنے کے لئے ہمیں تین سطحوں پر توبہ کے مراحل سے گزرنا ہو گا۔ اولاً ہم میں سے ہر شخص انفرادی سطح پر توبہ کرے' جس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنی معیشت و معاشرت کو حرام و منکرات سے پاک کریں اور ملک میں نفاذ اسلام کے لئے تن من دھن لگانے کو تیار ہو جائیں۔ دوسری سطح پر دینی جماعتیں الیکشن کی سیاست سے توبہ کر کے ملک میں نفاذ اسلام کے لئے متحدہ اسلامی انقلابی محاذ تشکیل دیں' جس کے لئے قواعد و ضوابط پی این اے یا ایم آر ڈی کے طرز پر مرتب کئے جائیں۔ جبکہ توبہ کی تیسری سطح کا تعلق حکومت وقت سے ہے کہ وہ دستور میں موجود اسلامی قوانین کے نفاذ کے میکنزم کو چالو کر دے' اس ضمن میں فیڈرل شریعت کورٹ پر عائد پابندیاں ہٹالی جائیں' عدالت ہذا کے ججوں کی تعداد بڑھائی جائے اور ان کے ججوں کو ہائی کورٹ و سپریم کورٹ کے ججوں کے مساوی قرار دیا جائے۔ مزید بر آں سود کے کامل انسداد کے لئے اقدامات کئے جائیں اور جاگیردارانہ نظام کے خاتمہ کے لئے علماء کا ایک کمیشن مقرر کیا جائے۔ صرف اسی صورت میں پاکستان ایک آزاد ملک کی صورت میں اس دنیا کے نقشے پر قائم رہ سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کا وجود بھی اسلام سے وابستہ ہے اور اس کی معیشت کی بحالی کا دارومدار بھی اسلام ہی سے وابستگی پر ہے۔

ملک کے نصابِ تعلیم میں قرآنی تعلیمات کی شمولیت کے ضمن میں زبیدہ جلال کی طرف سے حالیہ متوقع اجلاس کے حوالے سے میری تجویز یہ ہے کہ عربی زبان کو پہلی جماعت سے دسویں جماعت تک پڑھایا جائے۔ میٹرک کے بعد بنیادی تعلیمات اور اخلاقیات سے متعلق چھوٹی چھوٹی آیتیں اور احادیث کورس میں شامل کی جائیں جبکہ اگلی کلاسز میں قرآن حکیم کی اصولی بنیادی تعلیمات پر ایک منتخب نصاب شامل کورس کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم اس طرح ابتدا ہی سے اپنے نصاب تعلیم کو ترتیب دیں تو ہمارے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

تذکرہ و تبصرہ

# قیامِ پاکستان کے مخالف علماء کے موقف کا حقیقت پسندانہ جائزہ اور منصفانہ تجزیہ

## امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدّ ظلہٗ
## کا یکم ستمبر ۲۰۰۰ء کا خطابِ جمعہ

خطبہ مسنونہ کے بعد تلاوتِ آیات :

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ○ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (الاعراف ۱۲۹)

﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (الانفال ۲۶،۲۷)

﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ○ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ ﴾ (ھود ۱۱۸،۱۱۹)

ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا :

پاکستان کے قیام کے ضمن میں اسلام کا کیا رول ہے اور اس کے استحکام اور اس کی بقاء کے ضمن میں اسلام کا کیا عمل دخل ہے؟ ان موضوعات پر ہم نے جلسہ ہائے عام میں بھی تقاریر کی ہیں' کچھ ہوٹلوں میں بھی اجتماعات منعقد کئے ہیں اور یہاں خطباتِ جمعہ میں بھی یہ موضوع زیر بحث آیا ہے۔ اس ضمن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے' جو کہ بہت سے

لوگوں کے ذہنوں میں یقیناً پیدا ہوا ہو گا' کہ اگر تحریک پاکستان کا اسلام کے ساتھ اتنا گہرا رشتہ تھا تو بعض بڑی مقتدر دینی شخصیتیں' قوتیں اور دینی جماعتیں اس کی مخالف کیوں تھیں؟ ظاہر بات ہے قیامِ پاکستان کے ان مخالفین میں ایک بڑی نابغہ' روزگار شخصیت مولانا ابوالکلام آزاد کا نام بھی آتا ہے' پھر یہ کہ تقویٰ اور تدیّن کے اعتبار سے بڑی عظیم المرتبت شخصیت مولانا سید حسین احمد مدنی'' کا نام بھی ان میں شامل ہے۔ اُس وقت کی جمعیت علماءِ ہند بہت مضبوط اور طاقتور جماعت تھی' اس کا دائرہ کار پورے ہند میں پھیلا ہوا تھا' پنجاب میں خاص طور پر مجلس احرارِ اسلام بڑی عوامی جماعت تھی' یہ سب لوگ پاکستان کے مخالف تھے۔ ان کا موقف اور دلائل کیا تھے؟ اور کیا وجہ ہوئی کہ مسلمانوں نے ان افراد کی رہنمائی کو قبول نہیں کیا' بلکہ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ کی قیادت کو قبول کیا اور ان کی رہنمائی کو عملاً اختیار کرلیا۔

ظاہر بات ہے کہ یہ موضوع بڑا حسّاس قسم کا ہے۔ ہمارا معاملہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جن شخصیات سے ہمیں محبّت یا عقیدت ہوتی ہے ان پر ہم کوئی تنقید برداشت نہیں کر سکتے۔ عام طور پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ تو ہر عیب سے مبرّا و منزّہ ہیں' جبکہ جن سے کسی وجہ سے اختلاف ہو جائے تو ان کے بارے میں کوئی کلمۂ خیر نہیں سن سکتے' ان کے بارے میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ ان کے اندر کوئی خوبی بھی ہو سکتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں عام انسانوں کا طرزِ عمل یہی ہے۔ اِس صورت حال میں ان موضوعات پر اظہارِ خیال کرنا پُل صراط پر سے گزرنے کے مترادف ہے۔ یعنی یہ تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک راستہ ہے کہ انسان ان نازک موضوعات پر گفتگو کرے اور عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے' اور پھر یہ کہ اس موضوع کا حق بھی ادا کرے۔

اب ظاہر بات ہے کہ ان عظیم المرتبت شخصیات میں سے اگر بعض کے معاملے میں اختلاف کرنا پڑتا ہے تو وہ اپنی جگہ ایک ضرورت ہے۔ اس سے یہ نہیں سمجھا جانا چاہئے کہ اس اختلاف کی بنیاد ان کی توہین پر ہے' یا میں ان کی عظمت' جلالت اور قدر سے واقف نہیں ہوں' یا میرے قلب میں ان کے بارے میں کوئی تعصب ہے۔ ایسی بات ہرگز نہیں ہے۔ تاہم یہ تمام شخصیات بہرحال انسان تھیں اور انسان میں خطا اور نسیان دونوں چیزیں

موجود ہیں۔ حدیثِ نبویؐ میں آتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں انسان کے اجزائے ترکیبی میں شامل ہیں : ((اَلْاِنْسَانُ مُرَکَّبٌ مِنَ الْخَطَأِ وَ النِّسْیَانِ)) یعنی "انسان خطا اور نسیان کا مرکب ہے"۔

اس حوالے سے بڑی سے بڑی شخصیتوں سے بھی غلطی ہو سکتی ہے اور ان سے اختلافِ رائے بھی کیا جا سکتا ہے' البتہ آداب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہئے۔

## برِعظیم میں اسلام کی آمد

اب ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں' لیکن ضروری ہے کہ پہلے ہم برعظیم میں اسلام کی آمد کے پس منظر پر ایک نگاہ ڈالیں تاکہ تحریک پاکستان کے مخالف علماء اور شخصیتوں کے موقف کو سمجھنے میں آسانی رہے۔

ہندوستان میں اسلام جس طور سے آیا ہے اس کا ایک تاریخی نقشہ ذہن میں قائم کر لیں کہ ہندوستان میں اوّلاً اسلام اُس وقت آیا جبکہ دورِ صحابہؓ ختم ہو چکا تھا' بلکہ دورِ صحابہ کو ختم ہوئے پچاس برس بیت چکے تھے' یعنی دورِ نبویؐ اور دورِ خلافتِ راشدہ کی برکات سے برِّعظیم پاک و ہند بالکل محروم رہا۔ ۹۳ھ میں محمد بن قاسم جب یہاں داخل ہوئے تو یہ تابعین کا دَور تھا۔ ہندوستان میں اسلام کا داخلہ براستہ سندھ تھا' جو کہ بہت زوردار تھا اور اس اعتبار سے یہ خالص عربی الاصل اسلام تھا اور اس میں عجمیت کا کوئی حصہ داخل نہیں ہوا تھا۔ ابھی کوئی فرقہ تھا نہ کوئی مسلک' بلکہ اسلام ایک متحد اسلام کی حیثیت سے تھا۔ ابھی تو فقہی مسالک یعنی حنفیت' مالکیت اور شافعیت وغیرہ بھی نہیں تھے' صوفیاء کے سلسلے یعنی چشتیہ' سہروردیہ اور نقشبندیہ وغیرہ بھی ابھی وجود میں نہیں آئے تھے' پھر یہ کہ اسلام میں عجمی فلسفے کے کوئی اثرات نہیں تھے اور متکلمانہ بحثیں شروع نہیں ہوئی تھیں۔ یوں سمجھئے کہ اُس وقت اسلام سے قریب ترین جو معاملہ ہو سکتا تھا وہی تھا۔

اگرچہ حضور ﷺ کے انتقال کو تو ۸۰ برس بیت چکے تھے اور خلافتِ راشدہ کو ختم ہوئے پچاس برس گزر چکے تھے' دَورِ صحابہ ختم ہو چکا تھا' للذا اسلام کی عظیم ترین برکات سے تو یہ برعظیم پاک و ہند محروم رہا' لیکن پھر بھی بعد کے تمام ادوار کے مقابلے میں یہ

بہترین دَور تھا کہ ابھی اس میں فرقہ واریت تھی نہ کوئی مناقشے اور جھگڑے تھے۔ اسلام میں ابھی اصل عربی روایات برقرار تھیں۔ لیکن ہندوستان میں اسلام کی آمد کا یہ دَور بہت مختصر رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب میں ملوکیت کا آغاز ہو چکا تھا اور یہاں محمدؐ بن قاسم کو اس قدر مقبولیت حاصل ہو رہی تھی کہ ہندوؤں نے ان کے بُت تراش کر مندروں میں رکھ کر پوجنے شروع کر دیئے تھے۔

محمدؐ بن قاسم اٹھارہ بیس برس کا نوجوان تھا' جو کہ "در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیمبری" کا مصداقِ کامل تھا۔ اس کی نیکی' تقویٰ' تدبّر اور اس کی سپہ سالاری کے جوہر ایسے تھے کہ ہندو کہتے یہ انسان نہیں دیوتا ہے۔ ہندو کی تو ذہنیت ہی یہ ہے کہ وہ تو فوراً ایسی شخصیات کو مہاتما اور مہاتما سے آگے خدا کا اوتار بنا کر پوجنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ مقبولیت بادشاہت کو کسی طرح گوارا نہیں ہوتی' ملوکیت یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ کوئی اور شخص اتنا مقبول ہو جائے' اس لئے کہ یہ اس حاکمیت کیلئے Potential danger ہو جائے گا' لہٰذا محمدؐ بن قاسم کو بلا کر شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ یہاں اسلام رہا ہے' لیکن وہ کتنے عرصے رہا اور اس کے کتنے اثرات رہے' حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔ ویسے یہ نوٹ کر لیجئے کہ مغربی پاکستان یعنی ہمارے موجودہ پاکستان کا پورا علاقہ اُس وقت اسلام کے زیرِ نگیں آ گیا تھا۔ ملتان کو اصل میں اس کے صدر مقام کی حیثیت حاصل تھی اور آزاد کشمیر تک کا علاقہ جہاں سے پہاڑی سلسلہ شروع ہوتا ہے' یہ ملتان کے تابع تھا۔ صرف شمالی پہاڑی علاقوں کو چھوڑ کر گویا برِّعظیم میں پہلا "پاکستان" عربوں کے زیر اثر بن چکا تھا' لیکن پھر جلد ہی یہ "پاکستان" ختم بھی ہو گیا' اسلئے کہ یہاں اسلام کے اثرات مستقل نہیں تھے۔ اسکے بعد کتنی دیر تک کیا صورت حال رہی! تاریخ یہ بتانے سے قاصر ہے۔

اس کے بعد ہندوستان میں اسلام مسلسل بارش کی ہلکی ہلکی پھوار کی طرح اس کے جنوبی ساحل پر تاجروں [illegible] ذریعے آتا رہا۔ وہ تاجر تجارت بھی کرتے تھے اور ان کی شخصیتیں دل کو موہ لینے والی [illegible] تھیں۔ ان [illegible] کردار بہت اعلیٰ اور معاملات بہت صحیح تھے۔ اس [illegible] طریقے سے ان تاجروں کے ذریعے سے اسلام یہاں کے ساحلی علاقوں میں آیا۔ مالابار کا ساحل اور جنوبی ہند [illegible] میں اب بھی مسلمانوں کی [illegible] ہے اور ان کا ثانی

دبدبہ ہے۔ ان کو عربی زبان سے بڑا شغف ہے۔ گویا کہ مالابار کا ساحل اس اعتبار سے عرب کا حصّہ بن گیا تھا۔ اُدھر سے عرب کا ساحل' اِدھر سے ہندوستان کا مغربی ساحل اور بیچ میں بحیرۂ عرب ان عرب تاجروں کے زیر اثر تھا۔ اگرچہ یہاں کوئی حکومت وغیرہ قائم نہیں ہوئی تھی البتہ اسلام مسلسل پھیلتا رہا۔

اس کے بعد وہ اسلام جو قوّت' طاقت اور حکومت لے کر آیا وہ تقریباً ڈھائی سو برس بعد آیا ہے' جس کا آغاز ۹۸۰-۱۸ء میں محمود غزنویؒ کے حملوں سے ہوا۔ اُس وقت گویا کہ موجودہ پاکستان کے پنجاب کا شمالی حصّہ پورے کا پورا دارالسّلام میں شامل ہو چکا تھا۔ اسی لئے تو اندرا گاندھی نے وہ جملہ کہا تھا کہ "We have avenged our thousand years defeat" یعنی ۹۸۰ء تا ۱۹۷۱ء تک ہزار برس مکمل ہونے میں صرف نو برس کا فرق رہ گیا تھا۔ اس لحاظ سے اس نے کہا تھا کہ ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا دیا ہے۔ بہرحال اسلام جب آیا تو تین سو برس تک صرف اسی علاقے میں رہا' آگے نہیں بڑھا۔ اسی دَور میں شیخ اسماعیلؒ بخاری اور شیخ علی ہجویریؒ یہاں آئے اور ان کے ذریعے سے پھر تربیت اور روحانی سلسلوں کا بھی آغاز ہوا۔

## تختِ دہلی پر مسلمانوں کی حکومت

مسلمانوں کا تختِ دہلی پر قبضہ ۱۲۰۶ء میں قطب الدین ایبک کے ذریعے ہوا۔ تخت دہلی پر ۱۲۰۶ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک ۶۵۱ برس مسلمانوں کا قبضہ رہا۔ اس دَورِ حکومت کا بہترین دور خاندانِ غلاماں کا تھا۔ اسی دَور میں معین الدین اجمیریؒ' خواجہ بختیار کاکیؒ اور بابا فرید الدین گنج شکرؒ یہاں آئے اور سلسلۂ چشتیہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ اس کے بعد نظام الدّین اولیاءؒ کے ذریعے سے تو پورے ہندوستان میں تبلیغ اسلام کا بہت غلغلہ بلند ہوا۔

تختِ دہلی پر ہماری حکومت کے ساڑھے چھ سو برس کو دو حصّوں میں تقسیم کر لیجئے۔ آدھا حصّہ وہ ہے جس میں سب سے پہلے تو خاندانِ غلاماں کی حکومت رہی' پھر خلجی خاندان' اس کے بعد تغلق خاندان' پھر خاندانِ سادات اور پھر لودھیوں کی حکومت رہی۔ تخت دہلی پر سوا تین سو برس (۱۲۰۶ء-۱۵۲۶ء) کے دوران پانچ خانوادوں یا

خاندانوں نے حکومت کی۔ تختِ دہلی پر حکومت کے دوسرے حصّے کا آغاز ۱۵۲۶ء میں بابر کے آنے سے ہوا۔ پانی پت کی پہلی جنگ میں اس نے ابراہیم لودھی کو شکست دی۔ اس طرح ۱۵۲۶ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک تخت دہلی پر ۳۳۱ برس تک خاندانِ مغلیہ کی حکومت رہی۔ لیکن خاندانِ مغلیہ کے سوا تین سو برس میں سے بابر' ہمایوں' (پھر درمیان میں شیر شاہ سوری آگیا) اکبر' جہانگیر' شاہجہاں اور اورنگزیب کے دَور تک پونے دو سو برس کا دور بڑی قوت' شوکت' دبدبے اور سطوت کا دور ہے۔

## ہندوستان میں مسلمانوں کا زوال

اس کے بعد ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت زوال پذیر ہونا شروع ہو گئی' لیکن جیسے ایک بلند عمارت کو گرنے میں وقت لگتا ہے اسی طرح سوا سو' ڈیڑھ سو برس درحقیقت اس عظیم عمارت کے کھنڈر بننے کا وقت ہے۔ ع

کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی!

اس میں آخری حکمران بہادر شاہ ظفر ہیں جنہیں گرفتار کر کے رنگون پہنچا دیا گیا اور وہیں ان کا انتقال ہوا ؎

کتنا ہے بدنصیب ظفؔر دفن کے لئے دو گز زمیں بھی مل نہ سکی کوئے یار میں!

شہنشاہِ ہند آج بھی کوئے غیر میں دفن ہے' اور آج بھی رنگون میں ان کا مزار موجود ہے۔

اب اس سے ذرا آگے آیئے اور تقریباً ڈھائی سو سال پہلے ۱۸ویں صدی عیسوی کا تصور کیجئے! اس صدی میں ۱۷۵۷ء بڑا اہم سال ہے۔ اس وقت ہندوستان کا عجیب نقشہ تھا کہ ہندوستان کی مرکزی حکومت بالکل برائے نام تھی' یعنی اس کی کوئی حیثیت نہیں رہی تھی۔ پورا ہندوستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا تھا' جن میں کہیں مسلمان نواب' کہیں ہندو راجے' کہیں مرہٹے اور راجپوت وغیرہ حکمران تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ انگریز کی آمد شروع ہو چکی تھی۔

## انگریزوں کی آمد

۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی میں انگریزوں نے فتح حاصل کر کے بنگال میں قدم جما لئے

تھے۔ ویسے تو واسکوڈے گاما ۱۴۹۸ء میں ہندوستان آیا تھا۔ ۱۴۹۲ء میں سقوطِ غرناطہ ہوا۔ اور یورپ کے اندر نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) کے بعد جو Potential پروان چڑھ رہا تھا وہ پھر سیلاب کی شکل میں یہاں آیا ہے۔ زمینی راستے یعنی مشرق کی طرف سے یہ نہیں آسکتا تھا' کیونکہ اس طرف سلطنت عثمانیہ بہت مضبوطی سے کھڑی تھی' لہٰذا یہ نہ شمالی افریقہ کے اندر سے اور نہ ہی مغربی ایشیاء کے راستے سے آسکتا تھا' چنانچہ واسکوڈے گاما پورے افریقہ کا چکر کاٹ کر ۱۴۹۸ء میں ہندوستان کے مقام کالی کٹ پہنچ گیا۔

۱۴۹۸ء سے لے کر ۱۷۹۷ء تک تو انگریزوں کا معاملہ یہ تھا کہ کاروبار کر رہے ہیں' کوٹھیاں بنا رہے ہیں' مرکز بنا رہے ہیں اور انہوں نے ساحلوں پر اپنے کچھ قلعے بھی بنا لئے ہیں۔ ان کا یہ معاملہ صرف بنگال کی حد تک محدود تھا' بعد ازاں بنگال ہی سے ان کی حکومت کا آغاز ہوا اور یہ سیلاب ۱۷۹۷ء میں جنگ سے شروع ہوا۔ اس وقت برعظیم ہندوستان میں عظیم ترین طاقت مرہٹوں کی تھی۔ جنوبی اور وسطی ہند پر مرہٹوں کا تسلط تھا۔ مختلف ریاستوں کے راجے وغیرہ تو تھے لیکن مرہٹے ان سے "چوتھ" یعنی کل پیداوار کا چوتھائی حصہ وصول کرتے تھے۔ اور ان کی طاقت اتنی تھی کہ کوئی راجہ یا کوئی مسلمان نواب حتیٰ کہ دہلی میں بیٹھا ہوا بادشاہ بھی ان کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا تھا۔ اور اندیشہ یہ ہو گیا تھا کہ شاید ہندوستان سے مسلمانوں اور اسلام کا نام مٹا دیا جائے گا' اس لئے کہ مرہٹہ قوت بڑی فنڈامنٹلسٹ مذہبی قوت تھی اور مسلمانوں اور اسلام سے شدید نفرت کرتی تھی۔ آج بھی ہندوستان میں ان کے وارث آر ایس ایس والے ہیں اور آر ایس ایس اسی علاقے سے شروع ہوئی ہے' یعنی مہاراشٹر اور ناگپور وغیرہ کا علاقہ جسے اب مدھیہ پردیش کہتے ہیں' یہیں سے وہ مرہٹہ طاقت ابھری تھی۔ شیواجی بھی یہیں سے تھا' جس کے خلاف اورنگ زیب عالمگیر پچیس برس تک لڑتا رہا۔ اندازہ کیجئے اورنگزیب کا دورِ حکومت پچاس برس کا ہے' جبکہ ۲۵ برس وہ اپنے دارالخلافہ دہلی میں آ ہی نہیں سکا' بلکہ مرہٹوں اور شیواجی سے الجھا رہا اور آخر کار وہیں اس کا انتقال ہوا۔ وہ اورنگ آباد میں دفن ہے' جو ریاست حیدر آباد دکن کا شہر تھا' اب یہ شہر مہاراشٹر میں ہے۔ اورنگ زیب نے اس طاقت کو ایک دفعہ تو کچل دیا تھا' لیکن ابھی وہ سانپ مرا نہیں تھا'

صرف کچلا گیا تھا' لہٰذا وہ جلدی سے دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت دہلی کے ایک مردِ درویش شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے' جو ۱۲ویں صدی ہجری کے مجددِ اعظم ہیں' دیکھ لیا کہ اب ہندوستان میں اس طاقت کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں۔ کوئی راجہ' نواب' سپہ سالار اور کوئی عسکری قائد اس قوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا' لہٰذا انہوں نے احمد شاہ ابدالی کو خط لکھا۔ چنانچہ احمد شاہ ابدالی آیا اور پانی پت کی تیسری جنگ (۱۷۶۱ء یا ۱۷۶۲ء) میں اللہ کی خاص تائید سے اس قوت کی کمر توڑ دی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی معجزانہ نصرت شامل تھی جس سے مرہٹہ قوت کچلی گئی۔ اس کے کچھ عرصے بعد سکھ ابھر آئے۔ اصل میں سکھوں کے ابھرنے میں احمد شاہ ابدالی بھی ذریعہ بن گیا تھا۔ ہوا یوں کہ ابدالی کی توپیں دریا میں پھنس گئی تھیں' جو نکل نہیں رہی تھیں تو رنجیت سنگھ اور اس کے ساتھیوں نے ان کو نکلوا دیا تھا۔ اس سے خوش ہو کر احمد شاہ ابدالی نے انہیں کچھ علاقہ دے دیا۔ وہاں پر رنجیت سنگھ نے اپنے قدم جمائے اور سکھوں کی طاقت کو مجتمع کیا۔ پھر یوں سمجھئے کہ جیسے مرہٹوں کا معاملہ تھا ویسے ہی اسلام اور مسلمانوں کے لئے سکھوں کا معاملہ ہو گیا۔

جنوبی ہند میں سلطان ٹیپو کی واحد طاقت تھی جو انگریز کا راستہ روکے کھڑی تھی۔ لیکن اپنوں کی غدّاری سے انہیں شہادت ہوئی تو ہندوستان پر مسلمانوں کا حصار ختم ہو گیا۔ عجیب بات ہے کہ پلاسی کی جنگ میں انگریزوں کو جو فتح ہوئی وہ بھی میر جعفر کی غداری کی وجہ سے ہوئی' جو شیعہ تھا' اور ادھر میر صادق بھی شیعہ تھا جس کی غداری کی وجہ سے سلطان ٹیپو کو شکست ہوئی اور وہ شہید ہوئے ؎

جعفر از بنگال و صادق از دکن ننگِ ملّت' ننگِ دیں' ننگِ وطن!

یوں سمجھئے کہ جنوبی ہند میں سلطان ٹیپو آخری سپہ سالار تھے' جسے اقبال نے ہمارے ترکش کا آخری تیر کہا ہے۔ ع

ترکشِ ما را خدنگِ آخریں!

یعنی اسلام کے ترکش کا آخری تیر سلطان ٹیپو تھا' وہ ختم ہوا تو اب ہندوستان میں انگریز کی طاقت کو کوئی روکنے والا اور اس کی پیش قدمی کے آگے کہیں رکاوٹ ڈالنے والا کوئی نہیں تھا۔

یہ میں نے آپ کو اٹھارہویں صدی عیسوی کا کچھ نقشہ دکھایا ہے' اس لئے کہ تاریخی اہمیت کے کم از کم اہم Landmarks تو ہمارے ذہنوں میں رہنے چاہئیں۔

## تحریکِ شہیدین

اب ہم انیسویں صدی میں آتے ہیں۔ یہ تیرہویں صدی ہجری تھی جس کے مجدّدِ اعظم سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سامنے آتے ہیں' جو درحقیقت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے خاندان کے تربیت یافتہ شخص تھے۔ آپ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور شاگرد بھی تھے' اگرچہ علمی مناسبت ان کو اتنی نہیں تھی' ترجمہ قرآن وغیرہ پڑھنے کے بعد آگے پڑھنے میں نہیں چلے' لیکن جہاد کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور روحانی طاقت بھی بے پناہ تھی۔ امیر محمّد خان جب تک انگریزوں سے لڑتا رہا اُس وقت تک آپ نے اس کا ساتھ دیا۔ امیر محمّد خان کو انگریز پنڈارے کہتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ گویا کہ قاتل تھے۔ جیسے حروں کو انگریزوں نے کہا کہ یہ تو ڈاکو ہیں' حالانکہ وہ کوئی ڈاکو نہیں تھے' بلکہ انگریزوں کے خلاف مدافعت کرنے والی قوت تھی۔ اسی طرح پنڈارے ڈاکو نہیں تھے' وہ تو سنٹرل انڈیا میں انگریزوں کے خلاف مزاحمت کر رہے تھے۔ سید احمد بریلوی انگریزوں کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے امیر محمّد خان کی فوج میں بھی شامل رہے' لیکن بعد میں جب امیر محمّد خان نے انگریزوں سے دب کر صلح کرلی گویا کہ اطاعت قبول کرلی' تو انگریزوں نے اسے ایک ریاست دے دی۔ ہندوستان کے آزاد ہونے تک وہ ریاست موجود تھی۔ بہرحال جب امیر محمّد خان نے انگریز کی اطاعت قبول کرلی تو سید احمد بریلویؒ اس کا راستہ چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے اور پھر انہوں نے خود تحریکِ جہاد کا آغاز کیا۔ یہ جہاد تاریخ ہند کا اہم ترین جہاد ہے۔ اس کے لئے خالص اسلامی اصولوں پر جماعت بندی کی گئی۔ پہلے بیعت کی بنیاد پر تنظیم سازی کی گئی' رفقاء کی اخلاقی اور دینی تربیت کی گئی اور پھر قتال کا راستہ اختیار کیا گیا۔ یہ مراحل یوں سمجھئے کہ سُنّت کا طریقہ ہیں کہ پہلے دعوت دی جائے' تربیت و تزکیہ ہو' لوگوں کو بیعت کے ذریعے سے منظم کیا جائے اور پھر جہاد و قتال کے لئے نکلا جائے۔

یہ نقشہ دَورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد میرے نزدیک پوری دنیا میں کہیں نہیں تھا۔ یہ

شہیدین کی تحریک کہلاتی ہے' کیونکہ سید احمد بریلوی اور ان کے دستِ راست شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جو شاہ ولی اللہؒ کے پوتے تھے' یہ دو اشخاص اس تحریک کی روحِ رواں تھے۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ سید صاحب سے عمر میں بڑے تھے۔ جب آپ شہید ہوئے تو آپ کی عمر ۵۲ برس تھی اور سید صاحب اُس وقت ۴۶ برس کے تھے۔ گویا کہ آپ چھ سال عمر میں بڑے تھے اور علم میں تو بہت آگے تھے۔ لیکن انہوں نے جس شان سے بیعت کے تقاضے نبھائے تھے اور جس طرح بالا کوٹ میں آکر جان دے دی وہ اپنی مثال آپ ہے۔

ان شہیدین نے اصل میں جو نقشہ ذہن میں بنا رکھا تھا وہ لوگوں کو معلوم نہیں ہے' لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید سکھوں کے ساتھ ان کی دشمنی تھی' حالانکہ ان کے پیش نظر ہندوستان کو دوبارہ دار الاسلام بنانا تھا۔ انگریزوں کی آمد کے بعد شاہ عبدالعزیزؒ نے (جو ان کے مرشد ہیں) فتویٰ دے دیا تھا کہ انگریز کے آنے کے بعد اب ہندوستان دار الاسلام نہیں رہا' دار الحرب بن چکا ہے اور دار الحرب کو آزاد (liberate) کرانا مسلمانوں کا فرض ہے۔ چنانچہ ان کے پیش نظر تو در حقیقت ہندوستان کو انگریزوں سے آزاد کرانا تھا' لیکن سوال یہ تھا کہ اس کی حکمتِ عملی (strategy) کیا ہو؟ انگریز کی حکومت کے اندر رہتے ہوئے ان کے خلاف تحریک کیسے چلے؟ اس لئے کہ پورے ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا انہوں نے یہ منصوبہ بندی کی کہ ہمیں سرحد کی طرف سے پیش قدمی کرنی چاہئے اور سب سے پہلے سکھوں کی سکھا شاہی کا خاتمہ کرنا چاہئے۔

سکھوں نے یہاں اس قدر مظالم توڑے تھے کہ انہیں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے بادشاہی مسجد کو اصطبل بنایا ہوا تھا اور لاہور کی اکثر مساجد کی سیڑھیوں پر قرآن مجید کے نسخے رکھ دیئے گئے تھے اور مسلمانوں کو حکم دیا جاتا کہ ان پر پاؤں رکھ کر اندر داخل ہوں' ورنہ خالصہ تمہاری گردن اڑا دے گا۔ سکھوں نے اذان دینے پر بھی پابندی عائد کر رکھی تھی۔ اس صورتِ حال میں انہوں نے جہاد کی حکمت عملی (Strategy) ایسی بنائی کہ جہاد شروع کرنے کے لئے بہت لمبا سفر کیا۔ ماؤزے تنگ کا لانگ مارچ مشہور ہے' لیکن میرے نزدیک یہ مارچ اس سے کہیں زیادہ لانگ تھا۔ سید صاحب کا قافلہ رائے بریلی سے روانہ ہوا' جو لکھنؤ سے بھی الٰہ آباد کی طرف تیس چالیس میل آگے ہے' پھر آپ نے پورا

راجپوتانہ کراس کیا اور سندھ کا پورا صحرا عبور کیا۔ پیرپگاڑا صاحب کے پانچویں پشت کے جدِّ امجد سے آپ کا معاہدہ ہوا تھا کہ ہم جب سکّھوں کو دھکیلتے ہوئے پنجاب میں آجائیں گے تو آپ بھی ادھر سے ڈیرہ غازی خان کے راستے سے آئیے گا' یہاں آکر ہماری فوجیں آپ سے مل جائیں گی اور ہم مل کر ہندوستان سے انگریزوں کو نکالیں گے۔ سید صاحب کے دو تبرکات تھے جو انہوں نے اس راشدی خاندان کو عطا کئے' ایک اپنا عَلم اور دوسرا اپنا عمامہ۔ ان کے ہاں جب خاندان میں تقسیم ہوئی تو ایک بھائی کو عمامہ مل گیا جس سے وہ پیرپگاڑا بن گئے اور دوسرے بھائی کو ان کا جھنڈا مل گیا تو وہ پیر جھنڈا شریف ہو گئے۔ پگاڑا پگڑی سے ہی بنا ہے۔ بہرحال انہوں نے پورا درۂ بولان کراس کیا جو کہ بلوچستان کا شدید ترین دشوار گزار علاقہ ہے' پھر آپ افغانستان میں داخل ہوئے اور پھر باجوڑ کے علاقے سے ہندوستان میں داخل ہوئے (آپ ان کے لانگ مارچ کا ذرا تصور کیجئے)۔ اس کے بعد سکھوں کے ساتھ ان کا جہاد ہوا' لیکن افسوس یہ کہ انہیں اس معرکے میں شکست ہوئی۔

میں جب ۱۹۵۲ء میں پہلی مرتبہ بالاکوٹ گیا تھا جبکہ میں میڈیکل کالج میں پڑھتا تھا' تو وہاں ایک قبر پر سید احمد شہید" کا کتبہ لگا ہوا تھا' اگرچہ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ غلط ہے اور سید صاحب کی قبر کا کوئی علم نہیں کہ وہ کہاں دفن ہیں۔ بعد میں اس کتبے کو ہٹا دیا گیا۔ اس کتبے کے اشعار مجھے آج بھی یاد ہیں ؎

سیّد احمد بریلوی غازی
ہست مدفون اندریں مرقد
مؤمن و متّقی ولی اللہ
و مجدّد برأسِ سیزدہ صد
آمد از ہند با گروہِ کثیر
بہرِ امدادِ مرد ماں سرحد

آپ سرحد کے مسلمانوں کو سکھاشاہی سے نجات دلانے کے لئے آئے اور وہاں جاکر انہوں نے شریعت کے احکام کی تنفیذ کر دی۔ وہ سمجھے کہ یہ تو دارالاسلام ہے' ساری آبادی مسلمانوں کی ہے' سب نمازی اور روزے دار ہیں' حالانکہ ان کے رواج مختلف

تھے۔ وہاں آج بھی بیٹیوں کو وراثت میں سے حصّہ کون دیتا ہے؟ بلکہ بیٹی کی شادی پر لڑکے والوں سے پیسے لئے جاتے ہیں۔ یہ سارے رواج آج بھی وہاں چل رہے ہیں۔ سیّد صاحب نے جب شریعت کے احکام نافذ کئے تو وہاں کے مولوی ان کے خلاف بغاوت پر اتر آئے اور ان کے خلاف فتویٰ دیا۔ پھر یہ کہ پٹھانوں نے ایک رات معیّن کر کے شب خون مارا اور جہاں جہاں ان کے کیمپ تھے وہاں پر حملہ کر کے سینکڑوں مجاہدین کو شہید کر دیا۔ یہ لوگ بنگال' بہار اور یوپی کے میدانوں کے رہنے والے تھے اور کتنا لمبا سفر کر کے اسلام کی سربلندی کے لئے وہاں پہنچے تھے' لیکن ان کی بہت بڑی تعداد کو پٹھانوں نے شہید کر دیا۔ اس طرح ان مجاہدین کے ساتھ غداری کی گئی اور سیّد صاحب کو تو زہر دینے کی کوشش بھی کی گئی۔ اکوڑہ خٹک کے قریب سیدو ایک جگہ ہے' یہاں پر جنگ ہو رہی تھی تو سیّد صاحب کو زہر دے دیا گیا۔

میرے نزدیک ان کی شکست میں کسی حد تک ان کی اپنی غلطی کو بھی دخل ہے۔ پہلے وہاں لوگوں کی تربیت کرنے اور ان کو ذہناً تیار کر کے شریعت کے نفاذ کی ضرورت تھی۔ شاید انہوں نے قیاس کیا ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی تو مدینے میں آ کر شریعت نافذ کر دی تھی' لیکن اس ضمن میں یہ فرق پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ مدینے والے تو حضور ﷺ کو جا کر لے کر آئے تھے' جبکہ سید صاحب کو تو وہاں کوئی لے کر نہیں آیا تھا' آپ تو خود اپنی مرضی سے آئے تھے۔ لہٰذا وہاں کچھ وقت لینا چاہئے تھا کہ لوگوں کے ذہن' فکر اور سوچ کو بدلا جاتا اور اس کے بعد تدریجاً شریعت کی تنفیذ ہوتی۔ بہرحال سید صاحب سے جو غلطی بھی ہوئی نیک نیتی سے ہوئی' اور یہ بڑے سے بڑے شخص سے ہو سکتی ہے' لیکن اس کے نتیجے میں آپ نے ۱۸۳۱ء میں جامِ شہادت نوش کر لیا۔ یہ تاریخ ہند کا زرّیں ترین باب ہے۔ یہ خالص منہجِ انقلابِ نبویؐ کے اصول پر اسلامی تحریک تھی' لیکن غلطی ہو گئی۔ غلطی تو اُحد میں اگر صحابہؓ سے ہو گئی تھی تو اس کے نتیجے میں ستّر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے تھے۔ وہ تو حضور ﷺ کا وجودِ مسعود تھا' اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک حد تک ہی معاملہ رکھا کہ ایک عارضی سی شکست دے کر پھر فتح دے دی' لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہوا۔

یہ بات نوٹ کیجئے کہ انگریز کے ہندوستان آنے کے بعد ان کو نکالنے کی جدّوجُہد اوّلاً

مسلمانوں نے کی اور خالص اسلامی طریقے سے کی۔

۱۸۲۶ء میں سید صاحب اور ان کے ساتھیوں نے رائے بریلی سے سفر شروع کیا تھا۔ مجھے وہاں جانے کا اتفاق ہوا ہے اور میں اُس خانقاہ میں ۲۴ گھنٹے رہا ہوں' میں نے پانچ نمازیں باجماعت اُس مسجد میں پڑھی ہیں۔ یہ مسجد اور خانقاہ شاہ عَلَمُ اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اکبر کے زمانے میں بنائی تھی' جو کہ سید احمد بریلویؒ کے جدِّ امجد تھے۔ ان کے نام سے تکیہ شاہ عَلَمُ اللہ آج بھی مشہور ہے۔ مولانا علی میاںؒ اسی خاندان سے تھے اور وہیں ان کی رہائش تھی۔ میں ان کی خدمت میں دو مرتبہ وہاں گیا ہوں۔ سید صاحب نے رائے بریلی سے دو نفل پڑھ کر ہجرت شروع کی۔ غالباً وہاں سئی ندی ہے' اسے عبور کر کے اور دُور دراز کا طویل سفر کر کے افغانستان کے راستے سے سرحد میں داخل ہوئے اور بالا کوٹ میں جا کر جامِ شہادت نوش کیا۔ بالا کوٹ ایبٹ آباد سے چالیس پینتالیس میل دُور ہے۔

یہ خالص اسلامی تحریک تھی اور ہندو کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ البتہ مولانا مدنی نے اپنی خود نوشت سوانح حیات "نقشِ حیات" میں لکھا ہے' بلکہ وہ خطوط بھی شائع کر دیئے ہیں جو سید صاحب نے ہندوستان کے ہندو راجاؤں اور مہاراجاؤں کو لکھے تھے کہ ہم ہندو اور مسلمان بہت عرصے سے یہاں رہ رہے تھے' ہمارے درمیان کوئی جھگڑے نہیں تھے' کوئی فساد نہیں تھا' بلکہ امن کے ساتھ رہ رہے تھے' اب جبکہ انگریز سات سمندر پار سے آگئے ہیں اور انہوں نے آکر تختِ حکومت پر قبضہ جمالیا ہے تو ہمیں مل جل کر ایک متحدہ محاذ بنا کر انہیں یہاں سے نکالنا چاہیے۔ سید صاحب کی سکیم تو یہ تھی کہ پہلے پنجاب اور سرحد کو سکھا شاہی سے نجات دلائیں اور پھر انگریزوں سے دو دو ہاتھ کریں' پھر یہ کہ ہندوستان کے اندر سے بھی مسلمان بغاوت کریں گے اور ادھر سے پیر پگاڑا اپنی حروں کی فوج لے کر پنجاب میں ان سے مل جائیں گے' لیکن یہ سکیم کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی۔ یہ جہادِ آزادی ۱۸۲۶ء سے ۱۸۳۱ء تک ہوا' جو کہ خالصتاً مسلمانوں نے شروع کیا اور جس میں کوئی ہندو شامل نہ تھا' اگرچہ وہ اپنے نیک ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میؔر
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا!

جن فرزندانِ توحید نے اس جہاد میں اپنی جانیں دے دیں' ان کے لئے سرخروئی اور کامیابی ہی کامیابی ہے۔

## ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی

اس کے بعد ۱۸۵۷ء میں مسلمان اور ہندو دونوں انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ کوشش بھی ناکام ہو گئی۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو عرض کروں کہ اس ناکامی میں کافی بڑا دخل پنجاب کے مسلمانوں کا ہے۔ کیونکہ پنجاب کے مسلمان کو انگریز نے آکر سکھا شاہی سے نجات دلائی تھی' لہٰذا پنجاب کا مسلمان انگریز کا ممنونِ احسان تھا۔ سندھ میں انگریز نے آکر مسلمان سے حکومت چھینی تھی' لہٰذا سندھی مسلمانوں میں انگریز کے خلاف بغاوت اور نفرت کے آثار آخری وقت تک قائم رہے۔ حُروں نے انگریزوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا اور یہ سلسلہ آزادی سے پہلے تک یعنی ۴۵۔۱۹۴۴ء تک اس طرح جاری رہا کہ آج فلاں سٹیشن جلا دیا' آج فلاں تھانے پر حملہ کر دیا۔ ان کی یہ شورش آخری وقت تک چلتی رہی۔ پنجاب میں معاملہ اس کے برعکس تھا' کیونکہ سِکھا شاہی اور انگریز کی قانونی عملداری میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ انگریزوں کے آنے کے بعد اس طرح کی بدامنی نہیں تھی' لہٰذا پنجابی مسلمان انگریز کے وفادار ثابت ہوئے۔ نہ صرف پنجاب کے مسلمان بلکہ سرحد کے بھی وسطی اضلاع مردان' پشاور اور کوہاٹ کے مسلمانوں کا معاملہ بھی یوں ہی تھا۔ کیونکہ سرحد کے ان تین اضلاع پر بھی اسی طریقے سے سکھوں کا تسلط تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے لوگ بھی انگریز کے بہت وفادار ثابت ہوئے۔ یہاں تک کہ پنجاب اور سرحد کے تین اضلاع سے تو انگریزوں کو بہترین فوج ملی تھی' بلکہ پنجاب رجمنٹ نے تو جا کر دلّی انگریزوں کو واپس فتح کر کے دی ہے' ورنہ دلّی انگریزوں کے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ اسی مسلمان فوج نے اس صدی میں جنرل ایلن بی کے ہاتھ پر یروشلم فتح کروایا تھا۔ یہودیوں کے مرکز یعنی اسرائیل کے بننے کی ابتداء اس صدی کے آغاز میں ہو گئی تھی اور اس ضمن میں جنرل ایلن بی کی مدد کرنے والی ہندوستان کے مسلمانوں کی فوجیں تھیں۔ بہرحال یہ تلخ بات ہے۔ اگر ان

مسلمانوں کا انگریزوں کے ساتھ وفاداری کا معاملہ ہوا ہے تو اس کا سبب بھی میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی جب ناکام ہو گئی تو اب تاجِ برطانیہ کی براہِ راست حکومت کا دور آ گیا۔ اس سے پہلے تو ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلّط تھا۔ یہ تجارتی کمپنی تھی اور اس کے گورنر جنرل ہوتے تھے۔ اب وائسرائے کا تقرر شروع ہوا۔ تاجِ برطانیہ اور ملکہ وکٹوریہ کے براہِ راست زیر تسلّط ہم ۱۸۵۷ء کے بعد آئے ہیں۔ اب یہ فرق واقع ہوا کہ حکومت اب تلوار سے نہیں بلکہ قلم سے ہوتی تھی۔ ایک وائسرائے نے یہ الفاظ کہے تھے کہ : "Will you be governed by sword or by pen?" یعنی ہندوستانیو! سوچ لو! تم کیا چاہتے ہو کہ ہم تم پر تلوار سے حکومت کریں یا قلم سے؟ اگر تم بغاوت کرتے رہو گے تو ہم تمہارا ستیاناس کرتے رہے رہیں گے' لیکن اگر تم چاہتے ہو کہ ہم قلم سے حکومت کریں تو تم پُر امن رہو' تم بغاوت مت کرو' آرام سے بیٹھے رہو' ہماری حکومت کو تسلیم کرو اور ہم سے وفاداری کا معاملہ کرو' پھر ہم بھی قلم سے اور قانون سے حکومت کریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندو کی عددی اکثریت سامنے آ گئی۔ جب قلم کی حکومت ہو گئی تو معاملہ عدد کا ہو گیا' تلوار کا معاملہ تو اب نہیں رہا۔ اب تو میونسپل الیکشن ہو گا تو one man one vote کا معاملہ ہو گا۔ یعنی ہندوؤں پر ہم نے ہزاروں برس بزورِ شمشیر حکومت کی تھی' اب شمشیر تو نیام میں چلی گئی۔ پہلے فوج عوامی ہوتی تھی۔ یعنی پورے قبیلے میں سے جو بھی جوان ہیں وہ لڑنے والے ہیں۔ لیکن اب فوج Specialized job بن گئی' سٹینڈنگ آرمیز ہیں' جن کے لیے چوڑے ہتھیاروں کے سلسلے ہیں' جبکہ عام انسان تو نہتے ہو گئے۔ اگر کسی درجے میں معاملہ خود اختیاری کا ہو اور اگر کوئی لوکل گورنمنٹ کی کوشش بھی ہو تو وہ ووٹوں کی بنیاد پر ہو گی اور ووٹ ہندوؤں کے ہم سے زیادہ ہیں۔ لہٰذا ہندوؤں کی عددی اکثریت کا ظہور ہونا شروع ہو گیا۔

## ہندو اور مسلمانوں کا مختلف طرزِ عمل

اس اہم ترین نکتے کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ انگریز کی آمد پر ہندوستان کے مسلمانوں

کا ردِّ عمل کچھ اور تھا' ہندو کا ردِّ عمل کچھ اور تھا۔ جیسے کہ سندھ کے مسلمانوں کا ردِّ عمل کچھ اور تھا اور پنجاب کے مسلمانوں کا کچھ اور تھا۔ پنجاب میں انگریزوں نے آکر مسلمانوں کو سکھا شاہی سے نجات دلائی تھی' لہٰذا وہ پنجابیوں کے لئے نجات دہندہ تھا۔ سندھ میں انہوں نے تالپوروں سے حکومت چھینی تھی' لہٰذا ان کے خلاف دشمنی تھی' کیونکہ وہ غاصب تھا۔ لیکن اس سے بڑے پیمانے پر پورے ہندوستان کی سطح پر ہندو کا طرزِ عمل اور ردِ عمل کچھ اور تھا' مسلمان کا کچھ اور تھا۔ اس طرزِ عمل کے فرق کے بنیادی اسباب یہ تھے۔

① انگریزوں کی آمد ہندو کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی' صرف آقاؤں کی تبدیلی کا معاملہ تھا' وہ پہلے مسلمانوں کے غلام تھے' اب انگریزوں کے غلام ہو گئے۔ ان کے لئے کوئی بڑی تبدیلی تو نہیں آئی' جبکہ مسلمان پہلے حاکم تھے اب محکوم ہو گئے۔ اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جو حاکم سے محکوم بنے اس میں انتقامی جذبہ ہوتا ہے' لہٰذا انگریز کو مسلمانوں سے خوف لاحق تھا۔ مسلمانوں کی اجتماعی یادداشت میں سے یہ چیز نکل نہیں سکتی کہ ہم یہاں حاکم تھے۔ انگریز جانتا تھا کہ مسلمان کے خمیر میں بغاوت موجود ہے' لہٰذا اس نے مسلمان کو پیچھے ہٹایا اور ہندو کو آگے بڑھایا۔

② ہندو صرف ہندوستان میں تھا' جبکہ مسلمان تو ایک عالمی برادری کے افراد تھے' اور پورے عالم اسلام پر مغربی استعمار جو ستم ڈھا رہا تھا' ہندوستان کا مسلمان ان کا حمایتی بن کر کھڑا ہوتا تھا۔ اگر ترکی میں خلافت کا معاملہ ختم ہو رہا ہے تو ہندوستان کا مسلمان اٹھ کھڑا ہوا ہے اور تحریک چلا رہا ہے۔ طرابلس میں اگر کوئی بچی شہید ہو گئی ہے تو علامہ اقبال اس پر نظم لکھ رہے ہیں ؎

فاطمہ تُو آبروئے ملّتِ مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مُشتِ خاک کا معصوم ہے!

اسی طرح شبلی' حالی' حمید الدین فراہی اور علامہ اقبال سب کا یہی معاملہ تھا۔ ظاہر بات ہے کہ انگریز کی حکومت تو سارے برِّاعظموں میں پھیلی ہوئی تھی۔ جن کو اب عرب امارات کہتے ہیں یہ علاقہ crucial state کہلاتا تھا اور یہاں بھی پوری خلیج پر انگریزوں نے

قدم جمائے ہوئے تھے۔ عدن بھی ان کے زیر نگیں تھا۔ دنیا کے نقشے کے اوپر جو بھی اہم مقامات (Key Points) تھے وہ انہی کے کنٹرول میں تھے۔ پھر آگے چل کر نہر سویز انہی کے پاس تھی' مصر اور عراق بھی ان کے زیر تسلط تھے۔ لہٰذا ان کو مسلمانوں سے زیادہ خوف تھا۔ واقعتاً پوری دنیا کے مسلمانوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر جذبۂ ملّی ہندوستان کے مسلمانوں میں تھا۔ لہٰذا انگریزوں نے انہیں دبا کر رکھا۔

(۳) ہندو اپنے کلچر اور مذہب سے پہلے ہی کافی دُور آ چکے تھے' جبکہ مسلمانوں کو اپنی تہذیب و تمدن اور کلچر پوری طرح یاد تھا کہ ہماری اپنی تہذیب و تمدن اور ثقافت ہے۔ لہٰذا مسلمانوں میں ایک اختلاف رائے ہو گیا۔ علماء کی جو زیادہ مؤثر قوت تھی انہوں نے انگریزوں سے عدم تعاون کی روش اختیار کی کہ نہ انگریزی پڑھیں گے' نہ انگریزوں کی ملازمت کریں گے اور نہ انگریزی علوم سیکھیں گے۔ گویا کہ انگریزی کا ٹوٹل بائیکاٹ کیا گیا۔

یہ Passive Resistance کی ایک شکل ہوتی ہے کہ ان حاکموں کے ساتھ ہم کوئی معاملہ و معاہدہ نہیں کریں گے' ان کی خدمت' چاکری یا ملازمت کچھ بھی نہیں کریں گے۔ لیکن مسلمانوں میں ایک شخصیت سر سید احمد خان کی ابھری' جس نے کہا کہ یہ احمقانہ بات ہے' اس پر اگر تم نے عمل کیا تو ہندو تم پر چھا جائے گا' تم محض سقّے یا قصاب رہ جاؤ گے یا پلّے دار ہو گے' اس کے علاوہ ہندوستان میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔ لہٰذا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے' بلکہ انگریزی سیکھو اور انگریزی پڑھو۔ انگریز کے قریب بھی آؤ تاکہ انگریز جو حقوق دے رہا ہے اس میں سے اپنا حصّہ حاصل کر سکو' انگریزی ملازمتوں میں سے اپنا حصّہ حاصل کرو۔ "اسبابِ بغاوتِ ہند" سر سید احمد خان کی بہت بڑی تصنیف ہے۔ یہ لکھ کر انہوں نے انگریزوں کو بتانا شروع کیا کہ تم مسلمانوں سے دشمنی نہ کرو' مسلمان تمہارے دشمن نہیں ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں سے یہ کہا کہ انگریزی پڑھو اور اس تہذیب کے اندر جو بھی اچھّی چیزیں ہیں انہیں اختیار کرو' البتہ اپنے اسلام پر قائم رہو۔ اس ضمن میں انہوں نے علی گڑھ میں مدرسہ قائم کیا' جو بعد ازاں کالج اور پھر یونیورسٹی بنا۔ وہ درحقیقت اُس مکتبۂ فکر کی اشاعت تھی۔

اس سے گویا کہ مسلمان دو دھاروں میں تقسیم ہو گئے۔ علماء کا معاملہ ترکِ موالات اور عدمِ تعاون کا رہا کہ انگریزی پڑھیں گے نہ انگریزی تہذیب کی کسی شے کو اختیار کریں گے۔ نفرت کا یہ عالم تھا کہ کسی نے اگر چمچ استعمال کر لیا تو کہتے کہ کرسٹان (کرسچین) ہو گیا کہ چمچ سے کھانا کھاتا ہے۔ اسی طرح کسی نے میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھایا تو بھی کرسٹان ہو گیا۔ علماء کہتے کہ انگریزی تہذیب کا کوئی شائبہ بھی ہمارے اندر نہیں آنا چاہئے۔ اور ہم تو اپنے مدرسوں اور مسجدوں میں بیٹھ جائیں گے اور قال اللہ و قال الرّسول کہتے رہیں گے۔ اس کے برعکس ہندو من حیث القوم مجموعی حیثیت سے آگے بڑھا' کیونکہ انہوں نے انگریزی اور سائنس پڑھی۔ اس معاملے میں سب سے بڑھ کر بنگال کا ہندو تھا۔ آپ کو شاید اندازہ نہ ہو کہ بنگال کے ہندو سائنسز کے اندر اس بلندی پر پہنچے ہوئے تھے کہ پارٹیشن سے پہلے پنجاب میں انجینئرنگ اور میڈیسن کی تمام کتابیں بنگال کے ہندوؤں کی لکھی ہوتی تھیں۔ چیٹر جی اور بینرجی سب کے سب مصنّف بنگالی ہندو تھے۔ انہوں نے سائنسی علوم حاصل کئے' انگریزی زبان پڑھی' اور وہ انگریزوں کے قریب بھی آئے جس سے وہ سرکاری ملازمتوں کے علاوہ وکالت اور تجارت کے شعبوں میں بھی آگے نکل گئے۔

اس سے معاملہ یہ رُخ اختیار کر گیا کہ وہ جو اندیشہ تھا کہ مسلم قوم دب کر رہ جائے گی وہ اندیشہ بالکل حقیقت کی صورت اختیار کر کے سامنے آ گیا۔ ہندو کے غلبے سے طاقت کا توازن بگڑا۔ مسلمان دب گئے تو بہت سے لوگوں نے سرسید کی بات سنی اور پھر اسی فکر کے تحت اسلامیہ کالج لاہور' اسلامیہ کالج پشاور' اور کئی جگہ اسلامیہ ہائی سکول اور کالج کھل گئے۔ سرسید احمد خان نے مسلمانوں کو کہا کہ آؤ پڑھو ورنہ تمہاری حیثیت کیا رہ جائے گی' تم تو تلّے دار' قصاب یا دودھ بیچنے والے رہ جاؤ گے' باقی نہ تمہارا سرکاری ملازمت میں کوئی حصّہ ہو گا اور نہ ہی تم کسی تعلیم کے میدان میں آگے نکل سکو گے۔ اس سے مسلمانوں کے اندر ہندو اکثریت کا خوف پیدا ہوا۔

واقعہ یہ ہے کہ جیسے ہی ہندو ابھرا اُس کے اندر اپنے مذہب کو بھی از سرِ نو زندہ کرنے اور مسلمانوں سے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ لینے کا جذبہ بھی ابھر آیا۔ ظاہر بات ہے شکست کا بدلہ تو انہوں نے لینا تھا۔ آپ یاد کیجئے اگر موتی لعل نہرو کی پوتی اور جواہر

لعل نہرو کی بیٹی اندرا گاندھی یہ کہہ سکتی ہے کہ "ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ لے لیا ہے" تو آپ اندازہ کیجئے کہ مونجے اور ساورکر اور بڑے بڑے کٹر قسم کے ہندو جو مسلمانوں کے کھلے دشمن تھے' ان کے ذہن' فکر اور احساسات کی کیفیت کیا ہو گی؟ پھر شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع ہو گئیں۔ آریہ سماج' سوامی دیانند سرسوتی اور سوامی شردانند میدان میں آ گئے اور انہوں نے حضور ﷺ کی سیرتِ مطہرہ پر حملے شروع کر دیئے۔ یوں سمجھئے کہ ہندو امپریلزم کا عفریت چنگھاڑتا ہوا اٹھا جس کی وجہ سے عام مسلمانوں نے اس کے خطرے کو محسوس کر لیا۔ یہی خوف تھا جو تحریک پاکستان کی بنیاد بنا۔ سورۃ الانفال کی آیت ۲۶ میں اس صورت حال کی عکاسی موجود ہے۔

﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾ (الانفال ۲۶)

"یاد کرو وہ وقت جب کہ تم تعداد میں کم تھے اور تمہیں زمین میں بے زور سمجھ لیا گیا تھا (ہندوؤں نے معاشی و سیاسی میدان میں تمہیں دبا لیا تھا) اور تمہیں اندیشہ تھا کہ لوگ تمہیں اچک لیں گے' پھر اللہ نے تمہیں جائے پناہ دی (تمہیں پناہ گاہ کے طور پر پاکستان عطا کر دیا) اور اپنی خصوصی نصرت سے تمہاری تائید فرمائی اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا' تاکہ تم شکر گزار بنو"۔

بہرحال یہ حالات تھے جن میں بیسویں صدی کا آغاز ہو رہا تھا۔ بیسویں صدی عیسوی میں جو عظیم ترین شخصیت ابھر کر سامنے آئی وہ شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا ہیں' جو میرے نزدیک اب تک سلسلہ مجدّدینِ اُمّت کی آخری کڑی ہیں اور اب پندرھویں صدی ہجری کے مجدّد حضرت مہدی ہوں گے۔

## تحریک ریشمی رومال کی ناکامی

چودھویں صدی کے مجدّدِ اعظم شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے آزادی کے لئے انہی خطوط پر منصوبہ بندی کی تھی جس طرح سید احمد شہید نے منصوبہ بنایا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو جمع کر کے انگریز کو یہاں سے نکالا جائے۔ لہٰذا اس کے لئے

انہوں نے ایک تو اندرونی طور پر دعوت شروع کی' پھر بیرونی مدد لینے کے لئے خود حجاز گئے تاکہ وہاں کے گورنر کے ذریعے سے سلطنتِ عثمانیہ کے دارالخلافہ سے مدد مانگی جائے (حجاز پر ابھی تک ترکوں کا قبضہ تھا)۔ انہوں نے عبید اللہ سندھی صاحب کو کابل بھیجا کہ امیرِ افغانستان سے مدد کی درخواست کریں۔ لیکن یہ راز طشت ازبام ہو گیا۔ والیٔ مکّہ شریف حسین نے شیخ الہند کو گرفتار کر کے انگریز کی خدمت میں پیش کر دیا کہ لیجئے یہ آپ کا باغی حاضر ہے۔ یہی حشر مولانا عبید اللہ سندھی کا ہونے والا تھا' انہیں پتا چل گیا اور وہ بھاگ کر روس چلے گئے۔ اس طرح یہ تحریک بھی جو ریشمی رومال کے نام سے مشہور ہوئی تھی' ناکام ہو گئی۔ انگریزوں نے شیخ الہند کو گرفتار کر کے ہندوستان کی کسی جیل میں نہیں رکھا' بلکہ پانچ سال تک مالٹا میں اسیر رکھا۔ حالانکہ گاندھی اور دوسرے تمام سیاسی قیدیوں کو ہندوستان ہی میں رکھا گیا' جبکہ ان کو بیرونِ ملک مالٹا میں مقید رکھا۔ گویا۔

اقبال کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو!

انگریز کو اندیشہ تھا کہ اگر یہ ہندوستان کی کسی جیل میں رہے تو ممکن ہے کہ ان کی سانسوں کے اثرات جیل سے باہر چلے جائیں' لہٰذا انہیں مالٹا بھجوا دیا گیا۔ ان کی شخصیت کی عظمت کا اندازہ کیجئے کہ جب مالٹا سے رہا ہو کر آئے اور بمبئی میں ان کا جہاز پہنچا تو قدم بوسی و استقبال کے لئے جو شخصیتیں حاضر ہوئیں ان میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی بھی تھے' جو اُس وقت علماءِ ہند میں عظیم ترین شخصیت تھے۔ اُس وقت دو شخصیتیں مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنؤ میں اور مولانا محمود حسن دیوبند میں عظیم ترین تھیں۔ جب ۱۹۱۹ء میں جمعیت علماءِ ہند کا تاسیسی اجلاس ہوا تو آپ جیل میں تھے' لہٰذا اس اجلاس کی صدارت مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے کی تھی۔ دوسرا اجلاس نومبر ۱۹۲۰ء میں ان کے رہا ہونے کے بعد ہوا تھا' اس کے صدر شیخ الہند مولانا محمود حسن تھے۔ ان کے استقبال کے لئے مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنؤ سے چل کر بمبئی گئے۔ دوسرا استقبالی موہن داس کرم چند گاندھی تھا جو کہ ہندوؤں کا عظیم ترین رہنما بننے والا تھا۔ میں شیخ الہند مولانا محمود حسن کو پندرھویں صدی ہجری کا عظیم ترین مجدد اسی لئے کہتا ہوں۔ بہرحال انہوں نے جو بھی

کوششیں کیں وہ اپنی جگہ بہت اہم ہیں۔ میری کتاب "جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی" میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ میں اپنا روحانی رشتہ اور روحانی نسبت انہی کے ساتھ جوڑتا ہوں' جس کے درمیان میں ابوالاعلیٰ مودودی' ابوالکلام آزاد اور علامہ اقبال کڑیوں کی شکل میں موجود ہیں۔

## ابوالکلام کو امام الہند بنانے کی تجویز

شیخ الہندؒ نے اس موقع پر یہ کہا کہ مسلمانانِ ہند! ابوالکلام آزاد کو امام الہند مان کر اُن کے ہاتھ پر بیعت کرو اور پھر خالص اسلامی جہاد شروع کرو۔ یعنی انہوں نے شہدائے بالاکوٹ کا جو حادثہ ۱۸۳۱ء میں ہوا تھا' اُس تحریک کا تسلسل از سرِنو قائم کرنے کے لئے ابوالکلام آزاد کو امام الہند بنانے کی تجویز دی۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ علماء ان کے ہاتھ پر بیعت کرتے تو ابوالکلام امام الہند بنتے۔ ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۳ء میں اپنی جماعت کی تشکیل کا آغاز کیا تھا جس کا نام حزب اللہ تھا' ۱۹۱۲ء میں الہلال نکالا اور ۱۹۱۳ء میں بیعت کی بنیاد پر حزب اللہ قائم کی۔ اب ۱۹۲۰ء میں شیخ الہند نے یہ کہا کہ انہیں امام الہند مان کر اُن کے ہاتھ پر بیعت کرو اور ان کی قیادت میں انگریز کے خلاف جہاد کرو۔ بدقسمتی سے علماء نے حضرت شیخ الہند اور چودھویں صدی کے مجدّدِ اعظم کی بات پر توجّہ نہیں کی اور اسے ٹال دیا۔ میرے نزدیک یہی وہ جرم ہے جس کی پاداش میں ہندوستان کے مسلمانوں کی قیادت سے علماء معزول کر دیئے گئے اور تاحال معزول ہیں۔ اس کے بعد علماء قائد نہیں رہے بلکہ ان کا رول ثانوی رہا ہے۔ علماء کانگریس یا مسلم لیگ کے حاشیہ نشین بن گئے۔ جمعیت علماءِ ہند کانگریس کی حاشیہ نشین بن گئی اور جمعیت علماءِ اسلام' جو مولانا شبیر احمد عثمانی نے قائم کی تھی' مسلم لیگ کی حاشیہ نشین بن گئی۔ اس لحاظ سے شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی آخری قائد تھے۔ ان کی رائے کو قبول نہ کر کے گویا کہ علماء نے محض ایک غلطی ہی نہیں کی' بلکہ میرے نزدیک انہوں نے دینی و روحانی اعتبار سے بہت بڑا جرم کیا۔ شیخ الہندؒ نے جو کچھ سمجھا اس کے لئے ان کا ایک قول ملاحظہ فرمائیں' جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۲۰ء میں بھی حالات پر ان کی کس قدر گہری نگاہ تھی' اگرچہ اُس وقت جِدّ و جُہدِ آزادی ہندو اور

مسلمان مل کر کر رہے تھے' یہاں تک کہ تحریک خلافت بھی ہندو مسلمان مل کر چلا رہے تھے اور خود گاندھی تحریک خلافت میں شامل تھا۔ اس کے باوجود حقائق پر ان کی نہایت گہری نظر تھی۔ ۱۹۲۰ء میں آپ نے ایک تقریر میں فرمایا :

"ہاں یہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور آج پھر کہتا ہوں کہ ان اقوام (ہندوؤں اور مسلمانوں) کی باہمی مصالحت اور آشتی کو اگر آپ پائیدار اور خوشگوار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے' اور حدود یہی ہیں کہ خدا کی باندھی ہوئی حدود میں ان سے کوئی رخنہ نہ پڑے' جس کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ صلح و آشتی کی تقریب سے فریقین کے مذہبی امور میں کسی ادنیٰ امر کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے اور دنیوی معاملات میں بھی ہرگز کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی فریق کی ایذا رسانی اور دل آزاری مقصود ہو۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب تک بہت جگہ عمل اس کے خلاف ہو رہا ہے۔ مذہبی معاملات میں بہت سے لوگ اتفاق ظاہر کرنے کے لئے اپنے مذہب کی حدود سے بھی گزر جاتے ہیں' لیکن ابوابِ معاش میں ایک دوسرے کی ایذا رسانی کے درپے رہتے ہیں۔ مَیں اس وقت جمہور سے خطاب نہیں کر رہا ہوں' بلکہ میری گزارش دونوں قوموں کے زعماء سے ہے کہ ان کو جلسوں میں ہاتھ اٹھانے والوں کی اکثریت اور دلنشین ریزولیوشنوں کی تائید سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے کہ یہ طریقہ سطحی لوگوں کا ہے اور ان کو ہندو اور مسلمانوں کے نجی معاملات اور سرکاری محکموں میں متعصبانہ رقابتوں کا اندازہ کرنا چاہئے"۔

یعنی ہندو اگر شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں چلائیں گے' مسلمانوں کی مسجدوں کے اوپر حملے کریں گے تو پھر ہمارے ساتھ صلح' تعاون اور اتحاد کیسے باقی رہ سکتا ہے؟ گویا کہ عام مسلمان محسوس کر رہا تھا کہ ہندو میرے درپے ہے۔ ایک چپڑاسی بھی محسوس کرتا تھا کہ ہندو کو میرا وجود یہاں گوارا نہیں۔ بنیا سیٹھ پانچ لاکھ کا مال لے کر ایک دکان میں بیٹھا ہوا ہے لیکن اس کی دکان کے نکڑ پر اگر کوئی مسلمان پان کا کھوکھا لگا کر بیٹھا ہوا ہے تو وہ بھی اسے کھٹکتا ہے۔ یہ وہ شکل تھی جس کی بناء پر تحریک مسلم لیگ کامیاب ہوئی' اس کی قیادت کو مسلمانوں نے قبول کیا اور علماء کی قیادت کو رد کر دیا۔

میں بیان کر چکا ہوں کہ دوسری عظیم شخصیت مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ انہوں نے حزب اللہ قائم کی اور کوشش وہی کی کہ ۱۸۲۵ء سے ۱۸۳۱ء والے سفر کو دوبارہ شروع کیا جائے۔ بیعت کی بنیاد پر جماعت بنائی جائے جیسے کہ سید احمد بریلوی نے جماعتِ مجاہدین بنائی تھی۔ لیکن ۱۹۲۰ء میں جب شیخ الہند کی فرمائش کے باوجود علماء نے انہیں امام الہند ماننے سے انکار کر دیا اور ان کی بات پر توجہ دینے کے لئے تیار نہیں ہوئے تو ابوالکلام بالکل مایوس ہوگئے، کہ مجھے علماء سے کسی خیر کی توقع نہیں رہی، کیونکہ ان کا جمود اور تعصّب اس انتہا کو پہنچ چکا ہے اور ان کے اندر ایسی گروہ بندی آگئی ہے کہ اپنے خاص حلقے سے باہر یہ کسی شخص کی بات ماننے کو تیار نہیں۔ تب انہوں نے حزب اللہ کی بساط لپیٹی اور جا کر کانگریس میں شریک ہوگئے۔ اس کے بعد ان کی بقیہ زندگی (۱۹۲۰ء سے ۱۹۵۸ء تک) گویا کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کا تسلسل ہے۔ ۱۸۲۶ء سے ۱۸۳۱ء تک شہیدین کی تحریک خالص اسلامی تحریک تھی لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہندو اور مسلمانوں کی مشترکہ جِدّوجُہد تھی۔ اسی طریقے سے مولانا ابوالکلام آزاد کے ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک کے آٹھ سال تحریکِ شہیدین کا تسلسل ہیں اور ان کی بقیہ زندگی یعنی ۱۹۲۰ء سے لے کر آخری سانس تک ۱۸۵۷ء کے غدر یا بغاوت کا تسلسل ہے۔

## مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا مؤقف

اب اس کے بعد شیخ الہندؒ کے جانشین مولانا سید حسین احمد مدنیؒ بنے۔ مَیں ان کے علم، تدیّن، تقویٰ، زہد اور مجاہدانہ کردار کا بے انتہا معترف ہوں۔ تاہم ان کے اندر حالات کو سمجھنے کی صلاحیت اتنی نہیں تھی جتنی شیخ الہند میں تھی۔ شیخ الہند اُس وقت کہہ رہے ہیں کہ اگر ہندو اور مسلمانوں کے مابین ایذا رسانی کا سلسلہ برقرار رہا اور اسی طرح کی کشاکشی جاری رہی تو پھر ہمارا ساتھ نہیں چل سکے گا۔ لیکن مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی کتاب "نقشِ حیات" میں لکھا ہے کہ ہم تو مقلّد ہیں، ہم نے تو وہ راستہ اختیار کیا ہے جو حضرت سید احمد بریلویؒ اور پھر شیخ الہندؒ نے کیا تھا۔ حالانکہ شیخ الہند تو کہہ گئے تھے کہ ہماری ایذا رسانی کا سلسلہ جاری رہا تو ہم ساتھ نہیں چل سکیں گے۔ لیکن حسین احمد مدنی اور ان

کی جماعت جمعیت علماءِ ہند نے یہ موقف اختیار کیا کہ پہلے ہمیں ہندو کے ساتھ مشترکہ جدّوجُہد کرکے انگریز سے نمٹنا ہے۔

جمعیت علماءِ ہند بہت بڑی اور بہت قوی جماعت تھی۔ اس کا دائرۂ اثر پورے ہندوستان کے شمال و جنوب اور مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا تھا۔ اس مشترک جدّوجہد کو آپ متحدہ قومیت کہہ لیں' کیونکہ یہ بھی کوئی حرام شے نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا حسین احمد مدنی نے کہا کہ آج کے زمانے میں قومیں وطن کی بنا پر بنتی ہیں' جیسے کہ حضور ﷺ نے میثاقِ مدینہ کا معاملہ کیا تھا کہ یہودی اور مسلمانوں نے مل کر چونکہ قریش کا مقابلہ کرنا تھا' للٰذا وہ ایک اُمّت بن گئے تھے۔ ان کا موقف تھا کہ ایسے ہی انگریزوں کو یہاں سے نکالنے کے لئے ہندو اور مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر آنا چاہئے۔ انہوں نے اس موقف کی بنیاد پر مسلم لیگ کی مخالفت کی اور تحریک پاکستان سے اختلاف کیا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ انگریز کو نکالنے کے بعد ہندو سے ہم نمٹ لیں گے۔ اس کا سبب کیا تھا؟

اوّلاً یہ کہ انہوں نے کہا کہ ہم تو مقلد ہیں' ہم تو اسی سید احمد بریلوی اور شیخ الہند کے تسلسل پر چل رہے ہیں۔

ثانیاً یہ کہ ان میں انگریز دشمنی اتنی شدید تھی کہ اس دشمنی کی وجہ سے انہیں ہندو کے خوفناک عزائم نظر ہی نہیں آئے۔ جیسے حضور ﷺ کا ارشاد ہے ((حُبّک الشَّیءَ یُعمِیک و یُصِمّ)) یعنی تمہارا کسی شے سے محبت کرنا تمہیں اندھا بہرہ بنا دیتا ہے۔ اسی طرح کسی کی دشمنی بھی انسان کو اندھا بہرہ بنا دیتی ہے۔ چنانچہ انہیں ہندوؤں کے عزائم نظر نہیں آئے اور انہیں اس کا اندازہ ہی نہیں ہوا کہ ان کے اندر کیا شے پروان چڑھ رہی ہے' اور یہ کہ ہندو کی نظر میں مستقبل کا ہندوستان کس طرح ہے اور وہ مسلمانوں سے کس قسم کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔

ثالثاً یہ کہ جو آدمی مخلص ہوتا ہے اسے اپنے اوپر اعتماد بہت ہوتا ہے۔ میرے نزدیک مولانا مدنی اور ان کے ساتھیوں کو اپنے اوپر اعتماد تھا کہ ہم ہندو سے نمٹنے کی حیثیت رکھتے ہیں' ہندو ہمارے لئے چیلنج نہیں ہے' کیونکہ ہندو پر ہم نے سینکڑوں سال تک حکومت کی ہے۔ حالانکہ اب زمین و آسمان کا فرق واقع ہو چکا تھا۔ اُس وقت تلوار چلتی

تھی' آج مسلمان ہندو کے مقابلے میں تلوار نہیں چلا سکتا تھا' کیونکہ اب معاملہ کلیتاً بدل چکا تھا اور پورا کا پورا نقشہ تبدیل ہو چکا تھا۔

## عام مسلمان اور علماء کے معاملات میں فرق

یہ بات ذرا باریک سی ہے۔ چونکہ میں نے عرض کیا کہ ایک چپڑاسی اور پٹواری مسلمان بھی محسوس کر رہا تھا کہ ہندو مجھے گوارا کرنے کو تیار نہیں ؏

میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح!

لیکن ظاہر بات ہے کہ علماء کا ہندوؤں سے کسی معاشی میدان میں مسابقت یا مقابلہ نہیں تھا' علماء تو مدرسوں میں خدمت کر رہے تھے' انہیں جو بھی تھوڑی بہت تنخواہ ملتی تھی وہ مسلمانوں کے چندوں سے ملتی تھی۔ لیکن جو سرکاری ملازمت میں تھے انہیں نظر آ رہا تھا کہ ہندو کا طرزِ عمل کیا ہے؟ اس کے علاوہ جو لوگ بازار میں کام کر رہے تھے انہیں معلوم تھا کہ ہندو کیا چاہتا ہے۔ علماء کرام کی چونکہ ہندو کے ساتھ معاشی اعتبار سے نہ کوئی مسابقت تھی اور نہ کوئی مقابلہ' لہٰذا انہیں ان کی ذہنیت کا صحیح اندازہ نہیں ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگ مسلم لیگ اور پاکستان کے خلاف ڈٹے رہے۔ لیکن عوام کا ہندوؤں کے بارے میں جو تأثر' تجزیہ اور تجربہ تھا اس کی بناء پر عوام نے ان پاکستان مخالف علماء کی قیادت کو ترک کیا اور قائداعظم جیسے داڑھی منڈے شخص کی قیادت کو قبول کیا' عوام نے مسلم لیگ کی اس قیادت کو قبول کیا جو کہ مذہبی لوگوں پر مشتمل نہیں تھی' اس لئے کہ ان لوگوں کا تجربہ تھا کہ ہندو کے عزائم کیا ہیں' ہندو کیا سوچ رہا ہے اور ہندو کیا چاہتا ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ ہندو ان سے کسی طرح کا انتقام لینا چاہتا ہے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ علامہ اقبال کی شخصیت نے ایک اضافہ یہ کیا کہ انہوں نے آ کر ہندوستان کے مسلمانوں میں احیائے اسلام کا صور پھونک دیا۔ انہوں نے پاکستان کی بشارت دی کہ یہ تقدیرِ مبرم ہے کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہو گی تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ ہم خلافتِ راشدہ کا نظام دنیا میں قائم کر کے اس کا ایک نمونہ دنیا کو دکھا دیں۔ ؏

کتابِ ملّتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے!

علامہ اقبالؒ کے صور پھونکنے کی وجہ سے اب مسلم لیگ میں مثبت اور منفی دونوں چیزیں جمع ہو گئیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ دو تار مثبت اور منفی چلتے ہیں تو کرنٹ دوڑتا ہے' صرف ایک تار سے کرنٹ نہیں دوڑتا' چاہے مثبت ہو یا منفی۔ ہندو کا خوف ایک منفی جذبہ تھا' جبکہ اسلام کے احیاء' تجدیدِ ملّت اور نظامِ خلافت کے قیام کا جزو مثبت جذبہ تھا۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر!

جب یہ مثبت اور منفی جذبہ مل گیا تو اسلامیانِ ہند کے اندر کرنٹ دوڑ گیا' تمام مسلمان مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے' انہوں نے علماء کرام کی بات کو رد کر دیا اور ان کی قیادت کو مسترد کر دیا۔

## مولانا مودودی کا اختلاف

اسی دور میں ایک اور شخصیت ابھر کر سامنے آئی' وہ مولانا مودودی کی شخصیت تھی۔ مولانا مودودی گویا کہ دو اشخاص علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد کے معنوی جانشیں ہیں۔ علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء کے خطبے میں مسلم قومیت کا جو صور پھونکا تھا مولانا مودودی اس کو لے کر کھڑے ہوئے۔ وہ مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کے علمبردار بن کر اٹھے اور متحدہ قومیت کی زبردست مخالفت کی۔ مولانا مودودی علامہ اقبال کے اس فکر کو بڑے وسیع پیمانے پر سلیس اردو نثر میں پھیلانے کا ذریعہ بنے جس سے تحریک پاکستان اور تحریک مسلم لیگ کو تقویت حاصل ہوئی۔

دوسری طرف انہوں نے ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی بنائی۔ اس لئے کہ وہ مسلم لیگ کی قیادت سے مایوس ہو گئے تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اس خالص قومی قیادت کے نتیجے میں اسلام نہیں آ سکتا' صرف ایک قومی ریاست وجود میں آ سکتی ہے۔ ان کی یہ بات صحیح بھی تھی۔ خود علامہ اقبال بھی یہی بات سوچ رہے تھے۔ وہ ۱۹۳۰ء کے خطبہ میں پاکستان کی بشارت دے چکے تھے۔ اقبال مسلم لیگ کے ورکر اور آفس بیئرر تھے' لیکن ان کے ذہن

میں ایک ایسی جماعت کے قیام کا خیال بھی تھا جو بیعت کی بنیاد پر ہو اور جس کا انتخابات سے کوئی تعلق نہ ہو' تاکہ اسلام کے ساتھ عملی تعلق کو مقدّم رکھا جائے۔ اس کی تفصیل ہم "علامہ اقبال کی آخری خواہش" کے نام سے کتاب میں شائع کر چکے ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے ایسی جماعت "جماعت اسلامی" کے نام سے قائم کر دی۔

## بحث کا خلاصہ

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک علماء کا تعلق ہے' معاذ اللہ ثم معاذ اللہ' نہ وہ انگریز کے زر خرید تھے نہ ہندو کے ایجنٹ' نہ وہ خائن تھے' نہ بد دیانت اور نہ مسلمانوں کے غدار تھے۔ وہ پوری طرح مخلص تھے۔ ان کا اختلاف اس بناء پر تھا کہ : قیامِ پاکستان کی جدّوجہد کرنے والے یہ لوگ اسلام اسلام کا نعرہ لگا رہے ہیں جبکہ یہ اسلام نہیں لائیں گے' اور یہ بات صحیح ثابت ہوئی۔ مولانا مودودی بھی تو اسی ایشو پر تحریک پاکستان سے علیحدہ ہوئے تھے۔ انہوں نے جماعت اسلامی اسی لئے بنائی کہ مسلم لیگ کی قیادت سے اسلام کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی تھی اور ان کی یہ بات وزنی بھی تھی۔

وہ کہتے تھے کہ اس وقت جو معروضی حالات ہیں' ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ اسلام کا نظام قائم کر سکیں۔ لہٰذا ہو گا یہ کہ صرف منفی نتیجہ نکل آئے گا کہ ہندو متحد رہے گا اور مسلمان تین حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے اور ان کی طاقت کمزور ہو جائے گی۔ یہ صورت حال صد فیصد آپ کے سامنے ہے' متحدہ ہندوستان کا مسلمان واقعتاً تین حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ چودہ کروڑ مسلمان پاکستان میں ہیں' پندرہ کروڑ بنگلہ دیش میں اور بیس کروڑ ہندوستان میں ہیں۔ اب وہ ایک دوسرے کی مدد تو نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے درمیان سرحدیں حائل ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا تھا کہ پچیس سال سے زیادہ یہ دو پاکستان (مشرقی و مغربی) ساتھ نہیں رہ سکتے اور تاریخ نے ثابت کر دیا کہ پچیس برس ابھی پورے نہیں ہوئے تھے' سوا چوبیس برس میں ہم علیحدہ ہو گئے۔ اور جس طرح علیحدہ ہوئے وہ آپ کے سامنے ہے' کس قدر خونریز اور دلگداز علیحدگی تھی' اس علیحدگی پر کتنا خون بہا ہے' کتنی بڑی شکست کا کلنک کا ٹیکہ ہمارے ماتھے پر لگا ہے اور کس طرح ہمارے

۹۳ ہزار جوان ہندو کے ہاتھوں قیدی بنے ہیں۔

جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے میں مسلم لیگ کے موقف کو صحیح سمجھتا ہوں۔ میں آج بھی سمجھتا ہوں کہ پاکستان کا قیام درست تھا۔ یہ مشیتِ ایزدی ہے جس کے تقاضے کے تحت پاکستان وجود میں آیا۔ لیکن یہ کہ میں تحریک پاکستان کے مخالفین کو بے ایمان یا غیر مخلص نہیں سمجھتا۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ وہ ہندو کے زر خرید تھے۔ مسلم لیگ کی تحریک کے زمانے میں عام مسلم لیگی اور آج بھی کچھ لوگ ان کے بارے میں اچھے خیالات نہیں رکھتے۔ جان لیجئے' وہ لوگ مخلص تھے' ان کی اپنی ایک رائے تھی جس کی بنیاد پر انہوں نے قیامِ پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ اب تک تو ہم نے ان کی رائے کو صحیح ثابت کیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ میں جب تحریک پاکستان کے حامی اور مخالفین (for and against) کا موازنہ کرتا ہوں تو مجھے تحریک کے حامیوں کا پلڑا بھاری نظر آتا ہے کہ ابھی اس ملک میں احیائے اسلام کا امکان تو ہے۔ اگر پاکستان وجود میں نہ آتا تو اس کا امکان ہی نہ رہتا' جیسے کہ ہندوستان کے اندر تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ــــــ بہرحال میرے نزدیک عوام کا فیصلہ زیادہ صحیح اور حقائق پر مبنی تھا۔ مسلم لیگ اور علامہ اقبال کا موقف صحیح تھا۔

## تحریک پاکستان کے مخالف علماء کے خلوص کی دلیل

تحریک پاکستان کے مخالف علماء میں چاہے ابوالکلام آزاد ہوں' مولانا مدنی ہوں یا مولانا مودودی یا اور کوئی ہوں' میں ان سب کو مخلص سمجھتا ہوں۔ ان کے خلوص کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب پاکستان بن گیا تو ان کا جو موقف سامنے آیا وہ بڑا متوازن اور مبنی بر حقیقت تھا۔

ابوالکلام آزاد کا ایک واقعہ ہے کہ ابھی جب ہندوستان اور پاکستان میں لوگوں کی آمدورفت جاری تھی' پاسپورٹ کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا' کشمیر سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب' جو ایک بڑی شخصیت تھے' پاکستان آگئے' اس کے بعد وہ visit پر انڈیا گئے' وہ بڑے آدمی تھے' جواہر لعل نہرو سے بھی ملنے گئے۔ نہرو نے ان سے کہا کہ آپ

خواہ مخواہ پاکستان چلے گئے' واپس آجائیں' ہم آپ کو کسی مسلمان ملک میں سفیر بنا کر بھیج دیں گے۔ اس پیشکش پر انہوں نے کچھ آمادگی کا اظہار کیا۔ اگلے روز ان کی ملاقات مولانا آزاد سے ہوئی' مولانا آزاد کو شاید اندازہ ہو گیا تھا کہ پنڈت جی سے ان کی کیا بات ہوئی ہے؟ پوچھا : پنڈت جی سے ملاقات ہوئی؟ کیا بات ہوئی؟ انہوں نے یہ بات بتا دی۔ مولانا ابوالکلام فرمانے لگے : نہیں حضرت! جب تک پاکستان بنا نہیں تھا اور بات تھی' اب پاکستان کی عزت کے ساتھ اسلام کی عزت وابستہ ہے' لہٰذا اب آپ پاکستان میں رہیں اور اسے مضبوط بنائیں۔

مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہماری ایک قرآن کانفرنس میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے صاحبزادے مولانا محمد مالک کاندھلویؒ نے سنائی تو میں وہیں پر چیخ پڑا کہ مولانا! آپ یہ باتیں کہاں اپنے سینوں کے اندر لے کر بیٹھے ہوئے ہیں' انہیں کیوں عام نہیں کرتے؟ آج بھی مسلم لیگی مولانا مدنی کو گالی دیتا ہے۔ انہوں نے واقعہ بیان کیا کہ قیامِ پاکستان کے بعد ڈابھیل کے مدرسے میں مولانا مدنی آئے ہوئے تھے' وہاں مولانا محمد مالک کاندھلوی خود موجود تھے۔ یہ کوئی لمبی روایت نہیں' بلکہ وہ براہ راست اس مجلس کے شریک ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ وہاں کسی صاحب نے مولانا حسین احمد مدنی کو چھیڑنے کے لئے پاکستان کا ذکر چھیڑ دیا کہ مولانا مدنی غصے میں پاکستان کو کوسیں گے یا کچھ برا بھلا کہیں گے۔ لیکن مولانا مدنی نے فرمایا :

> "میرے بھائی! جب تک مرحلہ کسی مسجد کی تعمیر کی تجویز کا ہوتا ہے تو اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے کہ یہاں مسجد کی ضرورت ہے یا نہیں ہے۔ قریب میں اگر مسجد ہے تو ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کیوں بنائی جائے۔ یا یہ کہ مسجد کس سائز کی اور کس طرح کی بننی چاہئے؟ اس میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک دفعہ جب مسجد بن جائے تو اس کی حفاظت صاحب ایمان کے ایمان کا تقاضا بن جاتی ہے۔ پاکستان جب تک بنا نہیں تھا تو ہمیں اختلاف تھا' لیکن پاکستان بننے کے بعد ہم اس کی حفاظت و استحکام کے لئے دعاگو ہیں۔" (روایت بالمعنیٰ)

ان کے خلوص کا عالم تو یہ ہے۔ میرے نزدیک ان سے غلطی ضرور ہوئی' لیکن ان کے

خلوص میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ جو ان کے خلوص میں شک کرے مجھے درحقیقت اُس کے اپنے خلوص میں شک ہے۔ ان لوگوں کا کردار بہت بلند' مجاہدانہ اور درویشانہ انداز کا تھا' ان میں کوئی دنیا پرستی کی بات تھی ہی نہیں۔

بہرحال پاکستان کے قیام سے جو صورت بنی ہے' اب بھی اللہ کا شکر ہے کہ یہاں امکان تو ہے کہ اللہ کا دین نافذ ہو جائے۔ اگر اس میں تاخیر ہو رہی ہے تو ہماری اپنی بد عملی' بے عملی' محرومی اور بد نصیبی ہے۔ سورۃ الانفال کی یہ آیت ملاحظہ فرمایئے :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

"اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسول سے خیانت نہ کرو اور اپنی امانتوں میں خیانت مت کرو' جبکہ تم جانتے ہو"۔

یہ ملک اللہ کا دیا ہوا ہے' قائداعظم نے اپنے مرض الوفات میں کہا تھا کہ "یہ ملک نبی اکرم ﷺ کے روحانی فیض کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتا تھا"۔ یہ ہمارے پاس اللہ اور اس کے رسول کی امانت ہے' اللہ کا دین نافذ نہ کر کے اس میں ہم نے خیانت کی ہے۔ ہم نے اپنے گھر اور محل بنائے' اپنے دنیوی کیریئر کی فکر کی' اپنی دکانیں اور جائیدادیں بنائیں اور اپنے کاروبار چمکائے۔ ہم اپنے Professions کے اندر آگے سے آگے نکلے' لیکن اسلام کے لئے ہم نے کیا کیا؟ ہم نے اس اعتبار سے خیانت کی ہے اور ہم خائن ہیں۔

## اختلافِ رائے کی گنجائش

جہاں تک اختلافِ رائے کا تعلق ہے تو اختلافِ رائے کی گنجائش ہمیشہ رہے گی۔ سورۂ ہود کے آخر میں اس موضوع پر دو آیتیں بڑی عظیم ہیں۔

﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۚ ﴾ (هود : ۱۱۸'۱۱۹)

"آپ کا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا' مگر لوگ تو اختلاف کرتے ہی رہیں گے۔ سوائے اس کے جس پر اللہ رحم فرما دے (وہ اختلاف کی خلیج کو پاٹ دے) اور اللہ نے تو بنایا ہی انسانوں کو اس طور سے ہے (کہ ان کے اندر

اختلاف رہے گا)"۔

اللہ چاہتا تو سب اہل ایمان ہی ہوتے۔ اللہ نہ چاہتا تو کون کفر کر سکتا تھا۔ اللہ نے اجازت دی ہے تو لوگ کفر کرتے ہیں۔ اس آیت میں فرمایا : "انسان تو اختلاف کرتے رہیں گے"۔ اختلاف تو انسان کی سرشت میں ہے۔ یہ اختلاف تو ہمارے رنگوں' نقش و نگار اور زبانوں میں بھی ہے۔ ؏ "اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے!" اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات میں سے شمار کیا ہے۔ فرمایا :

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ ﴾ (الروم : ۲۲)

"اور اسی کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش' اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے"۔

اس اعتبار سے اختلاف گناہ نہیں ہے' ان علماء کرام کو تحریک پاکستان سے اختلاف تھا اور وہ آخری وقت تک پاکستان کی مخالفت پر ڈٹے رہے تو اس میں کسی گناہ کی بات نہیں' کیونکہ ان کا اختلاف خلوص پر مبنی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد ان کا طرزِ عمل مختلف تھا۔ البتہ پاکستان بننے کے بعد خیانت تو ہم نے کی ہے اور ان کی باتوں کو سچا ثابت ہم نے کیا ہے کہ مشرقی اور مغربی پاکستان سوا چوبیس برس کے بعد ہی ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے اور یہاں اسلام آج تک نہیں آیا۔

## ہندو کی ذہنیت

ہندو کی ذہنیت اور عزائم کا اندازہ آپ اندرا گاندھی کے اس قول سے لگا سکتے ہیں جو اس نے سقوطِ مشرقی پاکستان کے موقع پر کہا تھا۔ مونجے اور ساورکر کو تو آپ بھول جایئے' سردانند اور دیانند کے کیا عزائم تھے' آر ایس ایس کے کیا عزائم تھے اور آج بھی ہیں' ان سب سے قطع نظر آپ اندازہ کیجئے کہ موتی لعل نہرو کی پوتی' جواہر لعل نہرو کی بیٹی پاکستان کو دولخت کرنے کے بعد ۱۹۷۱ء میں کہہ رہی ہے کہ "ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا لیا ہے"۔ اصل میں یہ ہزار سال ۹۸۰ء سے شروع ہوتے ہیں جب محمود غزنوی نے سومنات کا مندر گرایا اور ان کا بُت توڑا تھا۔ محمود غزنوی اور اس کے نام

لیواؤں کو ہندو قوم کبھی معاف نہیں کر سکتی۔

"مجلس اتحاد بین المسلمین" جو ابھی حال ہی میں کچھ بزرگوں نے قائم کی ہے' اس کا اسلام آباد میں ایک جلسہ تھا' جس میں میری بھی ایک تقریر تھی' وہاں ہمارے صحافی زاہد ملک صاحب نے ایک واقعہ سنایا کہ ۱۹۵۰ء میں ہندوستان کی حکومت نے ڈی پی دھر (درگا پرکاش دھر) جو وہاں کا ایک سفارت کار تھا' اسے یہ مشن دے کر چین بھیجا تھا کہ وہاں جاکر یہ مطالعہ کرکے آئے کہ چین سے مسلمانوں کا خاتمہ کس طریقے سے کیا گیا تھا؟ تاکہ ہم بھی مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے وہی طریقہ کار بھارت کے اندر اختیار کر سکیں۔ یہی وہ بات ہے جو قائداعظم نے فرمائی تھی۔ اس لئے کہ ہندو کی ذہنیت کا جتنا براہ راست مشاہدہ اور تجربہ قائداعظم کو ہوا تھا مولانا مدنی کو نہیں ہوا تھا۔ مولانا مدنی کانگریس میں شامل تو نہیں تھے۔ وہاں کیا باتیں اور کیا سازشیں ہوتی تھیں انہیں تو معلوم نہیں تھا۔ ان کی جمعیت علماءِ ہند علیحدہ تھی' وہ تو اپنے خیال میں اپنا پروگرام لے کر چل رہے تھے۔ انہیں ہندو کی ذہنیت کا اندازہ نہیں تھا کیونکہ ہندو تو ہاتھ جوڑ کر پرنام اور نمستے کرتا تھا' اس کے دل کے اندر جو چھپی ہوئی بات تھی وہ معلوم نہیں ہو سکتی تھی۔ جبکہ قائداعظم ہندوؤں کے ساتھ رہے' انہوں نے پچیس برس تک ان کے ساتھ کام کیا' اور پھر جب بددل اور مایوس ہوئے تو آپ نے حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں خواتین کے جلسے میں ۱۸ جنوری ۱۹۴۶ء کو اردو میں تقریر کی' جس کی خبر سول اینڈ ملٹری گزٹ میں بایں الفاظ شائع ہوئی :

> *"If we do not succeed in our struggle for Pakistan the very trace of Muslims and Islam will be oblitrated from the face of India."*
>
> (اگر ہم پاکستان کی جدوجہد میں کامیاب نہ ہو سکے تو ہندوستان کے صفحۂ ہستی سے اسلام اور مسلمان کا نام و نشان مٹا دیا جائے گا)

یہ قائداعظم کا صحیح اندازہ تھا۔ ایک صاحب نے بڑے درد بھرے انداز میں آکر مجھ سے کہا کہ اس وقت انڈیا کے ٹی وی پر روزانہ مذاکرے ہو رہے ہیں۔ یہ مذاکرے نو بجے رات ہمارے پرائم ٹائم کے وقت آتے ہیں۔ ان مذاکروں میں سیاست دان' سابقہ کمانڈر

انچیف اور پرانے فوجی قائدین حصہ لے رہے ہیں۔ ان مذاکروں کا مرکزی خیال (theme) یہ ہے کہ "ہم نے بہت بڑی غلطی کی کہ ۶۵ء اور ۷۱ء میں پاکستان کو ختم نہیں کیا"۔ واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۷۱ء میں اگر کوسیجن کے حکم سے یکطرفہ (unilateral) سیز فائر نہ ہوتا اور اگر کوسیجن کو یہ حکم صدر نکسن کی طرف سے نہ دیا گیا ہوتا تو مغربی پاکستان چھ دن کے اندر اندر ختم ہو گیا ہوتا۔ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد ہماری بھارت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں تھی۔

مجھے مزید بتایا گیا ہے کہ اس وقت ہندوستانی حکومت تمیں زبانوں میں پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا کر رہی ہے اور بڑے بڑے اشتہار شائع کر رہی ہے۔ ایسی ہی تحریک ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے بھی جاری ہے جس میں پاکستانی فوج کو بدنام کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس پر وہ کروڑوں ڈالر خرچ کر رہے ہیں' جیسا کہ کروڑوں ڈالر روزانہ کا خرچ کشمیر میں ہو رہا ہے۔ وہ یہ کہ پاکستان کی فوج کو غنڈہ فوج (Rogue Army) کہا جا رہا ہے کہ در حقیقت پاکستان دہشت گردی کا اڈا ہے۔ اس کے حوالے سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۷۱ء کی طرح کا کوئی اقدام اب بھی سوچا جا رہا ہو۔ پرویز مشرف کی دشمنی میں ایک بات یہ بھی ہے کہ واجپائی صاحب نے ملینیم سمٹ کانفرنس (امریکہ) میں جانے کے لئے اپنا دورہ دو دن مؤخر کیا ہے۔ گویا وہ پرویز مشرف کا سایہ بھی نہیں دیکھنا چاہتے۔ اگر وہ شروع سے اس اجلاس میں شریک ہو جاتے تو ظاہر بات ہے پرویز مشرف کو دیکھنا تو پڑتا' ممکن ہے کسی لابی میں آمنا سامنا ہو جاتا۔

## وقتِ دعا ہے!

ایسی صورت حال میں ۱۹۷۱ء کے بعد اب ۲۰۰۱ء آنے والا ہے' پتا نہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری خیانت کی آخری سزا ملنے والی ہو۔ ہمارا حال جو بھی ہے وہ آپ کو معلوم ہے' بہرحال جب تک سانس تب تک آس والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے درِ توبہ اب بھی کھلا ہے۔ ہمیں اب بھی اسلام کے دامن میں آجانا چاہئے۔ لیکن اجتماعی طور پر نفاذِ اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنی ذات پر' اپنے گھر میں اللہ کے دین کو نافذ کریں' پھر ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کر کے بنیانِ مرصوص بنیں اور پھر اگر طاقت ہو تو اسلام قائم کریں۔ تب ہی اللہ

کی مدد ہمارے ساتھ آئے گی' ورنہ اللہ کی مدد کیوں اور کس لئے آئے گی؟ کیا اس سودی نظام کے ہوتے ہوئے اللہ ہماری مدد کرے گا؟ اللہ نے اے ء میں ہماری مدد نہیں کی' چاہے آپ نے مسجدوں میں راتوں کو کھڑے ہو کر اور فجر کے بعد لمبی لمبی دعائیں مانگی ہیں' دعائے قنوتِ نازلہ مانگی گئی۔ یہاں تک کہ حرمین شریفین میں بھی دعائیں مانگی گئیں' پھر بھی اللہ تعالیٰ نے نہیں سنیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا: دفع ہو جاؤ' تمہارا مجھ سے کیا سروکار ہے' آزاد ہونے کے بعد تم نے میرا دین نافذ کیا؟ حرام چیزوں کو تم لائسنس دیتے ہو اور حرام چیزوں پر ہی تمہاری معیشت کا .ارومدار ہے۔ اب تو سود پر بہت بڑے پیانے پر جوئے کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ جب تک قومی و جتماعی سطح پر ہم اللہ کی جناب میں توبہ نہیں کریں گے اللہ کی مدد شامل حال نہیں ہو سکتی۔ اور لر اللہ کی مدد آئے گی تو از روئے الفاظ قرآنی :

﴿ اِنۡ يَّنۡصُرۡكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمۡ ۚ وَاِنۡ يَّخۡذُلۡكُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِىۡ يَنۡصُرُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ ﴾

"اگر اللہ کی مدد آئے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے گا"۔

اس وقت اللہ ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ یوں سمجھئے شاید ہمیں اللہ نے کچھ مہلت دی ہے کہ پھر ہم دیکھیں گے کہ تم کیا کرتے ہو' جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا تھا :

﴿ ... عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يُّهۡلِكَ عَدُوَّكُمۡ وَيَسۡتَخۡلِفَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرَ كَيۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ۠ ﴾ (الاعراف : ۱۲۹)

"اُمید ہے تمہارا رب تمہارے دشمن (فرعون اور اس کی فوج) کو تو ہلاک کر دے گا اور زمین میں تمہیں حکومت دے گا' پھر دیکھے گا تم کیا کرتے ہو؟"

اللہ نے ہمارے دشمن گاندھی' ماؤنٹ بیٹن اور راٹیلی کو ہلاک کیا۔ ان سب کی مخالفت کے علی الرغم ہمیں پاکستان دے دیا تاکہ ﴿ فَيَنۡظُرَ كَيۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ ﴾ تاکہ وہ خود دیکھ لے کہ ہم کیا کرتے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ ہمیں توبہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔

اَقُوۡلُ قَوۡلِىۡ هٰذَا وَاَسۡتَغۡفِرُ اللّٰهَ لِىۡ وَلَكُمۡ وَلِسَائِرِ الۡمُسۡلِمِيۡنَ وَالۡمُسۡلِمَاتِ

(ترتیب و تسوید : انور کمال میو)

# توحیدِ عملی

## کا فریضۂ اقامتِ دین سے ربط و تعلّق

### سورۃ الشوریٰ آیات ۱۳ تا ۲۱ کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد
مرتّب : شیخ جمیل الرحمٰن مرحوم

(پانچویں قسط)

## صوفیاء کی دو اصطلاحات : سالک مجذوب اور مجذوب سالک

ہمارے یہاں صوفیاء میں دو اصطلاحیں رائج ہیں۔ ان کے نزدیک کچھ ہوتے ہیں سالک مجذوب اور کچھ ہوتے ہیں مجذوب سالک۔ سَلَكَ عربی کا لفظ ہے' اس کے معنی ہیں چلنا ـــــ لہٰذا سلوک کے معنی راستہ کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح طریق اور طریقت بھی چلنے اور راستہ کو کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک سالک مجذوب وہ ہیں جو خود چل کر اللہ کی طرف آتے ہیں اور اللہ اُن کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ بھی لیتا ہے' انہیں ہدایت دیتا ہے' اس لئے کہ انہوں نے رجوع کیا ہے ـــــ جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ' وہ تو پہلے سے حق کے متلاشی ہیں' اسی راستے پر چلے آ رہے ہیں' حقیقت کے دروازے پر وہ بھی دستک دے رہے تھے۔ یہ الگ حقیقت ہے کہ دروازہ کھلا جناب محمد ﷺ کے لئے۔ اسی لئے انہوں نے فوراً تصدیق کی اور حضور ﷺ کے ہاتھ پر ایمان لے آئے۔ انہیں تصدیق کرنے میں ایک لمحہ نہیں لگا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کو مَیں نے دعوت پیش کی ہو اور اسے کچھ نہ کچھ تردّد نہ ہوا ہو اور اس نے کچھ نہ کچھ توقف نہ کیا ہو' سوائے ابو بکر کے ـــــ رضی اللہ عنہ ـــــ وجہ یہ تھی کہ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھا!

دوسرے درجے پر ہیں مجذوب سالک۔ یہ وہ ہیں جن کو پہلے اللہ تعالیٰ خود ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور انہیں ہدایت دیتا ہے' پھر ان کو تربیت کے مراحل سے گزارا جاتا ہے' جیسے حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما

یہ مفہوم ہے سالک مجذوب اور مجذوب سالک کا ـــــ صوفیاء نے یہ اصطلاحات شاید آیت کے اسی حصہ سے اخذ کی ہیں کہ: ﴿ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ﴾ "اللہ جسے چاہے چن کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو خود اس کی طرف رجوع کرے تو اللہ اسے لازماً ہدایت دیتا ہے۔"

## اہل ایمان کو تسلی

آیت کے اس حصے میں نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے توسط سے اہل ایمان کے لئے تسلی و تشفی کا پہلو بھی موجود ہے کہ مکہ کے مشرکین کی شدید مزاحمت و مخالفت اور جور و تعدی نیز انتہائی مایوس کن حالات سے دل برداشتہ نہ ہوں ـــــ اللہ تعالیٰ راستہ کھولے گا اور وہ تبارک و تعالیٰ کچھ لوگوں کو اپنے دین کی طرف کھینچ لے گا اور اُن مشرکین میں جو نیک سرشت ہوں گے' جن کی فطرت سلیم ہو گی' جن کی عقل سلیم ہو گی' جن میں ذرا بھی انابت ہو گی وہ خود چل کر آجائیں گے۔ اللہ اُن کو بھی راہِ ہدایت سے بہرہ مند فرمائے گا۔

## اہل کتاب کی مخالفت کا سبب

اب آگے والی آیت میں دوسری جماعت یعنی اہل کتاب کی مخالفت کے سبب کو اختصار لیکن انتہائی جامعیت و بلاغت سے بیان فرمایا جا رہا ہے۔ مشرکین عرب تو بے علم تھے' اَن پڑھ تھے' ان کے پاس شریعت نہیں تھی' وحی' نبوت و رسالت اور انزالِ کتب سماوی سے بالکل نا آشنا تھے۔ ان کے مقابلہ میں یہود اور ان کے علماء و فضلاء تھے۔ ان کے پاس کتاب بھی تھی اور شریعت بھی' وحی اور انزالِ کتب سماوی سے وہ واقف تھے' سلسلۂ نبوت و رسالت سے وہ آشنا تھے' توحید سے وہ روشناس تھے' بعث بعد الموت کے وہ قائل تھے' حساب کتاب اور جنت و دوزخ کے وہ اقرار کرنے والے تھے۔ ان کے لئے تو جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ توحید میں کوئی اجنبیت نہیں تھی' کوئی نرالی اور انوکھی بات

نہیں تھی۔ وہ تو خود نبی آخر الزماںؐ کے ظہور کے منتظر تھے۔ جن کتابوں کو وہ خود آسمانی کتابیں تسلیم کرتے تھے ان میں یہ پیشین گوئیاں موجود تھیں کہ خاتم النبیین والمرسلین کی بعثت فاران کی چوٹیوں اور کھجوروں کے جھنڈ کی سرزمین میں ہوں گی۔ وہیں ان کا ظہور ہو گا جس سے مراد حجاز کے علاقہ کے سوا کوئی دوسرا مقام نہیں ہو سکتا۔[1] حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک عیسائی راہب سے یہ اطلاع پا کر ہی حجاز کے لئے عازمِ سفر ہوئے تھے ـــــ پھر یہود اَوس و خزرج کو دھمکیاں دیتے تھے کہ آخری نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے' جب ہم ان کی زیرِ قیادت تم سے جنگ کریں گے تو لازماً تم پر غالب آئیں گے۔ لیکن قرآن شہادت دیتا ہے کہ یہ یہود آنحضور ﷺ کی مخالفت میں مشرکین سے بھی زیادہ شدید تھے' اور آپؐ کی دعوتِ توحید کے خلاف قریش اور عرب کے دوسرے قبائل سے ریشہ دوانیوں اور سازشیں کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ فتنہ و فساد کو اُکسانے میں پیش پیش رہتے تھے۔ ان کی مخالفت کے سبب کو اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

اس آیت مبارکہ کے بھی "شَرَعَ لَکُمۡ" والی آیت کی طرح دو حصّے ہیں' جن کی وضاحت علیحدہ علیحدہ کی جائے گی۔

﴿ وَمَا تَفَرَّقُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡیًۢا بَیۡنَهُمۡ ؕ ﴾

"اور اُن لوگوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر اس حال میں کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا (بلکہ تفرقہ کا سبب یہ تھا) کہ وہ ایک دوسرے سے زیادتی کریں۔"

سیاقِ کلام سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ آیت کے اس حصّے میں اہل کتاب کے تفرقہ کا ذکر ہے۔ اسی آیت کے آخری حصہ میں وراثت کتاب کا ذکر آ رہا ہے۔ وارثِ کتاب تو یہود و نصاریٰ ہی تھے۔ آیت کے اس حصہ میں تفرقہ کا سبب نہایت جامعیت اور بلاغت سے بیان ہو رہا ہے کہ ان اہل کتاب نے جو تفرقہ کیا' وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور منقسم ہو گئے تو اس کا باعث لاعلمی نہیں' بلکہ بَغۡیًۢا بَیۡنَهُمۡ ہے ـــــ

---

[1] ممکن ہے کہ اسی وجہ سے یہود کے تین بڑے قبیلے فلسطین اور شام کے علاقے چھوڑ کر مدینہ اور خیبر میں آکر آباد ہوئے ہوں اور اوس و خزرج کے قبیلوں کو نبی آخر الزمان ﷺ کے ظہور کی خبریں دیتے ہوں۔ (مرتب)

دیکھئے کتنی عجیب بات ہے' دین و شریعت ایک ہے' یہود و نصاریٰ دونوں تورات کے ماننے والے ہیں' پھر بھی تفرقے میں مبتلا ہیں۔ پھر تفرقہ در تفرقہ ہے۔ یہود بھی[1] مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور نصاریٰ بھی' اور ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں حالانکہ ان کی پوری تاریخ مشترک ہے۔ آج بھی عیسائی جس کتاب کو بائیبل کہتے ہیں اس کا بڑا حصہ تو "عہد نامہ عتیق" (Old Testament) ہے۔ یہ دراصل تورات اور دوسرے انبیاءِ بنی اسرائیل کے صحیفوں پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد "عہد نامہ جدید" (New Testament) ہے' جس میں چار کتابیں وہ ہیں جو "اناجیل اربعہ" کہلاتی ہیں۔ ان کے بعد پال اور دوسروں کے خطوط ہیں' جن کو وہ "رسولوں کے خطوط" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہودی جن انبیاء کو مانتے ہیں عیسائی بھی اُن سب کو مانتے ہیں' لیکن باہمی تفرقہ ہے ـــــ ایک دوسرے کے خلاف فتوے ہیں ـــــ یہ سب کیوں اور کس لئے ہے؟ اس لئے کہ جب بھی کوئی توحید کی خالص دعوت لے کر اٹھے گا حالات یہی ہوں گے۔ یہ صورتِ حال کبھی نہیں بدلے گی۔ بقول علامہ اقبال ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی!

آج بھی اگر تجدید و احیاءِ دین کے لئے اور خالص دعوتِ توحید کے لئے کمر کس کر کوئی قافلہ چلے گا تو اسے انہی نوع کے دو گروہوں سے واسطہ پڑے گا اور سابقہ پیش آئے گا۔ جیسے دورِ حاضر میں ایک تو ہمارے عوام الناس ہیں کہ جن کو دین کی کوئی خبر نہیں۔ ان کے نزدیک دین نام ہے محض ایک عقیدے اور چند رسومات کا۔ ان کو حقیقی دین کا علم سرے سے ہے ہی نہیں۔ ان کا دین تو قبر پرستی ہے یا تعزیہ پرستی۔ ان کے دین کا سب سے بڑا مظہر عرس ہے یا تعزیوں کے جلوس ہیں' یا اب ایک اور جلوس کا اضافہ ہو

---

[1] موجودہ دور میں صرف اسلام دشمنی میں عیسائی ان یہود کے حامی' پشت پناہ اور حلیف بن گئے ہیں' درآنحالیکہ ان کے عقیدے کے مطابق حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھوانے والے یہودی تھے۔ (مرتب)

گیا ہے جو عید میلاد النبی ﷺ کا جلوس ہے۔ ان کا دین تو ان ہی چیزوں کا نام ہے۔ ان کے سوا ان کو دین کا اور کوئی علم اور خبر ہے ہی نہیں۔ نماز سے انہیں سروکار نہیں' روزے سے انہیں بحث نہیں ـــــ ان کا کل کا کل دین بس ان چیزوں کا نام ہے۔ یہ گروہ تو گویا ان لوگوں کے مشابہ ہو گیا جو حقیقت نفس الامری سے بہت دور نکل گیا تھا﴿ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴾ ان کے لئے خالص توحید والے دین کی طرف آنا بڑا ہی مشکل ہے' آسان کام نہیں ہے' اِلّا ماشاء اللہ۔

ہمارے یہاں دوسرا گروہ وہ ہے جن کے فتوے چلتے ہیں۔ دین کے مسائل کے لئے جن کی طرف لوگوں کا رجوع ہے۔ جن کی دینی مسندیں ہیں' جن کے اونچے اونچے مناصب ہیں۔ ان میں سے خاص طور پر جن کا سرکار دربار سے ربط و تعلق قائم ہو جائے وہ تو یوں سمجھئے کہ "کریلا اور نیم چڑھا" کے مصداق ہیں۔ ان میں جو جو خرابیاں پروان چڑھتی ہیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ علمائے سُوء کی اکثریت بھی اکثر و بیشتر ان ہی میں سے ہوتی ہے جو سرکاری درباری علماء ہوتے ہیں۔ ایسے ہی علمائے سُوء کے فتوؤں سے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی پیٹھ پر کوڑے برستے رہتے ہیں۔ ایسے ہی علماء کے فتوؤں سے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو جیل میں ڈالا گیا۔ ان ہی کے فتوؤں سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیل میں ڈالے گئے اور ان کو کوڑے لگائے گئے۔ جب امام مالک ؒ کی مشکیں کس کے کوڑے لگے ہیں اور گدھے پر بٹھا کر ان کی مدینہ کی گلیوں میں جو تشہیر کی گئی ہے تو کیا اُس کی پشت پر اس وقت کے درباری مفتیان کے فتوے موجود نہیں تھے؟ یہ درباری سرکاری اقتدارِ وقت کے مُنہ چڑھے ہی تو عالم و فاضل لوگ تھے جنہوں نے جلال الدین اکبر کو "دین الٰہی" عطا کیا تھا۔ اکبر کا تو باپ بھی دین الٰہی خود تجویز نہیں کر سکتا تھا۔ اس کو مرتب کرنے والے تو ابو الفضل اور فیضی تھے جو بہت بڑے عالم تھے۔ اتنے بڑے عالم کہ ابو الفضل نے قرآن مجید کی پوری تفسیر اس طور پر لکھ دی کہ اس میں کوئی نقطہ والا حرف نہیں آیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ حال ہی میں سیرتِ مطہرہ پر ایک ایسی کتاب بھی لکھی گئی ہے جس میں نقطہ والا کوئی حرف نہیں آیا' جس کی صدرِ مملکت کی جانب سے بڑی مدح کی گئی ہے۔ یہ تو سیرت کی کتاب ہے' ابو الفضل نے تو قرآن کی پوری تفسیر لکھی کہ جس میں کوئی نقطہ والا حرف

نہیں آیا۔ میرے علم میں نہیں ہے کہ اس تفسیر پر علماء نے کوئی نکیر کی ہو۔ ممکن ہے کہ تفسیر میں اس نے کچھ گڑبڑ نہ کی ہو لیکن یہ وہی شخص ہے جو اکبر کے لئے "دین الٰہی" تصنیف کر رہا ہے اور اکبر کی اس راہ کی طرف رہنمائی کر رہا ہے[1]۔ لہٰذا جب بھی منظم طور پر توحید کی دعوت اٹھے گی یہ دو طرفہ یلغار ہو گی' مخالفتیں ہوں گی' ابتلاء اور آزمائشیں اسی طور سے آئیں گی جیسے اس وقت آئی تھیں۔

آیت کے اس حصہ کے عمومِ لفظ کے بین السطور اگر آپ دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ ہیں وہ مراحل و ادوار جو خالص دعوتِ توحید کے نتیجے میں ہمیشہ آکر رہیں گے۔ ایک وہ عوام' جہلاء جو دین سے دُور نکل گئے' ان کو دین سے کوئی سرو کار ہی نہیں' کوئی تعلق ہی نہیں۔ سوائے بدعات' رسومات اور خرافات کے وہ دین سے کوئی واسطہ اور علاقہ رکھتے ہی نہیں۔ ایک وہ جن کا پڑھنا پڑھانا بھی ہے' دین سے تعلق بھی ہے' مسندیں بھی ہیں' فتاویٰ بھی ہیں' ارشاد بھی ہے' سب کچھ ہے' لیکن الا ماشاء اللہ حال یہ ہے کہ : ﴿ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ ﴾

تفرقے کا ایک سبب یہ ہو سکتا ہے کہ حق جب آئے تو وہ واضح نہ ہو' گنجلک ہو۔ تو اس کی اس آیت کے آغاز میں نفی کر دی گئی ہے کہ :

﴿ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ﴾

پس معلوم ہوا کہ تفرقہ کا باعث لاعلمی اور ناواقفیت نہیں ہے۔ "العلم" ان تک پہنچ چکا تھا۔ ہدایت ربانی اور حق جب بھی آیا ہے بہت مبرہن' واضح اور بینہ بن کر آیا ہے۔ آخری پارے کی سورۃ البیّنہ میں یہ مضمون آیا ہے۔ فرمایا : ﴿ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴾ "جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر اِس کے بعد کہ ان کے پاس "البیّنہ" آگئی تھی"۔ یعنی حق روشن و

---

[1] امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کا جب فارسی میں ترجمہ کیا تھا تو وقت کے علماء نے شاہ صاحب کے خلاف کفر کا فتویٰ دے دیا تھا۔ چنانچہ عوام کے ایک گروہ نے اسی فتویٰ سے متاثر ہو کر شاہ صاحب پر دہلی کی جامع مسجد فتح پوری میں ان کو قتل کرنے کے لئے یلغار بھی کی تھی' لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بچالیا تھا۔ (مرتب)

مبرہن صورت میں ان کے سامنے پیش کر دیا گیا تھا۔ ان اہل کتاب نے اندھیرے میں ٹھوکر نہیں کھائی' بلکہ روز روشن میں جان بوجھ کر وہ راہِ حق سے منحرف ہوئے ہیں۔ ٹھیک ہے اہل عرب نے ٹھوکر کھائی' مکہ والوں نے ٹھوکر کھائی تو اندھیرے میں کھائی۔ ان کے پاس تو روشنی تھی ہی نہیں۔ لیکن یہود تو اندھیرے میں نہیں تھے۔ وہ تو نبی اکرم ﷺ اور قرآن کو ایسے پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو ﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ﴾ ـــــ پھر بھی ایمان نہیں لا رہے۔ کیوں؟ اس کو آیت کے اس حصے کے آخر میں بیان کیا گیا : ﴿بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ اس تفرقے کا اصل محرک ہے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی خواہش اور کوشش' ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کی تمنا اور سعی' ایک دوسرے پر ـ ور آنے کی فکر۔ پھر قومی و گروہی مفادات' مناصب' تفاخر' وجاہت و حشمت' مذہبی قیادت و سیادت' ان پر مستزاد ہے۔ تکبر اور حسد کہ یہ فضیلت بنی اسمٰعیل کو کیوں مل گئی' یہ تو ہمارے خاندان کی میراث ہے۔ ڈھائی ہزار برس تک نبوت کا سلسلہ ہمارے یہاں جاری رہا ہے' کسی اور کو یہ فضیلت مل جائے' یہ ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ آج کل کی اصطلاح میں یہ Personality Clash تھا' یعنی شخصیتوں کا تصادم تھا' کون اوپر اور کون نیچے کا جھگڑا تھا۔ بالاتر کون ہے اور کم تر کون! یہ سارا فساد دراصل اس کا تھا۔ یہ لوگوں کی انانیت تھی جس کے باعث وہ تفرقے میں مبتلا تھے۔ انہوں نے اپنی دنیوی اغراض اور مصالح کی خاطر حق سے اعراض ہی نہیں بلکہ اس کی مخالفت اور دشمنی پر کمر کس رکھی تھی۔ اب ان تمام تشریحات و تصریحات کے ساتھ آیت کے اس حصے کو پھر دیکھ لیجئے : ﴿وَمَا تَفَرَّقُوْآ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾

اب آیت کے دوسرے حصے پر توجہ مرکوز کیجئے :

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ﴾

"اور اگر (اے محمدؐ) آپؐ کے رب کی طرف سے ایک کلمہ طے نہ ہو چکا ہوتا' ایک وقت معین تک کے لئے بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے مابین قصہ چکا دیا جاتا۔"

یعنی ابھی مہلتِ عمر ہے۔ افراد کو بھی اس وقت تک کے لئے مہلت ہوتی ہے جب تک

موت نہیں آتی۔ ((مَالَمْ یُغَرْغِرْ)) جب تک موت کا گھونگرو نہیں بولتا توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ ہر نفس کے لئے یہ ضابطہ مقرر ہے کہ ﴿ وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ﴾ "اللہ کسی کو قطعاً مہلت عمل نہیں دیتا جب موت کا مقررہ وقت آ جاتا ہے"۔ اجل مسمّٰی کے اندر اندر عمل کا اختیار ہے۔ یہ مہلت و اختیار نہ ہو تو پھر آزمائش کیسی؟ بالجبر اگر اللہ ہدایت دے دے تو اس ہدایت پر انعام کیسا؟ بالجبر کسی کو غلط راستے پر ڈال دے تو اس کی سزا چہ معنی دارد؟ لہٰذا اللہ عزوجل یہ اختیار اور مہلت دیتا ہے' افراد کو بھی اور امتوں کو بھی۔ چنانچہ فرمایا کہ ہماری طرف سے مہلت کا ضابطہ پہلے ہی سے مقرر ہے۔ ابھی ان کو ڈھیل دینی ہے' ابھی ان کے لئے مہلت عمل ہے' ابھی ان کو اختیار حاصل ہے جدھر چاہیں جائیں۔ ﴿ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴾ اور یہ کہ ﴿ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ ﴾ اگر ہمارا یہ ضابطہ اور قانون نہ ہوتا' ہماری یہ سنت نہ ہوتی تو ہم ان کا قصہ چکا دیتے' ابھی جھگڑا طے کر دیتے' دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ کر دیتے۔

آیت کے اس حصے میں نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے توسط سے اہل ایمان کے لئے بھی تسلی کا ایک پہلو موجود ہے کہ تشویش نہ کیجئے' ابھی وقت لگے گا' اللہ کا آخری فیصلہ آکر رہے گا' احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ہو کر رہے گا اور انجام کار کے طور پر سب کو ہمارے حضور حاضر ہونا ہی ہے۔ وہ فیصلہ کی آخری ساعت بھی آکر رہے گی ـــــ اجل مسمی تک آپؐ بھی انتظار کیجئے اور مخالفین بھی۔

## وارثین کتاب کا نقشہ

اب اس آیت کے آخری حصہ پر آیئے! فرمایا :

﴿ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ○ ﴾

"اور وہ لوگ جو کتاب کے وارث بنائے گئے' ان کے بعد درحقیقت وہ اس (کتاب) کے بارے میں ایسے شک و شبہ میں مبتلا ہو چکے ہیں جس نے اُن کے دلوں میں خلجان پیدا کر دیا ہے۔"

آیت کے اس ٹکڑے کو بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے ـــــ یوں تو قرآن مجید کا ہر لفظ

اور ہر آیت عظمت کی حامل ہے' لیکن میرا گہرا تاثر ہے کہ سورۂ شوریٰ کی یہ تین آیات قرآن کی عظیم ترین آیات میں سے ہیں۔ اقامت دین کی جدوجہد میں جو بھی مسائل (Problems) سامنے آتے ہیں ان سب کا حل اور جواب تین آیات میں موجود ہے۔ جب بھی یہ کوشش ہو گی تو اس وقت جو مسائل اٹھیں گے ان سب کے لئے یہاں رہنمائی موجود ہے۔ فرمایا : ﴿ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ ﴾ رسولوں کے امتی عاملین کتاب تشکیک میں مبتلا ہو چکے ہیں' جس نے ان کے اذہان و قلوب میں خلجان اور انتشار پیدا کر دیا ہے۔ یہ کتاب کے ماننے اور جاننے والوں کا حال ہے۔ جو امیین ہیں ان کی کیفیت یہ نہیں ہے' اس لئے کہ ان کے پاس تو سرے سے کوئی کتاب ہے ہی نہیں۔ یہ گفتگو درحقیقت اہل کتاب کے بارے میں ہو رہی ہے کہ جن کے پاس علم' کتاب اور شریعت[1] موجود ہے۔ وہ سب ایک رسول کے نام لیوا ہیں' لیکن آپس میں دست و گریبان ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آئندہ نسلوں کا اعتماد ہی اٹھتا چلا جاتا ہے ـــــ آج ہم جو دیکھ رہے ہیں کہ ہماری نوجوان نسل کا دین سے اعتماد ہی اٹھتا چلا جا رہا ہے' وہ کیوں؟ اس لئے کہ ان کا روز کا مشاہدہ ہے کہ ملک کے علماء حضرات کی اکثریت جو دین کے نام لیوا ہیں ایک دوسرے سے دست و گریبان ہیں۔ اِلاّ ماشاء اللہ۔ سب کہتے یہی ہیں کہ ہمارا مقصد ہے کہ دین کو قائم کیا جائے' اسلامی نظام بالفعل نافذ ہو' لیکن ایک دوسرے کی ٹانگیں گھسیٹی جا رہی ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کا کیا منفی اثر ہمارے معاشرے پر پڑ رہا ہے۔ لوگ اندھے بہرے تو نہیں ہیں۔ نوجوان بڑے حساس ہوتے ہیں۔ تفرقہ کا یہ نقشہ دیکھ کر انہیں پھر دین ہی کے بارے میں شک پڑ جاتا ہے اور سمجھنے لگتے ہیں کہ اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید دعویٰ کرتا ہے کہ ﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ﴾ لیکن ایک نوجوان کسی کو دیکھتا ہو کہ نمازی تو بڑا پکا ہے' لیکن جتنا پکا نمازی ہے اتنا بڑا بلیک مارکیٹر بھی ہے تو اس کا اعتماد نماز پر قائم ہو گا یا ہٹے گا؟ ظاہر ہے نماز پر سے اعتماد ہٹے گا۔ قرآن پر سے

---

[1] اشارہ ہے یہود و نصاریٰ کے متعدد فرقوں کی طرف۔ (مرتب)

اعتماد ہٹے گا کہ قرآن تو دعویٰ کر رہا ہے کہ نماز برے کام سے روکنے والی شے ہے اور یہ شخص سب کچھ کر رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ نمازی بڑا پکا ہے۔ ایسے ہی ہمارے معاشرے میں وہ لوگ بھی ہیں جو کثرت کے ساتھ حج و عمرہ کرتے ہیں' لیکن ساتھ ہی اسمگلر بھی ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن کے باعث نوجوانوں کا دین پر سے اعتماد اٹھنا شروع ہو جاتا ہے۔

اسی غلط طرزِ عمل کی عکاسی کی گئی ہے آیت کے اس حصہ میں : ﴿ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ ﴾ "اور جو لوگ وارث بنائے گئے کتاب کے ان کے بعد"۔ یہاں "ان کے بعد" سے کیا مراد ہے! وہ لوگ جو تفرقے ڈال کر چلے گئے' اب ان کے بعد اگلی نسل کتابِ الٰہی کی وارث ہوئی ـــــ جیسے ہم قرآن حکیم کے وارث ہیں ـــــ یہاں جو ذکر ہو رہا ہے وہ تورات اور انجیل کا ہو رہا ہے۔ لیکن جو لوگ تفرقے ڈال گئے تو ان کے بعد آنے والے ان تفرقوں کے سبب سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے۔ ﴿ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ۝ ﴾ یہاں مریب شک کی صفت ہے۔ یعنی شک جب دل میں یہ خلجان پیدا کردے کہ پتہ نہیں کچھ ہے بھی یا نہیں؟ واقعتاً یہ کتابِ الٰہی ہے کہ نہیں؟ یہ گروہ بھی اسی کتاب کو ماننے کا مدعی اور وہ گروہ بھی اسی کتاب کے ماننے کا مدعی' یہ بھی اسی کتاب کو پڑھ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ روشنی کا مینار اور ہدایت کا منبع و سرچشمہ ہے' وہ بھی اسی بات کے دعوے دار ہیں' لیکن حال یہ ہے کہ آپس میں دست و گریباں ہیں' یہ ان کو کافر کہہ رہے ہیں اور وہ ان کی تکفیر کر رہے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ اس تفرقہ بازی سے عوام (بالخصوص تعلیم یافتہ طبقہ) کا اعتماد دین پر سے' کتابِ الٰہی پر سے اور علماء پر سے اٹھتا چلا جاتا ہے۔

دعوتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے موقع پر دو جماعتیں موجود تھیں۔ ایک تو مشرکین کا گروہ ـــــ ان کے متعلق فرمایا گیا : ﴿ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ ؕ اَللّٰهُ یَجْتَبِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ ؕ ﴾ اے نبیؐ آپؐ کی دعوتِ توحید ان مشرکین پر بہت بھاری ہے۔ یہ اتنے دُور نکل گئے ہیں کہ ان کے لئے لوٹنا آسان نہیں ہے۔ ان میں سے اللہ ہی جس کو چاہے گا اس دعوتِ توحید کے لئے چن لے گا اور

اپنے دین کی طرف کھینچ لے گا' اور جن کے دلوں میں تھوڑی سی بھی انابت ہے وہ جلد یا بدیر آپ کے جاں نثاروں میں شامل ہو جائیں گے ـــــ رہا دوسرا گروہ جو اہل کتاب کا گروہ ہے' ان کے متعلق حضور ﷺ کو جو فکر لاحق ہو رہی تھی کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لا رہے تو اس کا ازالہ اس آیت میں فرما دیا گیا : ﴿وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ﴾ ـــــ یعنی اے نبیؐ! آپ تو پھر بھی ایک نئی کتاب لے کر آئے ہیں' آپ کی دعوتِ نبوت ان کے لئے نئی ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو یہ بھی مانتے ہیں اور وہ بھی' پھر بھی ایک دوسرے سے دست و گریبان ہیں ـــــ اور تو اور خود بھی فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کی کاٹ میں لگے رہتے ہیں۔ تو جو اتنے انانیت پرست ہیں کہ ایک کتاب کے ماننے کے باوجود متفرق ہیں وہ آپ کی بات کیسے تسلیم کر لیں گے؟ یہی بات علامہ اقبال نے "جوابِ شکوہ" میں ہمارے لئے کہی ہے۔ ؏

منفعت ایک ہے اس قوم کی' نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی' دین بھی' ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی' اللہ بھی' قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں!
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

ہماری فرقہ بندی کس سے پوشیدہ ہے۔ نہ معلوم کتنے فرقوں میں ہم بٹے ہوئے ہیں! اس کے نزدیک وہ کافر' اس کے نزدیک یہ کافر۔ اُس کے سوا کوئی اور بحث سننے میں نہیں آتی۔ اِلّا ماشاء اللہ!

لہٰذا حضور ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اللہ آپ کے لئے راستہ نکالے گا' لیکن آپ ان یہود سے توقع نہ رکھئے کہ یہ تو کتابوں کو جاننے والے ہیں' توحید کو ماننے والے ہیں' ان کے یہاں بڑے بڑے علماء ہیں' لہٰذا یہ تو فوراً مان لیں گے۔ نہیں' ان کی انانیت ان کی راہ کا وہ پتھر ہے جو کسی طرح بھی انہیں آگے نہیں بڑھنے دے گا' بلکہ یہی آپ کی دشمنی میں سب سے آگے ہوں گے۔ (جاری ہے)

کتاب نامہ

# قیامِ اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر

## قسط چہارم

ان باتوں کے بعد اب ہم امریکہ میں بنیاد پرست قائدین کا ذکر ذرا تفصیل سے کرتے ہیں کہ یہ کون لوگ ہیں اور ان کی کیا سرگرمیاں ہیں؟ یہ بنیاد پرست ہر قسم کے وسائل سے بہرہ ور ہیں اور انہیں ہر طرح کا سیاسی و اخلاقی تحفظ میسر ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے مسلمانوں کو بنیاد پرستی کا طعنہ سننا پڑتا ہے جو پہلے سے ہی تہی دست ہیں اور ہر روز طعن و تشنیع کا سامنا کرتے ہیں۔ اخبارات' ٹی وی اور بہت سارے لوگ الگ سے ان کے خلاف آگ اگلتے رہتے ہیں' مگر امریکہ میں بنیاد پرست افراد کی مثالیں اور ان کا کام بیان کرتا ہوں' پھر آپ خود فیصلہ کرلیں کہ امریکہ میں ان افراد کی کس طرح سرپرستی کی جاتی ہے اور ہمارے ہاں راسخ العقیدہ مسلمانوں کی کس قدر عیب جوئی کی جاتی ہے۔

ان افراد میں سب سے زیادہ مشہور اور بااثر جیری فول ویل ہے جو امریکہ میں ایک تنظیم کا بانی بھی ہے[1] ۔ جیری فول ویل کا عقیدہ اس کی اپنی زبانی سنیں: "درحقیقت اسرائیل کے لئے امریکی امداد اسرائیل کے لئے نہیں بلکہ یہ امریکہ کے اپنے اور صرف اپنے مفاد میں ہے"۔ یہ آدمی شروع میں ایک نظریہ لے کر اٹھا کہ امریکہ کو عیسائی اسٹیٹ ہونا چاہئے مگر جب اس کے ساتھ خاطر خواہ لوگ مل گئے تو اس نے اپنی تحریک کو ایک نیا نعرہ دیا کہ "امریکہ بلاشبہ عیسائی یہودی اسٹیٹ ہے"۔

جیری فول ویل نے کہا "اسرائیل کے خلاف کوئی کارروائی کرنا دراصل خداوند

---

[1] اس کی تنظیم کا نام Moral Majority ہے' جو آج کل Liberty Federation کہلاتی ہے۔

کے خلاف کارروائی کرتا ہے"۔ وہ اپنی تقاریر میں عہدِ ابراہیمی کا پرچار کرتا رہتا کہ :
"عنقریب میں اسرائیل پر برکت دینے والوں پر برکت دوں گا اور اس پر لعنت بھیجنے والوں پر لعنت"۔ اس نے اپنی تقریر میں کہا : "مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر امریکہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسرائیل کو مالی و عسکری امداد بہم پہنچانے میں کسی قسم کا تردد نہ کرے"۔ ۱۹۴۸ء میں قیامِ اسرائیل میں اس نے اس واقعہ کو تورات کی پیشین گوئی کے مصداق ٹھہراتے ہوئے کہا کہ : "یہ خداوند کی قوم کے ساتھ عہد وفا نبھاتے ہوئے خدا کی برکت دینے کی دلیل ہے"۔ جیری فول ویل کا اگلا فقرہ امن سمجھوتے کے تناظر میں ملاحظہ فرمائیں : "یہود اور سامرا کے علاوہ جولان کی پہاڑیاں بھی اسرائیل کا حصہ ہیں اور یروشلم اور صرف یروشلم ہی اسرائیل کا ابدی دارالحکومت ہے جس میں ہرگز بحث کی گنجائش نہیں"۔

جیری فول ویل نے ایک یونیورسٹی بھی قائم کر رکھی ہے جس میں بقول اس کے ۲۰۰۰ء تک پچاس ہزار طالب علم پڑھ رہے ہوں گے۔ اس یونیورسٹی کا نام اس کی تنظیم کے نام پر Liberty University رکھا گیا ہے جس میں پچاس ہزار طالب علموں کو یہودی طرز پر الٰہیات کی تعلیم دی جائے گی۔ مذکورہ یونیورسٹی میں غیر ملکی طالب علموں کے لئے خاطر خواہ وظائف کا بھی بندوبست ہے اور ان وظائف میں توسیع کے علاوہ یونیورسٹی میں پچاس ہزار طالب علموں کی پڑھائی کا بھی انتظام میسر کیا جائے گا۔

جیری فول ویل نے بارہا اپنے نشریاتی پروگراموں میں اس بات پر زور دیا کہ اسرائیل کے لئے موجودہ جغرافیائی حدود ناکافی ہیں خواہ ان میں مغربی کنارہ، جولان کی پہاڑیاں اور غزہ کی پٹی کو شامل ہی کیوں نہ سمجھا جائے۔ اس کے خیال میں اسرائیل کی حدیں دریائے فرات سے نیل تک ہونی چاہئیں۔ ۱۹۸۲ء میں جب اسرائیل نے لبنان پر حملہ کیا اور بیروت پر اپنا قبضہ جمایا تو اس موقع پر جیری فول ویل نے کہا : "تورات کی کتابِ پیدائش میں اسرائیل کی حدود نیل سے فرات تک ہیں اور یہی ارضِ موعود ہے"۔ وہ ارضِ موعود میں عراق، شام، ترکی، سعودی عرب، مصر، سوڈان، پورا لبنان، اردن اور کویت کو شامل سمجھتا ہے، اس دلیل پر کہ یہ علاقے کنعانیوں کے ہیں" اور میں

تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا سارا ملک ایسا دوں گا کہ وہ دائمی ملکیت ہو جائے"۔ قطر میں اپنے نشریاتی نیٹ ورک سے عربوں کو درشت لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا: "عربوں کے لئے ہمارے پاس کوئی جگہ نہیں اور نہ ان سے خوشگوار تعلقات ہو سکتے ہیں کیونکہ عرب امریکی معاشرے کی اقدار کو مانتے ہیں اور نہ اس کا معاشی نظام پسند کرتے ہیں' نیز وہ اسرائیل کو تسلیم کرنے سے بھی انکاری ہیں"۔

عیسائی عقیدہ کی رو سے سات اقوام لعنتی ہیں جن میں ایک قوم عرب ہے۔

جیری فول ویل صدر بش کا چہیتا ہے جس کا اعتراف وہ کئی مرتبہ کر چکا ہے۔ صدر بش کا وہ جملہ یاد کریں جس میں اس نے کہا: "جیری فول ویل جیسی شخصیات کی موجودگی میں یہودیوں کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا"۔

دوسری بنیاد پرست شخصیت پاٹ رابرٹسن کی ہے جو ٹی وی واعظ بھی ہے اور پورے امریکہ میں ٹی وی دیکھنے والے شائقین کے ہاں مقبول بھی۔ اپنے ٹی وی نیٹ ورک سے بذریعہ مصنوعی سیارہ ساٹھ سے زائد ممالک تک نشریات بھیجتا ہے۔ اس کے ساتھ ٹیلی فون رابطے کی مفت سہولت موجود ہے اور بقول اس کے سالانہ چالیس لاکھ کالوں کے ذریعے لوگ اس سے دینی مسائل کے سلسلہ میں فتوے پوچھتے ہیں۔ پاٹ رابرٹسن نے صدارتی الیکشن میں صدر بش کے مدِ مقابل اپنے کاغذات نامزدگی بھی جمع کرائے تھے جو بعد ازاں واپس لے لئے' لیکن اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کس قدر اثر و نفوذ رکھتا ہے اور امریکی معاشرے میں ایک بنیاد پرست متشدد عیسائی کے صدارتی الیکشن لڑنے کا امکان ہو سکتا ہے' لیکن سیاست صرف راسخ العقیدہ مسلمان پر حرام ہے جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں۔ CBN نشریاتی نیٹ ورک پاٹ رابرٹسن کی ملکیت ہے جس کی چوبیس گھنٹے نشریات جاری رہتی ہیں اور ان میں بیشتر مذہبی پروگرام ہوتے ہیں۔ اسی پائے کا دوسرا نشریاتی نیٹ ورک دی سیون ہنڈرڈ کلب ہے جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ پاٹ رابرٹسن نے ایک یونیورسٹی بھی قائم کر رکھی ہے جس کا نام نشریاتی ادارہ کے نام پر CBN ہے۔

نیویارک ٹائم نے اس کی بابت لکھا کہ پاٹ رابرٹسن کے نزدیک دنیا کے فنا ہونے میں

چند روز باقی ہیں اور موجودہ صدی کے آخر میں ۲۰۰۰ء تک نزولِ مسیح ہوگا۔ اسرائیل کی عرب' روس اور غیر عیسائیوں سے شدید جنگ ہوگی' زلزلے آئیں گے اور آتش فشاں پھٹیں گے اور اس وقت یسوع مسیح کا نزول ثانی ہوگا اور ان واقعات کے وقوع پذیر ہونے کی پہلی نشانی قیام اسرائیل ہے اور باقی نشانیاں بھی عنقریب پوری ہونے کو ہیں کیونکہ یہ تورات کی پیشین گوئیاں ہیں۔ اپنے نشریاتی پروگراموں میں وہ عرب اسرائیل دشمنی کو ہوا دیتا رہتا ہے' عربوں کو اعداء اللہ (خدا کے دشمن) کہتا ہے' فلسطینیوں کے ساتھ کسی قسم کے انصاف کی ضرورت نہیں سمجھتا' کیونکہ اسرائیل کا قیام خداوند مسیح کی منشا ہے اور تورات کی نص کے مطابق ہے "اسرائیل اس بات سے آزاد ہے کہ کوئی اسے تسلیم کرے یا نہ کرے' جب خدا کی مشیت یہی ہے تو پھر اسے کون ٹال سکتا ہے"۔

مزید برآں یہ کہ جنوبی لبنان پر اسرائیل کے قبضے کے دوران اس نے وہاں اپنا ٹی وی اسٹیشن قائم کیا جس کا نام "امید کی کرن" رکھا۔ یہ پروگرام شام' عراق' ترکی' مصر اور سعودی عرب کے شمالی علاقوں تک دیکھا جا سکتا ہے۔ ٹی وی اسٹیشن کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے اس نے کہا کہ: "قرآن اور اسلامی تعلیمات روحِ انسانی کے عمیق تقاضے پورے کرنے سے عاجز ہیں' مسلمان فرقہ بازی کا شکار ہیں' نیز اسلام میں عقیدہ کی کئی تقسیمات ہیں' اشتراکیت کے دن گنے جا چکے (اسلام اور اشتراکیت دونوں زوال پذیر ہیں) جبکہ عیسائیت کا ستارہ عروج پر ہے اور اسی کی طرف ہم بلاتے ہیں' اگرچہ مسلمانوں پر ناامیدی چھائی ہے مگر ان کے لئے انجیل کا پیغام قبول کرنے کا دروازہ کھلا ہے۔ ہمارے اس نشریاتی پروگرام کا مقصد بھی انجیل کے پیغام کو عام کرنا ہے"۔ اس کے خیال میں مسلمان اس دعوت پر لبیک کہیں گے' معاذ اللہ۔

اپنے ایک نشریاتی پروگرام میں پاٹ رابرٹسن نے کہا: "جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیل کی قدس پر کامیابی غیر یہودی اقوام کے زوال کی علامت ہے اور غیر یہودی اقوام کا زوال ہمارے ایمان کا حصّہ ہے' کیونکہ نزولِ مسیح سے غیر یہودی اقوام کا خاتمہ ہو جائے گا اور میرے یہ نشریاتی پروگرام اس الٰہی حامیت کا جزو ہیں جو خداوند نے اسرائیل کے ساتھ خاص کر رکھی ہے"۔ مطلب ہے کہ نزولِ مسیح کے ساتھ عربوں کے

خاتمے میں یہ ٹی وی پروگرام معاون ہوں گے جن کا افتتاح اس نے خداوند کے حکم سے کیا ہے کیونکہ تورات کی رو سے یہ نزولِ مسیح کا زمانہ ہے۔

صدر بش کے ساتھ رابرٹسن کے گہرے روابط کی اور دلیل سوڈان کا وہ سرکاری دورہ ہے جو انہوں نے ۱۹۸۵ء میں کیا جس میں رابرٹسن ان کے ہمراہ تھا۔ دونوں ممالک نے ایک اتفاقیے کو منظور کیا جس کی رو سے فلاشا میں مقیم یہودیوں کو اسرائیل میں قیام کرنے کا حق مل گیا اور فلاشا کے یہودی پناہ گزینوں کو سوڈان سے اسرائیل پہنچانے کے لئے جنوبی لبنان اور امریکہ سے ہوائی پروازوں کا انتظام رابرٹسن نے کیا۔ یاد رہے کہ رابرٹسن کٹر عیسائی ہے ' یہودی نہیں۔

تیسری اہم شخصیت جارج اوٹس (George Otis) ہے جسے میں وقت کی کمی کے پیش نظر اختصار سے بیان کروں گا۔ جارج اوٹس ایک تنظیم کا قائد ہے جو تورات کی حرفیت پر ایمان رکھتی ہے اور تورات کو خدائی نوشتہ مانتی ہے جس کے نتیجہ میں یہ تنظیم اسرائیل کے قیام کو مسیح کی آمدِ ثانی کا پیش خیمہ سمجھتی ہے اور اسرائیل سے ہر قسم کا تعاون کرتی ہے۔ جارج اوٹس نے اپنی ایک تقریر میں کہا "ہم اسرائیل میں بحالی امن کیلئے مصروف کار ہیں لیکن ہم اس بات پر بھی پورا ایمان رکھتے ہیں کہ پوری ارضِ مقدس ـــــ ملاحظہ فرمائیں ـــــ پوری ارضِ مقدس یہودیوں کی ایسی میراث ہے جو ناقابلِ انتقال ہے اور نہ غیر یہودیوں کے لئے قابلِ استعمال"۔ یہ جملہ توراتی من گھڑت آیت کا چربہ ہے 'ناقابلِ انتقال و ناقابلِ استعمال یعنی "ازلی ملکیت"۔

تورات میں مذکورہ جھوٹے عہد پر ان کا پختہ ایمان ہے اور قرآن میں جس عہد کا ذکر مسلمانوں کے حق میں ہوا ہے ظاہر ہے ان کافروں کا اس پر ایمان ہونے سے رہا۔

رابرٹسن نے اسرائیل کے حق میں کہا : "اسرائیل کا از سرِ نو قیام تورات کی پیشین گوئی کے مطابق عہدِ وفا ہے اور نزولِ مسیح کا پیام ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہودی اب بھی خدا کی چنی ہوئی قوم ہے ' وہ کہیں بھی ہوں۔ "اور جو اسرائیل کو مبارک کہیں ان کو میں برکت دوں گا اور جو اسرائیل پر لعنت کرے اس پر میں لعنت کروں گا"۔ یہ جارج اوٹس کا عقیدہ ہے جس نے اپنا ٹی وی اسٹیشن رابرٹسن کے ہاتھ فروخت کیا۔

ایک اور شخصیت کا مختصر تعارف کراتا چلوں جو صدر بش کے گہرے دوستوں میں سے ایک ہے جس کا نام مائیک ایونس (Mike Evens) ہے۔ بعض کتابوں میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ پہلے یہودی تھا جس نے عیسائیت قبول کرلی' بعض کتب میں اس کی والدہ کو یہودی بتایا گیا ہے۔ جو بھی صورت رہی ہو ہمارے لئے اس کا یہ بیان اہمیت رکھتا ہے جس میں اس نے کہا : "امریکہ کی بقا کے لئے اسرائیل کا ہونا ضروری ہے لیکن خود اسرائیل کی بقا امریکہ کے ہونے یا نہ ہونے کی محتاج نہیں"۔

ایک گھنٹے کے دورانئے کا یہ پروگرام پچاس سے زائد امریکی ریاستوں میں دیکھا جاتا ہے۔ اس نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ : "مغربی کنارے سے اسرائیل کا انخلا پہلے اس کی اور پھر امریکہ کی فوری تباہی لائے گا"۔ اس اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اس نے کہا : "اسرائیل کا مغربی کنارے سے دست بردار ہونا اور اس علاقے کو فلسطینیوں کو لوٹانا بلاشبہ تورات میں مذکور خدائی وعدہ کی تکذیب کے مترادف ہو گا جس سے نہ صرف اسرائیل کی ہلاکت ہو گی بلکہ امریکہ پر بھی خدا کا قہر نازل ہو گا۔ اگر کتاب مقدس کے کسی حکم کی اہانت کی گئی یا اسرائیل نے اس کے برخلاف کوئی اقدام اٹھایا تو وہ تباہ و برباد ہو جائے گا' تورات تو اسرائیل کی حمایت میں ہے"۔

ایونس نے امریکی عوام سے پُرزور مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ : "ان کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے دیرینہ دوست کی تائید میں مزید آگے بڑھنا چاہئے اور انہیں میرے نشریاتی پروگرام "برکتِ اسرائیل" کی بھی تائید کرنی چاہئے کیونکہ استحکام اسرائیل کے لئے خدائے برتر نے مجھے اس پروگرام کا آغاز کرنے کا صریح حکم دیا ہے"۔ یعنی جارج اولس کے نشریاتی پروگرام خدا کی طرف سے اس پر الہام ہوئے ہیں جن کا مقصد لوگوں کو بشارت دینا ہے کہ "خاکی برگزیدہ قوم نے اپنی زمین سنبھال لی ہے"۔

یہ پروگرام لاکھوں امریکیوں کے علاوہ لاطینی امریکہ کے عوام بھی خوب شوق سے دیکھتے ہیں۔ اس نے اپنے ایک پروگرام میں کہا کہ : "عیسائی ہرگز وہ غلطی دہرانے والے نہیں جو آج سے ۴۵ سال پہلے جرمنی سے سرزد ہوئی جب جرمنی نے خدا کی برگزیدہ قوم پر ظلم و جبر کیا"۔ یعنی اب یہودیوں پر ظلم کرنے کی کوئی جسارت نہیں کرسکتا۔ ■

مائیک ایونس پروپیگنڈے کا ماہر ہے اور اس کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ ہے اور اس پر کاربند ہے اور امریکی عوام کے جذبات سے کھیلنا جانتا ہے۔
ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے دارالحکومت کو ریاست واشنگٹن سے فرق رکھنے کے لئے واشنگٹن ڈی سی کہا جاتا ہے۔ اس فرق کو ہر امریکی جانتا ہے۔ جارج اوٹس امریکی عوام کے جذبات اسرائیل کے حق میں کرنے کے لئے اسرائیل کے دارالحکومت کو یروشلم ڈی سی کہتا ہے اور اپنے بیانات اسی نام سے صادر کرتا ہے' لیکن اس مخفف سے مراد وہ نہیں جو امریکی دارالحکومت مراد لیتا ہے۔ امریکی صدر کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے اپنے ایک مراسلہ میں لکھا : "بنام صدرِ امریکہ و وزیر اعظم اسرائیل از قدس ڈی سی پایہ تختِ داؤد"۔ اس مراسلہ کے آخر میں موصوف کے دستخط ہیں۔ مراسلہ کے بعض جملے ملاحظہ کریں : "ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قدس کا معاملہ خدا قادرِ مطلق کی سپردگی میں ہے۔ تمہیں جاننا چاہئے کہ خدا کا کلام مذاکرات کرنے کے لئے نہیں ہوا کرتا اور نہ اس میں کسی قسم کی بحث کی گنجائش ہوا کرتی ہے۔ تمام آسمانی کتابیں قدس کو اسرائیل کا روحانی مرکز اور یہودیوں کے مسیح کا مہبط سمجھتی ہیں"۔
آپ کے خیال میں مسیحِ یہود کون ہو گا؟ یہودیوں کا مسیح دجّال ہے۔ یہ بات امام ابنِ تیمیہؒ نے بھی اپنی کتابوں میں تفصیلاً بیان کی ہے۔ یہودی جس مسیح کے انتظار میں ہیں وہ دراصل دجّال ہے۔ اس پر بے شمار دلائل موجود ہیں جو ہم طوالت کی وجہ سے بیان نہیں کرسکتے۔ فتنہ دجال کے لئے ایک مکمل نشست درکار ہے' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع کا حق ادا کرنے کے لئے کئی دروس درکار ہوں گے۔ یہ موضوع اس لئے بھی اہم ہے کہ آج کل اس پر بہت کچھ کہا اور لکھا جا رہا ہے۔ دوسری طرف عیسائی بھی ۲۰۰۰ء کی ابتداء میں دجال کی آمد کے منتظر ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ فتنہ دجال سے آگاہی حاصل کریں اور عیسیٰ ابن مریم کی بابت درست عقیدہ رکھیں۔
مائیک ایونس نے اپنے مراسلہ میں لکھا کہ ہم اسرائیل کے عوام کے لئے دعا کی رسم کا مستقل اہتمام کرتے ہیں کیونکہ یہود کے مسیح کا ظہور ہونے کو ہے' یہی وجہ ہے کہ ہم یہودیوں کی آزادی اور امن کے لئے ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ ہم خدا کے کلام پر

ایمان رکھتے ہیں جس میں وہ فرماتا ہے : "جو اسرائیل کو مبارک کہیں ان کو میں برکت دوں گا اور جو اسرائیل پر لعنت کرے اس پر لعنت کروں گا"۔ ہم امریکی حکومت سے پر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اسرائیل کی حمایت میں اپنا بھرپور کردار ادا کرے کیونکہ خدا کا کلام قدس کو اسرائیل کے حق میں تسلیم کرتا ہے اور ہم پر کلام الٰہی پر ایمان لانا فرض ہے"۔ بعد ازاں مائیک ایونس نے اس مراسلہ کو امریکی عوام سے دستخط لینے کے لئے تقسیم کیا اور بقول اس کے مراسلہ کی تائید میں دس لاکھ امریکیوں نے اس پر دستخط کئے اور تصدیقی دستخطوں کے ساتھ اس نے یہ مراسلہ امریکی صدر اور اسرائیلی وزیراعظم کو ارسال کیا۔ اگر ایونس کی بتلائی گئی تعداد درست نہ بھی ہو اور کم از کم ایک لاکھ افراد نے دستخط کئے ہوں تو پھر بھی یہ تشویش کی بات ہے کہ ایک لاکھ امریکی یہود کے مسیح کے ظہور پر ایمان رکھتے ہیں۔ "اور فلسطینی مقبوضہ علاقوں کے ایک بالشت ٹکڑے پر مذاکرات کی گنجائش ہے اور نہ بحث کی۔ کیونکہ اس قسم کا تصرف نہ امریکی صدر کے ہاتھ میں ہے اور نہ اسرائیلی وزیراعظم ہی کسی جگہ سے دست برداری کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ قدس کا معاملہ بلاواسطہ خداوند کی سپردگی میں ہے"۔

## اسرائیل نواز عیسائی تنظیم

اسی طرز کی ایک اور عیسائی بنیاد پرست تنظیم کے متعلق بھی سن لیجئے جو بیک وقت مذہبی اور سیاسی دونوں فرائض انجام دیتی ہے۔ یہ تنظیم تورات کے غیر محرف ہونے پر ایمان رکھتی ہے اور اس کا صدر مقام یروشلم میں ہے۔ یہ تنظیم عہدِ ابراہیمی کو یہودیوں کے حق میں سمجھتی ہے اور اس کی شاخیں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ تنظیم کے سربراہ نے کہا : "ہم اسرائیلیوں سے بڑھ کر صیہونی ہیں، تمام شہروں میں مبارک قدس کا شہر ہے اور خداوند کی مرضی سے ارضِ مقدس اسرائیل کے پاس ہے"۔ اس تنظیم کے اعتقاد میں نزولِ مسیح کے لئے اسرائیل کا قیام ضروری ہے۔ یہ تنظیم نہ صرف اسرائیل کی بقا کے لئے کوشاں ہے بلکہ اسرائیل کے توسیعی عزائم میں بھی معاون ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ خدا نے خود مغربی کنارہ اور غزہ کی پٹی اسرائیل کو دی ہے اس لئے یہ علاقے

اسرائیل کا جائز اور قانونی حق ہیں۔ اس عالمی اہمیت کی تنظیم کا سات نکاتی منشور ہے اور منشور کا آخری نکتہ یہودیوں کو عیسائی بنانے کے متعلق ہے جسے بعد میں یہودیوں کی کوششوں اور چالاکی سے حذف کر دیا گیا۔ مت بھولئے کہ یہ کٹر عیسائی تنظیم ہے جو فلسطین میں نزولِ مسیح پر ایمان رکھتی ہے جب تمام یہودی عیسائی مذہب اختیار کرلیں گے۔ پہلا مرحلہ یہودیوں کی آباد کاری کا ہے اور اگلے مرحلے میں مسیح کا ظہور ہو گا۔

اس تنظیم کے باقی ماندہ چھ نکات مندرجہ ذیل ہیں :

- یہودیوں کی فلاح اور ان کے وطن اسرائیل کے قیام کے لئے حد درجہ اہتمام کرنا۔
- عیسائی قیادت' کلیسا اور دینی تنظیموں سے مطالبہ کرنا کہ وہ اپنے اپنے ملک میں اسرائیل اور اس کے عوام کی مصلحت کے لئے بھرپور کام کریں اور اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے دوسرے ممالک کو بھی اس بات پر آمادہ کریں۔
- اسرائیل میں مقیم یہودیوں تک ضروریاتِ زندگی وافر مقدار میں پہنچانا اور آسائشیں فراہم کرنا۔
- یہود و عرب وفاق پیدا کرنے کے لئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنا۔

یعنی دو ازلی دشمنوں کا وفاق بنا لیا جائے جسے صلح کا نام دیا جائے گا' کیونکہ اس سے یہودیوں کی امیدیں بر آتی ہیں' جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

اس تنظیم کے چند اہم کارناموں میں سے ایک کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ ۱۸۹۷ء میں سوئزر لینڈ کے شہر بال (Basel) میں پہلی صیہونی کانفرنس تو سب کو یاد ہو گی جس میں تھیوڈور ہرتسل بھی شریک ہوا تھا۔ اسی مناسبت سے اس تنظیم کا بھی پہلا اجلاس اسی شہر میں ہوا' اور یہ محض اتفاق نہ تھا بلکہ پوری سوچ بچار کے بعد اس شہر کا انتخاب کیا گیا تھا۔ اس کانفرنس کا انعقاد ۱۹۸۵ء میں ہوا اور شرکاء یہودیت کے لئے نہیں بلکہ عیسائی یہودی بنیاد پرستی (Jewish Christian Fundementalism) کے لئے جمع ہوئے۔ کانفرنس کے اعلامئے پر غور فرمائیں : "ہم جو مختلف ممالک اور کلیساؤں کی نمائندگی کرتے ہیں آج ٹھیک اس مقام پر جمع ہوئے ہیں جہاں آج سے ۸۸ سال قبل تھیوڈور ہرتسل پہلی صیہونی کانفرنس کے افتتاح کے لئے تشریف لائے اور قیام اسرائیل کی پہلی

اینٹ نصب کر گئے۔ ہم بھی آج مل کر خداوند کو راضی کرنے کے لئے دعا کرتے ہیں اور اسرائیل کے ساتھ ' اسرائیل کے ملک کے ساتھ ' اسرائیل کے عقائد کے ساتھ اور مملکت اسرائیل کے ساتھ ' اپنے باہمی رابطے کی ابتداء کا بھی اعلان کرتے ہیں۔ آج کا دن ہمیں سخت جانفشانی کے بعد دیکھنا نصیب ہوا ہے اور یاد رکھیں کہ جن کینہ پرور قوتوں نے یہودیوں پر ظلم ڈھایا تھا وہ پہلے کی طرح آج بھی موجود ہیں۔ یہ وہ قوتیں ہیں جو تباہی لانا چاہتی ہیں"۔ یہودیت سے کینہ رکھنے والی اور ان کی تباہی کی خواہاں قوتوں سے ظاہر ہے ہم مسلمان مراد ہیں۔

"اور ہم عیسائی بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ظلم وجور کی وہ سیاہ راتیں جو یہودیوں نے کاٹیں ان دنوں میں کلیسا نے بھی یہودیوں سے کچھ اچھا برتاؤ نہیں کیا تھا۔ آج ہم یورپ میں اس لئے جمع ہوئے ہیں تاکہ اسرائیل کو اپنی حمایت کا یقین دلائیں اور قیام اسرائیل کی جو تجویز اس شہر بال میں پہلی مرتبہ پیش کی گئی تھی اس پر عمل پیرا ہونے کا عزم کریں اور ہم آگاہ کئے دیتے ہیں کہ آئندہ کسی قوت کے لئے یہودیوں پر ظلم کرنا ممکن نہیں رہا۔ ہم اسرائیل اور اس کے باسیوں کو ان کامیابیوں پر خراج عقیدت پیش کرتے ہیں جو انہوں نے انتہائی قلیل مدت یعنی صرف چار عشروں میں حاصل کیں۔ ہماری شدید خواہش ہے کہ آپ آبرومند ہوں ' اپنے آپ کو مصائب و آفات سے بچانے کے لئے خدائی ضابطے کو پیش نظر رکھیں۔ آپ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ہر طرح کی جستجو کریں اور خدا کا شکر کریں جس نے کتاب مقدس کے مصداق آپ کو دربدری سے جائے قرار میں لا کر بسایا۔ اور آخر میں ہم دنیا بھر کے یہودیوں سے اسرائیل کی طرف ہجرت کرنے کی اپیل کرتے ہیں اور تمام مسیحی برادری سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے یہودی بھائیوں کی حوصلہ افزائی اور مدد کریں اور اس خیر عظیم کی طرف لپکیں جو خداوند کی جانب سے ہے"۔

مذکورہ کانفرنس کے تمام شرکاء عیسائی تھے۔ آخر میں کانفرنس کے شرکاء نے ایک قرارداد پاس کی جس کے چیدہ چیدہ نکات میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ قرارداد کے مندرجات عیسائی مذہب سے کوئی نسبت نہیں رکھتے۔

① روس کے ساتھ مغربی تعلقات میں اس وقت تک کوئی نرمی نہ لائی جائے جب تک وہ اپنے ملک میں بسنے والے یہودیوں کی اسرائیل کی جانب ہجرت کرنے میں رکاوٹیں ڈالنے سے باز نہیں آجاتا۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ یورپ اس قرارداد پر پوری طرح عمل پیرا رہا۔

② اسرائیل اور اس کے نمائندگان کی عالمی کانفرنسوں اور عالمی اداروں میں شمولیت کو یقینی بنایا جائے اور یورپ اور امریکہ سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ ایسی کسی کانفرنس میں شمولیت نہ کریں جس میں اسرائیل مدعو نہ ہو۔

اس قرارداد سے ایک احتمال کا سدِّباب کرنا مقصود ہے اور وہ یہ کہ عرب ممالک کبھی کسی مشرقِ وسطیٰ کانفرنس میں اپنی عدم شمولیت کی دھمکی نہ دے سکیں، کیونکہ عرب ممالک مشرقِ وسطیٰ میں اپنی کثرت کی وجہ سے ایسا کرسکتے تھے اور ایسی صورت میں مشرقِ وسطیٰ سے متعلق کوئی کانفرنس بھی منعقد نہ ہو سکتی، لیکن اس قرارداد کی منظوری سے ان کے لئے اب یہ ممکن نہیں رہا کہ وہ اسرائیل کی شمولیت پر اعتراض کرسکیں، کیونکہ ایسی صورت میں امریکہ اور یورپ بھی کانفرنس کا بائیکاٹ کردیں گے۔

③ تمام ممالک اسرائیل کو تسلیم کریں اور اس سے ہر سطح پر سفارتی تعلقات قائم کریں، خصوصاً حکومت ویٹیکن کو اس جانب اپنا حقیقی کردار نہ بھولنا چاہئے۔

کیا آپ بتلاسکتے ہیں کہ حکومت ویٹیکن کا ذکر خاص طور پر کیوں کیا گیا ہے؟ ویٹیکن کیتھولک کی نمائندہ حکومت اور بشپ اعظم کا پایہ تخت ہے۔ اگر وقت ہوتا تو میں قرارداد کے اس نکتے پر تفصیلاً عرض کرتا۔ ویٹیکن کیتھولک مذہب کی نمائندہ حکومت ہے، یہ فرقہ پروٹسٹنٹ فرقہ کے برخلاف تورات پر پختہ ایمان نہیں رکھتا۔ اگر مسلمان اس پہلو کو سمجھ لیں اور کمر باندھ کر اُٹھ کھڑے ہوں، جو کہ میری شدید خواہش ہے، تو دو ایسے عناصر ہیں جن پر محنت کرکے وہ عیسائی بنیاد پرستوں کے خلاف مؤثر کردار ادا کرسکتے ہیں۔ پہلا عنصر کیتھولک فرقہ ہے اور دوسرا عنصر ان یہودیوں پر مشتمل ہے جو اسرائیل نواز یہودیوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ امریکہ کے کم از کم تیس ہزار یہودی اسرائیل کو نہیں مانتے جن میں دانشور، ادباء اور مفکرین شامل ہیں، اور اسرائیل پر

طعن و تشنیع کرتے رہتے ہیں' مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم میں سے نہ تو کوئی انہیں جانتا ہے اور نہ ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

④ کانفرنس یہودا اور سامرہ کے علاقوں پر اسرائیل کا جائز اور قانونی حق تسلیم کرتی ہے' نیز ان علاقوں پر مذاکرات کی کوئی گنجائش نہیں۔

⑤ ہم تمام ممالک سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ قدس کو اسرائیل کا جائز و قانونی دارالحکومت تسلیم کریں' کیونکہ اسرائیل کا دارالحکومت صرف یروشلم (قدس) ہے' دوسرا کوئی نہیں۔ لہٰذا تمام سفارتخانوں کو تل ابیب سے یروشلم لایا جائے۔

⑥ اسرائیل کے دوست ممالک ایسے ہر ملک کو اسلحہ کی فراہمی روک دیں جو اسرائیل کے خلاف جنگی اقدام کی صلاحیت رکھتا ہو خواہ وہ مصر ہی کیوں نہ ہو (مصر کیمپ ڈیوڈ معاہدے کا ایک فریق ہے اور اسرائیل کو تسلیم کرتا ہے)

⑦ تمام ممالک تنظیم آزادی فلسطین کا بائیکاٹ کریں —— عیسائی یا سرعرفات کی تنظیم کو اسلامی تنظیم کہتے ہیں جس سے وہ بت پرستوں کی تنظیم مراد لیتے ہیں —— اور اسے تشدد پسند تنظیم قرار دیا جائے۔ ہمارا یہ مطالبہ تورات کی اس آیت کے مصداق ہے جس میں خدا نے فرمایا : "جو اسرائیل کو مبارک کہیں ان کو میں برکت دوں گا اور جو اسرائیل پر لعنت کرے اس پر میں لعنت کروں گا"۔

⑧ یہودیوں سے عداوت کو پوری سامی نسل کے خلاف عداوت پر محمول کیا جائے۔

⑨ نام نہاد عیسائی معاشرے نے تہذیب کی آڑ میں یہودیوں کے ساتھ جس ظلم و ستم کا ارتکاب کیا تھا' خصوصاً دوسری جنگ عظیم میں یہودیوں کی جو خون ریزی کی گئی تھی' اس کا اعتراف کیا جائے۔

غور کیجئے کانفرنس کے عیسائی شرکاء ان تمام عیسائیوں کو مذہب سے خارج سمجھتے ہیں' جنھوں نے یہودیوں پر ظلم کیا تھا۔

⑩ ۱۹۴۸ء میں ہجرت کرنے والے تمام فلسطینیوں کو اس ملک کی شہریت دے دی جائے جس میں وہ رہائش پذیر ہیں' یعنی فلسطینی مہاجرین کا مسئلہ سرے سے باقی ہی نہ رہے' اور فلسطینیوں کو ان ملکوں کی مستقل سکونت دے دی جائے جہاں وہ عارضی طور پر

قیام پذیر ہیں۔

(۱۱) دس کروڑ ڈالر کے ابتدائی سرمائے سے ایک منافع بخش بین الاقوامی بینک قائم کیا جائے جس سے اسرائیل کی مستقل مالی امداد ہو سکے۔

اور آپ حیران ہوں گے کہ یہ خطیر رقم کسی تگ و دو کے بغیر اس کانفرنس کے ختم ہوتے ہی جمع ہو گئی۔ یہ رقم اس امداد کے علاوہ ہے جو بہت بڑی مقدار میں اسرائیل کو فراہم کی جاتی ہے۔ صرف ایک کانفرنس میں تجارتی بینک قائم کرنے کے لئے دس کروڑ ڈالر جمع ہوئے جس کا تمام منافع اسرائیل کے لئے مختص کیا گیا۔

(۱۲) عیسائی اور دیگر یورپی اقوام عرب تنظیموں کی اسرائیل کے ساتھ بائیکاٹ میں حمایت نہ کریں۔

عیسائی اور یورپی اقوام نے پہلے کب عملاً عرب تنظیموں کی حمایت کی تھی؟ تاہم مجھے یقین ہے کہ یہ مطالبہ پورا ہوا۔

(۱۳) دنیا بھر کے کلیساؤں کا جنیوا میں ایک اجلاس منعقد کیا جائے جس میں یہ اعتراف کیا جائے کہ تورات میں مذکورہ ارض موعود کا یہودیوں سے بہت گہرا تعلق ہے۔

یعنی اسرائیل ایک نظریاتی ملک ہے اور یہ ہمارا عقیدہ و ایمان ہے اور چرچ کو اس کا برملا اعلان کرنا چاہئے۔

(۱۴) کانفرنس کے شرکاء دعا میں شریک ہوں اور اس دن کا پورے اشتیاق سے انتظار کریں جب یروشلم انسانیت کی خدمت کے لئے مرکز بنے گا' تب ہی خدا کی سلطنت واقعاتی اور حقیقی روپ دھارے گی۔

عیسائی عقیدہ میں خدا کی سلطنت سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کی حکومت ہے جبکہ یہودی اس سے مسیحِ دجّال کی حکومت مراد لیتے ہیں۔

(جاری ہے)

# مسلمان کا طرزِ حیات (۹)

علامہ ابو بکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم: مولانا عطاء اللہ ساجد

**کتاب العقائد**

دسواں باب

## قیامت پر ایمان (۲)

(۲) جناب نبی کریم ﷺ نے بہت سی احادیث میں قیامت کی علامتیں اور قیامت کے حالات بتائے ہیں۔ بطورِ مثال چند احادیثِ مبارکہ ذکر کی جاتی ہیں:

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(( لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ فَیَقُوْلُ یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ مَکَانَهٗ)) (۱)

"قیامت قائم نہیں ہوگی، حتیٰ کہ (یہ حال ہو جائے کہ) ایک شخص کسی قبر کے پاس سے گزرے گا تو کہے گا: کاش اس (قبر والے) کی جگہ میں ہوتا"۔

اور فرمایا:

((اِنَّ السَّاعَةَ لَا تَکُوْنُ حَتّٰی تَکُوْنَ عَشْرُ آیَاتٍ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ، وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ، وَخَسْفٌ فِیْ جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ، وَالدُّخَانُ، وَالدَّجَّالُ، وَدَابَّةُ الْاَرْضِ، وَیَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ، وَطُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَنَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدْنَ تُرَحِّلُ النَّاسَ، وَنُزُوْلُ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ)) (۲)

"قیامت نہیں آئے گی حتیٰ کہ دس نشانیاں ظاہر ہو جائیں: مشرق کی طرف زمین کا دھنسنا، اور مغرب کی طرف زمین کا دھنسنا، اور جزیرۂ عرب میں زمین کا دھنسنا،

اور دُھواں اور دجّال اور دابۃ الارض اور یاجوج وماجوج' اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا' اور عدن کی گہرائی سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو لے چلے گی اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول۔"

ایک حدیث میں آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((یَخْرُجُ الدَّجَّالُ فِیْ اُمَّتِیْ فَیَمْکُثُ اَرْبَعِیْنَ' فَیَبْعَثُ اللّٰہُ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ کَاَنَّہُ عُرْوَۃُ بْنُ مَسْعُوْدٍ فَیَطْلُبُہُ فَیُھْلِکُہُ ' ثُمَّ یَمْکُثُ النَّاسُ سَبْعَ سِنِیْنَ لَیْسَ بَیْنَ اثْنَیْنِ عَدَاوَۃٌ ' ثُمَّ یُرْسِلُ اللّٰہُ رِیْحًا بَارِدَۃً مِنْ قِبَلِ الشَّامِ فَلَا یَبْقٰی عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ مَنْ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِنْ خَیْرٍ اَوْ اِیْمَانٍ اِلَّا قَبَضَتْہُ' حَتّٰی لَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ دَخَلَ فِیْ کَبِدِ جَبَلٍ لَدَخَلَتْہُ عَلَیْہِ حَتّٰی تَقْبِضَہُ' فَیَبْقٰی شِرَارُ النَّاسِ فِیْ خِفَّۃِ الطَّیْرِ وَاَحْلَامِ السِّبَاعِ لَا یَعْرِفُوْنَ مَعْرُوْفًا وَلَا یُنْکِرُوْنَ مُنْکَرًا' فَیَتَمَثَّلُ لَھُمُ الشَّیْطَانُ فَیَقُوْلُ اَلَا تَسْتَجِیْبُوْنَ؟ فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَا تَاْمُرُنَا؟ فَیَاْمُرُھُمْ بِعِبَادَۃِ الْاَوْثَانِ' وَھُمْ فِیْ ذٰلِکَ دَارٌّ رِزْقُھُمْ' حَسَنٌ عَیْشُھُمْ' ثُمَّ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَلَا یَسْمَعُہُ اَحَدٌ اِلَّا اَصْغٰی لِیْتًا' وَرَفَعَ لِیْتًا' وَاَوَّلُ مَنْ یَسْمَعُہُ رَجُلٌ یَلُوْطُ حَوْضَ اِبِلِہٖ' قَالَ : فَیَصْعَقُ وَیَصْعَقُ النَّاسُ' ثُمَّ یُنْزِلُ مَطَرًا کَاَنَّہُ الطَّلُّ' فَتَنْبُتُ مِنْہُ اَجْسَادُ النَّاسِ' ثُمَّ یُنْفَخُ فِیْہِ اُخْرٰی فَاِذَا ھُمْ قِیَامٌ یَنْظُرُوْنَ' ثُمَّ یُقَالُ اَیُّھَا النَّاسُ' ھَلُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ' وَقِفُوْھُمْ اِنَّھُمْ مَسْئُوْلُوْنَ' ثُمَّ یُقَالُ اَخْرِجُوْا بَعْثَ النَّارِ' فَیُقَالُ مِنْ کَمْ؟ فَیُقَالُ مِنْ کُلِّ اَلْفٍ تِسْعَمِائَۃٍ وَتِسْعَۃً وَتِسْعِیْنَ' فَذٰلِکَ یَوْمَ یَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا' وَذٰلِکَ یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ)) (۳)

"میری اُمت میں دجّال ظاہر ہوگا اور چالیس (دن) رہے گا' پھر اللہ تعالیٰ جناب عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو (زمین پر) بھیجیں گے' (ان کا حلیہ ایسا ہے) گویا کہ وہ عروہ بن مسعود ہیں۔ وہ دجّال کا تعاقب کرکے اسے ہلاک کردیں گے۔ پھر سب لوگ سات سال تک (اس طرح امن سے) رہیں گے کہ کوئی سے دو افراد میں بھی

دشمنی نہیں ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجیں گے (جس کا اثر یہ ہوگا) کہ روئے زمین پر اگر کسی کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی بھلائی یا ایمان ہو' اس کی وجہ سے وہ بھی فوت ہو جائے گا' حتیٰ کہ اگر کوئی پہاڑ کے اندر بھی (چھپا ہوا) ہوگا تو وہ اس تک پہنچ کر اسے بھی فوت کر لے گی' پھر صرف برے لوگ باقی رہ جائیں گے جو پرندوں کی طرح ہلکے اور درندوں کی ذہنیت والے ہوں گے' وہ لوگ نہ کسی نیکی کو نیکی سمجھیں گے نہ کسی برائی کو برائی سمجھیں گے۔ شیطان ان کے سامنے ظاہر ہو کر کہے گا: کیا تم لوگ (میرا حکم) قبول نہیں کرتے؟ وہ کہیں گے: آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ شیطان انہیں اوثان[1] کی عبادت کا حکم دے گا۔ وہ اسی حال میں ہوں گے' (پھر بھی انہیں) وافر رزق مل رہا ہوگا' زندگی بہت اچھی گزر رہی ہوگی' پھر (اچانک وہ وقت آ جائے گا جب) صور میں پھونک ماردی جائے گی۔ جو بھی اس آواز کو سنے گا' وہ پہلو پر پہلو بدلنے لگے گا (یعنی زمین پر گر کر تڑپنے لگے گا)۔ اس آواز کو سب سے پہلے ایک (ایسا) آدمی سنے گا جو اپنے اونٹوں کے (پانی پلانے کے) حوض کو لیپ رہا ہو گا' وہ بے ہوش ہو جائے گا اور سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہلکی بارش نازل کرے گا' اس سے لوگوں کے جسم اُگ آئیں گے' پھر دوبارہ صور میں پھونک ماردی جائے گی تو وہ اچانک (قبروں سے) اُٹھ کر دیکھنے لگیں گے۔ پھر آواز آئے گی: اے لوگو! اپنے رب کے سامنے حاضر ہو جاؤ۔ (پھر کہا جائے گا) انہیں روک لو! ان سے پوچھ گچھ کی جائے گی' پھر کہا جائے گا: دوزخ کا حصہ الگ کر دو۔ کہا جائے گا: کس قدر؟ کہا جائے گا: ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ تو یہ وہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ اور یہ وہ دن ہے جس دن پنڈلی کھولی جائے گی"۔

رسول اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰی شِرَارِ النَّاسِ)) [۴]

"قیامت بدترین انسانوں پر ہی قائم ہوگی"۔

---

[1] اللہ کے سوا جو چیز بھی پوجی جائے خواہ وہ پتھر ہو یا درخت' یا قبر یا کوئی اور چیز وہ "وثن" کہلاتی ہے۔

اور ارشاد نبویؐ ہے :

(( مَا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ اَرْبَعُوْنَ' ثُمَّ يُنَزِّلُ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا يَنْبُتُ الْبَقْلُ' وَلَيْسَ مِنَ الْاِنْسَانِ شَيْءٌ اِلاَّ يَبْلٰى اِلاَّ عَظْمًا وَاحِدًا وَهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ' وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (۵)

"صور کے دو دفعہ پھونکنے کے درمیان چالیس کا وقفہ ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرے گا تو انسان اس طرح اُگیں گے جس طرح سبزہ اُگتا ہے۔ اور انسان کی ہر چیز گل سڑ جاتی ہے سوائے ایک ہڈی کے' اور وہ عجبُ الذَّنَب ہے۔ قیامت کے دن اسی کے ساتھ مخلوق (کے اجزاء) کو جوڑ کر مکمل کرلیا جائے گا۔"

ایک بار آنحضرت ﷺ نے خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا :

((اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّكُمْ مَحْشُوْرُوْنَ اِلٰى رَبِّكُمْ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلاً' اَلاَ وَاِنَّ اَوَّلَ الْخَلْقِ يُكْسٰى اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ' اَلاَ وَاِنَّهُ سَيُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ اُمَّتِيْ فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ 'فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اَصْحَابِيْ' فَيَقُوْلُ : اِنَّكَ لاَ تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ)) (۶)

"لوگو! تم ننگے پاؤں' ننگے بدن' بے ختنہ اُٹھ کر اپنے رب کے حضور پیش ہو گے۔ مخلوق میں سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ سنو! میری امت کے کچھ افراد لائے جائیں گے' انہیں بائیں طرف (جہنم میں) لے جایا جائے گا۔ میں کہوں گا: یا رب! یہ میرے ساتھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے : آپ کو معلوم نہیں انہوں نے آپ کے بعد کیا کچھ کیا"۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے :

((لاَ تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْاَلَ عَنْ اَرْبَعٍ : عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ' وَعَنْ عِلْمِهٖ مَا عَمِلَ بِهٖ' وَعَنْ مَالِهٖ مِنَ اَيْنَ اكْتَسَبَهُ' وَفِيْمَ اَنْفَقَهُ' وَعَنْ جَسَدِهٖ فِيْمَا اَبْلاَهُ)) (۷)

"قیامت کے دن کسی بندے کے قدم جنبش نہیں کریں گے جب تک اس سے چار

چیزوں کے متعلق سوال نہ کر لیا جائے۔ اس کی عمر کے متعلق کہ کس چیز میں ختم کی؟ اس کے علم کے متعلق کہ اس کے مطابق کتنا عمل کیا؟ اس کے مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کن کاموں میں خرچ کیا؟ اور اس کے جسم کے متعلق کہ کس چیز میں استعمال کیا؟"

نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((حَوْضِیْ مَسِیْرَۃُ شَھْرٍ، مَاؤُہُ اَبْیَضُ مِنَ اللَّبَنِ، وَرِیْحُہُ اَطْیَبُ مِنَ الْمِسْكِ، وَكِیْزَانُہُ كَنُجُوْمِ السَّمَاءِ، مَنْ شَرِبَ مِنْہُ لاَ یَظْمَاُ اَبَدًا)) (۸)

"میرا حوض ایک مہینہ کی مسافت کے برابر (وسیع) ہے، اس کا پانی دودھ سے بڑھ کر سفید ہے، اس کی مہک کستوری سے بہتر ہے، اس کے جام آسمان کے ستاروں کی طرح (بے شمار) ہیں، جو اس میں سے پی لے گا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔"

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جہنم کو یاد کر کے رونے لگیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: "آپ کیوں روتی ہیں؟" انہوں نے کہا: "مجھے جہنم یاد آگئی ہے تو میں رونے لگی۔ تو کیا آپ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے؟" ارشاد ہوا:

((اَمَّا فِیْ ثَلاَثَۃِ مَوَاطِنَ فَلاَ یَذْكُرُ اَحَدٌ اَحَدًا عِنْدَ الْمِیْزَانِ حَتّٰی یَعْلَمَ اَیَخِفُّ مِیْزَانُہُ اَمْ یَثْقُلُ؟ وَعِنْدَ تَطَایُرِ الصُّحُفِ حَتّٰی یَعْلَمَ اَیْنَ یَقَعُ كِتَابُہُ فِیْ یَمِیْنِہِ اَمْ فِیْ شِمَالِہِ اَمْ وَرَاءَ ظَھْرِہِ؟ وَعِنْدَ الصِّرَاطِ اِذَا وُضِعَ بَیْنَ ظَھْرَیْ جَھَنَّمَ حَتّٰی یَجُوْزَ)) (۹)

"تین مقام ایسے ہیں جہاں کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا، ایک تو میزان کے پاس (کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا) جب تک اسے معلوم نہ ہو جائے کہ اس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہے یا بھاری؟ اور جب اعمال نامے اڑتے آئیں گے (تب بھی کسی کو کسی کا ہوش نہ ہو گا) حتیٰ کہ معلوم ہو جائے کہ اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں پہنچتا ہے یا بائیں میں یا پیچھے سے پکڑایا جاتا ہے؟ اور جب جہنم پر پل صراط کو رکھ دیا جائے گا (تو ہر کسی کو اپنی اپنی پڑی ہو گی) حتیٰ کہ پار گزر جائے"۔

نیز ارشادِ نبوی ہے:

((لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ قَدْ دَعَاهَا لِأُمَّتِهِ' وَإِنِّيْ اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِأُمَّتِيْ)) (۱۰)

"ہر نبی کی ایک دعا (یقیناً قبول ہونے والی) تھی جو اس نے اپنی اُمت کے حق میں (دنیا ہی میں) مانگ لی' اور میں نے اپنی دعا کو سنبھال کر رکھا ہوا ہے کہ (قیامت کو) اپنی امت کے لیے شفاعت کروں گا"۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

((أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ وَلاَ فَخْرَ' وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ فَخْرَ' وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ وَلاَ فَخْرَ' وَلِوَاءُ الْحَمْدِ بِيَدِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ فَخْرَ)) (۱۱)

"میں اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں[1]۔ قیامت کے دن سب سے پہلے میری قبر پھٹے گی' اور کوئی فخر نہیں۔ سب سے پہلے میں شفاعت کروں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی' اور کوئی فخر نہیں۔ اور قیامت کے دن لواء الحمد (اللہ کی تعریف کا پرچم) میرے ہاتھ میں ہوگا' اور کوئی فخر نہیں۔"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ سَأَلَ الْجَنَّةَ ثَلاَثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ الْجَنَّةُ اللّٰهُمَّ اَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ' وَمَنِ اسْتَجَارَ مِنَ النَّارِ ثَلاَثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ النَّارُ اَللّٰهُمَّ اَجِرْهُ مِنَ النَّارِ)) (۱۲)

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے تین بار جنت کی درخواست کرتا ہے تو جنت خود کہتی ہے: اے اللہ! اسے جنت میں داخل فرمادے۔ اور جو کوئی تین بار جہنم سے محفوظ رہنے کی دعا کرتا ہے تو جہنم کہتی ہے: اے اللہ! اسے جہنم سے پناہ میں رکھ"۔

(۳) تمام انبیاء و رُسل اور ان کے علاوہ کروڑوں حکماء' علما اور صالحین قیامت پر ایمان رکھنے والے ہوئے ہیں' اور قیامت کے متعلق رسولوں کی بیان کردہ تمام باتوں کو دل کی گہرائیوں سے سچ مانتے رہے ہیں۔

---

[1] یعنی میں اظہارِ حقیقت کے لئے یہ باتیں بتارہا ہوں' فخر کے طور پر نہیں۔

## عقلی دلائل

(۱) اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ مخلوق کو فنا کرنے کے بعد دوبارہ زندگی بخش دے۔ کیونکہ پہلے سے موجود کسی نمونہ کے بغیر مخلوق کو پیدا کر دینے کی نسبت اسے دوبارہ پیدا کرنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔

(۲) موت کے بعد زندگی اور جزاء و سزا پر ایمان رکھنے سے کسی خلاف عقل امر کو تسلیم کرنا لازم نہیں آتا' کیونکہ عقل صرف ان امور کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے جو محال ہوں' مثلاً اجتماعِ ضدین یا انتفائے نقیضین۔ دوسری زندگی اور جزاء و سزا میں ایسی کوئی چیز نہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں واضح طور پر حکمت موجود ہوتی ہے' زندگی کے ہر میدان اور ہر مظہر میں یہ حکمت نمایاں ہے۔ اس کی روشنی میں یہ بات محال معلوم ہوتی ہے کہ انسانوں کو موت کے بعد زندہ نہ کیا جائے' اور ان کی دنیوی زندگی اس طرح ختم ہو جائے کہ انہیں نہ بھلائی کا انعام ملے اور نہ بُرائی کی سزا۔

(۴) اس دنیا کی زندگی میں نعمت و مصیبت اور راحت و مشقت دونوں موجود ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایک دوسرے جہان میں دوسری زندگی پائی جائے جس میں عدل اور خیر اس دنیا سے کہیں بڑھ کر ہو اور جہاں کی راحت و مصیبت کے مقابلے میں اس دنیا کی راحت و مصیبت اتنی بے وقعت ہو جس طرح کاغذ کے پرزے پر بنی ہوئی ایک عظیم اور خوب صورت محل کی تصویر' یا ایک دلکش باغ کی تصویر اصل محل اور اصل باغ کے مقابلے میں بالکل بے حقیقت اور ہیچ ہوتی ہے۔

## حواشی

(۱) صحیح البخاری' کتاب الفتن' باب لا تقوم الساعة حتی یغبط اهل القبور۔ صحیح مسلم' کتاب الفتن و اشراط الساعة' فصل فی تمنی الرجل الموت حين تكثر الفتن۔ مسند احمد' الفتح الربانی' کتاب الفتن و اشراط الساعة' باب فی الاحادیث المصدرة بقوله لا تقوم الساعة

(۲) صحیح مسلم' کتاب الفتن واشراط الساعة' باب من الآیات التی تکون قبل الساعة۔

(۳) صحیح مسلم' کتاب الفتن واشراط الساعة' باب فی خروج الدّجال ومکثہ فی الارض ونزول عیسٰی وقتلہ ایاہ وذھاب اھل الخیر والایمان وبقاء اشرار الناس وعبادتھم الاوثان والنفخ فی الصور وبعث من فی القبور۔

(۴) صحیح مسلم' کتاب الفتن واشراط الساعة' باب قرب الساعة۔

(۵) صحیح مسلم' کتاب الفتن واشراط الساعة' باب ما بین النفختین۔

(۶) صحیح مسلم' کتاب الجنة' باب فناء الدنیا وبیان الحشر یوم القیامة۔

(۷) جامع الترمذی' ابواب صفة القیامة والرقائق' باب فی القیامة' امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔

(۸) یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مختلف الفاظ سے آئی ہے۔ ابن ماجہ' حاکم اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری' کتاب الرقاق' باب فی الحوض اور صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب اثبات الحوض (الفاظ کے معمولی فرق سے مروی ہے)

(۹) سنن ابی داؤد' کتاب السنة' باب ذکر المیزان (الفاظ کے معمولی فرق سے مروی ہے) اس کی سند حسن ہے۔

(۱۰) صحیح البخاری' کتاب التوحید' باب فی المشیئة والارادة' صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب اثبات الشفاعة۔

(۱۱) یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

(۱۲) جامع الترمذی' کتاب صفة الجنة' باب ما جاء فی صفة انھار الجنة۔ سنن ابن ماجہ' کتاب الزھد' باب صفة الجنة۔ سنن النسائی' کتاب الاستعاذة' باب الاستعاذة من حر النار۔ ابن الحبان' (کتاب الرقاق' باب الاستعاذة من الاحسان فی ترتیب صحیح ابن الحبان) المستدرک للحاکم' کتاب الدعاء' باب التعوذ من الاربع۔ امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

# "مسئلہ کشمیر کے بارے میں آپ کی رائے بہت صائب ہے"

## یوپی (بھارت) سے مولانا ذکاء اللہ ندوی کا مکتوب

مفکر اسلام حضرت مولانا دامت برکاتہم

سلام مسنون! اللہ آپ کی حفاظت فرمائے' آمین

آپ کے مفکرانہ' مدبرانہ' مفسرانہ' مؤرخانہ اور محدثانہ انداز میں اخلاص و خدمت دین کے جذبے سے سرشار نیز غیر جذباتی' سنجیدہ اور علمی و فکری گہرائی سے بھرپور خطابات' مضامین و تبصرے اس قدر معیاری' معلوماتی اور دلچسپ ہوتے ہیں کہ "میثاق" کے ہر نئے شمارے کے دیدار کے لئے الانتظار اشد من الموت (انتظار کرنا موت سے بھی زیادہ سخت ہے) کا عالم ہوتا ہے۔

میثاق کی کشش کا یہ عالم ہے کہ میں بار بار ڈاکیہ سے پوچھتا رہتا ہوں۔ ڈاک کی خرابی کی وجہ سے خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں کسی شمارے سے محروم نہ رہ جاؤں' عام طور پر انگریزی کی ۱۲ تاریخ تک پہنچ جاتا ہے لیکن اپریل کا شمارہ بروقت موصول نہ ہونے سے عجیب بے چینی کی کیفیت تھی۔ اضطرابی کیفیت کا اندازہ اسی سے لگا سکتے ہیں کہ مسلسل پانچ ایام سے اس امید میں پوسٹ آفس کا چکر لگا رہا ہوں کہ "اب آیا کہ تب آیا" آج جب ۲۱/ اپریل کو پوسٹ آفس پہنچا تو آج کی ڈاک سے "میثاق" آچکا تھا' لفافے کو لیا اور گھر و مدرسہ کے جھمیلوں سے دور فوراً مسجد کا رخ کیا۔ "بھارت کے ساتھ صلح حدیبیہ طرز کی مفاہمت' عرض احوال' مولانا ابوالحسن علی ندوی چند یادیں" مذکورہ مضامین کا مکمل مطالعہ کرنے کے بعد ہی مسجد سے اٹھا۔

آپ کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ مسئلہ کشمیر پر مفاہمت ہونی چاہئے۔ مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں جو موقف آپ کا ہے اور جس کی تائید جناب سید شہاب الدین صاحب نے بھی کی ہے' بالکل اسی رائے کا اظہار بھارت کے مشہور سیکولر صحافی خشونت سنگھ نے بھی اپنے ایک حالیہ مضمون میں کیا ہے' میری رائے میں اسی فارمولے کے مطابق مسئلہ کشمیر حل کر لینا چاہئے' اس سلسلے میں دونوں ممالک کے مفکر و مثقف طبقہ کو ماحول تیار کرنے کی ضرورت ہے۔

آپ نے مضمون میں اپنی کتاب "استحکامِ پاکستان" اور "خطباتِ خلافت" کے مطالعہ کا اشارہ فرمایا ہے' دونوں موضوعات پر میری دلچسپی اور آپ کے نفیس طرز تحریر کے باعث مطالعہ کا شدید

خواہش مند ہوں' لیکن مذکورہ کتابیں بھارت میں دستیاب نہیں ہیں' عنایت فرمادیں تو کرم ہو گا' ویسے بھی نظریۂ پاکستان کے ہمدرد پاکستانیوں کو معیاری و سنجیدہ کتب' رسائل اور اخبارات بھارت میں فراہم کرنا واجب ہے' تاکہ پاکستان کی مسخ شدہ تصویر کی بجائے صحیح صورتِ حال سے واقفیت ہو سکے' کیونکہ یہاں کے الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا میں پاکستان کی ایسی گھٹیا' بھیانک اور انتہائی گھناؤنی تصویر پیش کی جاتی ہے جس سے صرف یہی اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستان دنیا کا "انتہائی نالائق" ملک اور وہاں کا معاشرہ "انتہائی بدترین" معاشرہ ہے۔ اس گھٹیا پروپیگنڈے سے بھارتی مسلمان بھی متاثر ہو رہے ہیں۔

یہ خط تحریر ہی کر رہا تھا کہ ہم بھارتی مسلمانوں کو شرمندہ کر دینے والی یہ تکلیف دہ خبر آئی کہ ماہ محرم میں پندرہ افراد کو مسجد میں گولیوں سے بھون دیا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ پاکستان کے مسلک پرست "ملا" فرقہ وارانہ قتل عام پر خوشی سے جھوم اُٹھتے ہوں' لیکن ہم بھارتی مسلمانوں کا سر ندامت سے جھک جاتا ہے' خبر سننے اور پڑھنے کو طبیعت نہیں چاہتی ہے۔ بھارتی اخبارات خوب مزے لے لے کر موٹے حروف اور سرخیوں کے ساتھ شائع کرتے ہیں' ہم جب عام محفلوں میں اپنے ہندو دوستوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور اس قسم کی کوئی خبر آتی ہے تو ہم ان کو یہ تاثر دینے کی ناکام کوشش کرتے ہیں' گویا وہ خبر ہم نے سنی ہی نہیں' لیکن وہ بھی بڑے شوخ ہوتے ہیں' ہماری توجہ ایسی خبر کی جانب مبذول کراتے ہیں اور ہم شرم سے ڈوبتے چلے جاتے ہیں' ہندو بنیا خوب مزے لے لے کر بیان کرتا اور سناتا ہے' اور ہم ندامت کے باعث سر اوپر نہیں اٹھا سکتے۔ شاید مسلم اکثریت والے پاکستان میں نسلی' لسانی' سیاسی اور مسلکی ہلاکت و تشدد پر انتہائی تشویش و بے چینی کا اظہار نہ کیا جاتا ہو' کیونکہ یہاں سب اپنے ہیں' باہم سر پھوڑنے میں احساس کم ہوتا ہے' لیکن ہماری سوچ یہ ہے کہ ہم مظلوم ہیں' بے سہارا اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہیں' مگر "تم خوش رہو' آباد رہو" ہم پاکستان کو ایسے ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔ کاش اسلامیانِ پاکستان بھی اس بات کو سمجھتے۔ تمام احباب کو سلام مسنون عرض ہے۔

والسلام

ذکاءاللہ ندوی
بسکوہر بازار' سدھارتھ نگر
یوپی' بھارت ۲۷۲۱۹۲

# ہوا ہے گو تندو تیز لیکن . . . .

واجب الاحترام کرم فرمائے من حضرت ڈاکٹر اسرار احمد صاحب' امیر تنظیم اسلامی

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

آپ کی عنایت سے مجھے آپ کی گرانقدر کتاب روزنامہ Express کی معرفت موصول ہو گئی : "پاکستان ــــ ایک فیصلہ کن دوراہے پر"

میں نے سوچا مطالعہ کر لوں تو رسید بھی دوں' عریضہ بھی ارسال کروں۔ بات یہ ہے کہ یہ آج کا مسئلہ نہیں ہے' ۵۲ سال سے ہم اس کانٹوں بھری راہ پر کھڑے ہیں اور گوناگوں مسائل نے اب اسے دلدل بنا دیا ہے' کیسے نکلیں گے' کب نکلیں گے' اللہ رب العالمین بہتر جانتا ہے۔

آپ کی تحریر اور خطاب میں مشکلات اور مسائل کے نکات کی نشاندہی واضح ہے' لیکن آپ نے عوامل اور مزاحمتی فضا کا جو تجزیہ کیا ہے وہ چشم کشا ہے اور سلیم الطبع حلقوں کے لئے نافع بھی ہے اور فکر و فہم کی روشنی کی ایک کرن بھی۔

ناچیز تھوڑا سا باخبر ہے اور کچھ حد تک عینی شاہد بھی۔ جو کیفیت بڑی حوصلہ شکن اور روح کو مجروح کرنے والی ہے وہ بدقسمتی سے اداروں' جماعتوں' تنظیموں اور دینی مزاج رکھنے والوں کی ترجیحات میں تضاد' بے اعتمادی اور ناانصافی ختم کرنے میں ناکامی ہے۔

انقلابِ اسلامی کی کامیابی اور خلافت راشدہ کے طرز کے نظامِ حکومت کے بلاشبہ اب پہلے سے زیادہ لوگ خواہش مند ہیں۔ یہی آپ کی تنظیم کا نصب العین ہے۔ میں بہ صمیم قلب دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں کو شایانِ شان کامیابی کے لئے ضرور منتخب کرے۔ کہنے والے تو بہت ہیں' آپ کر دکھائیں' ۱۰۰ فیصد کر دکھائیں۔ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی' ایمانی استقامت اور معاونت آپ کے شاملِ حال رہے۔ آمین اللّٰھم آمین

محترم ڈاکٹر صاحب! علماء' اہل دانش اور "تنظیم ساز ماہرین" میں آپ کی بلند پایہ اور ثابت قدم شخصیت اہل فکر و نظر میں ایسی ہے کہ ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ!

"ایکسپریس" میں بھی آپ کا سلسلۂ مضامین مختصر ہونے پر بھی اچھا لگ رہا ہے۔

ہمیشہ سے آپ کا خیر اندیش

ناچیز و درخطاوار

اقبال احمد صدیقی

# زندگی اور موت کا مسئلہ

—— تحریر: حافظ عاکف سعید ——

گزشتہ ہفتے اقوام متحدہ کے ملینیم اجلاس میں شرکت کے بعد نیویارک سے وطن واپسی پر چیف ایگزیکٹو پاکستان جنرل پرویز مشرف نے پاکستان کی سرزمین پر جو پہلی پریس کانفرنس منعقد کی اس کے آخر میں صحافیوں کی جانب سے جو اہم سوالات کئے گئے ان میں ایک سوال غربت کے خاتمہ سے متعلق بھی تھا۔ مذکورہ صحافی نے جس کے نام سے ہم واقف نہیں' یہ سوال کر کے جناب چیف ایگزیکٹو کو مدافعانہ انداز اختیار کرنے پر مجبور کر دیا کہ جناب پاکستان میں بسنے والے عام آدمی کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ ہم نے اقوام متحدہ کے اس تاریخی اجلاس میں سفارتی سطح پر کون کونسی کامیابیاں حاصل کیں اور عالمی سطح پر مسئلہ کشمیر کو زندہ کرنے کا کون سا قابل فخر کارنامہ انجام دیا' عام آدمی کا اصل مسئلہ دو وقت کی روٹی اور حصولِ روزگار کا ہے' مسلسل بڑھتی ہوئی بے لگام مہنگائی نے اس کے ہوش اڑا دیئے ہیں اور اس کے نزدیک حکومت کی کارکردگی کا واحد معیار یہ ہے کہ وہ گرانی کے جن کو قابو کرنے' بے روزگاری کے مسئلہ کو مثبت طور پر حل کرنے اور عام آدمی کو ریلیف دینے میں کس حد تک کامیاب ہوئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس میدان میں آپ کی حکومت کی کارکردگی کیا ہے؟ —— چیف ایگزیکٹو جو اس سے قبل ہر سوال کا جواب پُراعتماد انداز میں برجستہ طور پر دے رہے تھے اس سوال کے جواب میں پہلے تو گڑبڑائے پھر انہوں نے خود کو سنبھالا اور چند انتہائی واجبی سے اقدامات کا ذکر کرنے کے بعد جن میں غربت کے خاتمے کے لئے ایک خطیر رقم آئندہ سال کے لئے مختص کرنے کے علاوہ عوام کو مہیا کئے جانے والے تیس ہزار روپے فی کس سودی قرضے کا بطور خاص ذکر تھا' صاف لفظوں میں اپنی بے بسی کا اعتراف کیا کہ "اس کے علاوہ اور ہم کر بھی کیا سکتے ہیں!" کچھ اسی قسم کی بات ہمارے چیف ایگزیکٹو کی جانب سے جن کی صاف گوئی کی داد دینا پڑتی ہے' چند ماہ قبل ایک پریس کانفرنس میں سامنے آئی تھی جب انہوں نے پوری قوم کے سامنے یہ اعتراف کیا تھا کہ ہماری معیشت کیسے سدھر سکتی ہے حال یہ ہے کہ ہمیں قرضوں کے حصول کے لئے آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک والوں کے "گوڈے اور گٹے" (گھٹنے اور پاؤں) پکڑنے پڑتے ہیں۔

سب لوگ جانتے ہیں اور خود چیف ایگزیکٹو بھی اس امر سے بے خبر نہیں کہ منگائی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے' بے روزگاری کے عفریت پر قابو پانے اور عوام کو ریلیف دینے میں موجودہ حکومت بھی سابقہ حکومت کی طرح قطعی ناکام ثابت ہوئی ہے اور اس ضمن میں حکومت کی کوششیں خواہ کتنی ہی مخلصانہ کیوں نہ ہوں' تاحال بے نتیجہ ثابت ہوئی ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ حالات مسلسل بد سے بد تر ہو رہے ہیں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ عالمی بینک کی جاری کردہ ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق پچھلے چند برسوں کے دوران ہمارے ملک میں غربت کی شرح یکلخت دگنی ہو گئی ہے۔ ہمارے ملک کی آبادی میں ۱۹۹۰ء تک اگر ۱۷فیصد افراد پاورٹی لائن (غربت کی لکیر) سے نیچے زندگی گزار رہے تھے تو آج یہ تعداد ۳۴ فیصد سے متجاوز ہو چکی ہے جس کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ملک کا متوسط طبقہ تیزی کے ساتھ اس غریب اور بدحال طبقے میں شامل ہو رہا ہے جس کے افراد زندگی گزارنے کی کمترین ضروریات سے بھی محروم ہیں اور فقر کی آخری حدوں کو چھو رہے ہیں۔ جی ہاں فقر کی وہی آخری حد جس کے بارے میں آنحضور ﷺ نے ہمیں پیشگی وارننگ دے دی تھی کہ "کاد الفقر ان یکون کفرا" (فقر انسان کو کفر کے دہانے تک پہنچا دیتا ہے) المیہ یہ ہے کہ اس تشویشناک صورتحال کے خاتمے کی بظاہر دور دور کوئی صورت نظر نہیں آتی بلکہ صحیح تر الفاظ میں غربت اور فقر کا خاتمہ تو دور کی بات ہے اس کی بڑھتی ہوئی شرح کو روکنے کا بھی کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ بالکل ظاہر و باہر ہے کہ ہم خود سودی قرضوں کے اس منحوس گرداب (Vicious Circle) سے نکلنے کے لئے تیار نہیں ہیں جو ہماری معاشی بدحالی اور معیشت کی تباہی کا اصل سبب ہے۔ بقول شاعر ؎

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

ہماری اسی سادہ لوحی کا مظہر ہے کہ چند روز قبل شائع ہونے والی اخباری اطلاعات کے مطابق ہماری حکومت نے آئی ایم ایف کے تازہ مطالبات کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ اس لئے کہ نواز شریف ہوں' یا بے نظیر ہوں یا پرویز مشرف' سب نے طے کر رکھا ہے کہ سودی معیشت کو ہر حال میں جاری رکھنا ہے اور ڈیفالٹ قرار دیئے جانے کے خدشہ کے تحت سودی اقساط ادا کرنے کی خاطر بہر صورت مزید سودی قرضے حاصل کرنے ہیں خواہ اس کے لئے عوام کا گلا گھونٹنا پڑے۔ گویا اللہ اور رسول کے خلاف جنگ جاری رکھنا ہمیں قبول ہے لیکن ان خون آشام عالمی مالیاتی استعماری اداروں کی ناراضگی ہمیں منظور نہیں! کون نہیں جانتا کہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک نام کے یہ

ادارے دراصل عالمی مالیاتی استعمار کے آلہ کار ہیں' ان کے مطالبات کو ماننے کا سیدھا سا مطلب ٹیکسوں کے ناروا بوجھ اور مہنگائی میں مزید اضافے کے ذریعے معاشی طور پر بدحال اور مفلوج عوام کا خون مزید کشید کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ـــــ حالات کا شعور رکھنے والے باخبر لوگ حیران و پریشان ہیں کہ تباہی و بربادی کی آخری منزل تک پہنچانے والا یہ سفر کبھی ختم ہو گا بھی یا نہیں!!!

یہ بات ہم بلا خوف و تردید' پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اہل پاکستان کے چار و ناچار خوفناک صورتحال سے نکلنے کا اس ایک راستے کے سوا اور کوئی راستہ باقی نہیں رہا کہ "کافر نتوانی شد' ناچار مسلمان شو" کے مصداق ہم اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے پوری جرأت کے ساتھ دو ٹوک انداز میں اندرون ملک بھی سود کے خاتمہ کا اعلان کریں اور بیرونی سود کی ادائیگی سے بھی اسی بنیاد پر انکار کر دیں کہ ہم نے بحیثیت قوم اپنا قبلہ درست کر لیا ہے اور ہمارا دین ہمیں سودی لین دین کی اجازت نہیں دیتا۔ تمہارے قرضے یقیناً ہمارے ذمے ہیں لیکن وہ ہم اپنی سہولت سے ادا کریں گے۔ اس کے نتیجے میں عالمی سطح پر ہمیں پابندیوں (sanctions) کا سامنا تو یقیناً کرنا پڑے گا اور بعض حوالوں سے ہم پر سختی کا ایک دور ضرور آئے گا لیکن "جسے سمجھتے ہیں آزمائش وہی تو بگڑی بنا رہی ہے" کے مصداق اسی راستے سے ہم اپنے وسائل کو صحیح طور پر بروئے کار لانے اور معاشی طور پر اپنے پاؤں پہ کھڑے ہونے کے قابل ہو سکیں گے اور چند سالوں کے اندر اندر ہمارا ملک اللہ کی رحمت و نصرت کے طفیل معاشی ترقی و استحکام کی شاہراہ پر گامزن ہو جائے گا۔ بصورت دیگر ہماری معیشت پر نزع کا عالم تو طاری ہے ہی' بہت جلد اس کی موت ہی واقع ہو جائے گی۔ ہم نے شاید بحیثیت قوم شعوری طور پر یہ طے کر لیا ہے کہ ڈیفالٹ ہونے کا داغ ہمیں منظور نہیں خواہ ہماری معاشی موت واقع ہو جائے۔ ہماری مثال اس کینسر کے مریض کی سی ہے جو تیزی سے موت کے منہ میں جا رہا ہو لیکن اس کے تیر بہدف علاج کیمو تھراپی سے اس بنیاد پر انکار کر دے کہ اس طریق علاج میں سر کے بالوں کے اڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ سود کا خاتمہ محض ہمارا دینی مسئلہ نہیں رہا' یہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے!OO

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 49 No. 10
Oct. 2000

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ٹیلی ویژن پروگرام

# حقیقتِ دین

کی سلسلہ وار اشاعت کا آغاز

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد : ۴۹
شمارہ : ۱۱
شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ
نومبر ۲۰۰۰ء
فی شمارہ ۱۰/-
سالانہ زر تعاون ۱۰۰/-


ادارۂ تحریر

حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

## سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ 22 ڈالر (800 روپے)

☆ سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' عرب امارات 17 ڈالر (600 روپے)

بھارت' بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا' یورپ' جاپان

☆ ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق' الجزائر' مصر 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور


مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت 36- کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700' فون 5969501-02-03
فیکس 5834000 ای میل anjuman@tanzeem org

ویب سائٹ ایڈریس www tanzeem org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67- گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور
فون 6316638-6366638 فیکس 6305110
ای میل markaz@tanzeem org.

پبلشر ناظم مکتبہ مرکزی انجمن طابع رشید احمد چوہدری مطبع مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

# مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## عرض احوال

موجودہ حکومت اس اعتبار سے ناکام ہو چکی ہے کہ اپنے ایک سالہ دور حکومت میں غریب عوام کو کوئی ریلیف نہیں دے سکی اور نہ ہی آئندہ اس سمت میں کسی بہتری کی توقع ہے بلکہ اندیشہ ہے کہ ہر آنے والے دن میں عوام پر عرصۂ حیات مزید تنگ ہوتا چلا جائے گا۔ اسی طرح مروجہ قانونی و عدالتی تقاضے پورے کرتے ہوئے احتساب کے عمل کو منطقی نتیجہ تک پہنچانے کی کوشش گویا لوہار کے ہتھوڑے کو استعمال کرنے کے بجائے سنار کی ٹھک ٹھک سے کام نکالنے کی کوشش ہے۔ کیونکہ جب تک اسلامی تعلیمات کی روشنی میں موجودہ قانونی و عدالتی نظام کی اصلاح نہیں ہوگی اس معاملے میں کامیابی کی کچھ زیادہ توقع نہیں ہے۔ آرمی مانیٹرنگ سیل کی بھی کوئی نمایاں کارکردگی تاحال سامنے نہیں آسکی۔ بظاہر بالائی سطح پر خاصی حد تک کانٹ چھانٹ کے باوجود عوام کے روزمرہ مسائل کے ضمن میں حکومتی اہلکاروں کے رویہ میں کسی نمایاں تبدیلی کے آثار دکھائی نہیں دیتے۔ سات نکاتی ایجنڈے پر بھی اب تک جو کام ہوا ہے وہ ابتدائی نوعیت کا ہے لہٰذا اس کے ٹھوس نتائج سامنے آنے میں وقت لگے گا۔ معیشت کی بحالی کے حکومتی عزائم اور دعوے اپنی جگہ لیکن اس کی کامیابی کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک سودی نظام کا مکمل خاتمہ نہیں ہوتا اس کی بحالی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

چیف ایگزیکٹو اور وزیر خزانہ شوکت عزیز کا یہ کہنا کہ ہم دو چار سال میں آئی ایم ایف کی غلامی سے نجات پالیں گے طفل تسلیاں دینے کے مترادف ہے۔ کیونکہ ہماری سابقہ تمام حکومتیں بھی ایسے ہی بڑے بڑے دعوے کرتی رہی ہیں لیکن صورت حال مسلسل بدتر ہوتی رہی۔ اگر موجودہ حکومت نے بھی سود کے خاتمہ اور نفاذ اسلام کی طرف پیش رفت نہ کی تو نہ جانے اس بار ہمارا زوال کس حد کو پہنچے۔

وزیر خزانہ ایک طرف تو یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے قومی بجٹ کا ۵۵% بیرونی قرضوں کے سود کی اقساط کی نذر ہو جاتا ہے جبکہ دوسری طرف حکومت کو یہ بھی تشویش ہے کہ اگر ہم نے سودی نظام کے خاتمہ کا اعلان کیا اور آئی ایم ایف کی شرائط پوری نہ کیں تو ہمیں مزید قرض نہیں ملے گا اور ہم ڈیفالٹ ہو جائیں گے۔ سوال یہ ہے کہ ڈیفالٹ ہونے سے آخر کون سی قیامت آجائے گی۔ اور ویسے بھی ڈیفالٹ ہونے کے بعد ملکی صنعت' زراعت اور عام غریب آدمی کا اس سے زیادہ کیا برا حال ہو گا جیسا اب ہے۔ لہٰذا سودی نظام کا خاتمہ اور سودی قرضوں کی ادائیگی سے صاف انکار کرنا ہی ہمارے مسائل کا واحد حل ہے' خواہ ہمیں ڈیفالٹ قرار دے دیا جائے۔ اس کے سوا ہمارے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔

مشرق وسطیٰ کے حالات بڑی تیزی سے اس بڑی جنگ کی طرف جا رہے ہیں جس کا احادیث میں الملحمة العظمی اور انجیل میں آرمیگاڈان کے نام سے تذکرہ موجود ہے۔ تکلیف دہ امر یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاملہ میں عالمی ضمیر بالکل مردہ ہو چکا ہے۔ امریکہ اور عالمی طاقتوں کی جانبداری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ فلسطین میں اسرائیلی حملوں کے نتیجے میں سو سے زائد فلسطینی مسلمانوں کی شہادت پر امریکہ نے قرارداد مذمت پاس نہیں ہونے دی۔ جبکہ دوسری طرف صرف تین اسرائیلی مارے گئے تو صدر کلنٹن نے سخت تشویش کا اظہار کیا ہے۔ مسلمانوں پر اس ظلم و ستم کی وجہ ایمان اور دین کے تقاضے پورے نہ کرنا ہے۔ اگر ہم آج بھی دین و ایمان کے تقاضے پورے کریں تو اللہ نے قرآن میں اہل ایمان سے وعدہ کیا ہے کہ تم ہی غالب و سربلند رہو گے اگر تم واقعتاً مومن ہو۔ لہٰذا آج ضرورت اس امر کی ہے کہ عالم اسلام اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرے اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے اس کے دین کی سربلندی کے لئے باطل کے سامنے ڈٹ جائے' ان شاء اللہ آخری فتح مسلمانوں کی ہو گی۔

☆ ☆ ☆

ملکی و بین الاقوامی حالات کے حوالے سے امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے ۲۰/اکتوبر کے خطاب جمعہ میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے تمام صوبوں اور قومیتوں کو آپس میں مربوط رکھنے والی شے اسلام ہے۔ نفاذ اسلام سے گریز اور اس سے غداری کی پاداش میں اللہ کے عذاب کا ایک کوڑا ۱۹۷۱ء میں سقوط مشرقی پاکستان کی صورت میں ہم پر برس چکا ہے اور اب کوئی سخت تر عذاب ہم پر مسلط ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وطن عزیز کو درپیش خطرات سے بچانے کی خاطر ہمیں تین کام کرنا ہوں گے۔ ایک یہ کہ ملک میں نفاذ اسلام کی طرف فی الفور مثبت اور پر خلوص پیش رفت کی جائے۔ اس کے نتیجے میں پاکستان کی خاموش اکثریت میں ملک کے لئے اس قربانی کا جذبہ بیدار ہوگا جو قوموں کی ترقی میں سنگ میل ثابت ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ صوبائیت کی لعنت سے چھٹکارا پانے کے لئے صوبوں کو مزید تقسیم کر کے تقریباً ایک ایک کروڑ کی آبادی کے صوبے بنا دیئے جائیں۔ تیسرا کام یہ کرنا ہوگا کہ ملک میں صدارتی نظام رائج کر دیا جائے کیونکہ یہ نظام اسلامی نظام خلافت سے قریب ترین ہے۔

۲۷ اکتوبر کے خطاب جمعہ میں امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ ریڈیو صدائے کشمیر پر اس پروپیگنڈے سے کہ مقبوضہ کشمیر کے عوام پاکستان کے ساتھ الحاق کی بجائے خود مختاری چاہتے ہیں، ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ کی کشمیر پر نیت خراب ہے اور وہ یہاں ایک آزاد ریاست قائم کر کے اپنا اڈہ قائم کرنا چاہتا ہے تاکہ ایشیا پر مکمل کنٹرول حاصل کر سکے۔ دوسری طرف روس کے وزیر دفاع کی نقل و حرکت اور ازبکستان میں امریکہ کے جہازوں کی آمد سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ طالبان کے خلاف کوئی بہت گہری سازش تیار کی جا رہی ہے، لیکن امریکہ کو شاید معلوم نہیں ہے کہ افغان قوم کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ افغانستان پر کسی امریکی حملے کی صورت میں پاکستان کے لئے بڑی کڑی آزمائش کا وقت ہوگا۔ پوری دنیا دونوں ممالک کو یک جان دو قالب قرار دے رہی ہے لہٰذا اگر پاکستان نے اس مشکل وقت میں افغانستان کی مدد نہ

کی تو امریکہ ہمیں بھی جینے نہیں دے گا۔

فلسطین کے حالات انتہائی مخدوش ہو چکے ہیں کیونکہ امریکی کانگریس نے اسرائیل کے حق اور فلسطین کی مذمت میں قرارداد پاس کر کے قیام امن کی تمام کوششوں کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں ایک طرف یاسر عرفات' حماس اور اسلامی جہاد سے مل کر فلسطینی قوت کو یکجا کر رہے ہیں اور دوسری طرف ایہود باراک امن مذاکرات کی مخالف اپوزیشن قوتوں سے مل کر قومی حکومت بنانا چاہتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشرق وسطیٰ میں امن کا اب کوئی امکان نہیں۔ مزید برآں فلسطینیوں کے قتل عام پر عربوں نے کوئی سخت موقف اختیار نہ کر کے جو کم ہمتی دکھائی ہے اس کے نتیجے میں فلسطینیوں کے سامنے اب صرف دو راستے کھلے رہ گئے ہیں۔ ایک راستہ یہ ہے کہ فلسطینی مسلمان اسرائیلیوں کے زیر دست بن کر رہنا اور دائمی ذلت کی زندگی گزرنا گوارا کر لیں جبکہ دوسرا راستہ یہ ہے کہ وہ عزت اور غیرت کی موت کو گلے لگا لیں۔ دوسرا راستہ اختیار کرنے کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ فلسطینیوں کے قتل عام پر عالم اسلام کا ضمیر جاگ اٹھے اور ذلت و مسکنت جو امت مسلمہ کا مقدر بن گئی ہے اس سے چھٹکارا مل جائے۔

پاکستان ٹیلیویژن پر پیش کیا جانے والا سلسلہ وار پروگرام

# حقیقتِ دین

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

(۱)

خطبہ مسنونہ اور تعوّذ و تسمیہ کے بعد فرمایا :

معزّز حاضرین و محترم سامعین! السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

حقیقتِ دین کے جامع عنوان کے تحت گفتگو کے جس سلسلے کا اللہ کا نام لے کر آج ہم آغاز کر رہے ہیں' اس کی ابتداء میں مناسب محسوس ہو تا ہے کہ اس عنوان کا اصل مفہوم سمجھ لیا جائے۔

"حقیقتِ دین" دراصل فارسی ترکیب ہے۔ اسے اگر ہم سلیس اور عام فہم اردو میں منتقل کریں گے تو اس کے معنی ہوں گے "دین کی حقیقت"۔ یہ دونوں الفاظ یعنی "حقیقت" اور "دین" نہ صرف یہ کہ ادبی اور کتابی اردو میں مستعمل ہیں بلکہ ہماری عام بول چال میں بھی کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بہتر ہو گا کہ ہم ان کے مفہوم کے بارے میں غور کریں۔ "حقیقت" کہتے ہیں کسی شے کی اصلیت کو۔ انگریزی میں اس کے لئے "reality" کا لفظ استعمال ہو تا ہے۔ ایک بہت بڑے فلسفی "بریڈ لے" کی کتاب کا نام بھی "Appearance and Reality" ہے۔ ایک تو کسی شے کا ظاہر ہو تا ہے کہ جو نظر آتا ہے اور ایک اس کی باطنی روح ہوتی ہے جو اُس میں مضمر اور چھپی ہوئی ہوتی ہے۔

"دین کی حقیقت" کے موضوع کے ضمن میں کئی مباحث آ جائیں گے۔ مثلاً یہ کہ دین کی اصل بنیاد کیا ہے؟ دین کی جڑ اور اساس کیا ہے؟ دین کے اہداف اور مقاصد کیا ہیں؟ اس کا مقصود اور مطلوب کیا ہے؟ اس کی باطنی روح کیا ہے؟ اور یہ باطنی روح

انسان کی روش، رویّے اور طرزِ عمل میں انفرادی یا اجتماعی سطح پر ظاہر ہو کر کیا شکل اختیار کرتی ہے اور پھر اس سے کیسا خارجی نظام وجود میں آتا ہے؟ ـــــــ گویا مذکورہ بالا معاملات پر ان شاء اللہ العزیز ہم اس سلسلۂ گفتگو میں بحث کریں گے۔

## "دین" کا اساسی اور اصطلاحی مفہوم

مذکورہ ترکیب میں دوسرا لفظ "دین" ہے۔ دین ایک اصطلاح کی حیثیت اور حقیقت رکھتا ہے۔ اور اگر کسی بھی علم یا فن کی کسی خاص زبان میں اصطلاحات وضع کرنی ہوں تو اُس زبان میں پہلے سے جو الفاظ مستعمل ہوتے ہیں انہی کو چن کر اُن میں اضافی معنی داخل کر دیئے جاتے ہیں اور پھر اس طرح جو اضافی مفاہیم پیدا ہوتے ہیں انہیں اصطلاحات کی شکل دے دی جاتی ہے۔ یہ اصطلاحات خواہ فزکس کی ہوں خواہ کیمسٹری یا بیالوجی کی، ظاہر ہے کہ آپ جس زبان میں اِن علوم کی اصطلاحات وضع کرنے چلے ہیں اس زبان میں پہلے سے موجود مستعمل الفاظ میں سے کچھ الفاظ چن کر اور پھر اُن میں کچھ اضافی مفہوم شامل کر کے انہیں اصطلاحات کی شکل دیں گے۔

اب اس لفظ "دین" پر اس اعتبار سے غور کرتے ہیں کہ عربی زبان میں "دین" کا بنیادی مفہوم کیا ہے۔ لفظ "دین" کا بنیادی مفہوم "بدلہ" ہے، کسی اچھی چیز کا اچھا بدلہ یعنی جزا اور بُرے کام کا بُرا بدلہ یعنی سزا۔ چنانچہ اس لفظ کا عربی زبان میں لغوی مفہوم بدلہ یا جزا یا سزا ہے۔ اسی معنی میں قرآن مجید کی ام الکتاب اور اساس الکتاب سورۂ مبارکہ یعنی سورۃ الفاتحہ جو ہماری نماز کا جزوِ لاینفک اور جزوِ لازم ہے، میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ "اللہ جزا و سزا کے دن کا مالک ہے، مختارِ مطلق ہے، بدلے کے دن اسی کے ہاتھ میں اختیار ہو گا" ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ "آج کے دن کس کی بادشاہی ہے؟ (اور گویا صورت یہ ہو گی کہ آج) اختیار صرف اللہ الواحد القہار کے ہاتھ میں ہے"۔ اسی معنی میں آخری پارے کی چھوٹی سی سورۃ (الماعون) کے آغاز میں یہ لفظ استعمال ہوا: ﴿اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝﴾ "کیا تم نے غور کیا اس شخص کے معاملے

میں کہ جو جزا و سزا کا منکر ہے؟ (بدلے کا منکر ہے) وہی ہے جو یتیموں کو دھتکار تا ہے، دھکے دیتا ہے، اور مسکینوں کو (بھوکوں کو) کھانا کھلانے کی (خود تو کیا ہمت کرے کسی کو) ترغیب بھی نہیں دیتا۔"

یہ ہے اس لفظ کا اصل اساسی و بنیادی مفہوم۔ اسی اعتبار سے جیسے ہم اردو میں کہتے ہیں "جیسا کرو گے ویسا بھرو گے" عربی میں بھی کہاوت ہے کہ "کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ" یعنی جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ اسی طرح زمانہ جاہلیت کے ایک عرب شاعر کا مشہور مصرع ہے ؏ "دِنَّاھُمْ کَمَا دَانُوْا" "ہم نے بھی اُن کے ساتھ وہی کچھ کیا جو انہوں نے ہمارے ساتھ کیا"۔

اسی طرح جب آپ کسی شخص کو کوئی تحفہ یا ہدیہ دیتے ہیں تو ظاہر ہے واپس لینے کے لئے نہیں دیتے، لیکن جب آپ قرض دیتے ہیں، تو چونکہ اس میں پہلے سے یہ بات مضمر ہوتی ہے کہ اس کو واپس آنا ہے، لہٰذا اُسے "دَین" کہتے ہیں۔ اور بدلہ بھی درحقیقت کسی عمل کا وہ نتیجہ ہوتا ہے جو اس عمل کا ارتکاب کرنے والے کی جانب واپس لوٹتا ہے۔ یعنی اگر اچھا کام کیا ہے تو اُس کی جزا اور اگر بُرا کام کیا ہے تو اُس کی سزا اُس کی طرف لوٹے گی۔ اسی لئے قرض کو بھی "دَین" کہا جاتا ہے، کیونکہ قرض پر دی ہوئی شے قرض دینے والے کی طرف واپس لوٹتی ہے۔

اب اگر اس لفظ کا بنیادی اور اساسی مفہوم بدلہ اور جزا و سزا ہے تو اس میں یہ چیز بھی خود بخود موجود ہو گی کہ یہ جزا یا سزا کسی قانون کے تحت ہو گی اور اس کا کوئی ضابطہ ہو گا۔ لہٰذا یہیں سے اس میں ایک ضابطے اور قانون کا مفہوم شامل ہو گیا۔ اسی کے ساتھ یہ تصور بھی مستلزم ہے کہ کوئی قانون دینے والا ہو گا، کوئی مطاعِ مطلق ہو گا کہ جس کو یہ اختیار ہو گا کہ وہ قانون بنائے اور اس کی اطاعت لازم ہو۔ اسی سے اس کے اندر "اطاعت" کا مفہوم بھی شامل ہو گیا۔ اس لفظ دین میں مذکورہ بالا تمام مفہوم شامل کئے گئے ہیں۔ اور قرآن مجید میں جب یہ لفظ اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا تو اس کا مفہوم یہ ہوا کہ "جب کسی ہستی یا کسی ادارے کو مختارِ مطلق، مطاع اور حاکم (sovereign) مان کر اُس کے قانون اور اس کے بنائے ہوئے قواعد و ضوابط کے مطابق زندگی کا پورا نظام،

خاکہ اور ڈھانچہ بنایا جائے گا تو وہ اس ہستی یا ادارے کا دین ہو گا"۔

قرآن مجید میں سورۂ یوسف میں یہ لفظ قانون کے معنوں میں آیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر میں ایک بادشاہی نظام قائم تھا اور آپ کو معلوم ہے کہ بادشاہ مطلق العنان ہوتے تھے' ان کے وسیع اختیارات ہوتے تھے' Sovereignty انہی کی ہوتی تھی۔ وہ جو چاہتے حکم دیتے اور جس قانون کو چاہتے نافذ کرتے۔ چنانچہ جس وقت مصر میں قحط پڑا اور اس کے بعد فلسطین سے حضرت یوسفؑ کے بھائی راشن حاصل کرنے کے لئے وہاں آئے تو حضرت یوسف نے اپنے حقیقی چھوٹے بھائی (بن یامین) کو روک لینا چاہا۔ قرآن مجید اس واقعے سے متعلق بیان فرماتا ہے کہ: ﴿ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ ﴾ اُس وقت مصر میں بادشاہت کا نظام نافذ تھا' اور یہاں کے قانون کے تحت حضرت یوسفؑ کے لئے اپنے بھائی کو اپنے پاس روک لینا ممکن نہیں تھا' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں حیلہ سجھایا۔ اور چونکہ حیلہ بہانہ ایک ایسی شے ہے جس کو نبی کے ساتھ منسوب کرنے سے اُن کی بلند شخصیت اور اُن کے مقامِ عصمت پر تھوڑی سی آنچ آنے کا گمان ہوتا ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب کیا ﴿ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ ﴾ "اسی طرح ہم نے یوسف کے لئے حیلہ بنا دیا' اُس کے لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنے بھائی کو اپنے پاس روک سکے اُس شاہی نظام اور قانون کے تحت جو اُس وقت وہاں رائج تھا۔"

پھر قرآن مجید کے آخری پارے کی چھوٹی سی سورۃ یعنی "سورۃ النّصر میں یہ لفظ "دین اللہ" کی ترکیب کی صورت میں آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○ ﴾ یہ "دین اللہ" کیا ہے؟ دین اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو حاکمِ مطلق مانا جائے' Sovereignty اسی کے لئے تسلیم کی جائے ۔

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آزری

اس کے دیئے ہوئے قوانین' ہدایات اور اوامر و نواہی پر مبنی معاشرت' معیشت

اور سیاست و ریاست کے ڈھانچے کی تشکیل کی جائے۔ یعنی اگر اللہ کو حاکم مطلق اور حاکم حقیقی مان کر اس کی اطاعت پر مبنی مکمل نظامِ زندگی ترتیب دیا جائے تو یہ دین اللہ ہو گا۔

اب اس بات پر بھی غور کر لیجئے کہ اس دین کا نام اسلام ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں اسے مثبت انداز میں بھی بیان کیا گیا اور منفی انداز میں بھی۔ مثبت انداز میں فرمایا: ﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ﴾ "اللہ کے نزدیک دین حق اور دین صحیح اسلام ہی ہے۔" اور منفی انداز میں فرمایا گیا: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ "جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ اس کی جانب سے قبول نہیں کیا جائے گا"۔ یعنی اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہو گا۔

ایک اور نقطہ کہ جسے سمجھ لینا چاہئے وہ یہ ہے کہ یہ دین ہمیشہ سے ایک ہی ہے' حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء و رُسل ایک ہی دین لے کر آئے۔ ان سب کے دین میں قطعاً کوئی فرق نہیں۔ دنیا میں جتنے بھی مذاہب یا ادیان پائے جاتے ہیں وہ اسی دین کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ ان میں انحراف و تحریف ہو گئی ہے۔ اب ان میں سے بعض تو وہ ہیں کہ جو تحریف کی وجہ سے اتنے بدل گئے ہیں ؏

کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی!

اور اب ان کا اسلام تعلیمات سے کوئی دُور کا تعلق جوڑنا بھی محال ہے۔ لیکن بعض ایسے ہیں جو خاصے قریب بھی ہیں اور جن کی پہچان بھی ہو سکتی ہے' جیسے تین ابراہیمی ادیان کہلاتے ہیں' یعنی یہودیت' عیسائیت اور اسلام۔ ان تینوں میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ دنیا میں چاہے کوئی بھی دین ہو وہ اسی دین اسلام کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اس لئے کہ ابتداء میں جب حضرت آدمؑ سے تاریخ انسانی کا آغاز ہوا تو دین اسلام ہی تھا' اس کے بعد لوگوں نے مختلف راہیں نکال لیں اور مختلف پگڈنڈیوں پر چلے گئے جس سے مختلف شکلیں بن گئیں۔ اس حقیقت کو سورۃ الشوریٰ کی اس عظیم آیت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ . . . ﴾ (آیت ۱۳)

"(اے مسلمانو!) اللہ نے تمہارے لئے وہی دین معین کیا ہے جس کی اس نے وصیت کی تھی نوح کو اور جس کی وحی ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کو کی ہے اور جس کی وصیت ہم نے کی تھی ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو' تاکہ قائم کرو (یا قائم رکھو) اس دین کو' اور اس کے معاملے میں متفرق نہ ہو جاؤ۔"

کہیں فرقہ فرقہ نہ بن جاؤ' یعنی دین ایک ہی رہنا چاہئے۔

## دین اور شریعت کا فرق

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے' وہ کہ اگر یہ دین ایک ہی تھا' یعنی موسیٰ" عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کا دین ایک ہی تھا تو احکام میں فرق کیوں ہے؟ یہاں اب ایک دوسرے لفظ "شریعت" کو بھی جان لینا چاہئے۔ دراصل حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک دین ایک ہی رہا ہے' لیکن شریعتیں جُدا جُدا رہی ہیں۔ حضرت محمد ﷺ پر جب اس دین کی تکمیل ہو گئی تو اب قیامِ قیامت تک دین تو وہی رہے گا' لیکن شریعتیں مختلف ہیں' جس کے لئے سورۃ المائدہ میں فرمایا گیا: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ "ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک منہاج یعنی ایک طریقہ کار معیّن کر دیا ہے" یہ سورۃ المائدہ کے ساتویں رکوع کی آیت کا ٹکڑا ہے۔ اس رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضور ﷺ کا ذکر ہے۔ فرمایا تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت' منہج اور طریقہ کار معین کر دیا گیا ہے۔ دین ایک ہی ہے' لیکن شریعتیں جدا ہیں۔

اس بات کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ جیسے آج کل دنیا میں یہ تصور ہے کہ ہر ملک کا ایک آئین یعنی دستور ہوتا ہے' اس دستور میں عام طور پر تبدیلی نہیں کی جاتی اور تبدیلی کا طریقہ کار انتہائی مشکل رکھا جاتا ہے' لیکن اس دستور کے تحت قوانین بنتے رہتے ہیں' اور ان میں تغیّر و تبدّل بھی ہوتا رہتا ہے' مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں قانون کی فلاں دفعہ کے اندر یہ تبدیلی ہو گئی۔ چنانچہ دستور تو وہی رہتا ہے لیکن قوانین بنتے بھی رہتے ہیں اور تبدیل بھی ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا دین تو حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کا ایک ہی تھا' لیکن شریعتِ موسوی اور شریعتِ محمدی میں فرق ہے۔ اس کو اس طرح بھی

سمجھا جاسکتا ہے کہ جیسے ہم کہیں کہ ہمارا دین ایک ہے لیکن مختلف مسالک جیسے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، سلفی، جعفری وغیرہ قوانین کی مختلف شکلیں ہیں۔ ان مسالک میں تو فرق ہے لیکن دین ایک ہی ہے، اس کے اندر کوئی فرق وتفاوت نہیں۔ اس دین کی نظریاتی، علمی، فکری یا فلسفیانہ بنیاد موجود ہے، جس کا نام ایمان ہے۔ اس ایمان کا جب انسان کے عمل میں انفرادی اور اجتماعی طور پر ظہور ہوتا ہے، اور پھر اس سے جو معاشرتی، سیاسی اور معاشی نظام وجود میں آتا ہے اس کا نام اسلام ہے۔ اور یہ بڑی حیرت انگیز بات ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں میں سلامتی، Peace اور امن کا مفہوم موجود ہے۔ گویا ہمارے دین کی دونوں اصطلاحات امن اور سلامتی پر مبنی ہیں۔

## سوالات

**سوال** ۔ جب ہم مسلمان ہیں اور ہمارا دین ایک ہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مکمل اور کامل بھی کر دیا ہے تو پھر ہمارے ہاں مختلف فرقے کیوں پیدا ہو گئے ہیں؟

**جواب** ۔ ہمارے ہاں ایک تو فقہی اصطلاحات اور تعبیرات کے حوالے سے مختلف مسالک بن گئے ہیں، جیسے مسلک، حنفی، مسلک شافعی وغیرہ، یہ دراصل فرقے نہیں ہیں۔ فرقہ بندی وہ ہوتی ہے کہ جہاں ضد پیدا ہو جائے اور جہاں صرف اپنے آپ کو مسلمان اور دوسروں کو غیر مسلم یا کافر سمجھا جانے لگے۔ اور اس کا قرآن مجید میں چار جگہ جو سبب بیان کیا گیا ہے وہ ہے ﴿ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ﴾ یعنی لوگوں کے اندر ضِدّم ضِدّا اور بالادستی کی خواہش کا پیدا ہو جانا کہ میں فلاں کی بات کیوں مانوں، وہ میری بات کیوں نہ مانے، یہی سبب ہے کہ جس سے تفرقہ بازی پیدا ہوتی ہے اور اس کی قرآن مجید میں شدید مذمت آئی ہے، یہاں تک کہ اسے شرک کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

**سوال** ۔ دین اور مذہب میں کیا فرق ہے؟

**جواب** ۔ مذہب اگرچہ عربی زبان کا لفظ ہے لیکن پورے قرآن مجید میں کہیں یہ لفظ استعمال نہیں ہوا۔ مذہب انگریزی زبان کے لفظ religion کا صحیح صحیح ترجمہ ہے۔ اس کے بارے میں دنیا میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ مذہب انسان کا انفرادی معاملہ ہوتا ہے اور

اس میں صرف تین چیزیں شامل ہیں : (۱) عقیدہ (dogma)' (۲) مراسم عبودیت (rituals)'(۳) سماجی رسومات(social customs)۔ مثلاً یہ کہ جب بچہ پیدا ہوگا تو کیسے اس کی تقریب منائی جائے گی' اور اگر کوئی شخص مرگیا تو اس کی لاش (dead body) کو کیسے تلف(dispose off) کیا جائے گا۔ یہ سماجی رسومات ہیں۔ توگویا مذہب محض چند عقائد' مراسمِ عبودیت اور کچھ سماجی رسومات پر مبنی ہوتا ہے' لیکن دین میں مذہب کے علاوہ پورا اجتماعی نظامِ زندگی بھی شامل ہوتا ہے' یعنی معاشرتی' معاشی' سیاسی اور ریاستی نظام۔ گویا اس اعتبار سے مذہب ایک جزوی جبکہ دین ایک کُلّی حقیقت ہے۔

**سوال** آدم تا ایں دم دین ایک ہے تو کیا باقی مذاہب اور باقی ادیان کے ساتھ اشتراکِ عمل ہو سکتا ہے؟

**جواب** انسانی اخوات کی بنیاد پر اشتراکِ عمل کا معاملہ کیا جا سکتا ہے' لیکن صحیح اور حقیقی اشتراک جس کی طرف آپ کا اشارہ ہے اس کی تلقین قرآن حکیم کی سورۂ آل عمران میں ان الفاظ میں کی گئی ہے :

﴿ قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾

"کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں' اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کو چھوڑ کر رب نہ بنائے"۔

تو ہماری حیثیت ان کے لئے داعی کے ہوگی کہ اے لوگو! آؤ ہم اس ایک بات پر جمع ہو جائیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور یہ کہ ہم ایک دوسرے کو رب نہ بنالیں۔ یہ بات ہے کہ جس پر ہم جمع ہو سکتے ہیں۔ اس طرح تو گویا تمام ادیان جمع ہو کر ایک ہی دین کی شکل اختیار کرلیں گے اور اسی کی خبر نبی اکرم ﷺ نے دی ہے کہ قیامت سے قبل ایسا ہوگا کہ دین اسلام میں باقی سب لوگ داخل ہو جائیں گے اور پورے کرۂ

ارضی پر ایک ہی دین ہوگا اور وہ اسلام ہوگا۔

**سوال** جب دین ایک ہے تو مختلف ادوار میں شریعتیں کیوں مختلف رہی ہیں؟

**جواب** آپ کا سوال سابق شرائع سے متعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نوعِ انسانی نے دراصل مختلف ارتقائی مراحل طے کئے ہیں' جیسے بچّہ ہوتا ہے' پھر اس کی عمر ذرا بڑی ہوتی ہے اور وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس کو سکول میں داخل کیا جائے' پھر وہ بالغ ہوتا ہے' تو اسی طرح نوع انسانی نے دو اعتبارات سے ارتقائی مراحل طے کئے ہیں۔ ایک ذہنی اور فکری اعتبار سے اور دوسرے تمدنی اعتبار سے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ لوگ غاروں میں رہتے تھے' کسی قسم کا کوئی نظام موجود نہیں تھا' نہ کوئی میونسپل کارپوریشن تھی اور نہ ہی اس طرح کا کوئی اجتماعی فلاحی ادارہ۔ پھر اس کے بعد قبیلے کا نظام آیا' اور پھر چند قبیلوں نے ایک شہر میں رہنا شروع کر دیا تو پھر شہری ریاستوں کا تصور ابھرا۔ بعد ازاں عظیم مملکتیں وجود میں آئیں۔ تو اس طرح ہر دور کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے ہدایات دی ہیں۔ جنہیں ہم شریعت نوح یا شریعت موسیٰ کہتے ہیں یہ گویا اُس مخصوص عارضی دور کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہدایات تھیں۔ پھر آخر کار محمد رسول اللہ کی بعثت اُس وقت ہوئی کہ جب انسان دونوں اعتبارات سے بلوغ کو پہنچ گیا۔ اس کا تمدنی نظام بھی اس حد تک پہنچ گیا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں سلطنتِ روما اور سلطنتِ کسریٰ دو عظیم سلطنتیں قائم تھیں اور ذہنی اعتبار سے بھی انسان اتنا بالغ ہو گیا تھا کہ اس کو آخری ہدایات اس قرآن اور دین کی شکل میں دے کر چھوڑ دیا گیا کہ مزید تفاصیل کے لئے وہ اجتہاد کرے ۔

نوعِ انساں را پیامِ آخریں
حاملِ اُو رحمۃٌ لّلعالمیں!

یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے خود لے لی۔

**سوال** دین کی اساس کن باتوں پر ہے؟

**جواب** ہر نظام کی ایک فطری اساس ہوتی ہے۔ دین بھی ایک نظام ہے اور دینِ حق یعنی دین اللہ یا اسلام کی فطری' ذہنی' نظری' علمی اور فلسفیانہ اساس کا نام ایمان ہے۔

**سوال** شریعت کا مفہوم کیا ہے؟

جواب : شریعت وہی لفظ ہے جس سے شارع بنا ہے۔ "شارع" راستے کو کہا جاتا ہے' جیسے ہم کہتے ہیں کہ یہ شارع عام نہیں ہے۔ اور شریعت کا مطلب "چلنا" ہے۔ چنانچہ دین کی وہ عملی ہدایات کہ جن سے انسان کا انفرادی اور اجتماعی عمل معیّن ہوتا ہے اسے شریعت کہا جاتا ہے۔ دینِ موسوی کی وہ عملی ہدایات اور اوامر و نواہی کہ جنہیں "احکامِ عشرہ" (Ten Commandments) کہا جاتا ہے' یعنی یہ کرو' یہ نہ کرو' یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں شریعت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

اختتامیہ : حضرات! میں آپ کا ممنون ہوں کہ آپ اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر تشریف لائے۔ آج جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس کی حیثیت تمہید کی ہے۔ ہماری اصل گفتگو کا آغاز اگلی نشست سے ہوگا اور وہ یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی ایمان سے بہرہ ور فرمائے تاکہ ہمارا دین واقعی جاندار' فعال اور زندہ دین بن جائے۔ آمین یا ربّ العالمین!

---

## بقیہ : فریضہ اقامت دین

---

دین کے کھاتے میں۔ فرض کیجئے کوئی ایک شخص کسی ایک جماعت کے ذریعے سے دین کے قریب آجاتا ہے اور کوئی دوسرا شخص کسی دوسری جماعت کے ذریعے سے دین کے قریب آیا تو کام تو جمع ہو ہی گئے' چاہے وہ قافلے جمع نہ ہوئے ہوں۔

### حاصل گفتگو

شروع میں ذکر ہو چکا ہے کہ اقامت دین کے موضوع پر یہ تین آیات اہم ترین ہیں۔ اس کے مخاطبین' اس کے مخالفین' مخالفت کی وجوہ' تفرقہ کا سبب' ان سب کا علاج' پھر جو داعی ہو اس کا کردار' اس کو کن باتوں کو ملحوظ رکھنا ہے' ان تین آیات میں یہ تمام مضامین آگئے ہیں' بس غور و فکر اور تدبر سے انہیں ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے۔

(جاری ہے)

# توحیدِ عملی

## کا فریضۂ اقامتِ دین سے ربط و تعلق

### سورۃ الشوریٰ آیات ۱۳ تا ۲۱ کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

مرتّب : شیخ جمیل الرحمٰن مرحوم

(چھٹی قسط)

اب ان حالات اور اس پس منظر میں آنحضور ﷺ کو کیا کرنا ہے؟ اس کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے۔ قرآن مجید کی یہ بڑی عجیب آیت ہے۔ عجیب کے لفظ سے کہیں آپ کوئی اور مفہوم نہ لے لیں۔ عربی میں عجیب کے معنی ہیں بہت دلکش' بڑی پیاری' دل کو لبھانے والی بات۔ ہمارے ہاں عجیب و غریب کے مفہوم میں حیرت کا جو مفہوم پایا جاتا ہے اسے اپنے ذہن سے نکال دیجئے۔

### سب سے دلکش ایمان

اس لفظ عجیب پر ایک حدیث ملاحظہ ہو۔ تصور کیجئے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ مسجدِ نبویؐ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان جلوہ افروز ہیں ــــ آپؐ صحابہؓ سے سوال فرماتے ہیں کہ "تمہارے نزدیک سب سے زیادہ أعجب ایمان کس کا ہے؟" ــــ یہ بھی حضور ﷺ کی تعلیم و تربیت کا ایک انداز ہے ــــ! أعجب 'عجیب' کا اسمِ تفضیل ہے۔ حضور ﷺ صحابہ کرام ؓ سے دریافت فرما رہے ہیں کہ یہ بتاؤ کہ تمہارے خیال میں سب سے زیادہ پیارا' سب سے زیادہ دلکش ایمان کس کا ہے؟ صحابہؓ نے کہا: فرشتوں کا۔ حضور ﷺ نے فرمایا : ((وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ)) "وہ کیسے ایمان نہ لائیں گے' وہ تو اپنے رب کے پاس ہیں!" یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ان کے لئے غیب میں ہوتے ہوئے بھی مشہود ہے۔ وہ ہر لحہ اور ہر آن تجلیاتِ ربّانی کا

مشاہدہ کرتے ہیں۔ احکامِ الٰہی اُن کے پاس براہِ راست آتے ہیں‘ جن کی وہ تنفیذ کرتے ہیں۔ ان کی نگاہوں کے سامنے حقائق منکشف ہیں۔ وہ ایمان رکھتے ہیں تو کون سا کمال کرتے ہیں۔ اگر ابوجہل کے سامنے بھی جہنم لے آئی جائے تو وہ فوراً ایمان لے آئے گا۔ لہٰذا اُن کے ایمان کے اَعجب ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا : فَالْاَنْبِیَاءُ "پھر نبیوں کا ایمان" تو حضور ﷺ نے فرمایا : ((وَمَالَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَالْوَحْیُ یَنْزِلُ عَلَیْھِمْ)) "وہ کیسے ایمان نہیں لائیں گے جبکہ وحی اُن پر نازل ہوتی ہے"۔ یعنی انبیاء پر اللہ کا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے‘ انہیں غیب کی خبریں دیتا ہے‘ اللہ تعالیٰ اپنی نشانیوں میں سے کچھ نشانیوں کا اُن کو مشاہدہ کراتا ہے‘ لہٰذا اُن کا ایمان اَعجب کیسے ہوگا! تیسری بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا : فَنَحْنُ "پھر ہم ہیں" ہمارا ایمان ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا : ((وَمَالَکُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ وَاَنَا بَیْنَ اَظْھُرِکُمْ)) "تم کیسے ایمان نہ لاتے جب کہ مَیں تمہارے مابین موجود ہوں"۔ اب نبی اکرم ﷺ نے خود جواب دیا ـــــ اصل بات جو سمجھانا مقصود تھی وہ یہ کہ ((اِنَّ اَعْجَبَ الْخَلْقِ اِلَیَّ اِیْمَانًا یَاْتُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ یَجِدُوْنَ صُحُفًا فِیْهِ کِتَابُ اللّٰهِ فَیُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِیْھَا)) "میرے نزدیک سب سے زیادہ دلکش ایمان والے وہ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے‘ اُن کو تو اوراق ملیں گے جن میں اللہ کی کتاب درج ہوگی اور وہ اس پر ایمان لائیں گے"۔ یہ لوگ ہوں گے جن کا ایمان اَعجب یعنی سب سے دلکش ہوگا۔

اس مقام پر ایک اہم بات سمجھ لیجئے کہ یہاں افضلیت کی بات نہیں ہو رہی‘ دلکش ہونے کی بات ہے۔ افضل ایمان پوری اُمت میں سے یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کا ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابیؓ کا ایمان بھی بڑے سے بڑے ولی اللہ سے افضل ہے۔ یہاں میں نے سمجھانے کے لئے "ادنیٰ" کا لفظ استعمال کیا ہے‘ ورنہ کسی صحابی کے لئے ادنیٰ کا لفظ بھی مناسب نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ افضلیت بالکل جُدا بات ہے اور یہ شرف صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے۔ ایمان کا پیارا ہونا‘ دلکش ہونا یہ بالکل دوسری بات ہے‘ اس کو confuse نہ کر لیجئے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس موجود تھے۔ آپؐ خود اپنی ذات میں ایک معجزہ ہیں‘ عظیم ترین معجزہ‘ لہٰذا

ان کیلئے ایمان لانا آسان تھا ان کی بہ نسبت جو بعد میں آئیں گے' جو نہ تو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور نہ انہوں نے آنجناب ﷺ کے چہرۂ انور کا دیدار کیا۔

## نبی اکرم ﷺ کا فرضِ منصبی: دعوت اور قیامِ عدل

نبی اکرم ﷺ سے خطاب ہو رہا ہے۔ طویل آیت ہے اور اس میں نہایت اہم مضامین جامعیت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ آیت کا آغاز ہوتا ہے ان الفاظ مبارکہ سے :

﴿ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ﴾ "پس (اے محمد ﷺ) آپ اسی کی دعوت دیتے رہئے۔"

آیت کے اس حصے کو سمجھنے کے لئے توحید کی دو شاخیں ذہن میں رکھئے۔ پہلی توحید علمی یا نظری یا توحید فی المعرفۃ یا توحید فی العقیدہ ـــــ دوسری توحید عملی ـــــ پھر اس توحید عملی کی بھی دو شاخیں ہیں ـــــ ایک توحید انفرادی و ذاتی' دوسری توحید اجتماعی۔

ذاتی و انفرادی توحید یہ ہے کہ اللہ ہی کی بندگی اور پرستش کی جائے' اپنی اطاعت کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ جیسے فرمایا گیا : ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ﴾ "پس اللہ کو پکارو اس کے لئے دین (اپنی بندگی) کو خالص کرتے ہوئے۔ آگاہ رہو! دینِ خالص اللہ کا حق ہے!" آپ نے انفرادی سطح پر یہ کرلیا تو آپ کی ذات کی حد تک عملی توحید نافذ ہوگئی۔ اب عملی توحید کی دوسری منزل یہ ہے کہ اجتماعی نظام پر بھی اس کو قائم اور نافذ کرو۔ پورا نظامِ زندگی اس کا مظہر بن جائے کہ ﴿ لِيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾ ـــــ یہ ہوگی توحید اجتماعی' یہی اقامت دین ہے۔ اسی کا حکم سورۃ الشوریٰ کی آیت ﴿ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ میں آیا ہے۔

توحیدِ عملی کی انفرادیت سے اجتماعیت تک پیش رفت کے مابین نقطۂ ماسکہ (Link) کیا ہے؟ وہ ہے دعوت ـــــ ایک فرد نے ذاتی طور پر توحید اختیار کی تو فطری تقاضا یہ ہوگا کہ وہ اس کی طرف دوسروں کو بلائے' دوسروں کو اس کی دعوت دے' ان کو بھی توحید کی طرف راغب کرے' انہیں بھی اللہ کی بندگی کی طرف پکارے۔ پھر جو اس دعوت پر لبیک کہیں ان کو وہ مجتمع کرے' ان کو منظم کرے' ان کی تربیت کرے۔ یہاں دعوتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تین مراحل کا ذکر آگیا۔ پھر اس کے لئے لازم ہوگا کہ وہ ان

تین مراحل سے گزر کر ایک طاقت فراہم کرے اور نظامِ باطل کو تلپٹ کر کے رکھ دے ' اسے بیخ و بُن سے اکھیڑ کر دین اللہ کو قائم کر دے ' تاکہ اجتماعی توحید کی تکمیل ہو جائے۔ اب انفرادی توحید اور اجتماعی توحید کے درمیان نقطۂ ماسکہ دعوت ہے۔ سورۂ حٰم السجدۃ کی آیت ۳۳ کو ذہن میں رکھئے۔ فرمایا : ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ ﴾ اور یہاں فرمایا : ﴿ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ﴾ یہاں کلمہ "فا" اور "لامِ غایت" نے ذٰلک سے مل کر اس آیت کو ماسبق آیات سے بھی مربوط کر دیا ہے اور اس پس منظر سے بھی جو اس پوری سورۂ شوریٰ کے نزول کے وقت موجود تھا' جس کا ذکر پہلے ہو چکا۔ اس دعوت کا ہدف ہو گا اقامتِ دین۔ ﴿ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلاَ تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ ـــــ اے نبیؐ! اسی کی دعوت دیجئے کہ اللہ کے دین کو قائم کرو' نافذ کرو' برپا کرو' مجتمع و منظم ہو جاؤ' باطل سے ٹکراؤ اور اس تصادم کے لئے خود کو قربانی اور ایثار کے لئے تیار کرو۔ یہ ہوئی ﴿ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ﴾ کی تشریح و توضیح۔

## استقامت کا حکم

آگے فرمایا : ﴿ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ﴾ "اور ڈٹے رہیے' جمے رہیے جس کا آپ کو حکم ہوا ہے!" یعنی ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ؕ ﴾ اور ﴿ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ ﴾ پھر حکم ہوا : ﴿ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِيْنِىْ ﴾ کہہ دیجئے اے محمدؐ! (ﷺ) مجھے تو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے مَیں اس کے فرمان کے سامنے سر جھکاؤں۔ سب سے پہلے مَیں اس کا فرماں بردار بنوں۔ اور کہہ دیجئے کہ مَیں تو اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرتا ہوں اور کروں گا ـــــ یہاں انشائیہ اسلوب میں آپؐ سے فرمایا جا رہا ہے : ﴿ وَاسْتَقِمْ

---

لے دعوتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے انقلابی پہلو اور ان کے جملہ مراحل کی تفہیم کے لئے محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے اس درسِ قرآن اور خطاب کا مطالعہ ان شاء اللہ نہایت مفید رہے گا جو "مسلمانوں کے فرائض دینی اور اسوۂ رسول ﷺ" کے نام سے کتابی شکل میں موجود ہے۔ (مرتب)

كَمَآ اُمِرْتَ ﴾ "پس آپ ڈٹے رہئے' مستقیم رہئے اس پر جو آپ کو حکم ہوا ہے۔"
____ یعنی مخالفت تو ہے' دباؤ پڑ رہا ہے' اس میں کوئی شک نہیں' آپ کے لئے مصائب کے بڑے بڑے طوفان آتے نظر آتے ہیں' یہ سب صحیح ہے' لیکن آپ نے کھڑے رہنا ہے اور جمے رہنا ہے۔

مکّی دَور کی سورتوں میں آپ کو نظر آئے گا کہ اس استقامت کے لئے آنحضور ﷺ کو بار بار صبر کی تلقین و وصیت کی جا رہی ہے۔ اور آنجناب ؐ کے توسّط سے یہ تلقین اہلِ ایمان کو بھی ہو رہی ہے۔ سورۃ المدّثر میں فرمایا گیا : ﴿ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴾ "(اے محمدؐ!) اپنے رب کے راستے کی دعوت میں پیش آنے والی مشکلات پر صبر کیجئے۔" سورۃ الاحقاف میں فرمایا گیا : ﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ﴾ "صبر کیجئے (اے محمد ﷺ) جیسے ہمارے اولوالعزم پیغمبر صبر کرتے آئے ہیں۔" سورۃ النحل میں فرمایا گیا : ﴿ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ "(اے محمدؐ!) صبر کیجئے! اور آپ کا سہارا بس اللہ ہی ہے۔" یعنی صبر کے لئے بھی کوئی سہارا درکار ہے تو آپؐ کا سہارا ہم خود ہیں' آپؐ کے صبر کی بنیاد ہم سے تعلق اور محبّت ہے۔ سورۃ القلم میں فرمایا گیا : ﴿ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ﴾ "پس (اے محمدؐ!) صبر کیجئے' اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جایئے گا۔" یہاں صاحب الحوت سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے ذرا جلدی کی تھی' عجلت کا مظاہرہ کیا تھا' اس کے علاوہ اور کچھ نہیں' معاذ اللہ کسی گناہ کا کوئی سوال نہیں۔ کسی نبی سے کسی گناہ کا صدور نہیں ہو سکتا۔ ہوا یہ تھا کہ دین کی حمیت و غیرت اتنی غالب آگئی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کئے بغیر اپنی قوم سے ان کے کفر پر اڑے رہنے کے باعث متنفر اور مایوس ہو کر اس قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ یہاں یہ فرمایا گیا کہ ایسا نہ کیجئے گا! سورۃ المزّمّل میں فرمایا گیا : ﴿ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴾ "(اے نبیؐ!) صبر کیجئے اس پر جو کچھ یہ مشرکین کہہ رہے ہیں اور ان سے بہتر اور احسن طریق سے کنارہ کشی اختیار کیجئے۔" نقل کفر' کفر نہ باشد' دعوتِ توحید پیش کرنے کے نتیجے میں مشرکین میں سے کوئی آپ کو پاگل کہہ رہا ہے' کوئی کہہ رہا ہے کہ دماغ خراب ہو گیا ہے' کوئی شاعر کہہ رہا ہے' کوئی ساحر کہہ رہا ہے اور کوئی

کہہ رہا ہے کہ ساحر بھی نہیں بلکہ مسحور ہیں' ان پر کسی نے جادو کر رکھا ہے' یہ اس جادو کے زیرِ اثر ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ بھی نہیں ہے' آسیب زدہ ہیں' ان پر کوئی جن آگیا ہے' یہ مجنون ہیں۔ یہ ساری باتیں سن رہے ہیں جناب محمد ﷺ' اور حکم ہو رہا ہے کہ صبر کیجئے اس پر کہ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں! : ﴿ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ ﴾ پھر آنحضور ﷺ کو تسلی اور تشفی بھی دی جا رہی ہے۔ سورۃ القلم میں فرمایا گیا : ﴿ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ ﴾ "ن۔ قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں' آپؐ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔ اور یقیناً آپؐ کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے اور (اے نبیؐ!) تحقیق آپؐ اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہیں" —— لہٰذا ان مشرکین کی باتوں کا اثر نہ لیجئے!

یہ ہے سارا پس منظر جس میں حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے : ﴿ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ﴾ —— دباؤ کتنا ہی سخت ہو' مخالفت کتنی ہی شدید ہو' استہزاء اور تمسخر کتنا ہی دل آزار اور اذیت ناک ہو' حالات کتنے ہی ناموافق و ناسماعد ہوں' ماحول کتنا ہی ناسازگار ہو' اے نبیؐ! آپؐ کو عبادتِ رب' دعوتِ الی اللہ اور اقامتِ دین کی جدّوجُہد اور سعی و جہاد کا جو حکم ہوا ہے' اس پر جمے رہیئے' ڈٹے رہیئے۔ سورۃ حٰم السجدۃ کی آیت ۳۰ میں استقامت کا ذکر آ چکا ہے۔ فرمایا : ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ ﴾ اس لفظ استقامت میں ایک قیامت مضمر ہے۔ کہو کہ ہمارا رب اللہ ہے' اور اس پر چٹان کی مانند جم جاؤ۔ اب کوئی طوفان کتنا ہی سخت اور شدید آئے تمہارے قدموں میں جنبش اور لغزش پیدا نہ کر سکے۔ لہٰذا قولی اور عملی ہر نوع کی مخالفت کو اے محمدؐ! آپؐ جھیلئے۔ ﴿ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ﴾ کا یہی مطلب ہے۔

## مصالحانہ رویّہ کی ممانعت

اس آیت کے اگلے حصہ میں فرمایا :

﴿ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ ﴾

"اور (اے نبیؐ!) ان (مشرکوں اور کافروں) کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے۔"

قریش کے مشرک سرداروں نے جب یہ محسوس کیا کہ اس دعوتِ توحید کو روکنے میں ہر نوع کے استہزاء و تمسخر اور شدید جور و ستم کے باوجود ان کی کوششیں کامیاب نہیں ہو رہیں اور وہ نہ تو نبی اکرم ﷺ کو دعوتِ توحید سے روک سکے ہیں' نہ ان کے مظالم سعید لوگوں کو یہ دعوت قبول کرنے سے باز رکھ سکے ہیں اور نہ ہی دعوت قبول کرنے والے کسی شخص کو مصائب سے ہراساں کر کے دین چھوڑنے پر آمادہ کر سکے ہیں تو مشرکین کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کے پاس سفارتیں اور پیشکشیں آنی شروع ہو گئیں اور آپؐ کے سامنے مصالحت کا یہ فارمولا پیش کیا جانے لگا کہ کچھ ہم آپؐ کی بات مان لیتے ہیں کچھ آپؐ ہماری بات مان لیں۔ سورۃ القلم میں آغاز ہی میں یہ فرما دیا گیا تھا کہ : ﴿ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ○ ﴾ "پس (اے نبیؐ!) آپؐ ان جھٹلانے والوں کے دباؤ میں ہرگز نہ آئیں! یہ تو چاہتے ہیں کہ آپؐ کچھ ڈھیلے پڑیں' کچھ مداہنت کریں تو یہ بھی ڈھیلے پڑیں اور مداہنت کا رویہ اختیار کر لیں۔" انہوں نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ آپؐ کے قدموں میں ذرا سی بھی لغزش نہیں آئی اور یہ پورا زور لگا کر بھی آپؐ کو پیچھے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اب یہ چاہتے ہیں کہ مصالحت ہو جائے' کچھ مان لیجئے کچھ منوا لیجئے give and take کا معاملہ کر لیجئے' کچھ دیجئے کچھ لیجئے' ہماری بھی کچھ عزت رہ جائے۔ ساری کی ساری بات آپ کی مان لی جائے یہ ممکن نہیں ہے۔ آپؐ کو پیش کش کی گئی کہ اگر اس دعوتِ توحید کے ذریعے آپ کو دولت درکار ہے تو اشارہ کر دیجئے ہم دولت کے انبار آپؐ کے قدموں میں لگا دیں گے' اگر آپ اقتدار چاہتے ہوں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنانے کے لئے تیار ہیں' اگر آپؐ کسی خاص خاتون سے نکاح کرنے کی خواہش رکھتے ہوں تو اشارہ کر دیجئے وہاں نکاح ہو جائے گا۔

یہ ہوتا ہے دامِ ہم رنگِ زمیں۔ اللہ کی طرف بلانے والا اللہ کا بندہ شدید مشکلات اور مصائب میں گھرا ہوا ہے۔ حالات اتنے ناساعد اور ناموافق ہیں کہ بظاہر کہیں راستہ نکلتا نظر نہیں آ رہا۔ ان حالات کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے جس سے اُس وقت آنحضور

ﷺ اور اہلِ ایمان دو چار ہیں۔ اُس وقت ایسی ایسی پیشکشیں آتی ہیں تو نفس تو کہتا ہے کہ قبول کرلو' چلو اس وقت یہ سو فیصد نہیں مانتے' پچاس فی صد ماننے کے لئے تیار ہیں' اسی کو غنیمت سمجھ کر مصالحت کرلی جائے' رفتہ رفتہ اِن کو رام کرلیا جائے گا اور پورے دین پر عمل پیرا ہونے کے لئے ان کو آمادہ کرلیا جائے گا۔ لیکن حکم یہ دیا جارہا ہے کہ نہیں' ڈٹے رہیئے' دین کل کا کل قبول کریں تو ٹھیک ہے۔ جزوی دین' دین ہے ہی نہیں۔ اسی لئے یہاں فرمایا گیا : ﴿ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ﴾ ان ہی احکامِ الٰہی کے پیشِ نظر مشرکین کی دامِ ہم رنگِ زمین پیشکشوں اور قتل کرنے کی دھمکیوں کے جواب میں نبی اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلے جو تاریخ میں آبِ زر سے لکھے جائیں تو بھی اِس جواب کی شان کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نے مشرکین کو جواب دیا :

> "اگر تم میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دو تب بھی مَیں اِس دعوت سے باز نہیں آسکتا۔ یا تو میں اس دعوت کی تبلیغ میں اپنی جان دے دوں گا یا اللہ اس کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے گا۔"

یہ تھی اس حکم کی عملی اور قولی تعمیل کہ ﴿ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ﴾ علامہ اقبال نے اس بات کو بڑی خوبصورتی سے اس شعر میں ادا کیا ہے ؎

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول!

یہی صورتِ حال مدینہ منورہ میں بھی پیش آگئی تھی۔ وہاں بھی یہود کے علماء کا مطالبہ یہی تھا کہ کچھ لیجئے کچھ دیجئے' کچھ ہماری باتیں مانئے کچھ ہم آپؐ کی باتیں مان لیں گے۔ اسی پس منظر میں سورۃ البقرۃ میں' جو مدنی سورت ہے' فرمایا گیا : ﴿ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ﴾ "(اے نبیؐ!) یہ یہود و نصاریٰ آپؐ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک آپؐ ان کی ملّت (طور طریقوں) کا اتباع نہ کریں"۔ یہ تو اپنے تعصّب اور اپنی عصبیت کی وجہ سے اپنی بات پر اَڑے ہوئے ہیں۔ یہ آپؐ سے کبھی راضی نہ ہوں گے۔ آپؐ اگر انہیں کچھ رعایتیں دینے پر آمادہ ہو جائیں تب بھی یہ آپؐ سے کبھی

راضی نہ ہوں گے۔ اصل مسئلہ تو ہے دینی قیادت کا۔ آپؐ ان کے پیچھے چلیں تب یہ خوش ہوں گے۔ یہ اہل کتاب اچھی طرح جانتے تھے کہ آپؐ بحیثیتِ رسول دین کے معاملہ میں کسی مصالحت کے لئے تیار ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ اس لئے ان کی مصالحانہ پیش کش بھی اخلاص و خلوص پر مبنی نہیں ہوتی تھی' بلکہ اس لئے ہوتی تھی کہ اپنے عوام اور حلقۂ اثر کو یہ مغالطہ دیں کہ ہم تو مصالحت کی برابر کوشش اور پیشکش کر رہے ہیں' لیکن محمدؐ (ﷺ) ہی اپنے موقف پر بضد ہیں۔ قرآن حکیم نے ان اہل کتاب کے نفاق کو مختلف اسالیب سے فاش کیا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۵ طویل آیتوں میں سے ایک ہے۔ اس میں پہلے تو ان اہلِ کتاب کے اُن جرائم کا ذکر کیا گیا ہے جو وہ اپنی کتاب اور اپنی شریعت کی خلاف ورزیوں کے طور پر کرتے تھے۔ جو کام خود اُن کی شریعت میں حرام تھے اُن کا ارتکاب کرتے تھے' پھر بھی اس بات کے دعوے دار تھے کہ ہم شریعتِ موسوی پر کاربند ہیں' اس پر کامل ایمان رکھتے ہیں ـــــ ان کے چند جرائم گنوا کر فرمایا گیا :

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

"تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دُنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں۔ اللہ اِن حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔"

آیت کا یہ حصہ یہود کے اس طرزِ عمل کی مکمل عکاسی کرتا ہے جو انہوں نے اللہ کی شریعت کو حصوں میں تقسیم کر کے اختیار کیا ہوا تھا۔ وہ اِس جرم کا ارتکاب کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے کچھ حصوں پر عمل کرتے تھے اور کچھ حصوں کو چھوڑ دیتے تھے' یا اُن کے بالکل خلاف عمل کرتے تھے۔ گویا ان کی اطاعت اخلاص و خلوص سے خالی تھی۔ اس میں ملاوٹ شامل ہو گئی تھی۔ اس میں نفس کی چاہت اور خواہشات کا

پیروی کی آمیزش ہو گئی تھی۔ اس طرزِ عمل میں آیت کے اس حصے میں جو سخت وعید آئی ہے وہ لرزا دینے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین و شریعت کے ساتھ جو بھی یہ معاملہ کرے گا ایک طرف اللہ کی توحید' اس کی کتاب اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لانے کا دعویٰ ہو' دوسری طرف اس کے دین اور اس کی شریعت کے ساتھ یہ معاملہ ہو کہ کچھ حصے پر عمل ہو اور کچھ حصے کو چھوڑ دیا جائے یا اس کے برخلاف عمل کیا جائے' تو اس اُمّت کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ وہی معاملہ کرے گا جو سابقہ اُمّت کے ساتھ کیا گیا ہے : ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا﴾ (فاطر : ۴۳) آج ہم بحیثیتِ اُمّت دُنیا میں ذلیل و خوار ہیں' ہمارا کوئی وقار نہیں' ہماری کوئی وقعت نہیں۔ یہ نقد سزا ہے جو ہم کو دُنیا میں مل رہی ہے اس جرم کی کہ ہم نے بھی یہود کی طرح دین و شریعت کو اجزاء میں تقسیم کر رکھا ہے۔ مسجدوں میں تو اللہ کا حکم چلے اور عدالتوں میں' اسمبلیوں میں' معاشیات میں' معاشرت میں' ملک کے مجموعی اور اجتماعی نظام میں اللہ کے احکام بے دخل رہیں ـــــ ان چند جملہ ہائے معترضہ کے بعد اصل مضمون کی طرف آیئے۔ نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ ﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ﴾ اور منع فرمایا جا رہا ہے کہ ان منکرینِ حق کی خواہشات کی ہرگز پیروی نہ کیجئے گا۔ دراصل اس اسلوب میں ان کفّار اور مشرکین کو متنبّہ کرنا مقصود ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ سے یہ توقّعات نہ رکھو کہ وہ تمہاری خواہشات کی پیروی کریں گے۔ یہ سب مفاہیم و معانی آیت کے اس چھوٹے سے ٹکڑے میں سموئے ہوئے ہیں کہ : ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ﴾

## ایمان بالکتب

قرآن مجید کا یہ اعجاز دیکھئے کہ وہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں نہایت جامعیت کے ساتھ نہایت اہم مضامین و موضوعات کا احاطہ کر لیتا ہے۔ کوزے میں سمندر بند کرنے کا محاورہ اگر صد فی صد راست آتا ہے تو وہ قرآن مجید کی ہر آیت پر راست آتا ہے۔ اب اسی آیت کا اگلا حصہ پڑھئے اور دیکھئے کہ ایک بات ڈنکے کی چوٹ کہنے کا نبی اکرم ﷺ کو حکم ہو رہا ہے۔ فرمایا :

﴿ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ﴾

"اور (اے نبیؐ!) کہہ دیجئے کہ میں تو ایمان رکھتا ہوں اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی ہے۔"

یہاں توقف کرکے پہلے "مِنْ کِتَابٍ" کی کچھ شرح سمجھ لیجئے۔ یہاں "مِنْ کِتَابٍ" فرما کر یہ بات واضح کی گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ صرف قرآن کریم ہی کو منزل من اللہ تسلیم نہیں فرماتے تھے' بلکہ ہر آسمانی کتاب کو ماننے کا اقرار فرماتے تھے' ازروئے الفاظ قرآنی ﴿ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ اسی بات کو سورۃ البقرۃ کے آخری رکوع میں اس طرح واضح فرمایا گیا ہے : ﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ﴾ "ہمارے یہ رسول (محمد ﷺ) اس ہدایت یعنی قرآن پر ایمان لائے ہیں جو اُن کے رب کی جانب سے اُن پر نازل کی گئی ہے اور وہ بھی ایمان رکھتے ہیں جنہوں نے ہمارے رسولؐ کی تصدیق کی ہے۔ یہ سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی طرف سے نازل کردہ تمام کتابوں پر اور اس کی طرف سے مبعوث کئے جانے والے تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں" —— اور ہمارے رسولؐ اور اُن کے اصحاب کا قول یہ ہے : ﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ﴾ "ہم اللہ کے رسولوں کے مابین تفریق نہیں کرتے۔" مطلب یہ ہوا کہ تورات' زبور' انجیل اور دوسرے صحیفے جو بھی اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ان سب پر بھی اور قرآن پر بھی ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ قرآن مجید درحقیقت تمام آسمانی کتابوں کا مہیمن و مصدق ہے۔ پہلی کتابیں محرف ہو گئیں' صحیفے گم ہو گئے۔ قرآن ان سب کا جامع ہے اور تاقیامِ قیامت محفوظ رہے گا۔ اسی طرح حضور ﷺ خاتم النبیّین والمرسلین ہیں اور اللہ کے تمام رسولوں کی تصدیق خاتم النبیّین والمرسلین بھی اور آپؐ کے صحابیؓ بھی کرتے ہیں۔

آیت ۱۴ میں لفظ کتاب آ چکا ہے : ﴿ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴾ بظاہر یہ کتاب کے ماننے والے ہیں' بظاہر یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا ایمان تورات پر ہے' لیکن ان کا یقین متزلزل ہو چکا ہے۔ اپنے دینی سربراہوں کا کردار دیکھ کر' ان کے رویّہ کو دیکھ کر' ان کے تفرقے کو دیکھ کر ان کتابوں پر سے ان کا اعتماد اُٹھ

بیٹھا ہے' ان کا ایمان مل چکا ہے۔ اس کے مقابلے میں یہاں نبی اکرم ﷺ کی زبان سے کہلوایا جا رہا ہے۔ ﴿ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ﴾ میرا ایمان تو اس کتاب پر ہے جو اللہ نے نازل فرمائی ہے' اور میرا سارا عمل اس کے مطابق ہے' میں تو اس پر جما ہوا ہوں۔

## قرآن میں تبدیلی کا مطالبہ

سورۂ یونس میں مشرکین کے اس مطالبہ کا حوالہ آیا ہے جو وہ قرآن میں تغیّر و تبدّل کے لئے کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اگر یہ ہو جائے تو ہماری اور آپ کی صلح ہو سکتی ہے۔ سورۂ یونس میں فرمایا :

﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ ﴾

"اور جب انہیں ہماری روشن اور بیّن آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو آخرت میں ہم سے ملنے کا یقین نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ اس کے بجائے کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا اسی میں ردّوبدل کر دو"۔

ان کا کہنا یہ تھا کہ یہ قرآن بہت rigid ہے' یہ بالکل بے لچک ہے' اس کا موقف بہت سخت ہے' آخر دوسروں کو بھی accomodate کیا جانا چاہئے' مصالحانہ رویّہ (compromising attitude) بھی تو ہونا چاہئے' لہٰذا کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا پھر اسی میں تغیر و تبدّل کرو' کچھ اس کی سختی کم کرو اور اسے نرم بناؤ۔ جواب کیا دلوایا گیا :

﴿ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ ﴾

(آیت : ۱۵)

"(اے نبی!) کہہ دیجئے کہ میرے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ میں اپنے جی سے اس میں کوئی تغیر و تبدّل کروں۔ میں تو خود اسی کے اتباع پر مامور ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے ہولناک عذاب کا خوف ہے۔"

یعنی اگر یہ باتیں میں اپنے جی سے کہہ رہا ہوتا' یہ میرے اپنے نظریات ہوتے' میرا اپنا کوئی پروگرام ہوتا' کوئی پارٹی منشور ہوتا جس کو چند لوگوں کی مشاورت سے بنایا گیا ہوتا تو میں اس میں ترمیم و تنسیخ کر سکتا تھا۔ کوئی ردوبدل ہو سکتا تھا' لیکن یہ اللہ کا کلام ہے' اُس کے فرامین ہیں جو میں تمہیں پڑھ کر سنا رہا ہوں۔ ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾ مجھے تو حکم ملا ہے کہ اللہ کا پہلا فرماں بردار میں خود بنوں۔ چنانچہ اللہ کے احکام کے سامنے سر جھکانے والا اور اس کی فرماں برداری کرنے والا سب سے پہلے میں خود ہوں۔ اس لئے میرے لئے یہ کہاں ممکن ہے کہ قرآن مجید میں کوئی تبدیلی کر سکوں۔ معاذ اللہ ' ثم معاذ اللہ ـــــ یہی تو بات تھی کہ سورۃ الزمر کے آخر میں کس قدر جلالی انداز ہے کہ : ﴿ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ ﴾ "(اے نبی!) کہہ دیجئے کہ جاہلو! کیا تم مجھے بھی حکم اور مشورہ دے رہے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی اور پرستش شروع کر دوں"۔ اے حرص و ہوا کے بندو! مجھے اپنے اوپر قیاس نہ کرو' مجھے مصلحتوں کے راستے نہ دکھاؤ۔ میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ کی بندگی کے سوا کوئی اور راستہ اختیار کروں۔ مجھے تو حکم ملا ہے : ﴿ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ ﴾ میں اللہ ہی کی بندگی اور پرستش کرتا رہوں اور اس کے شکر گزار بندوں میں شامل رہوں۔ وہی حکم یہاں ہے کہ : ﴿ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ ﴾

## نظامِ عدل و قسط کا قیام

اب آگے اس آیت کریمہ کا نہایت اہم حصّہ آ رہا ہے۔ سورۂ شوریٰ کی آیت ۱۵ طویل آیات میں سے ایک ہے اور اس آیت کے ہر حصّہ میں معانی و مفاہیم کے سمندر پنہاں ہیں۔ اب اگلے حصّہ پر توجہات کو مرتکز کیجئے۔ فرمایا :

﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۚ ﴾

"اور مجھے حکم ملا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں۔"

یہ حصّہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی صحیح تفسیر و تعبیر یہ ہے کہ "دین اللہ" درحقیقت اجتماعی نظام عدل و قسط ہے۔ دین اللہ قائم کرنے کا مقصد کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ

انسانوں کے مابین عدل و قسط اور انصاف کا نظام قائم ہو۔ تمدن کی جو بھی پیچیدگیاں اور اونچ نیچ ہے' ان سب کو رفع کر کے ایک مبنی بر انصاف نظام قائم ہو۔ معاشرے کے کسی فرد کے بھی حقوق تلف نہ ہوں۔ معاشرے کا کوئی طبقہ کسی دوسرے طبقہ کا استحصال نہ کر سکے۔ عورت اور مرد کے درمیان مبنی بر انصاف توازن ہو۔ سرمایہ اور محنت کے درمیان مبنی بر قسط و عدل توازن ہو۔ فرد اور معاشرے کے درمیان توازن ہو اور یہ توازن بھی عدل و قسط پر مبنی ہو۔ ان تمام اعتبارات سے عدل و قسط قائم کرنا ہی شریعت کا منشاء و مدعا ہے۔ اس بات کو مزید سمجھنے کے لئے سورۃ الحدید کی پچیسویں آیت دیکھئے' جس کے آغاز میں فرمایا :

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ ﴾

"بلاشبہ ہم نے اپنے رسولوں کو بینات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ عدل و قسط پر قائم ہو جائیں۔"

یہ قرآن حکیم کی بڑی مہتم بالشان آیتوں میں سے ایک ہے۔ اس میں رسولوں کی بعثت اور ان کو معجزات اور واضح و روشن دلائل دیئے جانے کا مقصد بھی بیان ہوا ہے اور کتب نیز ساتھ ہی میزان یعنی شریعت کے نزول کی غایت بھی واضح طور پر بیان کر دی گئی ہے۔ ان تمام کی غرض و غایت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ بنی نوع انسان عدل و قسط پر قائم ہوں ﴿ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ ﴾ ایک ایسا اجتماعی نظامِ حیات نافذ اور جاری و ساری ہو جو مبنی بر عدل و قسط اور انصاف ہو۔ جس پر کاربند ہو کر کوئی کسی کا خون نہ چوسے' کوئی کسی کا استحصال نہ کرے' کوئی کسی کو ناجائز طور پر دبائے نہیں' کوئی کسی پر ظلم نہ کرے' کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ کوئی کسی پر جور و ستم اور دست درازی نہ کرے۔ لہٰذا صرف دین اللہ اور المیزان یعنی شریعت الٰہی کے ذریعے انسان کو وہ معیارِ حق و باطل مل سکتا ہے جو ٹھیک ٹھیک تول کر بتا دے کہ انسانی معاشرے میں حقوق و فرائض کا توازن کیا ہے! نظریات و افکار میں حق کیا ہے اور باطل کیا ہے! اخلاق و معاشرت میں طہارت و

کی اساسات کیا ہیں! اس حیاتِ دُنیوی کا آخرت کی ابدی زندگی سے ربط و تعلق کیا ہے؟

## اظہارِ دین الحق

نبی اکرم ﷺ نے جزیرہ نمائے عرب میں بنفسِ نفیس بالفعل دین اللہ قائم ' غالب اور نافذ کر کے دکھا دیا۔ خلافتِ راشدہ میں اسی نظامِ عدل و قسط کے مزید خد و خال نمایاں ہوئے۔ اسی لئے اسے خلافت علیٰ منہاج النّبوۃ کہا جاتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر جب بیعتِ خلافت ہوئی تو آپؓ نے جو پہلا خطبہ دیا یعنی Policy Statement کا اعلان کیا تو اس میں اسی عدل و قسط کے نظام کی وضاحت میں فرمایا کہ "اے لوگو! میرے نزدیک تم سے ہر قوی کمزور ہو گا جب تک کہ میں اس سے حق وصول نہ کر لوں اور یہ کمزور میرے نزدیک قوی ہو گا جب تک کہ اس کا حق اسے دلوا نہ دوں" ـــــ پھر یاد کیجئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر کیا ارشاد فرمایا تھا جب اسلام کے نظامِ عدل و قسط کا جھنڈا عرب و عجم اور شمالی افریقہ کے وسیع علاقوں پر لہرانے لگا تھا اور اللہ کا کلمہ ہی سب سے بلند ہو گیا تھا کہ "عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ مضطرب اور بے چین کیے رکھتا ہے کہ اگر دجلہ یا فرات کے کنارے کوئی کُتّا بھوک سے ہلاک ہو گیا تو آخرت میں مجھ سے اس کی باز پرس ہو گی" ـــــ جس نظامِ عدل و قسط میں اس کا سربراہ بھوک سے ایک کُتّے کے ہلاک ہو جانے پر خوفزدہ اور ہراساں رہتا ہو' اندازہ لگائیے کہ انسان کے حقوق کی عدل و انصاف کے ساتھ پاسداری اور ادائیگی کا اس نظام میں کیا مقام ہو گا!!۔

یہاں ایک اور بات نوٹ کر لیجئے کہ قرآن حکیم کا یہ اسلوب ہے کہ اس میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور بیان ہوتے ہیں۔ سورۂ حدید میں تو تمام رسولوں کے ساتھ کتابوں اور میزان کے نازل فرمانے کی غایت اور اس کا مقصد بیان فرمایا گیا کہ ﴿ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ اسی سورۂ شوریٰ کی سترہویں آیت میں نبی اکرم ﷺ پر کتاب یعنی قرآن اور میزان شریعت کے نزول کا ذکر موجود ہے : ﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ ﴾[1]

---

[1] سورۂ شوریٰ کی آیت زیرِ درس میں تو حضور ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ ﴿ وَاُمِرْتُ ←

پس یہ دین اللہ ' یہ شریعت ' یہ میزان در حقیقت نظامِ عدل و قسط ہے۔ یہ عادلانہ و منصفانہ اجتماعی نظام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو عطا فرماتا رہا اور جس کا کمال و اتمام ہوا نبی اکرم ﷺ پر :

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (المائدۃ : ۳)

"آج (یعنی نبی اکرم ﷺ کے توسط سے آپؐ کے زمانہ بعثت میں) مَیں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام بطور دین (نظامِ حیات) قبول کر لیا ہے۔"

## کسی واعظ اور رسولؑ کی دعوت کا فرق

یہاں پر ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ﴾ کے ضمن میں ایک بات سمجھنے کی ہے کہ ایک ہوتا ہے واعظ۔ اس کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ وعظ کہا اور اگلی منزل کی طرف چل دیا۔ اگر کوئی پیشہ ور واعظ ہے تو اس کا اصل مقصود و مطلوب یہ ہوتا ہے کہ اس کے وعظ کی دھوم ہو ' اس کے زورِ خطابت کی سامعین داد دیں ' جہاں جائے لوگ نعروں سے استقبال کریں۔ وہاں گلے میں ہار پڑیں ' عمدہ سے عمدہ کھانا ملے ' بطور نذرانہ خدمت ہو جائے۔ پھر اگلی منزل ہے۔ وہاں بھی وعظ کہا ' مطلوب حاصل کیا ' پھر اگلی منزل ہے —— لیکن ایک وہ شخص ہے جو کھڑا ہو جاتا ہے اور منادی کرتا ہے کہ میں وعظ کہنے نہیں آیا ' نظامِ عدل و قسط قائم کرنے آیا ہوں ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ﴾* —— اب تو زمین و آسمان کا فرق واقع ہو گیا۔ ناجائز طور سے کمائی کرنے والے اور حرام خوری کرنے والے لوگ اپنی حرام اور ناجائز طریقے سے کمائی ہوئی دولت میں سے کسی واعظ کو نذرانے کے طور پر

---

* لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ﴾ سورۂ نساء کی آیت ۵۸ میں تمام اہل ایمان سے فرمایا گیا : ﴿ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾ "(اے مسلمانو!) جب بھی تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو"۔ اسی طرح سورۂ نحل کی آیت ۹۰ کے آغاز میں نہایت تاکیدی اسلوب سے فرمایا گیا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ .. ﴾ "(اے مسلمانو!) اللہ تمہیں عدل اور بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہے..." (مرتب)

کچھ دے دیں' خوب مرغن کھانا کھلا دیں' ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔ نظام تو وہی رہے گا' نظام پر کوئی آنچ تک نہیں آنے پائے گی اور یہی تو وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ظالمانہ نظام' ہمارے تشدد' ہمارے استحصال' ہمارے دباؤ' ہمارے مشرکانہ یا مبتدعانہ عقائد' ہمارے جاہلیت پر مبنی رسم و رواج اور ہماری حرام خوریوں پر آنچ نہیں آنی چاہئے ـــــ ان پر نکیر نہ ہو' ان کو چیلنج نہ کیا جائے۔ نذرانے لے لو' چڑھاوے چڑھوالو' کوئی اور خدمت ہے تو بتاؤ' حاضر ہیں۔ چندے لینے ہیں' حاضر ہیں۔ مگر ہمارے نظام کو مت چھیڑنا۔

لیکن جہاں بات یہ آ جائے کہ ﴿ أُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ﴾ میں صرف وعظ کہنے نہیں آیا ہوں۔ میں نظامِ عدل و قسط قائم کرنے آیا ہوں' مَیں مامور من اللہ ہوں' مجھے تو اس کا حکم ملا ہے تو ظاہر ہے کہ جو لوگوں کا طرح طرح سے خون چوس رہے ہیں وہ تو مخالفت کریں گے۔ جن کے مفادات پر زد پڑتی ہو' آنچ آتی ہو وہ کسی طور اس کو برداشت نہیں کر سکتے کہ ایک غلط اور ظالمانہ نظام کا جو ناجائز انتفاع ہے اور جو Vested Interest ہے وہ ختم ہو جائے۔ یہ بات ان کے لئے ہرگز قابل قبول نہیں ہو گی اور وہ اس سے کبھی بھی دست بردار ہونے کے لئے آمادہ نہیں ہوں گے۔ ایسا نہیں ہو گا کہ وہ آپ کو موقع دے دیں' walk over دے دیں کہ چلئے آپ نظامِ عدل و قسط قائم کر دیں۔ وہ تو مزاحمت کریں گے' مخالفت کریں گے' اس دعوت کو کچلنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے۔ عدل قائم کرنے کا کیا مطلب ہے؟ یہی کہ جن لوگوں کو ناجائز مراعات حاصل ہیں وہ ان سے چھین لی جائیں۔ لہٰذا اب تصادم ہو گا' اب لڑائی ہو گی' اب مقابلہ ہو گا' اب حزبُ اللہ اور حزبُ الشّیطان آمنے سامنے آئیں گے۔ اب مقاتلہ طے کرے گا کہ کون اپنے موقف میں سچا اور مخلص تھا' کون اس کے لئے کتنی قربانیاں دینے کے لئے تیار تھا! اب تو فیصلہ اس طور پر ہو گا۔

پس یہ چیزیں بڑی مختلف ہیں۔ ایک وعظ کی بات ہے' عقیدے کی دعوت ہے' اس کی تبلیغ ہو رہی ہے' جیسے عیسائی مشنریز۔ نظام سے ان کو کوئی غرض نہیں' کوئی تعرض نہیں' اس پر کوئی تنقید و نکیر نہیں' تمہارا جو نظام ہے رکھو' ملوکیت ہے تو رہے' ہمیں اس سے کیا لینا ہے' کوئی قوم دوسری قوم پر مستبدانہ طور پر مسلط ہے تو ہمیں اس سے کوئی

سروکار نہیں، ہمیں تو اپنے عقیدے کو پھیلانا ہے۔ وہ بھی اکثر و بیشتر خیراتی اور رفاہی کاموں کے ذریعے سے پھیلایا جاتا ہے کہ معاشرے کے گرے پڑے طبقات میں کہیں دودھ اور گھی کے ڈبے بانٹ دیئے، کہیں بسکٹ اور اسی نوع کی دوسری چیزیں تقسیم کر دیں۔ کہیں ان کے علاج و معالجہ کے لئے ہسپتال قائم کر دیئے۔ کہیں ان کی تعلیم کے لئے مشنریز اسکول اور کالج کا انتظام کر دیا اور ان طور طریقوں سے ان کے ذہنوں میں اپنا عقیدہ داخل کر دیا۔ باقی اللہ اللہ خیر صلّا۔ ان کے پاس نہ کوئی نظام ہے نہ شریعت، محض عقیدہ ہے یا چند رسوم (rituals)۔ ان کا کام اس پر ختم ہو جاتا ہے کہ پہلے کسی کا نام عنایت اللہ یا کرشن چندر تھا تو ان کے نام عنایت مسیح اور کرشن مسیح میں تبدیل کرا دیئے اور مردم شماری میں ان کا نام و مذہب بدلوا کر ان لوگوں کو مطمئن کر دیا جو اوپر بیٹھے اس کام کے لئے اربوں ڈالر سے بھی زیادہ رقوم کے سالانہ بجٹ فراہم کرتے ہیں۔ تو یہ تبلیغ انقلابی تبلیغ نہیں ہے۔ انقلابی تبلیغ تو وہ ہے جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے فرمائی۔ آنحضور ﷺ نے ڈنکے کی چوٹ اعلان فرمایا ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ﴾ "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں"۔ میں تمہارے مابین عدل قائم کرنے آیا ہوں۔ میں مامور من اللہ ہوں۔ میری بعثت کا تکمیلی مقصد یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دین اور میزان (شریعت) قائم کروں، اللہ کا نازل کردہ وہ نظامِ عدل و قسط بالفعل قائم کر دوں کہ جس سے حق دار کو اس کا مکمل حق مل جائے، حق بحق دار رسید!! کوئی شخص اور کوئی طبقہ کسی کے حقوق پر دست درازی نہ کر سکے۔ کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے۔ وہ نظام جو ظالم کا ہاتھ پکڑ لے اور مظلوم کی داد رسی کرے۔ وہ نظام جو عدوان، جور و ظلم اور استحصال سے پاک و صاف نظام ہو ــــــ میں محض واعظ بن کر نہیں آیا ہوں۔

آیت کے اس چھوٹے سے ٹکڑے میں دعوتِ محمدؐی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا انقلابی پہلو کوزے میں سمندر کی مانند سمویا ہوا ہے۔ سیرتِ محمدؐی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہ انقلابی پہلو عموماً لوگوں کی نگاہوں کے سامنے نہیں ہے، حالانکہ آنحضور ﷺ کی بعثت کی امتیازی شان ہی اللہ کی کبریائی اور اس کی حاکمیت پر مبنی نظامِ عدل و قسط کا قیام اور اس کا غلبہ ہے۔ بالکل آغاز ہی میں آنحضور ﷺ اس منصب پر فائز فرمائے گئے تھے۔

سورۃ المدّثر کی ابتدائی تین آیات ذہن میں لایئے جو اکثر مفسرین کے نزدیک تیسری وحی ہے : ﴿ یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ ﴾ یہی بات سورۃ الفتح، سورۃ التوبہ اور سورۃ الصف میں بایں الفاظ فرمائی گئی : ﴿ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ ﴾ دُنیا میں جو بھی نظام ہائے اطاعت رائج ہیں ان سب پر اللہ کے دین کو غالب کرنا آنحضور ﷺ کا فرضِ منصبی ہے۔ اپنی حیاتِ طیبہ میں آپؐ نے بنفسِ نفیس جزیرہ نمائے عرب میں بالفعل یہ نظام قائم کر کے اور چلا کے دکھایا۔ اسی انقلابی نظریہ اور دین کو خلافتِ راشدہ میں اُس وقت کی معلوم و مہذّب دُنیا کے بڑے حصے پر غالب کر دیا گیا ـــــ اسی بات کو نبی اکرم ﷺ سے آیت زیر مطالعہ کے اس حصہ میں سے کہلوایا گیا ہے : ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ﴾

## حجّت بازی سے کنارہ کشی کا اصل الاصول

حضور ﷺ سے فرمایا گیا کہ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ یعنی مشرکین کی شدید ترین مزاحمت اور اہلِ کتاب کی بد ترین مخالفت کے باوجود آپؐ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت پر مبنی اقامتِ دین کی دعوت دیتے رہیے۔ ان معاندین کی طرف سے جو تشدد اور تعدّی ہو رہی ہے اس پر صبر کیجئے اور اپنے موقف پر مستقیم رہیے، جمے رہیے۔ ان کی خواہشات کی قطعاً پروانہ کیجئے اور ان سے کہہ دیجئے کہ میں تو اس کتاب پر ایمان رکھتا ہوں جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور کہہ دیجئے کہ ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ﴾ اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔ اسی سلسلۂ کلام میں آگے فرمایا :

﴿ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ۝ ﴾

"(اے نبی کہہ دیجئے) اللہ ہی ہمارا رب ہے اور تمہارا رب بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ ہمارے درمیان کوئی حجت بازی اور کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہم سب کو ایک روز جمع کرے گا اور اُسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔"

یہ بات کس سے کہی جا رہی ہے! مشرکین سے بھی اور خاص طور پر اہلِ کتاب سے

جن کا ذکر ما قبل آیت میں آچکا ہے ـــــ لہٰذا قریب تر وہی ہیں۔ ویسے بھی توحید کا وہ اقرار کرنے والے' نبوت و رسالت سے وہ واقف' نبی آخرالزماں ﷺ کے ظہور و بعثت کے وہ منتظر۔ پھر بھی وہ مخالفت میں پیش پیش۔ اسی لئے ان سے خطاب کر کے سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا :

﴿ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ ﴾

"اور ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو ہم نے (محمد ﷺ) پر نازل کی ہے اور جو اُس کتاب کی تصدیق و تائید کرتی ہے جو تمہارے پاس پہلے سے موجود ہے۔ لہٰذا تمہارے لئے یہ بات ہرگز مناسب نہیں بلکہ جائز نہیں کہ تم ہی سب سے پہلے اس کا انکار کرنے والے بنو۔"

تمہارے پاس تورات ہے' جو هُدًى وَّنُوْرٌ ہے۔ اس کے باوجود تم ہمارے رسولؐ کا راستہ روکنے کی کوشش کر رہے ہو' مشرکینِ مکہ کی پیٹھ ٹھونک رہے ہو' ان کو حجت کے لئے مواد فراہم کر رہے ہو' ان کو ہمارے نبیؐ سے طرح طرح کے سوالات کرنے اور الجھنے کی ترکیبیں سکھا رہے ہو ـــــ سن رکھو کہ اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ معقول دلائل سے حق تم پر واضح ہو چکا ہے۔ اب ہمارے اعمال کا نتیجہ ہمیں ملے گا اور اپنے اعمال کا نتیجہ تم بھگتو گے ـــــ ہمارے مابین کسی حجت بازی اور کج بحثی کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم توحید پر کاربند ہو اور دین ہی کے لئے کام کر رہے ہو تو اللہ عالم الغیب ہے' وہ فیصلہ فرما دے گا۔ اگر خلوص سے ہم توحید پر عمل پیرا ہیں اور اس کے دینِ توحید کو ایک نظام حیات کی حیثیت سے قائم کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں تو ہم اللہ سے اجر پا لیں گے ـــــ ہم تمہارے اعمال کا اجر نہیں لے سکتے اور تم ہمارے اعمال کا اجر نہیں پا سکتے۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مسئول و ماجور ہو گا۔ از روئے الفاظ قرآنی :

﴿ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴾ (المدثر : ۳۸)

"ہر ذی نفس اپنی کمائی کے عوض اللہ کے ہاں رہن ہے۔"

جو نیکی یا بدی وہ کمائے گا اسی کے مطابق اسے بدلہ مل کر رہے گا ـــــ اللہ تعالیٰ نے

آسمانوں اور زمین کو بالحق تخلیق فرمایا ہے تاکہ آخرت میں ہر متنفس کو اس کی اس دُنیا میں کمائی کا پورا بدلہ دیا جائے۔ وہاں لوگوں پر ہرگز ظلم نہیں کیا جائے گا۔ کسی کی حق تلفی نہیں ہو گی۔

## ہمارے لئے عظیم رہنمائی

اُمّت کی تاریخ پر چودہ صدیوں کا زمانہ بیت گیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اُمّت میں مختلف فرقے موجود ہیں۔ لوگ اس بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں بہتّر (۷۲) فرقوں کا ذکر آیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہاں بہتر کی تعداد کثرت کے لئے آئی ہے' ورنہ اتنے فرقے موجود نہیں رہے۔ مشہور فرقے تو سُنّی' شیعہ' خارجی اور معتزلہ رہے ہیں۔ ان میں بھی سُنّی اور شیعہ اصل فرقے ہیں جن کے مابین قریباً ساڑھے چودہ سو برس سے مسلسل کشمکش چلی آ رہی ہے' کیونکہ ان کے مابین نہایت بنیادی' اصولی اور اساسی (fundamental) اختلافات ہیں۔ مثلاً خلافت کا تصور اور امامت کا تصور ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ سُنّی مکتبِ فکر کے نزدیک معصومیت خاصّۂ نبوت ہے' نبی کے علاوہ کوئی معصوم نہیں' نبوت ختم ہوئی تو معصومیت بھی ختم ہوئی' جبکہ شیعہ مکتب فکر میں امام کی معصومیت جزوِ ایمان ہے۔ پھر ان کے ہاں امامت صرف آلِ فاطمہ رضی اللہ عنہا میں منحصر ہے اور ان کے لئے مختص ہے ـــــ ان کے ہاں البتہ کئی فرقے ہیں جن میں وہ بھی ہیں جو امام غائب کے قائل اور ان کے ظہور کے منتظر ہیں اور وہ بھی ہیں جن کا امام مسلسل چلا آ رہا ہے اور ہر دور میں حاضر و موجود رہتا ہے۔ ان میں حلول کے قائل بھی موجود ہیں۔ بہرحال اہلِ تشیّع میں بے شمار فرقے ماضی میں بھی رہے ہیں اور اب بھی موجود ہیں ـــــ باقی رہا اہل سنّت والجماعت کا معاملہ تو یہ غلط فہمی دور کر لیجئے کہ حنفی' مالکی' شافعی' حنبلی اور اہل حدیث حضرات کے مابین کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ یہ حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ چند فقہی امور و مسائل کی تفصیلات کی تعبیر' توضیح' تشریح' تفسیر' ترجمانی (interpretation) اور انطباق و استنباط (implication) میں تھوڑا تھوڑا اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ یہ تو ہماری بدقسمتی ہے کہ چند پیشہ ور واعظوں اور چند

علمائے سوء نے اپنی مسندیں' اپنی قیادتیں' اپنی چودھراہٹیں اور اپنی سیادتیں قائم رکھنے اور چمکانے کے لئے چند فروعی مسائل کو' جن کی دین میں گنجائش موجود ہے' نزاعی مسائل بنا کر مورچہ بندی کر رکھی ہے اور اپنی انانیت کے تحت اُمت کی وحدت کو پارہ پارہ کر رکھا ہے۔

اس وقت اس بحث کا موقع نہیں' بلکہ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ خلوص و اخلاص اور نیک نیتی سے دین کا کام کرنے والوں میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے' رائے کا بھی اور طریقہ کار کا بھی۔ یہ اختلاف بھی مبنی بر اخلاص ہو سکتا ہے۔ اس کو ایک سادہ سی مثال سے سمجھئے کہ یہ ایک عملی مسئلہ ہے۔ ایک ایسے پرانے مریض کا تصور کیجئے جو کسی ایک مرض میں نہیں بلکہ بہت سی بیماریوں میں مبتلا ہے۔ اس کی حالت متعدد امراض کی وجہ سے ناگفتہ بہ ہے ـــــ اس کے دل میں بھی ضعف ہے' اس کا جگر بھی خراب ہے۔ اس کے گردے بھی ماؤف ہو رہے ہیں۔ نزلے اور زکام میں بھی وہ مبتلا ہے۔ اب اگر آپ اس مریض کے علاج و معالجہ کے لئے چار حکیم یا ڈاکٹر لا کر کھڑے کر دیں گے تو ان کے مابین اختلاف رائے ممکن ہے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ حکیم اور ڈاکٹر کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا مریض اس کے علاج سے شفا پائے اور صحت یاب ہو جائے۔ وہ مریض کے لئے چاہتا ہے یا اپنی نیک نامی' شہرت اور منفعت کے لئے چاہتا ہے' اس کو چھوڑیئے' بہرحال وہ مریض کی شفا ضرور چاہے گا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ پورے خلوص و اخلاص اور نیک نیتی کے باوجود ان چاروں کی تشخیص اور تجویز میں بھی فرق ہو۔ ایک کی تشخیص یہ ہو کہ اس کے جگر کی فکر کرو' اصل اہمیت جگر کی ہے۔ دوسرے کا خیال ہو کہ اہمیت گردوں کی ہے' ان کی فکر کرو۔ کہیں گردوں نے کام چھوڑ دیا تو مریض ہاتھ سے گیا۔ تیسرے کی رائے ہو کہ اس وقت اصل توجہ پھیپھڑوں پر دی جانی چاہئے اور پہلے نزلہ و زکام کی فکر کرنی چاہئے۔ چوتھے کا اصرار ہو کہ دل کا معاملہ اولین اہمیت رکھتا ہے' اس کی پہلے فکر لازم ہے۔ چاروں معالج مخلص ہیں اور دل سے مریض کی شفا کے متمنی ہیں' لیکن تشخیص و تجویز میں اقدمیت و اولیت اور اہمیت کے معاملہ میں اختلاف کر رہے ہیں۔

اس مثال میں اب مریض کی جگہ اُمت مسلمہ کو رکھ لیجئے۔ کوئی مخلص و دیانتدار اور

دردمند اس تلخ حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ شیطان کے ہتھکنڈوں' اغیار کی ریشہ دوانیوں اور دوست نما دشمنوں کی سازشوں کے باعث اُمت صدیوں سے بیمار ہوتے ہوتے فی الوقت اعتقادی' فکری و نظری اور عملی و اخلاقی اعتبارات سے بے شمار بیماریوں اور خرابیوں میں مبتلا ہے۔ اللہ کے دین کا جھنڈا بتمام و کمال کہیں بھی سربلند نہیں ہے۔ جو دین فاران کی چوٹیوں سے آفتابِ عالم تاب کی طرح طلوع ہوا تھا' جس نے نورِ توحید سے کرۂ ارضی کے ایک بڑے حصّے کو منور کر دیا تھا' آج اُس دین پر غربت و مسکنت طاری ہے۔ کفر و الحاد' شرک و زندقہ اور بدعات و خرافات کے اندھیاروں میں یہ آفتاب ہدایت گہنا دیا گیا ہے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ چند لوگوں کے دلوں میں اپنے دین اور اپنے رسول ﷺ کی اُمت کا درد پیدا فرماتا ہے۔ وہ لوگ غور و فکر کرتے ہیں کہ تجدید و احیاءِ دین اور اصلاحِ اُمت کے کام کا آغاز کس طور سے کیا جائے۔ کس کام کو اقدمیت و اولیت دی جائے۔ جس رائے پر ان کا دل ٹھک جاتا ہے' انہیں انشراحِ صدر حاصل ہو جاتا ہے اس کے مطابق کام کے لئے وہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ تمام معاملہ اجتہادی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وحی کا سلسلہ تو منقطع ہو چکا۔ نبوت تو جناب محمد ﷺ پر ختم ہو چکی۔ لہٰذا جو دردمند شخص احیاءِ دین اور اصلاحِ اُمت کے لئے اٹھتا ہے وہ اجتہادی طور پر کوشش کرتا ہے کہ بہتر سے بہتر طریق پر دین کی تجدید کا' اسلام کی سربلندی کا' اقامتِ دین کا اور اُمت کی اعتقادی و عملی خرابیوں کی اصلاح کا کام کروں۔ اس کی تشخیص و تجویز سے پورے اخلاص و خلوص اور نیک نیتی کے باوجود بھی اختلاف ممکن ہے۔

اس بات کو سامنے رکھئے اور آیت کے آخری حصّے کو پڑھئے اور یہ نتیجہ اخذ کیجئے کہ ایسے اشخاص اور ایسی جماعتوں کو باہم دست و گریباں نہیں ہونا چاہئے۔ اپنے اپنے طریقوں پر دین کی خدمت اور احیاءِ اسلام کیلئے خلوص و اخلاص کے ساتھ عمل پیرا رہیں لیکن ایک دوسرے پر الزام تراشی نہ کریں' ایک دوسرے کی ٹانگیں نہ گھسیٹیں' اپنے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف جذبات پروان نہ چڑھائیں' بلکہ جہاں تک ہو سکے تعاون و اشتراک کا معاملہ رکھیں۔ ایک دوسرے کے خیر خواہ رہیں اور اندازہ وہ اختیار کریں جس کی طرف ہمیں آیت مبارکہ کے ان الفاظ میں رہنمائی مل رہی ہے کہ ﴿ اَللّٰہُ

رَبُّنَا وَ رَبُّکُمْ ﴾ "اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔" ﴿ لَنَا اَعْمَالُنَا وَ لَکُمْ اَعْمَالُکُمْ ﴾ "ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال"۔ ﴿ لَا حُجَّۃَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ ﴾ "ہمارے اور تمہارے مابین حجت' بحث و تمحیص اور مناظرہ کی کوئی ضرورت نہیں"۔ ﴿ اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ﴾ اگر ہم مخلص ہیں اور اخلاص کے ساتھ کام کر رہے ہیں اور تم بھی مخلص ہو اور خلوص سے کام کر رہے ہو "تو اللہ ایک دن ہمیں جمع کر دے گا"۔ منزل اگر ایک ہے تو لازماً سب ایک دن ایک جگہ جمع ہو جائیں گے ــــــ ۹ ذی الحجہ کو منیٰ سے لاکھوں انسان چلتے ہیں' سب کو عرفات جانا ہے' وقوف عرفہ کرنا ہے' وہی اصل حج ہے۔ عرفات جانے کے لئے ہزاروں قافلے بنے ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا جھنڈا علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے اور اونچا رکھا جاتا ہے تاکہ اس قافلے کا کوئی آدمی کہیں اِدھر اُدھر ہو جائے تو اپنے جھنڈے کو دیکھ کر قریب آجائے ورنہ بچھڑ جائے گا اور دوبارہ ملنا مشکل ہو جائے گا۔ لہٰذا لوگ قافلوں کی شکل میں چلتے ہیں' لیکن منزل سب کی ایک ہے۔ جن لوگوں کو حال ہی میں حج کی سعادت نصیب ہوئی ہو وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اب تو منیٰ سے عرفات کے لئے چھ بڑی کشادہ سڑکیں ہیں' لیکن یہ سب سڑکیں قافلوں کو آخر کار عرفات پہنچائیں گی۔ سب قافلے وہاں جمع ہو جائیں گے۔ پس دین کی خدمت یا اقامتِ دین کی جدّوجُہد میں جو لوگ اور جو جماعتیں بھی خلوص و اخلاص کے ساتھ مصروف رہی ہیں اور ان کے طریقہ کار میں اختلاف ہے ان کے لئے فکرمندی کی کوئی بات نہیں۔ اگر منزل ایک ہے تو قریب سے قریب تر ہوتے چلے جائیں گے اور آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں منزل پر پہنچ کر سب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ چلئے اگر دُنیا میں ہم قریب نہ بھی ہوئے تو ایک دن آنا ہے جب اپنے رب کے حضور میں حاضری ہو گی : ﴿ اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا وَ اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ۝ ﴾ آخر لوٹنا تو وہیں ہے۔ وہاں جا کر پتہ چل جائے گا کہ کون کتنے پانی میں تھا۔ وہاں پر حقیقت کھل جائے گی کہ کس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹیاں بندھ گئی تھیں' کون جماعتی عصبیتِ جاہلیہ میں گرفتار ہو گیا تھا اور کون خلوص کے ساتھ چل رہا تھا! کون کس شخصیت کی عقیدت کا غلام ہو گیا تھا! ہر ایک کی حقیقت کھل جائے گی اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی جدا ہو جائے گا۔ کون مخلص تھا اور کون غیر مخلص' وہاں سب عیاں

ہو جائے گا۔ جو مخلصین ہوں گے وہ باہم دگر شیر و شکر ہو جائیں گے۔

اہلِ ایمان کے تذکرے میں سورۃ الحجر میں الفاظ آئے ہیں : ﴿ وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ○ ﴾ "اور ان کے دلوں میں اگر ایک دوسرے کی طرف سے میل ہوا تو ہم اسے نکال دیں گے اور وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے۔" جب ان سے کہا جائے گا کہ جنت میں سلامتی کے ساتھ بے خوف و خطر داخل ہو جاؤ ﴿ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ﴾ تو اہلِ ایمان کے دلوں میں بربنائے طبعِ بشری اپنے کسی بھائی کے بارے میں اگر کوئی رنجش اور میل موجود ہو گا تو جنت میں اللہ اس کو دلوں سے نکال دے گا۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ آیت میرے اور معاویہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے رضی اللہ عنہما ایک دوسرے کی طرف سے دلوں میں میل تو آیا تھا۔ جب تلواریں نیاموں سے باہر آ گئی تھیں تو یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ دونوں کے دل ایک دوسرے سے آئینہ کی طرح صاف تھے۔ شکوہ' شکایت اور گلہ ایک دوسرے سے پیدا ہوا۔ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ جنتی ہم دونوں ہیں۔ رنجش کی وجہ سے اس دُنیا میں ہمارے دلوں میں جو میل آ گیا ہے' جو کدورت پیدا ہو گئی ہے' تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس رنجش کو صاف کر دے گا۔

لہٰذا دُنیا میں خلوص و اخلاص کے ساتھ دین کے لئے کام کرتے ہوئے ایک دوسرے سے گلے اور شکوے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے مابین رنجش پیدا ہوئی' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں تو ہم کیسے یہ دعویٰ کریں گے کہ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کی طرف سے کبھی کوئی میل آتا ہی نہیں' کوئی رنجش کبھی پیدا ہوتی ہی نہیں۔ لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ یہ تصور ذہن میں رکھا جائے کہ : ﴿ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ○ ﴾ پس اگر ہم جمع نہ بھی ہوئے تو کوئی حرج نہیں' ہمارا کام تو جمع ہو جائے گا۔ آپ بھی دین کے لئے محنت کر رہے ہیں اور میں بھی دین ہی کے لئے محنت کر رہا ہوں تو ان محنتوں کے ثمرات کہاں جمع (credit) ہوں گے؟ ظاہر بات ہے کہ

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

# مسلمان کا طرزِ حیات(۱۰)

علامہ ابوبکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

**کتاب العقائد**

بارھواں باب

## قبر کا عذاب اور راحت

مسلمان اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ مرنے والے کے لئے قبر میں راحت یا عذاب حق ہے' اور فرشتوں کا مرنے والے سے سوالات کرنا یقینی ہے۔ اس عقیدے کے نقلی اور عقلی دلائل درج ذیل ہیں :

### نقلی دلائل

① اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر عذابِ قبر کا ذکر فرمایا ہے' مثلاً ارشاد ہے :

﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰۤئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ○ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ○ ﴾ (الانفال : ۵۰'۵۱)

"کاش آپ دیکھیں جب کافروں کو فرشتے فوت کرتے ہیں' ان کے چہروں اور پشتوں پر مارتے ہیں اور (کہتے ہیں) جلنے کا عذاب چکھ لو۔ یہ سزا ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے (انجام دے کر) آگے بھیجے تھے' اور اللہ تعالیٰ تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔"

اور فرمایا :

﴿ وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ○ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ○ ﴾

(الانعام: ۹۳، ۹۴)

"کاش آپ دیکھیں جب ظالم سکراتِ موت میں مبتلا ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھائے ہوئے (کہہ رہے) ہوتے ہیں: نکالو اپنی جانیں! آج تمہیں ذلت کی سزا ملے گی کیونکہ تم اللہ کے ذمہ جھوٹی باتیں لگاتے تھے اور اس کی آیات (قبول کرنے) سے تکبر کرتے تھے۔ اور تم ہمارے پاس اکیلے ہی آگئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور جو کچھ ہم نے تمہیں (مال و دولت وغیرہ) دیا تھا وہ اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے ہو، اور ہمیں تمہارے ساتھ تمہارے سفارشی بھی نظر نہیں آرہے جن کے بارے میں تمارا خیال تھا کہ تمہارے اندر (ہمارے) شریک ہیں۔ تمہارے تعلقات منقطع ہوگئے اور تمہارے تمام (غیر حقیقی) خیالات و عقائد گم ہوگئے۔"

نیز فرمایا:

﴿ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِیْمٍ○ ﴾ (التوبة: ۱۰۱)

"ہم انہیں دوبار عذاب دیں گے، پھر وہ بڑے عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں گے"۔

ایک مقام پر فرمایا:

﴿ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ○ ﴾ (المؤمن: ۴۶)

"جہنم ہے جس میں انہیں صبح و شام حاضر کیا جاتا ہے۔ اور جس دن قیامت ہوگی (تو کہا جائے گا): آلِ فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کردو۔"

نیز فرمایا:

﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ ﴾

(ابراھیم: ۲۷)

"اللہ تعالٰی مؤمنوں کو پختہ بات کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی' اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے' اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

(۲) رسول اللہ ﷺ نے متعدد احادیثِ مبارکہ میں اس کی خبر دی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

((إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهِ وَتَوَلّٰى عَنْهُ أَصْحَابُهُ وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ' أَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهِ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ —— لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ —— فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ فَيُقَالُ لَهُ: اُنْظُرْ إِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ أَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ' فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا' وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْكَافِرُ فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُوْلُ: لَا أَدْرِيْ' كُنْتُ أَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ' فَيُقَالُ لَهُ. لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ ' وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهُ مَنْ يَلِيْهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ)) (۱)

"جب بندہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس کے پاس سے واپس ہو جاتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آواز کو سن رہا ہوتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں' وہ اسے بٹھالیتے ہیں اور اُس سے کہتے ہیں: تُو اس شخص یعنی محمد ﷺ کے متعلق کیا کہتا تھا؟ تو مؤمن کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اسے کہا جاتا ہے: جہنم میں اپنا ٹھکانا دیکھ لے' اس کے بدلے اللہ نے تجھے جنّت میں جگہ دے دی ہے۔ اسے بیک وقت دونوں جگہیں نظر آجاتی ہیں۔ اور منافق یا کافر سے فرشتے کہتے ہیں: اس شخص کے متعلق

تو کیا کہتا تھا؟ وہ کہتا ہے: مجھے معلوم نہیں۔ وہ کہتے ہیں: نہ تو نے جانا نہ مانا۔ اور اُسے لوہے کے ہتھوڑوں سے ضرب لگائی جاتی ہے۔ وہ اتنے زور سے چیختا ہے کہ دو مخلوقات (جن و انس) کے علاوہ قریب کی ہر چیز سن لیتی ہے"۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے:

((إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ، إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَيُقَالُ لَهُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (۲)

"جب تم میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اسے صبح و شام اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے، اگر جنتی ہے تو جنت والا ٹھکانا اور اگر جہنمی ہے تو جہنم والا ٹھکانا۔ اس سے کہا جاتا ہے: یہ تیرا ٹھکانا ہے حتیٰ کہ تجھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اٹھا کھڑا کرے۔"

آنحضور ﷺ دعا کرتے ہوئے یہ بھی فرماتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ)) (۳)

"اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں قبر کے عذاب سے، آگ کے عذاب سے، زندگی اور موت کے فتنہ سے اور مسیح دجّال کے فتنہ سے"۔

ایک بار جناب رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا:

((إِنَّهُمَا يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ، ثُمَّ قَالَ بَلٰى، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَسْعٰى بِالنَّمِيْمَةِ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ)) (۴)

"ان دو شخصوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا"۔ (۵) پھر فرمایا: "ہاں (گناہ تو بڑے ہی ہیں) ان میں سے ایک چغل خوری کرتا تھا (۶) اور دوسرا اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا"۔

(۳) امتِ محمدیہ (علیٰ نبیّھا الصلاۃ والسلام) اور سابقہ اُمتوں کے اربوں علماء، صالحین اور اہلِ ایمان قبر کے عذاب و ثواب اور قبر کے متعلق بیان کردہ دوسرے امور پر ایمان رکھتے تھے اور ایمان رکھتے ہیں۔

## عقلی دلائل

① جب کوئی شخص اللہ پر، فرشتوں پر اور قیامت پر ایمان لے آتا ہے تو لازمی ہے کہ عذاب و ثوابِ قبر پر بھی یقین رکھے، کیونکہ یہ تمام امور غیب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو شخص غیب کی بعض باتوں کو مانتا ہے، عقلی طور پر اس کے لئے لازم ہے کہ دیگر امور کو بھی تسلیم کرے۔

② قبر کا عذاب، قبر کی راحت اور اس سے متعلقہ امور، مثلاً فرشتوں کا سوال کرنا، ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو عقل کے منافی ہو یا عقل اسے محال قرار دیتی ہو، بلکہ عقلِ سلیم اس کو تسلیم کرتی ہے اور اس کا اقرار کرتی ہے۔

③ انسان بعض اوقات نیند میں ایسا خواب دیکھتا ہے جس سے اسے لذّت اور روحانی خوشی ہوتی ہے اور جب وہ جاگتا ہے تو اسے افسوس ہوتا ہے کہ یہ تو محض خواب تھا۔ اسی طرح خواب میں بعض اوقات ایسی چیزیں نظر آتی ہیں جن سے وہ غمگین یا پریشان ہوتا ہے اور جب آنکھ کھلتی ہے تو اللہ کا شکر کرتا ہے۔ تو خواب کی یہ راحت اور تکلیف خواب دیکھنے والے کی روح پر اثر انداز ہوتی ہے، جب کہ ہم نہ اسے دیکھتے ہیں نہ محسوس کرتے ہیں، اس کے باوجود کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ جب یہ بات ہے تو پھر قبر کی راحت اور تکلیف کا انکار کرنے کی کیا وجہ ہے جب کہ یہاں بھی معاملہ اس سے بالکل مشابہ ہے؟

## حواشی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر

(۲) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب المیت یعرض علیه مقعده بالغداة والعشی

(۳) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر

(۴) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب عذاب القبر من الغیبة والبول

(۵) یعنی اگر وہ ان گناہوں سے بچنا چاہتے تو مشکل نہ تھا۔

(۶) یعنی ایک کی بات دوسرے کو پہنچا کر ان میں فساد ڈال دیتا تھا۔

# جدید نظریاتی چیلنج اور علمائے کرام

تحریر: مولانا محمد عیسیٰ منصوری*

موجودہ دور کا سب سے بڑا مسئلہ ان افکار و نظریات کا ہے جو اس زمانہ میں مذہب کی جگہ لے چکے ہیں۔ اسلام ایک واضح فکر و عقیدہ کا نام ہے جو اپنی سادگی' حقانیت' فطرت اور عقلِ سلیم کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے اپنے اندر زبردست کشش و قوت رکھتا ہے۔ دشمنانِ اسلام ہمیشہ اسلام کی دعوت و فکر کی طاقت سے خوف زدہ رہے۔ یورپ صلیبی جنگوں کے بعد یہ حقیقت سمجھ چکا تھا کہ اسلام کو نہ نظریہ و فکر کے میدان میں شکست دی جا سکتی ہے اور نہ عسکری میدان میں۔ انہوں نے صدیوں کے غور و فکر اور مطالعہ و تحقیق کے بعد مسلمانوں کو رام کرنے کے لئے ایک ایسا راستہ اختیار کیا جس سے مسلمان اپنی پوری تاریخ میں نا آشنا تھے۔ اسلام کے شاطر دشمنوں نے خلافِ اسلام افکار و نظریات کو خوشنما بنا کر جدید انداز میں اس طرح مسلمانوں کے دل و دماغ میں اتار دیا کہ جن کے قبول کرنے کے بعد خود بخود اسلام کی صداقت و حقانیت میں شکوک و شبہات پیدا ہو کر انسان اسلام کی بنیادی صداقتوں اور اساسیات سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ کسی بھی پہلو سے اسلام کا کھلم کھلا حریف بننے کے بجائے مذہب کا ایسا تصور پیش کر دیا جائے اور اس پر چاروں طرف سے ایسے افکار و نظریات کی یلغار کر دی جائے جو اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات کو متزلزل کر دے اور مسلمان کو اس بات کا شبہہ تک نہ ہو کہ وہ اسلام کی مخالف سمت میں جا رہا ہے' کیونکہ دشمن اس حقیقت سے بخوبی واقف تھا کہ مسلمان اپنے مذہب کے بارے میں نہایت ذکی الحس واقع ہوا ہے اور اسلام کی چھوٹی سے چھوٹی بات کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنا اس کے لئے معمولی چیز ہے۔ اس لئے گزشتہ ڈیڑھ دو صدی سے اس کا حملہ ایک ایسی سمت سے ہو رہا ہے جس سے پوری تاریخ میں

---

☆ صدر ورلڈ اسلامک فورم لندن

مسلمان ناواقف رہے ہیں۔ انہیں اس بات کا احساس تک نہیں ہو پاتا کہ وہ آہستہ آہستہ اسلام سے بیگانہ ہو کر ایسے افکار و نظریات کو اپنا چکے ہیں جس کے نتیجے میں انسان اسلام کے بنیادی عقائد و فکر سے بے گانہ ہو جاتا ہے۔

یہ خاموش فکری حملہ گزشتہ دو صدیوں کے دوران عالمِ اسلام پر یورپ کی عسکری و سیاسی ساخت کے پسِ پشت تعلیم اور جدید افکار کے نام پر اسلام سے تصادم لئے بغیر اس خاموشی سے داخل ہو گیا کہ مسلم علماء و مفکرین کو عرصہ تک اس کا احساس تک نہیں ہو سکا کہ اس سے کتنی تباہی آئی ہے۔ اب بھی مغرب کی یلغار برابر جاری ہے۔ اس کی تکنیک اور طریقہ واردات یہ ہے کہ وہ براہ راست یا بالواسطہ اسلام کے مقابلے پر نہیں آتا اور نہ صراحتاً اسلام کی تردید کرتا ہے' بلکہ بظاہر اسلام سے بالکل لا تعلق و اجنبی نظر آتا ہے اور اسلام سے اس طرح قطع نظر کرتا ہے کہ گویا وہ جانتا ہی نہیں کہ یہ سب اسلام کے عین ضد اور مقابل ہے۔ وہ علم و تحقیق' عقلی استدلالات اور جدید نظریات کے نام پر انسان اور کائنات کی ایسی تشریح و توضیح کرتا ہے جس سے خدا' رسالت و آخرت اور سرے سے مذہب کی کوئی گنجائش و ضرورت نہیں رہتی۔ کسی مسلمان کو ذرہ برابر شک نہیں ہوتا کہ ان افکار و نظریات کا قائل ہونا اور تسلیم کرنا اسلام کے انکار کو مستلزم ہے۔ عالمِ اسلام یورپ کی سائنسی و ٹیکنالوجی ترقی اور دیگر عصری علوم کے میدان میں اس کی متواتر کامیابیوں اور سبقت کی مرعوبیت کے سبب علم و عقل اور شریعت کی کسوٹی پر پرکھے بغیر ان اوہام و خرافات کو علم و عقل' شعور و آگہی اور ترقی کے نام پر قبول کر چکے ہیں۔ جب مسلمان ان افکار و نظریات کو اختیار کرتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ وہ علم و آگہی' ترقی یافتہ نظریات اور جدید فلسفوں کو اختیار کر رہا ہے۔ اس طرح یہ خلافِ اسلام باطل افکار اس طرح قبول کر لئے جاتے ہیں کہ ان کے دل میں اس بات کی کھٹک تک نہیں ہوتی کہ ان کے قبول کرنے سے اسلام کی نفی ہو رہی ہے۔ غرض یہ بات حرف بہ حرف صحیح ہے کہ اس پیمانے پر اس نوعیت کا فتنہ جسے بجا طور پر ایک جدید ارتداد کہا جا سکتا ہے' اسلام کی پوری تاریخ میں کبھی رونما نہیں ہوا۔

اس ماڈرن ارتداد کی تکنیک اور طریقہ واردات سے عام مسلمان تو کجا ہمارے

مذہبی رہنما اور علماءِ کرام تک اتنے بے خبر اور ناواقف ہیں کہ انھیں اس کی اتنی بھی فکر نہیں ہوتی جتنی گزشتہ زمانے میں چند مسلمانوں کے عیسائی یا ہندو ہو جانے سے ہوتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس طوفان کی زہرناکی، منفی اثرات، گہرائی و گیرائی کا کماحقہ شعور و احساس نہ کر سکے۔ جدید علم و فکر کی اس نظریاتی یلغار کو بجا طور پر جدید ارتداد کہا جا سکتا ہے۔ مذاہب اور ارتداد کی تاریخ کا بہ نظرِ غائر مطالعہ بتاتا ہے کہ کسی معاشرہ میں ارتداد دفعتاً نہیں آتا بلکہ اس کے اثرات تدریجاً رونما ہوتے ہیں۔ پہلے باطل نظریات و افکار سے دل و دماغ متاثر ہوتا ہے، اسلام کے بنیادی عقائد و تصورات سے اعتماد متزلزل ہوتا ہے، ایمانیات میں شکوک و شبہات در آتے ہیں، پھر اس کے اثرات عمل پر پڑتے ہیں۔ اجتماعی معاملات (اقتصادیات، سیاست، نظم و نسق اور قانون) میں اسلام ناقابلِ عمل نظر آتا ہے، پھر عبادات، نماز روزہ وغیرہ میں ضعف و اضمحلال پیدا ہوتا ہے۔ اس کے آخر میں زبان پر بھی آتا ہے۔ یعنی لسانی سے پہلے قلبی و عملی ارتداد آتا ہے۔ اب مغرب کے جدید تکنیک و طریقہ واردات نے سہولت بھی مہیا کر دی ہے کہ زبان پر لانے کی ضرورت ہی نہیں۔ اس کے نزدیک مسلم معاشروں میں داخل رہ کر ہی اس کی بہترین خدمات انجام دی جا سکتی ہیں۔ پہلے زمانے میں جب کوئی مسلمان کسی باطل مذہب کے اثرات قبول کرتا تھا تو ضروری تھا کہ وہ کسی گرجا یا مندر میں جا کر شدھی یا بپتسمہ کی کارروائی سے گزرے، گلے میں صلیب ڈالے یا ماتھے پر قشقہ لگائے، اس کے بعد وہ مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو جاتا اور اسلام سے اس کی دشمنی آشکارا ہو جاتی اور دوسرے مسلمان اس کی طرف سے ہوشیار اور چوکنا ہو جاتے۔

لیکن اسلام پر یہ نیا حملہ کسی مذہب کے نام پر نہیں بلکہ علم، عقل، شعور و آگہی، فلسفہ و نظریات کے نام پر ہوا ہے۔ اور اس نے اپنے پرستاروں کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی عقائد، افکار و نظریات سے الگ ہو کر بھی مسلمانوں کے معاشرہ میں مسلمان بن کر رہیں، ان ہی میں شادی بیاہ کریں، دوستی، رشتہ داری، میل ملاپ اور کھانے پینے کے تعلقات قائم رکھیں، کبھی کبھی رسمی طور پر ان کی عبادات (جمعہ و عیدین) میں بھی شریک ہوں۔ ان لوگوں کو مسلم معاشرہ میں ان کے تمول اور تعلیم و سیاست میں

امتیاز کی وجہ سے خصوصی عزت و توقیر کا مستحق سمجھا جاتا ہے اور سوسائٹی میں امتیازی درجہ دیا جاتا ہے۔ وہ بڑی شان و شوکت سے مسلم گھرانوں میں شادی رچاتے ہیں۔ مرنے کے بعد بڑے بڑے مجمعے اُن کا جنازہ پڑھتے ہیں' مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن ہوتے ہیں۔ یہ اسلام کے ماڈرن مرتد فقط اپنی ذات تک ہی ایسی راہ اختیار نہیں کرتے جو اسلام کے بالکل برعکس سمت میں جاتی ہے' بلکہ آگے بڑھ کر یہ حضرات تعلیم و سیاست میں ممتاز ہونے کی وجہ سے سیاست و حکومت' کونسلوں اور اسمبلیوں' وزارتوں اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو کر اور اونچی اونچی کرسیوں پر براجمان ہو کر مسلمانوں کے اعلانیہ نمائندے کہلاتے ہیں' اور ان کے حساس ترین اور کلیدی مسائل کو اپنے نظریات و صوابدید کے مطابق طے کرتے ہیں۔ دشمنانِ اسلام (یہود و نصاریٰ' ہنود) سے سیاست و حکمرانی' ثقافت و کلچر' اقتصادیات و تجارت' تعلیم و آرٹ کے حوالے سے قریبی تعلق رکھتے ہیں۔ بیرونی اسلام دشمن طاقتیں انہیں اپنا نمائندہ بنا کر جوش و خروش سے ان کا استقبال کرتی ہیں' کیونکہ فی الحقیقت یہ لوگ اپنی بڑی طاقتوں کا کام کر رہے ہوتے ہیں۔ مغربی میڈیا انہیں مسیحا بنا کر پیش کرتا ہے اور بڑی طاقتیں ان کے واسطے سے ترقی و خوشحالی کے نام پر مسلم ملکوں اور معاشروں میں اپنی پالیسیاں' نظریات' ثقافت و کلچر پوری آزادی و سہولت سے نافذ کرتی ہیں اور ان لوگوں کے واسطے سے مسلم ملکوں کی اقتصادیات' تجارت' تعلیمی و تمدنی مراکز' معاشرت غرض ہر میدان میں اپنا اثر و نفوذ بڑھاتی جاتی ہیں۔ ان بیرونی طاقتوں کے لئے یہ راستہ براہ راست مُسلم قوموں و ملکوں کو غلام بنا کر اُن پر کنٹرول کرنے کی ہزاروں دقتوں اور پریشانیوں کی نسبت آسان و کم خرچ اور بے خطر نظر آتا ہے۔ جب کبھی یہ اسلام دشمن طاقتیں دیکھتی ہیں کہ ان لوگوں میں کوئی اپنے عوام پر گرفت کھو چکا ہے اور اس کے واسطے سے اپنی تجارتی و معاشی' تہذیبی و تمدنی' فکری و نظریاتی پالیسیاں جاری رکھنی دشوار ہو گئی ہیں' عام لوگ ان سے بیزار ہو کر اسلام کی طرف دیکھنے لگے ہیں تو بڑی چابک دستی و ہوشیاری سے وہ اس مہرے کو ہٹا کر دوسرا مہرہ لے آتے ہیں جو ان کے حسب ہدایت وقتاً فوقتاً سلام بھی پڑھتا ہے اور ضرورت پڑے تو عمرے کرتا ہے' ہاتھ میں تسبیح پکڑ لیتا ہے' پھر دوبارہ عالمی میڈیا (جس پر اسلام دشمن طاقتوں کی مکمل اجارہ داری

ہے)اس کا امیج بنانے میں جُت جاتا ہے۔ اسی طرح مسلم قوم اور ملک اس دوسرے سرے کے ساتھ چلنے لگتے ہیں۔ استعماری طاقتوں سے سیاسی آزادی حاصل کرنے کے بعد ہر مسلم ملک کی یہی مسلسل کہانی ہے کہ ان کے حکمرانوں اور سربرآوردہ طبقہ کے دل و دماغ پر قرآن اور محمد ﷺ کے بجائے مغربی افکار و نظریات کی حکمرانی رہی۔

مسلم دنیا کی بھاری اکثریت جو اسلام اور قرآن پر غیر متزلزل یقین و ایمان رکھتی ہے وہ اپنی سادگی و سادہ لوحی سے یہ سمجھتی ہے کہ پہلے چند سال ملک کو معاشی استحکام و خوشحالی حاصل ہو جائے تو ہمارے حکمران خود بخود قرآن و سُنت کی شاہراہ پر لے چلیں گے۔ اس خوش فہمی میں قوم ان کے قدم بقدم ساتھ چلتی رہتی ہے۔ مسلم ملکوں میں اگرچہ مغربی تہذیب و افکار کے نمائندوں کی تعداد دو سے چار فیصد سے زائد نہیں مگر ان افراد کی طاقت اور وسعت اختیار کا یہ حال ہے کہ وہ سیاست و حکومت' تجارت و معیشت' تعلیم و ذرائع ابلاغ پر پوری طرح قابض ہونے کی وجہ سے بآسانی اسلام کا درد و فکر رکھنے والی جماعتوں' تنظیموں اور علماء کو کچل دیتے ہیں اور جدید ذرائع ابلاغ کے پروپیگنڈے کے زور پر انہیں علم و سائنس اور ترقی و خوشحالی کا دشمن ظاہر کر کے پیچھے دھکیل دیتے ہیں۔ دینی جماعتیں اور علماء ذرائع ابلاغ میں اپنا نقطہ نظر پیش نہیں کر پاتے اور اس گھناؤنے طریقے پر ان کی کردار کشی کی جاتی ہے کہ وہ دیوار سے لگ جاتے ہیں۔ اور اس سارے عمل میں انہیں بیرونی اسلام دشمن طاقتوں اور عالمی میڈیا کی بھرپور آشیرباد حاصل رہتی ہے۔ پھر اطمینان سے یہ لوگ اپنے بیرونی سرپرستوں اور آقاؤں کے مفادات پورے کرنے میں لگ جاتے ہیں۔

یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ تاریخ میں اس سے پہلے کبھی اسلام کو اس صورت حال اور اس نوعیت کے فکری و نظریاتی حملہ سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ یہ فکری یلغار جتنی عام اور ہمہ گیر تھی بظاہر اتنی ہی سادہ اور مذہب سے بے تعلق دکھائی دیتی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ اب تک اس نئے حملے کی نوعیت و گہرائی کو سمجھ نہیں پائے' کیونکہ اسلام کے فکری نظام اور بنیادی عقائد پر تیشہ چلانے والے یہ کفریہ افکار و نظریات کسی مذہب کے نام پر نہیں بلکہ عقل و دانش اور جدید تھیوری و فلسفوں کے نام سے داخل

ہوئے تھے۔ ان کے اثر و نفوذ کا یہ عالم ہے کہ کروڑہا مسلمان اس کی زد میں بہہ کر اسلام کی اساسیات اور بنیادی عقائد سے بیگانہ ہو گئے اور خبر تک نہیں ہوئی کہ ماڈرن نظریات کے نام پر کتنی زبردست تباہی ملت اسلامیہ میں آئی ہے۔

اس مسئلہ کی طرف نصف صدی پیشتر غالباً سب سے پہلے جدید طبقہ میں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے توجہ دلائی تھی اور طبقۂ علماء میں مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر لکھا۔ ان کے بعد مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے دمشق سے نکلنے والے اخوان المسلمون کے آرگن رسالہ "المُسلمون" میں "ردّة جديدة" کے نام سے دو قسطوں میں لکھا' پھر ایک مستقل رسالہ "ردّة ولا ابابكر لها" (ایک فتنہ ارتداد اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی ابوبکر نہیں) کے نام سے لکھا جس کا اُردو ترجمہ اس وقت الفرقان میں مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نے "نیا طوفان اور اس کا مقابلہ" کے نام سے شائع کیا۔ اس کے بعد پھر مسلسل خاموشی ہے' حالانکہ مرض کی صحیح نشاندہی کے بعد اس عرصہ میں کئی علمی و تحقیقی ادارے' جدید تعلیم یافتہ ذہنوں کو سامنے رکھ کر عصری اسلوب میں طاقتور لٹریچر اور جدید علم الکلام کا پورا کتب خانہ وجود میں آجانا چاہئے تھا۔

ہمارے نزدیک صورت حال کا حل صرف اور صرف یہ ہے کہ علمائے کرام اس فاصلہ کو ختم کریں جو گزشتہ کئی صدیوں سے ان کے اور نئی نسل کے درمیان بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ان کے اور عصری علوم و تقاضوں کے درمیان پیدا ہوا گیا ہے' اور عصری علوم و افکار سے بے خبری کو ختم کریں۔ موجودہ فکری و نظریاتی چیلنجوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے ضروری ہے کہ یورپین زبانوں' سائنٹفک طرزِ تحریر' جدید ترین ذرائع ابلاغ اور عصری تکنیک واسلحہ سے پوری طرح واقف ہوں اور قرونِ وسطیٰ کے فلسفہ و منطق اور یونانی منطق و ایرانی افکار کے ماحول سے باہر نکلیں جو اس وقت ایک وقتی ضرورت کے تحت اختیار کئے گئے تھے تو انہیں قرآن و سُنت سے عصری گمراہیوں اور فکری چیلنجوں کا علمی و فکری میدان میں جواب دینے کی پوری رہنمائی ملے گی۔ اس لئے کہ قرآن و سُنت ہر دَور کی کجی و بے راہ روی اور فکری و نظریاتی ضلالت و گمراہی سے نکال کر شاہراہ علم و حقیقت اور فوز و کامرانی پر گامزن کرنے کے لئے بالکل کافی ہے۔ شرط یہ ہے کہ دل و دماغ کے دروازے کھلے رکھے جائیں۔ ○○

(بشکریہ : انوارِ مدینہ' لاہور)

# قیامِ اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر

## معروف سعودی دانشور ڈاکٹر سفرالحوالی کی تہلکہ خیز کتاب
## کی سلسلہ وار اشاعت —— قسط پنجم

## عہدِ ربّانی کی حقیقت

عزیز بھائیو! موضوعات تو بہت ہیں' لیکن میں مختصراً یہ کہنا چاہوں گا کہ جو لوگ تورات میں مذکورہ من گھڑت عہد پر ایمان رکھتے ہیں وہ دانستہ یا نادانستہ مسیحِ دجّال پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو اسرائیل کے منصوبہ سے موافقت کرتا ہے وہ بلاشبہ مملکتِ دجّال کی تاسیس میں معاون ہے اور اپنی تمام کوششیں توراتی پیشین گوئیوں کو سچا ثابت کرنے میں کھپا رہا ہے جس کے دعوے دار یہود و نصاریٰ ہیں' وہ اپنی صلاحیتیں صہیونی اہداف کے پورا کرنے میں لگا رہے ہیں جن پر یہود و نصاریٰ کاربند ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی مجلس کے اختتام پر اِس سوال کا جواب دیں جو آپ میں سے اکثر ساتھیوں کے ذہن میں ہو گا کہ میڈرڈ امن کانفرنس میں اِن یہود و نصاریٰ بنیاد پرستوں کا کیا موقف ہے۔ ان حضرات کا وہی پرانا موقف ہے جس کا اظہار انہوں نے جنیوا کانفرنس میں کیا تھا —— میری بات توجہ سے سنئے —— اگر ایک طرف ہم' جنہیں امریکہ یا اس کے دم چھلے بنیاد پرست کہتے ہیں' اسرائیل اور اس کی جغرافیائی حد بندیوں کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ کسی میڈرڈ کانفرنس کے اعلامیہ کو مانتے ہیں تو دوسری طرف عیسائی بنیاد پرست بھی ہماری طرح ایک نقطۂ نظر سے اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتے' کیونکہ عیسائی عقیدے کی رو سے اسرائیل دراصل عیسیٰ علیہ السلام کی سلطنت ہے اور بالآخر یہودی عیسائی بن جائیں گے۔ گویا یہودیوں کے اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے میں فریقین کا اتفاق ہے' مگر دونوں کے تسلیم نہ کرنے میں فرق ہے۔

ہمارا ایمان اللہ کے سچے وعدے پر ہے' جبکہ عیسائی مَن گھڑت اور جھوٹے وعدے پر ایمان رکھتے ہیں جو سراسر اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے اور دونوں وعدوں کی حقیقت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بحمد اللہ جس وعدہ پر ہمارا ایمان ہے اس کی سند قرآن و حدیث ہے۔

بات ختم کرنے سے پہلے بہتر ہو گا کہ مَیں آپ کو سچے وعدے کی بابت چند بشارتیں بتاتا چلوں۔ ان بشارتوں پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم اپنی نمازوں کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کرتے ہیں جس میں ہم کلام اللہ کی یہ آیت بھی پڑھتے ہیں :

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ ﴾

"ہمیں سیدھا راستہ دکھا' ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا' جو معتوب نہیں ہوئے' جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔"

اللہ کا غضب یہودیوں پر ٹوٹا اور گمراہی کی راہ عیسائیوں نے اختیار کی۔ ہم ہر رکعت میں ان کے مذموم وعدے کی منسوخی کا اعلان کرتے ہیں جو سراسر باطل اور من گھڑت ہے۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام سے ایک عہد باندھا گیا تھا جو اُمّتِ اسلامیہ کے حق میں ہے' وہ اُمت جس پر اللہ کی برکتیں ہر وقت نازل ہوتی ہیں اور وہ ان کی آبادی میں اضافہ کرتا جا رہا ہے' اور یہ اُمت اپنے اندر تمام اقوام اور قبیلوں کو سمائے ہوئے ہے۔ اور تورات میں جس اُمت کے بابرکت ہونے کا ذکر آیا ہے وہ سوائے اُمّتِ محمدیؐ کے اور کوئی نہیں۔ عرب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے' اور وہ دنیا کی تمام اقوام میں گھلے ملے ہیں۔ تم انہیں جاوا کے جزائر میں پاؤ گے' تمہیں یہ ہندوستان میں ملیں گے' یہ تمہیں افغانوں میں نظر آئیں گے' تم اِن کی نسلوں کو یورپ میں پاسکتے ہو' بربر قبائل میں عرب جا بسے' حبشہ میں یہ موجود ہیں۔ غرض ہر قوم اور ہر علاقے میں جا کر آباد ہونے والے عرب ہیں۔ یہ ہے وہ قوم جس کی نسل اللہ تعالیٰ نے خوب بڑھائی اور ان پر برکت فرمائی اور فلسطین کا مقدس خطہ انہیں ورثے میں آیا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ عرب ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں جن کی وراثت میں یہ خطہ آیا ہے اور ابدی عہد انہی کے ساتھ ہے۔

دوسری طرف یہودیوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی وعید ہے' جس کا ذکر پوری وضاحت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے :

﴿ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ ﴾

(الاعراف : ۱۶۷)

"اور یاد کرو جبکہ تمہارے رب نے اعلان کر دیا کہ وہ قیامت تک برابر ایسے لوگ بنی اسرائیل پر مسلط کرتا رہے گا جو اُن کو بد ترین عذاب دیں گے۔ یقیناً تمہارا رب سزا دینے میں تیز دست ہے اور یقیناً وہ درگزر اور رحم سے بھی کام لینے والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا ان سے یہ عہد ہے جو کبھی ٹوٹنے کا نہیں۔ جو لوگ میڈرڈ یا غیر میڈرڈ کانفرنس سے اتفاق رکھتے ہیں وہ جان لیں کہ وہ اس آیت کی سرا سر نفی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ قیامت تک برابر ایسے لوگ بنی اسرائیل پر مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بد ترین عذاب دیں گے۔ ہٹلر کا فعل اس آیت کا منشا تھا' تحریک آزادیٔ فلسطین بھی اسی آیت میں آتی ہے' مقبوضہ سرزمین میں جاری جہاد اسی آیت کا منشا ہے جو روئے زمین کے تمام یہودیوں کی ہلاکت تک جاری رہے گا۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ﴾

(آل عمران : ۱۱۲)

"یہ جہاں بھی پائے گئے ان پر ذلّت کی مار پڑی' کہیں اللہ کی حفاظت میں یا انسانوں کی حفاظت میں پناہ مل گئی تو یہ اور بات ہے' یہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں' ان پر محتاجی اور مغلوبی مسلط کر دی گئی ہے"۔

میرے بھائیو! ان پر ذلّت مسلط کر دی گئی ہے سوائے تھوڑے عرصے کے۔ ﴿ اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ کہیں اللہ کی حفاظت میں یا انسانوں کی حفاظت میں پناہ مل گئی تو یہ اور بات ہے' استثنائی حالات میں جونہی یہ کچھ کرنے کے قابل ہوئے اللہ کی

سُنّت ان پر چلتی ہے۔ سورت الاسراء میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ○ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ ﴾ (بنی اسراء یل : ۷٬۸)

"پھر جب دوسرے وعدے کے وقت آیا تو ہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کیا تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد (بیت المقدّس) میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر ان کا ہاتھ پڑے اسے تباہ کر کے رکھ دیں۔ ہو سکتا ہے کہ اب تمہارا رب تم پر رحم کرے' لیکن اگر تم نے پھر اپنی سابق روش کا اعادہ کیا تو ہم بھی اپنی سزا کا اعادہ کریں گے"۔

یہ ہے ان کے ساتھ وعدہ جس پر ہمارا ایمان ہے ﴿ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ﴾ اور اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے صحیح حدیث میں بشارت فرمائی : ((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوا الْيَهُوْدَ)) "قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم یہودیوں سے جنگ نہ کرلو"۔ کانفرنس میں شرکت کرنے والے خوب سن لیں کہ وہ اللہ کی کتاب سے اور اس کے رسول ﷺ کے قول سے منہ موڑ رہے ہیں :

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوا الْيَهُوْدَ حَتّٰى يَقُوْلَ الشَّجَرُ وَالْحَجَرُ يَا مُسْلِمُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ هٰذَا يَهُوْدِيٌّ وَرَاءِىْ فَتَعَالَ اقْتُلْهُ))

"قیامت اُس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم یہودیوں سے جنگ نہ کرلو' یہاں تک کہ درخت اور پتھر کہیں گے : اے مسلم! او اللہ کے بندے! یہ دیکھ میرے پیچھے یہودی چھپا ہے' پس اس کے قتل کرنے میں دیر نہ کر"۔

اللہ کی قسم اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔

اسی طرح کتاب الفتن میں روم کے ساتھ جن جنگوں کا ذکر کیا گیا ہے اور الحمد للہ صحیح حدیثیں ہماری رہنمائی کرتی ہیں کہ جس علاقے کو یہ بدمعاش اپنے نیو ورلڈ آرڈر میں امن و سلامتی و خوشحالی کا خِطّہ بنانے کا کہہ رہے ہیں صحیح حدیثیں واضح اور دو ٹوک انداز میں بتاتی ہیں کہ یہ خطہ فتنوں' جنگوں اور خون آشامی کی آماجگاہ بننے والا ہے۔ انہی فتنوں کے

بارے میں حدیث کے الفاظ ہیں :

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا يُقَاتِلُكُمُ الرُّوْمُ وَيَنْزِلُوْنَ فِي الْاَعْمَاقِ))

"قیامت اُس وقت تک نہیں آئے گی جب تک روم تم سے جنگ نہ کرے اور رومی مقامِ اعماق تک نہ پہنچ جائیں"۔

اور دوسری روایت میں ہے : ((حَتّٰى تَنْزِلَ الرُّوْمُ بِدَابِقٍ)) "یہاں تک کہ روم مقامِ دابق تک پہنچ جائے"۔ اور ارضِ شام دراصل مقامِ جنگ ہے۔ یہ اراضی بھی بڑی اور ہونے والی جنگ بھی بڑی۔ مسلمانوں کے معرکوں کے لئے بھی یہی جگہ ہے جو فتح قسطنطنیہ اور فتح روم کا پیش خیمہ ہوگی' جس کی بابت آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا کچھ حصہ برّی اور کچھ حصہ بحری ہے۔

بلادِ شام کی فضیلت پر کافی حدیثیں ہیں جن پر امام ابن تیمیہؒ نے کافی وضاحتیں کی ہیں اور فرمایا کہ آخری زمانے میں ارضِ شام مسلمانوں کا ایک قلعہ بنے گی جہاں مسلمان رومیوں سے جنگ کریں گے۔

اس موضوع پر بہت سی حدیثیں ہیں جن کے لئے وقت ناکافی ہے۔ یہ تمام حدیثیں ان باتوں کو صاف جھٹلا رہی ہیں جو ہم نے درس میں بیان کیں' خواہ یہ باتیں توراتِ محرّفہ میں آئی ہوں' امریکہ کے سربراہوں نے کہی ہوں' یا کہنے والے بنیاد پرست عیسائی ہوں یا امن کے علمبردار' سب جھوٹ اور فریب کا پلندہ ہے۔

میڈرڈ کانفرنس کا مقصد' جیسا کہ صدر بش نے اپنے بیان میں کہا' فریقین کے مابین جنگ بندی ہی نہیں بلکہ فریقین کے درمیان دشمنی اور عداوت کو ختم کرنا ہے' اور یہی اُن کی اصل خواہش ہے' مگر اللہ تعالیٰ خود اس دشمنی اور عداوت کو قائم رکھنا چاہتے ہیں اور ان شاء اللہ ہماری ان سے دشمنی اور عداوت قائم رہے گی' ضرور رہے گی :

﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْآ اَمْثَالَكُمْ ۝ ﴾

(محمد : ۳۸)

"اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے"۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا :

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ﴾ (المائدۃ : ۵۴)

"اے وہ لوگو جو لوگ ایمان لائے ہو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کردے گا جو اللہ کے محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا' جو مؤمنوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے' جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے"۔

اس اہم مرحلے پر اگر ہم نے جہاد ترک کردیا اور ان دشمنوں کی طرف سے مطمئن ہوگئے تو یاد رکھو ہم ارتداد کے مرتکب ہوں گے جس جہاد کے کرنے کا حکم ہمیں اللہ نے دے رکھا ہے۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کسی دوسری قوم کو لائیں گے جن کے اوصاف آیت میں بتلائے گئے ہیں۔

مذکورہ عہد کے متعلق ارشاد ہوتا ہے :

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ .... ﴾ (النور : ۵۵)

"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا"۔

ایمان لانے والوں سے اللہ کا خلافت دینے کا وعدہ ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوا :

﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ○ ﴾ (الانبیاء : ۱۰۵)

"اور زبور میں ہم نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے"۔

اس کے علاوہ اور بہت ساری بشارتیں ہیں۔ جیسے حدیث میں آیا ہے : ((اِنَّ هٰذَا

الدِّيْنَ يَبْلُغُ مَا بَلَغَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ)) "بے شک یہ دین ہر اُس جگہ پہنچے گا جہاں دن اور رات ہوتے ہیں"۔ اس کے علاوہ اور بہت ساری بشارتیں ہیں جو وعدۂ حق کی تائید کرتی ہیں اور وعدۂ باطل کی تکذیب کرتی ہیں :

﴿ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ﴾

(الانبیاء : ۱۸)

"مگر ہم تو باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں جو اُس کا سر توڑ دیتی ہے اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے مٹ جاتا ہے"۔

اس کے بعد ذرا اکثر عیسائیوں کی بات بھی سن لیں۔ یہ خبیث پاٹ رابرٹسن کہتا ہے :

"امن سمجھوتہ کرنے کی میری بڑی خواہش تھی اور میں اس کا اظہار بھی کرنا چاہ رہا تھا' مگر میرا ایمان اس کی اجازت نہیں دیتا' کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ہرمجدّون کا واقعہ ضرور ہو گا' آخری فیصلہ کن معرکہ قریب ہے' ہرمجدّون ہوئی کہ ہوئی' اور یہ معرکہ وادی مجدون میں ٹھنے گا۔ بس سمجھو کہ یہ جنگ ہو چکی"۔

یہ امن سمجھوتہ کرنا چاہ رہے تھے' مگر اب اس کا کچھ فائدہ نہیں رہا' سیاہ راتیں چھا چکیں' ہم سمجھوتہ تو کرلیں لیکن ہونے والی جنگ کا کیا کریں جس میں یہ کاغذ کے پرزے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔

آپ نے جان لیا کہ فریقین مسلمان و اہل کتاب کے موقف میں کس قدر مشابہت ہے۔ ہم بھی اسی بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ معرکہ ہو کر رہنا ہے' خواہ جتنی بھی کانفرنسیں بلالی جائیں' اور وہ بھی اسی بات پر ایمان رکھتے ہیں۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ سچا وعدہ کن کے ساتھ ہے اور جھوٹا وعدہ کن کے ساتھ ہے۔

دوسرا خبیث جیری فول ویل ہے جس کا ذکر پہلے بھی ہوا' جیری فول ویل نے کہا :

"امن کی توقع حماقت ہے"۔ تمام وہ کوششیں جو امریکہ اور دوسرے ممالک کر رہے ہیں حماقت کے ڈانڈے ہیں' کیونکہ یہ کوششیں کتابِ مقدّس کے خلاف ہیں۔ اس نے کہا :

"اسرائیل کے لئے ہرگز مناسب نہیں کہ ایک بالشت زمین سے بھی دستبردار ہو' یہ خطّہ تورات کا خطّہ ہے جس کا وعدہ اس نے اپنے مؤمنین سے کر رکھا ہے"۔

ایک اور کٹر عیسائی Doughlas Chrocker ہے جو اسرائیل کو امن سمجھوتے سے خبردار کرتے ہوئے کہتا ہے : "انجیل پر پختہ ایمان رکھنے والے یہودی آرتھوڈکس (Orthodox) کی طرح ہیں جو دونوں ارضِ موعود سے لو لگائے ہوئے ہیں' وہ ارضِ موعود جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم اور اس کی اولاد سے کیا تھا۔ اسرائیل اپنے موقف کی ایسی صورت گری کے لئے جو امریکیوں کو قابل قبول ہو' ہمارے وسیع نشریاتی اسٹیشن بلا جھجک استعمال میں لا سکتا ہے' نشریاتی اسٹیشن خواہ سمائی ہوں یا مرئی ..... اللہ تعالیٰ اسرائیل کو مضبوط فوجی قوت دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور جیسے جیسے اسرائیل کی فوجی قوت میں اضافہ ہوتا جائے گا امریکہ میں مذہبی دایاں بازو اپنی حمایت بڑھاتا جائے گا اور باہمی روابط مزید پختہ ہوں گے"۔

مراد ہے تم جتنی شدت سے یہ امن کانفرنس ٹھکراؤ گے اے یہود! ہمیں اتنا اپنے قریب پاؤ گے۔ ہم دائیں بازو کی مذہبی شخصیات اس بات سے خوب راضی ہوں گی' کیونکہ وہ خود پہلے ہی اس امن کانفرنس کو ٹھکرا چکے ہیں۔

جم رابرٹسن (Jim Robertson) ایک اور کٹر عیسائی ہے اور امریکی حکومت میں اچھا خاصا اثر و رسوخ رکھتا ہے' یہاں تک کہ ایک مرتبہ صدر ریگن نے اپنی پارٹی کی افتتاحی تقریب میں اس سے دعا کی درخواست کی' دعا جس کا ان کے ہاں اپنا مفہوم ہے۔ جم رابرٹسن نے کہا : "اُس وقت تک امن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب تک مسیح آ نہ چکیں"۔

اس نے مزید کہا : "نزولِ مسیح سے پہلے امن کی خوشخبری دینا کفرِ بواح ہے"۔ یعنی اللہ کی آیات سے کفر کرنا ہے گویا جو شخص امن کے لئے کوشش کرے وہ اس کے خیال میں اللہ کی آیات سے کفر کرنے کا مرتکب ہوتا ہے' کیونکہ آیاتِ ربانی کی رو سے ایسا ممکن نہیں۔ اُس نے کہا : "یہ اللہ کی مخالفت ہے اور مسیح کی بھی مخالفت ہے"۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب "الانجلیون العسکریون" کی مؤلفہ لکھتی ہے : "انجیل مقدس پر سختی سے ایمان لانے والے چار کروڑ افراد اس بات پر پختہ ایمان رکھتے ہیں کہ اسرائیل عربوں کے جن جن علاقوں کو لے سکتا ہو لے لے' کیونکہ یہ خواہش خود اللہ تعالیٰ کی اپنی ہے۔"

اس کا اس بات پر بھی یقین ہے جس طرح وہ خود کہتے ہیں کہ : "ہم عیسائی ہوتے ہوئے نزولِ مسیح کی تاخیر کا باعث بن رہے ہیں' کیونکہ ہم اسرائیل کی مزید فلسطینی علاقے حاصل کرنے میں مدد نہیں کر رہے"۔

اندازہ لگائیں اگر نئی یہودی بستیاں بسائی نہ گئیں تو اس سے مسیح کی آمد میں تاخیر ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ امن کانفرنس کے علی الرغم اسرائیل مسلسل اپنی بستیاں بڑھا رہا ہے' خواہ مغربی پٹی کا علاقہ ہو یا جولان کا' اور ان تجاوزات میں اسرائیل کو امریکہ کی پشت پناہی حاصل ہے۔ وہ اسرائیل سے پکار پکار کہہ رہا ہے کہ خبردار کسی کی باتوں میں آکر قبضہ مہم چھوڑ نہ دینا! ایسا شخص دراصل نزولِ مسیح میں تاخیر لانا چاہتا ہے' ضروری ہے کہ یہودی اکٹھے ہوں۔

عیسائیوں کے ایک بڑے رہنما نے اسرائیل سے کہا کہ کسی بین الاقوامی قانون کے چکر میں نہ آنا اور نہ اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کے پھندے میں پھنسنا۔ یہودیوں کے لئے ان زیبائشی قواعد و ضوابط سے ہرگز وفاداری جائز نہیں۔ جس فریب خوردگی کا نام بین الاقوامی قانون ہے اسرائیل اس کی دھجیاں بکھیر دے' اور کیا چیز قانونی ہے اور کیا اخلاقی' اس کا تعین اپنی مرضی سے کرنا چاہئے۔ اس اصول کو بنیاد بناتے ہوئے جو اسرائیل کے لئے بہتر اور اس کی مصلحت میں ہو اُسے کر گزرے۔ یہی قانون ہے' اور یہی اخلاق ہے اور یہی شریعت ہے۔ اور بین الاقوامی قانون یہودیوں کو نئی آباد کاری کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور یہودی مفادات کے خلاف ہے تو اس قانون کو جوتیوں سے لتاڑو۔ بھاڑ میں جائیں قوانین و ضوابط۔ اور یہ بات کرنے والا کوئی اور نہیں' شامیر حکومت کی حزبِ مخالف کا لیڈر رہے اور یہ انجمن حقوقِ انسانی کا ممبر بھی ہے اور اس کا نام اسرائیل شاہاک ہے۔ اس نے کہا : "دائیں بازو سے تعلق رکھنے والے نووارد عیسائی اسرائیل کی کسی بھی فوجی کارروائی یا خونریزی سے درگزر کرنے کو تیار ہیں"۔ گویا وہ اس کی حمایت کرتے ہیں۔

(جاری ہے)

# محمدِ عربی ﷺ کی تربیت کا ایک گُلِ سرسبد
# امین الاُمّت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

—— مرتّب : حافظ محبوب احمد خان ——

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ان جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جن کی ذاتِ گرامی اس دَور کے تمام اعلیٰ فضائل و مناقب کا مجموعہ تھی۔ آپ سابقین اولین میں سے ہیں اور اس وقت اسلام لے آئے تھے جب مسلمانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی۔ آپ کی والدہ کا نام امیمہ بنت غنم بن جابر تھا۔ آپ کی والدہ بھی مسلمان ہوگئی تھیں اور اُن کا شمار صحابیات میں ہوتا ہے۔ غزوۂ بدر میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی عمر اکتالیس سال تھی' لہٰذا آغازِ اسلام میں ۲۸ سال اور اس طرح وہ گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہم سن تھے۔ اُن کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جو اپنی کنیت سے مشہور ہوئے۔ آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون' عبدالرحمٰن بن عوف اور اُن کے رفقاء کے ساتھ اسلام قبول کیا اور مکہ معظمہ وہ تمام اذیتیں برداشت کیں جو حلقہ بگوشانِ اسلام کو کفار کے ہاتھوں پہنچیں۔ آپ اُن دس خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں سے ہیں جن کو عشرۂ مبشرہ کہا جاتا ہے' اور جن کو خود سرکارِ رسالت مآب ﷺ نے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔ آپ کا شمار اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں بھی ہے جنہیں دو مرتبہ ہجرت کی سعادت حاصل ہوئی' پہلی بار آپ رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور دوسری بار مدینہ منورہ کی طرف' جہاں آپ نے حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ بن ہدم کے یہاں قیام فرمایا۔ مواخات میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو آپ کا بھائی بنایا گیا۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوات میں آپؓ ہمیشہ نہ صرف شامل رہے' بلکہ ہر موقع پر اپنی جانبازی' حُبِّ رسولؐ اور اطاعت و اتّباع کے اَنمٹ نقوش قائم فرمائے۔ اسی

جانبازی' حُبِّ رسول اور اطاعت و اتباع کے باعث آپؓ آنحضور ﷺ کی نظر میں خاص اہمیت کے حامل تھے اور تربیتِ نبوی نے آپ کی شخصیت کو اس طرح نکھارا کہ آپ ہر پہلو سے ایک کامل شخصیت کا روپ دھار گئے۔ میدانِ جنگ میں ایک بہترین جرنیل' اخلاقی پہلو سے ایک مکمل شخصیت' امانت کے میدان میں "امین الأمّت" کا لقب پایا اور شام میں اُن کی حکمرانی کا مختصر دور تاریخ اسلام کا ایک روشن پہلو ہے۔ آپ ہر میدان میں رسول اللہ ﷺ کے شانہ بشانہ رہے' خواہ یہ میدانِ جنگ ہو' خواہ سیاست کا میدان ہو یا امانت کا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر اُن کے والد کفّارِ مکّہ کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آئے تھے' اور جنگ کے دوران اپنے بیٹے (حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ) کو نہ صرف تلاش کرتے تھے بلکہ اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح اُن سے آمنا سامنا ہو جائے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اگرچہ اپنے والد کے کفر سے بیزار تھے' لیکن یہ پسند نہ کرتے تھے کہ اُن پر اپنے ہاتھ سے تلوار اٹھانی پڑے' اس لئے جب کبھی وہ سامنے آکر مقابلہ کرنا چاہتے تو یہ کترا جاتے' لیکن باپ نے اُن کا پیچھا نہ چھوڑا' اور بالآخر انہیں مقابلہ کرنا ہی پڑا' اور جب مقابلہ سر پر آ ہی گیا تو اللہ تعالیٰ سے جو رشتہ قائم تھا اس کی راہ میں حائل ہونے والا ہر رشتہ ٹوٹ چکا تھا' باپ بیٹے کے درمیان تلوار چلی' اور ایمان کفر پر غالب آگیا۔ باپ بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا۔ (۱)

غزوۂ احد کے موقع پر جب کفار کے ناگہانی حملے میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے مِغفر کے دو حلقے آپؐ کے رخسارِ مبارک میں اندر گھس گئے تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے دانتوں سے پکڑ کر نکالا' یہاں تک کہ اس کشمکش میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کے دو دانت گر گئے۔ دانت گر جانے سے چہرے کی خوش نمائی میں فرق آ جانا چاہئے تھا' لیکن دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اُن کے دانتوں کے گرنے سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے حسن میں کمی آنے کے بجائے اور اضافہ ہو گیا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ کوئی شخص جس کے سامنے کے دانت گرے ہوئے ہوں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا گیا۔ (۲)

ربیع الثانی ۶ ہجری میں انہیں قبیلہ ثَعلَبَة و اَنمار کی سرکوبی پر مامور کیا گیا۔ یہ لوگ

اطرافِ مدینہ میں غارت گری کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اُن کے مرکزی مقام ذی القصّہ پر چھاپا مارا، جس سے غارت گروں کی یہ جمعیت پہاڑوں میں منتشر ہو گئی، البتہ ایک شخص گرفتار ہوا، اور اس نے بطیب خاطر اسلام قبول کر لیا۔

حدیبیہ (٦ ہجری) کے صلح نامے میں بھی آپ کے دستخط بطور گواہ شامل تھے۔ ۹ ہجری میں جب وفد نجران یمن واپس گیا تو آنحضرت ﷺ نے انہیں بھی تبلیغ اسلام اور صدقات کی وصولی کے لئے اس کے ساتھ روانہ کیا۔ یہی موقع تھا جب آنحضرت ﷺ نے، جیسا کہ روایات سے مترشح ہوتا ہے، آپ کو امین الاُمّہ کہا۔ پھر اسی سال ۹ ھ میں انہوں نے جزیئے کی وصولی کے لئے بحرین کا سفر کیا۔

حضور ﷺ نے مختلف مواقع پر آپ کی تعریف فرمائی، جن میں سے چند درج ذیل ہیں :

۱) جب یمن کے لوگ مسلمان ہوئے اور انہوں نے اپنے درمیان کوئی معلّم بھیجنے کی درخواست کی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ "هٰذَا اَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ" (یہ اِس اُمت کے امین ہیں)[۳] اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد تو صحیحین میں مروی ہے کہ :

((لِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنٌ، وَاَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ))

"ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے، اور اِس امت کے امین ابو عبیدہ بن الجراح ہیں۔"

۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ "آنحضرت ﷺ کو اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ محبوب کون تھے؟" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ "ابو بکر رضی اللہ عنہ"۔ پوچھا گیا کہ "اُن کے بعد کون؟" فرمایا : "عمر رضی اللہ عنہ"۔ پھر پوچھا گیا کہ "ان کے بعد کون؟" اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا : "ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ"۔[۴]

۳) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ (مرسلاً روایت) فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ :

((مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا لَوْ شِئْتُ لَاَخَذْتُ عَلَيْهِ بَعْضَ خُلُقِهٖ اِلَّا

أَبَا عُبَيْدَةَ)) (۵)

"تم میں سے ہر شخص ایسا ہے کہ میں چاہوں تو اُس کے اخلاق میں کسی نہ کسی بات کو قابل اعتراض قرار دے سکتا ہوں' سوائے ابو عبیدہ کے"۔

حضور اکرم ﷺ کی تربیت نے آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہر دلعزیز اور معتبر بنا دیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد جب انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا سوال اٹھایا اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اُن سے گفتگو کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ یہیں سقیفہ میں تقریر کرتے ہوئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا :

"میں تمہارے لئے اِن دو شخصوں میں سے کسی ایک کو پسند کرتا ہوں۔ تم اِن دونوں میں سے جس سے چاہو بیعت کرلو"۔ (۶)

پھر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح کا ہاتھ پکڑ لیا اور خود بیٹھ گئے۔ لیکن حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں کسی اور پر اتفاق ہونے کا سوال ہی نہ تھا' مسلمان آپ ہی پر متفق ہوئے' لیکن اس موقع پر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا نام صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے پیش ہونا واضح کرتا ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہ میں آپ کا مقام کیا تھا؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں شام کی مہمات حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد فرمائی تھیں۔ شام کے محاذ پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی نظر میں آپ ایک با اعتماد شخصیت اور اُن کے قابل ترین جرنیل تھے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے شام میں جابیہ کے ارد گرد کا علاقہ فتح کر کے جابیہ میں اپنی چھاؤنی بنائی' جہاں مرکز سے برابر دستے اور رسالے آکر جمع ہوتے۔ جابیہ میں آپؓ کو اطلاع دی گئی کہ قیصر روم انطاکیہ چلا گیا ہے جہاں اُس نے اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا ہے اور ایسے لشکر تیار کئے ہیں جو اس کے باپ دادا یا کسی اور بادشاہ نے کبھی نہیں کئے۔ آپؓ نے صورتِ حال سے مطلع ہو کر خلیفۂ رسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا :

"مجھے خبر ملی ہے کہ شاہ روم ہرقل انطاکیہ میں فروکش ہوا ہے۔ اس نے اپنی

بیرون شام قلمرو سے فوجیں بلائی ہیں۔ یہ فوجیں اس کے پاس روانہ ہو چکی ہیں۔
میں نے مناسب سمجھا کہ آپ کو صورتِ حال سے مطلع کروں تاکہ آپ مناسب
کارروائی کریں"۔ (۷)

خلیفۂ رسول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تمہارا خط ملا' شاہ روم کی فوجی تیاریوں کا حال معلوم
ہوا۔ اُس کے انطاکیہ میں قیام پذیر ہونے کے معنی ہیں کہ وہ اور اس کی فوجیں
شکست کھائیں گی اور تم اور مسلمان اللہ کے فضل سے فتح حاصل کرو گے۔ تم نے
یہ جو لکھا ہے کہ تم سے لڑنے کے لئے وہ اپنی ساری قلمرو سے فوجیں جمع کر رہا ہے
تو یہ ایسی بات ہے جس کے رونما ہونے کا ہمیں اور تمہیں پہلے سے علم تھا۔ کوئی
قوم اپنا اقتدار اور اپنا ملک لڑے بغیر نہیں چھوڑا کرتی۔ تمہیں خوب معلوم ہے
کہ بہت سے مسلمان اُن سے پہلے لڑ چکے ہیں جن کو موت اتنی پیاری تھی جتنی اُن
کے دشمن کو زندگی۔ جو جان کی قربانی دے کر اللہ تعالیٰ سے "اجر عظیم" کے
طالب تھے' جو جہاد فی سبیل اللہ کو اپنی باکرہ بیویوں اور عمدہ اونٹوں سے زیادہ
عزیز رکھتے تھے' جن کا ایک مرد جنگ میں مشرکوں کے ہزار آدمیوں سے بہتر تھا۔
ان جان نثاروں کی مثال سامنے رکھ کر اپنی فوج سے اُن کا مقابلہ کرو اور تعداد کی
کمی سے نہ گھبراؤ! اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ پھر بھی ان شاء اللہ میں تمہارے پاس
اتنی رسد بھیجوں گا جس سے تم مطمئن ہو جاؤ گے اور جس سے زیادہ کی تم کو
خواہش نہ رہے گی۔ والسلام علیک"۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے حضرت خالد بن
ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجنے اور شام میں موجود فوج کی کمان اُن کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ
حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اُن کے بااعتماد جرنیل تھے مگر حضرت خالد بن ولید کو نومسلم ہونے کے
باوجود اُن کی جنگی صلاحیت کے باعث حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ پر ترجیح دی گئی' کیونکہ وہ نہ
صرف شامیوں کی لڑائی کے فن' تجربہ اور جنگی چالوں کو بخوبی سمجھتے تھے بلکہ خود اعتمادی
کے زیور سے بھی آراستہ تھے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی معزولی کے فرمان کا مضمون یہ تھا :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح ہو کہ میں نے شام میں رومیوں سے لڑائی کی
کمان خالد کو دے دی ہے' تم اُن کی مخالفت نہ کرنا' اُن کی بات ماننا اور اُن کی

رائے پر عمل کرنا۔ میں نے یہ جانتے ہوئے کہ تم خالد سے بہتر ہو' اُن کو تمہارا افسرِ اعلیٰ بنا دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اُن کو جنگی معاملات کی تم سے زیادہ سمجھ بوجھ ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں اور تمہیں سیدھے راستے پر گامزن رکھے' السلام علیک و رحمۃ اللہ"۔

ربیع الاوّل ۱۳ ہجری میں تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنا عہدہ سنبھالنے کیلئے شام روانہ ہوئے۔ چونکہ وہ نو مسلم تھے جبکہ اس کے برعکس حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ مہاجرین اوّلین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ترین ساتھیوں میں سے تھے' اُن کی خدمات جنگ اور امن کی حالت میں شاندار تھیں' عادات و اطوار پسندیدہ تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں اُن کو خاص امتیاز حاصل تھا' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اُن کا احترام کرتے تھے' لہٰذا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اس خیال سے غیرت آئی کہ وہ افسر اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جیسی بھاری بھرکم شخصیت اُن کے ماتحت ہو۔ اس احساس کے زیرِ اثر انہوں نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو عزت و احترام سے بھرپور خط لکھا' جس میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا احترام و ادب جھلکتا ہے :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ابو عبیدہ بن الجراح کی خدمت میں خالد بن ولید کی طرف سے سلام علیک۔ میں اس معبود کا سپاس گزار ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ خدا سے التجا ہے کہ قیامت کے دن مجھے اور آپ کو دوزخ کی سزا سے امان میں رکھے اور دنیا میں آزمائشوں اور مصیبتوں سے۔ خلیفۂ رسول اللہ (ابو بکر رضی اللہ عنہ) کا فرمان موصول ہوا ہے جس میں انہوں نے حکم دیا ہے کہ شام جا کر وہاں کی فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لوں۔ بخدا میں نے نہ تو اس عہدہ کی درخواست کی نہ خواہش اور نہ اُن سے اس بارے میں کوئی خط و کتابت کی۔ آپ پر خدا کی رحمت۔ (میرے سالارِ اعلیٰ ہونے کے باوجود) آپ کی حیثیت وہی رہے گی جو تھی۔ آپ کے کسی حکم کو ٹالا نہ جائے گا' نہ آپ کی رائے اور مشورہ کو نظر انداز کیا جائے گا اور نہ آپ کے مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ ہو گا۔ آپ مسلمانوں کی ایک برگزیدہ شخصیت ہیں' نہ تو آپ کے فضل سے انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ آپ کی رائے سے بے پرواہی برتنا ممکن ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ

اپنی مہربانیوں کو پایہ تکمیل تک پہنچادے گا اور مجھے اور آپ کو دوزخ کے عذاب
سے محفوظ رکھے' والسلام علیکم ورحمتہ اللہ"

ان خطوط سے یہ اظہر من الشمس ہے کہ آپ محمد عربی ﷺ کی نظر میں محبوب' ان کے خلیفہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نظر میں محبوب اور قابل اعتماد اور اپنے ساتھی صحابہ کی نظر میں انتہائی قابل احترام اور بزرگ صحابی تھے۔ دوسری طرف آپ نے اطاعت امیر میں بھی مثالی رویہ اختیار کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ ہجری کو مسلمانوں نے بیعت عامہ کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے ہی خطبہ میں آپ کو پھر سالارِ لشکر بنا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کو سالارِ لشکر بنانے کے لئے مشورہ میں اس بات کا اظہار کرتے ہیں۔ اس مشاورت میں ہمیں خلافت میں اظہارِ رائے اور مشاورت کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ مشورہ دینے والا ایک عامی ہے۔ دورِ خلافتِ راشدہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے اس نظام میں عوام انتہائی جرأت مند اور اپنی رائے کا اظہار کرنے میں بے باک تھے' اور اس بات میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے تھے کہ وہ کسی بڑے سالار سے مخاطب ہیں یا خلیفہ سے۔ خلیفہ کی جس بات میں وہ تشنگی محسوس کرتے اس کا برملا اظہار کرتے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس اپنی اس رائے کا اظہار کیا کہ :

"میں خالد بن ولید کو لشکر اسلام کی امارت سے معزول کر کے ان کی جگہ ابو عبیدہ کو سپہ سالارِ عساکر اسلام مقرر کرتا ہوں"۔

تو اس پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قوم بنی مخزوم میں سے ایک نوجوان کھڑا ہوتا ہے اور اپنا اعتراض بیان کرتا ہے :

"کیا آپ ایسے شخص کو امارت سے معزول کرتے ہیں جس نے ملک شام میں اپنی قوتِ بازو سے دشمنانِ اسلام کو پامال کر کے اسلام کا نام روشن کر دیا ہے۔ انہوں نے بے شمار شہر فتح کر کے سلطنت عرب کو وسیع کیا' رومیوں کے بے شمار لشکروں کو اپنی مٹھی بھر فوج کے ساتھ ہر موقع پر شکست دی اور رسول اللہ ﷺ کے خطاب "سیف اللہ" کو حقیقی معنوں میں ظاہر کیا۔ اگرچہ خلیفۂ اوّل کے عہد میں بھی بعض اصحاب نے خالد بن ولید کو امارت سے معزول کرانا چاہا لیکن ابو بکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تھا کہ میں "سیف اللہ" (اللہ کی تلوار) کو نیام میں نہیں رکھنا چاہتا' لہذا آپ بھی اپنے فیصلہ پر غور فرمائیں"۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

"مجھ پر اگرچہ آپ لوگوں نے خلافت کی امارت کا بوجھ ڈالا ہے لیکن میں اپنے آپ کو ایک چرواہے کی مانند سمجھتا ہوں' چرواہا اگر غفلت کرتا ہے تو فقط اس کو نقصان ہی نہیں پہنچتا بلکہ اس کی بازپرس بھی ہوتی ہے۔ لہذا میں جانتا ہوں کہ اس امارت میں اپنے فرائض سے اگر کوئی قصور ہو جائے تو مجھے بارگاہ ایزدی میں اس کا جواب دینا پڑے گا۔ ہر شخص کو اپنے فرائض کا احساس ہونا چاہئے۔ دینی طریق عمل کے علاوہ دُنیوی طرزِ تمدن اور طریقۂ انتظام منتظم کی طبیعت پر منحصر ہے' کیونکہ ہر شخص کی طبیعت فطرتاً مختلف ہے۔

امورِ مملکت نیک نیتی اور دین اسلام کی تعلیمات کے مطابق سرانجام ہونے چاہئیں۔ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو طبعاً خالد بن ولید پر کلی اعتماد تھا' اس لئے آپ نے ان کو امیر لشکر مقرر فرمایا تھا' لیکن میں خالد بن ولید کی نسبت ابوعبیدہ بن الجراح پر زیادہ مطمئن ہوں' اس لئے میں خالد بن ولید کی جگہ ابوعبیدہ کو امیر مقرر کرتا ہوں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاصد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے نام حکم نامہ لے کر پہنچتا ہے اور اہلِ لشکر کے سامنے سناتا ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد از حمدِ باری تعالیٰ اور درود مصطفیٰ' تمہارے سپرد میں نے مسلمانوں کا جو کام کیا ہے اس کام کے متعلق تم کو شرم نہیں آنی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی امرِ حق سے نہیں شرماتا۔ میں تمہیں پرہیزگار رہنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اللہ سے ڈرتے رہنا' اُس خدائے واحد سے جس کے سوا سب نیست ہونے والا ہے' اور وہ ایسا خدا ہے جس نے تمہیں کفر و ضلالت سے نکال کر اسلام کی راہ دکھا کر تم کو نجات دی اور بہادرانِ اسلام کے سردار بننے کی عزت۔ اُسی خدا کی مہربانی سے تم خالد کو مطلع کر کے امارت سے معزول کر دو اور مسلمانوں کو مالِ غنیمت ملنے کی خوشی میں ہلاکت میں ڈالنے کی کوشش نہ کرو اور نہ دشمنوں کی کثیر جمعیت کے

مقابل بہت کم تعداد بھیجو۔ میں امید رکھتا ہوں کہ تم اپنی خوش تدبیری اور معاملہ فہمی سے خدا پر بھروسہ کر کے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرو گے۔ اس بات کا خیال رکھو کہ مسلمان مصائب و آلام میں مبتلا نہ ہوں۔ طمع دنیا سے آنکھیں بند اور دل کو پاک رکھو اور ان لوگوں سے سبق حاصل کرو جو لوگ تم سے پہلے مرض ہلاکت میں پڑ گئے اب تم اپنے ماتحت مسلمانوں کو بھی آخرت کے دن سے خبردار کر کے سیدھے اور صاف راستہ پر چلاؤ تاکہ آخرت میں نیکو کاری کے ثواب کا زاد راہ لے کر جائیں"۔

خلیفۂ دوم کے اس حکم کے تحت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ لشکر اسلام کے امیر مقرر ہوئے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ثانی کے حکم پر نہایت خوشی سے اپنا سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا :

"میں محض اسلام کا ایک سپاہی ہوں اور میں نے اپنے نفس کو خدا کی راہ میں قید کیا ہوا ہے۔ مجھے امارت یا سرداری کی کوئی تمنا نہیں ہے' میں اشاعت اسلام اور دین حق کے لئے ایک سپاہی کی حیثیت سے لڑوں گا اور جس سردار کی ماتحتی میں رہوں گا اس کی اطاعت مجھ پر فرض ہو گی"۔ (۸)

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو امارت ملی تو انہوں نے فرض ادا کیا اور جب ان سے واپس لے لی گئی تو انہوں نے اطاعتِ امیر میں بخوشی اس حکم کو قبول کیا۔ جب آپ کو پھر امیرِ لشکر مقرر کیا گیا تو آپ نے دین حق کے ایک سپاہی کی طرح ایک بار پھر اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی نبھایا اور شام کی فتح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے گورنر کے فرائض انجام دیئے۔

شام کا خطّہ اپنی زرخیزی' آب و ہوا اور قدرتی مناظر کے لحاظ سے عرب کے صحرا نشینوں کے لئے ایک جنتِ ارضی سے کم نہ تھا' دوسری طرف یہاں اُس وقت کے لحاظ سے انتہائی متمدّن تہذیب یعنی رومی تہذیب کا دور دورہ تھا' لیکن ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے جو انمٹ رنگ اپنے قلب و دماغ پر چڑھا لیا تھا اس میں وہ اس قدر پختہ تھے کہ شام کی رنگینیاں ان کے زہد و قناعت' دنیا بیزاری اور آخرت کی ہمہ وقتی فکر پر ذرہ برابر اثر انداز نہ ہو سکیں۔ اس بات کا اندازہ ہمیں اس واقعہ سے

ہوتا ہے :

جب حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے تو اسی زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے دورے پر تشریف لائے۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ "مجھے اپنے گھر لے چلئے"۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا : "آپ میرے گھر میں کیا کریں گے؟ وہاں آپ کو شاید میری حالت پر آنکھیں نچوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہو؟" لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصرار فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے تو وہاں کوئی سامان ہی نظر نہ آیا' گھر ہر قسم کے سامان سے خالی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حیران ہو کر پوچھا : "آپ کا سامان کہاں ہے؟ یہاں تو بس ایک نمدہ' ایک پیالہ' ایک مشکیزہ نظر آرہا ہے' آپ امیر شام ہیں' آپ کے پاس کھانے کی بھی کوئی چیز ہے؟"۔

یہ سن کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ایک طاق کی طرف بڑھے اور وہاں سے روٹی کے کچھ ٹکڑے اٹھا لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو رو پڑے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : "امیرالمؤمنین! میں نے تو پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ آپ میری حالت پر آنکھیں نچوڑیں گے۔ بات دراصل یہ ہے کہ انسان کے لئے اتنا اثاثہ کافی ہے جو اسے اپنی خوابگاہ (قبر) تک پہنچادے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : "ابو عبیدہ! دنیا نے ہم سب کو بدل دیا' مگر تمہیں نہیں بدل سکی"۔ (۹)

اللہ اکبر! وہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جس کے نام سے قیصر روم کی عظیم طاقت لرزہ براندام تھی' جس کے ہاتھوں روم کے عظیم الشان قلعے فتح ہو رہے تھے' اور جس کے قدموں پر روزانہ رومی مال و دولت کے خزانے ڈھیر ہوتے تھے' وہ روٹی کے سوکھے ٹکڑوں پر زندگی بسر کر رہا تھا ـــــ دنیا کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر اسے اتنا ذلیل و رسوا کسی نے کیا تو وہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی جاں نثار تھے ؎

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی!

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اُن خوش نصیب حضرات میں سے تھے جو نبی صادق و مصدوق

ﷺ کی زبانِ مبارک سے اپنے جنت میں جانے کی بشارت سن چکے تھے' اور آنحضرت ﷺ کی کسی خبر پر ادنیٰ تردد کا بھی ان کے یہاں کوئی سوال نہ تھا۔ اس کے باوجود خشیتِ الٰہی کا عالم یہ تھا کہ بعض اوقات فرماتے تھے کہ :

وددتُ انی کنتُ کبشًا' فیذبَحنی اھلی فیأکلون لحمی ویحسون مرقی (۱۰)

"کاش کہ میں ایک مینڈھا ہوتا' میرے گھر والے مجھے ذبح کر کے میرا گوشت کھاتے اور میرا شوربا پیتے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے اتنے قدر دان تھے کہ ایک مرتبہ جب اپنے بعد خلیفہ کے تقرر کا سوال آیا تو آپ نے فرمایا کہ "اگر ابو عبیدہ کی زندگی میں میرا وقت آگیا تو مجھے کسی سے مشورے کی بھی ضرورت نہیں' میں ان کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کے لئے نامزد کر جاؤں گا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اس نامزدگی کے بارے میں مجھ سے پوچھا تو میں عرض کر سکوں گا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے' اور اس امت کے امین ابو عبیدہ بن الجراح ہیں"۔ (۱۱)

جب اردن اور شام میں وہ تاریخی طاعون پھیلا جس میں ہزاروں افراد لقمہ اجل بنے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے :

سلامٌ علیک' اما بعد' فانہ قد عرضتُ لی الیک حاجةٌ ارید ان اشافھک بھا' فعزمتُ علیک اذا نظرتَ فی کتابی ھٰذا ان لا تضعہ من یدک حتی تقبل الیّ

"سلام کے بعد' مجھے ایک ضرورت پیش آگئی ہے جس کے بارے میں آپ سے زبانی بات کرنا چاہتا ہوں' لہٰذا میں پوری تاکید کے ساتھ آپ سے کہتا ہوں کہ جونہی آپ میرا یہ خط دیکھیں تو اسے اپنے ہاتھ سے رکھتے ہی فوراً میری طرف روانہ ہو جائیں۔"

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اطاعت امیر کے ساری زندگی پابند رہے' لیکن اس خط کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ شدید ضرورت (جس کے لئے مجھے مدینہ منورہ بلایا ہے)

صرف یہ ہے کہ وہ مجھے اس طاعون زدہ علاقے سے نکالنا چاہتے ہیں' چنانچہ یہ خط پڑھ کر انہوں نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا :

عرفتُ حاجةَ امیر المؤمنین' اِنه یرید ان یستبقی مَن لیس بباقٍ

"میں امیرالمؤمنین کی ضرورت سمجھ گیا' وہ ایک ایسے شخص کو باقی رکھنا چاہتے ہیں جو باقی رہنے والا نہیں۔"

یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ جواب لکھا :

یا امیرَ المؤمنین انّی قد عرفتُ حاجتکَ الیَّ وانی فی جُندٍ من المُسلمین لا اَجِدُ بنفسی رغبةً عنهم فلستُ ارید فراقَهم حتّٰی یقضی اللّٰه فیَّ وفیهم امره وقضاه' فَخَلِّنی من عزیمتک یا امیر المومنین ودعنی فی جندی۔

"امیرالمؤمنین' آپ نے مجھے جس ضرورت کے لئے بلایا ہے وہ مجھے معلوم ہے' لیکن میں مسلمانوں کے ایسے لشکر کے درمیان بیٹھا ہوں جس کے لئے میں اپنے دل میں اعراض کا کوئی جذبہ نہیں پاتا' لہٰذا میں ان لوگوں کو چھوڑ کر اُس وقت تک آنا نہیں چاہتا جب تک اللہ تعالیٰ میرے اور ان کے بارے میں اپنی تقدیر کا حتمی فیصلہ نہیں فرما دیتا۔ لہٰذا امیرالمومنین! مجھے اپنے اس تاکیدی حکم سے معاف فرما دیجئے اور اپنے لشکر ہی میں رہنے دیجئے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خط پڑھا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جو لوگ پاس بیٹھے تھے وہ جانتے تھے کہ خط شام سے آیا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آبدیدہ دیکھ کر انہوں نے پوچھا : "کیا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : "ہوئی تو نہیں' لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہونے والی ہے"۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرا خط لکھا :

سلام علیک' اما بعد فانّک انزلتَ النّاس ارضا عمیقة' فارفعهم الٰی ارض مرتفعة نزهة

"سلام کے بعد' آپ نے لوگوں کو ایسی زمین میں رکھا ہوا ہے جو نشیب میں ہے' اب انہیں کسی بلند جگہ پر لے جایئے جس کی ہوا صاف ستھری ہو۔"

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ خط حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو پہنچا تو انہوں نے مجھے بلا کر کہا کہ امیرالمؤمنین کا یہ خط آیا ہے' اب آپ ایسی جگہ تلاش کیجئے جہاں لے جاکر لشکر کو ٹھہرایا جاسکے۔ مَیں جگہ کی تلاش میں نکلنے کے لئے پہلے گھر پہنچا تو دیکھا کہ میری اہلیہ طاعون میں مبتلا ہو چکی ہیں' مَیں نے واپس آکر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بتایا۔ اس پر انہوںؒ نے خود تلاش میں جانے کا ارادہ کیا اور اپنے اونٹ پر کجاوہ کسوایا' ابھی آپ نے اس کی رکاب میں پاؤں رکھا ہی تھا کہ آپ پر بھی طاعون کا حملہ ہو گیا' اور اسی طاعون کے مرض میں آپ نے وفات پائی۔ [۱۲] رضی اللّٰہ عنہ وارضاہ !

## حواشی

۱) الاصابہ للحافظ ابنِ حجر' ح ۲' ص ۲۴۴

۲) المستدرک للحاکم ص ۲۶۲' ح ۳ و طبقات ابن سعد' ج ۳' ص ۲۹۸

۳) الاصابہ' ج ۲' ص ۲۴۳ بحوالہ مسند احمد

۴) جامع الترمذی' ابواب المناقب' ح ۳۶۵۷ و سنن ابن ماجہ' مقدمہ' ح ۱۰۲

۵) المستدرک للحاکم' ج ۳' ص ۲۶۲' والاصابہ للحافظ' ح ۲' ص ۲۴۴

۶) تاریخ یعقوبی' جلد ۲' ص ۱۳۷

۷) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سرکاری خطوط

۸) اسلام کے چار عظیم جرنیل' حفیظ اللہ

۹) سیر اعلام النبلاء للذھبی ح ۱' ص ۱۷۔ بحوالہ سنن ابی داؤد بروایۃ ابن الاعرابی۔ اس واقعے کا اختصار امام ابونعیم کی حلیۃ الاولیاء ج ۱' ص ۱۰۱ و ۱۰۲' مصنف عبدالرزاق (حدیث : ۲۰۶۲۸) اور امام احمدؒ کی کتاب الزہد ص ۱۸۴ میں بھی مروی ہے۔

۱۰) سیر اعلام النبلاء ج ۱' ص ۱۸ و طبقات ابنِ سعد' ح ۳' ص ۳۰۰۔

۱۱) مسند احمد ح ۱' ص ۱۸ و مستدرک حاکم' ج ۳' ص ۲۶۸۔

۱۲) اس پورے واقعے کے لئے ملاحظہ ہو البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر' ج ۷' ص ۷۸ و سیر اعلام النبلاء' ج ۱' ص ۱۸' ۱۹ و مستدرک حاکم' ج ۳' ص ۲۶۳۔

سیرت و سوانح

# مولانا سیّد سلیمان ندویؒ کے علمی کارنامے

تحریر : عبدالرشید عراقی

مولانا سید سلیمان ندوی اپنے دور کے ایک جید عالم دین تھے اور اس کے ساتھ عربی' فارسی اور اردو کے بلند مرتبہ ادیب تھے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر مذہبی و دینی 'علمی و تحقیقی' تاریخی و تنقیدی مقالات الندوہ لکھنؤ' الہلال کلکتہ اور معارف اعظم گڑھ میں لکھے اور سارے ملک سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ آپ نے جو کتابیں لکھیں اُن پر بھی برصغیر پاک و ہند کے نامور اہل علم و قلم نے ان کی تعریف و توصیف کی۔ سیرۃ النبی ﷺ' تاریخ ارض القرآن' سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حیاتِ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حیاتِ شبلی ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ سید صاحب نے بعض مقالات اتنے طویل لکھے کہ وہ سید صاحب کی زندگی میں کتابی صورت میں شائع ہوئے۔ مثلاً رسالہ اہل سُنّت و الجماعت' خواتین اسلام کی بہادری' دنیائے اسلام اور مسئلہ خلافت اور خلافت اور ہندوستان وغیرہ

مولانا سید سلیمان ندوی کی پہلو دار شخصیت ان کی علمی و ادبی تصنیفات اور تاریخی و تنقیدی اور تحقیقی مقالات سے مکمل طور پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ سید صاحب اپنے تبحر علمی اور فضل و کمال کے ساتھ جامع الصفات و الکمالات شخصیت تھے۔ وہ بیک وقت مفسر بھی تھے اور محدث بھی' فقیہہ بھی تھے اور مؤرخ بھی' محقق بھی تھے اور ادیب بھی' معلم بھی تھے اور متکلم بھی' نقاد بھی تھے اور مبصر بھی' خطیب بھی تھے اور مقرر بھی' مصنف بھی تھے اور صحافی بھی' شاعر بھی تھے اور صوفی بھی۔ اور سب سے بڑھ کر آپ ایک بلند پایہ سیرت نگار بھی تھے۔ ادب و تنقید کا میدان ہو یا تاریخ و سیر کا' سیاسی موضوعات ہوں یا دقیق علمی بحثیں' وہ ہر میدان کے غازی تھے اور ان کا اشہب قلم یکساں جولانی دکھاتا تھا۔

یوں تو سید صاحب کی تمام تصانیف سند کی حیثیت رکھتی ہیں' لیکن آپ نے بہت سے قومی و ملی جلسوں میں جو علمی و تحقیقی مقالات پڑھے وہ آپ کے ذوق تحقیق اور وسعتِ مطالعہ کا آئینہ دار ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے :

۱) خطباتِ مدراس (اکتوبر ۱۹۲۵ء) ۲) عرب و ہند کے تعلقات (مارچ ۱۹۲۹ء)
۳) خیام (دسمبر ۱۹۳۰ء) ۴) عربوں کی جہاز رانی (مارچ ۱۹۳۱ء)
۵) لاہور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج محل اور لال قلعہ بنایا۔ (اپریل ۱۹۳۳ء)

## خطباتِ مدراس

اکتوبر ۱۹۲۵ء میں مدراس مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کی دعوت پر سیرۃ النبی ﷺ کے موضوع پر آٹھ خطبات ارشاد فرمائے۔ یہ خطبات سیرۃ النبی ﷺ کا جوہر اور عطر ہیں۔ سید صاحب نے ان خطبات میں سیرۃ نبویؐ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے :

۱) انسانیت کی تکمیل صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں سے ہو سکتی ہے۔
۲) عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے۔
۳) سیرۃ نبویؐ کا تاریخی پہلو ۴) سیرۃ نبویؐ کی کاملیت
۵) سیرۃ نبویؐ کی جامعیت ۶) سیرۃ نبویؐ کی عملیت
۷) اسلام کے پیغمبر کا پیغام ۸) ایمان اور عمل

یہ خطبات سید صاحب کے وسعت مطالعہ اور ذوق تحقیق کا آئینہ دار ہیں۔ یہ خطبات پہلی بار ۱۹۲۶ء میں منصہ شہود پر آئے۔ ان خطبات کا انگریزی ترجمہ سعید الحق ویسنوی نے "LIVING PORPHET" کے نام سے اور عربی ترجمہ مولانا محمد ناظم ندوی نے "الرسالۃ المُحمّدیہ" کے نام سے کیا۔ یہ دونوں ترجمے مطبوع ہیں۔

## عرب و ہند کے تعلقات

مارچ ۱۹۲۹ء میں سید صاحب نے ہندوستان اکیڈیمی الٰہ آباد کی دعوت پر "عرب و ہند کے تعلقات" کے موضوع پر پانچ خطبات ارشاد فرمائے۔ یہ خطبات سید صاحب کی تحقیقات اور وسعتِ معلومات کا مظہر ہیں۔ اور یہ خطبات تلاش و تحقیق، محنت و کاوش اور حجت و استدلال کے اعتبار سے بے مثل سمجھے جاتے ہیں۔ ان خطبات میں عرب و ہند کے تعلقات کے ایسے ایسے گوشے بے نقاب کئے گئے ہیں جو اب تک نگاہوں سے مخفی تھے۔ سید صاحب نے جن عنوانات کے تحت یہ خطبات ارشاد فرمائے ان کی تفصیل یہ ہے :

۱) تعلقات کا آغاز اور ہندوستان کے عرب سیاح
۲) تجارتی تعلقات ۳) علمی تعلقات
۴) مذہبی تعلقات ۵) ہندوستان میں مسلمان فتوحات سے پہلے

یہ خطبات پہلی بار ہندوستان اکیڈیمی نے ۱۹۳۰ء میں کتابی شکل میں شائع کئے۔ بعد میں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے بھی تین چار بار شائع ہو چکے ہیں۔ ان خطبات کا انگریزی ترجمہ سعید الحق ویسنوی نے کیا تھا جو "اسلامک کلچر" حیدر آباد دکن میں قسط وار شائع ہوا اور بعد میں پاکستان میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔

## خیام

دسمبر ۱۹۳۰ء میں سید صاحب نے آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے اجلاس پٹنہ میں "خیام" کے نام سے ایک مقالہ پڑھا تھا۔ اس مقالہ کو اہل علم و تحقیق نے بہت پسند فرمایا اور آپ کی وسعت معلومات اور ذوقِ تحقیق کی خوب داد دی۔ سید صاحب نے اس میں رباعیات کا اضافہ کر کے ایک مستقل کتاب بنا دی۔ اس میں پہلی مرتبہ خیام کو ایک شاعر اور رند کے بجائے ایک فاضل، حکیم اور فلسفی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور اس کی رباعیات کی تحقیق کی گئی ہے۔ سید صاحب نے اس کتاب پر کئی سال محنت کر کے اس کو مکمل کیا۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۳۳ء میں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی۔ جب یہ کتاب علامہ اقبال کے پاس پہنچی تو انہوں نے سید صاحب کو لکھا :

> "عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا۔"

سید صاحب نے اس کتاب میں تین باب قائم کئے ہیں :

۱) سوانح خیام کے مآخذ و مصادر پر ناقدانہ تبصرہ
۲) مشہور داستان معاصرت کی تنقید

(وطن، نام و نسب، اخذ و استفادہ، فضل و کمال، خیام ابو طاہر کی تربیت میں، خیام ملک شاہ سلجوقی کے دربار میں، خیام ملک شاہی رصد خانہ میں، وفات، قبر، تلامذہ، تصنیفات، شاعر خیام، فارسی رباعیات، عمر خیام کا مذہب، خیام کا مشرب و مسلک، جعلی خیام، خیام کی شراب)

۴) استدراک و اضافہ

## عربوں کی جہاز رانی

مارچ ۱۹۳۱ء میں مولانا سید سلیمان ندوی نے حکومت بمبئی کے شعبہ تعلیم کی فرمائش پر "عربوں کی جہاز رانی" کے موضوع پر انجمن اسلام ہال بمبئی میں چار خطبات ارشاد فرمائے۔ یہ خطبات سید صاحب کی ذہانت، قوتِ حافظہ، ذوقِ تحقیق اور وسعت معلومات کے آئینہ دار ہیں۔ یہ خطبات بمبئی کے اردو اخبارات نے شائع کیے۔ انگریزی اخبارات نے بھی ان خطبات کے اقتباسات انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع کئے اور سید صاحب کے تلاش و جستجو اور تحقیق کی داد دی۔

سید صاحب کے خطبات کے عنوانات یہ تھے :

۱) زمانہ جاہلیت اور اسلام میں عربوں کی جہاز رانی، ان کی زبان میں بحری الفاظ کی کثرت، اشعارِ عرب اور قرآن پاک میں بحری سفر کے حوالے۔
۲) عربوں کی دنیا کے سمندروں سے واقفیت، اور ان کے بحری سفروں کی انتہائی منزلیں اور بعض بحری انکشافات۔
۳) عربوں کے سامان و آلات جہاز رانی۔
۴) عربوں کی بحرِ محیط کو عبور کرنے کی کوششیں اور امریکہ تک پہنچنے کے امکانات۔

یہ خطبات کتابی شکل میں دو بار اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی نے شائع کئے اور تیسری بار ۱۹۳۵ء میں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئے۔ ان خطبات کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

## لاہور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج محل اور لال قلعہ بنایا

مولانا سید سلیمان ندوی نے اپریل ۱۹۳۳ء میں ادارہ معارف اسلامیہ لاہور کے سالانہ اجلاس میں ایک تاریخی و تحقیقی مقالہ بعنوان "لاہور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج محل اور لال قلعہ بنایا" پڑھا۔ اس مقالہ میں سید صاحب نے بڑی تلاش و جستجو اور مستند شہادتوں سے استدلال کرتے ہوئے بتایا کہ تاج محل کا معمار در حقیقت نادر العصر استاد احمد معمار ہے جو ہندسہ، ہیئت اور ریاضیات کا بڑا عالم تھا۔

اس اجلاس کی صدارت علامہ اقبال نے فرمائی تھی۔

## خطبہ ہائے صدارت

مولانا سید سلیمان ندوی نے مختلف قومی، تعلیمی اور ادبی انجمنوں کے اجلاس میں مختلف اوقات میں صدارتی خطبات ارشاد فرمائے۔ یہ خطبات ان کے وسعت معلومات اور ادبی ذوق کا آئینہ دار ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے :

۱) خطبہ صدارت اجلاس شعبہ ترقی اُردو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ پونا، ۱۹۱۵ء

۲) خطبہ صدارت ہندوستانی اکیڈیمی (پانچویں اُردو کانفرنس منعقدہ لکھنؤ) ۱۹۳۰ء

۳) خطبہ صدارت شعبہ اردو مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ کلکتہ ۱۹۳۹ء

## دو تحقیقی کتابیں

(۱) ارض القرآن (۲ جلد) (۲) حیاتِ شبلی

مولانا سید سلیمان ندوی ایک بلند پایہ محقق تھے۔ ان کی تحقیق کا مغربی مستشرقین نے بھی اعتراف کیا ہے۔ آپ کی دو کتابیں "ارض القرآن" اور "حیاتِ شبلی" ان کے ذوقِ تحقیق اور وسعت معلومات اور تلاش و جستجو کا آئینہ دار ہیں۔

## ارض القرآن

سید صاحب جب "الہلال" کلکتہ سے دکن کالج پونا میں عربی و فارسی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہو کر گئے تو پونا کے قیام میں آپ نے اس اہم تصنیف کا آغاز کیا۔

اس کی جلد اوّل میں قرآن مجید کی تاریخی آیات کی تفسیر، سرزمین قرآن (عرب) کا جغرافیہ اور قرآن میں جن عرب اقوام و قبائل کا تذکرہ ہے ان کی تاریخی اور اثری تحقیق شامل ہے۔ یہ پہلی بار ۱۹۱۵ء میں دار المصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی۔ دوسری جلد میں بنوابراہیم کی تاریخ اور عربوں کی قبل اسلام تجارت، زبان اور مذہب بر حسب بیان قرآن مجید و تطبیق آثار و توراۃ و تاریخ یونان و روم تحقیقات و مباحث ہیں۔ یہ پہلی بار ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی۔ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں :

"ارض القرآن در حقیقت سیرۃ النبی جلد اوّل کا مقدمہ ہے، جس میں عرب قدیم

کے حالات تحریر کئے گئے تھے' مگر یہ طویل زیادہ ہوگیا' اس لئے اس کا صرف خلاصہ سیرت میں لیا گیا ہے۔" (حیاتِ سلیمان' ص ۶۷)

ارض القرآن کا انگریزی ترجمہ مولوی مظفر الدین ندوی نے ۱۹۳۶ء میں کیا۔ انگریزی ترجمہ بھی مطبوع ہے۔

## حیاتِ شبلی

مولانا شبلی نعمانی نے جہاں اپنے لائق تلمیذ کو سیرۃ النبی ﷺ کی تکمیل کی وصیت کی تھی وہاں یہ بھی وصیت کی تھی کہ میری سوانح عمری بھی لکھنا۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی نے اپنے استاد کی دونوں وصیتیں پوری کیں' سیرۃ النبی ﷺ کی بھی تکمیل کی اور ان کی سوانح عمری بھی لکھی۔ برصغیر پاک و ہند میں بے شمار اہل علم و قلم نے مختلف مشاہیر اور اکابرین کی سوانح عمریاں لکھیں' جن کی اگر تفصیل بیان کی جائے تو مقالہ کے طویل ہونے کا خوف ہے' تاہم مشہور سوانح عمریوں میں مولانا الطاف حسین حالی کی تین سوانح عمریاں بہت مشہور و معروف ہیں : یادگارِ غالب' حیاتِ سعدی اور حیاتِ جاوید (سرسید احمد خان کی سوانح عمری)۔ ان کے علاوہ قاضی عبدالغفار کی حیاتِ اجمل' مولوی محمد امین زبیری کی حیاتِ محسن اور مولوی اکرام اللہ ندوی کی حیاتِ وقار اردو ادب کا بہترین سرمایہ ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے استاد کی سوانح عمری "حیاتِ شبلی" لکھی۔ یہ صرف مولانا شبلی نعمانی کی سوانح عمری نہیں ہے بلکہ مسلمانانِ ہند کے پچاس برس کے علمی' ادبی' سیاسی' تعلیمی' مذہبی اور قومی واقعات کی مستند تاریخ ہے۔ سید صاحب نے یہ کتاب اس قدر محنت اور تحقیق سے لکھی ہے کہ صاحب سوانح کی زندگی کا کوئی گوشہ بھی تشنہ نہیں رہ گیا ہے۔ اس کے ایک ایک کارنامہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ برصغیر کے ممتاز اہل قلم نقادوں نے اس کتاب پر بہترین تبصرے کئے اور سید صاحب کی محنت اور تحقیق کی داد دی۔ پروفیسر عبدالقیوم نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ :

> "مولانا حالی نے حیاتِ جاوید لکھ کر اپنے سر پر تاج پہن لیا تھا' لیکن مولانا سید سلیمان ندوی نے حیاتِ شبلی لکھ کر حالی کے سر سے تاج چھین لیا"۔

حیاتِ شبلی سید صاحب نے اڑھائی سال میں مکمل کی۔ اور یہ ۸۲۶ صفحات پر مشتمل ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی۔

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 49 No. 11
Nov. 2000

توحید عملی اور فریضۂ اقامت دین

**ڈاکٹر اسرار احمد**

ہماری موجودہ حکومت کس کے سہارے کھڑی ہے؟

محمد مختار حسین فاروقی

# فضیلت صیام وقیامِ رمضان

## بزبانِ صاحب قرآن ﷺ

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ .

**مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ**

**وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ**

**وَمَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ**

(رواہ البخاری ومسلم)

---

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

"جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے اور جس نے رمضان (کی راتوں) میں قیام کیا (قرآن سننے اور سنانے کے لئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے بھی تمام سابقہ گناہ معاف کر دیئے گئے اور جو لیلۃ القدر میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کے لئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی سابقہ تمام خطائیں بخش دی گئیں!"۔

(بخاری ومسلم)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد : ۴۹

شمارہ : ۱۲

رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ

دسمبر ۲۰۰۰ء

فی شمارہ -/۱۰

سالانہ زرتعاون -/۱۰۰




## سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ 22 ڈالر (800 روپے)

☆ سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' عرب امارات 17 ڈالر (600 روپے)

بھارت' بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا' یورپ' جاپان

☆ ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق' الجزائر' مصر 10 ڈالر (400 روپے)


ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700' فون 5969501-02-03

فیکس 5834000 ای میل anjuman@tanzeem org

ویب سائٹ ایڈریس www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور

فون 6316638-6366638 فیکس 6305110

ای میل: markaz@tanzeem org

پبلشر ناظم مکتبہ مرکزی انجمن طابع رشید احمد چوہدری مطبع مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

# مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرض احوال

ماہِ رمضان المبارک نہ صرف نزول قرآن کا مہینہ ہے' بلکہ یہ اس منبع ایمان اور سرچشمہ یقین کے ساتھ تجدید تعلق کا مہینہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ماہ مبارک میں اہل ایمان کو "صیام و قیام" کا جو دوگونہ پروگرام عطا کیا گیا ہے اس میں قرآن حکیم کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ دن کا روزہ اور رات کا قیام اور اس میں قرآن کریم کا پڑھا اور سنا جانا رمضان المبارک کے پروگرام کی دو شقیں ہیں جن کا باہم دگر چولی دامن کا ساتھ ہے۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ نے رمضان کی راتوں کا زیادہ سے زیادہ حصہ قرآن حکیم کی معیت میں بسر کرنے کے لئے آج سے سولہ سال قبل نماز تراویح کے ساتھ "دورۂ ترجمہ قرآن" کا آغاز کیا تھا' جس نے بحمد اللہ بڑی مقبولیت حاصل کی اور اب تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام دورۂ ترجمہ قرآن کا یہ پروگرام ملک کے طول و عرض میں کم و بیش ایک سو مقامات پر پیش کیا جا رہا ہے۔ کراچی میں بیس سے زائد مقامات پر اور لاہور میں چودہ پندرہ مقامات پر دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام ہو رہے ہیں۔ قرآن اکیڈمی لاہور کی جامع القرآن میں' جہاں سے سولہ برس قبل اس کام کا آغاز ہوا تھا' ڈاکٹر عارف رشید صاحب دورۂ ترجمہ قرآن کروا رہے ہیں۔ اس ضمن میں کراچی کا حلقہ خواتین بھی بہت فعال کردار ادا کر رہا ہے اور شہر کے قریباً دس مقامات پر تنظیم اسلامی کی رفیقات دورۂ ترجمہ قرآن کی سعادت حاصل کر رہی ہیں۔ (تفصیلات کے لئے ندائے خلافت کا شمارہ ۴۶ اور ۴۷ ملاحظہ کیا جائے)۔ مزید برآں بیرون پاکستان بھی دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام ہو رہے ہیں۔ خود امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد نیویارک میں (بزبان انگریزی) اور نائب امیر تنظیم حافظ عاکف سعید صاحب شکاگو میں دورۂ ترجمہ قرآن کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ رفیق مکرم ڈاکٹر طاہر خاکوانی صاحب بھی نیویارک میں دورۂ ترجمہ قرآن کروا رہے ہیں۔ فالحمدللہ علی ذلک!

☆ ☆ ☆

ماہ نومبر کے دوران امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد عمرہ کی ادائیگی کے لئے عازم

حجاز ہوئے۔ لہٰذا باغ جناح لاہور میں جمعہ کے ایک ہی خطاب (مورخہ ۱۰ نومبر) کا موقع مل سکا۔ ملکی، ملی اور بین الاقوامی حالات پر امیر تنظیم اسلامی کے اس خطاب جمعہ کا پریس ریلیز ہدیۂ قارئین ہے :

"بش یا الگور میں سے کوئی بھی صدر بنے امریکی پالیسی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امریکہ کو ہر حال میں اپنے مفادات عزیز ہیں۔ تاہم الگور کی نسبت بش کی صدارت بہتر ہے کیونکہ الگور نے اپنے ساتھ ایک یہودی شخص کو نائب صدر کے عہدہ کے لئے نامزد کیا ہے۔ لہٰذا الگور کے صدر بننے کے بعد یہودیوں کے لئے امریکی صدارت کے عہدے پر قابض ہونا بہت آسان ہو جائے گا جو عالم اسلام کے لئے بہت خطرناک ہوگا۔ امریکہ عالمی قیامِ امن کی انہی کوششوں میں دلچسپی لیتا ہے جو اس کے مفاد میں ہوتی ہیں۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ مشرقی تیمور میں عیسائی ریاست کے قیام کے لئے تو فوراً فوج بھیج دی گئی لیکن یاسر عرفات کی بار بار اپیلوں کے باوجود فلسطین میں فوج نہیں بھیجی گئی۔ فلسطین اسرائیل جھگڑا اب عرب اسرائیل تنازعے کی صورت اختیار کر چکا ہے اور گنبد صخرہ کے معاملے میں اب یاسر عرفات یا ایہود باراک کے لئے پیچھے ہٹنا ممکن نہیں رہا۔ لہٰذا اس مسئلے کا منطقی نتیجہ الملحمة العظمیٰ یا آرمیگاڈان ہی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

تنظیم الاخوان کے امیر مولانا اکرم اعوان صاحب نے حکومت کو نفاذ اسلام کا جو الٹی میٹم دیا ہے لائق تحسین ہے۔ البتہ مولانا اکرم اعوان صاحب کا یہ کہنا کہ اس تحریک لئے باہر آنے والے کارکنوں پر اگر گولیاں چلیں تو وہ بندوقیں چھین لیں گے، درست نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں خانہ جنگی کا اندیشہ ہے، جس کے نتیجے میں نفاذ اسلام کی منزل قریب آنے کی بجائے دور ہو سکتی ہے۔ اگر اس احتجاجی تحریک کا معاملہ یک طرفہ رہے تو کامیابی کی زیادہ امید ہے۔

جماعت اسلامی کے عظیم اجتماع قرطبہ میں میری جانب سے دینی جماعتوں کو پہلے ہی ایسی تجویز دی جا چکی ہے کہ تمام دینی جماعتیں حکومت کو ۲۷/ رمضان المبارک تک ملک میں نفاذ شریعت، سودی نظام کے کامل

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

# ہماری موجودہ حکومت کس کے سہارے کھڑی ہے؟

مختار حسین فاروقی' امیر حلقہ تنظیم اسلامی پنجاب وسطی

انسانی زندگی کے دو پہلو تو نہایت واضح ہیں اور دلیل کے محتاج نہیں' ایک انفرادی زندگی اور دوسرا اجتماعی زندگی۔ ہر شخص کا تجربہ ہے کہ انفرادی اور ذاتی سطح پر انسان پر بہت سے داخلی اور خارجی حالات گزرتے ہیں جو زندگی کو متأثر کر جاتے ہیں۔ انسان کی اندرونی کیفیات اور سکون و بے چینی کی حالت بعض اوقات انسان سے اضطراری فیصلے سرزد کرا دیتی ہے جو بعد میں از خود غیر معقول محسوس ہوتے ہیں۔ ایسی ہی ایک کیفیت کا ذکر غالب مرحوم فرما گئے ؎

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں!

اب ایسے فیصلے جو کوئی انسان "نہ ہاتھ باگ پر....." والی کیفیت میں کرے گا وہ کتنے مؤثر' کتنے معقول' اور کتنے دیرپا ہوں گے' از خود واضح ہیں۔

دوسرا پہلو اجتماعی زندگی کا ہے۔ اگرچہ اجتماعی زندگی میں قومی مزاج' تاریخ' عالمی حالات' اجتماعی شعور اور اجتماعی نصب العین کو بہت زیادہ دخل حاصل ہے' مگر حکومتی سطح پر معاملات بالآخر چند انسانوں تک ہی محدود ہو جاتے ہیں اور ان چند ارباب بست و کشاد کی ذاتی پسند و ناپسند' افتادِ طبع' گھریلو ماحول اور بین الاقوامی حالات کا دباؤ ان کو بھی اسی طرح متأثر کرتا ہے جیسے ایک عام انسان کو' مگر ان کے اچھے یا بُرے فیصلے (صحیح یا غلط) پورے ملک اور قوم کو کسی نئے رخ پر ڈال دیتے ہیں۔ صحیح فیصلے قوموں کو منزلِ مراد تک لے جاتے ہیں اور اجتماعی نصب العین کا حصول نزدیک تر ہو جاتا ہے یا غلط فیصلے ملک و قوم کو قعرِ مذلّت میں گرا دیتے ہیں اور "یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دُور شد" والی کیفیت سے دو چار کر دیتے ہیں۔

پاکستان کی موجودہ حکومت میں بھی اختیارات معدودے چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ گئے ہیں اور راندریں حالات ان کے فیصلے پوری قوم اور اجتماعیت کے لئے "امر" اور "تقدیر مبرم" بن کر نافذ ہو رہے ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ ایسے حالات میں ان چند افراد کی داخلی اور ذاتی کیفیات پوری قوم کے مستقبل پر از حد اثر انداز ہو رہی ہیں۔

ایک ممکن صورت یہ ہو سکتی ہے کہ موجودہ حکومت اور اس کی ٹیم مسائل سے پوری طرح آگاہ ہے۔ تاریخ پاکستان، قیام پاکستان، نظریہ پاکستان، اسلام اور قرآن سمیت قومی نصب العین سے آگاہی کے ساتھ ساتھ قوم کو اس اجتماعی نصب العین کے حصول کے لئے تیاری کے مراحل سے بھی واقف ہے اور عالمی حالات کے تناظر اور اپنے وسائل کے مطابق ان کے حصول کے لئے سر دھڑ کی بازی بھی لگا رہی ہے۔ دشمنوں سے واقف اور ان کی چالوں کے اسرار و رموز سے آگاہ اور ان کے توڑ کرنے اور ان کو خاک میں ملانے کے لئے ہمہ وقت چاق و چوبند۔ اس راہ میں انسانی غلطی کا امکان تو رہتا ہے مگر اس کو بھی مشورہ سے کم کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ صورت ہے تو یقیناً قوم و ملک کی خوش قسمتی ہے اور اس پر جتنا فخر و مباہات کا اظہار کیا جا سکے مناسب ہے۔

دوسری صورت جو ممکن ہے (اگرچہ اس کے درجے اور shades بے شمار ہو سکتے ہیں) کہ ہماری موجودہ حکومت (سابقہ کئی حکومتوں کی طرح) حقیقی مسائل سے آگاہ ہے نہ اس کے ماضی اور مستقبل کے بارے میں متفکر۔ اسے نہ قومی ترجیحات سے غرض ہے اور نہ اجتماعی نصب العین سے۔ وہ نہ اسلام کی ترجیحات سے واقف ہے نہ سیاسی و ملکی۔ وہ نہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے مخلص نظر آتی ہے اور نہ ابنائے وطن سے۔ وہ نہ دوست کو پہچانتی ہے نہ دشمنوں کا شعور رکھتی ہے۔ ان حالات میں انسانی غلطی کے امکان کے ساتھ جو فیصلے بھی ہوں گے وہ قوم و ملک کو اس کے اجتماعی نصب العین اور مقصد سے دور ہی لے جائیں گے۔ اس کا مقصد اغیار کو خوش کرنا اور سادہ لفظوں میں اپنے لئے آرام کی راہیں تلاش کرنا اور اپنی حکومت کو طول دینے کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔

خدانخواستہ اگر یہ صورت حال ہو تو پھر قوم جن خطرات میں گھری ہے اور گھری رہے گی وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں ہیں۔ دن بدن ترقی و پھیلاؤ تو در کنار اپنے بقاء و

وجود کے لئے خطرات بڑھتے چلے جائیں گے اور محاورتاً ہی نہیں حقیقتاً قوم اور ملک ایک بند گلی میں پہنچ جائے گا یا دشمن کے کسی منصوبے میں پھنس کر (۱۹۷۱ء کی طرح) پاش پاش بھی ہو سکتا ہے۔

انفرادی سطح پر بھی آدمی جب کوئی اہم کام کرتا ہے تو دیگر اسباب کے ساتھ ساتھ ایک ذہنی سہارا تلاش کرتا ہے۔ یہ سہارا برادری کا ہو سکتا ہے کہ اس کی حمایت مجھے حاصل ہے' محلہ داری کا ہو سکتا ہے' دوستوں کی حمایت کا ہو سکتا ہے' سیاسی روابط کا ہو سکتا ہے' کسی کلب کی ممبرشپ کا ہو سکتا ہے' سماجی تعلقات ہو سکتے ہیں' غرض تعلقات سے لے کر ذاتی حیثیت و مرتبہ اور روپیہ پیسہ تک اس مرحلہ پر انسان کے کسی جارحانہ فیصلے اور اس کی تکمیل میں اندرونی اطمینان اور ذہنی سہارے کا کام دیتے ہیں کہ یہ میرے ممدّ و معاون ہیں اور ناکامی کی صورت میں یہ مجھے برے نتائج سے بھی بچائیں گے۔

اجتماعی سطح پر چونکہ بالآخر معاملات چند انسانوں ہی کے ہاتھ میں ہوتے ہیں لہٰذا آخری تجزیئے میں حکومتی اور بین الاقوامی معاملات بھی بالکل ذاتی اور نجی نوعیت کے فیصلوں پر چلتے ہیں' بلکہ "ذاتیات" تک کا لفظ بھی بے موقع نہیں ہوگا۔ لہٰذا موجودہ حالات میں ہماری حکومت کے معاملات جن چند ہاتھوں میں ہیں اور وہ بڑے دُور رَس فیصلے کر رہے ہیں (جن میں بعض شدید عوامی تنقید و مخالفت کا بھی نشانہ بن رہے ہیں) قطع نظر اس سے کہ اوپر درج شدہ دو صورتوں میں سے کس پلڑے میں جاتے ہیں' آیئے دیکھتے ہیں کہ حکومت کے لئے ان فیصلوں کے پیچھے اور ان کی تنفیذ کے لئے اور سب سے زیادہ ان فیصلوں کے ممکنہ ناپسندیدہ اثرات سے بچانے کے لئے کیا ممکنہ صورتیں ہو سکتی ہیں اور اس کے بعد بآسانی سمجھ میں آجائے گا کہ آیا ملک و قوم کی کشتی دن بدن منجدھار اور گہرے پانیوں میں اپنے نصب العین سے دور جا رہی ہے یعنی مقصد قیام پاکستان کو کھو رہی ہے یا مشکل حالات سے آہستہ آہستہ نکل کر معاشی تنگی کے حالات ہی سہی اجتماعی اور قومی مقاصد کے حصول میں نمایاں پیش رفت کر رہی ہے۔

مضمون کے اصل حصے کی طرف آتے ہوئے آیئے ایک ایک کر کے واضح کرتے ہیں کہ ہماری حکومت کے ممکنہ سہارے کون کون سے ہو سکتے ہیں۔

① خالص معروضی طور پر اور زمینی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ہماری حکومت کا پہلا ممکنہ سہارا یہ ہو سکتا ہے کہ ملک کے عوام کی عظیم اکثریت نہ سہی واضح اکثریت ان کے ساتھ ہے۔ شاید یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ حکومت نے پہلے سو دنوں میں عوام کی عظیم اکثریت حکومتی اقدامات کی حمایت میں تھی' مگر بعد کے دنوں میں نہایت تیزی سے یہ گراف گرا ہے اور اب صورت یہ ہے کہ معاشی میدان میں تاجروں سے کشمکش اور عام آدمی کے لئے اشیائے ضرورت کی گرانی اور بے روزگاری کی کیفیت نے یہ تأثر پیدا کر دیا ہے کہ اب حکومت کے ایک سال مکمل ہونے پر شاید ۵ فیصد عوام بھی حکومت کے out right حمایتی نہ ہوں۔ لہٰذا یہ سہارا اگر حکومت کے پاس تھا تو اب نہیں ہے۔

② دوسرا ممکنہ سہارا ڈنڈے کے زور پر ملک چلانے اور ملک کو پولیس سٹیٹ بنا کر رکھنے کے لئے یہ احساس ہے کہ سرکاری مشینری (بیوروکریسی) اور پولیس حکومت کی غیر مشروط حامی ہے۔

اس صورت پر غور کریں تو سامنے آئے گا کہ سرکاری مشینری اولاً تو کسی حکومت کی بھی غیر مشروط حمایتی نہیں ہوتی اور عام سرکاری ملازم کی ۳۰۔۳۵ سالہ سروس میں کئی حکومتیں آتی جاتی رہتی ہیں' لہٰذا اس معمول اور مشاہدہ کی بناء پر یہ سمجھنا سخت غلطی ہو گی کہ سرکاری مشینری بہ دل و جان ہمارے ساتھ ہے اور اسی طرح پولیس بھی۔

مزید بر آں سرکاری مشینری کے سینئر اہل کاران (گریڈ ۲۰ اور اس کے اوپر کے عہدیدار) تو عام طور پر قوم کے مجموعی مورال اور اخلاقی قدروں کے زوال کے زیر اثر اونچے درجے کی رشوت سے بہت کچھ کما لیتے ہیں جس کا چرچا بھی سرکاری حلقوں میں کوئی ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ رہے نچلے طبقے کے سرکاری ملازمین تو ان میں دیانتدار تو عوام کی طرح مہنگائی اور اشیائے صرف کی قیمتوں میں ہوشربا گرانی سے بے چین ہیں' جبکہ بددیانت انتظامی افسران اور دیگر رشوت خور اہلکار چاہے کسی گریڈ سے ہوں اپنے عوام دشمن رویے سے عوام کو حکومت سے بددل کرنے کے عمل کو تیز تر کر رہے ہیں۔

احتساب کی نیم دلانہ پالیسی کی نمائشی کوششوں سے کچھ مخلص اور حکومتی خیرخواہ افسران کو اگلی حکومت کے احتساب کا خوف روک کر رکھ رہا ہے' اس لئے کہ اگر واقعی

احتساب ہوتا اور صرف نااہل اور بد دیانت ہی کیفر کردار تک پہنچتے تو عام تاثر بڑا مختلف ہوتا اور دیانتدار لوگ حوصلہ پاتے اور آگے بڑھتے' مگر موجودہ صورت میں ایسا بہرحال نہیں ہے۔ نتیجتاً سرکاری مشینری اور پولیس بھی حکومت کی پالیسیوں کو آنکھیں بند کر کے آگے بڑھانے والی قوت یا غیر مشروط حامی نہیں ہو سکتی اور نہ ہے۔

(۳) اندرون ملک تیسرا ممکنہ سہارا موجودہ حکومت کے لئے فوج کا ہو سکتا ہے کہ ہماری فوج الحمدللہ بڑی نظریاتی اور پیشہ ورانہ صلاحیتوں کی حامل ہے اور اس کی صلاحیتوں کی دنیا معترف ہے۔ یہ بات بجا ہے' مگر ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ فوج بھی آخر ہمارے اندر سے ہی ہے اور ہمارے ہی بھائی بند اور اعزہ واقارب۔ لہٰذا وہ عام ملکی حالات میں (بالخصوص اس انفارمیشن ٹیکنالوجی کے دور میں) متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اور پھر فوج میں بھی اکثریت تو بہرحال ایسے افراد کی ہی ہوگی جو مہنگائی کے اس دور میں اشیائے صرف کی عدم دستیابی کا تجربہ کر رہے ہیں اور گھر میں اخراجات کی فراہمی پر ہر روز ناکامی کے احساس پر قومی جذبے کو کب تک فوقیت دیتے رہیں گے؟

پھر فوج کا ایک معتدبہ حصہ عوامی اور انتظامی قسم کے معاملات میں لگا دیا گیا ہے جس سے ان کا واسطہ سرکاری اہل کاران اور عوام کے کرپٹ طبقے سے زیادہ پڑتا ہے۔ لہٰذا ہمارے وہ فوجی بھائی جو Fair Play اور order is order اور امانت و دیانت کے اوصاف سے متصف ہوتے ہیں جب عوام سے خلط ملط ہوتے ہیں اور اپنی پالیسیوں کی تنفیذ نہیں کر سکتے اور ناکامی دیکھتے ہیں تو اولاً اسی راہ پر چل پڑتے ہیں جس لوٹ کھسوٹ کی راہ پر دوسری سرکاری مشینری اور پولیس چل رہی ہے۔ یا ثانیاً اس راہ سے بچنے کا ارادہ کرتے ہیں تو کہاں سرکاری فوجی بیرکوں میں آرام و سکون کی روایتی فوجی مشقیں اور مجاہد فی سبیل اللہ ہونے کا ایک گونہ باطنی سکون اور کہاں گلی گلی کوچہ کوچہ دربدر عوامی رد عمل کا شکار ہونے کا احساس۔ ہمارا عام مخلص سپاہی لازمی طور پر بد دلی کا شکار ہو رہا ہے اور اوپر درج دونوں صورتیں فوج کے اندر ہی دو رائیں پیدا کرنے کا سبب بن سکتی ہیں' جس کی کوئی تردید نہیں کر سکتا۔

لہٰذا حکومت کے لئے فوج کو ذہنی سہارا سمجھنا بھی شاید فوری نہیں تو زیادہ دیر ممکن

نہیں رہے گا۔ اور اہلِ نظر کے نزدیک تو یہ تبدیلی بڑی تیزی سے آرہی ہے۔

(۴) اندرونِ ملک مذہبی اور دینی عناصر کا اطمینان (بہت ساری ملکی گندگیوں اور خرابیوں کے باوصف) کسی حکومت کے لئے سہارا ہو سکتا ہے اور حکومت لمبی تان کر سو سکتی ہے، مگر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ موجودہ حکومت کو یہ سہارا بھی میسّر نہیں ہے۔

انفارمیشن ٹیکنالوجی کے نام پر کیبل ٹی وی کی وبا عام ہو چکی ہے (پہلے ڈش کلچر نے کون سی کسر چھوڑ رکھی تھی) اور مزید برآں انٹرنیٹ کے فروغ میں ہماری حکومت دیوانی ہو رہی ہے جس سے ع "فکرِ ہر کس بقدر ہمتِ اوست" کے مصداق عام آدمی تو دینی معلومات (جو کہ انٹرنیٹ پر ہیں ہی نہیں) تو کجا مطالعہ کا شوق بھی کہاں سے پورا کرے گا، وہ تو تازہ فحاشی عریانی اور فلمی مناظر کے لئے پاگل ہو رہا ہے اور عام کہا جا رہا کہ ہماری حکومت آٹا مہنگا کر رہی ہے اور انٹرنیٹ فری کر رہی ہے۔

نتیجتاً ملک کے دینی اور مذہبی عناصر بھی حکومت کے ساتھ نہیں ہیں اور اس کا احساس حکومت کو بھی ہے کہ صوبہ سرحد اور چترال میں NGOs کے ساتھ جو ہو رہا ہے وہ حکومت کے علم میں ہے۔ لہٰذا یہ سہارا بھی حقیقی طور پر حکومت کو حاصل نہیں ہے۔ اگر ہے بھی تو قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

(۵) ایک اور ممکنہ سہارا عوام کا معاشی طور پر خوشحال اور باروزگار ہونا ہے۔ اگر اس دور میں لوگوں کو روزگار کے مواقع میسر ہوتے، کارخانوں، ملوں، اور عام تعمیراتی میدانوں میں لوگ اپنی گذران کے لئے آمدنی اور روزگار سے مطمئن ہوتے تو سیکولر سطح پر ہی سہی ایک اطمینان کی لہر ملک پر حاوی ہوتی۔ اس میں زیادہ حصہ ہمارے تاجروں اور صنعت کاروں کا ہو سکتا تھا مگر Documentations of Economy کے خیر ہی سے شر برآمد ہو چکا ہے کہ ملک میں روزگار کے مواقع نئی سرمایہ کاری نہ ہونے کی وجہ سے ختم ہو چکے ہیں۔ لہٰذا عمومی عوامی اطمینان اور خوشحالی بھی ہماری حکومت کے حصے میں نہیں آرہی ہے، جس سے یہ سہارا بھی میسر نہیں ہے۔

(۶) اندرونِ ملک آخری ممکنہ سہارا وہ طبقات ہیں جن کو حکومت بظاہر فائدہ پہنچانے کی کوشش کر رہی ہے یا جن کو مفادات اٹھانے کے مواقع مل رہے ہیں، یعنی وہ مفاد یافتہ

طبقات جن کے آہستہ آہستہ اس حکومت سے مفادات وابستہ ہو رہے ہیں۔ ان طبقات میں سرفہرست NGOs ہیں۔ یہ ادارے ایک منصوبہ بندی کے تحت مغرب نے تیسری دنیا کے ممالک کے لئے بطور تریاق ایجاد کئے اور پھیلائے ہیں جس سے انہیں مفادات حاصل ہو رہے ہیں۔ مختصراً یہ طبقات حکومت کے اسی وقت تک ہم نوا اور حامی ہو سکتے ہیں جب تک حکومت انہیں نوازتی رہے گی۔ تاہم ہمارے ہاں کے راسخ العقیدہ مسلمان اور علماء اس طبقے کی آزاد خیالی آوارگی اور ذہنی انتشار برداشت نہیں کر سکتے' لہٰذا ان اداروں کی ملک دشمن سوچ اور سرگرمیاں حکومت کے خلاف ہی جائیں گی۔

دوسرا مفادیافتہ طبقہ وہ خواتین ہیں جنہیں حکومتی پالیسیاں ترقی اور بیداری کے نام پر اٹھانے اور مردوں کے شانہ بشانہ لانے کے لئے اعلان عام کا درجہ رکھتی ہیں۔ بلدیاتی اداروں اور ضلعی اداروں میں ۳۰ فیصد خواتین کی نمائندگی اسی کا مظہر ہے (ہم خواتین کے حقوق اور ان کی تعلیم و ترقی جو اسلام کے اندر رہ کر ممکن ہے اس کے خلاف نہیں) مگر اس تگ و دو کا تاریک پہلو یہ ہے کہ ملک کی نصف آبادی کے نام پر وسائل چند ہزار مغرب زدہ خواتین کے ہاتھ آتے ہیں اور وہ اپوا اور دیگر سوشل ویلفیئر کے اداروں کے نام سے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ پر خرچ کر دیتی ہیں۔ لہٰذا طبقہ خواتین کی طرف سے مجموعی طور پر کوئی مؤثر آواز حکومت کے حق میں نہیں ہو سکتی۔ اس ملک کی عام خواتین کبھی بھی ان مغرب زدہ اور اخلاق باختہ خواتین کو اپنا رہنما ماننے کو تیار نہیں اور وہ خود بھی خواتین کی نمائندہ کہلانے کی مستحق نہیں۔

دیگر مفادیافتہ طبقات اس سے بھی قلیل اور ملکی معاملات میں انتہائی غیر مؤثر ہیں۔

اب آیئے ایسے سہاروں کی طرف جو بیرون ملک ہیں اور غیر ملکی آقاؤں کے نمائندے ہیں یا ان کے زیر اثر۔

۷ ان بیرونی ممکنہ سہاروں میں سے سرفہرست UNO یعنی اقوام متحدہ کا ادارہ ہے۔ بظاہر بڑا خوش کن نام ہے کہ یہ عالمی برادری کا ایک فورم ہے۔ ہمارے گھمبیر مسائل کے لئے سلامتی کونسل کی قراردادوں پر عملدر آمد ہو جائے تو ملکی ترقی و خوشحالی کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ مگر یہ ایک دھوکہ ہے۔ UNO امریکہ اور بالآخر یہودی

صیہونیت کا ایک مظہر ہے اور گزشتہ پچاس سال کی تاریخ گواہ ہے کہ ملائشیا اور تیموریہ کا مسئلہ ہو یا اسرائیل کے خلاف عراق کا' پوری شدت سے ردِّ عمل ہوا' مگر کشمیر کے ضمن میں اتنی بے اعتنائی کہ سوچی نہ جاسکے۔ لہٰذا یہاں سے کسی امداد یا دستگیری کی توقع فضول ہے اور چیف ایگزیکٹو کے حالیہ دورۂ امریکہ کے بعد یہ بات کسی مزید دلیل کی محتاج نہیں۔

⑧ ایک اور سہارا امریکہ کا ہو سکتا ہے۔ اس زمین پر عالم اسباب میں وہ ایک Sole Supreme Power کا درجہ حاصل کرچکا ہے اور ایک بدمست دیوہیکل جنگلی درندے کی طرح اپنی پالیسیاں ٹھونسنے اور کمزور اقوام کو دبانے اور نگلنے کے راستے پر چل نکلا ہے۔

امریکہ کی اپنی ترجیحات اور پالیسیاں ہیں۔ اس فریم ورک میں ایک بے جان پرزہ بن کر تو سمجھا جاسکتا ہے کہ امریکہ ہمارا حمایتی ہے' مگر ایک آزاد اور خود مختار قوم جو اپنے الگ مفادات رکھتی ہو' ایک نظریہ کی حامل ہو' اپنی منزل اور نصب العین کے لئے تگ و دو کر رہی ہو' جو بہر حال امریکہ کے مفادات سے متصادم بھی ہو تو اس امریکہ بہادر سے کیا توقع ہو سکتی ہے؟ اس صورت حال کا نقشہ دورۂ کلنٹن کے موقع پر سامنے آچکا ہے کہ اگر پاکستان سر جھکا کر ہماری پالیسیوں کو آگے بڑھانے کے عمل میں حصہ دار نہیں بنے گا تو وہ ایک ناکام ملک اور ناکام قوم کہلائے گی۔ اس پر کہا گیا کہ امریکہ نے پاکستان کو تنہا کر دیا ہے اور دھوپ میں کھڑا کر دیا ہے۔ ان حالات میں اپنی ترجیحات کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے بھی امریکہ کا سہارا نہ ہونے کے برابر ہے۔

⑨ بیرون ملک ہمارے کرم فرماؤں میں عالمی مالیاتی اداروں کی بھی اہمیت ہے۔ اگرچہ یہ ادارے امریکہ اور بالآخر یہودی ساہوکاروں اور سود خوروں کے زیر انتظام ہیں لہٰذا ان کے قرضوں پر امید لگا کر کوئی قومی ترقی یا ملی نصب العین کے حصول اور اس کی طرف پیش قدمی کا خواب دیکھنا بھی شاید ممکن نہ ہو۔ مقروض قوم کا اپنا آزاد مدّعا اور نصب العین نہیں ہو سکتا' اسے قرض خواہ کے احکام اور پالیسیاں ہی آگے بڑھانا پڑتی ہیں۔ موجودہ حالات میں ہم سابقہ قرض کیسے اتاریں گے؟ سود کی ادائیگی کے لئے مزید قرضہ سخت اور ذلّت آمیز شرطوں پر لینا پڑتا ہے اور بے رحم قرض خواہ اب تو ہمارا اور ہمارے

عوام کا خون چوس کر بھی راضی نہیں ہے' قرض کی وصولی کے لئے ہر حربہ استعمال کرنے پر آمادہ نظر آتا ہے۔ سابقہ حکومتوں سمیت موجودہ حکومت کے اقدامات (معیشت کی دستاویز بندی' افغانستان سے کشیدگی وغیرہ) سب آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کی ڈکٹیشن ہی محسوس ہوتی ہے۔ ہماری معیشت ان اداروں کا سود دینے کے قابل نہیں ہے۔ ہمارے بجٹ کا ایک معتدبہ حصہ سود کی ادائیگی پر خرچ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ سہارا بھی قومی اور ملی وجود کے لئے کینسر کی سی حیثیت رکھتا ہے اور ان اداروں کی موجودگی میں قیام پاکستان کے مقاصد کی طرف پیش قدمی ہو ہی نہیں سکتی۔

⑩ آخری سہارے کے طور پر ہمارے پاس ایک ایسا سہارا موجود ہے جو ان سب سہاروں سے بڑا بھی ہے اور نہایت قابل اعتماد بھی' اس کو ہم سے ہمدردی بھی ہے اور اس کی نگاہ میں شفقت و رحمت بھی۔ اس کو قدرت حاصل ہے کہ ہمیں قعرِ مذلت سے نکال کر اقوامِ عالم میں نمایاں مقام پر لا کھڑا کر دے۔ اس کو پاکستان کے وجود سے بھی محبّت ہے اور ہمارے قومی اور ملی نصب العین سے بھی لگاؤ۔ اس کو ہر فردِ مُسلم بھی عزیز ہے اور ملت اسلامیہ بھی۔ وہ ہے ذاتِ باری تعالیٰ خالق کائنات اللہ جل شانہ۔ لیکن ہماری حکومت نے اس ہستی سے بھی جنگ لگا رکھی ہے کہ سود کا خاتمہ ممکن نہیں۔ ہماری حکومت ۱۷۰ ارب سے لے کر ۱۸۰ ارب روپے تک اندرونِ ملک سود ادا کرتی ہے اور بیرون ملک سود ۲۰۰ ارب کے لگ بھگ مزید ہے۔

پھر فحاشی و عریانی کا سیلاب ہے' انٹرنیٹ فری کیا جا رہا ہے۔ آج ہمارے نظام میں اسلامی تعلیمات تو کجا ملک و قوم کی بہتری اور ملی و قومی شعور کا بھی فقدان ہے۔ اندریں حالات یہ آزادی ـــــ اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے نام پر دنیا کے معلوماتی خزانے تک رسائی۔ بقول اقبال ؎

ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

آج کی نوجوان نسل واقعی اس سیلاب میں بہہ رہی ہے اور حیوانیت کے کنارے پہنچ چکی ہے جہاں مغرب اخلاقی اعتبار سے کئی عشرے پہلے کھڑا [illegible]

نتیجتاً یہ سہارا بھی ہماری حکومت کی پشت پر نہیں ہے۔ لہٰذا بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ حکومت کس سہارے پر کھڑی ہے؟ اور اس طرح کتنے دنوں تک زندہ رہا جا سکتا ہے؟

ہر مسلمان کی خواہش تو یہی ہے کہ حکومت جلدی سے اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسّی کو تھام لے اور اللہ کا نام لے کر باقی تمام سہاروں سے اعلانِ بغاوت کر کے ملّت کی کشتی کو نصف صدی کے طوفانوں سے نکال کر کنارے لگا دے' کاش کہ ایسا ہو جائے ۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

---

بقیہ : عرضِ احوال

---

انسداد اور بلدیاتی اداروں میں خواتین کی ۳۳% نمائندگی کے فیصلہ کی واپسی کے لئے الٹی میٹم دیں۔ اگر حکومت اس کی تعمیل نہ کرے تو یکم جنوری ۲۰۰۱ء سے عوامی تحریک شروع کرنے کا فیصلہ کیا جائے۔ میری ان تجاویز کی تائید تمام شرکاءِ اجتماع نے ہاتھ اٹھا کر بھرپور انداز میں کی۔ لہٰذا اب یہ امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد اور دینی جماعتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قرارداد کے مطابق تحریک چلانے کا فیصلہ کریں۔ دینی جماعتوں نے آج تک کسی دینی ایشو پر تحریک چلانے کی بجائے سیکولر جماعتوں کے ساتھ مل کر صرف سیاسی ایشوز پر تحریک چلائی' جس کی وجہ سے پاکستان میں اسلامی نظام نافذ نہ ہو سکا۔ اگر دینی جماعتیں اب بھی متحد ہو کر نفاذ شریعت کے لئے تحریک چلائیں تو انہیں ان شاء اللہ ضرور کامیابی حاصل ہو گی"۔

XXXXXXX

| تنظیم | اسلامی | کا | پیغام |
|---|---|---|---|
| نظام | خلافت | کا | قیام |

پاکستان ٹیلیویژن پر پیش کیا جانے والا سلسلہ وار پروگرام

# حقیقت دین

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

—— (۲) ——

خطبہ مسنونہ اور تعوذ و تسمیہ کے بعد فرمایا :

آج ہماری گفتگو کا عنوان حقیقت ایمان ہے۔ ایمان کے بارے میں اگر آپ اپنے یا دوسرے شخص سے سوال کریں کہ ایمان کے معانی کیا ہیں؟ تو شاید اکثر لوگ ہکا بکا رہ جائیں۔ وہ کہیں گے ایمان کے معانی کیا ہیں؟ ایمان کے معانی ایمان ہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان کے لفظی معانی پر اکثر و بیشتر غور نہیں ہوتا۔ ایمان ہمارے دین کی ایک اہم اصطلاح ہے۔ اصطلاحات کے لئے الفاظ تو وہی اختیار کئے جاتے ہیں جو عام زبان میں مستعمل ہوتے ہیں لیکن ان میں پھر ایک خاص مفہوم پیدا کیا جاتا ہے۔ ہمیں ایمان کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے اس کے لفظی معنی پر غور کرلینا چاہئے۔ اس ضمن میں یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ عربی زبان میں نو سو ننانوے فی ہزار الفاظ ایسے ہیں جن کا ایک سہ حرفی مادہ ہوتا ہے' اسی سے الفاظ بنتے چلے جاتے ہیں اور ان میں نئے نئے معانی پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک لفظ "علم" (ع ل م) ہے۔ اس سے مختلف الفاظ یعنی عالم' علّامہ' معلوم' علامت' عالم' استعلام وغیرہ بنتے چلے جائیں گے۔ یہ سارے الفاظ اس مادے (root) "ع ل م" سے نکل رہے ہیں۔ اسے یوں سمجھئے جیسے درخت کی جڑ ہوتی ہے جو زمین میں مضبوطی کے ساتھ گڑی ہوئی ہوتی ہے لیکن اس کی شاخیں آسمان سے باتیں کررہی ہوتی ہیں۔ اسی طرح وہ جڑ یعنی سہ حرفی مادہ اپنی جگہ برقرار رہے گا اور مختلف الفاظ کے اندر اضافی مفہوم پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔

لفظ ایمان کا مادہ "امن" ہے۔ امن سے مراد ایسی کیفیت ہے جس میں کوئی خوف'

ڈر' غم' اندیشہ اور کوئی حزن نہ ہو۔ اس سے ایک لفظ استعمال ہوتا ہے اَمِنَ 'یَاْمَنُ' اَمْنًا وَ اَمَنَۃً جس کے معانی امن میں ہونا ہیں۔ اس سے اسم فاعل "اٰمِنٌ" بنتا ہے' یعنی جو شخص امن میں ہے۔ ہر زبان میں یہ بات ہوتی ہے کہ اگر اس کے کسی لفظ کے ساتھ preposition لگادیں تو معانی کے اندر اضافی مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ انگریزی میں ایک لفظ "to give" کے بعد "up" لگادیں تو "to give up" کے معانی کچھ اور ہوں گے۔ اسی طرح to give in کے معانی کچھ اور ہوں گے۔ up اور in کے اضافے کے ساتھ دونوں معانوں میں زمین و آسمان کا فرق واقع ہو جائے گا۔

عربی زبان میں صلے کے اضافے کے ساتھ اتنا لمبا چوڑا فرق واقع نہیں ہوتا لیکن کچھ نہ کچھ اضافی مفہوم ضرور آجاتا ہے۔ اَمِنَ 'یَاْمَنُ کے بعد "بِ" اور "علٰی" آجائے تو اس کے معانی "کسی کو امین بنانا" اور "کسی کے پاس امانت رکھنا" ہوں گے۔ جب اٰمَنَ ' یُؤْمِنُ ' اِیْمَانًا آئے تو اس کے معانی کسی اور کو امن دینے کے ہیں۔ اس سے اسم فاعل "مُؤْمِنٌ" بنتا ہے جس کے لفظی معانی "دوسروں کو امن دینے والا" ہیں۔ اللہ تعالٰی کے اسمائے حسنٰی میں ایک نام "اَلْمُؤْمِنُ" بھی ہے۔ جیسے ﴿ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ﴾ اللہ تعالٰی کی شان یہ ہے کہ وہ امن عطا فرماتا ہے۔ اٰمَنَ 'یُؤْمِنُ 'اِیْمَانًا میں "بِ" یا "ل" کا اضافہ ہو جائے تو اس کے معانی "تصدیق کرنے" کے ہوں گے۔ تصدیق دو طرح سے ہوتی ہے۔ کسی نے کوئی خبر آپ کو آکر سنائی اور آپ نے مان لی تو یہ تصدیق ہے' اور اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ میری حیثیت فلاں ہے اور آپ نے مان لیا تو یہ بھی تصدیق ہے۔ ظاہر بات ہے ان تمام الفاظ کا لفظ "امن" سے ایک تعلق برقرار رہا' اس لئے کہ کوئی شخص خبر لے کر آیا اور آپ نے مان لیا' کسی نے کوئی دعویٰ کیا اور آپ نے تسلیم کرلیا تو امن برقرار رہا۔ اگر آپ نے کسی خبر لانے والے کو یہ کہہ دیا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو تو تصادم اور conflict شروع ہو جائے گا۔ "ب" اور "ل" کے اضافے کے ساتھ ایمان کے معنی تصدیق کرنے کے ہیں۔ جیسے "ایمان باللہ"' "ایمان بالغیب"' "ایمان بالرسالت" اور "اٰمَنَ لَہٗ"۔

یہ تو ایمان کا لفظی مفہوم ہمارے سامنے آگیا۔ ایمان کے اصطلاحی معانی ہوں گے :

تَصْدِيْقٌ بِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی ہر اُس چیز کی تصدیق کرنا جو محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے۔ اس لحاظ سے یہ واضح ہو جائے کہ آنحضور ﷺ یا سابقہ رسول جو کچھ بھی لے کر آئے اس سب کو تسلیم کرنا ایمان میں شامل ہو گا۔ سابقہ رسول دو چیزیں لے کر آئے تھے۔ ایک مابعد الطبیعاتی حقائق' یعنی علم غیب اور اس کائنات سے متعلق مخفی حقائق اور خبریں' دوسرے کچھ احکام اور اوامر و نواہی۔ احکام پر لفظ ایمان کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس کا اطلاق ان حقیقتوں پر ہوتا ہے جو مابعد الطبیعیات (Metaphysical) اور عالمِ غیب (unseen world) سے متعلق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ کا آغاز ہی اس طرح ہوتا ہے کہ ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ﴾ یعنی "ہدایت ہے متقین کے لئے (اور متقی اور پرہیزگار) وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں"۔ اس لحاظ سے ایمان کا معاملہ غیب کے ساتھ ہے۔ حضور ﷺ نے مابعد الطبیعاتی حقائق کے بارے میں جو خبریں دی ہیں جن کو جاننے اور verify کرنے کا ہمارے پاس اور کوئی ذریعہ موجود نہیں' مجرد حضور ﷺ کے بتانے اور دعویٰ کرنے پر ہم نے انہیں قبول و تسلیم کیا ہے' اس کو ہم ایمان کہتے ہیں۔

## ایمان کا موضوع

ایمان کا موضوع بالکل وہی ہے جو فلسفے کا ہے۔ اس کی تھوڑی سی ضروری تمہید ملاحظہ فرمالیجئے۔ دنیا میں جو بھی انسان شعور کی آنکھ کھولتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ یہ ایک عالم اور ایک کائنات ہے اور میں اس کا ایک جزو ہوں۔ اس کے ذہن میں کچھ بنیادی سوالات پیدا ہوتے ہیں یا ہونے چاہئیں۔ یہ مَیں نے اس لئے بتایا کہ اکثر و بیشتر لوگوں کے ذہنوں میں یہ بنیادی سوالات پیدا نہیں ہوتے' کیونکہ اکثر لوگ تقلیدی ذہن کے ہوتے ہیں اور جو کچھ اس معاشرے میں لوگ مان رہے ہوتے ہیں وہ بھی اسے ماننا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان معاشرے میں پیدا ہو گیا تو جو کچھ مسلمان مان رہے ہیں وہ بھی ماننا شروع کر دیتا ہے۔ کوئی شخص کسی اور مذہب کے پیروکاروں کے اندر پیدا ہو گیا تو وہ انہی کی تقلید شروع کر دیتا ہے اور زندگی کی دوڑ دھوپ میں لگ جاتا ہے۔ لیکن ہمیشہ تاریخ میں

کچھ نہ کچھ لوگ ایسے ضرور ہوتے ہیں جنہوں نے مجرد اس بنیاد پر کسی بات کو ماننے سے انکار کر دیا کہ چونکہ لوگ مانتے ہیں اس لئے مجھے بھی ماننا چاہئے۔ ان کو یہ فکر ہوتی ہے کہ ہمیں پہلے خود سمجھنا ہے اور خود ہی حقیقت کی تلاش کرنی ہے۔ وہ خود یہ جاننا چاہتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے اور ان کے ذہن میں کچھ اس قسم کے بنیادی سوالات پیدا ہوتے ہیں :

۱) پہلا سوال ذہن میں یہ آتا ہے کہ یہ کائنات کیا ہے؟ ویسے تو یہ تا حدِ نگاہ پھیلی ہوئی ہے اور اس کائنات کی حدود آج بھی ہمیں معلوم نہیں۔ ہبل بل ٹیلی سکوپ بھی یہ تلاش نہ کر سکی کہ یہ کائنات کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے۔

۲) کیا یہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی یا اس کی تخلیق given time میں ہوئی ہے؟

۳) اگر اس کائنات کی تخلیق ہوئی ہے تو اس کا خالق کون ہے؟ اس خالق کو ہم جان سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس سے رابطہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مزید یہ کہ اس کی ذات کیسی ہے، اور اس کی صفات کیا ہیں؟

۴) میں خود کیا ہوں؟ آیا دوسرے حیوانات مثلاً گھوڑا، بیل، کتا، بلّی وغیرہ کی طرح مَیں بھی ایک حیوان ہوں یا کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی qualitative فرق ہے؟ ایک فرق تو کمیت (quantitative) کا ہے کہ گھوڑا ذرا refined جانور ہے اور گدھا coarse جانور ہے۔ کیا ہمارے اور گوریلا کے درمیان بھی اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ گدھے اور گھوڑے میں ہے؟ کیا کوئی بنیادی فرق ہے یا محض نوعیت کا فرق ہے؟

۵) میری زندگی کیا ہے؟ پیدائش سے لے کر موت تک پچاس، ساٹھ، ستّر سال کا تو مجھے پتہ ہے، سوال یہ ہے کہ آیا اس دنیا میں آنے سے پہلے بھی میرا وجود تھا؟ یا میں اچانک آسمان سے ٹپک پڑا ہوں۔ اور موت کے بارے میں تو ہمیں معلوم ہے کہ وہ آئے گی، لیکن کیا وہ ہمارے وجود کا خاتمہ ہے؟ کیا اس کے بعد ہمارے وجود کا تسلسل نہیں ہے؟ یا اس کے بعد بھی ہماری کوئی حیثیت ہو گی؟

۶) علم کسے کہتے ہیں اور یہ کیسے حاصل ہوتا ہے؟ ہمارے پاس اس کے کیا ذرائع ہیں؟ یہ

تو ہمیں معلوم ہے کہ حواسِ خمسہ ہیں' ہم ان کے ذریعے دیکھتے' سنتے ہیں اور یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے دماغ میں کوئی کمپیوٹر لگا ہوا ہے جو ہمارے sense data کو process کرتا ہے اور نتیجے نکالتا ہے۔ کیا یہی ذرائع علم ہیں یا اس سے ماورئی بھی کوئی ذریعہ ہے؟

۷) خیر و شر کیا واقعی حقائق ہیں؟ کیا یہ کوئی permanent physical values ہیں یا محض ہمارے اپنے ذہن کی اختراع ہیں؟ آپ نے انگریزی کا محاورہ سنا ہوگا:

*"nothing is good or bad, only thinking makes it so"*

یہ ایک نظریہ ہے۔ جبکہ ایک نظریہ یہ ہے کہ شر اور خیر مستقل اقدار ہیں' یہ زمانے اور حالات کے ساتھ بدلتے نہیں ہیں۔ انسان فطرت کی بنیاد پر جانتا ہے کہ یہ خیر ہے اور یہ شر ہے' یہ اچھا ہے اور یہ بُرا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ سچ بولنا اچھا ہے اور جھوٹ بولنا بُرا ہے' وعدہ کرکے پورا کرنا اچھا ہے اور وعدہ خلافی کرنا بُرا ہے' بڑوں کی خدمت کرنا اچھا ہے اور ان کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آنا بُرا ہے۔ یہ باتیں تو ہر شخص جانتا ہے۔ اس حوالے سے یہ مستقل اقدار تو ہو گئیں' لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک شخص کو یہ تو معلوم ہے کہ جھوٹ بولنا غلط ہے لیکن ساتھ ہی اسے نظر آتا ہے کہ جھوٹ بولنے سے یہ فائدہ ہو رہا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ سچ بولنا اچھا ہے لیکن خیال یہ آتا ہے کہ اگر سچ بولتا ہوں تو نقصان ہوتا ہے' خطرہ درپیش ہے۔ اب وہ motivative force کون سی ہوگی جو اسے جھوٹ بولنے سے روکے گی اور سچ بولنے پر مجبور کرے گی۔ یہ سارے فلسفے کے مختلف میدان (fields) ہیں جن سے یہ سوالات متعلق ہیں۔ آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ بعض مسائل وہ ہیں جن کا تعلق Metaphysics سے ہے' بعض مسائل کا تعلق نفسیات (Psychology) سے ہے' بعض کا تعلق علم کی حقیقت (Epistemology) سے اور بعض کا تعلق اخلاقیات (Ethics) سے ہے۔

تاریخ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں کہ جب یہ

سوالات ان کے ذہنوں میں پیدا ہو گئے تو انہیں زندگی کی کسی شے سے کوئی دلچسپی نہیں رہی جب تک کہ انہوں نے ان سوالات کے کوئی نہ کوئی جواب حاصل نہ کر لئے۔ گوتم بدھؔ کو یاد کیجئے! اس کی تیس برس کی عمر ہے' کپل وستو کا شہزادہ ہے' لیکن جوان بیوی اور شیر خوار بچے کو سوتے ہوئے چھوڑ کر نکل گیا کہ مجھے معلوم کرنا ہے کہ حقیقت کیا ہے' یہ گورکھ دھندہ کیا ہے؟ کوئی اندھا کیوں پیدا ہو گیا؟ کوئی بچہ مر رہا ہے' اس کے والدین کھڑے رو رہے ہیں تو وہ کیوں رو رہے ہیں؟ دنیا میں یہ دکھ کیوں ہے؟ کیا اس سے نجات کا کوئی راستہ ہے؟ چنانچہ پھر ان سوالات کے جوابات کے لئے اُس نے جنگل اور ویرانوں کی خاک چھانی ہے۔ اسی طرح آپ دیکھئے کہ سقراط یونان میں پیدا ہو رہا ہے' اس کے معاشرے میں جو چیزیں مانی جاتی ہیں اس کا ذہن اسے قبول نہیں کر رہا' وہ کچھ اور نتائج تک پہنچتا ہے' لیکن جب انہیں بیان کرتا ہے تو معاشرہ بھی ردِّعمل (react) کرتا ہے اور عدالت میں پیشی ہوتی ہے تو وہاں اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم ہمارے نوجوانوں کو خراب کر رہے ہو اور انہیں قومی اور نسلی عقائد سے منحرف کر رہے ہو۔ تم جس چیز کو حقیقت سمجھتے ہو اس کو اپنے تک محدود رکھو۔ اگر تم خاموش رہ سکتے ہو تو زندہ بھی رہ سکتے ہو۔ اگر خاموش نہیں رہ سکتے تو ابھی اور اسی جگہ پر زہر کا پیالہ پیو اور اپنی زندگی ختم کر لو۔ یہ مَیں نے آپ کو دو مثالیں دی ہیں کہ جس شخص کے ذہن میں یہ سوالات پیدا ہو جائیں اور پھر جب تک اسے ان کا تشفی بخش جواب نہ مل جائے اسے زندگی کی کسی شے سے کوئی رغبت نہیں رہتی۔ سقراط کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ دنیا میں اکثر و بیشتر انسان تو تقلید کرتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں۔ چنانچہ جہاں پیدا ہوئے انہوں نے اسی کے مطابق زندگی گزارنا شروع کر دی۔ لیکن اکثر و بیشتر انسان انہی لوگوں کے پیروکار ہوتے ہیں جنہوں نے خود غور و فکر کر کے کوئی نتیجہ نکالا ہوتا ہے۔ آج گوتم بدھ کے کتنے ماننے والے ہیں' سقراط کی کیا عظمت ہے! چاہے ان کی زندگی میں انہیں کسی نے نہ مانا ہو۔ اسی طریقے سے ان سوالوں کا صحیح جواب وہ ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام نے اس دعوے کے ساتھ دیا کہ ہمارے پاس علم کا خاص ذریعہ ہے جو تمہارے پاس نہیں۔ علم کے اس ذریعے سے ہی ہمیں معلوم ہوا کہ

کائنات کی حقیقت کیا ہے‘ تمہاری اور تمہاری زندگی کی حقیقت کیا ہے‘ علم کی حقیقت کیا ہے؟ اخلاقیات کے بنیادی سوالات کا جواب کیا ہے؟

انبیاء کے اس دعوے کو جن لوگوں نے بھی تسلیم کیا انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کی طرح صاف کہہ دیا کہ ﴿ يٰاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴾ ”ابا جان! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا‘ بس آپ کو میری پیروی کرنی ہو گی۔ میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا“۔

یہاں دیکھئے کہ الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔ بیٹا باپ سے کہہ رہا ہے‘ حالانکہ باپ کا تجربہ بھی ہے اور اس کے بال بھی سفید ہو چکے ہیں‘ پھر بھی بیٹا باپ سے یہ کہہ رہا ہے۔ لیکن دلیل یہی ہے کہ آپ کی معلومات تو وہی ہیں جو آپ کو حواسِ خمسہ یا دماغ کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہیں‘ جبکہ میرے پاس ایک اور ذریعہ علم بھی ہے۔

آخری بات یہ کہ دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے فلسفی گزرے ہیں‘ جنہوں نے اپنی عقل سے سوچ کر جوابات دیئے ہیں ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ صد فیصد حق ہے اور اس میں شک کی گنجائش نہیں۔ علامہ اقبال بھی اپنے لیکچرز کے آغاز میں کہتے ہیں کہ میں نے جو کچھ سمجھا ہے وہ میں نے بیان کر دیا ہے‘ لیکن میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ بس جو کچھ میں نے کہا وہی حق ہے۔ ہمارا علمی رویّہ قائم رہنا چاہئے‘ غور و فکر آگے جاری رہنا چاہئے‘ ہو سکتا ہے کہ جو کچھ میں نے کہا اس سے بہتر آراء سامنے آئیں۔ لیکن انبیاء نے جو کچھ کہا وہ اس دعوے کے ساتھ کہا کہ اس میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ سورۃ البقرۃ کے شروع میں فرمایا : ﴿ الٓمّٓ ○ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ ”یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں۔“

## سوالات

**سوال** : ایمان کے ہوتے ہوئے وسوسہ کیوں آتا ہے؟

**جواب** : اس لئے کہ انسان کے اندر ایک نفس اور حیوانی داعیہ (animal instinct) بھی ہے اور خارج میں شیطان لعین بھی موجود ہے۔ نفس اور

شیطان دونوں کو اس بات کی قدرت حاصل ہے کہ ہمارے اندر وسوسے پیدا کر سکیں۔ اور یہ اصل میں ہمارے ایمان کا امتحان بن جاتا ہے۔ اگر ایمان پختہ ہے تو انسان وسوسے کو رد کر دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وسوسہ اگر ذہن میں رہے اور آدمی اسے زبان پر نہ لائے تو اس پر کوئی گرفت نہیں، لیکن اگر کہے گا تو پکڑ ہو جائے گی۔ انسان اپنی ایمانی قوت سے اس وسوسے کو دبا دے تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔

**سوال** . ایمان اور عقیدے میں کیا فرق ہے؟

**جواب** : ایمان مابعد الطبیعیاتی حقائق کا نام ہے۔ ظاہر ہے مابعد الطبیعیاتی حقائق ہمارے تخیل سے بھی ماوراء ہیں، لیکن ان کو اپنی زبان میں بیان کرنا پڑتا ہے۔ جب ان کو ایک زبان میں بیان کیا جائے گا اور مرتب کر لیا جائے گا تو اس کا نام عقیدہ بن جائے گا۔ عقیدہ گویا کہ ایمان کی معین الفاظ میں تعبیر اور تعیین کا نام ہے۔

**سوال** : ایمان میں پختگی کیسے آسکتی ہے؟

**جواب** ایمان میں پختگی عمل سے آتی ہے کہ ایمان کے تقاضے جو ہمیں اسلام کی شکل میں دیئے گئے ہیں، ان پر عمل کرتے رہیں گے تو جیسے ایمان سے عمل پیدا ہوتا ہے ایسے ہی عمل سے بھی ایمان پیدا ہو گا۔ ایمان میں پختگی پیدا کرنے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ جو صاحب ایمان ہوں اور اُن کے دلوں میں یقین بہت گہرا ہو اُن کی صحبت سے اور ان کے قریب ہونے سے آپ کے ایمان میں پختگی آجائے گی۔ جیسے آپ آگ کی بھٹی کے سامنے بیٹھیں گے تو آپ کو حرارت پہنچ جائے گی اسی طرح اگر کسی شخص کے دل میں ایمان کی بھٹی ہے تو اس کی قربت سے آپ کے اندر بھی ایمان پیدا ہو جائے گا۔

**سوال** . یہ کیسے معلوم ہو گا کہ میرے اندر ایمانِ حقیقی پیدا ہو چکا ہے؟

**جواب** . ایمانِ حقیقی کی موجودگی میں ایک تو ایمان کے مطابق عمل کرنے میں سہولت ہو جائے گی۔ اسے محسوس ہو گا کہ مجھے عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ (resistance) پیش نہیں آرہی، میں اللہ کے احکام پر دلی آمادگی کے ساتھ عمل کر رہا ہوں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ کے دل میں ایمان موجود ہے: ((اذا ساء تكَ سيئتك وسرّتكَ حسنتك فانت مؤمن)) یعنی جب تمہیں کوئی اچھا اور نیکی کا کام کر کے خوشی ہو اور اگر

بُری حرکت سرزد ہو جائے تو تمہیں اس پر افسوس اور رنج ہو تو جان لو کہ تمہارے اندر ایمان موجود ہے۔

**سوال** . ایمان کے کیا معنی ہیں؟

**جواب** . ایمان کے لفظی معانی کسی کو امن دینے کے ہیں۔ اور ایمان جب "ب" یا "ل" کے ساتھ آئے تو اس کے معانی کسی امر اور دعوے کی تصدیق کرنا ہیں۔ اصطلاح میں ایمان رسولوں کے دعوے کو تسلیم کرنا اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات کو اختیار کرنا ہے۔

**سوال** : ایمان اور اسلام میں کیا فرق ہے؟

**جواب** : ایمان دین اللہ یا دین حق کی نظریاتی، فکری یا فلسفیانہ اساس کا نام ہے۔ اور اس نظریاتی، فکری اور فلسفیانہ بنیاد کا جب ظہور انسان کے عمل میں ہوتا ہے تو اس کا نام اسلام ہے۔ یہ بات بھی نوٹ کیجئے کہ ایمان دل میں ہوتا ہے، اس کو verify کرنا مشکل ہے۔ کوئی دوسرا شخص نہیں جان سکتا کہ کسی کے دل میں ایمان ہے یا نہیں ہے جبکہ عمل کا تعلق ظاہر سے ہے۔ اس کی بنیاد پر فیصلہ ہو سکتا ہے کہ کوئی مسلمان ہے یا نہیں۔ اسی لئے اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست کی بنیاد اسلام پر قائم ہے۔ جو قانونی طور پر مسلمان ہے وہ اسلامی معاشرے کا فرد ہے اور اسلامی ریاست کا شہری ہے۔

حضرات! آخر میں مَیں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ ایمان کی اصل حقیقت سے ہمیں صرف ذہنی اور علمی طور پر ہی روشناس نہ کرائے بلکہ ہمارے دل میں اسے ایک نور کی صورت میں پیدا فرمادے۔ آمین یارَبَّ العالمین!

# توحیدِ عملی

## کا فریضۂ اقامتِ دین سے ربط و تعلّق

### سورۃ الشوریٰ آیات ۱۳ تا ۲۱ کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

مرتب : شیخ جمیل الرحمٰن مرحوم

(ساتویں قسط)

### مخالفین و معاندین کے لئے انتباہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ . . . ﴾

”کچھ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں ابھی بحث و مباحثہ اور حجت بازی میں پڑے ہوئے ہیں‘ حالانکہ اللہ کی پکار پر لبیک کہی جا چکی ہے“۔

یہاں ”فِي اللّٰهِ“ سے مراد ”فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ“ ہے۔ یعنی ابھی تک جو لوگ اللہ کے دین کے بارے میں جھگڑوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

آگے بڑھنے سے قبل آیت کے اس حصّہ کو وضاحت سے سمجھ لیجئے۔ دیکھئے جب کوئی نئی دعوت اٹھتی ہے تو کچھ لوگ اتنے ذہین ہوتے ہیں کہ وہ اس کو اس کی FACE VALUE پر قبول کر لیتے ہیں اور ان میں اتنی جرأت بھی ہوتی ہے کہ ع ہرچہ باداباد‘ ما کشتی در آب انداختیم۔ اب جو ہو سو ہو ہم نے اس دعوت کو قبول کر لیا۔ اب تیریں گے تو اس کے ساتھ اور ڈوبیں گے تو اس کے ساتھ۔ لیکن سب لوگوں میں اتنی ہمت نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں کہ جن کو حقیقت تو معلوم ہو جاتی ہے کہ بات صحیح ہے‘ لیکن منجدھار میں چھلانگ لگانے کے لئے جو ہمت درکار ہوتی ہے اس کا ان میں

فقدان ہوتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے ایک جنگل ہے' اس میں جانے کا کوئی راستہ ہونا تو درکنار پگڈنڈی بھی بنی ہوئی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں کوئی بڑی ہمت والا ہی ہو گا جو اس میں داخل ہو گا۔ لیکن اگر کچھ لوگوں نے چل کر پگڈنڈی بنا دی ہو تو نسبتاً کم ہمت لوگ بھی اس پر چل پڑنے کا اپنے اندر حوصلہ پیدا کر لیں گے' کیونکہ ان کو نظر آ رہا ہے کہ راستہ بنا ہوا ہے اور کچھ لوگ اس پر چل کر جنگل میں داخل ہو گئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ یہی بات یہاں کہی جا رہی ہے کہ ﴿ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ ﴾ اللہ کے دین کی دعوت پر لبیک کہے جانے کے بعد بھی بعض لوگ دعوت قبول کرنے والوں سے حجت بازی کر رہے ہیں۔

سورۃ الشوریٰ کے نزول کا زمانہ مکی دور کا آخری تیسرا حصہ یعنی سن ۱۰ نبوی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اُس وقت تک بہت سے ایسے لوگ بھی ایمان لا چکے تھے جو قریش میں ایک باحیثیت مقام رکھتے تھے اور ایسے بھی جو دبے ہوئے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ گویا کہ بہت سے لوگوں نے بیچ منجدھار کود کر دکھا دیا تھا۔ بہت سے لوگوں نے تشدد جھیل کر' مصائب برداشت کر کے اور قربانیاں دے کر اعلیٰ مثالیں قائم کر دی تھیں۔ اس طرح ان لوگوں کے لئے جو کم ہمت تھے' راستہ بن گیا اور اب ان کے لئے اس پر چلنا آسان ہو گیا۔ جو اَب بھی تاخیر و تعویق میں ہوں' لیت و لعل میں ہوں' جو اَب بھی حجت بازی میں پڑے ہوں' معلوم ہوا کہ اب ان کا کوئی عذر اللہ تعالیٰ کی جناب میں لائق پذیرائی نہیں رہا۔ ﴿ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ان کی حجت' ان کی دلیل ان کے رب کے پاس بالکل باطل اور پادر ہوا ہے۔ ﴿ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝ ﴾ "اور ان پر اللہ کا شدید غضب نازل ہو کر رہے گا اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے"۔

قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ اس آیت میں ان کم ہمت لوگوں کے لئے بھی انتباہ ہے جو دعوت کو حق سمجھ لینے کے باوجود مشرکین و مخالفین کے تشدّد اور تعدّی کے خوف سے دعوت کو قبول کرنے میں ہچکچا رہے ہیں اور ان کے لئے بھی شدید وعید ہے کہ جن کے دل دعوت کی حقانیت تسلیم کرتے ہیں لیکن وہ اپنے مفادات' اپنے تعصبات اور اپنی عصبیت کے باعث دعوت کو قبول کرنے کے بجائے اس کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں اور

اس دعوت کو کچلنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور اُن کا ساتھ دے رہے ہیں جو صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ گویا وہ سرے سے دعوت کی حقانیت کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ اس آیت میں تینوں قسم کے لوگ مخاطبین ہیں۔

## الکتاب والمیزان = قرآن وسُنّت

اگلی آیت میں وہ مضمون آ رہا ہے جو ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ﴾ کی توضیح و تشریح کے ضمن میں سورۃ الحدید کی ایک آیت کے حوالے سے بیان ہو چکا ہے۔ سورۃ الشوریٰ مکّی سورتوں میں اتنی ہی اہمیت کی حامل ہے جتنی مدنی سورتوں میں سورۃ الحدید۔ سورۃ الحدید میں رسولوں کی بعثت' ان کو بیّنات عطا کرنے' ان کے ساتھ کتابیں اور میزان یعنی شریعت نازل فرمانے کی غرض وغایت ان الفاظِ مبارکہ میں بیان فرمائی گئی تھی کہ: ﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ جبکہ یہاں فرمایا:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ ﴾

"اللہ ہی ہے وہ ذات جس نے حق کے ساتھ کتاب اتاری اور میزان بھی اتاری"۔

جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب تورات نازل ہوئی تو اس کے ساتھ شریعتِ موسوی اُتری' ویسے ہی جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا تو اس کے ساتھ ہی المیزان یعنی شریعتِ محمدیؐ یا دین الحق نازل ہوا۔ یہی بات اس آیت مبارکہ کی ابتداء میں ایک دوسرے اسلوب سے فرمائی جو سورۃ التوبہ' سورۃ الفتح اور سورۃ الصف میں بایں الفاظ وارد ہوئی: ﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ ﴾ "وہ (اللہ) ہی ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو بھیجا الہدیٰ اور دین الحق کے ساتھ"۔ یہاں "و" واو عطف ہے۔ دین الحق الہدیٰ سے مختلف اور علیحدہ چیز ہے' اس معنی میں کہ الہدیٰ یعنی قرآن مجید میں علمی اور اصولی ہدایت ہے جبکہ سُنّتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اس کی عملی تفسیر اور اس کا عملی مظاہرہ (demonstration) ہے۔ جب قرآن حکیم کے ساتھ سُنّتِ رسولؐ جمع ہو جائے گی تو دین الحق بنے گا اور وہ میزان یعنی شریعت سامنے آئے گی کہ

کس کا کیا حق ہے اور کس کے کیا فرائض ہیں، کیا واجبات ہیں۔ اور طے ہو گا کہ (What is due to him and what is due from him) اس پر لازم کیا ہے اور اس کا حق کیا ہے ___ یہ ہے کتاب اور میزان جو اللہ نے نازل فرمائی۔

## غور طلب بات

اب غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے میزان کس لئے نازل فرمائی! ایسے ہی رکھی رہے یا اس میں ماپا اور تولا جائے! میزان تو اس لئے اتاری گئی کہ نصب ہو۔ دین اس لئے دیا گیا کہ قائم ہو۔ دین اگر قائم نہ ہو تو وہ دین ہے ہی نہیں، پھر تو وہ مذہب بن گیا۔ وہ صرف ایک عقیدہ اور ایک cult بن کر رہ گیا۔ وہ محض چند رسوم (rituals) کا مجموعہ بن گیا۔ دین تو وہ ہے جو ایک نظام کی حیثیت سے بالفعل قائم و نافذ ہو۔ اس کو ایک سادہ سی مثال سے سمجھ لیجئے، انگریز کے دورِ غلامی میں جس نظام کی حکومت تھی وہ "دین انگریز" تھا۔ تاجِ برطانیہ کے نمائندے کی حیثیت سے مطاعِ مطلق برطانوی پارلیمنٹ تھی۔ تمام فوجداری اور دیوانی قوانین اس کے بنائے ہوئے تھے اور ان کے مطابق ہی ملک کا نظام چل رہا تھا۔ البتہ دوسرے مذاہب کے ساتھ مسلمانوں کو بھی یہ آزادی حاصل تھی کہ نجی زندگی میں نمازیں پڑھ لو، روزے رکھ لو، حج کو چلے جاؤ، اپنے طور پر زکوٰۃ ادا کر دو، شادی بیاہ کی رسوم اپنے طور پر بجالاؤ۔ پرائیویٹ اور شخصی معاملات میں انگریز سرکار کو کوئی سروکار نہیں، البتہ ملک کا نظام اور قانون (law of the land) انگریز کا بنایا ہوا رائج و نافذ رہے گا۔ اس صورت حال کے پیش نظر ہی علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا ؂

ملاّ کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

اب پھر اس آیت پر توجہ مرتکز کیجئے۔ فرمایا :

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ الْمِیْزَانَ ؕ ﴾ "وہ اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ اتاری ہے کتاب بھی اور میزان بھی"۔ سورۃ الحدید میں بعثتِ رُسل، انزالِ کتب و میزان کی جو غرض و غایت بیان فرمائی گئی تھی کہ ﴿ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ ﴾ "تاکہ لوگ

عدل و قسط پر قائم ہو جائیں"۔ اس کو آیت کے اس حصّے کے ساتھ ذہن و قلب پر ثبت کر لیجئے تو ﴿ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ ﴾ اور ﴿ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ﴾ کے جملہ مقتضیات و متضمنات واضح ہو کر سامنے آ جائیں گے۔

## انجام سے متعلق تنبیہہ

اسی آیت کے دوسرے حصّہ میں فرمایا :

﴿ وَ مَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ ۝ ﴾

"اور (اے نبیؐ) آپ کو کیا معلوم کہ قیامت قریب ہو اور سر پر آئی کھڑی ہو"۔

یہاں انداز مختلف ہے۔ اس میں انسانوں کو ایک فطری اور نفسیاتی کمزوری پر متنبہ کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ حقیقت کو انہوں نے پہچان بھی لیا لیکن دل کے اندر جو چور ہے اور مفادات و لذّاتِ دُنیوی سے جو اُنس ہے اس کی وجہ سے تعویق و تاخیر کا معاملہ ہوتا ہے۔ سوچ کا انداز یہ ہو جاتا ہے کہ بات تو حق ہے، قبول کرنی چاہیئے اور ہم ضرور قبول کریں گے، ذرا فلاں فلاں کاموں سے فارغ ہو جائیں تو پھر ہم بھی میدان میں کود پڑیں گے۔ بس یہ ذمہ داریاں ہیں ان سے نمٹ لیں، ذرا بچیوں کے ہاتھ پیلے کرنے ہیں ان سے عہدہ برآ ہو جائیں تو پھر اقامتِ دین کی جِدّ وجُہد میں ہمہ وقت اور ہمہ تن لگ جائیں گے اور اپنی ساری توانائیاں اور اپنے تمام اوقات اللہ کی راہ میں لگا دیں گے۔ اس سے بڑا فریب اور دھوکہ کوئی نہیں۔ اور دھوکہ کس کو دے رہے ہیں؟ حقیقی بات یہ ہے کہ اس سے بڑی خود فریبی اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ ع کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد۔ اپنی بچیوں سے فارغ ہوں گے تو آگے نواسیاں اور پوتیاں ہوں گی۔ اپنی ذمہ داریوں سے فراغت کیسے ہو گی۔ نسل تو آگے پھیلے گی، بڑھے گی اور نہ معلوم کیا کیا معاشرتی پیچیدگیوں (problems) سے سابقہ پیش آئے گا۔ اور جب آپ اپنے کاموں سے فارغ ہوں گے . . . . اوّل تو فراغت ملتی نہیں۔ لیکن فرض کیجئے کہ کسی نے سوچ رکھا ہو کہ ریٹائر ہو جاؤں پھر دین کے لئے کام کروں گا تو حکومت بھی اس وقت ریٹائر کرتی ہے جب صلاحیت و اہلیت برائے نام رہ جاتی ہے۔ ایسی حالت و کیفیت میں آپ دین کے

لئے کریں گے کیا؟ اس لئے کہ حکومت نے ریٹائرمنٹ کی مدت خوب سوچ سمجھ کر رکھی ہے۔ توانائیاں تو خدمت سرکار میں ختم ہوئیں' اب تو آپ کی حیثیت Spent up Force کی ہے۔ یہ ہیں وہ دھوکے اور فریب جو انسان کا نفس خود اسے دیتا ہے۔ سورۃ الحدید میں یہ مضمون اہل ایمان کے لئے مختص ہو کر آیا ہے۔ وہاں فرمایا :
﴿ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ﴾ "کیا وقت آ نہیں گیا ہے اہل ایمان کے لئے کہ جھک جائیں ان کے دل اللہ کی یاد میں اور اس حق کے سامنے جو نازل ہو گیا ہے۔" یہ تاخیر اور تعویق' اور یہ بات کہ یہ کر لوں وہ کر لوں پھر دین کے کام میں لگ جاؤں گا ـــــ خود فریبی کے اس چکر سے کب نکلو گے؟ وہی بات نبی اکرم ﷺ سے مخاطب ہو کر بطور واقعہ اور حقیقت فرمائی جارہی ہے : ﴿ وَ مَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّ السَّاعَۃَ قَرِیْبٌ ○ ﴾ "اور (اے نبیؐ ) آپ کو کیا خبر کہ قیامت (فیصلہ کی گھڑی) قریب ہی آ لگی ہو۔"

## انتہائی قابلِ توجّہ بات

اچھی طرح ذہن میں رکھئے کہ ایک قیامت تو آخری قیامت ہے' اور ایک میری اور آپ کی انفرادی (indivudual) قیامت ہے۔ یعنی "میری اور آپ کی موت"۔ وہ تو ہم سب کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ ہم میں سے کون جانتا ہے کہ وہ کب آئے گی! جگر مراد آبادی مرحوم کا بڑا پیارا شعر ہے ؎

اربابِ ستم کی خدمت میں اتنی ہی گزارش ہے میری
دنیا سے قیامت دُور سہی دنیا کی قیامت دُور نہیں!

موت کی صورت میں ایک قیامت انسان پر اس دنیا میں بھی آتی ہے جسے ہم قیامت صغریٰ کہتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : ((مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ)) "جو مر گیا اس کی قیامت تو قائم ہو گئی"۔ مہلتِ عمر اور مہلتِ عمل ختم ہوئی ـــــ کسے یقین ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ کل صبح طلوع ہونے والا سورج میں لازماً دیکھوں گا۔ اگر دل میں یہ یقین ہو تو بہت بڑا دھوکہ ہے ـــــ کس برتے پر' کس امید میں تم یہ چیزیں مؤخر کر رہے

ہو؟ اللہ کی طرف سے عائد کردہ فرض ادا کرنے کی فکر کرو۔ اس کے لئے جدّوجُہد کرو۔ اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ اس کے لئے کمربستہ ہو جاؤ' سربکف ہو کر میدان میں نکلو' باطل سے پنجہ آزمائی کے لئے تیار ہو کر آؤ۔ ﴿ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ﴾ کا تقاضا خاتم النبیین والمرسلین کے اُمّتی کی حیثیت سے پورا کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔ اس کے لئے نظم پیدا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب یعنی قرآن مجید اور میزان یعنی شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام حق کے ساتھ نازل کی ہے اس پر مبنی نظامِ عدل وقسط قائم کرنے کی جدّوجہد کرو' ورنہ تم کو کیا پتہ کہ موت تمہارے سرہانے کھڑی ہو' تم اسی تعویق و تاخیر میں رہو اور مہلتِ عمر تمام ہو جائے ــــــ یہ جملہ مفاہیم اس آیت مبارکہ میں بیان ہوئے: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ ؕ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ ۝ ﴾

آگے فرمایا :

﴿ یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَةِ لَفِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ۝ ﴾

"اس قیامت کے دن کے لئے جلدی وہ لوگ مچاتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے' مگر جو لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یقیناً اس کا واقع ہونا حق ہے۔ آگاہ رہو' خوب اچھی طرح سن رکھو! جو لوگ اس گھڑی کے آنے کے بارے میں شک میں ڈالنے والی بحثیں کرتے ہیں وہ گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں"۔

اس آیت میں نہایت جامعیت' بلاغت اور پیارے انداز میں قیامت کے بارے میں منکرین اور مؤمنین کے طرزِ فکر و عمل پر تبصرہ فرمایا گیا ہے۔

## منکرین کی عجلتِ عذاب

کفار اور مشرکین کج بحثی اور ضد برائے ضد کے طور پر اس طرح کی باتیں کیا کرتے تھے کہ اے محمد (ﷺ) لے آؤ وہ قیامت یا وہ عذاب جس کا تم ہمیں ڈراوا دیتے چلے آئے ہو۔ نقلِ کفر کفر نہ باشد۔ وہ کہا کرتے تھے کہ تمہیں یہ رٹ لگاتے ہوئے دس سال ہو گئے'

آخر وہ گھڑی کب آئے گی؟ یہ سنتے سنتے ہمارے کان پک گئے ہیں۔ لے آؤ وہ عذاب جس کی دھمکیاں تم ہمیں دیتے چلے آرہے ہو۔ یہاں تک کہ نضر بن حارث نامی ایک مشرک نے کھڑے ہو کر کہا تھا جس کا قرآن مجید میں سورۃ الانفال میں ذکر ہے :

﴿ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ﴾ (آیت ۳۲)

"اور یاد کرو وہ بات جو ان کفّار نے کہی تھی کہ پروردگار! (محمد ﷺ جو پیش کر رہے ہیں) یہ اگر تیری طرف سے واقعی حق ہے اور سچی خبر ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ۔"

یہ حال تھا ان کی ہٹ دھرمیوں اور ڈھٹائیوں کا۔ ایسی باتوں سے وہ اپنے عوام کو متأثر کرنا چاہتے تھے جن میں دعوتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نفوذ کر رہی تھی۔ گویا ع

نظامِ کہنہ کے پاسبانو! یہ معرضِ انقلاب میں ہے! ـــــ مشرکین خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ ہمارے مفادات جو اِس مشرکانہ نظام سے وابستہ ہیں' سخت خطرے میں آئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ اس قسم کی باتوں کے ذریعے اپنے عوام پر اپنے خلوص کا اثر قائم کرتے تھے کہ ہمیں اس دعوتِ توحید کے غلط ہونے پر اتنا اعتماد ہے کہ ہم تو یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ اگر یہ دعوت جو محمد (ﷺ) پیش کر رہے ہیں سچ ہے' حق ہے تو ہم پر عذاب آجائے ـــــ یہ تھا ان کا انداز اپنے عوام کو دعوت سے روکنے کے لئے۔ قرآن اس پر تبصرہ کرتا ہے کہ وہ تو قیامت اور یومِ حساب پر یقین ہی نہیں رکھتے تھے اسی لئے عذاب اور قیامت کی جلدی مچا رہے تھے ـــــ جس کے دل میں یقین ہوگا وہ ہرگز یہ بات زبان پر نہیں لا سکتا۔ یہی بات فرمائی ان الفاظِ مبارکہ میں: ﴿ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ﴾ "اس کے لئے وہی لوگ جلدی مچاتے ہیں جو اِس پر ایمان نہیں رکھتے"۔

## اہل ایمان اور خوفِ قیامت

اس کے برعکس اہل ایمان کا یہ حال ہے کہ وہ قیامت کے تصوّر سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں : ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ﴾ اہل ایمان کی اسی صفت کو سورۃ الانبیاء میں بایں الفاظ بیان فرمایا : ﴿ اَلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ

مُشْفِقُوْنَ○ ﴾ (آیت ۴۹) "وہ لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ قیامت سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں"۔ اور ان کے قیامت کے خوف اور خشیتِ الٰہی کا نقشہ سورۃ النور کی آیت ۳۷ کے آخر میں یوں کھینچا گیا : ﴿ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ○ ﴾ "اہل ایمان اس دن کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں کہ جس دن دل الٹ جائیں گے اور نگاہیں پتھرا جائیں گی" ـــــ قیامت کی ہولناکیوں اور محاسبۂ اُخروی سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اِس طرح ڈرتے رہتے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ عالم تھا کہ آپؓ کہا کرتے تھے: "کاش میں ایک سوکھا تنکا ہوتا جو جلا دیا جاتا ہے' ختم ہو جاتا ہے' اس سے محاسبہ نہیں ہے۔ کاش میں درختوں پر چہچہاتی ہوئی ایک چڑیا ہوتا جو آج ہے کل نہیں ہوگی' لیکن اس سے محاسبہ کوئی نہیں ہے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے انتقال کے وقت کہہ رہے ہیں: "کاش میں برابر سرابر پر چھوٹ جاؤں"۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے وقت آخر اپنے والد کا سر اپنی ران پر رکھا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ میرا سر نیچے ڈال دو۔ انہوں نے پوچھا: آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ یہ بے چینی کیوں ہے؟ آپ تو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں' آپ کو تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے ـــــ تو جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "خدا کی قسم! اگر میں برابر سرابر بھی چھوٹ گیا تو بہت بڑی کامیابی تصور کروں گا۔" حضرت عثمانِ ذوالنورین رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اِس قدر روتے کہ داڑھی اشکوں سے تر ہو جاتی۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ دوزخ کے ذکر پر اتنے اشکبار نہیں ہوتے جتنے قبر پر ہوتے ہیں۔ آپ نے جواب میں کہا کہ "مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "قبر آخرت کی منزلوں میں پہلی منزل ہے' اگر کوئی اس سے نجات پا گیا تو اس کے بعد آسانی ہے اور اگر اس سے ہی نجات نہ پائی تو اس کے بعد اس سے بھی زیادہ سختی ہے۔" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اکثر اشکبار کہا کرتے تھے کہ "اگر میں دوزخ اور جنت کے درمیان ہوں اور مجھے معلوم نہ ہو کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہو گا' میرے لئے ان میں سے کس کا حکم دیا جائے گا تو میں اس کا حال معلوم کرنے سے قبل راکھ ہو جانے کو پسند کروں گا کہ مبادا میرے لئے دوزخ کا فیصلہ ہو جائے۔"

یہ ہے ان لوگوں کا حال جو اصل عارف ہیں' جو پہچاننے والے ہیں' جو حقیقت کا علم

رکھنے والے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "جو کچھ میں جانتا ہوں اے مسلمانو! اگر تم وہ جانتے تو تمہارے ہونٹوں پر کبھی مسکراہٹ تک نہ آتی"۔ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حقائق بڑے تلخ ہیں۔ جو ان سے غافل ہیں وہی ہیں جو اس دنیا میں قہقہے بھی لگا رہے ہیں اور محاسبۂ اُخروی سے بے نیاز ہو کر بے فکری سے زندگی بسر کر رہے ہیں' دندناتے پھر رہے ہیں۔ انہیں پتہ نہیں ہے کہ موت کے بعد کیا بیتنے والی ہے۔ موت کے اس پردے کے پیچھے کون سے ابدی ولازوال خسارے سے واسطہ پڑنے والا ہے۔ اس کے برعکس اہل ایمان کے متعلق فرمایا :

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴾

"اہلِ ایمان تو قیامت کی گھڑی کے یقین سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ اور انہیں خوب معلوم ہے کہ وہ گھڑی آ کر رہے گی' یہ یقینی' حتمی اور قطعی بات ہے ـــــ آگاہ ہو جاؤ' خبردار رہو' اچھی طرح سن رکھو! جو لوگ اس قیامت اور ساعت کے بارے میں جھگڑوں میں پڑے ہوئے ہیں وہ بہت دُور کی گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہیں"۔

## قبولِ حق میں ایک اہم رکاوٹ اور اس کا حل

توحید عملی کی معراج فریضہ اقامتِ دین کی ادائیگی کے لئے جدّوجہد' محنت و کوشش اور جہاد و کشمکش ہے۔ اسی کے لئے تمام رسولوں کی بعثت ہوئی' کتابیں اور شریعتیں نازل ہوئیں۔ اور اس موضوع پر سورۃ شوریٰ کو ذروۂ سنام (چوٹی) کا مقام حاصل ہے۔ اس راہ کے چند موانعات کا ذکر بھی ہم پڑھ چکے ہیں اور ان کی وجوہ بھی ہمارے سامنے آ چکی ہیں۔ مشرکوں کو یہ دعوت کیوں ناگوار ہے' ﴿ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ کے ضمن میں اس بات کو ہم نے سمجھ لیا ہے۔ اہلِ کتاب کی مخالفت و مخاصمت ﴿ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ﴾ کی تشریح و توضیح کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے۔ حق کو اچھی طرح جان اور پہچان لینے کے باوجود تاخیر و تعویق اور لیت و لعل کے رویئے کے چند اسباب بھی ہمارے سامنے آ چکے ہیں۔

اب اگلی آیت میں ایک رکاوٹ کا براہِ راست تو ذکر نہیں ہے لیکن اس کے بین

السطور وہ رکاوٹ منہ سے بول رہی ہے اور اس کا حل مثبت اسلوب میں سامنے لایا جا رہا ہے۔ فرمایا :

﴿ اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۤءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ ﴾

"اللہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے۔ جسے وہ چاہتا ہے سب کچھ دیتا ہے اور وہ بڑی قوت والا اور زبردست و غالب ہے"۔

دعوتِ توحید کو قبول کرنے اور اس کے لئے مجاہدہ کرنے میں ایک بڑی رکاوٹ معاش کا مسئلہ ہوتا ہے۔ تاویلِ خاص کے طور پر نبی اکرم ﷺ کی دعوتِ توحید پر جن سعید روحوں نے لبیک کہا تھا ان پر جہاں مصائب و مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے وہاں ان کا معاشی مقاطعہ بھی کیا جا رہا تھا۔ لہٰذا اکثر لوگ آپ ﷺ کی دعوت کو حق سمجھتے ہوئے بھی اس کو قبول کرنے سے گریزاں تھے۔ اس لئے کہ اگر معاشی مقاطعہ ہو گیا تو کہاں سے کھائیں گے اور اپنے بال بچوں کو کیا کھلائیں گے۔ اس ماحول میں روکھی سوکھی روٹی کے بھی لالے پڑنے کا اندیشہ لاحق رہتا تھا۔

تاویلِ عام کے لحاظ سے دیکھئے تو یہ بات سامنے آئے گی کہ ہمیں خوب اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ اقامتِ دین کی جدّوجُہد فرض ہے : ﴿ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ لیکن یہ قدم کیسے بڑھائیں! اندیشہ یہ لاحق ہے کہ کھائیں گے کیا؟ پہنیں گے کیا؟ معاش کا بندوبست کیسے ہو گا؟ اس طرف بڑھتا ہوں تو میرا کاروبار بیٹھتا ہے۔ سودی لین دین چھوڑ دوں گا تو اس کا مطلب ہے کہ کاروبار کی بساط لپیٹ دوں۔ اگر رشوت لینا چھوڑتا ہوں تو اپنا معیارِ زندگی کیسے قائم رکھ سکوں گا، جس کا خوگر ہو چکا ہوں۔ میرے بیوی بچے تو پراٹھوں کے عادی ہو چکے ہیں، اب ان کو سوکھی روٹی کیسے کھلاؤں گا! ان کو جو اعلیٰ تعلیم دلانے کے منصوبے ہیں ان پر عمل کیسے ہو گا۔ یہ بڑا مشکل کام ہے۔ یہ ہے وہ سب سے بڑی رکاوٹ اور سب سے بڑا مخمصہ جس سے ایسا شخص دوچار ہوتا ہے اور وہ حق واضح ہونے کے باوجود اس کی طرف پیش قدمی سے ہچکچاتا ہے۔ اسی طرف حضرت مسیح علیہ السلام کے مواعظ میں مختلف اسالیب سے توجّہ دلائی گئی ہے۔ ایک وعظ میں آنحضرت علیہ السلام کے الفاظ آئے ہیں :

"کیوں فکر کرتے ہو کہ کیا کھاؤ گے اور کیا پیو گے؟ تم جنگل کی چڑیوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ نہ ہل چلاتی ہیں' نہ بوتی ہیں' نہ کاٹتی ہیں' نہ کھتوں میں بھر کر رکھتی ہیں' لیکن پھر بھی وہ صبح کو خالی پیٹ اپنے گھونسلوں سے نکلتی ہیں اور شام کو آسودہ ہو کر لوٹ آتی ہیں۔ اے بے یقینو! جو آسمانی باپ ان کو کھلاتا پلاتا ہے کیا وہ تمہیں نہیں کھلائے پلائے گا؟ تم کیوں اس فکر میں مبتلا ہو کہ کیا پہنو گے؟ جنگل کی سوسن کو نہیں دیکھتے! وہ نہ بوتی ہے' نہ کاتتی ہے' نہ بنتی ہے' پھر بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ جتنا شاندار لباس وہ پہنتی ہے سلیمان بھی اپنی ساری شان و شوکت کے باوجود ایسا ملبّس نہ تھا ــــ جو آسمانی باپ جنگل کی گھانس کو اتنا خوشنما لباس پہناتا ہے کیا وہ تمہیں نہ پہنائے گا۔"

یہ ہے توکّل علی اللہ کا ایک انداز جو آب بھی محرّف اناجیل میں موجود ہے۔ اس لئے کہ نور تو ایک ہی ہے' مشکوٰۃ تو ایک ہی ہے' طاق تو ایک ہی ہے جہاں یہ دیئے اور چراغ روشن ہیں۔ بعد میں تحریفات ہو گئیں یہ بات دوسری ہے۔ ورنہ تورات کا سرچشمہ کون سا ہے! تورات بھی اللہ ہی کی کتاب ہے۔ انجیل کا منبع کیا ہے! وہی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اَقدس ہے۔ اللہ تبارک و سبحانہ ہی کے طاق کا انتہائی روشن چراغ۔ یہ قرآن مجید فرقان حمید ہے جس کو یہ خصوصی تحفظ حاصل ہے کہ اس میں لفظی تحریف نہیں ہو سکتی: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝ ﴾ رزّاقِ حقیقی اللہ ہی ہے۔ یہی بات یہاں فرمائی: ﴿ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ۝ ﴾ اللہ تعالیٰ نے رزق اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ جیسے سورۂ ہود میں فرمایا: ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ۭ ﴾ "زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو اور جس کے متعلق وہ جانتا نہ ہو کہ وہ کہاں رہتا ہے اور کہاں وہ سونپا جاتا ہے"۔ تمام مخلوق کا رزق اللہ نے اپنے ذمے لے رکھا ہے' لیکن تمہیں اعتماد نہیں ہے' تمہیں یقین نہیں ہے' تم اللہ پر توکّل نہیں کرتے' تمہیں اس پر بھروسہ نہیں ہے' تمہیں اپنے زورِ بازو پر بھروسہ ہے' تمہیں اپنے حساب کتاب پر زیادہ اعتماد ہے۔ اگر تمہاری تھیلیاں بھری ہوئی ہیں تو تمہارے دل کو سکون ہے' تمہاری تجوریوں میں اگر مال ہے تو تمہیں اطمینان ہے' لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس پر

تمہارا یقین نہیں ہے ـــــ نبی اکرم ﷺ نے زہد کی تعریف میں فرمایا ہے کہ :

(( اَلزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيْمِ الْحَلَالِ وَلَا إِضَاعَةِ الْمَالِ ' وَلٰكِنَّ الزَّهَادَةَ فِي الدُّنْيَا اَنْ لَا تَكُوْنَ بِمَا فِيْ يَدَيْكَ اَوْثَقَ مِمَّا فِيْ يَدِ اللّٰهِ )) (رواه الترمذی' عن ابی ذر ؓ)

"دنیا میں حقیقی زہد یہ نہیں ہے کہ حلال کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لو اور مال ضائع کرو' بلکہ حقیقی زہد تو یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے اس پر تمہارا یقین و ایمان اور اعتماد زیادہ قائم ہو جائے بہ نسبت اس کے جو تمہارے ہاتھ میں ہے"۔

لیکن اس کے برعکس ہمارا اعتماد اور بھروسہ تو اس پر ہے جو ہمارے ہاتھ میں ہے۔

یہاں فرمایا : ﴿ اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ ﴾ "اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے" ـــــ ہم لطف و کرم کے الفاظ بولتے ہیں جس کے معنی مہربانی اور نرمی کے ہیں۔ تو اس لطف سے ہی لطیف ہے' یعنی مہربان۔ لطیف کے ایک معنی باریک بین کے بھی ہیں۔ اس معنی میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا جوڑا آتا ہے: اللطیف الخبیر' نہایت باریک بین اور باخبر' بڑی باریک شے کو بھی جاننے والا۔ یہاں دونوں معانی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ دوسرے یہ کہ بندوں کی جو ضروریات ہیں اللہ تعالیٰ ان کی باریک ترین تفاصیل (minute details) کو بھی جانتا ہے۔ تمہیں پتا نہیں کہ تمہیں کس چیز کی ضرورت پڑے گی' اللہ کو معلوم ہے۔ کون بچہ جانتا ہے کہ مجھے ماں کے پیٹ سے برآمد ہوتے ہی غذا کہاں سے ملے گی؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی غذا کا اہتمام اس کی پیدائش سے پہلے کیا ہوا ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری تمام ضروریات کا انتظام پہلے سے کیا ہوا ہے' لیکن تمہیں اللہ پر توکل نہیں ہے۔ جیسے حضرت مسیح علیہ السلام کے وعظ میں الفاظ آئے ہیں: "لیکن تم یقین نہیں کرتے' تم کو توکل نہیں ہے' تم انہی اندیشوں میں رہتے ہو کہ کیا کھائیں گے اور کیا پہنیں گے!" ان ہی اندیشوں کو دُور کیا جا رہا ہے : ﴿ اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ﴾۔

سورۃ الطلاق میں یہی بات بڑے پیارے اور اطمینان بخش الفاظ میں فرمائی گئی ہے :

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ ﴾

"اور جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرلے گا تو اللہ اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا کردے گا اور اس کی ضروریات وہاں سے پوری کرے گا جہاں سے اسے گمان تک نہ ہو۔ اور جو اللہ پر توکل کرے تو اس کے لئے اللہ کافی ہے۔ بلاشبہ اللہ اپنا کام پورا کرکے رہتا ہے۔"

لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پر توکّل تو کرو' اس کے راستہ پر آؤ تو سہی ـــــ وہ تھوڑا سا امتحان بھی لے گا کہ واقعی توکّل ہے یا جھوٹ موٹ کا توکّل کرکے آیا ہے۔ واقعی ہم پر اعتماد ہے یا صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ وہ تھوڑا سا امتحان لے کر اور ٹھونک بجاکر ضرور دیکھتا ہے۔ پھر جو اپنے آپ کو بالکلیہ اس کے حوالے کردے تو وہ اس کی دستگیری فرماتا ہے ـــــ غور کیجئے کسی شریف النفس اور بامروّت انسان کے حوالے اگر آپ اپنے آپ کو کر دیں تو وہ کبھی آپ کو بے سہارا نہیں چھوڑے گا' تو کیا اللہ آپ کو بے یارومددگار چھوڑ دے گا؟ جس کی شان اسی سورۃ الشوریٰ کی آیت ۲۳ کے آخر میں یہ بیان ہوئی ہے : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝ ﴾ "بلاشبہ اللہ بڑا درگزر کرنے والا' قدردان ہے۔" سورۃ التغابن کی آیت ۱۷ کے آخر میں فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ ﴾ "اور اللہ بڑا قدردان' بڑا بردبار ہے"۔ اور سورۃ الحدید میں فرمایا : ﴿ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ ﴾ "تم جہاں کہیں بھی ہوگے وہ تمہارے ساتھ ہے"۔

وہ تم سے زیادہ تمہاری ضروریات کو جاننے والا ہے۔ وہ تم سے زیادہ تمہاری مصلحتوں کو جاننے والا ہے۔ تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم کبھی کبھی اپنے لئے خیر مانگتے مانگتے شر مانگ بیٹھتے ہو : ﴿ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ ﴾ انسان بعض اوقات اپنے خیال میں خیر مانگ رہا ہوتا ہے جبکہ حقیقت میں وہ اپنے لئے شر مانگ رہا ہوتا ہے' اس لئے کہ اُسے معلوم نہیں ہے کہ جو چیز مانگ رہا ہے وہ میرے حق میں خیر نہیں ہے' شر ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ وہ مچھلی ہے جو تم مانگ رہے ہو حالانکہ وہ سانپ ہے۔ وہ تمہیں مچھلی نظر آتی ہے حقیقت میں وہ سانپ ہے۔ وہ تمہارے ہاتھ نہ لگی تو تم دل گرفتہ ہوگئے کہ اتنی دیر بعد

ایک مچھلی نظر آئی تھی وہ بھی نکل گئی' مجھ پر یہ کتنا ظلم ہو گیا۔ تمہیں کیا معلوم کہ اس کو پکڑ لیتے تو ہلاکت سے دو چار ہوتے۔ یہی بات تو سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں بیان ہوئی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جب مسکینوں کی کشتی میں عیب پیدا کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جلال آیا تھا اور انہوں نے اعتراض کیا تھا: ﴿ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ﴾ "کیا آپ اس میں شگاف ڈال کر سب کشتی والوں کو ڈبونا چاہتے ہیں؟" اس کا ذکر قرآن میں ہے۔ لیکن سوچئے کہ اس کشتی کے مالکوں نے یہی سوچا ہو گا کہ ہم غریبوں کے پاس روزی کمانے کا یہی ایک ذریعہ تھا' اس میں بھی خرابی پیدا ہو گئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تشویش ہوئی تو کشتی کے مالکوں کو کیوں نہ ہوئی ہو گی۔ لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اس کا تختہ اس لئے اکھیڑا تھا کہ اگر یہ عیب پیدا نہ ہوتا تو بادشاہ نے کشتی ضبط کر لینی تھی۔ وہاں پوری کشتی جا رہی تھی' یہاں تو صرف ایک تختہ اکھڑا ہے جس کی واپس جا کر مرمت ہو جائے گی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پوری کشتی گئی تھی' لیکن یہ حقائق کسی کو معلوم نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضرت خضر علیہ السلام کو اس پر مطلع کیا تھا۔ یہی ہے اصل میں ظاہر و باطن کا فرق۔ فرمایا : ﴿ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ ﴾ وہ قوی ہے' قدرت والا ہے' توانا ہے۔ وہ زبردست اور غالب ہے۔ وہ جو چاہے کر گزرے' اس کو روکنے والا کوئی نہیں۔ اس کے خزانوں میں کمی نہیں ہے' وہ جس کو جتنا چاہے دے دے۔ ﴿ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ﴾ اس کے فیصلے اور اس کے ارادے کے آگے کوئی رکاوٹ بننے والا نہیں ہے۔

## مکافات و مجازات کا قانونِ الٰہی

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ ﴾

"تم میں سے جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے اس کی کھیتی کو ہم بڑھاتے ہیں' اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے ہم دنیا ہی میں دے دیتے ہیں' مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے"۔

یہ بڑا پیارا اور اٹل قانون ہے جو یہاں پہ مختصر طور پر آیا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل

کے دوسرے رکوع میں اس موضوع کا نقطۂ عروج (climax) بیان ہوا ہے۔ ہر مضمون قرآن مجید میں کہیں نہ کہیں اپنی آخری شان میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں فرمایا : ﴿مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَۃِ﴾ "جو کوئی طالب ہو آخرت کی کھیتی کا"۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ آپ فیصلہ کیجئے کہ آپ آخرت کے طالب ہیں یا دنیا کے؟ آپ کا مقصود و مطلوب آخرت ہے یا دنیا؟ عقبیٰ چاہئے یا دنیا چاہئے؟ فیصلہ کیجئے! شعوری طور پر فیصلہ ہو' پھر اُس پر ڈٹ جایئے۔ یہ نہ ہو کہ دنیا ذرا ہاتھ سے جاتی دکھائی دی تو دل پژمردہ ہو گیا اور طبیعت مضمحل ہو گئی۔ اگر تم فیصلہ کر چکے ہو کہ تمہاری مراد آخرت ہے تو اگر دنیا میں کمی آرہی ہے تو تمہیں کوئی پریشانی اور پشیمانی نہیں ہونی چاہئے۔ آدمی طے کرے کہ اوّلیت کس شے کو حاصل ہے' مقدم کیا ہے مؤخر کیا ہے۔ یہ فیصلہ کرے پھر اس پر جم جائے' مستقیم ہو جائے۔ اسی فیصلے کو ارادہ کہا گیا ہے۔ اسی لفظ ارادہ سے لفظ "مُرید" بنتا ہے۔ اَرَادَ' یُرِیۡدُ' اِرَادَۃً اور اس سے اسم فاعل مُرید "ارادہ کرنے والا"۔ اب یا تو کوئی مرید ہے آخرت کا یا کوئی مرید ہے دنیا کا۔ فرمایا : ﴿مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَۃِ نَزِدۡ لَہٗ فِیۡ حَرۡثِہٖ﴾ "جو کوئی آخرت کی کھیتی کا طلب گار ہے' اس کا ارادہ کرلے تو اس کی کھیتی میں ہم برکت دیتے رہتے ہیں"۔ اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں جو نیک اعمال انسان آگے بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں پروان چڑھاتا ہے' پالتا ہے' پوستا ہے' ترقی دیتا ہے۔ ﴿وَ مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡیَا﴾ "اور جو کوئی طالب بن جاتا ہے دنیا کی کھیتی کا"۔ جس کا مقصود و مطلوب دنیا بن گئی ﴿نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا﴾ "ہم اسے دے دیتے ہیں اس میں سے"۔ ہم یہ نہیں کرتے کہ جو بہرحال دنیا ہی کا طالب بن گیا ہے' جس کی مراد دنیا ہی ہو گئی ہے اسے ہم دنیا سے بھی محروم کر دیں۔ لہٰذا دنیا میں اسے ہم کچھ دے دلا دیتے ہیں۔ ﴿وَ مَا لَہٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنۡ نَّصِیۡبٍ ۝﴾ "پھر ایسے شخص کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے"۔ تم یہ چاہو کہ یہ بھی ملے اور وہ بھی ملے' دو دو اور وہ بھی چپڑی' یہ مشکل ہے۔ طے کرو کہ کیا اصل مطلوب و مقصود اور مراد ہے! آخرت کے طلب گار ہو تو آخرت کی کھیتی میں برکتیں ہی برکتیں ہیں' بڑھوتری ہی بڑھوتری ہے' لیکن اگر تم طالب دنیا بن گئے ہو تو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں سے تمہیں کچھ نہ کچھ ضرور دے دے گا لیکن آخرت میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے۔

## طلب کے مطابق دو جداگانہ انجام

سورۂ بنی اسرائیل کی آیات نمبر۱۸ اور ۱۹ اِس موضوع پر قرآن مجید کا ذروۂ سنام یعنی چوٹی ہیں۔ فرمایا :

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○ ﴾

عجلت کہتے ہیں جلدی کو۔ دنیا کے فوائد اور اس کی لذت چونکہ نقد ہیں' موجود ہیں' سامنے ہیں' لہٰذا قرآن اس کو عاجلہ سے منسوب کرتا ہے۔ دنیا عاجلہ ہے۔ فرمایا : ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ ﴾ "جسے یہ جلدی والی نعمتیں مطلوب ہیں"۔ یہاں کا عیش' یہاں کا آرام' یہاں کی عزت' یہاں کی دولت' یہاں کی شہرت' یہاں کی ثروت' یہاں کی وجاہت' یہاں کا اقتدار جسے چاہیے : ﴿ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ﴾ "ہم جلدی سے دے دیتے ہیں اس میں سے یعنی دنیا میں سے جو ہم چاہیں اور جس کے لئے چاہیں"۔ یہاں ایک بات مکمل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو دنیا کے طالب بنیں تو جو وہ چاہیں ان کو مل جائے۔ پھر تو یہاں ہر شخص کروڑپتی ہوتا۔ یہاں تو بہت سے ایسے ہیں جو ساری عمر جوتیاں چٹخارتے دنیا کے پیچھے پھرتے رہتے ہیں پھر بھی اس دنیا سے بہت تھوڑا ہی ان کے ہاتھ لگتا ہے۔ اصل فیصلہ و اختیار تو اللہ تعالیٰ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ جو کوئی اس عاجلہ کا طلب گار بن جائے گا تو ﴿ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ﴾ ہم اسے یہیں جلدی دے دیتے ہیں اس دنیا میں جو کچھ چاہیں اور جس کے لئے چاہیں ﴿ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ ﴾ "پھر ہم اس کے لئے جہنم کا ٹھکانا مقرر کر دیتے ہیں جس میں وہ جھونکا جائے گا ملامت و مذمت زدہ ہو کر اور دھکے دیئے جا کر۔"

اب اگلی آیت میں ان لوگوں کے انجام کو بیان کیا جا رہا ہے جو اِس دنیا میں عاجلہ کے بجائے آخرت کے طلب گار ہوں گے۔ یہاں آپ دیکھیں گے کہ دو شرطیں بیان ہو رہی

ہیں۔ فرمایا : ﴿ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا ﴾ "اور جو آخرت کا طلب گار بن جائے' اس کا خواہش مند ہو اور وہ اس کے لئے محنت کرے' دوڑ دھوپ کرے جیسی کہ اس کے لئے محنت و تگ و دو کرنی چاہئے"۔ یعنی اگر زبانی کلامی آخرت کے طلب گار بن کر بیٹھ جاؤ گے تو وہ تمہاری سچی طلب نہیں ہو گی۔ آخرت کے سچے اور حقیقی طالب ہو تو اس کے حصول کے لئے محنت کرو' ایسی محنت جیسی کہ اس کے لئے ضروری ہے۔ دنیا کا جو طالب ہو تا ہے کیا اسے بغیر محنت کے دنیا مل جاتی ہے؟ صبح سے شام تک آدمی کمر توڑ دینے والی مشقت کرتا ہے تب جا کر کہیں دنیا ملتی ہے۔ اگر آخرت کی حقیقی طلب ہے تو اسی کی مطابقت سے محنت و مشقت اور سعی و جد و جہد بھی کرنی پڑے گی۔ آگے فرمایا : ﴿ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ﴾ "اور وہ ہو صاحب ایمان"۔ توحید کے التزام اور شرک سے بالکلیہ اجتناب کے ساتھ اللہ پر ایمان رکھتا ہو' ان تمام احوال آخرت پر یقین قلبی رکھتا ہو جن کی خبریں قرآن مجید اور صحیح احادیث میں آئی ہیں' جو رسول اللہ ﷺ کی خاتم النبیین والمرسلین کی حیثیت سے دل سے تصدیق کرتا ہو' تو ایسے شخص کے لئے خوشخبری ہے اس انجام کی کہ : ﴿ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ ﴾ "تو ایسے ہر شخص کی محنت مشکور ہو کر رہے گی"۔ اللہ تعالیٰ ان کی قدر فرمائے گا' ان کا مقصود و مطلوب ان کو مل جائے گا۔ اللہ کی رضا اُن کو حاصل ہو گی اور آخرت میں ان کے لئے عمدہ راحت' رزق اور نعمتوں سے مالا مال جنت ہو گی : ﴿ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝ ﴾ پس سورۂ بنی اسرائیل کی یہ دو آیتیں بہت اہم ہیں اس موضوع پر جو سورۃ الشوریٰ کی زیر نظر آیت میں بیان ہوا۔ البتہ ترتیب بدلی ہوئی ہے۔ یہاں پہلے دنیا پھر آخرت کا بیان ہوا جبکہ سورۃ الشوریٰ میں پہلے آخرت کا پھر دنیا کا اور آخرت میں بے نصیبی کا ذکر ہوا۔

## مشرکین کے پاس کوئی شریعت اور دین نہیں ہوتا

آگے فرمایا : ﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ﴾ "کیا ان لوگوں کے لئے (اللہ کے) کچھ ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے از قسم دین (از قسم نظامِ حیات اور دستورِ زندگی) کوئی ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کا اللہ نے حکم یا اذن نہیں دیا؟"

رسول اللہ ﷺ توحید کی اور اسی توحید پر مبنی دین قائم کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ آپؐ کے مخاطبین جو اب مخالفین بن گئے ہیں' وہ کون ہیں؟ ایک طرف مشرکین ایک طرف اہلِ کتاب۔ اہلِ کتاب کے بارے میں تو ذکر ہو چکا۔ البتہ مشرکین کے بارے میں بات اب مکمل کی جارہی ہے۔ دنیا میں شرک کے نظام میں یہ بات ملے گی کہ ہر نظامِ شرک میں کچھ دیویاں' کچھ دیوتا' کچھ چھوٹے خدا تو بنا دیئے جاتے ہیں لیکن آج تک کسی دیوی یا دیوتا کا بھیجا ہوا کوئی صحیفہ' کوئی شریعت کوئی کتاب کہیں نہیں ہے۔ وہ بہت سی دیویوں اور دیوتاؤں کو پوج رہے ہیں لیکن کیا وہ اس کے مدعی ہیں کہ ہمارے پاس فلاں دیوی یا دیوتا کا دیا ہوا یہ صحیفہ ہے۔ ہندوؤں سے پوچھ کر دیکھئے! وہ کسی دیوی یا دیوتا سے کوئی صحیفہ منسوب کر ہی نہیں سکتے' اس لئے کہ اس کا سرے سے وجود ہے ہی نہیں۔ عرب کے مشرکین لات' منات' عزّیٰ' ہبل اور نہ معلوم کن کن ناموں کے بتوں کو پوجتے تھے لیکن ان بتوں نے انہیں کوئی شریعت دی تھی؟ کوئی قانون دیا تھا؟ کوئی نظام دیا تھا؟ کچھ بھی نہیں۔ نہ وہ اس کے مدعی تھے۔ ثابت ہوا کہ یہ تمام اصنام مشرکین کے اپنے ذہنوں کے تراشے ہوئے تھے۔ اگر ان کی کوئی حیثیت ہوتی تو وہ کوئی نہ کوئی شریعت دیتے' کوئی قانون دیتے' کوئی ضابطہ دیتے' کچھ اصول دیتے۔ کسی شے کو حلال ٹھہراتے اور کسی شے کو حرام۔ اگر واقعی کسی میں الوہیت ہو تو وہ دین دے گا۔ حقیقت ان کی کوئی نہیں۔ اسی لئے یہاں استفہامیہ انداز میں فرمایا : ﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ﴾ "کیا ان کے کوئی ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے وہ شریعت دی ہو' وہ نظام تجویز کیا ہو جس کا حکم اللہ نے نہیں دیا؟"

## موجودہ مشرکانہ و مبتدعانہ افعال پر انطباق

غور کیجئے ہمارے یہاں بھی جن جن کو پوجا جا رہا ہے کیا ان کی طرف سے کوئی ہدایت ہے' کوئی صحیفہ ہے' کوئی شریعت ہے؟ کیا انہوں نے وصیت کی تھی کہ ہماری قبروں کو عبادت گاہیں بنا لینا؟ کچھ بھی تو نہیں۔ یہ سب صرف اس لئے ایجاد کر لیا گیا کہ : ﴿ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ یا یہ کہ ﴿ لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ اسی کے پیش نظر ان کے مزاروں پر چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے لئے وسیلہ بن جائیں گے' یہ ہمارے

لئے سفارشی بن جائیں گے' یہ وہاں ہمارا بیڑہ پار لگوا دیں گے۔ یہ سب کچھ کیا ہے! ان کو قرآن "امانی" کہتا ہے ﴿ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ﴾ یہ ان کی تمنائیں (wishful thinkings) ہیں' اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ خود کو مسلمان کہنے کے باوجود خود دین پر عمل تو کریں نہیں اور دل میں ان تمناؤں اور آرزوؤں کی پرورش کرتے رہیں کہ فلاں فلاں اولیاء اللہ ہماری شفاعت کریں گے' کیونکہ ہم نے ان کے مزاروں کی' ان کے مقبروں کی' ان کی درگاہوں کی' ان کے سجادہ نشینوں کی بڑی بڑی خدمات انجام دی ہیں' نذرانے پیش کئے ہیں' چڑھاوے چڑھائے ہیں' ان کی نیاز دی ہے۔ یہ سب کچھ اس دین اور شریعت کے منافی ہے جو جنابِ محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دیا ہے۔ ایں خیال است و محال است و جنوں!

## مشرکین دین سے تہی دست ہوتے ہیں

یہ ہے موضوع اور مضمون آیت کے اس حصے کا کہ شرک کے قائل لوگوں کے پاس کوئی شریعت نہیں' کوئی کتاب نہیں' کوئی صحیفہ نہیں' ان کے پاس کوئی نظام نہیں۔ اس لئے کہ مشرک جن ہستیوں کو الوہیت میں شریک ٹھہراتا ہے ان کی کوئی حقیقت ہے ہی نہیں۔ ﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ ﴾ کیا ہیں ان کے ایسے شرکاء جنہوں نے ان کے لئے دین میں کوئی ضابطہ' کوئی قانون' کوئی دستور' کوئی شریعت اُنہیں دی ہو؟ موجودہ عیسائیت کیا ہے؟ یہ دین نہیں ہے' محض عقیدہ (dogma) بن کر رہ گئی ہے۔ کسی مشرکانہ نظام میں پوجاپاٹ کے کچھ ضابطے اگر ہیں تو وہ پجاریوں اور پنڈتوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ کم از کم ان کو اتنا کریڈٹ ضرور ملتا ہے کہ انہوں نے جھوٹ موٹ بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ ہمارے فلاں دیوی یا دیوتا کا نازل کردہ ہے' یا پوجاپاٹ کے فلاں طور طریقے فلاں فلاں دیوی یا دیوتا کے مقرر کردہ ہیں۔ ہندوستان یا قبل ظہورِ اسلام عرب میں کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ فلاں صحیفہ فلاں دیوی دیوتا یا فلاں بُت کا نازل کردہ ہے۔

## اجل مسمّٰی کے ضابطہ کا اعادہ

﴿ وَلَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۗ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾

"اگر آخری فیصلہ کے لئے طے نہ ہو چکا ہوتا تو اُن کا قضیہ چکا دیا گیا ہوتا' اور یقیناً ان ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے"۔

اب ان مشرکوں کے متعلق اسی سُنّت اللہ کے بیان کا اعادہ ہو رہا ہے جو اہلِ کتاب کے بارے میں بایں الفاظ فرمایا گیا تھا : ﴿ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں پیدا ہونے والے تمام انسانوں کے لئے جہاں ایک مہلتِ عمر اور مہلتِ عمل مقرر کر رکھی ہے' وہاں اس دنیا کے آخری انجام یعنی الساعۃ (قیامت) کے لئے بھی اپنے علم ازلی میں ایک وقت طے کیا ہوا ہے۔ اس کا علم اس نے کسی کو نہیں دیا : ﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسٰهَا ○ فِيْمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ○ إِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ○ ﴾ "(اے نبیؐ) یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کی گھڑی کب آکر ٹھہرے گی؟ آپ کا کیا کام کہ اس کا وقت بتائیں۔ اس کا علم تو اللہ پر ہی ختم ہے"۔ اور جیسے فرمایا : ﴿ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ﴾ "قیامت کی گھڑی کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے"۔ لہٰذا یہاں مشرکوں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر آخری گھڑی کا پہلے سے وقت اللہ کے علم میں طے نہ ہو چکا ہوتا تو تمہارا قضیہ چکا دیا جاتا۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ قرآن مجید کی اصطلاح میں اکثر و بیشتر ظلم کا لفظ شرک اور ظالمین کا لفظ مشرکین کے لئے آتا ہے۔ جیسے : ﴿ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾

## خلاصہ

اقامتِ دین کا حکم سورۃ الشوریٰ کی عظیم ترین آیت نمبر ۱۳ کے ذریعے آیا : ﴿ أَنْ أَقِيْمُوا الدِّيْنَ ﴾ اس امر کی تاکید بھی آئی کہ اقامت دین کے بارے میں تفرقہ میں نہ پڑنا: ﴿ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ مزید بر آں ہمارے سامنے یہ اُمور آئے کہ اُس وقت نبی اکرم ﷺ کے مقابلے میں دو گروہ تھے' مشرکین اور اہلِ کتاب۔ ان دونوں کا طرزِ عمل' پھر اُن دونوں کے بارے میں حضور ﷺ کے لئے رہنمائی بھی ہمارے سامنے آئی۔ پھر حضور ﷺ کو اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی کے لئے کمربستہ ہونے کا حکم اور اپنے موقف پر جم جانے' ڈٹ جانے اور مستقیم ہو جانے کی تاکید آئی۔ حضور ﷺ سے اس امر کا اعلان بھی سامنے آیا کہ مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے مابین نظامِ عدل و قسط قائم کروں : ﴿ وَأُمِرْتُ

(باقی صفحہ ۵۲ پر)

# مسلمان کا طرزِ حیات (۱۱)

علامہ ابو بکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منهاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

**کتاب العقائد**

بارھواں باب

## تقدیر پر ایمان

ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر [1] اور اس کی حکمت و مشیت پر ایمان رکھتا ہے۔ یعنی اللہ کے علم اور تقدیر کے بغیر کوئی چیز وجود میں نہیں آتی' حتیٰ کہ بندوں کے اختیاری افعال بھی اس میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ قضاء و قدر میں عادل اور تصرف و تدبیر میں حکیم ہے۔ اس کی حکمت اس کی مشیت کے تابع ہے۔ وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو کچھ وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ خیر کی توفیق بھی اللہ کی طرف سے ہے اور شر سے بچاؤ بھی اسی کی رحمت سے۔

اس عقیدہ کے نقلی اور عقلی دلائل مندرجہ ذیل ہیں :

**نقلی دلائل**

① اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اس کو بیان فرمایا ہے' مثلاً :

﴿ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَهُ بِقَدَرٍ ۝ ﴾ (القمر : ۴۹)

"بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے۔"

اور ارشاد ہے :

﴿ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهُ ۥ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۝ ﴾ (الحجر : ۲۱)

"اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس موجود نہ ہوں' اور ہم اسے

معلوم مقدار کے ساتھ نازل فرماتے ہیں۔"

ایک مقام پر فرمایا:

﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ ﴾ (الحدید: ۲۲)

"زمین میں یا تمہاری جانوں میں جو بھی مصیبت آتی ہے وہ ایک کتاب میں (درج کردی گئی) ہے قبل اس کے کہ ہم اسے وجود بخشیں۔ یقیناً یہ بات اللہ کے لیے آسان ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ﴾ (التغابن۔ ۱۱)

"جو بھی مصیبت آتی ہے وہ اللہ کے اذن سے ہی آتی ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ ﴾ (بنی اسراءیل ۱۳)

"اور ہم نے ہر انسان کے مقدر کو اُس کی گردن میں پیوست کردیا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ (التّوبة: ۵۱)

"فرمادیجئے: ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے۔ وہ ہمارا مالک ہے۔ اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔"

ایک مقام پر ارشاد ہوا:

﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (الانعام: ۵۹)

"اور غیب کی چابیاں اُسی کے پاس ہیں' اس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔ جو کچھ بھی خشکی اور سمندر میں ہے وہ اسے جانتا ہے اور جو پتّہ بھی گرتا ہے وہ اسے جانتا ہے' اور زمین کے اندھیروں میں جو دانہ بھی موجود ہے اور جو بھی خشک و تر

ہے وہ سب ایک کتابِ مبین میں درج ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلاَّ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾ (التکویر ۲۹)

"اور تم نہیں چاہتے 'پر اگر جہانوں کا مالک اللہ چاہے۔"

اور فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ○ ﴾

(الانبیاء.۱۰۱)

"بے شک جن کو ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی مل گئی وہ اس (جہنم) سے دُور رکھے جائیں گے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَاشَآءَ اللّٰهُ ﴾ (الکہف.۳۹)

"(نیک آدمی نے اپنے بھائی سے کہا) اور جب تو باغ میں داخل ہوا تھا تو کیوں نہ تو نے کہا: مَاشَاءَ اللّٰهُ (یعنی جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہے)۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ﴾ (الاعراف ۴۳)

"اور (جنّتی کہیں گے) ہم ہدایت نہیں پاسکتے تھے اگر اللہ ہی ہماری راہنمائی نہ فرماتا۔"

(۲) جناب رسول اللہ ﷺ نے بہت سی احادیث میں تقدیر کا ذکر فرمایا ہے' مثلاً ارشاد ہے:

((اِنَّ اَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِيْ بَطْنِ اُمِّهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً' ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ' ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ' ثُمَّ يُرْسَلُ اِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيَنْفُخُ فِيْهِ الرُّوْحَ وَيُؤْمَرُ بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ. بِكَتْبِ رِزْقِهِ وَاَجَلِهِ وَعَمَلِهِ وَشَقِيٍّ اَوْ سَعِيْدٍ' فَوَالَّذِيْ لَا اِلٰهَ غَيْرُهُ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا اِلاَّ ذِرَاعٌ' فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا' وَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ

النَّارِ حَتّٰی مَا یَکُوْنُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَیَسْبِقُ عَلَیْهِ الْکِتٰبُ فَلْیَعْمَلْ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَیَدْخُلُهَا)) (۲)

"انسان کی تخلیق ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک قطرہ کی حالت میں رہتی ہے' پھر اتنا ہی عرصہ لوتھڑے کی حالت میں رہتا ہے' پھر اتنا ہی عرصہ گوشت کا ٹکڑا رہتا ہے' پھر اُس کی طرف فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اُس میں روح پھونک دیتا ہے' اور اُسے چار باتیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ اُس کا رزق' اُس کی مقررہ عمر' اُس کا کردار اور اُس کا خوش قسمت یا بدنصیب ہونا لکھ دے۔ پس قسم ہے اُس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! (ایسا بھی ہوتا ہے کہ) ایک آدمی جنتیوں والے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ جنت میں ہاتھ بھر فاصلہ پر پہنچ جاتا ہے' پھر (اچانک) اس کی تقدیر غالب آجاتی ہے اور وہ جہنمیوں والے عمل کرکے دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ اور (ایسا بھی ہوتا ہے کہ) ایک آدمی جہنمیوں والے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اُس شخص کا جہنم سے ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے' پھر اس کی تقدیر غالب آ جاتی ہے تو وہ جنتیوں والے عمل کرکے جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد فرمایا تھا:

((یَا غُلَامُ اِنِّیْ اُعَلِّمُكَ کَلِمَاتٍ : اِحْفَظِ اللّٰهَ یَحْفَظْكَ' اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ' اِذَا سَاَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ' وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ' وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰی اَنْ یَّنْفَعُوْكَ بِشَیْءٍ لَمْ یَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ' وَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی اَنْ یَّضُرُّوْكَ بِشَیْءٍ لَمْ یَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَیْكَ' رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ)) (۳)

"لڑکے! میں تجھے کچھ باتیں سکھاتا ہوں: اللہ کا خیال رکھ' اللہ تیرا خیال رکھے گا' اللہ کا خیال رکھ' اُسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب تو مانگے تو اللہ ہی سے مانگ اور جب تو مدد چاہے تو اللہ ہی سے مدد چاہ' اور جان لے کہ اگر پوری قوم متفق ہو کر تجھے کچھ فائدہ پہنچانا چاہے تو وہ سب تجھے وہی فائدہ پہنچا سکیں گے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ اور اگر وہ سب متفق ہو کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو تجھے اتنا

ہی نقصان پہنچا سکیں گے جتنا اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے۔"(۳)

نیز ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی الْقَلَمَ فَقَالَ لَهٗ اُكْتُبْ' فَقَالَ: رَبِّ وَمَاذَا اَكْتُبُ؟ قَالَ: اُكْتُبْ مَقَادِيْرَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ)) (۴)

"سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا فرمایا اور اسے ارشاد فرمایا: لکھ! اس نے عرض کیا: میرے رب! میں کیا لکھوں؟ فرمایا: "قیامت قائم ہونے تک (وجود میں آنے والی) تمام چیزوں کی تقدیریں لکھ دے۔"

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِحْتَجَّ آدَمُ وَمُوْسٰی' قَالَ مُوْسٰی: يَا آدَمُ اَنْتَ اَبُوْنَا خَيَّبْتَنَا وَاَخْرَجْتَنَا مِنَ الْجَنَّةِ' فَقَالَ آدَمُ: اَنْتَ مُوْسٰی' اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِكَلَامِهٖ وَخَطَّ لَكَ التَّوْرَاةَ بِيَدِهٖ تَلُوْمُنِيْ عَلٰی اَمْرٍ قَدَّرَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَنِيْ بِاَرْبَعِيْنَ عَامًا' فَحَجَّ آدَمُ مُوْسٰی)) (۵)

"آدم اور موسیٰ علیہما السلام کی آپس میں بحث ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے آدم! آپ ہمارے والد ہیں' لیکن آپ نے ہمیں ناکامی سے دوچار کر دیا اور جنت سے نکلوا دیا۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا: آپ موسیٰ ہیں' آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی کا خصوصی شرف بخشا اور آپ کو اپنے ہاتھ سے تورات لکھ کر دی۔ کیا آپ مجھے ایسی بات پر ملامت کرتے ہیں جو اللہ نے میری تخلیق سے چالیس سال پہلے مقرر فرما دی تھی؟ چنانچہ آدم علیہ السلام (اس بات چیت میں) موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے"۔

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ایمان کی تعریف یوں فرمائی ہے کہ:

((اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ' وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ)) (۶)

"تو اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر اور یومِ آخرت پر ایمان لائے اور اچھی اور بری تقدیر پر بھی ایمان لائے۔"

نیز فرمایا:

((اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ)) (۷)

"عمل کرو، ہر شخص کے لئے وہ کام آسان ہو جاتے ہیں جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔"

نیز ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِنَّ النَّذْرَ لَا يَرُدُّ قَضَاءً)) (۸)

"نذر تقدیر کو نہیں ٹالتی"۔

آنحضور ﷺ نے عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا تھا:

((يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ اَلَا اُعَلِّمُكَ كَلِمَةً هِيَ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ)) (۹)

"اے عبداللہ بن قیس! میں تجھے وہ بات نہ سکھاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے؟ وہ ہے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" (اللہ کی توفیق کے بغیر شر سے بچاؤ ممکن ہے نہ خیر کی طاقت)"۔

ایک بار ایک آدمی نے حضور ﷺ سے کہہ دیا: مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ "جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں" تو حضور ﷺ نے فرمایا: قُلْ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ "یوں کہہ: جو اکیلا اللہ چاہے۔" (۱۰)

③ امّتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام) کے اربوں عالم، دانشور اور پارسا افراد اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی حکمت و مشیت کے قائل ہیں۔ وہ مانتے ہیں کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اس کی قدرت کے دائرہ میں ہے۔ اس کی سلطنت میں وہی کچھ ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ جو وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ قلم نے قیامت تک ہر چیز کے اندازے بحکمِ الٰہی تحریر کر دیے ہیں۔

## عقلی دلائل

① قضاء و قدر، اللہ کی مشیت و حکمت، اس کا ارادہ اور تدبیر، ان میں سے کچھ بھی خلافِ عقل یا محال نہیں ہے۔ بلکہ عقل کی روشنی میں یہ سب کچھ یقینی اور لازمی

معلوم ہوتا ہے' کیونکہ کائنات میں اس کے واضح مظاہر موجود ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ پر اور اس کی قدرت پر ایمان کا تقاضا ہے کہ اس کی قضاء وقدر اور اس کی حکمت اور اس کی مشیت پر بھی ایمان رکھا جائے۔

(۳) ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ماہر تعمیرات انجینئر ایک چھوٹے سے کاغذ پر ایک عظیم عمارت کا نقشہ بناتا ہے اور اس کی تعمیر کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ایک مدّت کا تعین کرتا ہے' پھر اس کی تعمیر شروع کر دیتا ہے' اور اس کی مقرر کردہ مدت کے اندر عمارت کاغذ کے نقشے سے حقیقت کے روپ میں ظاہر ہو جاتی ہے اور وہ کاغذ پر بنے ہوئے نقشے کے عین مطابق ہوتی ہے' نہ اس میں کسی معمولی چیز کی کمی ہوتی ہے نہ زیادتی۔ پھر اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ بات کس طرح باعثِ حیرت ہو سکتی ہے کہ اس نے قیامت تک کے لیے جہان کی تقدیریں لکھ دی ہیں' پھر اس کے کمالِ علم و قدرت کی بناء پر ہر چیز اُس کے اندازے کے مطابق اپنے اپنے وقت اور زمانہ میں اسی مقدار و کیفیت کے مطابق وجود میں آتی جارہی ہے۔ اور ہمیں خوب علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بے انتہا ہے۔

(جاری ہے)

## حواشی

(۱) قضاء سے مراد ہے کسی چیز کے وجود یا عدم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ازلی فیصلہ۔ اور قدرت سے مراد ہے اللہ کا کسی چیز کو خاص وقت پر خاص انداز میں وجود میں لانا۔ بعض اوقات یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کی جگہ بھی بول لئے جاتے ہیں۔

(۲) صحیح مسلم' کتاب القدر' باب کیف خلق الآدمی فی بطن اُمّہٖ و کتابۃ رزقہٖ واجلہ وعملہ وشقاوتہ وسعادتہ۔

(۳) جامع الترمذی' ابواب صفۃ القیامۃ۔ باب حدیث حنظلہ۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۴) سنن ابی داوٗد' کتاب السُّنَّۃ' باب القدر۔ مسند احمد ۳۱۷/۵۔ جامع الترمذی' ابواب القدر' باب ۱۷۔

(۵) صحیح مسلم' کتاب القدر' باب حجاج آدم و موسیٰ ﷺ۔ آدمؑ کے غالب آنے کی وضاحت یوں ہے: موسیٰ علیہ السلام کی ملامت برمحل نہیں تھی۔ کیونکہ اگر یہ ملامت جنت سے نکلنے پر تھی تو ملامت ایسی چیز پر ہوئی جس نے لازماً واقع ہونا ہی تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی فیصلہ

تھا اور اگر ملامت گناہ کے ارتکاب پر تھی تو آدمؑ تو اس غلطی سے توبہ کر چکے تھے اور جو شخص توبہ کرلے اسے ملامت کرنا نہ عقلاً درست ہے نہ شرعاً۔ (مصنف)

(۶) یہ حدیث جبریل کا ایک ٹکڑا ہے۔ صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب الایمان والاسلام والاحسان

(۷) صحیح مسلم' کتاب القدر' باب کیفیة' خلق الادمی فی بطن امه

(۸) یہ حدیث صحیح ہے اور صحاحِ ستہ کی تمام کتابوں میں موجود ہے۔ مثلاً صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب الوفاء بالنذر اور صحیح مسلم کتاب القدر' باب النھی من النذر وانه لایرد شیئا (الفاظ کے معمولی فرق سے)

(۹) صحیح البخاری' کتاب الدعوات' باب قول لا حول ولا قوة الا باللّٰہ اور صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار' باب استحباب خفض الصوت بالذکر۔

(۱۰) سنن نسائی۔ امام نسائی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

---

## بقیہ : توحیدِ عملی

---

لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ﴾ ان تمام امور کے پردے میں تا قیامِ قیامت اہل ایمان کے لئے رہنمائی اور ہدایت آئی ہے کہ ہمارے آخری رسول ﷺ کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے اقامتِ دین' عدل و قسط پر مبنی نظامِ اجتماعی اور اجتماعی توحید کا قیام و نفاذ ہر مدّعیٔ ایمان پر لازم ہے' واجب ہے' فرض ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کام کے لئے جدّوجُہد کا بیڑا اٹھا لیں ان کو ان آیات سے مکمل رہنمائی حاصل ہو سکتی ہے۔ جس عظیم کام کے لئے اللہ کے رسول علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے' ان کو بیّنات عطا ہوتی رہیں' ان کو کتبِ سماویہ اور شریعتِ الٰہیہ عطا ہوتی رہی کہ ﴿ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ نبوت و رسالت کے آنحضور ﷺ پر اتمام و اکمال اور اختتام کے بعد اب یہ کام اُمتِ مسلمہ کے ذمہ ہے۔ جو لوگ منہاجِ نبوت کے مطابق فریضہ اقامتِ دین کے لئے کمر کس لیں ان کے لئے اِن آیات میں تمام اصول عطا کر دیئے گئے ہیں۔

# پیش گفتار

از قلم : ڈاکٹر ابو معاذ

"علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم" کے عنوان سے محترم ڈاکٹر ابو معاذ کا سلسلۂ مضامین میثاق کے صفحات میں جولائی ۱۹۹۷ء میں شائع ہونا شروع ہوا اور جنوری ۲۰۰۰ء کے شمارے میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس سلسلۂ مضامین کو اب کتابی صورت میں شائع کیا جائے گا۔ اس کتاب کے لئے ڈاکٹر ابو معاذ صاحب نے ایک طویل "پیش گفتار" رقم فرمائی ہے' جو قارئین میثاق کے پیش خدمت ہے۔

یہ معروضات ان حقائق پر مشتمل ہیں جن کا ادراک راقم الحروف کو علامہ اقبال کے کلام کو سمجھنے کی کوشش کے دوران ہوا۔ آریائی اقوام کا ایک خاص مزاج اور نفسیاتی کیفیت ہے۔ ایشیائی آریائی اقوام کو ابتداء ہی سے یہ واضح احساس رہا ہے کہ وہ دیگر اقوامِ مشرق سے برتر ہیں۔ ان کے اسی احساس کے پیش نظر برصغیر میں اپنے قدم جمانے کے بعد اپنی نسل کو مقامی اقوام سے مکمل طور پر علیحدہ رکھنے کی کوشش نے ذات پات کی تقسیم پیدا کر کے برہمنیت کو مذہبی تقدس کے روپ میں پیش کیا اور مقامی غیر آریائی باشندوں کو انتہائی پست درجے تک پہنچا دیا۔ ان کی مظاہر فطرت سے دلچسپی اور عقیدت نے انہیں گنگا کے پانیوں کے تقدس اور ہمالہ کے مختلف مقامات کے احترام پر اکسایا۔ سورج' چاند اور ستاروں کی کیفیات کو مختلف مذہبی اور دینی احساسات میں سمویا' آگ کو مقدس سمجھا' بیاہ شادی ہو یا موت کی رسومات آگ کے الاؤ ان کا مرکز ٹھہرے' آگ کی سیوا کرنے والے برہمن کو ڈکشٹ کا لقب دیا۔ ان لوگوں نے دیومالائی نظام کا وہ نقشہ پیش کیا جس میں جذب ہو کر البیرونی کے "ماللھند" کے معروضات کی رو سے خود کو فکری اعتبار سے دنیا جہان سے منقطع کر لیا اور ہندوستان میں جنم لینے والی اور باہر سے درآمد ہونے والی تمام تحریکوں کو خود میں جذب کر کے ان کو مختلف تاویلوں کی زنجیروں میں جکڑ کر اپنا پابند بنا لیا۔ بدھ مذہب کا قلع قمع کر دیا' جین

تہذیب کا وجود مٹا دیا اور اسلام کو بتدریج ہندو مت میں جذب کرنے کی منظم، مسلسل اور سائنٹیفک کوشش کی۔ مگر اپنے فطری استحکام اور نظریاتی اساس کی بنیاد پر اسلام نے اس سرزمین میں خود کو بچانے میں کامیابی حاصل کر لی۔ ایران اور اس سے توابع (افغانستان، تاجکستان، آذربائیجان، ازبکستان اور ترکمانستان) میں ان لوگوں نے اپنی نو آبادیاں قائم کرنے کے بعد دنیا کی پہلی اور سب سے بڑی بادشاہت قائم کر لی۔ زراعت کا ایک نظام وضع کیا، ایک منظم سوسائٹی قائم کی، ایک تہذیب، کلچر، فرہنگ، مدنیت، جنگی تزویراتی نظام اور فکری برتری کا احساس پیدا کیا اور پھر یہ لوگ دُور دُور تک پھیل گئے۔ عدل و انصاف پر مبنی نظام، شعر و ادب، صنعت و حرفت اور نظم و نسق نے ان کی دھاک دنیا بھر پر بٹھا دی۔ یہ لوگ زردشتی مذہب کی ابتدائی صورت کو اختیار کرنے کے بعد توحیدی نظام کی برکت سے مستفید ہوئے۔ ہرچند کہ بعد میں مذہب میں تحریف نے توحید کی جگہ ثنویاتی جدل (Dualistic Conflict) نے لے لی اور پھر یہ نظام اسلام کی آمد سے ذرا پہلے زوال کا شکار ہو گیا، مگر صدیوں کے فخر و مباہات نے انہیں دنیا بھر میں ممتاز (distinct) بنا دیا۔

آنحضور ﷺ نے عرب و عجم کے امتیازات کا خاتمہ کر دیا تو ایران اور اس سے توابع کی آریائی اقوام نے بہت ہی قلیل عرصہ میں اسلام قبول کر لیا۔ یہ لوگ اسلام کی قوت بن گئے۔ ایرانی دفاعی اور جارحانہ تزویراتی نظام اب اسلام کو ورثے میں مل گیا۔ جنگ خندق اور طائف کی فتح اس نظام کو اپنانے کی اعلیٰ ترین مثالیں ہیں۔ اسلام نے حکمت کو مؤمن کی میراث قرار دیا اور پھر اسی سرزمین سے غزالی، رازی، البیرونی، ابن سینا، رومی، سعدی، حافظ اور خاقانی جیسے مفکرین پیدا ہوئے جنہوں نے عجمیت کی حکمت کو اسلام کا تابع کر دیا۔ ان کا مزاج اور سوچ عرب سوچ سے مختلف تھی اور یہی فکر عجم تھی اور پھر یہ اسلام کے مزاج کے ساتھ جب شیر و شکر ہوئی تو اسلامی امہ میں ایک خاص مزاج پیدا ہو گیا۔ بقول اقبالؔ ~

عرب کے سوز میں سازِ عجم ہے — حرم کا راز توحیدِ اُمم ہے
تہی وحدت سے ہے اندیشۂ غرب — کہ تہذیبِ فرنگی بے حرم ہے

تاریخ کے مختلف مراحل میں شیطانِ بزرگ کے کارندوں نے بارہا عرب و عجم کے تعصبات کو ہوا دے کر وحدت کا پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی مگر حرم سے محبت نے ان کو یکجا کیے رکھا اور کیے رکھے گا۔

ان صفحات میں راقم الحروف نے ایک ادنیٰ سی کوشش کی ہے کہ فکرِ عجم کے چہرے پر پڑی ہوئی گرد کو صاف کیا جا سکے اور اس کا صحیح چہرہ سامنے آ سکے۔ کہیں کہیں اس کے منفی پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا گیا ہے مگر مثبت پہلوؤں پر توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ باہمی افتراق و انتشار کی بنیاد پر بحث کی گئی ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کو ختم کیا جا سکے اور صحیح فکر کی جانب ایک رہنمائی فراہم کی جا سکے۔ وہ تمام اقوام جن کی فکری اساس ایک ہے وہ ایک غیر فطری isolation میں اپنی توانائیاں ضائع کر رہی ہیں۔ اگر ان کی فکری وحدت کا احساس پیدا ہو سکے تو پھر بقول اقبال ؏

خیمہ ہائے ما جدا منزل یکے است

یا پھر

نہ ایرانیم و نے ترک و تتاریم — چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیزِ رنگ و بو بر ما حرام است — کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

(نہ ہم ایرانی ہیں نہ تاتار کے ترک، چمن میں جنم لینے والے تمام مرغان سحر ایک ہی شاخسار کے مکین ہیں۔ ہم پر رنگ و نسل کی تمیز حرام ہے کیونکہ ہم ایک ہی نوبہار کے پروردہ ہیں۔)

یہی فکری وحدت بتدریج ملی وحدت میں ڈھل سکتی ہے۔ سید جمال الدین افغانی کی وحدتِ اسلامی کی کوشش اور اقبال کے نظریات ایک نہ ایک دن حقیقت کا روپ دھار سکتے ہیں۔ فکری احیاء (Renaissance) کی یہی سرزمین ہے۔ یہی "فکر عجم" ہمارا اثاثہ ہے اور یہی نکتہ اقبال کے جوانانِ عجم کے نام پیغام میں مضمر ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے ؏

آتشے در سینہ دارم از نیاگانِ شما

(یعنی میرے دل میں آپ کے بزرگوں کی آگ کے الاؤ روشن ہیں۔)

اور اسی غزل میں کہا ہے کہ ؏

ساختم طرح حرم در کافرستانِ شما

(میں نے آپ کے کافرستان میں حرم کی بنیاد رکھ دی ہے)

اور یہ حرم وہی ہے جس کی بابت اقبال نے کہا ہے ؎

نمانہ کہنہ بتاں را ہزار بار آراست — من از حرم نگذشتم کہ پختہ بنیاد است

(زمانے نے بار بار پرانے بتوں کو سجا کر بت کدوں کی رونق بحال کی۔ میں آج تک حرم سے باہر نہیں نکل سکا کیونکہ اس کی بنیاد بہت مضبوط ہے۔)

آج ہم عجم کے افکار کو اسلام کا تابع بنا کر سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرح خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کے افراد بنا دیں اور تمام تعصبات سے بالاتر ہو کر اپنی تمام تر صلاحیتوں اور فکری استعداد کو اسی اعلیٰ وارفع مقصد کا پابند بنا دیں۔

عجم کے افکار میں غیرت ہے اور اپنے نظریہ حیات اور مقصد کے دشمن سے کوئی اور رعایت نہیں ہے۔ عرب کے افکار میں عرب کے صحرا کی طرح کی وسعت ہے' دریا دلی ہے اور ترحم کے جذبات ہیں۔ جنگِ خندق کے اگلے برس قحط اور بدحالی سے مجبور ہو کر مکّہ کا سردار ابوسفیان مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوا۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت عیاض بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق وہ مسجد نبوی میں پہنچا تو وہاں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ درس دے رہے تھے اور ابوسفیان کو دیکھ کر (آپ کو جنگ خندق کا زمانہ یاد آتے ہی) آپؓ نے فرمایا کہ خدا جانے کب خدا کے دشمنوں کی گردن تک خدا کی تلوار پہنچ پائے گی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے (اور آپؓ نے قریش کے سردار کی تذلیل دیکھتے ہوئے روایتی عرب مہمان نوازی اور اپنی وسعتِ قلبی کے باعث) یہ کہا کہ اے سلمان (دیکھتا نہیں) کہ یہ بوڑھا قریش کا سردار ہے اور اس سے اس طرح تو پیش نہ آئیں! حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ ماجرا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم نے اس شخص (سلمان رضی اللہ عنہ) کو ناراض کیا ہے جس کی ناراضگی کے باعث تم سے اللہ بھی ناراض ہو گیا ہے۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے معافی مانگنا پڑی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ تکلیف نہ فرمائیں' خداوند آپ پر اپنا کرم فرمائے۔

یہی عزت اور جرأت رندانہ ہے جو عجم کی نفسیاتی کیفیت (psyche) میں پنہاں ہے اور یہی مسلمانانِ عجم کو تحرک اور قیام کا درس دیتی ہے۔ باقی تفصیل آپ کو کسی حد تک اگلے صفحات میں مل جائے گی۔

باقیؔ ایں گفتہ آید بے گماں      در دلِ ہر کس کہ دارد نورِ جاں

ابو معاذ عفی عنہ

# ابتدائیہ

عجم کی سرزمین اہلِ عرب کے معیار سے گونگوں کا مسکن تھی جہاں کے لوگ گفتگو کے فن سے نابلد تھے۔ اس سے مراد فارسی زبان کے لوگوں کا وطن تھا جہاں کے لوگ عربی زبان بولنے اور سمجھنے سے عاری تھے۔ اس طرح یہ خطہ ان آریائی اقوام کا ملک تھا جو ایشیا میں آکر آباد ہوئے تھے۔ اس سے مراد ایران (فارس) ہی نہیں بلکہ وہ تمام علاقے تھے جو فارسی زبان کی کسی بھی بولی کا استعمال کرتے تھے۔ آج بھی انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق "پشتو" فارسی کی مشرقی بولی ہے۔ بلوچی زبان بھی فارسی ہی کی بولی ہے۔ قدیم سنسکرت اور قدیم فارسی (پہلوی) بھی ایک ہی زبان کی دو مختلف صورتیں تھیں۔ لیکن وادیِ سندھ سے مشرق کی جانب ہندوستان کے علاقوں کی زبان مقامی زبانوں کے امتزاج کے باعث آہستہ آہستہ فارسی سے دُور ہٹتی چلی گئی۔ مگر گزشتہ دو سو برس کا زمانہ چھوڑ کر اگر ماضی قدیم پر نظر دوڑائی جائے تو تمام ہندوستان فارسی زبان کے زیر اثر رہا ہے۔ بادشاہ تو فارسی بولتے ہی تھے دربار کے جملہ امور اور فرامین بھی اسی زبان میں تھے۔ عوام بھی اسی زبان سے آشنا تھے' اسی لئے صوفیاء اور علماء کی تعلیمات' تحریریں اور کتب اسی زبان میں تھیں۔ حکیموں کے نسخے اور گھریلو حساب کتاب کے دفتر و طومار بھی اسی زبان میں تھے۔ اس طرح تمام ایران' افغانستان' موجودہ پاکستان' کشمیر' تاجکستان' ازبکستان' ترکمانستان' آذربائیجان' کرغزیا اور سنکیانگ کے چینی علاقے کو عجم ہی تصور کیا جاتا تھا جہاں پر فارسی زبان' تہذیب' ادب اور ثقافت کی گہری چھاپ تھی۔ اسلام سے پہلے یہ علاقے ایک بہت بڑی بادشاہت کا حصہ تھے اور یہ شاہی نظام دنیا کا سب سے بڑا نظام تھا جس کی حدود کا دائرہ کار کبھی کبھی آرمینیا' جارجیا' ایشیائے کوچک' جزیرہ نمائے عرب' شام و فلسطین' مصر' قبرص اور بحیرۂ روم کے دیگر جزائر تک پھیلتا رہا اور وہاں سے سمٹتا رہا۔ یونانیوں کے جملہ مقبوضات کو روندتا ہوا داریوش اور اس کا لشکر ایتھنز تک جا پہنچا اور پھر اُس شکست کا انتقام لینے کے لئے سکندرِ اعظم عجم پر ایک طوفان کی صورت میں چھا گیا اور تمام عجمی

مفتوحات کو روندتا ہوا وادی، سندھ کی مشرقی حدود تک بڑھتا ہوا گنگا جمنا وادی کے علاقوں میں داخل ہوئے بغیر واپس لوٹ گیا۔ اسی زمانے کے ٹیکسلا کے کھنڈرات میں نمایاں کھنڈر آج بھی زردتشی مذہب کے آتش کدے کا ہے۔ پھر یہ شہنشاہیت رومیوں سے برسرپیکار رہی اور یورپ کے رومیوں کو بار بار اپنے مقبوضات کے دفاع کے لئے سرگرم رہنا پڑا۔

عجم کی عظیم سلطنت کا اپنا مذہب تھا جو مجوسیت کی صورت میں اپنی تمام تر فکری عظمتوں کا آئینہ دار تھا۔ اس مذہب کا بانی زردتشت (زرتشت) تھا اور اس کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر تھا۔ اس مذہب کا مرکزاہورا مزدا (خدائے برتر) کی ہستی تھی جس کے دو پرتو تھے۔ یعنی یزدان (خدائے نیکی) اور اہرمن (خدائے بدی)۔ اس مذہب کے اہم ستون گفتارِ نیک، پندارِ نیک، کردارِ نیک اور رفتارِ نیک، (یعنی اچھی گفتگو، اچھی فکر، اچھا کردار اور اچھے اعمال) تھے۔ اس مذہب میں بت پرستی بالکل نہیں تھی حالانکہ سلطنت عجم کے مغرب میں عرب، یونان اور روم (عیسائیت قبول کرنے سے قبل) بت پرستی کے اہم مراکز تھے۔ اسی طرح مشرق میں گنگا جمنا کی وادی میں ہندوستانی آریائی قبائل بھی اس لعنت میں مبتلا تھے۔ اس مذہب کی اپنی عظیم کتاب "اوستا" تھی جو بارہ ہزار گائے کی کھالوں پر مرقوم تھی۔ اسے سکندر اعظم نے استخر کے مقام پر نذر آتش کر دیا تھا۔ دیگر مذہبی صحیفے ژند اور پاژند کی صورت میں موجود تھے۔ اس مذہب میں ثنویت یعنی Dualism کا پرچار کیا جاتا تھا، یعنی کائنات میں جدال اور جنگ جاری ہے، یعنی نیکی کی افواج بدی کی افواج سے برسرپیکار ہیں اور ازل سے ابد تک یزدان اور اہرمن کے مابین جنگ جاری ہے۔ یزدان کی علامت نور اور گرمی ہے اور اہرمن کی علامت تاریکی اور سردی ہے اور اچھے لوگ یزدان کی صفات سے متصف ہیں، بقول رومی ؎

کارِ مرداں روشنی و گرمی است
کارِ دوناں حیلہ و بے شرمی است

(یعنی مردوں کا کام روشنی اور گرمی ہے اور رذیل لوگوں کا کام حیلہ اور بے شرمی ہے)

چونکہ روشنی و گرمی قابل احترام تھی اس لئے روشنی و گرمی کے تمام منابع بھی

محترم سمجھے جاتے تھے۔ اس تصور نے آفتاب یعنی سورج کے احترام (جو کہ پرستش کی حدوں کو چھو رہا تھا) کے نظریئے کو فروغ بخشا اور اسی مناسبت سے آگ کی تعظیم کی جانے لگی جو کہ رفتہ رفتہ آتش پرستی پر منتج ہوئی اور مجوسیوں کی عبادت گاہیں بتدریج آتش کدوں کا روپ دھارنے لگیں۔ دیگر اقوام نے انہیں آتش پرست قرار دیا جبکہ قرآن نے انہیں مجوسی قرار دیا۔ آگ کا احترام کسی نہ کسی طرح دوسری آریائی اقوام مثلاً کافرستان کے کافروں اور ہندوؤں میں بھی نظر آنے لگا۔ لیکن آتش پرستوں سے مراد اہل عجم بھی لئے جانے لگے۔ اہل عجم کا چونکہ سیاسی مرکز فارس (ایران کا جنوب مغربی علاقہ جو عراق سے متصل ہے اور عراق کا نصف مشرقی حصہ) میں تھا اس لئے اہل عجم کو غلطی سے فارسی یا Persian کہا جانے لگا اور ان کی تہذیب کو بھی فرہنگِ فارس (Persian Civlization) کہا جانے لگا۔

یہ تہذیب بتدریج ترقی کے مراحل طے کرتی ہوئی دنیا کی عظیم تہذیب کا روپ دھار گئی اور اس کا دبدبہ مشرق و مغرب پر طاری ہو گیا۔ اس کے عظیم بادشاہ اساطیری شخصیات کا روپ دھار گئے۔ کوروش اعظم کا ذکر تو عہد نامۂ جدید (انجیل) میں بھی انتہائی اچھے الفاظ میں آیا ہے اور مولانا ابوالکلام آزاد اور کچھ دوسرے دانشوروں کی رائے میں اس شخصیت کا دوسرا نام ذوالقرنین تھا جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ یہ بادشاہ آج سے ڈھائی ہزار سال قبل ایران کا وہ عظیم فرمانروا تھا جس نے عدل و انصاف پر مبنی سیاسی نظام کی داغ بیل ڈالی اور بابل کے استعماری حکمرانوں کو شکست فاش سے دوچار کر کے ان کے ہاں ستر برسوں سے مقید یہودیوں کو رہا کروا کے انہیں بیت المقدس اور سرزمین فلسطین میں از سرنو آباد کروایا۔ بیت المقدس کی تعمیر نو کے جملہ اخراجات بھی خود برداشت کئے۔ یہ بادشاہ بھی قرائن کی رو سے مجوسی تھا اور ان دنوں مجوسیت میں توحید کے جملہ پہلو اور نیکی کا درس مکمل طور پر موجود تھا' تو کیا وہ دین دین برحق تھا؟ یہ سوال علامہ اقبال نے زردشت کے دین کی بابت کیا ہے' مگر اس کا واضح جواب کسی کے پاس نہیں' تو کیا اوستا اور ژند و پاژند کی ابتدائی حالتیں الہامی تھیں؟ یہ سوال اگرچہ جواب طلب ہے مگر اہم ضرور ہے' تو کیا یہ لوگ اہل کتاب تھے یا کافر تھے؟

اتنا ضرور ہے کہ یہ لوگ حکمرانی کے اعلیٰ و ارفع اصولوں سے باخبر تھے اور ان کا نظام

بڑی حد تک عدل و انصاف پر مبنی تھا۔ آج بھی حکمت آموز حکایات جو ہمیں سعدی کی گلستان و بوستان' نظامی کی خمسہ اور فردوسی کے شاہنامہ میں ملتی ہیں ان کے مرکزی کردار شاہانِ عجم یعنی خسرو نوشیروان' اردشیر' بہرام گور اور قباد وغیرہ تھے اور ان میں دارا' خسرو' کیقباد اور جمشید کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ کچھ تو ضرور تھا جس کے باعث یہ لوگ اتنے بڑے نظام کو احسن طریقے سے چلا رہے تھے۔ شہنشاہ کی مرکزی شخصیت اس قدر لائق احترام ہوتی چلی گئی کہ بتدریج اس میں الوہی خوبیاں بھی بیان ہونے لگیں اور شہنشاہ کو خدائے بزرگ و برتر کا پرتو (ظل اللہ فی الارض) سمجھا جانے لگا۔ یہ عقیدہ رومیوں نے بھی اپنا لیا اور شاہِ برطانیہ کی شخصیت تک جا پہنچا۔ تمام مسلمان سلاطین اور بادشاہوں نے بھی "ظل اللہ فی الارض" کا لقب اختیار کر لیا۔ شاہی خون اور خاندانی نجابت کے نظریات اس قدر پختہ ہو گئے کہ ایک خاندان کے علاوہ کسی دوسرے خاندان کے فرد کی بادشاہت کو ناممکن سمجھا جانے لگا۔ اسی طرح شہنشاہ کی ذات دین و دنیا کا مرکز بن کر رہ گئی۔ رعایا کا کام اس شاہ کی اطاعت تھی اور شاہ کے ادنیٰ خدمت گزار (His Majesty's humble servants) کا نظریہ فروغ پانے لگا۔

اس نظام میں معاشی پہلو' زمین کا نظم و نسق' سماجی نظام اور جنگی فنون و تذویر (Strategy) پر بھی سخت توجہ دی گئی۔ اسی طرح دفتری نظام (Beurocracy) کا ڈھانچہ بھی وجود میں آگیا۔ معاشی خوشحالی نے فنونِ لطیفہ کو فروغ دیا۔ ذہنی فراغت نے تفکر کی راہیں کھول دیں اور منطق و استدلال اور فلسفہ کی بحث سے اہم مراکز گونج اٹھے۔ فن تعمیر کی علامات آج دجلہ کے کنارے مدائن کے کھنڈرات میں ایوانِ خسرو کی صورت میں نظر آ رہی ہیں یا پھر قصر شیرین اور زپرسی پولیس کے مقامات پر آج اسی طرز تعمیر پر مبنی مساجد' خانقاہوں اور مدرسوں کی عمارات (خصوصاً وسطی ایشیاء میں) نظر آتی ہیں۔

عام لوگوں میں دین زرتشت نے ایک ٹھہراؤ اور وقار پیدا کر دیا تھا' زندگی کا ایک مقصد اُن کے سامنے اجاگر کر دیا تھا' وہ حسب توفیق بدی کی طاقتوں سے نبرد آزما ہو کر اہرمن کو شکست و ہزیمت سے دوچار کرنے میں مگن تھے۔ علامہ اقبال اہرمن کے زرتشت سے خطاب کو جاوید نامہ میں یوں بیان فرماتے ہیں ۔

از تو مخلوقاتِ من نالاں چو نے   از تو مارا فرو دیں مانند دے

در جہاں خوار و زبونم کردۂ نقشِ خود رنگیں ز خونم کردۂ
زندہ حق از جلوۂ سینائے تست مرگِ من اندر یدِ بیضائے تست
(تیری وجہ سے میری تمام مخلوقات یعنی افواج نوحہ و ماتم کرتے کرتے جھری کی طرح ہم آواز ہو چکی ہیں' ہماری بہاریں ٹھٹھر رہی ہیں۔ تیرے دین نے اس جہاں میں مجھے ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا ہے اور تُو نے میرے خون سے اپنے نقوش کو رنگ اور آب و تاب عطا کر دی ہے۔ یزدان تیرے کوہِ طور کے روشن جلوؤں کے باعث زندہ ہو گیا ہے اور تیرے ید بیضا کے کرشمے میں میری موت کا پیغام موجود ہے۔)

لیکن یہ نظام بھی بتدریج انحطاط پذیر ہونے لگا۔ مذہب کے مغ (پروہت) لالچ اور دنیاوی جاہ و جلال کے تعاقب میں گم ہو گئے۔ آفتاب' آتش' شاہ کی ذات اور دیگر علامات کی پرستش کی جانے لگی۔ توحید پہلے ثنویت کی نذر ہوئی' اب شرک کی علامات نمودار ہونے لگیں۔ انصاف کی جگہ استحصال نے لے لی۔ دنیاوی جاہ و جلال اور حرص و آز کے ردِّ عمل کے طور پر مانی نے اپنے صوفیانہ خیالات اور ترکِ دنیا کے نظریات کو فروغ دیا' مگر تیسری صدی عیسوی میں وہ تختۂ دار پر چڑھ گیا۔ پھر استحصال کے خلاف مزدک نے اپنے اشتراکیت پر مبنی مذہب کی تبلیغ کی مگر وہ بھی اپنے ہزاروں ساتھیوں سمیت شہزادۂ خسرو (جو بعد میں نوشیروان عادل کے نام سے شہنشاہ بنا) کی فوجوں کے ہاتھوں تہہ تیغ ہو گیا۔ دین مزدیسنی (مجوسیت) کا احیاء کیا گیا مگر اب یہ مذہب فلسفیانہ موشگافیوں کا شکار ہو گیا۔ بادشاہ کاہل ہونے لگے' وہ میدانِ جنگ کی بساط کے بجائے شطرنج کی چالوں میں منہمک ہونے لگے۔

ابھی بھی کچھ ادارے بچے ہوئے تھے' مغربی ایران میں جندی شاپور کی عظیم یونیورسٹی موجود تھی جس کے فارغ التحصیل لوگ ابھی تک طائف اور حدود حجاز میں پائے جاتے تھے۔ زرتشتی مجوسیوں کی مختصر جماعت مکہ کے قریب صحرائے عرب میں قیام پذیر تھی۔ بحرین ایرانیوں کا صوبہ تھا' یمن میں ایران کا گورنر موجود تھا' بلکہ وہاں کا وائسرائے ہمیشہ شاہی خاندان کا ایک اہم شہزادہ ہوا کرتا تھا۔ عرب ایرانیوں سے فکری' تہذیبی' سیاسی' مذہبی' جنگی اور معاشی غلبے کے باعث مرعوب تھے۔ رومیوں کے مقابلہ

میں بُت پرست عرب ایرانیوں کے وفادار تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رومی سلطنت نے عیسائیت اختیار کرلی تھی۔ عیسائی راہب ایران میں تبلیغ کے لئے سرگرم عمل تھے۔ عیسائی عورتیں خسرو نوشیروان اور خسرو پرویز کے حرم میں موجود تھیں اور اپنے اپنے مذہب پر کاربند تھیں۔ ایرانیوں کا یہودیوں سے گٹھ جوڑ ہمیشہ سے تھا اور یہود کی ایک بڑی تعداد ایران میں کاروبار میں منہمک تھی۔ جب بھی ایرانی بیت المقدس پر حملے کا سوچتے یہودی ایرانی فوج میں شامل ہو کر عیسائیت کی بیخ کنی کا عہد کیا کرتے۔ خسرو پرویز کے زمانے میں بیت المقدس پر حملے کے وقت چھبیس ہزار یہودی ایرانی فوج میں موجود تھے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ابتداء میں عیسائی راہب ایران میں آزادانہ گھومتے پھرتے تھے مگر رومیوں کے عیسائیوں کو سرکاری مذہب کا درجہ دینے کے باعث ایران میں عیسائیت پر پابندی عائد کردی گئی تھی۔ اب عیسائی راہب ایران سے غائب ہو رہے تھے اور اسی طرح کے ایک قافلے کے ساتھ رام ہرمز کا ایک نوجوان روزبہ مہیار بھی ایران چھوڑ کر شام کی جانب روانہ ہو گیا۔ روزبہ ایک معزز کسان گھرانے کا فرد تھا جس نے جنگ و حرب کا فن بھی سیکھا ہوا تھا اور آتش کدوں میں بیٹھ کر ژند و پاژند اور اوستا کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ روزبہ کا باپ بہت بڑا زمیندار اور شاہ کا وفادار تھا اور اس کے تمام جاہ و جلال کا دارومدار شاہ کی وفاداری اور زرتشتی مذہب پر عمل پیرا ہونے میں تھا' مگر روزبہ اپنے بوڑھے باپ سے ہمیشہ زرتشتی عقائد میں ابھرنے والی خامیوں پر اعتراض کیا کرتا اور عیسائیت کی حقانیت پر استدلال کرتا۔ باپ سے تعلقات کی کشیدگی پیدا ہوئی تو روزبہ مہیار نے محسوس کیا کہ اب ایران کی سرزمین اس پر تنگ ہو چکی ہے۔ چنانچہ وہ عیسائیوں کے کارواں کے ساتھ وہاں سے دُور چلا گیا۔ اس کی قسمت میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے نام سے عجم کے شاہوں کے زوال کے بعد اسلام کا پہلا وائسرائے بن کر ایران میں واپس آنا لکھا تھا۔ آج مدائن میں ایوانِ کسریٰ کے قریب آپ رضی اللہ عنہ کی قبر اس اجڑے دیار میں ایسی علامت ہے جو بقول اقبال۔

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند — در شہنشاہی فقیری کردہ اند

در امارت فقر را افزودہ اند — مثلِ سلماں در مدائن بودہ اند

(وہ مسلمان جنہوں نے حکومت کی ہے' انہوں نے شہنشاہوں کے دیار میں فقیری

کی بنیاد رکھ دی ہے' انہوں نے حکمرانی میں فقیری کا اضافہ کر دیا ہے' یعنی
جہانداری کو حق کا تابع کر دیا ہے۔ اگر دیکھنا ہو تو دیکھ لو جس طرح مدائن میں
سلمان رضی اللہ عنہ ہوا کرتے تھے۔)

یہ انحطاط پذیر سلطنت اندر سے کھوکھلی ہو چکی تھی۔ باہر سے رومیوں کا دباؤ اس پر
بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ سورۃ الروم کی پیشین گوئی پوری ہو رہی تھی۔ ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔
ایک سکوت تھا' ایک جمود تھا۔ ذہن تاریکیوں میں ڈوب رہے تھے۔ مایوسی کا دَور دَورہ
تھا۔ اب دین مجوسی حالات کے چیلنج کو قبول کرنے سے عاری ہو چکا تھا۔ بظاہر ایک ملک'
ایک قوم اور ایک تہذیب کے ساتھ موجود تھا مگر وہ اپنا وقت گزار کر ضعفِ پیری میں مبتلا
تھا۔ حضرتِ اقبال نے انتہائی خوبصورت الفاظ میں یہ نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے؎

پیریٔ ایراں زمانِ یزدگرد ۔۔۔ چہرۂ او بے فروغ از خونِ سرد
دین و آئین و نظامِ او کہن ۔۔۔ شید و تارِ صبح و شامِ او کہن
موجِ مے در شیشۂ تاکش نبود ۔۔۔ یک شرر در تودۂ خاکش نبود

(یزدگرد کے زمانے تک پہنچتے پہنچتے ایران بوڑھا ہو چکا تھا اور اس کا خون رگوں
میں جم چکا تھا۔ اس طرح اس کے چہرے کا نور اور جلوہ چھن چکا تھا۔ اس کا دین'
اس کا آئین اور اس کا نظام فرسودہ ہو چکے تھے۔ اس کے صبح و شام کے خورشید
اور ظلمات سب کچھ پرانے ہو چکے تھے' اس کے انگوروں کی بیلوں میں شراب کی
کوئی لہر باقی نہیں تھی' وہ ایک راکھ کا تودہ تھا جس کی تہہ میں ایک بھی چنگاری
باقی نہیں تھی۔)

لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ خسرو پرویز کے زمانہ میں اسلام کا آغاز ہو چکا تھا۔
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرما چکے تھے۔ آپؐ کی نگاہیں دنیا کے طول و عرض
کا احاطہ کر رہی تھیں۔ صلح حدیبیہ سے فارغ ہو کر آپؐ نے سوچا کہ کیوں نہ عجم کی عظیم
سلطنت کو اسلام میں سمو کر اُس کے تمام تر فکری اور تہذیبی ورثہ کو مشرف بہ اسلام کر لیا
جائے اور پھر اس قوم سے ایک کام لیا جائے کہ وہ اسلام کی عظیم وارث بن جائے۔ یہ
سلطنت ایران کی نہیں عجم کی وہ عظیم سرزمین تھی جو وادیٔ سندھ سے سنکیانگ اور
ازبکستان سے آذربائیجان تک پھیلی ہوئی تھی۔ آپؐ نے اس کے فرمانروا کو واضح الفاظ

میں لکھا :

((اَسْلِمْ تَسْلَم فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ اِثْمَ الْمَجُوْسِ عَلَيْكَ))

"اسلام قبول کر لے اور سلامتی میں آجا (یعنی اس تباہی و بربادی کے چنگل سے آزاد ہو جا) اگر تُو نے اب ابھی انکار کیا تو پھر تمام زردشتیوں کے گناہوں' غلطیوں' زیادتیوں اور کمزوریوں کی نحوست تمہیں (مع تمہاری بادشاہت کے) نگل لے گی"۔

مگر بدبختی خسرو پرویز کا مقدر ٹھہر چکی تھی۔ اس نے نامۂ مبارک کو پھاڑ کر اپنی تباہی کا دیباچہ لکھ دیا۔ آنحضور ﷺ کو عجم کی عظیم سلطنت کی تباہی نظر آنے لگی۔ آپؐ نے فرمایا :

((هلک کسریٰ و لا کسریٰ بعدَه))

"(مجھے نظر آگیا ہے) کہ خسرو ہلاک ہو گیا اور اب کوئی خسرو جنم نہیں لے گا"۔

مگر اس تہذیب کے کچھ ورثاء خوش قسمت بھی تھے۔ روزبہ مہیار (سلمان) رضی اللہ عنہ مدینہ میں حضور ﷺ کی جنگی تدابیر و تزویرات کے مشیر کی صورت میں جنگ خندق کی تزویراتی صورت گری کر چکے تھے۔ بحرین کے ایرانی حکمران اسلام قبول کر کے وہاں مسجد آباد کر چکے تھے۔ یمن کے ایرانی شاہی خاندان کے شہزادے اسلام کی دولت سے مالامال ہو چکے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ایران کی شہنشاہت کا انقراض ایک تقدیر مبرم ہے' مگر وہاں کا فکری' ثقافتی' جنگی' معاشی اور سماجی اثاثہ اسلام کو منتقل ہونے والا تھا۔ ہر وہ فکری چیز جو اسلام کی روح سے متصادم تھی' اسے چھوڑ دیا گیا تھا اور باقی کو اسلام میں سمو لیا گیا۔ اس کی مثال سلمان فارسیؓ کے اصحابِ صُفّہ کو وہ لیکچر تھے جو منافقوں کی بے چینی کا باعث بن رہے تھے۔ اسی ورثہ کو اسلام میں سمونے کی سب سے بڑی مثال آنحضور ﷺ کا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل بیت میں شمار کرنا تھا۔ اب وہ تہذیب اسلام کے رنگ میں رنگ کر نیا جنم لے رہی تھی اور وہ تھی "فکرِ عجم" جو اسلامی فکر عجم تھی' جس کے بعد کے علمبردار رازی' غزالی' فارابی' رومی' سعدی شیرازی اور حضرتِ اقبال تھے۔ جب سورۃ الجمعہ کی یہ آیات نازل ہوئیں :

﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ

وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ق وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○
وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

"وہی ذات پاک ہے جس نے غیر تعلیم یافتہ لوگوں میں اپنا رسول بھیجا ہے جو اُن پر اس کی آیات کی تلاوت کر کے سناتا ہے' انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور دانائی کے اسرار و رموز سکھاتا ہے۔ وہ لوگ اس سے پہلے واضح طور پر گمراہی میں مبتلا تھے۔ بعد کے زمانے کے لوگوں (پر بھی وہی رسول نازل ہوا ہے) جو اُن سے ابھی مل نہیں پائے۔ اور وہ غالب بھی ہے اور دانا بھی"۔

آنحضور ﷺ سے جب "لَمَّا يَلْحَقُوْا" کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہ اور اس کی قوم' اور اس کی قوم کا ایک شخص حق کو ثریا سے بھی اتار لائے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قوم جس کی فکری اور تہذیبی روایات انتہائی مستحکم اور قدیم تھیں اس کے افراد نے جب اسلام کو قبول کر لیا تو انہوں نے اسلام کی حقانیت کو دنیا پر آشکار کر کے احیائے اسلام کی بنیاد رکھ دی۔

آنحضور ﷺ کی رحلت کے دس برس کے عرصہ میں یہ سلطنت اختتام پذیر ہو گئی اور پھر یہ نظام ایک نئے روپ میں سامنے آ گیا۔ علامہ اقبال نے اس کو انتہائی خوبصورت الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے ؎

| | |
|---|---|
| تا ز صحرائے رسیدش محشرے | آں کہ داد او را حیاتِ دیگرے |
| ایں چنیں حشر از عنایاتِ خدا ست | پارس باقی رومتہ الکبریٰ کجاست؟ |
| آنکہ رفت از پیکر او جانِ پاک | بے قیامت بر نمی آید ز خاک |
| مردِ صحرائی بہ ایراں جاں دمید | باز سوئے ریگ زارِ خود رمید |
| کہنہ را از لوحِ ما بسترد و رفت | برگ و سازِ عصر نو آورد و رفت |

(پھر ایک وہ وقت بھی آن پہنچا جب صحرائے عرب سے ایک محشر برپا ہوتے ہوئے ایران پر چھا گیا۔ اس نے ایران کو ایک نئی زندگی عطا کر دی۔ اس طرح کی قیامت کا برپا ہونا بھی اللہ کی عنایت ہی تھی کیونکہ فارس اب بھی باقی ہے مگر رومتہ الکبریٰ کہاں نظر آ رہا ہے؟ جس جسم سے روح ایک بار نکل جائے تو قیامت برپا ہوئے بغیر اس میں کب زندگی واپس لوٹتی ہے۔ مردِ صحرائی (مسلمان فاتحین) نے

ایران میں جان ڈال دی مگروہ پھر اپنے ریگ زار کو واپس لوٹ گیا۔ ہماری تختی سے قدیم نشانات مٹا گیا اور ایک نئے دور کا سازو سامان عطا کر گیا۔)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو ایران کا گورنر مقرر کیا۔ آپؓ کی حکمت عملی کے باعث انتہائی مختصر عرصہ میں پوری قوم نے اسلام قبول کر لیا اور چند مذہبی گروہ آپ سے اجازت لے کر کشتیوں کے ذریعے ہندوستان کے ساحل کو روانہ ہو گئے۔ اس لئے بمبئی اور کراچی میں پارسیوں کی مختصر آبادیاں ابھی تک موجود ہیں۔

آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد کی بڑی بیٹی حضرت شہربانو رضی اللہ عنہا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں اور یہاں پر شاہی خاندان اور خاندان نبوی کا اتصال ہو گیا۔ ایرانیوں کے دل میں شاہی خاندان کا جو احترام موجود تھا وہ قبولیت اسلام کے بعد اس خاندان سے عقیدت میں ڈھل گیا۔ بعد ازاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا دارالخلافہ مدینہ منورہ سے کوفہ میں منتقل کیا تو کوفہ ایرانی علاقے میں موجود اسلامی فوج کی نو تشکیل شدہ چھاؤنی تھی اور اس کے اردگرد ایرانی قبائل آباد تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دارالخلافہ دمشق میں تھا اور دمشق گزشتہ دور میں رومی سلطنت کا شہر تھا۔ اس کے گردو پیش میں وہ لوگ آباد تھے جو صدیوں سے رومیوں کے اطاعت گزار رہے تھے۔ اس طرح باہمی تصادم کی صورت میں گزشتہ ادوار کے رومی اور عجمی جذبات کے اثرات دوبارہ اپنا رنگ جمانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری کے بعد کے ایام میں دمشق کی حکومت یزید کو مل گئی جبکہ کوفہ کے لوگوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اطاعت کا دم بھرنا شروع کر دیا۔ شومئی قسمت سے حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا المناک واقعہ پیش آیا، مگر کوفہ کے گردونواح کے لوگوں کی محبت کا مظاہرہ مختار بن ابو عبید ثقفی کی تحریک کی صورت میں ہوا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت شہربانوؓ کے بطن سے تھے۔ اس طرح آپ کی رگوں میں دونوں خاندانوں (خاندانِ علی رضی اللہ عنہ اور خاندانی ساسانی) کا خون دوڑ رہا تھا۔ یہ چیز اہل عجم کی توجہ کا مرکز بن گئی اور اب آپ کے ورثاء کو انتہائی تقدس کا درجہ حاصل ہو گیا۔ یہ لوگ اثنا عشری سلسلہ کے امام کہلائے مگر ان ائمہ کا احترام عجم کے سُنّی لوگ بھی کرتے تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا حضرت امام باقرؒ سے فکری مکالمہ اور حضرت جعفر صادقؒ کی

شاگردی اس امر کا ثبوت ہیں۔ سادات کا احترام تمام ممالک عجم کا خاصہ رہا ہے۔

عجم کی فکری تجدید کے علاوہ علمی اعتبار سے اہل عجم نے زبردست کارنامے سرانجام دیئے۔ امام ابو حنیفہ بھی فارسی گو تھے۔ اسی طرح صحاحِ ستہ کے ائمہ اور صوفیاء کے سلسلے بھی عجم سے وابستہ تھے۔ برصغیر کے سادات کے خاندانوں کے ساتھ شیرازی' کرمانی' تبریزی' ہمدانی اور بخاری کے لاحقے بھی تقدس کی علامت بننے لگے۔

ابتدائی دَور کے سنیوں نے بھی ائمہ اثنا عشری کا احترام ملحوظ خاطر رکھا تو اہل تشیع نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام ملحوظِ خاطر رکھا۔ شاہنامہ کا مؤلف استاد ابوالقاسم فردوسی طوسی (جسے وفات پائے ایک ہزار برس گزر چکے ہیں) کے بارے میں تمام تر روایات یہی ہیں کہ وہ شیعہ تھا' حتیٰ کہ چہار مقالہ کے مؤلف نظامی عروضی سمرقندی نے یہاں تک لکھا ہے کہ اس کے عقائد کے باعث اسے سنیوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا گیا تھا اور اسے اپنے باغ میں قبر نصیب ہوئی تھی۔ شاہنامہ کے دیباچہ میں وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام کا ذکر بہت اچھے الفاظ میں کرتا ہے' تاہم حضرت علیؓ کا ذکر وہ باقی اصحاب کی نسبت زیادہ طمطراق سے کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں شاہنامہ کے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

| | |
|---|---|
| چہ گفت آں خداوندِ تنزیل و وحی | خداوندِ امر و خداوندِ نہی |
| کہ خورشید بعد از رسولانِ مہ | نتابید ہر کس ز بوبکر بہ |
| عمر کرد اسلام را آشکار | بیاراست گیتی چو باغِ بہار |
| پس از ہر دواں بود عثماں گزیں | خداوند شرح و خداوند دیں |
| چہارم علی بود جفتِ بتول | کہ او را بخوبی ستاید رسول |

(آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم یعنی صاحب تنزیل وحی اور صاحب امر و نہی نے یوں فرمایا ہے کہ چشمِ آفتاب نے انبیاء علیہم السلام کے بعد اگر کسی اور چہرے کو روشنی بخشی ہے تو وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام کی حقانیت واضح ہوئی اور آپؓ کی فتوحات نے دنیا کو باغِ بہار کر دیا۔ ان دونوں کے بعد منتخب ذات حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی ہے جو حیاء کا پیکر تھے اور دین کے محافظ۔ چوتھے نمبر پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے جن کی خوبیوں کے باعث آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آپؓ کی تعریف کی ہے۔)

(جاری ہے)

# قیامِ اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر

## معروف سعودی دانشور ڈاکٹر سفرالحوالی کی تہلکہ خیز کتاب
## کی سلسلہ وار اشاعت —— قسط ششم

## مذموم مقاصد

اس کے بعد ایک پہلو بچ جاتا ہے جسے سمجھنا ضروری ہے۔ اس پہلو کا دو طرح سے جائزہ لینا ہے۔ موجودہ کانفرنس جسے امن کانفرنس سے موسوم کیا جارہا ہے' اس سے کن نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے؟ اور اسی سے دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سچے عہد سے پھر کر جھوٹے عہد پر ایمان لانے سے اس خطۂ ارضی سے کیا مقاصد حاصل کرنا درکار ہیں؟

عزیز بھائیو! یہ مقاصد بے شمار اور نہایت اہم ہیں۔ میری گزارش ہے کہ کہیں ہم وقتی اور غیر اہم چیزوں میں پھنس کر دُور رس نتائج کے حامل اہداف کو بھول نہ جائیں۔ میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ میری باتوں سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ میں تمام مقاصد تک پہنچ گیا ہوں۔ جن مقاصد کو مَیں اُن کے بیانات سے اور کتابوں سے سمجھ سکا ہوں ان کی حیثیت رہنما اشاروں جیسی ہے اور غور و فکر اور مزید مطالعے سے نیز باہمی ربط سے مزید مقاصد تک بھی پہنچا جاسکتا ہے۔

① پہلا ہدف مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں جو تحریک جہاد جاری ہے جسے انتفاضہ کہتے ہیں' اس کا خاتمہ کرنا ہے۔ امن سمجھوتے کے بعد اُن کی حیثیت دشمن سے اپنے مقبوضہ علاقے چھڑانے والے دفاعی مجاہدین سے یک مشت بدل کر اپنے ہی ملک کے خلاف بغاوت کرنے والے سرکشوں کی سی بن جائے گی جس کے بعد اُن سرفروشوں کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کرنے کے لئے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے گی۔ اور بین الاقوامی

قانون کی رو سے ہر ملک کو اپنے باغیوں کی سرکوبی کا حق حاصل ہے۔ اہم ترین اہداف میں سے ایک یہ ہدف ہے' کیونکہ اسرائیل سب سے زیادہ ان مجاہدین سے خوف زدہ ہے۔ عرب ممالک مسئلہ فلسطین اور تحریک انتفاضہ سے کب کے لاتعلق ہو چکے ہیں اور اسرائیل اس طرف سے پوری طرح مطمئن ہے کہ عرب ممالک اس پر حملہ آور ہونے کی جرأت کریں' البتہ خطرہ اُس پُرجوش بیدار مغز مزاحمت سے ہے جو مقبوضہ علاقوں سے اٹھ رہی ہے۔ یہ پہلا ہدف ہے۔

④ اس امن سمجھوتے کا دوسرا اہم مقصد دعوتِ اسلامی کا راستہ تنگ کرنا ہے۔ یہ مقصد فریقین یعنی یہود و عرب کے مابین طے پایا ہے۔ یہ لوگ دعوت کے کام کو ہر جگہ ٹھپ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس بات کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس مقصد کے حصول کے لئے مراکش سے انڈونیشیا تک تشدد کی راہ اپنائی جائے' جیسا کہ صدر نکسن نے مشورہ دیا ہے۔

③ تیسرا ہدف عرب ممالک کی فوجی قوت کو ختم کرنا ہے' کیونکہ ان ممالک نے اسرائیل کو گھیر رکھا ہے۔ اگرچہ ان ممالک سے اسرائیل کو خاص خطرہ نہیں' عراق پہلے ہی تباہ کیا جا چکا ہے' دوسرے مرحلے میں شام کی فوجی قوت ختم کی جائے گی۔ اس لئے نہیں کہ حافظ الاسد یا اس کی پارٹی "حزبِ بعث" سے کسی قسم کا کوئی خطرہ ہے' بغداد کی بعث پارٹی اسرائیل کا کیا بگاڑ سکی ہے' لیکن شام چونکہ فوجی لحاظ سے قدرے مضبوط ہے اور اس کی جنگی صلاحیت اور تجربہ بھی ہے جو ایسی صورت میں یہودیوں پر کسی حد تک مصیبت لا سکتا ہے کہ حکومت جہاد کے نتیجہ میں اسلام پسندوں کے ہاتھ آ جائے اور فوج کا ایک بڑا حصہ اُن کا حامی بن جائے۔ شام کی فوج نے چند جنگیں لڑ کر تجربہ حاصل کیا ہوا ہے' جیسے کہ جنگِ لبنان' اس لئے حفظِ ماتقدم کے طور پر شامی فوج کا خاتمہ ضروری ہے۔ اگرچہ شام کی فوج قوم پرست ہے لیکن پھر بھی اسے غیر مسلح کرنا ضروری سمجھا جا رہا ہے۔ اور پھر بعثی اپنا سر پیٹیں گے کہ کاش ہم یہ دن دیکھنے سے پہلے مر چکے ہوتے۔

④ چوتھا ہدف ہے پورے علاقوں کو عسکری لحاظ سے یہودی عملداری کے تابع فرمان کرنا اور علاقے کے دفاع کے لئے امریکہ کی ضمانت دینا' نیز علاقے کی تمام فوجی

طاقتوں میں اضافے کو روکنا' جبکہ موجودہ فوج کا مقصد ویسے ہی اندرونی امن واَمان قائم رکھنے سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس لئے کہ نیو ورلڈ آرڈر کی موجودگی میں فوجی اضافے کی بھلا کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ کیا صدّام کی طرح تم بھی اپنی فوج کا غیر قانونی استعمال چاہتے ہو؟ اگر بیرونی خطرہ ہے تو اس کی ضمانت نیو ورلڈ آرڈر دیتا ہے' داخلی امنِ عامہ کے لئے تمہاری اپنی فوج ہے' اور خبردار جو ہمسایہ پر کسی کو جنگ جوئی کی سوجھی!

یہ تھی وہ بنیادی غرض وغایت جس کے لئے کویت پر عراقی قبضے کا ڈرامہ رچایا گیا اور جنگ خلیج بپا ہوئی۔

⑤ پانچواں ہدف ضرر رساں ہے' یعنی ابلاغِ عامہ اور تعلیمی نصاب میں تبدیلی' تاکہ کوئی ایسی بات رہ نہ جائے جو یہودیوں سے دشمنی وعدوات پر اکسانے والی ہو۔ یہ وہی مقصد ہے جسے اسرائیلی وزیر اعظم شامیر نے کانفرنس میں اپنی تقریر کے اندر زور دے کر کہا : "تمہارے تعلیمی نصاب سے یہود دشمنی پر مبنی مواد کی تبدیلی ضروری ہے"۔

ابلاغِ عامہ کی سطح پر اور تعلیمی سطح پر صدیوں پر محیط عداوت ودشمنی کو یکمشت ختم ہو جانا چاہئے۔ اب صیہونیت کو قرار آگیا ہے۔ یہودی ایک آزاد ملک کے باسی ہیں جس کا اپنا دارالحکومت یروشلم ہے اور اسے جینے کا پورا حق حاصل ہے۔ اور کسی قانونی ملک کے ساتھ عداوت اور دشمنی کی اجازت نہ ہونی چاہئے۔ عداوت پر محمول تمام شعار کو بتدریج بھلا دینا چاہئے' یہاں تک کہ جو عداوت دینی بنیادوں پر قائم ہے اس کی بھی گنجائش نہیں۔

مصری حکومت ان سفارشات پر عمل پیرا ہے۔ تعلیمی نصاب میں تبدیلی لاکر وہ تمام غزواتِ خارج کردیئے گئے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے کئے' اور یہودیوں کی نبی ﷺ سے دشمنی پر جو معمولی واقعات نصاب میں پڑھائے جاتے تھے وہ بھی خارج کئے جا چکے ہیں۔ حد یہ ہے کہ ٹی وی ملا قرآن کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اُن آیات کو چھوڑ دیتے ہیں جن میں یہودیوں کا ذکر آئے۔ وہ تمام آیات اور حدیثیں جن میں یہودیوں کی اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی اور بغض کا ذکر ملتا ہے خارج از نصاب ہیں' جو پہلے ہی انتہائی نرم انداز سے بیان کی گئی تھیں۔ یہ ہے ان کی خواہش اور مقصد جو وہ پورے فلسطین میں حاصل کرنا چاہتے ہیں' یعنی نصاب سے ہر اُس چیز کو خارج کرنا جو مسئلہ فلسطین کے متعلق

ہو۔ اور افسوس تو اس بات پر ہے کہ ہمیں اب تک مسئلہ فلسطین کے متعلق جو کچھ سکولوں اور کالجوں میں پڑھایا گیا ہے اس میں مسئلہ فلسطین کو مذہبی یا دینی کے بجائے عرب یہود سیاسی مسئلہ بنا کر پڑھایا گیا ہے' اب وہ بھی ختم' جبکہ امریکہ میں بیس ہزار سکول اس مسئلہ کو خالص دینی اور توراتی بنیادوں پر پڑھا رہے ہیں۔

(۶) چھٹا ہدف علاقے کی معیشت مکمل طور پر یہودیوں کے کنٹرول میں دینا۔ مغرب کی معیشت کے سامنے ہماری معیشت کی کیا حیثیت ہے' کچھ بھی نہیں۔ اور اگر سودی بنکاری سے یہودی مغرب پر معاشی قبضہ جما سکتے ہیں تو ہمارا علاقہ اُن کے قبضے میں دینے سے کیا ہوگا! چند سالوں میں اس خطے کے تمام ممالک کی معاش اور مالیات کا کلی اختیار رکھنے والے یہودی ہوں گے۔

(۷) ساتواں ہدف خطے کو یہودی اور عیسائی ثقافت سے تلپٹ کرنا اور ثقافتی یلغار کے جلو میں عیسائیت پھیلانا۔

عیسائی منہ چڑھ کر بولتے ہیں کہ خلیج کی جنگ نے ہمارے لئے اُن علاقوں تک دین مسیح کی ترویج آسان بنادی ہے جن علاقوں کا ہم آج سے پہلے تصور بھی نہ کرسکتے تھے۔ کویت' متحدہ عرب امارات' بحرین ایسے ممالک ہیں جہاں سرعام عیسائیت کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ یمن میں مشنری کام بہت بڑی سطح پر ہو رہا ہے۔ اردن کا تو یہ حال ہے کہ میڈرڈ کانفرنس میں اردن کا نمائندہ ایک عیسائی تھا۔

اردن میں عیسائیت پھیلانے کے لئے بڑا جامع پروگرام بنایا جارہا ہے۔ اس طرح بیشتر عرب ممالک عیسائیت کے محاصرے میں ہیں۔ عیسائیت پھیلانے کے لئے کن ممالک کا انتخاب کیا گیا ہے؟ عرب ممالک' والعیاذ باللہ! مگر وہ عنقریب اس کام کی ابتداء کرنے والے ہیں۔ اللہ انہیں غارت کرے۔

(۸) توقع ہے کہ اسلام کی غلط تصویر معاشرے کی ہر سطح پر پیش کی جائے گی' کیونکہ ابلاغِ عامہ کی قوت ان کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے عرب صحافت بھی ان کے شانہ بشانہ چلے گی جس کے لئے تبلیغی علماء کی شہرت کو داغ دار کرنا اور تاریخ اسلام کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنا شامل ہے۔ یہ سب ہونے والا ہے' خواہ کچھ دیر

ٹھہر کر رہی ہو۔

⑨ خلیج کے تیل اور پانیوں پر ڈاکہ زنی اور اس علاقے کو یہودیوں اور امریکیوں کے زیر تسلط لانا۔ تیل تو تقریباً جا چکا ہے اور پانی کا ٹنٹا نپٹانا باقی ہے۔ یہ بات انہوں نے صراحت سے کہی ہے کہ تیل اور پانی کی جنگ ناگزیر ہے۔ اسرائیل کے لئے جن دریاؤں کا پانی حاصل کیا جائے گا وہ یہ ہیں : دریائے فرات' دریائے عاصی' دریائے لیطانی اور دریائے اردن۔ یہاں تک کہ نیل سے زیر زمین نہریں نکال کر اسرائیلی زمینوں کو سیراب کیا جائے گا اس پر بس نہیں' بلکہ سعودی عرب کے شمالی علاقہ جات میں جو زیر زمین پانی پایا جاتا ہے اس سے اسرائیل تک پانی پہنچایا جائے گا' تاکہ نئی یہودی بستیوں کے لئے وافر مقدار میں پانی فراہم ہو سکے۔ اور اس بات کے کافی قرائن ہیں کہ آنے والی جنگ حصولِ آب کی جنگ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ترکی اور شام کے درمیان جنگ کی آگ بھڑکائی جائے جس کے بہانے امریکہ اپنی فوجیں علاقے میں اتارے۔ اور اس جنگ کے نتیجے میں ایک طرف شام کی فوجی قوت کم ہو گی تو دوسری طرف پانی کی تقسیم کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ ترکی چونکہ نیٹو کا ممبر ہے اس لئے فریقین کی جنگ میں امریکہ کے کودنے کا قانونی جواز بھی ہو گا۔ مغرب میں ایک عرصے سے منصوبہ بندی ہو رہی ہے کہ نیٹو ممالک میں بھی اضافہ کیا جائے اور اس کی جنگی صلاحیت بھی مؤثر بنائی جائے' جس کے لئے مشرقی ممالک کو نیٹو کا ممبر بنایا جائے گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نیٹو کی قوت کس کے خلاف بڑھائی جا رہی ہے؟ مشرقی بلاک اور مغربی بلاک کی متحدہ قوت سے ہی وہ دراصل اپنے مشترکہ دشمن کا سر کچلنا چاہتے ہیں اور یہ مشترکہ دشمن ہمارے علاوہ اور کوئی نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ حصولِ آب کی جنگ چھڑنے میں تھوڑا ہی عرصہ رہ گیا ہے۔

⑩ علاقے کو اخلاقی پستی اور گراوٹ میں دھکیلنا۔ یہ یہودیوں کا پرانا اور آزمودہ حربہ ہے جسے وہ کئی جگہوں پر کامیابی سے استعمال کر چکے ہیں۔ پورے خطے کو اخلاقی پستی میں دھکیلنے کے لئے سیر و سیاحت کو فروغ دیا جائے گا۔ تمام ممالک کو نشہ آور اشیاء' زنا کاری اور ننگی فلموں کے چلن سے شدید خطرہ ہے۔ یہودیوں کا تمام گند اس علاقے میں

لا جائے گا۔ حال ہی میں ہمارے اخبارات اور دیگر غیر ملکی اخبارات نے یہ خبر نشر کی‘
آپ نے بھی پڑھا ہو گا‘ کہ کس طرح اسرائیل نے ایڈز زدہ رنڈیاں مصر میں بھیجیں۔
چونکہ علم و حکمت کا گڑھ ہے‘ اس لئے پہلے اسے نشانہ بنایا گیا ہے‘ مگر باقی ممالک میں
کچھ عرصے میں یہ گند پہنچنے والا ہے۔ والعیاذ باللہ!

(۱۱) ان علاقوں میں یہودیوں کے جاسوسی اڈے قائم کرنا جہاں ان اڈوں کی
موجودگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نہایت اہم ہدف ہے‘ کیونکہ اسرائیل اپنی منصوبہ
بندی کرنے سے پہلے مسلمانوں کے ممالک کا بھرپور جائزہ لینا چاہے گا جس سے وہ اسلامی
بیداری کی ماہیت اور حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرے گا‘ تاکہ اپنے حقیقی دشمنوں کو
پہچان سکے۔ اور احتیاطاً اُن ممالک کی فوجی قوت کا جائزہ بھی لینا چاہے گا‘ اگرچہ پہلے بھی
اسرائیل سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

(۱۲) ایک اور امکان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاید یہودیوں کے آثارِ قدیمہ دریافت
کئے جائیں۔ یہودیوں کا ایک یہ بھی دعویٰ ہے کہ جس خطے سے وہ زمانہٴ قدیم میں نکلے تھے
وہ مصر کے بجائے سعودیہ کا جنوبی علاقہ تھا۔ یہ بات ایک یہودی نے اپنے پی ایچ ڈی کے
مقالے میں لکھی ہے اور صاحب مقالہ نے ابہا اور اس کے نواحی علاقوں کا دورہ کیا اور
دعویٰ کیا کہ تورات میں مذکورہ علاقے یہی بنتے ہیں۔ اگرچہ اس کا رد لکھا جا چکا ہے‘ مگر
یہودیوں کے ہاں یہ شعور پیدا ہو رہا ہے۔ اسی طرح اُن کا یہ بھی خیال ہے کہ "اصحابُ
الاخدود" کو زندہ درگور کرنے کے لئے جس بادشاہ نے کنویں کھدوائے تھے وہ بھی
یہودی تھا۔ گویا یہودیوں کی ان علاقوں میں پرانی تہذیب ہے اور اس کے آثار پائے
جاتے ہیں۔ اسی طرح خیبر کا علاقہ‘ مدینہ منورہ۔ یہ سب حجت بازی صرف اسی لئے ہے کہ
ارضِ مقدس کو یہودیوں کا خطہ منوایا جائے۔ اللہ انہیں نیست و نابود کرے! (آمین)

یہ چند اہداف نہیں‘ کینہ و بغض ہے جو اِن یہودیوں کے منہ سے پھوٹ رہا ہے۔ اللہ
تعالیٰ اِن تمام علاقوں کو اپنی حفاظت و امان میں رکھے اور ہمیں اِن ظالموں کے شر سے
محفوظ رکھے۔

# تجاویز

آخر میں یہ جان لینے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ کن کے ساتھ ہے
من گھڑت جھوٹے وعدے کی کیا حقیقت ہے' ہمیں اب اپنی ذمہ داریاں اور فرا
دیکھنے ہیں۔ اس مختصر نشست میں ہمیں یہودیوں کے پروگرام اور مستقبل کی منصوبہ بن
جاننے کا موقع ملا۔ اب آخر میں یہ رہ جاتا ہے کہ ہمارے کرنے کا کام کیا ہے اور ہم
فرض عائد ہوتا ہے۔ مختصر وقت میں مَیں نے آپ کے سامنے جو باتیں اور راہداف بیان
یہ میں نے اپنی سمجھ کے مطابق بیان کئے ہیں۔ آپ ان باتوں پر غور و فکر کرکے مزید اہ
بھی معلوم کرسکتے ہیں۔ بلکہ ہم آپس میں دینی بھائی ہیں اور بھلائی و نیکی کے کاموں میں
دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔ ہم سب دعوتی میدان میں ہیں۔ اگرچہ اس دعو
میں کمزوریاں اور نقائص ہی سہی لیکن ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اسی کی ذا
یقین رکھتے ہیں۔

میں آپ کے سامنے جو حل پیش کررہا ہوں یہ حتمی نہیں' بلکہ اِن نکات پر بحث
تمحیص اور مشاورت سے ہم اس سے بھی بہتر حل تک پہنچ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ار
ہے ﴿ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ﴾

① عقیدے کا صحیح ادراک پوری اُمّت میں پیدا کرنا' یعنی صحیح عقیدے کی پہچ
معاشرے کی ہر سطح پر کرائی جائے۔ پڑھے لکھے دانش وروں سے لے کر عوام الناس
معاشرے کے تمام باشندوں تک صحیح اور درست عقیدہ پہنچانا' خاص کر "وِلاء" ا
"براء" کا عقیدہ' یعنی دوستی اور دشمنی کا معیار عقیدے کو بنانا اور اسلام جس معرکہ
اٹھانا چاہتا ہے اس کا بھرپور اعلان کرنا اور اس بات کا بھی اعلان کرنا کہ میڈرڈ کانفر
میں اسلام کی نمائندگی رتی برابر نہیں' جس میں قال اللہ کی گونج سنی گئی اور نہ قال رسو
اللہ ﷺ کی' اور نہ کسی مندوب کو یہ کہنے کی جسارت ہوئی کہ یروشلم مسلمانوں کا
ہے۔ مسئلہ فلسطین ہم سب کا مشترکہ مسئلہ ہے۔ ہمیں اِدھر اُدھر کی باتوں میں اور پُر فری
توقعات میں پڑے بغیر مسئلہ کی اصل حقیقت کو جاننا چاہیے۔ یہ مسئلہ اسلام اور دین کا مس

ی' صرف فلسطینیوں کا خاص نہیں' بلکہ ہر مسلمان کے دین کا مسئلہ ہے جو قیامت تک
ہے گا۔ ہمیں اس بات کا ببانگ دہل اعلان کرنا ہو گا۔

۲ مسجد کے کردار کو فعّال بنایا جائے' کیونکہ ابلاغِ عامہ اور ثقافتی یلغار کا مقابلہ
رنے کے لئے ہمارے پاس مسجد کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہیں۔ الحمد للہ مسجد کے اثرات
رے اور دُور رس ہوتے ہیں جس کا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ مصنوعی سیاروں کی مدد سے جو
تی اور فکری یلغار کی جا رہی ہے اِس کے مقابلے میں ہمارا ہتھیار مسجد ہے جو ہر جگہ
تیاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری معمولی کوشش میں بھی برکت فرمائیں گے۔

۳ علاقائی سطح پر پوری دنیا میں اہل سُنّت والجماعت کے مابین اتحاد قائم کرنا' جو
ز ایک متحد اُمّت بنانے پر منتج ہو اور جس کا راستہ سلف صالحین کے منہج پر ہو۔ اس
اد کی پہلی بنیاد تو خود اہل سُنّت والجماعت کا عقیدہ ہے' عقیدہ بھی ایک اور راستہ بھی
یک۔ آخر یہ فرقہ بازی کیوں رہے جبکہ یہود و نصاریٰ اور مشرق و مغرب متحد ہوں!
روری ہے کہ مسلمانوں کو عملی اور دعوتی سطح پر مل کر کام کرنا چاہئے۔ ہماری دعوت کی
ت عقیدۂ توحید کی اشاعت ہے نہ کہ حکومتی سطح پر کوئی تبدیلی لانا' جیسا کہ فریب
روں نے پروپیگنڈہ کر رکھا ہے۔ ہم کسی کو ہتھیار اٹھانے کی دعوت نہیں دے رہے'
ری خواہش صرف اتنی ہے کہ صحیح عقیدے کی اشاعت کے لئے اکٹھا ہوا جائے۔ اور
ر کوئی اس میں آڑے آئے اور اِتمامِ حجت ہو چکے تو اللہ تعالیٰ اُن کے خلاف ہماری
رت فرمائے گا' جو اِس دعوت سے اتفاق کرے تو ہم اس سے یہی کہیں گے کہ پُراُمید
ہو' یہ بہت ہے۔

اہل سُنّت والجماعت کا اتفاق سب سے پہلے خود اُن کے اپنے وجود کی پہچان کے لئے
ضروری ہے' قبل اس کے کہ یہ اتفاق کسی دوسرے کے خلاف ہو' جیسا کہ کچھ لوگ سمجھتے
یں۔ سُنّت کے زندہ کرنے اور اہل سُنّت کے ناتواں جسم میں روح پھونکنے کے لئے یہ اتحاد
اگزیر ہے' تاکہ یہ جسم کہیں تہذیبی یلغار کی تند رو میں بہہ نہ جائے۔

۴ بدعات' شرکیات' خرافات اور گمراہیوں کے خلاف جنگ کرنے سے لوگوں کے
اندر دجال اور دجال کی شعبدہ بازیوں سے کفر کرنے کا رجحان پیدا ہو گا' کیونکہ دجال پر

ایمان لانے والے خرافات کے پیچھے دوڑنے والے ہوں گے۔ عام لوگ بے سروپا باتوں کے معتقد بنتے جا رہے ہیں۔ اس لئے صحیح عقیدے کی دعوت اور سلف صالحین کا منہج عام کرنا نہایت ضروری ہے جو اہل سنّت کے باہمی مربوط تعاون سے ممکن ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے [illegible] اجتہادی مسائل میں اختلافات کو ہوا دے کر اہل سنّت میں پھوٹ ڈالنے سے بچنا چاہئے۔ اہل سنّت کے مختلف گروہوں اور علماء کے باہمی اختلافات کو افہام و تفہیم کی چاشنی اور محبت کی فضا میں رہ کر دور کرنا چاہئے اور عوام الناس کو اس مخمصے سے دور رکھ کر علماء کو آپس میں گفت و شنید کرنی چاہئے۔ اور اگر کوئی گروہ دھوکہ لگنے سے انجانے پن میں یا جذبات کی رو میں بہہ کر اہل سنّت پر زیادتی کرے تو اسے خاموشی اور صبر سے سہنا چاہئے اور ردّ عمل میں ویسا طرزِ عمل نہ اپنایا جائے' مبادا اہل سنّت مزید فتنوں میں پڑیں۔ صبر اور مستقل مزاجی سے اگلے مرحلے میں پہنچنا چاہئے۔ ان شاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ چند دنوں میں لوگ انہیں نظرانداز کر دیں گے اور اُمّت کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگے گی کہ ان کے مخالفین دشمن کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں' اور ہو سکتا ہے کہ انہیں خود بھی اس کا احساس نہ ہو۔

⑤ سود کی بیخ کنی کے لئے اسلامی بینکوں کا قیام عمل میں لایا جائے۔ شیخ بن بازمدّ ظلہ نے سعودی عرب میں بلا سود بینکاری کا عندیہ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ سود بینکاری کی طرف قدم اٹھانا نہایت خوش آئند ہے۔ اگر وقت ہوتا تو میں اس پہلو پر تفصیل سے گفتگو کرتا۔

⑥ تعلیمی نصاب میں جو بتدریج تبدیلی کا خطرہ ہے اس سے خبردار اور آگاہ رہنا چاہئے۔ علماء کو اِسی نصاب کو باقی رکھنے پر پورا زور لگانا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری غفلت سے نصابِ تعلیم اور طریقہ تعلیم میں اُن مقامات کو حذف کر دیا جائے یا اُن کا سرے سے ذکر ہی نہ کیا جائے جن مقامات کے حذف کرنے کا یہودیوں نے کہا ہے۔

شعبہ تعلیم میں یہ تبدیلی خواہ انجانے میں لائی جائے یا عمداً' ہمیں اس پہلو پر گہری نظر رکھنی ہے' بلکہ ان آیات یا احادیث کی تشریح میں طالب علموں کے سامنے اپنی طرف سے بھی اضافہ کرنا چاہئے' تا کہ یہ تشریح واقعاتی ہو۔

⑦ وعدۂ حق یاد دلا کر اُمّت کو پُر امید کیا جائے جس کا عہد اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور قرآن و حدیث کے دلائل اور واقعاتی صورتِ حال سے اس کی سچائی دلوں میں بٹھائی جائے' تاکہ اُمّت پر مایوسی طاری نہ ہو۔ اُمّتِ اسلامی مایوسی سے کبھی واقف نہیں رہی' ہماری پوری تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اور ہمیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہئے کہ وہ ہماری نصرت فرمائے گا خواہ اس میں کچھ دیر ہی ہو جائے : ﴿ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ﴾ "اللہ ضرور اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو اُس کی مدد کریں گے"۔

⑧ یورپ میں بالعموم اور امریکہ میں بالخصوص دعوت کے کام کو بڑھانا اور اِن ملکوں میں مقیم مسلمانوں کے لئے لائحہ عمل فراہم کرنا۔ اس طرح میری یورپ میں بسنے والے مسلمانوں سے خصوصی اور مقامی مسلمانوں سے عمومی گزارش ہے کہ وہ اہل کتاب کی بنیاد پرست تنظیموں پر گہری نظر رکھیں' اپنے دین پر پوری طرح کاربند رہیں اور اِس کے بعد یورپ کو دعوتِ اسلام دیں۔

محترم بھائیو! امریکیوں میں یہ سب کچھ ہونے کے باوجود جو ہم نے سنا' خیر کا پہلو ختم نہیں ہو گیا۔ لاکھوں امریکی اسلام قبول کرنے کی طرف راغب کئے جا سکتے ہیں اور امریکہ میں قبولِ مذہب کی مکمل آزادی ہے۔ اگر مسلمان وہاں ٹی وی سٹیشن چلانے کی استعداد میں ہوں تو اس ذریعے کو دعوت کے لئے استعمال میں لانا چاہئے' بالکل اسی قانونی جواز کی بنیاد پر جس سے یہود و نصاریٰ کو اپناٹی وی سٹیشن چلانے کی اجازت ہے۔ امریکہ برطانیہ اور فرانس سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ یہ دونوں ممالک اسلامی شعار اپنانے سے جبراً منع کرتے ہیں۔ میں امریکہ کی تعریف نہیں کر رہا' کیونکہ امریکہ بھی اسلام دشمنی میں کچھ کم نہیں' لیکن ہمیں دوسروں کے معاملے میں انصاف کرنے کا حکم ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾ "اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے"۔ اور دوسری جگہ فرمایا : ﴿ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا ﴾ "اور جب بات کہو انصاف کی کہو"۔

ہمیں معاشروں کی درجہ بندی میں اللہ کا حکم ماننا ہے۔ امریکہ میں مذہبی آزادی کی وجہ یہ ہے کہ اِس کا دستور کلیسا اور حکومت کو الگ الگ کرتا ہے اور مذہب حکومت میں قطعی دخل انداز نہیں ہو سکتا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ امریکی حکومت دینی مدارس پر ایک

پیسہ بھی خرچ نہ کرے گی' لیکن دوسری طرف تمام مذاہب کو اپنے تعلیمی مراکز کھولنے کی مکمل اور یکساں آزادی ہے۔ یہ مراکز ٹیکس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اور انہیں رفاہِ عامہ میں شمار کیا جاتا ہے' گویا یہ رقم ملک میں رفاہی کاموں پر صرف ہوئی۔ بجائے اس کے کہ حکومت [illegible]ت خانے کھول کر خود ایک فرقہ وارانہ مصیبت اپنے گلے میں ڈالے' دینی گروہوں کو اپنے عبادت خانے اور تعلیمی مراکز کھولنے کی اجازت دے دی ہے' خواہ کوئی مذہب ہو۔ اس لئے جو مذہب زیادہ سرگرم ہو گا وہ زیادہ پھیلے گا۔ اور مستقبل قریب میں امریکی دستور کے اندر کسی تبدیلی کا امکان نہیں۔ اس لئے اگر وہاں کے مسلمان ہمت کریں تو دعوت کا کام ٹھوس بنیادوں پر ہو سکتا ہے۔ اور کیتھولک فرقے کے اُن افراد کو ہرگز نظرانداز نہیں کرنا چاہئے جو یہودیوں سے ناراض ہیں اور اُن سے کٹے ہوئے ہیں۔

⑨ سیاسی بیان بازی کے بجائے فلسطینیوں کا بھرپور عملی ساتھ دینا چاہئے۔ مال کے ساتھ مدد کرنا اور مال سے بھی پہلے دعوت سے مدد کرنا' اُن تک ضروری کتابوں کی فراہمی کو آسان بنانا اور اس کے علاوہ دوسری ضروریات مہیا کرنا' اور مقبوضہ علاقوں میں فلسطینیوں کی موجودگی کو نہایت ضروری سمجھنا اور ان کی آبادی میں اضافے کو ممکن بنانا' جس کے لئے اُن فلسطینیوں کی واپسی کی صورت نکالنا جو بیرونِ ملک مقیم ہیں' کیونکہ اسرائیل کا موقف آبادی میں کمی کی وجہ سے سیاسی اور نفسیاتی سطح پر نہایت بودا ہے' ہمیں یہ کام ضرور کرنا چاہئے۔ اور اگر سرحدیں کھل گئیں تو اس موقع سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ امریکی اسرائیلی مملکت کے لئے کروڑوں کی امداد دیتے ہیں۔ امریکہ میں تقریباً پچاس لاکھ مسلمان ہیں' یورپ میں یہ تعداد اس سے بھی زیادہ ہے' یہ مسلمان آخر کیوں اپنے بھائیوں کی امداد میں پیچھے رہیں! ایسا مسلمان جو امریکی شہریت حاصل کر چکا ہے وہ آسانی سے اسرائیل آ جا سکتا ہے اور جتنی رقم اپنے ساتھ لے جانا چاہے لے جا سکتا ہے' کیونکہ وہ امریکی ہے' پھر آخر اس موقع سے فائدہ نہ اٹھانے میں کیا چیز کارفرما ہے؟ فلسطینیوں کی امداد کرنے کی اور بھی کئی صورتیں نکالی جا سکتی ہیں' مگر وقت کی کمی کی وجہ سے انہیں رہنے دیتے ہیں۔

ان دشمنوں کے بینکوں سے اپنی رقومات نکال کر اُسے اُمّت کے اہم مسائل حل

کرنے میں استعمال کیا جائے' وہ مسائل جو پوری دنیا کے طول و عرض میں پھیلی اُمتِ
سلامی کو درپیش ہیں۔

⑩ ہمیں اپنی روزمرہ کی زندگی سے فضول خرچی اور عیش و عشرت کو نکالنا ہوگا
وراپنے تمام وسائل کو مجتمع کرکے اس دشمن کا مقابلہ کرنا ہوگا جس نے مکڑی کی طرح اپنا
جال پھیلا رکھا ہے۔ اپنی تنخواہ اور روزمرہ آمدنی سے ایک حصہ بچا کر اس مد میں لگانا ہے۔
اس کے علاوہ اپنے وقت کی بھی قربانی دینی ہوگی۔ ہمارا سامنا وقت کی بہت بڑی قوت کے
ساتھ ہے۔ یہ جنگ فتح و شکست سے زیادہ بقاء کی جنگ ہے۔ ہمارا دشمن اُمتِ محمدیؐ کا نام
و نشان مٹا دینا چاہتا ہے' ہمیں غلامی کی دلدل میں دھکیلنا چاہتا ہے' جیسے وہ کنعانیوں کے
متعلق بارہا کہہ چکے ہیں "وہ یہود و نصاریٰ کے غلاموں کا غلام ہو"۔

⑪ مبلغین پر' علماء پر' خطیبوں پر اور پوری اُمت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ
فوجی صلاحیت بڑھانے پر زور دیں۔ اور اس سے زیادہ ضروری فوج کی اصلاح ہے' اور
ایمان و جہاد پر اُن کی تربیت کرنا ہے اور اسی طرح علمی و فنّی مہارت بڑھانا ہے اور اپنے
اندر ایجاد و اختراع کی روح پیدا کرنی ہے' تاکہ ہم اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر اسلحہ تیار
کرسکیں جو دشمن کے اسلحہ کے ہم پلہ ہو۔

ہمیں نیو ورلڈ آرڈر کے بہکاوے میں ہرگز نہ آنا چاہئے جس میں امن و سلامتی کا
ڈھکوسلا دیا گیا ہے اور کسی دوسرے ملک کے لئے فوج رکھنے کی ضرورت سے انکار کیا گیا
ہے۔ ہمیں اسلحہ بہتر سے بہتر بنانے کی طرف قدم بڑھانا چاہئے۔ آپ شاید جانتے ہوں کہ
امریکہ خود بعض چیزیں جاپان سے بنواتا ہے۔ امریکہ جاپان کو مطلوبہ آرڈر دیتا ہے اور وہ
مطلوبہ چیز بنا دیتے ہیں۔ ہمارے پاس روپے کی کمی نہیں' ہم بھی اپنی من پسند اشیاء جاپان
سے آرڈر پر بنوا سکتے ہیں' لیکن اس کا مقصد خود اپنے اندر فنی صلاحیت پیدا کرنا ہو۔
ابتدائی مرحلے میں یہ طریقہ کارآمد ہو سکتا ہے۔ اگر ہم سنجیدگی سے اللہ پر توکّل کرتے
ہوئے اس جانب قدم بڑھائیں اور محنت کریں تو اللہ تعالیٰ خیر و برکات نازل کرے گا'
ان شاء اللہ۔

اللہ کی قسم! اگر خلیجی ممالک کو مال خرچ کرنے کا ڈھنگ آجائے تو ہم پیسے کے زور پر

بلا مبالغہ امریکی انتخابات پر اثر انداز ہو سکتے ہیں وہ اپنی پسند کے آدمی کو صدارتی الیکشن میں کھڑا کر سکتے ہیں اور پیسے کے زور پر اُسے اپنا حامی بنایا جا سکتا ہے۔ اس کی کئی مثالیں امریکہ میں موجود ہیں۔ خود صدر بش کا اپنا بیان ہے کہ اس کے پاس انتخابی مہم چلانے کے لئے مطلوبہ سرمایہ نہ تھا۔ جس امیدوار کا جیتنے کا امکان ہو ہم اسے سرمایہ فراہم کرتے ہیں' خواہ اس سرمائے کا معمولی اثر ہی ہو۔ اس لئے ہمیں اپنے وسائل دانش مندی سے مستقبل کو سامنے رکھ کر استعمال کرنے چاہئیں اور آنے والی نسلوں کے لئے وسائل بچا کر رکھنے چاہئیں۔ معرکہ چھڑنے والا ہے' اور یہ طویل معرکہ ہے۔ کاروباری منافع سے ہٹ کر اُمّت کے مجموعی فائدے کو ترجیح دینی چاہئے۔ یہ غیر ملکی کمپنیاں صرف منافع خور ہیں اور اپنی لالچ کے لئے کام کرتی ہیں' ہمارا ہی خام مال سستے داموں خرید کر پھر دوبارہ ہمیں مہنگے داموں پر بیچتے ہیں اور یہ منافع اگلے معرکے کی تیاری پر صرف کرتے ہیں۔

اس مختصر نشست میں مَیں نے آپ کے سامنے اصل دشمن کے بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کے عزائم بھی آپ کے سامنے پیش کئے ہیں اور عملی اقدامات بھی آپ کے گوش گزار کئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ باتیں ہمارے دل میں اتر جائیں۔

---

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg No CPL125
Vol 49 No 12
Dec 2000